مغرب سے نثری تراجم کا دوصد سالہ سفر

اردو ترجمے کی روایت

1786ء تا حال

مرزا حامد بیگ
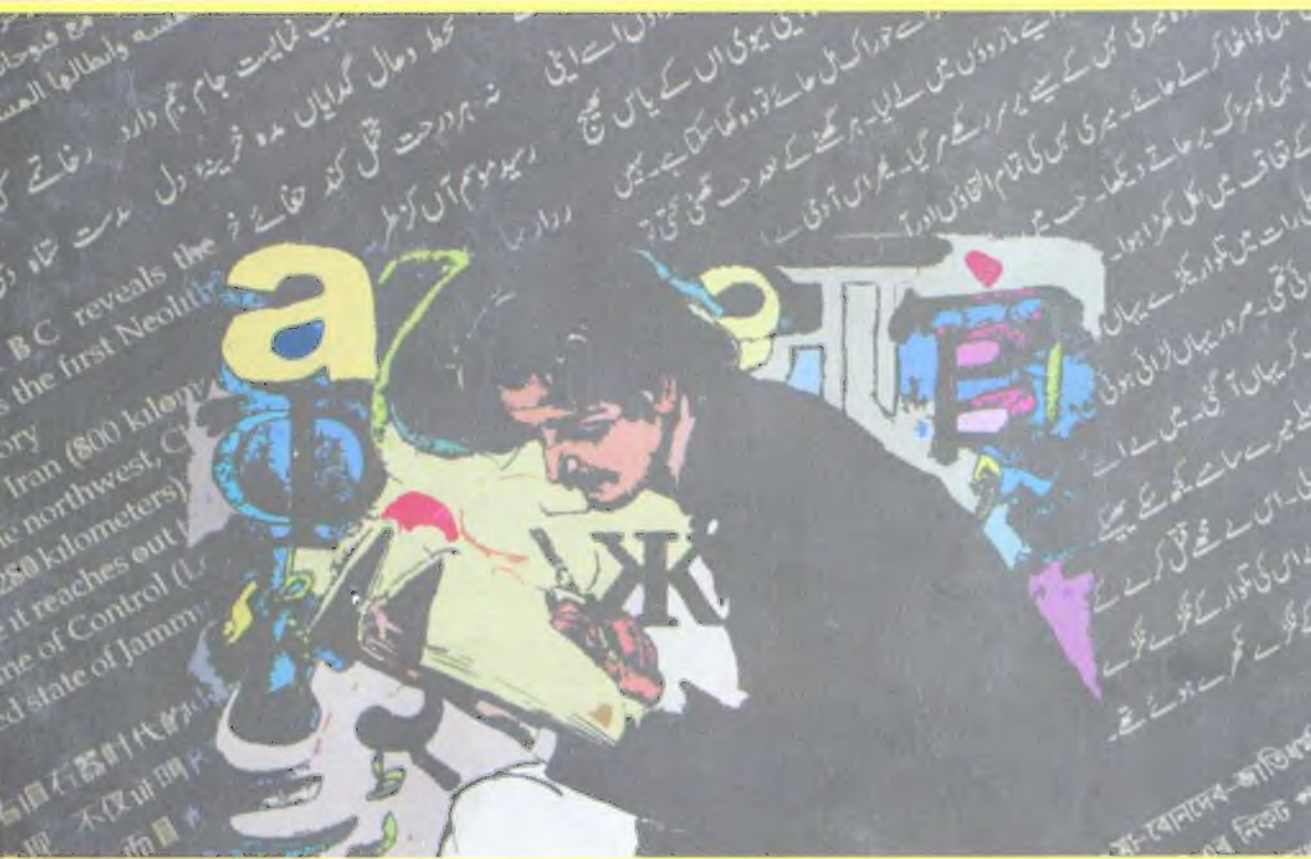
اُردو ترجمے کی روایت

مغرب سے نثری تراجم کا دو صد سالہ سفر
1786ء تا حال

مرزا حامد بیگ

دوست پبلی کیشنز

اسلام آباد - لاہور - کراچی

ضابطہ

ISBN: 978-969-496-464-5

کتاب : اُردو ترجمے کی روایت

مصنف : مرزا حامد بیگ

موسم اشاعت : 2016

سرورق : خالد رشید

مطبع : ورڈ میٹ، اسلام آباد

قیمت : 1750.00روپے

دوست پبلی کیشنز

پلاٹ 110، سٹریٹ 15، I-9/2 اسلام آباد

فون: 051-4102784-85

E-mail: dostpub@nayatel.pk

مترجمینِ عُظّام

ارنسٹ فینولوسا،

ایزرا پاؤنڈ،

ایس۔ آرتھر ویلی

اور

اپنے دادا اُستاد محمد حسن عسکری

کے نام

ترتیب

حرفِ چند

صاحب، ہمیں وہ تدبیر بتایئے کہ یک ورقہ خط میں اِس وقیع اور وجیہہ کام کی بھرپور داد دے سکیں، جو ہمیں آپ کے التفاتِ خاص کی بدولت شب قدر کے تحفے کے طور پر یہاں نصیب ہُوا اور ہم نے دو دِن، دو رات میں اوّل تا آخر ورقاً ورقاً پڑھ ڈالا۔

جی خوش ہوا کہ ہماری زبان میں کچھ لوگ ہیں، جو یوں جی لگا کر، آنکھیں ٹپکا کر کام کرتے ہیں اور ایک ہم، چھی!

حامد بیگ، مرزا حامد بیگ، سیّد حامد، حامد حسین میرے ملنے والوں میں کئی ایک ہیں۔ آپ کے مضامین، جو اِدھر چھپتے رہے ہیں (خصوصاً ہومر والا مضمون) اُن کی روشنی میں ایک حامد کو دوسرے سے شناخت کر لیا تھا، لیکن مرعوب نہ ہوا تھا۔ 'مغرب سے نثری تراجم' نے مرعوب بھی کر دیا۔

مختصراً عرض ہے کہ ''الفہرست'' تو جیسا کسی اَعلا علمی ادارہ کے شایانِ شان ہو، ویسا ہی۔ البتہ 101 ادبی تراجم کا تفصیلی تعارف خاصے کی چیز ہے۔ جب تک ایک ذی علم، روشن خیال، صاحب قلم نے سالہا سال کلاسیکی ادب پاروں کا اصل یا اصل سے قریب ترین زبان میں جم کر مطالعہ نہ کیا/ تقابلی مطالعہ نہ کیا ہو، یہ تفصیلی تعارف (جو ایک درجے میں تنقیدی تعارف نامہ بھی ہو گیا ہے) قلمبند نہیں ہو سکتا۔

شاہ ولی اللّٰہی بصیرت کا جو خاموش تجزیہ آپ نے کر دیا ہے، وہ بلند بانگ ولی اللٰہیوں کو نصیب نہ ہوا تھا۔ Objective اسٹڈی ہونے کے علاوہ نہایت محتاط اور نپا تُلا تجزیہ ہے۔ اِسی طرح جان گلکرائسٹ سے میرامّن تک کا سلسلہ۔ ڈپٹی نذیر احمد، سرسیّد سے لے کر ہمارے زمانے میں حسن عسکری، عزیز احمد اور سلیم احمد کے تراجم اور مطالعے اور اُن کے اپنے بیان کی تنقیح سبھی نہایت خوب ہے۔

ترجموں کے حوالے اور اقتباس دے کر اہم محققوں اور مترجموں کے کام کی، اور نام کی بھی، سیدھے سبھاؤ نمائش لگا دی ہے کہ دیکھنے والا خود نتیجہ نکال سکے۔

حاشیے اور تعلیقات کچھ کم قابلِ قدر اور آگہی بخش نہیں۔ صفات اتنے ہیں (اور صحیح بات یہ کہ علمی لظم وضبط کے ساتھ یہ اِس موضوع پر پہلی کتاب ہے) کہ میں چند صفحات میں یہاں گنوا نہیں سکتا۔ عیوب اتنے ہیں کہ دو پیرا گراف میں گنوائے جا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر ظ۔ انصاری

30 اپریل 1989ء
بمبئی، بھارت

ابتدائیہ

ایک یونانی مقولہ ہے کہ ''ترجمہ ہمیشہ ایک بُھنی ہوئی سٹرابیری ہی رہے گا۔'' یعنی ترجمے کے دوران اصل چیز کے ذائقے میں فرق ضرور پڑے گا۔

کچھ یہی سبب ہے کہ ڈاکٹر سیموئل جانسن شاعری کے ترجمے کو ناممکن قرار دیتے ہیں اور جے۔ایچ فریئر کو ترجمے کی زبان قابل التفاف دکھائی نہیں دیتی۔ حد تو یہ ہے کہ مشہور مترجم ایڈورڈ فٹز جیرالڈ، زندہ کتے کو، مُردہ شیر سے بہتر قرار دیتے ہیں۔

ترجمے کے فن سے متعلق یہ آراء تو 19 ویں صدی تک کی ہیں، جبکہ 20 ویں صدی میں دو مکتبہ ہائے فکر سامنے آئے ہیں۔ پہلا گروہ مخالفین کا ہے۔

گرانٹ شاورمین کرسپلی کے خیال میں ''ترجمہ کرنا ایک گناہ ہے'' اور پروفیسر ایلبرٹ گیرارڈ کے نزدیک ترجمہ ''نام ہے ایک سعی نامشکور کا، جس کے صلے میں شدید مشقت کے بعد صرف حقارت ملتی ہے۔''

جب کہ عملی سطح پر دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ ارنسٹ فینولوسا، ایزرا پاؤنڈ اور آرتھر ویلی نے ترجمے ہی کے ذریعے قدیم مشرقی شاعری کو مشرق و مغرب کی حال کی شاعری میں بدل دیا اور پاؤنڈ نے جب بھگت کبیر کے چند دوہوں کے ترجمے کے بعد کینٹوز لکھے تو اس کی شاعری میں ''کہت کبیر'' کی گونج نمایاں تھی۔ یوں ترجمہ، گماں کا ممکن ہے اور یہ کام کچھ لوگ کر گزرے جنہیں ''نمک حرام'' اور ''غدار'' تک کہا گیا۔ اس میں پہلا نام 250 قبل مسیح کے لیویوس اینڈرونیکس (Livius Andronicus) کا ہی لیا جائے گا، جس نے اوّل اوّل ہومر کی ''اوڈیسی'' کو لاطینی زبان میں ترجمہ کیا اور تادیر گمنامی سے نباہ کیا۔ انگریزی میں بائبل کے اوّلین مترجم ولیم ٹنڈیل کی ساری عمر جلاوطنی میں گزری۔ وہ 1535ء میں گرفتار ہوا 1536ء میں پھانسی پائی اور اس کی لاش کو آگ میں جھونک دیا گیا۔ خود ہمارے ہاں ''ترجمۂ قرآن'' کے بعد نذیر احمد دہلوی سے عالمانہ مذہبی تقدس بھی چھن گیا۔

شاید اسی لئے ترجمے کی دیومالا نے مترجم کی حالتِ زار کو ''سسی فس'' سے تشبیہ دی ہے، جو انتہائی بااختیار ہونے کے باوجود بے بس اور قابل رحم ہے۔

اب آیئے اردو میں نثری تراجم کی روایت کی طرف۔

ہمارے ہاں ادبی تراجم کی تاریخ میں ''راسلس'' از ڈاکٹر سیموئل جانسن کے ترجمہ ''تواریخ راسلس، شہزادہ حبش کی'' از سید محمد میر لکھنوی مطبوعہ: آگرہ طبع اوّل 1839ء کی اہمیت اس اعتبار سے ہے کہ بلاکسی شک وشبہ کے، مغرب کی کسی بھی زبان سے اردو میں ہونے والا، کتابی صورت میں یہ پہلا ادبی ترجمہ ہے۔ اس سے قبل ڈاکٹر جان گلکرسٹ نے اپنی کتاب ''ہندوستانی زبان کے قواعد'' مطبوعہ: کلکتہ: طبع اوّل 1796ء میں ولیم شیکسپیئر کے دو ڈراموں ''ہملٹ'' اور ''ہنری ہشتم'' کے دو چیدہ اقتباسات کا اردو ترجمہ پیش کیا تھا۔

واضح رہے کہ ہمارے اوّلین دیسی مترجم سید محمد میر لکھنوی، ریورنڈ چارلس کی چھ جلدوں میں کیمسٹری سے متعلق کتاب 1828ء میں طبع کروا چکے تھے اور یہی وہ زمانہ ہے جب میرامن دلی والے نے ''باغ و بہار'' اور ''گنج خوبی'' کے بعد ریوری رنٹ چارلس کی سات جلدوں پر مشتمل کتاب ''ستہ شمسیہ'' کا ترجمہ غلام محی الدین متین حیدرآبادی، مسٹر جونس اور موسیو تندوسی کے ساتھ مل کر مکمل کیا۔

1857ء کی ناکام جنگ آزادی کے ہنگام تک اردو میں زیادہ تر علمی تراجم سامنے آئے، جن کی تفصیل وقت چاہتی ہے۔ لیکن یہی وہ زمانہ ہے جب علمی اور ادبی سطح پر ہمارے ہاں ایک داخلی کشمکش دکھائی دی۔ اُس دور کے ادباء وشعراء کے ایک گروہ کے خیال میں پیرویٔ مغرب ہی زندہ رہنے کی واحد صورت تھی، اور دوسرا گروہ مغرب کے پہیے کا زیرِ بارِ احساں رہتے ہوئے ابن العربی اور ابنِ رشیق پر گزارا کرنا چاہتا تھا جب کہ تیسرا گروہ مغرب سے بھی صاحب سلامت کا خواہاں تھا اور مشرق تو تھا ہی اپنا۔ سو 19ویں صدی عیسوی کے نصف آخر اور 20ویں صدی کے نصف اوّل میں ہم مشرق اور مغرب کے فکری ابعاد کے درمیان ڈگمگاتے پھرے۔

لیکن یہ دوطرفہ آگ تھی۔ ہمارا ادیب ترجمے کی معرفت، مغرب کی سمت تجسس کے ساتھ دیکھ رہا تھا اور مغرب نے مشرقی لبادہ اوڑھنے کی کوشش کی تھی۔

مغرب میں اس میلان کے ابتدائی نقوش مارلو اور شیکسپیئر کے ڈراموں میں دکھائی دیتے ہیں جبکہ ہمارے ہاں 1880ء کے قریب رڈیارڈ کپلنگ اپنے مشرقی حوالوں کے ساتھ اُبھرا۔ یہ الگ قصہ ہے کہ باطنی سطح پر اُس نے انگریز راج کے ہی تصور کو تقویت بہم پہنچائی۔

کپلنگ سے پہلے میکنزی نے 1885ء میں مسز مشروم اور کرنل میڈوز ٹیلر نے امیر علی ٹھگ کی ذات کے حوالے سے ہندوستان کے باسیوں کا خوب خوب مضحکہ اُڑایا اور ہمارے رتن ناتھ سرشار نے اصل حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر میکنزی کی کتاب ''اعمال نامۂ روس'' کا ترجمہ کیا۔ سو کہا جاسکتا ہے کہ کپلنگ کی ذہنیت پیدا کرنے کو 1785ء سے زمین ہموار کی جارہی تھی۔ آگے چل کر بقول محمود ہاشمی: ''ایزرا پاؤنڈ، میگنا کارٹا کے ساتھ ساتھ مشرقی فلسفے اور مشرقی شاعری کے تراجم اور حوالوں کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ اس لئے ایلیٹ اپنے ''خرابے'' اور ''کارتھیج'' کے خوابوں کے بعد ''اُوم شانتی شانتی'' کی منزل تک آتا ہے۔ اسی لئے سارتر، بُدھ سے قریب دکھائی دیتا ہے۔ اس لئے بیشتر نئے مغربی ادیب بدھسٹ بن گئے تھے۔ اسی لئے ایلن جنسبرگ (Allen Ginsberg) امریکہ سے ہندوستان کا سفر کرتا ہے۔''

(''ایک خطرناک میلان''، مطبوعہ: اوراق، لاہور، شمارہ: 4، 1966ء، ص: 119)

یہ تو تھی مُجمل صورتِ حال، البتہ اردو میں مغربی زبانوں سے ادبی تراجم کا جائزہ اِس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اردو زبان وادب کی وسعت اور تکنیکی سطحوں پر گہرائی وگیرائی میں اخذ وترجمے کا خاصا اہم کردار رہا ہے۔ مثلاً یہ کہ تراجم نے نئے اسالیب بیان کو جنم دیا، نئے طرزِ احساس کو اُبھارا، پیرائیہ بیان میں صلابت، متانت اور استدلال کو بڑھاوا دیا اور پیرائیہ اظہار کے نئے نئے سانچے فراہم کیے۔

یوں اردو ادب میں تذکرہ کی جگہ تنقید، داستان اور تمثیل کی جگہ ناول، رہس اور نوٹنکی کی جگہ ڈراما اور کہانی کی جگہ افسانہ جیسی جدید اصناف نے لے لی، اور ادبیاتِ عالم کے ساتھ قدم بہ قدم چلنے کا خواب ہم نے پہلی بار دیکھا۔ اور یہ سب اُس وقت ہوا، جب ہم نے سو سے زائد آپ بیتیاں، ڈیڑھ سو افسانوی مجموعے، درجنوں ادبی تاریخ سے متعلق کتب، دو سو پچاس ڈرامے سے متعلق کتب، ساٹھ سفرنامے، ایک سو اٹھارہ سوانحی کتب اور ڈیڑھ ہزار ناول کتابی صورت میں نہ صرف ترجمہ کر لئے بلکہ یہ سب کچھ کتابی صورت میں شائع بھی ہوا۔

قصے، رزمیے، کہانیاں، روزنامچے، مضامین، خطوط، تنقیدی کتب اور شعری مجموعوں کے تراجم اس کے علاوہ ہیں۔

نیز مستقبل میں ترجمہ شدہ غیر مدوّن مواد طباعت کے وقت کئی لاکھ صفحات گھیرے گا۔

ابتداء میں ادبی سطح پر، ترجمے کی معرفت ہیئت، تکنیک اور موضوعی کروٹوں سے آشنائی نئی نئی تھی اور مغربی ادبیات کی روایت کا شعور تقریباً ناپید تھا۔ جس کے نتیجہ میں تراجم ہوئے تو، لیکن انتہائی بے سلیقگی کا مظاہرہ بھی دیکھنے میں آیا۔ قاری کی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے ترجمے کے نام پر کاٹھ کباڑ کے ڈھیر لگا دیئے گئے۔

ایسے تراجم کا بڑا نقص یہ ہے کہ علاوہ غلط اور غیر معتبر ہونے کے، وہ مستند اور اہم کتب کے ترجمے نہیں تھے۔ مثلاً جارج ولیم۔ ایم رینالڈز کے کتابی صورت میں چھپن سے زائد ترجمے ہوئے اور مختلف مترجمین نے کیے۔ اور اس پر غضب یہ کہ ترجمہ در ترجمہ ہوئے اور مترجمین نے اصل متن دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔

یہی صورت ''آزاد ترجمہ'' میں سامنے آئی اور ہمارے مترجمین نے ''ڈان کیخوتے'' کو ترجمہ کرتے ہوئے ہسپانیہ کے بازاروں میں لکھنؤ کے بانکوں کو جدی پشتی وہیں کا ثابت کر دیا۔ کرداروں کے نام اور جگہوں کے آثار تو تبدیل ہوئے ہی، اُن کی عادات و خصائل تک بدل گئے۔

ابتدائی مترجمین کی ترجمے کے فن سے ناواقفیت اور تنِ آسانی نے تراجم میں ایک نیا طرزِ تحریر بھی ایجاد کیا۔ جس کے لئے انگریزی میں 'Journalese' کی اصطلاح موجود ہے۔ یعنی ایک ایسی ناقص زبان لکھی گئی، جو نہ تو خیالات کے اظہار پر قادر تھی اور نہ ہی معنی کی ترسیل پر۔ یہ اس لئے بھی ہوا کہ مشرق میں ''لفظ'' خاصیت یا داخلی شیت کا نمائندہ ہے۔

OOO

محمد حسین آزاد نے ''آبِ حیات'' میں لکھا تھا کہ

ہاں یہ کام ہمارے نوجوانوں کا ہے، جو کشورِ علم میں مشرقی اور مغربی، دونوں دریاؤں کے کناروں پر قابض ہو گئے ہیں۔ اُن کی ہمت آبیاری کرے گی۔ دونوں کناروں سے پانی لائے گی۔

اِس رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے مہدی جعفر لکھتے ہیں:

ملحوظِ خاطر رہے کہ بات پانی لانے کی ہے، کناروں پر تیرتے ہوئے الفاظ اکٹھا کرنے کی نہیں۔ تخلیق اور ترجمے میں بہر حال فرق ہے۔ خیر مغرب والوں نے تو اپنے پانی سے اپنے ہم مزاج الفاظ نکالے ہیں۔ ہم نے ترجمے کے ذریعے اُنہیں الفاظ سے شعبدہ بازی یا چونکانے کا کام لیتے ہوئے بے اعتمادی کا ثبوت دیا ہے۔''

(''اردو افسانے کے افق''، اوراق، لاہور، مئی جون 1983ء، ص: 357)

مہدی جعفر نے محولہ بالا مضمون میں مشرق اور مغرب کے مزاجوں کی سطح پر فرق کو ''کیمیا گری'' اور ''کیمیا دانی'' کا فرق قرار دیا ہے۔ اردو ادب کو تراجم کی معرفت کیمیا گری سے کیمیا دانی کی طرف لانے کا کام یوں تو فورٹ ولیم کالج میں ہونا قرار پایا تھا لیکن اِس بات میں بھی سرسیّداحمد خاں بازی لے گئے۔ انہوں نے اُردو ادب کو جس ذہنیت کا تحفہ دیا اُس کی بنیادیں عقلیت، اجتماعیت، مادیت اور حقائق نگاری پر تھیں۔

سرسیّد احمد خان کی معرفت مشرق کے لئے مغرب کی اِس عطا کی کھوج میں نکلیں تو پتا چلتا ہے کہ ''لفظ'' کی سطح پر ہم ''داخلیت'' سے اُسی زمانے میں دست کش ہونا شروع ہو گئے تھے جب سے یورپی اقوام نے ہمارے ساحلوں پر اوّل اوّل قدم رکھا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ''نئے'' اور ''جدید'' ادب تک آتے آتے نہ ہماری زمینی بُو باس اپنا پتا دیتی ہے اور نہ ہی ہمارے ہاں کے معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی حوالوں کا نشان ملتا ہے۔ اردو میں مغربی تراجم کے زیر اثر ہمارے افسانوی ادب کو مخصوص نوع کی مغربی روش کا سامنا رہا جس کے باعث ہمارے افسانوی ادب کا بیشتر حصہ ایسا ہے کہ اسے بڑی آسانی سے ''اینگلو انڈین ادب'' کے کھاتے میں ڈالا جا سکتا ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے اُدباء کو اوائل 20 ویں صدی کی قومی تحریکوں کا ہمنوا بن کر ہی ترجمے کی طرف آنا چاہیے تھا بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہمیں زرق برق مغربی تہذیب اور انگریزی ادبیات کا مطالعہ مخصوص معاشرتی اور سیاسی حوالوں، ذہنی رویوں، ضرورتوں اور انگریزی زبان نیز مغربی اَدبیات کے پس نظر میں رکھ کر کرنا چاہیے تھا، اور یہ بھی کہ اردو زبان کے نئے عہد سے مطابقت رکھنے والی لسانی تشکیل اور اسلوبیاتی دائرۂ عمل کے بارے میں منصوبہ بندی کی ضرورت تھی۔

محمد حسن عسکری نے مذکورہ بالا عوامل کا تجزیہ کرتے ہوئے اردو ترجمے کی روایت کو کھنگال ڈالا اور اس کا ردِعمل خود اُن کے تراجم ہیں۔

اردو میں ترجمہ نگاری کے مروجہ چلن پر عسکری صاحب نے سب سے بڑا اعتراض یہ کیا ہے کہ مجموعی طور پر ترجموں کے ذریعے ہمارے تخلیقی ادب کو زیادہ فائدہ نہیں پہنچا۔ جس کی سب سے بڑی وجہ یہ رہی کہ ہمارے مترجمین، ترجمے کی اہمیت سے ناواقفیت کی بنا پر اسے تخلیقی مسئلہ نہیں سمجھتے۔ ترجمے کا جواز محض موضوع یا کہانی کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا نہیں۔ اصل بات تو ترجمے کے ذریعے ترقی یافتہ زبانوں کے اسالیب کو اپنی زبان میں ڈھالنے اور رائج کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ خواہ رتن ناتھ سرشار کا سروانتیس سے ترجمہ ''خدائی فوجدار'' ہو یا قیسی رام پوری کا رینالڈز سے ترجمہ ''فسانۂ لندن'' ہمارے ہاں آزاد ترجمے کی روایت نے بڑے بڑے گُل کھلائے ہیں اور ترجمے کے مذاق کو خراب کرنے میں انہی آزاد ترجموں کا ہاتھ رہا ہے۔ پھر اردو نثر اور بالخصوص افسانے پر آسکر وائلڈ اور دیگر مغربی جمال پرست اُدباء کے غالب اثر کی مذمت کی جاتی ہے اور اسے اردو نثر کی اسلوبیاتی روایت کے لئے نقصان دہ قرار دیا جاتا ہے۔ یہ بات مکمل طور پر قبول نہیں کی جا سکتی۔ جہاں تک تراجم کے زیر اثر زبان کو بڑھاوا دینے کا معاملہ ہے تو اس میں مولانا حامد علی خاں، لطیف الدین احمد، جلیل قدوائی، مجنوں گورکھپوری اور خواجہ منظور حسین جیسے جمال پرست ادیبوں کی عطا سے انکار کیسے ممکن ہے؟

مجموعی طور پر دیکھیں تو پریم چند کے فوراً بعد مسز عبدالقادر اور حجاب امتیاز علی کے افسانوں میں ایڈگر ایلن پو کے زیر اثر تحیر اور اسرار کی جو انوکھی فضا بندی دیکھنے میں آتی ہے وہ تکنیکی اور موضوعی حوالوں کے ساتھ اسلوبیاتی سطح پر بھی خاصے کی چیز ہے جبکہ مجنوں

کے افسانے جہاں اسلوبیاتی سطح پر فکرِ محض کی زبان کو اردو فکشن میں پہلی بار متعارف کروانے کے سلسلے میں یادگار ہیں وہیں پر اُن کی گہری سنجیدگی اور محسوسات کے بیان پر قدرت' انگریزی اور دیگر مغربی ادبیات سے گہرے شغف پر دال ہے۔ خیر یہ تو ہوئیں اثر و قبول کی دو ایک مثالیں۔ لیکن جہاں تک اسلوبیاتی سطح پر ردّو قبول کا معاملہ ہے تو ہمارے ہاں کے مترجمین نے ہمیشہ 'روانی' اور 'سلاست' کی ہی تمنا کی ہے اور ہمارے اکثر ناقدین نے اسی روانی اور سلاست کو ترجمے کی خوبی گنوایا ہے۔

حالانکہ بڑا مترجم وہ ہے جو متمول زبانوں سے ترجمہ کرتے وقت یہ کوشش کرتا ہے کہ اس کی اپنی مفلس زبان کے رہے ہوئے کھانچے بھر جائیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے محمد حسن عسکری نے فلابیر، ظ۔ انصاری اور شاہد حمید نے رُوسی لانگ فکشن، محمد سلیم الرحمٰن نے ہومر اور ممتاز شیریں نے جان سٹین بک کو ترجمہ کرتے وقت گنجلک اور طویل جملوں کو اردو جیسی قدرے نئی زبان میں منتقل کرنے کا جتن کیا ہے۔

حیران کُن بات یہ ہے کہ ہمارے بیشتر مترجمین نے روانی اور سلاست کی دوڑ میں یہ نہیں سوچا کہ اردو نثر کا بڑا مسئلہ تو طویل اور پیچیدہ جملہ لکھنے کا ہے۔ اور اگر کسی ترقی یافتہ زبان کے فن پارے میں تخلیق کار نے پیچیدہ تر احساسات و جذبات کو لفظوں میں منتقل کرتے وقت یہ کارنامہ انجام دیا ہے تو کوشش کر کے اسے اُنہی قواعد وضوابط کے ساتھ اُردو میں کیوں نہ منتقل کر لیا۔ اس سے ہماری زبان میں بھی اسلوبیاتی سطح پر کوئی نئی راہ سوجھنے کا امکان پیدا ہوتا۔ یہ اس کے باوجود ہوا کہ اُردو نثر میں گنجلک تجربات اور پیچیدہ جذبات و تجربات کو سہارنے کی قوت نہ ہونے کے برابر ہے۔ ''اور''، ''اگر''، ''لیکن'' وغیرہ لگا کر جملوں کو جوڑتے چلے جانے سے بڑا جملہ نہیں بنتا ہے۔ سو کہا جا سکتا ہے کہ ہماری زبان اور ادبیات نے ترجمے کے ایک عظیم جوکھم سے نبرد آزما رہنے کے باوجود خاطر خواہ حد تک فائدہ نہیں اُٹھایا۔

اب آیئے سرسری طور پر یہ بھی دیکھتے چلیں کہ ہماری مختلف اصنافِ ادب نے ترجمہ کے زیرِ اثر کیا کچھ منفی اور مثبت اثرات قبول کیے۔

ناولوں کے سینکڑوں تراجم ہو چکنے کے باوجود شروع شروع میں ہمارے ہاں داستان، تمثیل اور ناول میں فرق مٹا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ایک مدت تک نذیر احمد دہلوی کے تمثیلی قصوں کو ناول قرار دیتے رہے اور نذیر احمد دہلوی کے سر اولین ناول نگار ہونے کا سہرا باندھتے رہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب مغربی ناول نگاروں خصوصاً وکٹر ہیوگو، الگزنڈر ڈوما، زولا، بالزاک، اناطول فرانس اور اسکاٹ وغیرہ کے تتبع میں رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر، شاد عظیم آبادی، سجاد عظیم آبادی، راشد الخیری اور مرزا ہادی رُسوا اُردو میں ناول نگاری کے چلن کو عام کرنے میں مصروف تھے۔

نذیر احمد دہلوی کی تمثیلیں اسٹی ون سن کے ''ٹریژر آئی لینڈ'' کی طرح کی ہیں۔ نذیر احمد پر دوسرا بڑا اثر جارج ایلیٹ کے ناولوں کا تھا خصوصاً کردار کی پیشکش میں نفسیاتی تجزیہ نگاری جو جارج ایلیٹ ہی سے مخصوص ہے۔ جبکہ ''بنات النعش'' ٹامس ڈے کا چربہ ہے۔ رتن ناتھ سرشار کا ''فسانۂ آزاد'' اور ''خدائی فوجدار'' ہر دو تحریریں سروانتیس کے ''ڈان کیخوتے ڈی لامانشا'' سے جنم لیتی ہیں اور کچھ یہی معاملہ سجاد حسین کے ''حاجی بغلول'' کا ہے۔

ہمارے اولین ناول نگار عبدالحلیم شرر کی تاریخی ناولوں کی عمارت سر والٹر اسکاٹ اور رچرڈسن کی فراہم کردہ بنیادوں پر کھڑی ہے۔ جبکہ انہوں نے ایک ترجمہ رینالڈز کے ناول کا ''خوبیٔ قسمت'' کے نام سے بھی کیا۔ اسلوبیاتی سطح پر شرر نے بے قافیہ شاعری

کرتے ہوئے مصرعوں کو ایک آزاد تسلسل میں مربوط رکھنے کا جتن کیا ہے جو سراسر اسکاٹ سے مخصوص ہے۔ سر والٹر اسکاٹ کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ اسلوبیاتی سطح پر اسکاٹ کے اثرات شرر سے حکیم محمد علی خاں تک پہنچے۔

مرزا ہادی رسوا نے ماری کوریلی کے پانچ جاسوسی ناولوں کو ''خونی بھید''، ''خونی جورو''، ''خونی مصور''، ''خونی عاشق'' اور ''بہرام کی رہائی'' کے نام سے 1928ء تک ترجمہ کر کے طبع کروا دیا تھا۔ یہ الگ قصہ ہے کہ انہوں نے اپنی طبع زاد فکشن میں جاسوسی عنصر کو شامل نہیں ہونے دیا۔ البتہ جاسوسی ادب سے اثر پذیری، ظفر عمر کے ہاں باقاعدہ سراغرسانی کے ادب میں ڈھل گئی۔ اور تیرتھ رام فیروز پوری کے طبع زاد ناول اس سے اگلا قدم ہیں۔ جبکہ بطور مترجم تیرتھ رام فیروز پوری نے ایک سو دس ناولوں کے تراجم مطبوعہ کتابی صورت میں یادگار چھوڑے۔ مغرب کے معروف ناول نگاروں میں آر۔ایل اسٹیونسن (مترجم: مولانا عبدالمجید سالک) ارنسٹ ہیمنگوے (مترجم: شاہد حمید، اشفاق احمد، ابن سلیم، بشیر ساجد) ارونگ سٹون (مترجم: سید قاسم محمود) اسٹیفن کرین (مترجم: انتظار حسین)۔

اشروڈ اینڈرسن (مترجم: محمد حسن عسکری) اگنات ہرمن (مترجم: حمید اختر)، البرتو موراویا (مترجم: ایس۔اختر جعفری)، البیر کامیو (مترجم: بشیر چشتی۔ ڈاکٹر افضل اقبال۔ محمد عمر میمن۔ انیس ناگی)، الفرڈ نیومین (خواجہ عبدالکریم)، الگزینڈر ڈوما (مترجم: تیرتھ رام فیروز پوری)، الگزینڈر کپرن (ن۔م۔راشد)، اناطول فرانس (مترجم: مولوی عنایت اللہ دہلوی۔ عبدالرزاق ملیح آبادی)، او۔ہنری (مترجم: ابن انشا۔ سلیم صدیقی)، ایڈگرایلن پو (مترجم: ابن انشا)، ایڈگر رائس (مترجم: ایم۔جے عالم)، ایرچ سیگل (مترجم: ستار طاہر)، ایرک میریا ریمارک (مترجم: احسن طاہر)، ایف۔ایل۔گرین (مترجم: ابوسعید قریشی)، ایلزبتھ کولس ورتھ (مترجم: مولانا عبدالمجید سالک)، ایمائل زولا (مترجم: سید حسن رضوی)، ایوان بنین (مترجم: نذر صدیقی)، بالزاک (مترجم: سیدہ نسیم ہمدانی۔ یوسف عباسی)

پرل۔ ایس۔ بک (مترجم: اختر حسین رائے پوری۔ ابوسعید قریشی۔ قمر نقوی۔ احسان علی۔ یوسف ظفر)، ٹامس ہارڈی (مترجم: مجنوں گورکھپوری۔ رئیس احمد جعفری۔ شفیق بانو منہاج)، جارج ایلیٹ (مترجم: محمد سعید)، جارج ولیم۔ایم رینالڈز (مترجم: تیرتھ رام فیروز پوری۔ مولانا ظفر علی خاں۔ عبدالحلیم شرر۔ امیر حسن کاکوروی۔ کندن لال شرر۔ صدیق احمد۔ اثر لکھنوی۔ نوبت رائے نظر۔ بابو پرشاد۔ شمیم بلہوری۔ لالہ دینا ناتھ)، جان شٹین بک (مترجم: ابن انشا۔ ممتاز شیریں۔ زہرا سیدین۔ مظہر انصاری)، جان ماسٹرز (مترجم: سید قاسم محمود)، جوہان ہنرچ پستالوزی (مترجم: غلام حسین)، جے۔بی وڈ ہاؤس (مترجم: ستار طاہر)، جیک شیفر (مترجم: شان الحق حقی۔ غلام حسین)، چارلس ڈکنز (مترجم: خان احمد حسین خاں۔ فضل الرحمٰن)، ڈی۔ایچ لارنس (مترجم: سیدہ نسیم ہمدانی)، رڈیارڈ کپلنگ (مترجم: مولانا ظفر علی خاں۔ مولوی عنایت اللہ دہلوی)، ساؤ منگ (مترجم: محمد خلیق)، ستاں دال (مترجم: محمد حسن عسکری)، سمرسٹ ماہام (مترجم: ڈاکٹر سید محمد عقیل)۔

سنکلیئر لوئیس (مترجم: عابد علی عابد)، سروانٹس (مترجم: رتن ناتھ سرشار۔ سجاد حسین)، شارلٹ برانٹے (مترجم: سیف الدین حسام) فرانسوا ساگاں (مترجم: ستار طاہر) گستاؤ فلابیئر (مترجم: محمد حسن عسکری۔ مولوی عنایت اللہ دہلوی)، فیلکن سالٹن (مترجم: ظہور الحسن ڈار)، کرسٹوفر اشروڈ (مترجم: محمد حسن عسکری)، کلیئرنس ڈے (مترجم: جاوید شاہین)، کینتھ رابرٹس (مترجم: سید قاسم محمود)، گوڈفرے لیاس (مترجم: شاہد احمد دہلوی)، گوئٹے (مترجم: ڈاکٹر محمد افضل)، لوئیز السکاٹ (مترجم: حجاب امتیاز علی۔ اشرف صبوحی)، لوئیس بروم فیلڈ (مترجم: مولوی عنایت اللہ دہلوی)، جین آسٹن، لیوٹالسٹائی (مترجم: شاہد حمید)، مس کون کوئسٹ (مترجم: صادق

الخیری)، موپاساں (مترجم: سید قاسم محمود۔ نصیر حیدر۔ نوح فاروقی۔ تحی حسن نقوی۔ ڈاکٹر محمد احسن فاروقی۔ طاہر قریشی)، میڈوز ٹیلر (مترجم: محمد رئیس الزماں خاں رئیس)، نیتھلیل ہاتھارن (مترجم۔ سیدہ نسیم ہمدانی)، نٹ ہیمسن (مترجم: عشرت رحمانی)، سر والٹر اسکاٹ (مترجم: عبدالحلیم شرر)، وکٹر ہیوگو (مترجم: سعادت حسن منٹو۔ رام سروپ شرما۔ بشارت انور)، والٹیئر (مترجم: سجاد ظہیر۔ بشیر ساجد)، ولیم سرویاں (ن۔م۔راشد۔ شفیق الرحمٰن۔ سید رضی ترمذی)، ہال کین (مترجم: ایم۔اسلم)، دوستوفسکی (شاہد حمید)، (ہاورڈ فاسٹ (مترجم: انیس اعظمی۔ احسن علی خان)، ہرمن میلول (مترجم: محمد حسن عسکری)، ہنری جیمز (مترجم: قرۃ العین حیدر)، ہنری رائیڈر ہیگرڈ (مترجم: سلمٰی تصدق۔ مولانا ظفر علی خاں۔ مظہر الحق علوی۔ آغا اقبال۔ بشیر احمد اختر۔ منشی خلیل الرحمٰن۔ عاصم صحرائی۔ ثریا اقبال۔ مولوی عنایت اللہ دہلوی)، ہیرلڈ لیم (مترجم: عزیز احمد۔ گلزار احمد۔ احمد یوسف عباسی۔ جمیل نقوی۔ اختر عزیز اختر۔ غلام رسول مہر۔ وزیر الحسن عابدی۔ سید ہاشمی فرید آبادی۔ محمد ہادی حسین)۔ یہ چند ایسے نام ہیں جن کے اردو میں ترجمے سے ہمارے ہاں نہ صرف یہ کہ ناول کا چلن عام ہوا بلکہ ناول کے عناصر ترکیبی کو بھی سمجھنے میں مدد ملی۔ اور اب جوسٹائن گارڈ، عمر ریوابیلا، رفیق شامی، ہائرش بوئیل اور حوزے سارا مگو تک کے نئے نام ترجمہ ہو گئے۔

پارسی اسٹیج کے فروغ کے ساتھ ہی انگریزی سے اسٹیج ڈراموں کو اردو میں منتقل کرنے کا کام شروع ہوا اور ولیم شیکسپیئر کی عالمگیر شہرت سے باکس آفس پر کامیابی کا تصور بندھا لیکن افسوس کہ شیکسپیئر کے بیشتر تراجم ناقص ہیں۔ ان میں پلاٹ کی تبدیلیاں کی گئیں۔ مقامی رنگ میں اس قدر رنگ دیا گیا کہ پہچان مشکل ہوگئی۔ یہاں تک کہ تجارتی ضروریات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بڑے پیمانے پر کانٹ چھانٹ بھی کی گئی اور اس فعل قبیح میں ڈرامے کا اولین دیسی مترجم احسان اللہ بھی شامل تھا۔ جس نے شیکسپیئر کے ''اوتھیلو'' کا ترجمہ 1890ء میں شائع کروایا اور آغا حشر بھی۔ حشر کا کیا ہوا "King Lear" کا ترجمہ ''سفید خون'' اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔

سو ڈراما کے باب میں ہمارا پہلا قدم ہی غلط پڑا۔ کہا جا سکتا ہے کہ باکس آفس پر کامیابی کی خواہش نے ہمیں مغربی ڈرامے کی فنی خوبیوں سے ڈور رکھا۔

سوائے ''جولیئس سیزر'' کے دو ترجموں از عزیز احمد اور سید فیضی ''رومیو جولیٹ'' کے دو ترجموں از عزیز احمد اور مولوی عنایت اللہ دہلوی، ''اوتھیلو'' کے ایک ترجمے از عزیز حامد مدنی اور ''انطونی وقلوپطرہ'' کے ایک ترجمے از شان الحق حقی کے کسی ترجمے کی داد نہیں دی جاسکتی جبکہ شیکسپیئر کے ہمارے ہاں دو سو سے زائد ترجمے ہوئے اور مارس میترلنک کے ترجموں کی بھی کم و بیش یہی صورت ہے۔

دیگر ڈراما نگاروں کے ترجموں میں ''فاؤسٹ'' از گوئٹے (مترجم: ڈاکٹر عابد حسین)، ''بگڑے دل'' از مولیئر (مترجم: محمد عمر و نور الٰہی)، سلمیٰ از آسکر وائلڈ (مترجم: انصار ناصری)، ظاہر و باطن از شیریڈن (مترجم: فضل الرحمٰن) چند ایسے ترجمے ہیں جن کے طفیل آگے چل کر اردو ڈرامے کو رفیع پیر، خواجہ معین، اشفاق احمد، بانو قدسیہ اور اسد محمد خان جیسے اچھے ڈراما نگار مل گئے۔

مغرب کے معروف ڈراما نگاروں میں آسکر وائلڈ (مترجم: مجنوں گورکھپوری، تمکین کاظمی، شاہد احمد دہلوی، سعادت حسن منٹو و حسن عباس)، آندریف (مترجم: ابو سعید قریشی)، ٹی۔ایس ایلیٹ (قرۃ العین حیدر)، تھارنٹن وائلڈر (مترجم: انتظار حسین، عشرت رحمانی)، ٹالسٹائی (مترجم: مجنوں گورکھپوری)، جارج برنارڈ شا (مترجم: مخدوم محی الدین و مولوی میر حسین، مجنوں گورکھپوری، محمد اکبر وفا قانی، خورشید نگہت)، جان گالزوردی (مترجم: سید قاسم محمود، منشی جگت موہن لال رواں، دیا نرائن نگم)، جے۔بی پرسٹلے (مترجم:

اظہار کاظمی، محمد خلیق)، آرچرڈ (مترجم: مخدوم محی الدین) دوستوفسکی (مترجم: کمال احمد رضوی، شاہد حمید)، رچرڈ ہٹن (مترجم: بدر جہاں آراء)، سمرسٹ ماہام (مترجم: محمد اکبر وفا قانی)، سموتوف (مترجم: عبداللہ ملک)، سوفوکلیز (مترجم: شاہدہ حمید خان)، شلر (مترجم: محمد عمر و نورالٰہی)، گوئٹے (مترجم: شاہد احمد دہلوی، منشی جوالا پرشاد برق، عبدالقیوم خان باقی، منور لکھنوی، عزیز احمد)، لیسنگ (مترجم: منشی جگت موہن لال رواں، منشی محمد نعیم الرحمان)، مارس میترلنک (مترجم: نورالٰہی و محمد عمر، مجنوں گورکھپوری، وحشی محمود آبادی، شاہد احمد دہلوی)، ماس ہارٹ و جارج ایس کافمین (مترجم. سید رضی ترمذی، کمال احمد رضوی)، مولیئر (مترجم: وہاج الدین، محمد عمرو نورالٰہی)، میری چیز (مترجم: کمال احمد رضوی)، ہنرک ایسن (مترجم: عبدالشکور، فضل الرحمٰن، عزیز احمد، محمد صفدر)، ہنری رائیڈر ہیگرڈ (مترجم: آغا اقبال) کے تراجم قابل ذکر ہیں۔

افسانے کی صنف میں تین نام بہت ترجمہ ہوئے یعنی چیخوف، موپاساں اور رابندر ناتھ ٹیگور۔ ٹیگور کو انگریزی کی معرفت اُردو میں متعارف کروانے میں پریم چند پیش پیش تھے اور یہ سلسلہ منٹو تک چلا آیا۔ منٹو نے چیخوف اور موپاساں کو نہ صرف ترجمہ کیا بلکہ ان کے طرزِ تحریر کو عام کرنے میں حصہ لیا۔ اسی طرح ٹالسٹائی اور گورکی بھی منٹو کی معرفت اردو میں متعارف ہوئے۔

چیخوف، موپاساں اور مارس میترلنک کے ترجموں کی عطا، راجندر سنگھ بیدی، منٹو اور غلام عباس ہیں۔ ایڈگرایلن پو اور او۔ ہنری کو بھی ہمارے ہاں خصوصی توجہ دی گئی۔ یہی سبب ہے کہ ایڈگرایلن پو کے ابتدائی تراجم کے فوراً بعد اُسی طریقہ کار کی جھلک مسز عبدالقادر اور حجاب امتیاز علی کے ہاں دیکھنے کو ملی۔

سمرسٹ ماہام کو بطور افسانہ نگار ہمارے ہاں سادہ زبان اور سہل اندازِ نگارش کے باعث مقبولیت حاصل ہوئی۔ ماہام سے اثر پذیری کی سب سے بڑی مثال کرشن چندر کے افسانے ہیں۔ روسی افسانہ نگاروں کا واضح اثر پروفیسر محمد مجیب کے اولین افسانوی مجموعے ''کیمیا گر اور دوسرے افسانے'' (مطبوعہ 1932ء) میں دیکھنے کو ملا۔ لطیف الدین احمد اور جلیل قدوائی ترجمہ اور طبع زاد افسانے کی ملی جلی صورتیں سامنے لاتے رہے۔ اختر حسین رائے پوری کا افسانوی مجموعہ ''محبت اور نفرت'' واضح طور پر رُوسی افسانوں کے اثر کے تحت رکھا گیا اور افسانوں کی انتھالوجی ''انگارے'' مرتبہ: احمد علی (1932ء) میں جیمز جوائس، ڈی۔ ایچ لارنس اور گستاؤ فلابیئر کے اثرات بہت نمایاں ہیں۔ اختر شیرانی نے شہرت تو رومانی شاعر کے طور پر سمیٹی لیکن ان کا سب سے اہم کام انتھالوجی ''دھڑکتے دل'' میں شامل آسکر وائلڈ، موپاساں اور گالزوردی کے افسانوی تراجم ہیں۔

معروف افسانہ نگاروں میں اسٹیفن کرین (مترجم: جاوید صدیقی)، ایڈگرایلن پو (مترجم: ابن انشا)، اینڈرسن (مترجم: ریاض جاوید)، سروانتیس (مترجم: رحیم)، پرلیس ایس۔ بک (مترجم: قمر نقوی، یوسف ظفر)، ٹاس ہارڈی (مترجم: مجنوں گورکھپوری)، جیک لنڈن (مترجم: انور عنایت اللہ)، رابندر ناتھ ٹیگور (مترجم: منصور احمد، حامد اللہ افسر، پرتھوی راج نشتر)، اسٹیفن کرین (مترجم: جاوید صدیقی)، موپاساں (مترجم: نصیر حیدر)، مورس لیول (مترجم: امتیاز علی تاج)، واشنگٹن ارونگ (مترجم: نیاز فتح پوری، غلام عباس، سید وقار عظیم) کے کتابی صورت میں مطبوعہ تراجم نمایاں ہیں۔ اور اب یہ سلسلہ خالد سہیل اور جاوید دانش کی مرتب کردہ کتاب ''ورثہ'' (طبع اوّل: 1993ء) تک چلا آیا۔ اس کتاب میں بھارت، قدیم مصر، ترکی، جمیکا، افریقہ، برما، جرمنی، آئس لینڈ، چین، کوریا، آسٹریلیا، لاؤس، برازیل، ناروے، اسرائیل، سویڈن، میکسیکو اور ایتھوپیا کی چیدہ لوک کہانیاں دیکھنے کو مل جاتی ہیں۔ اس پر بس نہیں

منیر الدین احمد نے جرمن ادب کے تراجم سے متعلق دو کام اس سلیقے سے کیے کہ ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ انہوں نے ''معاصر جرمن ادب'' کے عنوان سے 1986ء میں جو کتاب مرتب کی اس میں فرانز کافکا، برتھولٹ بریشٹ، بے ٹراون، ارنسٹ بلوخ، ولف گانگ بورشرٹ، ہانریش بُیل، یواخیم، ایف۔سی وائس کوپف اور اریش فریڈ جسے اُنیس اہم جرمن افسانہ نگاروں کے چیدہ افسانوں کے اردو تراجم پیش کر دیئے۔ اس طرح 1995ء میں منیر الدین احمد کی جرمن افسانہ نگاروں سے متعلق ایک کتاب ''آدمی جس نے اپنے آپ کو بھلا دیا'' کے عنوان سامنے آئی۔ اس کتاب میں فرانز کافکا، بی۔ٹراون، برتھولٹ بریشٹ، اناز یگرس اور وولف گانگ بورشرٹ کے افسانوں سمیت تیس افسانہ نگاروں کے افسانے دیکھے جاسکتے ہیں۔

اسی طرح لاطینی امریکہ کے افسانوں کے تراجم پر مبنی آصف فرخی کی کتاب ''موت اور قطب نما'' (طبع اوّل: 1997ء) میں گریگور یولو پیز، ای۔ فونتیس، رابن داریو، بورخیس، مارکیز، اوکتایو پاز اور کارلوس فونتیس سمیت کئی ایک دیگر اہم افسانہ نگاروں کے افسانے دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔

سفر نامہ کی صنف ہمارے ہاں نئی نہیں اور نہ ہی ہمارے ہاں ''سفرناموں کے تراجم خاطر خواہ حد تک ہوئے۔ لیکن ہمارے سفرنامہ لکھنے والوں پر مغربی سفرنامے کے اثرات نمایاں ہیں۔ شاید اس کی ایک وجہ جدید سفرناموں کی مغربی فضا بھی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا اُردو سفرنامہ اپنی قدیم روایت کے مقابلے میں سفرنامہ کم اور 'ویوکارڈ' زیادہ دکھائی دیتا ہے۔

1990ء تک آتے آتے خالد سہیل اور جاوید دانش نے اس خصوص میں ایک قدم اور آگے بڑھایا اور دنیا بھر کے سیاہ فام شعراء، افسانہ نگاروں اور ڈراما نگاروں کی چیدہ تخلیقات پر مبنی ایک انتخاب ''کالے جسموں کی ریاضت'' (طبع اوّل: 1990ء) کے عنوان سے شائع کر دیا۔ اس انتخاب میں بگاندا (یوگنڈا)، باولی اور برنارڈ ڈاڈی (کوٹے ڈی آئیوری)، ہوسا (نائجر)، باشی (زائر)، کین تھیمبا (ازانیہ)، ارنی ڈنگو، مورین واٹسن، میری ڈورو، شرمین گرین، کیتھ واکر، پینزی نیپل جاری، ایوا جانسن، سٹیون کلیٹن (آسٹریلیا)، نیبو مونیو کوزو اور کلن موسٹاش (ناروے) نیز مارٹن لوتھر کنگ، مایا انجیلو اور زہرا ہرسٹن (امریکہ) کی تخلیقات کے تراجم یکجا کر دیئے گئے۔

منیر الدین احمد نے جرمن شعراء پر بھی توجہ مرکوز کی اور یوں ان کی کتاب ''معاصر جرمن ادب'' (طبع اوّل: 1986ء) میں اریش کیسٹر، برتھولٹ بریشٹ، اریش فریڈ، ہانس ماگنس اینسنز برگر، گنتھر آئش، پیٹر شیٹ، گنتھر کونرٹ، روزے آؤسلینڈر، اُلاہان، کرسٹوف میکل، انگے بورگ باخمان، ایف۔سی ڈے لیکس اور دوبوفلوئیر وغیرہم کی شاعری دیکھنے کو مل جاتی ہے۔ منیر الدین احمد کے منظوم تراجم سے متعلق کتاب ''جیون سائے'' (طبع اوّل: 1993ء) اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس میں ہمیں مشہور جرمن شاعر اریش فریڈ کی ایک سو نظمیں یکجا مل جاتی ہیں۔

اردو میں منظوم تراجم کے باب میں انور زاہدی کی کتاب ''بارشوں کا موسم'' (طبع اوّل: 1997ء) معروف جرمن ناول نگار اور ''سدھارتا'' کے خالق ہرمن ہیسے کی شاعری کو اردو میں متعارف کروانے کے حوالے سے یاد رکھی جائے گی۔ جب کہ آسٹریا کی جدید شاعری کو ''ایک نظر کافی ہے'' (طبع اول: 1997ء) کے عنوان سے اردو میں پہلی بار متعارف کروانے کا سہرا محمد اکرام چغتائی اور اسلم کولسری کے سر ہے۔

یہ تو ہوا ایک مختصر جائزہ۔ تفصیل میں جائیں گے تو بقول فراق گورکھپوری یہ قصہ طولانی ہے۔ فی الوقت میرا موضوع اردو میں نثری تراجم ہیں۔ ادبیاتِ عالم میں ترجمے کے ذریعے اخذ و استفادے کا انقلاب آفریں سلسلہ جاری و ساری ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم ترجمے کے تمدن کے ہمہ گیر اثرات کو کس طرح قبول کرتے ہیں۔

OOO

تقابلی ادبیات کے فرانسیسی نژاد امریکی پروفیسر ایلبرٹ گیرارڈ نے کہا تھا: 'عالمی ادب کے تصور کو ایک ٹھوس حقیقت میں تبدیل کرنے کے لئے ترجمہ ایک ناگزیر وسیلہ ہے۔' ('مقدمہ ادبِ عالم' سے اقتباس)

ترجمے کا عمل دو زبانوں کے مابین پُل بنانے کا کام کرتا ہے۔ جبکہ متن کا اس کی تمام اسلوبیاتی، موضوعی اور تکنیکی خصوصیات کے ساتھ کسی دوسری زبان میں منتقل ہو جانا ترجمے کا اصل گُن ہے۔

Goeibe کا کہنا ہے کہ: "A good translation takes us a very long way" جبکہ وکٹر ہیوگو نے اسے 'Absurd' اور 'Impossible' کہا۔

یوں ترجمہ، گماں کا ممکن ہے۔ اسے ممکن بنانے کے لئے مترجم کو بہرصورت بامروت ہونا پڑتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مترجم کو اپنی شخصیت و حیثیت کو بھلا کر صاحب متن کی تخلیقی روح میں انتہائی عاجزی کے ساتھ گھل مل جانا ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک طرح کی عاشقی کے مماثل ہے کہ خود پسندی و خود بینی کی بجائے اطاعت و وفا شعاری کو اپنانا پڑتا ہے یعنی یہ سچا عاشقانہ رویہ اور انکساری کا عمل ہے۔ لیکن ترجمے کا عمل سراسر یہی کچھ نہیں۔ یہ عاشقی کا رویہ ہوتے ہوتے ایک داخلی تجزیہ بھی ہے۔ جس طرح ایک تخلیق کار اپنی کسی داخلی انگیخت سے تخلیق فن پر مجبور ہوتا ہے بعینہٖ اسی طرح کوئی سیاسی، سماجی یا تہذیبی صورت حال مترجم سے کسی متن کے ترجمے کا تقاضا کرتی ہے اور مترجم اس راہ پر چل نکلتا ہے۔ جیسے دورِ جدید میں تیسری دنیا کے ادب کو انتہائی جگر کاوی کے ساتھ اردو میں منتقل کیا جا رہا ہے یا ماضی میں عربی، فارسی اور ترکی ادب کو اردو میں منتقل کیا گیا۔

ہمارے ہاں سجاد حیدر یلدرم سے تاحال ترجمے کے عمل پر اخفائے حال کی تہمت بھی لگتی آئی ہے لیکن ہر دور میں بعض مترجمین نے جب سیاسی یا سماجی جبر کے خلاف (تخلیقی سطح پر) براہِ راست قدم نہیں اٹھایا تو وہ ایسے ادب پاروں کے ترجمہ کرنے کا سہارا لیتے آئے ہیں جن میں اس نوع کی پابندیوں کے خلاف باغیانہ لحن موجود تھا۔ البتہ مترجم کی نیک نیتی کو پرکھنے کی ایک کسوٹی اور بھی ہے، دیکھنا چاہیے کہ اُس نے کس نوع کے تصورات و نظریات کی درآمد کو ضروری سمجھا اور کس نوع کے اسالیب بیان کو اپنے ادب کی بالیدگی و بلوغت کے لئے ضروری خیال کیا۔

ہم خواہ ترجمہ کو طبع زاد نہ ہونے کے سبب ثانوی درجہ ہی کیوں نہ دیں، اس کے باوجود اس سے انکار ممکن نہیں کہ یہ اقوامِ عالم میں اختلاط کا نہایت عمدہ وسیلہ ہونے کے ساتھ ساتھ وسیع پیمانے پر تہذیب و تمدن میں تبادلہ کا پیش خیمہ بلکہ اس کی واحد عملی صورت ہے۔ یہ باہمی لین دین کا ایک اٹوٹ سلسلہ ہے جو ہمیشہ بنی نوع انسان کے لئے سودمند ثابت ہوا ہے۔ مثال کے طور پر اگر مذہبیات میں ہم اناجیل، قرآن اور وید، ادبیات میں الف لیلہ، رباعیات عمر خیام، حکایاتِ سعدی، شیکسپیئر اور ابسن کے ڈراموں اور فلسفہ کی سطح پر، افلاطون و ارسطو کی فلاسفی سے روشناس نہ ہوتے تو ہم کتنے ہی طبقات کی فکری اور تمدنی حیثیتوں سے قطعاً ناواقف

رہتے۔ اس طرح اگر عمرِ خیام اور رابندر ناتھ ٹیگور کو مغرب میں تراجم کے ذریعے روشناس نہ کروایا جاتا تو مغربی اذہان مشرق سے کماحقہ واقفیت حاصل کرنے میں ایک طویل وقت لیتے۔

یہ دیئے سے دیا جلنے کا ہی نتیجہ ہے کہ تمام انسانیت آج کہیں زیادہ روشن فضا میں سانس لے رہی ہے اور باہمی طور پر اس طرح آپس میں جڑی ہوئی ہے جیسے شہ رگ کے ساتھ بدنی نظام۔ تراجم کے اس تمدن کے ہمہ گیر اثرات عالمی سطح پر محسوس کئے جا سکتے ہیں۔ اخذ واستفادہ کا یہ انقلاب آفریں سلسلہ ہمیشہ سے جاری و ساری ہے۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھیں تو تراجم کی ثانوی حیثیت اولیت کا درجہ حاصل کر لیتی ہے اور اس کا مقامی اور محدود ہونا آفاقیت کی حدوں کو چھونے لگتا ہے۔ اس میں ترجمہ کا جواز اور اس کی اہمیت کا راز مضمر ہے۔

اس بات سے انکار نہیں کہ ہر زبان و ادب کے امتیازی جوہر خود اس کے اپنے زبان و ادب ہی میں نمو پاتے ہیں کہ وہ براہ راست اس زبان و ادب کے قومی شعور کی پیداوار ہوتے ہیں لیکن ترجمہ اُس کی حدود کو لامحدود کرنے میں مد و معاون ثابت ہوتا ہے اور ہر زبان کی ادبیات کے محدود و مخصوص دھارے میں ایک اور زبردست دھارے کا اضافہ کر دیتا ہے۔ سو لازم ہے کہ ترجمہ کے طفیل سمیٹے گئے ادبی سرمائے کا بھی اسی ذوق وشوق اور اہتمام سے مطالعہ کیا جائے جس کی طلب طبع زاد ادب ہم سے کرتا ہے۔

اردو میں مغربی زبانوں سے نثری تراجم کا یہ جائزہ اپنی نوع میں قدرے مختلف ہے کہ اس میں تہذیبی مطالعے اور فہرست سازی کو بھی اتنی ہی اہمیت دی گئی ہے جس قدر تحقیق و تنقید کو۔

اس کتاب میں زیر بحث آنے والا ترجمہ شدہ مواد ہزاروں کتب کے لاکھوں صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اور یہ بھی کہ زیر بحث کام ایک زبان سے (یا اس کی معرفت) دوسری زبان میں منتقل ہوا، یوں اصل متن اور ترجمہ کا تقابلی جائزہ ایک عمر چاہتا ہے۔ یہ سب کچھ ممکن العمل تھا، لیکن صرف اس صورت میں جب ہمارے ہاں 'الفہرست' اور 'قاموس الکتب' طرز کا کام معقول حد تک پہلے سے ہو چکا ہوتا۔ جبکہ میرے لئے تو ایک مشکل یہ بھی رہی کہ ترجمہ کردہ مواد ادبی مجلوں کی فائلوں سے یکجا کروں اور قدیمی لائبریریوں کی کھوئی گئی کتابوں کا سراغ لگاتے ہوئے ترجمہ شدہ مطبوعہ کتب کی 'کتابیات' مرتّب کرتا چلوں۔ جب کہ فورٹ ولیم کالج اور دہلی کالج جیسے اداروں کے نامناسب انجام تک پہنچنے اور تقسیمِ کبیر کے بعد لائبریریوں کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی نے اس کام کو دشوار سے دشوار تر بنا دیا۔

ان مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے میں نے مغربی زبانوں سے ترجمہ شدہ 1725 معلومہ کتب کی ایک توضیحی کتابیات مرتب کر دی ہے، جس میں 140 اہم تراجم کا تجزیہ بھی شامل ہے۔ یوں حروف تہجی کے اعتبار سے اصل مصنف کا نام دیکھ کر اس کی جملہ ترجمہ شدہ کتب کی تفصیل فراہم ہو جاتی ہے۔ جب کہ الگ سے 24 لازوال تراجم پر تفصیلی تبصرہ جات، کتاب کے باب ششم کا حصّہ ہیں۔

اس تحقیقی منصوبے کے آخر میں 'کتابیات' کا معاملہ بھی دیگر تحقیقی مقالوں سے مختلف ہے۔ میری مشکل یہ تھی کہ اگر زیر بحث آنے والی تمام کتب کا شمار 'کتابیات' میں کرتا تو مزید چار پانچ سو صفحات شامل کرنے کی ضرورت پڑتی جبکہ توضیحی کتابیات اور نظری مباحث سے متعلق حصے کی نوعیت بھی اس سے مختلف نہیں، جو روایتی ''کتابیات'' کے متبادل کا کام دے گی اور اس سے کچھ سوا بھی۔

O O O

استاد محترم ڈاکٹر عبادت بریلوی کی بے پایاں محبت نے مجھے کبھی بھی اس جنگاہ میں تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیا اور میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حصول کی خاطر ترجمے کی فلاسفی اور ''اردو ادب سے انگریزی سے نثری تراجم'' سے متعلق 1974ء تا 1984ء کام کرتا رہا۔ اس دورانیہ میں مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد کے لئے ڈاکٹر سیّد عبداللہ اور ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے دو ادھورے منصوبہ جات کو ''کتابیاتِ تراجم: علمی و ادبی کتب'' کی صورت، اُن کی زندگی ہی میں پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ جسے 1986ء تا 1988ء کی درمیانی مدّت میں مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد نے چار ضخیم جلدوں میں شائع کر دیا۔

1۔کتابیاتِ تراجم: علمی کتب : 1986ء

2۔کتابیاتِ تراجم: نثری ادب : 1987ء

3۔ترجمے کا فن: نظری مباحث : 1987ء

4۔مغرب سے نثری تراجم : 1988ء

میرے اس کام کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر ظ۔انصاری نے 1989ء میں ڈاکٹر جمیل جالبی، صدر نشین مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد کو لکھا کہ ''مغرب سے نثری تراجم'' کی دوسو جلدیں، کسی طور بمبئی، بھارت بھجوا دی جائیں تاکہ جنوبی ہندوستان کی یونیورسٹیوں اور کالجز کے کتب خانوں میں یہ کتاب دستیاب ہو۔لیکن اُس زمانے میںMode of Payment طے نہ پانے کے سبب ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو 23 برس قبل، جیسا کہ اُن کی خواہش تھی: بھارت کے صوبہ مہاراشٹر کی یونیورسٹیوں میں ایم۔اے یا ایم۔فل (اردو) کی سطح پر ''فن ترجمہ نگاری'' کو لازمی یا اختیاری پرچے کی سطح پر دیکھنے اور پرکھنے کا عمل شروع ہو جاتا۔ بعدازاں یہ صورت خود ہمارے ہاں اُس وقت دیکھنے کو ملی جب گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم۔اے اور ایم۔فل (اردو) کا آغاز ہوا تو 2002ء میں ایم۔فل (اردو) کی سطح پر ایک پرچہ فن ترجمہ نگاری کے لئے مختص کر کے میری دو کتب ''مغرب سے نثری تراجم'' اور ''ترجمے کا فن: نظری مباحث'' کو شامل نصاب کر دیا گیا۔ اُس کے بعد فن ترجمہ نگاری سے متعلق پاکستان اور بھارت کی متعدد یونیورسٹیوں میں ایسا کچھ دیکھنے کو ملا تو ترجمہ کی فلاسفی اور فن ترجمہ نگاری سے متعلق اردو میں میری اِن دو کتب کے علاوہ کوئی اور باقاعدہ تصنیف نہ ہونے کے سبب ان کتب کی تلاش شروع ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ دونوں کتب نایاب ہوگئیں۔

اب مناسب معلوم ہوا کہ دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد کے لئے اُن دونوں کتب کو ''اردو ترجمے کی روایت'' کے عنوان سے یکجا کر دیا جائے اور 1987ء تا حال، اسی موضوع پر تحریر کئے گئے اپنے دیگر کام کو بھی اِس میں شامل کر دیا جائے۔ یوں ''اردو ترجمے کی روایت'' ان دو نظر ثانی شدہ کتب کے مواد کے علاوہ لگ بھگ دوسو صفحات کا نیا مواد بھی سمیٹے ہوئے ہے۔

مرزا حامد بیگ

سابق صدر شعبہ اردو وڈین آف آرٹس

گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ اسلامیہ کالج، لاہور

ترجمے کا فن

فن ترجمہ سے متعلق سب سے پہلے ناقدین کی چند آرا دیکھتے چلیے:

1۔ ''مترجم کا کام لفظ کی جگہ لفظ رکھنا نہیں بلکہ مصنف کے اسلوب اور زبان کی طاقت کو اپنی زبان میں محفوظ کرنا ہے۔''
سیسرو (46 قبل مسیح)

2۔ ''شاعری ترجمہ ہو ہی نہیں سکتی۔''

ڈاکٹر سیموئل جانسن (18 ویں صدی عیسوی)

3۔ ''نثر میں ترجمہ ناقابل فہم اور ناممکن ہے۔''

وکٹر ہیوگو (19 ویں صدی عیسوی)

4۔ ''ترجمے کی زبان قابل التفات دکھائی نہیں دیتی۔''

جے۔ایچ۔فریئر (1820ء)

5۔ ''زندہ کتا، مردہ شیر سے بہتر ہے۔''

ایڈورڈ فٹز جیرالڈ (19 ویں صدی عیسوی)

6۔ ''ترجمہ اور تصنیف کے تجربہ کار جانتے ہیں کہ ان کی عبارت میں کسی زبان کا اصل لفظ جو اپنا مطلب بنا جاتا ہے، سطر سطر بھر عبارت میں ترجمہ کریں تو بھی وہ بات حاصل نہیں ہوتی جو مجموعہ خیالات کا اور اس کے صفات ولوازمات کا اس ایک لفظ کے سننے والے کے سامنے آئینہ ہو جاتا ہے۔''

محمد حسین آزاد (1881ء)

7۔ ''ترجمہ کرنا ایک گناہ ہے۔''

گرانٹ شادر مین کرسپی (1916ء)

8۔ ''ترجمہ، نام ہے ایک سعی نامشکور کا، جس کے صلے میں شدید مشقت کے بعد صرف حقارت ملتی ہے۔''
پروفیسر البرٹ گیرارڈ (1940ء)

9۔ ''ترجمہ، ناممکن کو ممکن بنانے کی سعی ہے۔''

رابرٹ فراسٹ (1955ء)

ترجمہ نگاری سے متعلق محولہ بالا آرا یا حتمی فیصلوں کو حادثاتی نتائج نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی کوئی اٹل فیصلے ہیں۔ ان آرا (یا حتمی فیصلوں) کو اتنی ہی آسانی سے رد کیا جا سکتا ہے، جس قدر آسانی سے انہیں جنم دیا گیا۔

دنیا کا قدیم ترین ادبی ترجمہ ہومر کی ''اوڈیسی'' کا یونانی سے لاطینی زبان میں ترجمہ تھا۔ یہ 250 قبل مسیح کا قصہ ہے جب لیویوس اینڈرونیکس (Livius Andronicus) نے ہومر کے رزمیہ کو لاطینی زبان میں منتقل کیا۔ لیویوس اینڈرونیکس کے سامنے ترجمہ نگاری کا کوئی اصول نہیں تھا، شاید اس لئے اس نے ترجمے کو ازسرنو تخلیق کرنے کا درجہ دیا۔ لیکن یہ کام عملی سطح پر ہوا تھا، اینڈرونیکس نے نظری سطح پر کسی قسم کی نظریہ سازی نہیں کی تھی۔ شاید یہی وجہ ہو کہ اس زمانے میں تخلیق کے مقابلے میں ترجمے کو کم تر ثابت کرنے یا برابری کا درجہ دینے کے معاملے میں بحث مباحثے نے جنم نہ لیا۔ یہاں تک کہ 46 قبل مسیح میں (Cicero) نے مترجم کو ایک ترجمان کی بجائے ''مقرر'' کہا۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ 250 قبل مسیح سے 46 قبل مسیح تک 'ترجمہ' ایک حد تک تخلیق کے درجے پر فائز تھا۔ 15 ویں صدی عیسوی تک آتے آتے تخلیق اور ترجمے میں درجہ بندی تو ہو گئی لیکن ترجمے کی اہمیت کسی طرح کم نہ ہوئی۔

مشرق اور مغرب، ہر دو اطراف میں ایک زبان سے دوسری زبانوں میں ترجمے کی روایت بہت قدیم ہے۔ مشرق میں تراجم کی تاریخ کو کھنگالا جائے تو آج 2012ء سے ٹھیک ایک ہزار چار سو اُنسٹھ برس قبل ساسانی دور کے ایران میں سنسکرت کی کتاب ''پدیش'' کے ایک حصے ''پنچ تنتر'' کا ترجمہ بزرجمہر اور حکیم بروزیہ کی کوششوں سے (550ء) پہلوی زبان میں ''کلیلک و دمنک'' کے نام سے ہوا۔ اس سے پیچھے جائیں تو دنیا کے قدیم ترین ادب کی معلومہ مثال سامرہ (5 ہزار سال قبل مسیح) سے ملتی ہے۔ اس زبان کی تہذیب، 'سومیری' یا 'سومیرا' کہلاتی ہے۔ 'سومیری ادب'، 'رگ وید' سے کم از کم اڑھائی ہزار سال اور زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار سال قبل حیطۂ تحریر میں آنا شروع ہوا، یوں عبرانی اور یونانی ادب سے دو ہزار سال پہلے کا زمانہ بنتا ہے۔ قیاس غالب ہے کہ سومیری ادب بھی اپنی تہذیب کے اوج کمال کے ساتھ اُس وقت کی معلومہ دنیا پر اثر انداز ہوا ہو گا۔ کیا معلوم 'رگ وید' پر سومیری ادب نے کس قدر اثر چھوڑا اور یونانی علم و ادب 'سومیری ادبیات' سے کس قدر اثر پذیر ہوا؟ ان سوالات کا جواب خود سومیری زبان کے علاقے ''سومیری'' (جنوبی عراق) کے لوگوں کے پاس نہیں۔ ('دنیا کا قدیم ترین ادب' از ابن حنیف، کاروان ادب، ملتان چھاؤنی، 1983ء)

کہا جا سکتا ہے کہ جوں جوں وقت گزرے گا، آریاؤں کی 'رگ وید' عبرانیوں کے 'عہد نامہ قدیم'، قدیم یونان کی 'الیڈ' اور 'اوڈیسی' اور ہندوؤں کی رامائن و 'مہا بھارت' پر سومیری ادب کے اثرات واضح ہوتے چلے جائیں گے۔

رومن زوال اور نشاۃ الثانیہ کی درمیانی صدیاں مورخین کے نزدیک 'ازمنۂ تاریک' قرار پائیں لیکن دراصل یہی وہ زمانہ ہے جب مسلمانوں نے قدما کے علمی اور ادبی سرمائے کو برباد ہونے سے بچا لیا۔

مامون الرشید (عباسی) نے حران کے صابیوں، نسطوری عیسائیوں اور ہند کے علما کی مدد سے سریانی، پہلوی، یونانی اور سنسکرت سے مختلف علوم و فنون کو عربی میں منتقل کروایا۔ عباسی 'بیت الحکمت' کم و بیش دو سو سال تک کام کرتا رہا۔ مترجمہ علوم میں ارسطو کی 'منطق'، افلاطون کا 'اشراق'، بقراط کی 'طب'، فلاطینوس کا 'عرفان' اور آریا بھٹ کا 'علم ہیئت' عربی ادب کو مالا مال کر گیا۔

12 ویں اور 13 ویں صدی عیسوی میں ابن رشد اور بوعلی سینا کی تالیفات لاطینی زبان میں ترجمہ ہو کر مغربی ممالک میں شائع

ہوئیں، جنہوں نے مغرب کی ہزار سالہ جہالت اور بے عملی کی زندگی کو حقیقی معنوں میں جینے کا جتن بنانے میں مدد دی۔ ابن رشد کے 'حقیقت دوگونہ' کے نظریے نے خاص طور پر مغربی اذہان کو متاثر کیا جب کہ یونانی فلسفے کی ترویج کے سلسلے میں ابن ملجہ، ابن طفیل اور ابن رشد کے تراجم کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ دوسری طرف 'ارسطو کی کتاب' 'الروح' (شرح: اسکندر افرودیسی) کی مقبولیت سے 'نوفلاطونی' یا 'نواشراقی' فلسفے نے رواج پایا۔ لیکن درحقیقت یہ شرح کا کمال تھا اور ارسطو کے افکار کے ساتھ اس کا محض واجبی سا تعلق پایا جاتا ہے۔

عہد وسطیٰ میں مسلمانوں نے دنیا بھر کا علمی سرمایہ اپنی زبان میں منتقل کر لیا تھا۔ بیروت کے عیسائی مؤرخ نوفل آفندی نے کتاب 'صناجتہ الطرب' میں اس دور پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں حدیث، فقہ اور تفسیر کا علم اپنی انتہاؤں پر تھا۔ امیر معاویہؓ کے پوتے خلد نے عیسائی اور اہل یہود سے علم طب پڑھا تھا۔ خالد نے غیر زبانوں سے تراجم پر خصوصی توجہ دی اور یونانی فلسفے کو مصر کی درس گاہوں سے منتقل کیا۔ واضح رہے کہ اس وقت مصر کی زبان 'قبطی' تھی۔

شبلی نعمانی نے ''رسائل شبلی'' مطبوعہ الیکٹرک پریس، امرتسر (1898ء) میں لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں ابنِ آثال (حمص کا عیسائی کلکٹر) نے یونانی زبان سے طب کی بعض اہم کتب عربی میں منتقل کیں۔ اسے عربی میں ترجمے کی جدید روایت کا سر آغاز کہنا چاہیے۔ اس عہد کا سب سے اہم مترجم اصطفن تھا، جس نے سریانی سے عربی میں اہم تراجم کیے۔ اس دور میں ترجمے کی ضرورت اس لئے بھی محسوس کی گئی کہ مالگزاری اور خراج کے دفاتر غیر ملکی زبانوں کے سہارے چلتے تھے۔ مثال کے طور پر عراق کا دفتر فارسی میں، شام کا لاطینی میں اور مصر کا قبطی میں۔ صالح بن عبدالرحمٰن نے 87ھ مطابق 705ء میں عراق کا دفتر عربی میں منتقل کر دیا۔ ہشام بن عبدالملک (سال خلافت: 105ھ مطابق 723ء) نے شام کے دفتر کو عربی میں منتقل کروایا۔ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس دور میں فارسی، لاطینی اور قبطی کے جاننے والے خود مسلمانوں میں (بڑی تعداد میں) موجود تھے۔ ہشام کے میر منشی سالم نے ارسطو کے دو رسائل 'بوطیقا'' اور ''رطوریقا'' جو سکندر اعظم کے نام تھے، کو عربی میں ترجمہ کیا۔ جب کہ سالم کے بیٹے جبلہ نے فارسی ادب اور فلسفے سے متعلق کتب ترجمہ کیں۔ (دیکھیے: ''الفہرست'' از علامہ ابن الندیم، ص: 244)

دولت عباسیہ (750ء تا 1258ء) کے خلیفہ ابوجعفر منصور نے جن عجمیوں کو اپنے دربار میں جگہ دی، انہوں نے فارسی سے طب اور فلسفے کی کتابیں ترجمہ کیں۔ اس دور کا سب سے اہم مترجم عبداللہ بن المقفع تھا جس نے سنسکرت 'پنج تنتر' اور پہلوی 'کلیلک و دمنک' کا عربی میں ترجمہ کر کے 'کلیلہ و دمنہ' نام رکھا۔ اس کے فارسی سے کیے ہوئے دیگر تراجم میں ایرانی تاریخ کی نادر کتابیں خصوصاً 'آئین نامہ'، 'یزدک نامہ'، 'نوشیرواں نامہ' یادگار ہیں جب کہ اس نے مانی کی فارسی تصنیف کو بھی عربی کا جامہ پہنایا۔ اسی طرح پارسی علم الاخلاق سے 'الادب الکبیر' اور 'الادب الصغیر' اس کے یادگار تراجم ہیں۔

جارج ابن جبریل نے اس زمانے کی طب سے متعلق اہم کتابوں کو عربی میں منتقل کیا۔ منصور کے ایک درباری بطریق (عیسائی) نے یونانی سے بقراط اور جالینوس کے افکار کو ترجمہ کیا۔ جب کہ ابن رشد نے ارسطو کے فلسفیانہ رسائل کو عربی کا جامہ پہنایا۔ اسی عہد میں مانی اور مجوسیوں کے تراجم کے بعد عرب دنیا میں پہلی بار دوسری اقوام کے مذاہب پر ریسرچ کا رجحان پیدا ہوا۔

خلیفہ ہارون الرشید نے 'بیت الحکمت' کی بنیاد رکھی تو اس میں دارالترجمہ بھی قائم کیا۔ یوں عربی میں ترجمے کی بکھری انفرادی کوششوں کو ایک پلیٹ فارم مہیا کر دیا۔

ہارون الرشید کے عہد سے متعلق دو بڑے مترجمین:

1۔ فضل بن نوبخت مجوسی اور

2۔ یوحنا بن ماسویہ تھے۔ جنہوں نے بالترتیب فارسی اور یونانی زبانوں سے ترجمے کیے۔

مامون الرشید کا زمانہ عربی میں تراجم کی تاریخ کا سنہری دور تھا، شاید اس لئے بھی کہ بقول شبلی نعمانی:

''ہر ہر بات میں وہ شاہان عجم کی تقلید کرتا تھا اور اردشیر آئین سلطنت اُس کا دستور العمل تھا۔''

(رسائل شبلی، ص: 218)

فلسفے سے اس کی رغبت کا احوال بتانے والا قیصر روم کے نام اس کا خط ہے، جس میں اس نے لکھا تھا کہ ارسطو وغیرہ کی جس قدر کتابیں بہم پہنچا سکیں، پہنچائی جائیں، یہ وہ زمانہ تھا جب خلفائے عباسیہ کے خطوط قیصر روم کے لئے حکم کا درجہ رکھتے تھے۔ (رسائل شبلی، ص: 143)

مامون الرشید سے پہلے عربی میں لفظی ترجمے کا رواج تھا اور کتاب (اصل متن) کی مشکلات ترجمے میں بھی اس طرح قائم رہتی تھیں۔ اس مشکل کو اس دور کے مشہور مترجم حنین ابن اسحاق (عیسائی) نے دور کیا اور مامون الرشید نے اس کی ہر تصنیف (ترجمہ) کے برابر سونا تول کر دیا۔ حنین نے اڑتالیس برس کی عمر تک مامون الرشید کے لئے جالینوس کی 121 کتابوں اور رسالوں کا ترجمہ مکمل کر لیا تھا۔ جب کہ دوسرے عظیم مترجمین یعقوب کندی، سہل بن ہارون اور قسطا بن لوقا نے بالترتیب سنسکرت و یونانی فلسفہ، 'کلیلہ و دمنہ' کے طرز پر 'ثعلہ وعفراء' اور یونانی علوم وفنون کے تراجم کیے۔

یہ سب کچھ اس لئے بھی ممکن ہو سکا کہ مامون الرشید کے عہد میں مناظرے بازی (برمکی عہد کی یادگار) کے مقابلے میں علوم عقلیہ پر خصوصی توجہ صرف کی گئی۔ جب کہ اصطرلاب پر یونانی فلاسفر بطلیموس کے رسالے کا عربی ترجمہ ہارون الرشید کے عہد میں یحییٰ برمکی کی زیرِ نگرانی ہوا تھا۔

227ھ مطابق 841ء میں خلیفہ واثق باللہ نے حنین بن اسحاق کو دارالترجمہ کا مہتمم مقرر کیا۔ جب کہ اسی زمانے میں موسیٰ بن خالد جیسے مترجم وہاں ترجمے کے کام پر مامور تھے۔ سیف الدولہ کے عہد میں عیسیٰ رقی جیسا اہم مترجم موجود تھا۔ ادھر اُندلس میں عبدالرحمٰن ناصر نے مترجمین سے وہ کام لیا جو 'شاہنامہء اسلام' (فردوسی) کے لئے مضبوط بنیادیں فراہم کر گیا۔ اسی زمانے میں عزالدین نے علم نجوم پر 'دلائل فیروزی' جیسا ترجمہ مکمل کیا اور ثابت ابن قرہ نے 826ء میں ریاضی اور علم ہیئت سے متعلق متعدد کتب کو یونانی سے عربی میں منتقل کر دیا۔

داستانوی ادب کے تراجم میں 'کلیلہ و دمنہ' کا دوسرا اہم ترجمہ عبداللہ بن ہلال اہوازی نے 65ھ مطابق 684ء میں مکمل کیا تھا۔ یہ زمانہ یحییٰ کا تھا۔ اس دور میں عمر بن فرحان (جسے رئیس المترجمین کہا جاتا ہے) دارالترجمہ میں موجود تھا۔ اسی دور میں مہاندس محمد ابن ابراہیم فزاری نے زیج کی مشہور زمانہ تصنیف 'سدھانت' از برہم گپت کا سنسکرت سے عربی میں ترجمہ مکمل کیا۔

مندرجہ بالا اہم مترجمین کے بعد موسیٰ بن شاکر کا خاندان ترجمے میں اہم مقام حاصل کر گیا۔ اسی خاندان کے ثابت بن قرہ کو

اپنے زمانے کا 'رئیس المترجمین' مانا گیا۔

قدیم عرب کے مترجمین زبان فارسی

عبداللہ بن المقفع، فضل بن نوبخت، ابوسہل اسماعیل بن علی بن نوبخت، حسن بن موسیٰ، حسن بن سہل، موسیٰ بن خالد، یوسف بن خالد، ابوالحسن علی، جبلہ بن سالم، احمد بن یحییٰ البلاذری، اسحاق بن یزید، محمد بن جہم البرکی، موسیٰ بن عیسیٰ، ہشام بن القاسم، محمد بن بہرام بن مطیار الاصفہانی، بہرام بن مراد شاہ، عمر بن فرخان الطبری، عبداللہ بن علی، سہل بن ہارون، سعید بن ہارون، اسحاق بن علی اور عبداللہ بن ہلال اہوازی۔

قدیم عرب کے مترجمین زبان سنسکرت

منکہ، ابن دھن، اسماعیل تنوجی، ابوریحان بیرونی اور فیضی۔

قدیم عرب کے مترجمین زبان سریانی

ماسرجیس (یہودی)، عیسیٰ بن ماسرجیس، ہشدی کرخی ابن شہدی کرخی، ایوب الرہادی، یوحنا، منصور بن باناس، ایوب بن قاسم اور متی بن یونان۔

قدیم عرب کے مترجمین زبان یونانی ولاطینی نیز سریانی

اصطفن، بطریق، یحییٰ بن بطریق، حبیب بن بہریز، حجاج بن مطر، عبدالمسیح ابن ناعمۃ الحمصی، سلام ابرش، عیسیٰ بن نوح، ابراہیم قویری، حلیبا، ایوب ہادی، باسیل، قسطا بن لوقا، حنین بن اسحاق۔

عربی ادب میں جدید دور کا آغاز تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے نپولین کے مصر پر حملے سے ہوا اور اہل مصر جدید مغربی علوم سے روشناس ہوئے۔ نپولین کی فوجیں فرانس واپس جاتے ہوئے اپنے علوم و ادب کے کچھ آثار چھوڑ گئیں اور یہی سبب ہے کہ مصر کے حکمران محمد علی پاشا نے اپنے ملک کے چنیدہ ذہین طلبہ پیرس کی یونیورسٹیوں میں بھیجے اور جدید تر مغربی علوم کے تراجم عربی زبان میں کروائے۔ ان جدید تر علمی عناصر کی مصر میں نشوونما سے پہلے فرانسیسی ادبیات کو عربی میں منتقل کرنے کا کام مکمل کیا جا چکا تھا۔ ترجمے کے اس کام میں شام و لبنان کے ان عیسائی ادبا نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جو مصر میں مستقل سکونت اختیار کر چکے تھے۔ یہی سبب ہے کہ تراجم کے زیر اثر شوقی نے پہلی مرتبہ فرانسیسی منظوم ڈراموں کی طرز پر کامیاب منظوم ڈرامے لکھے۔ یہی وہ تخصیصی اوصاف ہیں، جن سے حافظ ابراہیم کی شاعری خالی ہے اور یہ صرف تراجم کے باعث پیدا ہوئے۔

مصر کے نابینا وزیر تعلیم ڈاکٹر طہٰ حسین یونانی ادبیات کے ماہر تھے اور انہوں نے چاہا تھا کہ تراجم کا ایک اور دور چلے۔ اس سے پیشتر جنگ عظیم کی بدولت ادبیات عالم میں جو نمایاں انقلاب برپا ہوا تھا اس کے ثبوت عربی ادب میں بھی ملتے ہیں۔ خلیل جبران

لکھتا ہے:

''میں مشرق کا ماتم اس لئے کرتا ہوں کہ مردہ لاش کے آگے رقص کرنا محض پاگل پن ہے۔ میں اہل مشرق کے حال زار پر اس لئے روتا ہوں کہ بیماروں پر ہنسنا جہل مرکب ہے۔''

خلیل جبران کا نام ساری دنیا میں ترجمے کی تحریک کا نمایاں تر نام ہے۔ خلیل جبران کی بازگشت شام اور لبنان کے ادبی حلقوں میں بھی سنی گئی۔ جنگ عظیم کے بعد عقاد کا زمانہ آیا۔ یہ زبردست نقاد اور انشائیہ نگار فرانسیسی ادب کی بہ نسبت انگریزی ادب سے زیادہ متاثر تھا۔ اس نے انگریزی ادب کے جدید تر رجحانات کو عربی میں منتقل کرنے کی کامیاب کوششیں کیں۔

عربی ادب کے 'اپولو گروپ' کی قیادت مصری شاعر ڈاکٹر ابوشادی کے ہاتھ میں تھی۔ یہ وہ گروپ ہے جس کی شاعری میں مغرب اور مشرق کی حدیں مٹی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔

عراق میں فکشن کی ابتدا ''الف لیلہ'' اور قدیم حکایات وقصص کے تراجم کے زیر اثر ہوئی جب کہ بعد میں اس کی جگہ مصر اور لبنان کے رسائل میں شائع ہونے والے افسانے اور مغربی ادب کی ناکام نقالی نے لے لی۔ البتہ ترجمے کا کام مغربی زبانوں سے واقفیت نہ ہونے کے سبب نہ ہو سکا پھر بھی محمود السید، انور شاؤول، عبدالمجید لطفی، ذوالنون اور ڈاکٹر خلوص نے خلیل جبران اور امریکی ادب کے زیر اثر نئی تکنیک بھی برتی اور تراجم کی محدود تعداد میں ترجمے کا حق بھی ادا کیا۔ ان افسانہ نگاروں کے علاوہ عراقی ناول نگاروں میں محمود احمد سید، ذوالنون ایوب اور جعفر خلیلی نے انگریزی ادب سے اثر قبول کیا۔ کارل مارکس کی 'داس کیپیٹل' کے ترجمے کے ساتھ ہی اشتراکی خیالات کی ابتداء ہوگئی تھی تاہم موجودہ دور میں یہ اثرات کہیں زیادہ نمایاں ہیں۔ عربی کے جدید ناولوں میں حقیقت پسندانہ کردار نگاری کے معاملے میں مغربی اصولوں ہی کو پیش نظر رکھا جاتا ہے، جبکہ جدید ترین فکشن میں فرانس کے فلابیئر اور ایمائل زولا کے بعد سارتر کے زیر اثر نظریۂ وجودیت تک کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

ایران میں اکثر ترجمے عربی زبان سے ہوئے اور دورِ جدید میں فرانسیسی اثر کو بھی قبول کیا گیا۔ ساسانی دور کے ایران میں سنسکرت کی کتاب ''ہتوپدیش'' کے ایک حصے ''پنچ تنتر'' کے ترجمے (550ء) کے بعد متعدد یادگار ترجمے فارسی میں ہوئے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

'تاریخ طبری'' کا ترجمہ وزیر محمد عبداللہ بلعمی نے 963ء میں کیا۔ 'ترجمہ تفسیر طبری' بھی منصور بن نوح سامانی (961ء-976ء) کے دور میں ہوا۔ علم نجوم کی کتاب 'برہان الکفایہ' نام کا ترجمہ احمد بن عبدالجلیل سجزی نے کیا جو ابومعشر بلخی کی عربی کتاب 'احکام الموالید' کا ترجمہ ہے۔ عرب مورخ احمد بن اعثم کوفی کی کتاب 'فتوح ابن اعثم' کا ترجمہ محمد المستوفی ہروی نے 'تاریخ فتوحی' کے نام سے کیا۔ طوسی کی کتاب 'اخلاق ناصری' ابوعلی مسکویہ کی کتاب 'تہذیب الاخلاق' کا آزاد ترجمہ ہے۔ آداب و اخلاق پر 'ابن المقفع کے ایک رسالے کا ترجمہ بھی نصیرالدین طوسی نے 1235ء میں کیا تھا۔

عربی کتاب ''ینبوع الحیٰوۃ'' کا ترجمہ بابا افضل الدین کاشانی نے کیا۔ عربی کتاب 'الفرج بعد الشدۃ' از ابوالحسن علی مدائنی کا ترجمہ حسین دہستانی نے 1264ء کے قریب کیا۔ عربی کتاب 'کنزلدقائق' ازنسفی کا ترجمہ نصراللہ کرمانی نے کیا۔ ابوجعفر کلینی کی کتاب 'الکافی' کا ترجمہ خلیل قزوینی نے 1654ء میں کیا جب کہ 'تحفۃ المومنین' از محمد مومن معاصر شاہ سلیمان صفوی (1666ء-1693ء) بھی

عربی کتاب 'مالابسع الطبیب جہلہ' کا ترجمہ ہے۔

چینی ادب زمانہ قدیم سے ایک الگ تھلگ جزیرے کی مانند رہا ہے۔ البتہ سفرنامہ نگاروں نے اس کا رابطہ باقی ماندہ دنیا سے جوڑنے کی سعی کی ہے۔ ابن بطوطہ سے ابن انشاء تک چین کا علاقہ ہمارے لئے اور دیوار چین سے ادھر کا علاقہ چینیوں کے لئے ایک گمبھیر اسرار سے کم نہیں رہا۔

چین میں نثری رُومانوی قصوں کا آغاز عہد تانگ (960ء تا 590ء) میں یونانی قصوں کے زیر اثر ہوا۔ یوں چین میں رومان پسندی کا عہد شباب 1368ء کا زمانہ ہے۔ سان کو چی (San Kuo Chi) اور شوئی ہوچوان (Shui Huchuon) کے دو قصوں بالترتیب 'تین سلطنتوں کا زوال' اور 'تمام انسان بھائی بھائی ہیں' نے خصوصی شہرت حاصل کی۔ آخر الذکر قصہ پرل ایس بک نے 1933ء میں ترجمہ کر کے نیویارک سے طبع کروایا۔

چین کی مشہور رومانوی داستان 'مغرب کی سیاحتوں کے حالات' از ہی یو چی کے عالمگیر اثرات ادبیات عالم پر محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ خصوصاً 'مغرب کی سیاحتوں کے حالات' میں منیو کی 'مدر انڈیا' اور جان ماسٹر کی 'بھوانی جنکشن' تک ایک ہی تسلسل (اسرار سے متعلق) دکھائی دیتا ہے۔

ہی یو چی نے بدھ مت کی تبلیغ کے سلسلے میں مورتیوں اور کتابوں کی کھوج کو اپنا موضوع بنایا تھا۔ بعد میں اس کتاب کو آرتھر ویلی نے 'بندر' کے نام سے انگریزی میں منتقل کیا۔ چینی سماجی آداب زندگی سے متعلق چن پنگ می (Chin Ping Mai) کی داستان 'سنہری گملے کا بیر' کو کلیمنٹ اجرٹن نے 'سنہری کنول' کے نام سے انگریزی میں منتقل کیا۔ اسی طرح 'سنہری کمرے کا خواب' (Hung Lou Mong) از ساؤ سوچو (1710ء تا 1766ء) کو بعد میں چی چنگ وانگ نے نظرثانی کے بعد 'ڈریم آف دی ریڈ چیمبر' کے نام سے انگریزی میں منتقل کیا۔

جیمز لیگی (James Legge) نے چینی شاعری کے اوّلین مترجم کے طور پر شہرت پائی لیکن اس خصوص میں خاتون مترجم Helen Waddell کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ 'Lyrics from the Chiness' میں اس نے James Legge کے ترجموں اور نوٹس کو بنیاد بنایا اور لفظی ترجے کو تخلیقی ترجے کے درجے پر محسوس کروایا۔ اس ضمن میں 'Great Ancient Lyrics' کے سلسلے کی نظمیں ہمیشہ خصوصی توجہ کی طالب رہیں گی۔

'The Tale of Meng Chiang' بچوں اور بڑوں میں یکساں مقبول رہی ہے۔ اسے Genevieve Wimsatt نے Lady of the 'The Long Wall' کے نام سے ترجمہ کیا اور کولمبیا یونیورسٹی پریس سے شائع کروایا۔

آرتھر ویلی (Arthur Waley) نے چینی شاعر Chu Yuan کے علاوہ کئی دیگر چینی شعراء کو تراجم کے ذریعے یورپی دنیا سے متعارف کروایا۔ Chu Yuan کی طویل نظم The Great Summons کے ترجمے کو آج بھی اہم گردانا جاتا ہے۔ شاعر Lipo کے ترجموں کے سلسلے میں Witter Bynner کو اہمیت حاصل ہے۔ چینی شاعری کے ان مترجمین کے کام کے نمونے The Wisdom of China مرتبہ: Lin Yutang مطبوعہ: 1956ء، Jako Publishing House,125, Mahatma Gandhi Road,Bombay-1 دیکھے جا سکتے ہیں۔

نئے زمانے کے چینی ادیب نے اپنی بیداری کا آغاز 1840ء کی 'افیون لڑائی' سے کیا۔ موجودہ انقلابی کروٹوں تک چین کے ادب نے تیاپنگ کی آسمانی حکومت، 1894ء کی چین جاپان جنگ، 1898ء کی اصلاحی تحریک، 1911ء کی ژی ہوتن تحریک، انقلاب 4 مئی 1919ء، شمالی مہمات اور کسانوں کی جھڑپیں، اگست 1949ء میں عوامی فوج کی فتح اور چیئرمین ماؤزے تنگ کا ادیبوں کے لئے لائحہ عمل سے لے کر ثقافتی انقلاب تک آسمان کے سبھی رنگ دیکھ لیے ہیں۔ البتہ چینی ادب اس اعتبار سے یقیناً ادبیات عالم سے کٹا رہا ہے کہ وہ اپنے آپ میں گھمسان کی جنگ سے دوچار تھا۔ اس موضوعاتی فلک الافلاک کو چینی ادیبوں کے سرخیل ماؤزے تنگ اور لوہشون نے اس طرح سمیٹا ہے کہ چینی ادیبوں کو عمومی طور پر ادبیات عالم میں کیے گئے تکنیکی تجربات کی طرف نظر بھر کر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

نئے چین میں تاحال افسانے کی تکنیک کم برتی جا رہی ہے۔ کہانیوں میں اکثر ماؤ کے کسی قول کو اساس بنا کر ہمت اور حوصلہ بڑھانے کا درس دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر یوچن چاؤ کی کہانی 'سمندروں میں طویل سفر'، چانگ ژی کی کہانی 'پہرہ دار سنتری' اور وانگ ین چن کی کہانی 'معمولی مزدور' وغیرہ لیکن اس سارے منظرنامے کے پیچھے چینی کہانی (حکایت) کی مضبوط روایت بھی اپنا جلوہ دکھا رہی ہے۔ مثلاً قدیم چین کے مشہور فلسفی وی لی کی حکایات لذیذ کے مجموعہ ''وی لی'' کو چین کی حکایاتِ سعدی شیرازی کہنا چاہیے۔

''نیرنگ خیال'' لاہور کا چینی افسانہ نمبر بابت: اپریل مئی 1968ء دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ہوان چن (افسانہ: پیاسی بلی) تویان موہونگ لیانگ (افسانہ: چور) شین سونگ دین (افسانہ: دوگوریلے) ہی چن چوئین (افسانہ: البم) وانگ کوانگ دین (افسانہ: گھاس کا سفر) کاؤفنگ کو (افسانہ: تدبیر کند بندہ) ہوکانگ (افسانہ: زنگ آلود کیل) ماؤتن (افسانہ: خزاں کی کھیتی) ہوشو (افسانہ: پرچھائیاں) چینگ تین ای (افسانہ: گنبد) فینگ سنگ (افسانہ: پیتل کی دیوار) نے تکنیکی اعتبار سے روسی افسانے کے گہرے اثرات قبول کئے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ سیاسی سطح پر ناہمواری کے باوجود موضوعات اور نظریہ سازی کی مطابقت تھی۔ نئے لوگوں میں (مثلاً شن چن سن، شی سین لینگ اور کاؤپاؤ چوان) افسانے کے جدید رجحانات تلاش کرنا مشکل نہیں رہا۔ جس کا سبب امریکی، فرانسیسی، جاپانی اور ہندی اور اُردو کا چینی زبان میں ترجمہ ہونا ہے۔

18 ویں صدی کی ابتداء کے ساتھ ہی ترکی حکومت نے مجبوراً یورپی اقوام کو مذہبی اور قانونی تحفظات کے ساتھ ساتھ تجارت کے لئے منڈیاں فراہم کر دیں۔ معاشی اور سیاسی سطح پر اس خرابی میں خیر کی صورت بھی پیدا ہوئی اور یوں 18 ویں صدی کی پہلی دہائی ہی میں ترکی ادب مشرق اور مغرب کے درمیان ایک پل کی حیثیت اختیار کر گیا۔ خود ہمارے ہاں مغربی علوم اور افکار براستہ ترکی وارد ہوئے اور فکری سطح پر منظرنامے کی اس وسعت نے نت نئے مباحث کے ذریعے مشرقی اقوام کو چوتھے کھونٹ کے سفر پر آمادہ کر لیا۔ یہ الگ قصہ ہے کہ خود ترک دانشور اس نتیجہ پر پہنچے کہ مشرقی روایات و افکار مغرب کے مقابلے میں پنپنے کی سکت نہیں رکھتے، اس لئے مغربی چال چلن اختیار کرنے ہی میں بہتری ہے۔ سو 1717ء میں مغربی علوم خصوصاً طب، طبیعات اور جغرافیہ کے تراجم بڑی تعداد میں ہوئے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب ترکی پر فرانس کا ادبی غلبہ مکمل ہو چکا تھا۔ ترکی میں ترجمے کی ابتدائی کتب سعید محمد بن چلپی کے اوّلین چھاپہ خانے (قیام: 1727ء) سے چھپ کر سامنے آئیں۔ سعید محمد نے یہ چھاپہ خانہ ہنگری کے ایک نومسلم ابراہیم متفرقہ کے ساتھ مل کر قائم کیا تھا۔ یوں ترکی میں چھاپہ خانے 1557ء سے کام کر رہے تھے لیکن شیخ الاسلام کے فتوے کے مطابق صرف اہل سہور اور عیسائی

مذہبیات سے متعلق ہی کتابیں شائع ہوتی تھیں۔

ابراہیم شناسی آفندی (1824ء۔ 1871ء) پہلا ترک ادیب تھا جس نے ترکی فیبل اور فرانسیسی ادب کے تراجم شائع کروائے اور یوں عثمانیوں کے دور حکومت میں زبان و ادب کے ساتھ برتی جانے والی غفلت کا ازالہ کیا۔ یوں زولا، بالزاک، فلابیئر اور ستاں دال کے ترجمے ترکی زبان میں ہوئے اور ضیاء پاشا نے اوسو کی ''ایمیل'' کا ترجمہ کیا۔

روسی ادب اپنی ابتداء سے ایک خاص قسم کے بکھراؤ کا شکار رہا۔ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ زار کے زمانے تک 'روسی زبان و ادب' کے نام کی کوئی شے تھی ہی نہیں۔ مختلف علاقائی بولیاں: ایک دوسرے سے کٹ کر محض لین دین کی زبان یا محدود تر علاقائی لوک ادب کی صورت میں مردنی کا شکار تھیں۔ زار کے عہد تک باہمی رابطے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ کسی اخبار یا رسالے کے شائع نہ ہو سکنے کے سبب روسی زبانیں اپنے تکمیلی عمل سے ناآشنا تھیں۔ قبیلے قبیلوں سے جدا اور علاقے ایک دوسرے سے کٹے ہوئے تھے اور بیشتر نامکمل زبانیں بیسیوں لہجوں میں بٹ کر رہ گئی تھیں۔ روسی انقلاب کے بعد زبانوں کو ہمہ گیر بنانے کا سوال سب سے اہم مسئلہ رہا۔

روسی زبان و ادب کے اثر انداز اور اثر پذیر ہونے کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو پتا چلتا ہے کہ تاتاری شاعری نے ازبکی اور ترکمانی شاعری کو نکھار بخشا جب کہ تاجیکی ادب نے ازبکستان اور ترکمانستان پر اپنے اثرات چھوڑے اور ایرانی تہذیب کی معرفت جارجیا اور آذربائیجان کے ادب کو بھی بڑی حد تک متاثر کیا۔

روسی ادب کا اثر یوکرینی ادب پر بہت گہرا رہا ہے اور اس کے بدلے میں یوکرین کے ثقافتی منظرنامے نے روسی ادب کو بھی بہت کچھ دیا، جس کا سب سے بڑا ثبوت گوگول کی تخلیقات ہیں۔

مجموعی طور پر روسی ادب، ادبیات عالم سے کٹ کر رہنے کے باوجود اس لئے بھی مرجھا کر نہیں رہ گیا کہ وہاں مختلف النوع علاقائی تہذیبوں کے باہمی میل ملاپ نے ادب کی کونپل کو ہرا رکھا۔ اس ضمن میں پشکن کی کوششوں خصوصاً روسی تھیٹر کو نیا روپ دینے کی مہم اور اس سلسلے میں ماضی کی تاریخ اور لسانی رابطوں کی طرف توجہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ اسی سلسلے کی دوسری کڑی پشکن کے منظوم ناول 'ایوگنی اونیگین' تھی جسے عظیم روسی ناقد ویساریان بیلنسکی نے 'روسی زندگی کی انسائیکلو پیڈیا' کہا تھا۔ عوامی انقلاب کے بعد قومی سطح پر زبان و ادب کی ترویج کا کام بڑے پیمانے پر ہوا جس کی 1917ء سے قبل کوئی مثال دیکھنے میں نہیں آئی۔ شماریاتی جائزہ لیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ 1913ء میں غیر روسی زبانوں میں صرف تین کتابیں شائع ہوئیں جب کہ 1939ء تک ان کی تعداد چھ سو ترانوے تک پہنچ گئی۔

ڈراما نگار حمزہ نے 1921ء میں شہرت پائی۔ وہ ایک تو ازبکی شاعر مایا کافسکی کی شعری روایت کو پروان چڑھا رہا تھا اور دوسری طرف شیکسپیئر اور مولیئر کی فنی روایتوں سے اثر قبول کر رہا تھا۔ اس عہد کے دیگر اہم مصنفین مثلاً آرمینی ادیب زاریاں، کازکی ادیب ثابت اور ترکمانی ادیب جارجی نے گورکی کے اثرات کے تحت لکھا۔ ثابت نے اپنی سوانح عمری گورکی کی "My Childhood" سے متاثر ہو کر لکھی، جو 'کازکی ادب' میں اولین 'نشئیت پسندانہ' تحریر ثابت ہوئی ہے۔ اسی طرح غفوری نے اپنی مشہور کہانی The Goldfields of a Poet گورکی کے تتبع میں لکھی۔ آرمینی مصنف زاریاں کے ناول "Khatsaban" کا مرکزی کردار لیون، گورکی کی ناول 'ماں' کے کردار پاول کے زیر اثر جنم لیتا ہے۔

یہ روسی زبان وادب کا عالمی منظرنامے سے کٹ کر رہتے ہوئے خالصتاً قومی بنیادوں پر یکجا ہونے کا مختصر خاکہ ہے، لیکن کون جانتا تھا کہ صنفِ افسانہ گوگول کے 'اوورکوٹ' سے برآمد ہوگی اور روس کے پشکن، گورکی اور ٹالسٹائی کے بعد چیخوف بھی عالمی ادب پر حکمرانی کریں گے۔

یونان کو مشرق اور مغرب کا سنگم کہنا چاہیے۔ اِس لئے کہ یونان نے تراجم کے ذریعے مشرق اور مغرب کے درمیان پل کا کام کیا۔ ترجمے کی معرفت ہومر (پ 850 قبل مسیح) کے تخیل اور فکر نے یورپ میں علوم وفنون کے میدانوں کو متاثر کیا، یوں یورپ نے وہ کارنامے انجام دیے جو آج انسانیت کی معراج ہیں۔ خاص طور پر نشاۃ ثانیہ کے زمانے میں یونانی ادب اور یونانی فلسفیوں کے نظریات کا یورپ نے براہ راست اثر قبول کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ترکوں نے یونانیوں کو شکست دی اور اس کے نتیجے میں یونانی لوگ یورپ میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔اس زمانے میں ولیم شیکسپیئر کے ایک ہمعصر شاعر چیپ مین نے ہومر کو انگریزی میں ترجمہ کر کے یورپ سے متعارف کروا دیا۔اس دور میں یونانی رزمیوں خصوصاً ہومر کی 'ایلیڈ' اور 'اوڈیسی' کا اثر یورپی ڈراموں اور داستانوں میں بہت نمایاں ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ یورپی ادب میں جس قدر حوالے یونانی اساطیر کے ملتے ہیں وہ سب کے سب ہومر کی شاعری سے مستعار ہیں۔

اب یورپی اور امریکی ادب پر 'ہومر' کے براہ راست اثرات کی چند مثالیں دیکھیے:

1۔ انگریزی شاعری کے جدامجد 'چاسر' کی مشہور نظم Troilus and Cresede ہومر کی نظم 'ایلیڈ' سے متاثر ہو کر لکھی گئی۔

2۔ 'ٹینی سن' کی اہم ترین نظم 'یولی سس' کا بنیادی خیال 'اوڈیسی' سے ماخوذ ہے، خصوصاً 'لوٹس' کے پھول کھانے والے کردار تو ہیں ہی ہومر کی اختراع۔

3۔ کیٹس نے ایک سانیٹ چیپ مین والے ترجمے کو پڑھ کر لکھی۔ اس سانیٹ پر کیٹس نے ہومر اور چیپ مین کا حوالہ بھی دیا ہے۔

4۔ جیمز جوائس کا ناول 'یولی سس' کا بنیادی خیال 'اوڈیسی' سے ماخوذ ہے۔

5۔ ہنری جیمز (امریکہ) نے 1895ء تا 1900ء تک 'ہومر' کے اثرات کے تحت تحیر آمیز کہانیاں لکھیں۔

6۔ ہرمن میلول (امریکہ) کا ناول 'موبی ڈک' سمندروں کی مہم جوئی سے متعلق ہے۔ 'موبی ڈک' میں انسان کا ویل مچھلی سے مقابلہ ہمت اور ضبط سے مایوسی اور محرومی پر غلبہ اوڈیسیوس کے سمندری سفر کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔

7۔ نوبل انعام یافتہ 'ناول نگار' ارنسٹ ہیمنگوے (امریکہ) نے اپنی مشہور زمانہ ناولٹ 'بوڑھا اور سمندر' میں اوڈیسیوس اور غضبناک سمندر کی علامت استعمال کی ہے۔ ایک موقع پر بوڑھا اپنی جوانی کے ہیرو کا ذکر کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ ہیرو بیس بال کھیلتا تھا لیکن اس کی ایڑی خراب ہوگئی۔ یہ 'ناکارہ ایڑی' کی علامت بھی ہومر سے مستعار ہے۔ ہومر کا جنگی ہیرو اکیلیز (Achilles) جب ہیکٹر کو قتل کر دینے کے بعد اس کی لاش کو اپنی رتھ سے باندھ کر ٹرائے کے گرد فاتحانہ چکر لگاتا ہے تو اپالو کا بیٹا پیرس، اکیلیز (Achilles) کے دشمنوں کو مشورہ دیتا ہے کہ اکیلیز (Achilles) کی ایڑی پر تیر مارو، وہ ناکارہ ہو جائے گا۔

اسی طرح 'اوڈیسی' میں سمندر، تقدیر کی علامت ہے 'بوڑھا اور سمندر' میں بھی یہ علامت انہی معنوں میں استعمال ہوئی ہے۔

8۔ یورپ اور امریکہ کے ادب میں 'ٹروجن ہارس' (لکڑی کا گھوڑا) کی علامت ہومر کی اختراع ہے۔ اوڈیسیوس، ٹرائے کے قلعہ کو

فتح ہی ٹروجن ہارس کے ذریعے کرتا ہے۔

9۔ یورپ اور امریکہ کے ادب میں 'ٹروجن ہارس' سے متعلق کئی محاورے ملتے ہیں۔ 'بظاہر کچھ' اور 'درحقیقت کچھ' کے معنوں کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔

10۔ 'ہومر' کی 'اوڈیسی' کا ایک آنکھ والا دیو عالمی ادب میں ایک زندہ کردار بن گیا۔ خود اردو کی بیشتر داستانوں اور حکایتوں میں ایک آنکھ والا دیو ملتا ہے۔

11۔ 'اوڈیسی' میں سرسے کا ایک خیالی جزیرہ 'ہومر' کی تخلیق ہے۔ آج کے یورپی ادب میں 'سرسے کا جزیرہ' ایک علامت کے طور پر ملتا ہے۔

12۔ انسان کو 'ناانسان' میں بدلنے پر قادر بدی کی طاقت کی علامت عالمی ادب میں پائی جاتی ہے جو درحقیقت 'اوڈیسی' کی کرکی جادوگرنی سے ماخوذ ہے۔

13۔ 'اوڈسیوس' کی بیوی پی نے لوپی (Penelope) کا انتظار عالمی ادب میں خاوند کے ساتھ وفاشعاری کی ایک علامت بن چکا ہے۔

14۔ اسپین کے داستان طراز سروانتیس کا ڈون کیخوتے (Donquixote)، مرکزی کردار کی سطح پر 'اوڈسیوس' سے خاصی مشابہت رکھتا ہے۔

15۔ یورپ اور امریکہ میں 'اوڈیسی' کے خیال کو بنیاد بنا کر بچوں اور بڑوں کے لئے لاتعداد فیچر فلمیں بنیں۔ جن میں سے Wessex لندن فلمز کی The Wooden Horse (1950ء) ہالی وڈ امریکہ کی Helen of Troy (1956ء) اور M G M امریکہ کی Odyssey A Space 2000 (1968ء) خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔

"Every Men" انسائیکلو پیڈیا (جلد نہم) میں ناول کے باب میں لکھا ہے کہ یونان کے قدیم ترین نثری قصے Milesian Tales ارسطو کے ایک گمنام شاگرد کے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ یونان میں رُومانی قصوں کی ابتداء تھی۔ ڈرامہ نگار ایس کائی لیس (Acshylus) کی پیدائش 525 قبل مسیح کی ہے۔ اسی ڈرامہ نگار کے ڈرامے 'پرومی تھیوس' کی طرز پر شیلے نے 1818ء میں 'پرومی تھیوس زنجیر بستہ' انگریزی میں لکھا۔ انتونیو دیوجانس (Antonius Diogenes) کا ڈینیاس (Dinias) اور ڈرسائل (Dercyllis) کا چوبیس ابواب پر مشتمل قصہ اور دوسری صدی عیسوی میں دو داستان طرازوں: لوسین (Lucian) اور لوسیس (Lucius) کے اثرات قصہ گوئی کے باب میں مغربی یورپ کے لئے مشعل راہ بنے۔

یونان کے دو عیسائی مصنفین ہلیوڈورس (Heliodorus) اور ایک گمنام مصنف نے قصہ گوئی کو مذہبی روایات کے ساتھ باہم ایک کرکے مسیحی رہبانیت کی تبلیغ کا ذریعہ بنا دیا۔ یونانی قصے کی یہ نئی کروٹ عالمی سطح پر توجہ کا مرکز بنی۔ یہی وجہ ہے کہ گمنام مصنف کا قصہ 'برلام اینڈ جوزافٹ' (Berlam and Josafhat) قرون وسطیٰ کی عیسائی دنیا میں تقریباً ہر زبان میں ترجمہ ہوا۔ خود مغربی یورپ کی رومانیک زبانوں میں قصہ گوئی کی ابتداء ہی اس یونانی قصے کے زیر اثر ہوئی۔ زبانوں کے اس باہمی لین دین کا سلسلہ قدیم وقتوں سے چلا آتا ہے۔ دنیا میں وحدت الوجود کے عقیدے کا سب سے بڑا اور قدیم سرچشمہ ہندوستان ہے، بقول ابوالکلام آزاد:

> "غالباً یونان اور اسکندریہ میں بھی یہیں سے یہ عقیدہ پہنچا اور مذہب افلاطون جدید (Neoplationism) نے (جسے غلطی سے عربوں نے افلاطون کا مذہب خیال کیا تھا) اس پر اِشراقی عمارتیں استوار کیں"۔

('غبار خاطر'، ص: 134 مکتبہ میری لائبریری، لاہور، طبع چہارم، 1966ء)

جس طرح نویں صدی عیسوی سریانی، یونانی، لاطینی اور سنسکرت سے عربی زبان میں تراجم کی صدی شمار ہوتی ہے بعینہٖ اسی طرح 12ویں اور 13ویں صدی (1125ء تا 1280ء) کا زمانہ عربی سے لاطینی زبان میں ترجمے کا زمانہ ہے۔ یہ وہ دور ہے جب اسپین میں عربی، لاطینی اور فرانسیسی زبانیں خوب پھل پھول رہی تھیں۔ اس دور میں اطالوی عالم اور مفکر جرارڈ آف کری مونا (1114ء۔ 1187ء) نے 80 ضخیم کتابیں عربی سے لاطینی زبان میں منتقل کیں۔ جن میں خوارزمی کی کتاب 'الجبر و المقابلہ' بطلیموس کی 'المجسطی' ابوبکر رازی کی 'سر الاسرار' بوعلی سینا کی 'قانون الطب' جابر ابن افلاح کی کتاب 'کتاب الحیات'، ابوبکر رازی کی 'الطب المنصوری' (10 جلدیں)، الخوارزمی اور البتانی کی 'الذیج' یادگار ہیں۔ یہی وہ زمانہ ہے جب ابن ماجہ اور ابن بیطار عربی سے لاطینی میں ترجمہ ہوئے۔ ابوبکر رازی کو لاطینی زبان میں سب سے زیادہ قابل توجہ سمجھا گیا۔ یہاں تک کہ اطالوی مفکر جرارڈ کے تراجم کے بعد بادشاہ وقت چارلس آف آنجو کے حکم خاص سے 13ویں صدی میں بھی رازی کے افکار کو ترجمہ کیا گیا۔ ان دنوں کی یورپی دنیا میں رازی (Rhaze) کا نام مشہور تھا۔ شاید یہی سبب ہے کہ جرمن مفکر ہمبولٹ نے کہا تھا کہ:

''عربوں کو طبیعاتی سائنسوں کا حقیقی بانی سمجھنا چاہیے''۔

('نوید فکر' از سبط حسن۔ مکتبہ دانیال عبداللہ ہارون روڈ، کراچی، ص:91۔)

19ویں صدی میں لاطینی امریکہ کی آزادی کے ساتھ وہاں ناول کی صنف نے ظہور پایا لیکن سوائے برازیل کے ناول نگار Machadc Assis اور کولمبیا کے ناول نگار جارج ائیرک کے وہاں کے دیگر اُدبا نے کسی اور زبان کا اثر قبول نہیں کیا۔ جارج ائیرک کا ایک ناول "Mayia" (مطبوعہ: 1867ء) فرانس کے ناول نگار 'برنارڈ ڈی سینٹ پرے' کے ناول 'Poudct Virguic' کے زیر اثر لکھا گیا۔

البتہ 18ویں صدی کے اختتام تک لاطینی امریکہ کا ادب ہسپانوی، انگریزی اور فرانسیسی ادب کا چربہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ لاطینی امریکہ کے ممالک میں یا تو ہسپانوی زبان بولی جاتی ہے یا انگریزی۔ یہ اس لئے بھی ہوا کہ لاطینی امریکہ کی آبادی سراسر اسپین اور برطانیہ کے نو آبادکاروں پر مشتمل ہے۔

19ویں صدی کا زمانہ لاطینی امریکہ میں بین الاقوامیت کے وسیع تر دائرے سے نکل کر نسبتاً محدود دائرے میں رہتے ہوئے اپنی شناخت کے مراحل طے کرنے کا ہے البتہ اس زمانے میں بھی رومیو لوگا لیگاز، ماریا نوازوئیلا اور سائیرو الیگیویا نے انگریزی اور فرانسیسی ادب کے اثرات قبول کیے۔ ان کے ناولوں میں اس چیز کی نشاندہی ممکن ہے۔

آج لاطینی امریکہ کے بارجس، گیومارنس روزا، کارپنٹر، کینڈی (نوبل انعام 1981ء) اور گابریل گارشیا مارکیز (نوبل انعام 1982ء) کے ناموں سے ایک دنیا واقف ہے۔ بارجس پہلا ادیب ہے جس نے 20ویں صدی میں تراجم کی روایت کو سنبھالا دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ثابت کر دکھایا کہ لاطینی امریکہ کا ادب گوئٹے اور ولیم شیکسپیئر کے کام سے مکمل طور پر آگاہ ہے۔ لیکن تراجم کے اثرات کے تحت اس سے اُلٹ صورت حال بھی دیکھنے کو ملی۔ پزاما لیما نے اپنے ناول 'Paradiso' میں وہی کچھ کیا جو جدیدیت کے علمبرداروں نے جاپان کے ساتھ کیا تھا یا پھر جوزو کیسل اور پال موراںڈ نے ایشیا، لاطینی امریکہ (خصوصاً ہسپانوی زبان) اور افریقہ کے ساتھ کیا۔ پزاما لیما نے قدیم ناموں مارسل شوب اور ہاپری لوئی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جوزو کیسل اور پال موراںڈ کے انداز میں یورپ اور

ایشیائی ممالک کی تاریخ، تہذیب اور ادبی سرمائے کو اپنی تصنیف "Paradiso" میں مسخ کر کے رکھ دیا۔ دوسری طرف کارتازار کے ناولوں نے یورپ کو متاثر کیا اور کارلو فیونٹس، مارکیز اور کینڈی نے لاطینی امریکہ کے ادب کو عالمی منظر نامے کے ساتھ جوڑ دیا۔ یہی سبب ہے کہ آج کا یورپی ناقد ایڈمنڈ ولسن کی طرح یہ نہیں کہہ سکتا کہ:

اُسے لاطینی امریکہ کے ناول قطعی ناپسند ہیں۔

یورپ میں صنف افسانہ پر نگاہ کریں تو پتا چلتا ہے کہ اس کی ابتداء اٹلی کے بوکاچو (Boccaccio) کی تقلید میں ہوئی۔ جب کہ بوکاچو نے 53-1348ء میں سو افسانوں کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا جو بڑی حد تک الف لیلہ کے زیر اثر تھا۔ دیکھیے: ''مختصر افسانہ نویسی کی تاریخ پر ایک نظر'' از ڈاکٹر محمد دین تاثیر مطبوعہ: 'مخزن' افسانہ نمبر اگست۔ ستمبر 1929ء

یہی سبب ہے کہ انگریزی ادب کے ہر دور میں مشرقی داستانوں کا رنگ جھلکتا ہے۔ خصوصاً انگریزی میں عربی کے اثرات اس دور میں نمایاں ہونے شروع ہوئے۔ جب اسلامی سلطنت کی سرحدیں مشرق اور مغرب میں بحیرۂ روم تک پہنچ گئیں۔ جزیرہ سسلی میں غالب خاندان کے زوال کے بعد بھی سسلی کی ادبی اور علمی زبان، یونانی اور لاطینی کے دوش بدوش عربی رہی۔ سسلی کے حکمران راجر کے میر منشی رابرٹ سیلی نے انگریز اُدبا کے لئے دربار میں جگہ پیدا کی اور یوں عربی سے انگریزی میں ترجمہ نگاری کی ابتداء ہوئی۔ اس دور میں یوجینی نے عربی زبان سے 'کلیلہ و دمنہ' کو یونانی زبان میں منتقل کیا۔

چاسر نے اٹلی میں رہ کر بوکاچو کے قصے ''ڈی کامرن'' (de cameron) کے انداز میں اپنی مشہور تصنیف 'Canterbury Tales' مکمل کی، جب کہ ''ڈی کامرن'' کے قصے 'الف لیلہ' کا انداز لیے ہوئے ہیں۔ اسی تسلسل میں شیکسپیئر کا ڈرامہ 'All is Well' that Ends Well' آتا ہے جو ترجمہ در ترجمہ کی تیسری پرت ہے یعنی ''ڈی کامرن'' کا چربہ۔

چاسر نے اصطرلاب پر بھی ایک رسالہ قلمبند کیا جس کا نام 'بچوں کے لئے دودھ اور روٹی' تھا۔ یہ رسالہ یکسر عرب مصنف ماشاء اللہ بن اطہری کی کتاب اصطرلاب (کتاب صناع اصطرلاب وعملیھا) سے ماخوذ ہے اور چاسر کا قصہ 'The Pardonre' الف لیلہ کا ایک باب محسوس ہوتا ہے۔

راجر بیکن کی علمی تصانیف کی بنیادیں اسلامی فلسفہ اور سائنس پر استوار دکھائی دیتی ہیں۔ فرانس کے علاقہ پرووِنس (Provence) کے اشعار جو 'Troubadour' سلسلے کے نام سے مشہور ہیں، اسی روایت کی ایک کڑی محسوس ہوتے ہیں۔ ان اشعار میں اندلسی شعرا کے موضوعات اور عروض کے اوزان کے ساتھ عرب اسلامی اصطلاحیں بھی برتی گئیں۔ انگریزی زبان کی ایک نامعلوم رزمیہ نظم 'آٹھویں صدی عیسوی' جس کا اساطیری ہیرو Beowulf ہے، کے اشعار کی تقسیم صدر اور عجز کا انداز لیے ہوئے ہے جو عربی ادب سے مستعار ہے۔ اسی نوع کا علمی ترکہ مارکو پولو نے اپنے مشاہدات کی شکل میں چھوڑا ہے۔ بعینہٖ اسی نوع کے اثرات کا مطالعہ انگریزی سفر نامہ نگار ماندویل کے ہاں کیا جا سکتا ہے۔

انگریزی ادب کے دو مشہور زمانہ قصے 'Seven Sages of Rome' اور 'Floris and Blancher' بالترتیب لاطینی قصوں اور 'الف لیلہ' کا چربہ ہیں۔

ولیم شیکسپیئر کا ڈرامہ 'The Taming of Shrew' 'الف لیلہ' کے قصے 'صحوۃ النائم' کا چربہ ہے۔ ڈراما Othelo کا سارا پلاٹ

'الف لیلہ' سے ماخوذ ہے اور ڈراما 'میکبتھ' میں عرب داستانوی کردار زرقا کی پرچھائیں توجہ چاہتی ہے۔

کچھ یہی معاملہ شیکسپیئر سے سینئر اور جونیئر ادیبوں کا بھی ہے۔ مثلاً کرسٹوفر مارلو کے ڈرامے 'تیمور لنگ' (Tamburlaine the Great) کا سارا منظر نامہ ایران اور ترکستان سے متعلق ہے۔ ڈاکٹر جانسن کا مشہور ہزلیہ 'کیمیا دان' (Alchemist) نہ صرف عرب علاقوں سے متعلق ہے بلکہ عربی تصانیف کا اثر صاف پہچانا جاتا ہے۔ ڈریسڈن کے ایک ڈرامے کا نام ہی 'فتح غرناطہ' ہے۔ ڈریسڈن کے ڈرامہ 'Dane Sebastian' کا سارا منظر نامہ مراکش سے متعلق ہے۔ ولیم کونگریو کے ڈرامے 'Mourning Bride' کا منظر نامہ اندلس سے متعلق ہے اور اس میں عرب داستانوی کردار اپنی نمایاں پہچان رکھتے ہیں۔

شیلے کے قصیدہ 'A Translation from the Arabic' میں عنترۃ العبسی کی سیرت کا ایک رخ دکھایا گیا ہے۔ ٹینی سن کے قصیدے 'Locksley Hall' میں عربی قصائد کی ایک طویل بحر اور مطلع/تشبیب مثلاً 'Akbar's Dream' اور 'Recollection of Arabian Nights' میں اندلس کی تاریخ اور اسپین کا منظر نامہ توجہ چاہتا ہے۔ اسی طرح 'سودے، اسکاٹ، ہنٹ، لینڈور اور براؤننگ کی تصانیف میں عربی حکایات اور دیگر مشرقی قصوں کی بازگشت صاف سنائی دیتی ہے۔

جرمن ادب نے 19ویں صدی کے آخری عشرے میں حقیقت پسندی کا مخصوص جرمن چولا اُتار کر ترجمے کے طفیل تاثریت کے اثرات قبول کیے۔ اس زمانے میں خصوصی طور پر گستاؤ فلابیئر، موپاساں، ژاہر یلے انونیو، آسکر وائلڈ اور ڈی۔ ایچ۔ لارنس کے ترجمے جرمن زبان میں ہوئے۔ یوں رومانیت کے ایک نئے رجحان کو جرمن ادب میں جگہ ملی اور سماجی برائیوں کا برملا اظہار ہونے لگا۔ گستاؤ فلابیئر کے ترجمے کی معرفت جرمن زبان میں سب سے بڑی عطا ٹامس مان ہے، جس نے پرانی قدروں کا زوال اور نئی قدروں کا عروج خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

20ویں صدی میں فرانس سے اُبھرنے والی انقلابی تحریک 'ماورائیت' نے جرمن ادب پر بہت گہرے اثرات مرتسم کیے۔ یہاں تک کہ جرمنی میں ماورائیت کا ایک اہم نام فرانز کافکا ظاہر ہوا۔

20ویں صدی کے یورپی اور امریکی ادب میں ایک ایسا دور آیا جو ادبیات کے تراجم کے اثرات کے تحت اسلوبیاتی سطح پر یورپی اور امریکی ادب کو سکڑوں کروٹوں سے ہمکنار کر گیا۔ اسے 19ویں صدی کے 'جدیدیت' کے فوراً بعد فرانس، روس، جرمنی اور برطانیہ میں زوال پذیر ادیبوں کے اثرات کا نتیجہ بھی کہنا چاہیے اور 20ویں صدی کی آواں گارتحریک کا اثر بھی۔

'آواں گار اسکول' کے رہنما ٹی ایس۔ ایلیٹ نے 1922ء میں جس والہانہ انداز میں آئرلینڈ کے جیمز جوائس کی ناول 'Ulysses' کا خیر مقدم کیا اور دنیا بھر کے غیر وابستہ ادیبوں نے جس توجہ سے ایلیٹ کی آواز کو سنا، وہ حیرت انگیز ہے۔ لیکن یہ جو کچھ ہوا اس میں ادب کے اثر پذیر اور اثر انداز ہونے کی صلاحیت کو دخل ہے۔ جوائس کے 'Ulysses' کے بعد وہی طرز (جسے اپنانے پر ایلیٹ نے زور دیا) روسی ناول نگار بورثس پستر ناک کے ناول 'برہنہ سال' (The Naked year) میں دیکھنے کو ملا۔ پھر برطانیہ کے آلڈس ہکسلے نے اپنے ناول 'Point counter Point' میں اسی تجربے کو دہرایا 'The Naked Year' کا اثر جان داس کے ناول '42nd Parallel' پر بھی محسوس کیا جا سکتا ہے، حتیٰ کہ ہافمین کے ناول 'Ser Goldene Tope' میں ایک کردار ڈاکٹر ایکشین اُسی راہ پر چل نکلا جس کا اولین سراغ Ulysses میں ملتا ہے۔

یوں مختلف زبانوں سے اثر پذیری اس حد تک بڑھی کہ 20 ویں صدی کی آواں گارتحریک میں سنے ناموں کو یکسر رد کیا جانے لگا اور یہی وہ زمانہ ہے جب ارنسٹ ہمینگوے کو دریافت کیا گیا۔ ہمینگوے کے علاوہ اس دھند سے دیگر کئی چہرے منظر عام پر آئے۔ مثلاً امریکہ کے ولیم فاکنر، اسکاٹ، تھامس وولف۔ برطانیہ کے ٹامس ہارڈی اور جان کوپر۔ روس کے پرشون، نیورو اور آئی کا تائیو وغیرہ۔

یہ تراجم ہی کا اثر ہے کہ آئرلینڈ کے لارڈ ڈن زینے کے ڈراموں کی خوابنا کی اور رومانیت، روس، امریکہ اور فرانس سے ہوتی ہوئی خود ہمارے ہاں توجہ کا مرکز رہی۔

16 ویں صدی عیسوی آخر میں ٹنڈل اور کوورڈیل (Tyndale and Coverdale) نے انجیلِ مقدس کے تراجم کے ساتھ ترجمے کی تحریک شروع کی تھی۔ فرانس اور برطانیہ میں انہی تراجم کے زیر اثر مذہبی اور قومی موضوعات نے ادب میں جگہ بنائی اور ہر دو زبانوں میں عیسائی مذہب سے متعلق اہم دستاویزات کو بڑی تعداد میں ترجمہ کیا گیا۔ فرانسیسی شاعر دیوبارتاس (Du Bartas) نے اسی زمانے میں طویل مذہبی نظم جوڈتھ (Judith) مکمل کی جو 1573ء میں چھے جلدوں میں منظر عام پر آئی۔

18 ویں صدی عیسوی کا فرانس دنیا بھر کی ادبیات کے تراجم کے سبب مختلف اصناف ادب اور فلسفے کی نت نئی موشگافیوں کے باعث یادگار ہے۔ اسی صدی میں روسو، ویدرو، والتیئر، مونٹسکیو اور بیوفوں نے عالمی شہرت پائی۔ روسو نے بطور فلسفی اور والتیر نے بطور فلسفی، مورخ اور معاشرتی ناقد کے خود ہمارے ہاں کے ادیبوں کو متاثر کیا۔ جب کہ 19 ویں صدی کا فرانسیسی ادب اپنی منفرد حیثیت میں ساری دنیا کے ادب کو متاثر کر گیا۔ لامارتین، وکٹر ہیوگو، الفرید دی دنی، بودلیئر، ورلن، راں بو اور ملارمے کے اثرات سے کوئی بھی مشرقی یا مغربی زبان نہ بچ سکی۔

20 ویں صدی کے فرانسیسی علامت نگار شاعروں خصوصاً راں بو، ورلن اور ملارمے کے تراجم نے دنیا بھر کے ادب کی کایا پلٹ دی۔ خود ہمارے ہاں ن۔م۔ راشد اور میرا جی ایک حد تک براہ راست اور عمومی طور پر ایرانی ادب میں فرانسیسی شعرا کے تراجم کی معرفت علامت نگاری کی اس عالمگیر تحریک سے متاثر ہوئے۔ حیرت ہوتی ہے کہ جب 20 ویں صدی کے نصف آخر تک خود فرانس میں اس تحریک کا زور ٹوٹ گیا تھا تو ہمارے نثر نگار بڑی شدومد کے ساتھ علامت نگاری کی طرف آئے۔ انتظار حسین کا افسانہ 'آخری آدمی' آئنسکو کے ڈرامے 'گینڈے' کے زیر اثر تخلیق ہوا اور جب خالدہ حسین نے افسانہ 'ہزار پایہ' لکھا تو مغربی ادب میں اس قبیل کا کام پختگی کے عروج پر تھا۔

مختصراً یہ کہ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر یوں محسوس ہوا جیسے دنیا بھر کی زبانوں اور ادبیات کی حد بندیاں ٹوٹ گئیں۔ جنگ کی تباہ کاریوں کو اس وقت کے ادب کی دھڑکنوں میں سنا جا سکتا ہے۔ گو اس حوالے سے جاپانی، جرمن اور روسی ادب نے عالمگیر شہرت پائی لیکن اس خصوص میں فرانس کے لوئی آراگون کو 20 ویں صدی کا عظیم تر شاعر تسلیم کیا گیا ہے۔

پرل ایس بک کی ناول 'Good Earth' اور ولیم سرویاں (Saroyan) کی ناول 'The Human Comedy' جیسی لازوال تخلیقات کے تراجم کی معرفت بننے والی زنجیر نے ادبیات عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

○○○

ترجمے کا فن اور لفظ 'ترجمہ'

ادبیات عالم میں 'طبع زاد' اور 'ترجمہ' کی اصطلاحیں رائج ہیں۔ یوں ترجمہ بھی ادب کا حصہ ہے، اگرچہ دوسری زبانوں سے ماخوذ ہونے کی بنا پر اسے بالعموم الگ پہچان دی جاتی ہے۔

کسی تحریر، تصنیف یا تالیف کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنے کا عمل ترجمہ کہلاتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ترجمہ کسی متن کو دوسری زبان میں منتقل کرتے ہوئے اُس کی تعبیر کرتا ہے یعنی ترجمے کا عمل ایک علمی یا ادبی پیکر کو دوسرے پیکر میں ڈھالنے کا عمل ہے۔

دوسری زبانوں کی ادبیات سے مستعار/ ماخوذ ہونے کے سبب اس میں کچھ کچھ غیریت کا احساس باقی رہ جاتا ہے، اس لئے اس کا مطالعہ بھی مستعار اور بالواسطہ ادب کی حیثیت سے کیا جاتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ساری دنیا میں اسے طبع زاد ادب کے مقابلے میں دوسرے درجے کی چیز شمار کیا جاتا ہے۔

ایک قدیم یونانی مقولہ ہے کہ: 'ترجمہ ایک بھنی ہوئی سٹرابری کی طرح ہے۔' اب جو بھی ترجمے کے فن سے ذرا بھی شُدبُد رکھتا ہے اور بھُنی ہوئی سٹرابری سے واقف ہے یہ ضرور محسوس کرے گا کہ یہ مقولہ ترجمہ کے فن کے ساتھ پورا پورا انصاف کرتا ہے۔ مثال کے طور پر جب ہم شیکسپیئر کا ڈراما پڑھیں اور اس کے بعد اس ڈرامے کا ترجمہ دیکھیں (خواہ ترجمہ مولوی عنایت اللہ نے کیا ہو یا عزیز احمد نے) تو یہ محسوس کریں گے کہ بُھوننے کے عمل کے دوران تبدیلی واقع ہوگئی ہے لیکن اس سے مفر نہیں ہے۔

ترجمے کا عمل کیا ہے؟

ہم اس کا کامل تجزیہ کبھی نہیں کر سکتے، لیکن یہ ضرور دیکھ سکتے ہیں کہ ارنسٹ فینولوسا اور ایزرا پاؤنڈ جیسے مترجمین نے ماضی کی قدیم مشرقی شاعری کو اپنے حال کی شاعری میں بدل دیا ہے، جبکہ ڈاکٹر سیموئل جانسن نے کہا تھا کہ شاعری ترجمہ ہو ہی نہیں سکتی۔

کہا جا سکتا ہے کہ ترجمہ کرتے وقت مترجم ایک قسم کی گمنامی کو نباہتا ہے، یعنی اپنے آپ کو درمیان میں سے ہٹا دیتا ہے اور اصل مصنف کو اپنے عہد میں بولنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ لیکن اس سے ہوتا یہ ہے کہ ترجمے کے عمل کے دوران میں ماضی کی اُس آواز میں مترجم کے اپنے عہد کی آواز بھی چپکے سے شامل ہو جاتی ہے۔ گمنامی اور ہمعصری کا یہ دوہرا کردار اُن مشہور تراجم میں واضح طور پر دکھائی دیتا ہے جہاں ایک سے زائد مترجمین نے مل کر کام کیا۔ اس کی بہترین مثال ارنسٹ فینولوسا کی کتاب 'Cathy' ہے جسے ایزرا پاؤنڈ نے ترجمہ کیا اور پاؤنڈ کے ان چینی تراجم سے بہت برافروختہ ہو کر امریکہ کے پروفیسر یپ (Yep) نے 'Cathy' کی مذمت میں ایک کتاب لکھ ماری۔ اس کتاب میں پروفیسر یپ نے چند قدیم چینی منظومات کا خود ترجمہ کیا اور ایزرا پاؤنڈ کو ایک بددیانت مترجم ثابت کرنے کی کوشش کی۔

امریکی ناقد ریناٹو پوگیولی (Renato Poggioli) نے اُس نفسیاتی خواہش کے بارے میں تحقیق کی ہے جو ایک مصنف کو مترجم بنا دیتی ہے۔ اُس نے سوال اٹھایا ہے کہ: 'کیا یہ ویسی ہی خواہش ہے جس کے تحت ایک مصور یا مجسمہ تراش اصل کی نقل تیار کرتا ہے؟ جبکہ محرک کے یکساں ہونے کے باوجود نتیجہ یکساں نہیں ہوتا۔ بعینہٖ اسی طرح ترجمے میں ہوتا آیا ہے۔'

ریناٹو پوگیولی کی طرح ہمارے ذہن میں بھی یہ سوال جنم لیتا ہے کہ: "کیا یہ فرض کر لیا جائے کہ ترجمے کا عمل ترجمان کارکردگیوں سے بہت زیادہ مختلف نہیں؟ مثلاً ڈرامے میں اداکاری یا مجمع عام میں نظم پڑھنا۔ اس کلیہ میں فرق کچھ زیادہ محسوس نہیں ہوتا جبکہ عملاً فرق کہیں زیادہ ہے۔

اداکاری اور شعرخوانی کا مقصد ایک لکھے ہوئے مضمون کو آواز یا اشارہ فراہم کرنا ہوتا ہے جبکہ لکھا ہوا مضمون بظاہر خاموش ہوتا ہے لیکن آواز اور اشارے کے سبب وہ قاری کے سامنے بولتا بھی ہے اور حرکت بھی کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ترجمہ، لکھے ہوئے مضمون کو ایک اجنبی لباس پہناتا ہے، اس کی صورت کو بدلتا اور اُسے ایک نئی روح مہیا کرتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ فرض کر لینا چاہیے کہ ترجمہ کرنے کا عمل ایسا ہی ہے جیسے موسیقی کی ہدایت کاری اور موسیقی موزوں کرنے کا عمل ہے؟ آخر مترجم بھی تو موسیقار کی طرح ایک دوسرے فنکار (شاعر) کی تخلیق کو نیا لباس پہناتا ہے۔

ریناٹو پوگیولی اس بات کی وضاحت میں لکھتا ہے:

> یہ ایک حقیقت ہے کہ ترجمہ کرنا ترجمانی کا فن ہے، لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ مترجم ترجمانی کرنے والا وہ واحد فنکار ہے جس کا کام اصل سے مماثل بھی ہے اور مختلف بھی۔ اس کے علاوہ ترجمانی کرنے والے فنکار یا تو مماثل گروہ سے ہیں یا مختلف گروہ سے۔ اول الذکر 'Performing Artist' ہیں جو خواہ اداکار ہیں یا گلوکار یا موسیقار یہ سب اصل کام کا جمالیاتی مادہ اپنے فن کے اظہار کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ دوسرا گروپ 'Decorative Artists' کا ہے، جیسے ڈیزائنر، کمپوزر، نقال یا رقاص جو لفظوں اور دُھنوں کو حرکات یا جسمانی اشاروں کا لبادہ پہناتے ہیں۔ تاہم نقال یا رقاص ترجمانی کے ساتھ ساتھ تخلیقی کام بھی کرتے ہیں۔

اس اصطلاح کو مزید مختصر کرنے کے لئے اوّل الذکر فنکاروں کو ترجمان (Interpreters) اور ثانی الذکر کو مترجمین (Translaters) کہا جا سکتا ہے۔ اب جہاں تک ترجمہ کرنے والے فنکار کا تعلق ہے تو وہ اور ہی قسم ہے، جو اِن دونوں اقسام سے الگ ہے اس لئے کہ وہ دونوں طریقے برتتا ہے اور بیک وقت مماثل اور مختلف گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔"

(Reuben A. Brower,Harvaord University Press, Cambridge 1959.)

تجریدی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ترجمہ کرنے والا اور اصل مصنف دونوں ایک ہی جمالیاتی مادے کو تبدیل کرتے ہیں یعنی زبان۔ لیکن زیادہ ٹھوس اور متعین نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ مترجم ایک ایسا لسانی اور ادبی مواد پیش کرتا ہے جو متن سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ علمی اصطلاح میں یہ کہا جائے گا کہ متن اور ترجمہ دونوں ایک ہی نفس مضمون سے متعلق ہے۔ لیکن پھر بھی ایک عجیب انداز سے مختلف ہیں۔ یہی وہ عجیب بات ہے جو مترجم کو 'Decorator' کی بجائے تخلیق کار بنا دیتی ہے، بلکہ مصنف یا شاعر ثابت کرتی ہے۔ اس پہلو سے مترجم دیگر فنکاروں خصوصاً موسیقار، گلوکار اور اداکار سے بالکل الگ کھڑا دکھائی دیتا ہے۔

دوسرے گروہ کے اکثر ارکان، مترجم کی نسبت محض 'Transliterators' یعنی دوسرے رسم الخط میں اپنی ہی زبان لکھنے والے نظر آتے ہیں۔ جبکہ پہلے گروہ کے ارکان، نقل نویس (Scribes) دکھائی دیتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ مترجم کے کام کی

نوعیت اسے وہ موقع نہیں فراہم کرتی جو اُس کے حریفوں کو حاصل ہے۔ مثلاً مصور، ماڈل کی تصویر بناتے وقت اُس میں کچھ اضافہ کر دے یا تکنیکی ترمیم کر دے تو وہ اصل بن جائے گا۔ لیکن مترجم ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کا واسطہ تمثال اور الفاظ سے ہے اور اُن کی مثال اُس پیوند کئے ہوئے درخت کی سی ہے جو اگرچہ نئی زندگی شروع کرتا ہے، لیکن پھر بھی اُس بیج کا مرہونِ احسان ہے جو کسی اور جگہ بویا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ Artifex Additus Artifici والی کلاسیکی تعریف صرف اُسی پر صادق آتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ تعریف محض اُس کے لئے نہیں تراشی گئی تھی۔ آندرے ژید (Andre Gide) کے مطابق مترجم حیرت انگیز طور پر 'Disponible' ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آندرے ژید نے بڑھ چڑھ کر اُس ادبی جذبے کی تعریف کی جو ترجمے کی طرف مائل ہوتی ہے۔

مترجم کا 'Disponible' ہونا بنیادی طور پر ہیئت سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ ایک بیرونی ہیئت کا قضیہ اُس کی جستجو کا مقصود ہوتا ہے۔ یہ نظریہ ہمیں ترجمے کے نفسیاتی نظریئے کی طرف لے جاتا ہے اور سلسلہ در سلسلہ چل کر آخرکار ہماری مٹ بھیڑ سگمنڈ فرائڈ سے ہوتی ہے۔

تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ مترجم ایک پابند شخص نہیں ہے بلکہ ایک پابند فنکار ہے، جو صرف اس وقت اطمینان کا سانس لیتا ہے جب دل کی راکھ انڈیلنے کو اسے ایک مناسب برتن مل جاتا ہے۔ یوں کسی حد تک ترجمہ ایک جناتی تسخیر کا عمل بھی ہے، یعنی اپنے اندر کا جن ایک خارجی روح کے ذریعے باہر نکالنا۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ مترجم ایک ایسا کردار ہے جو خارج کے مصنف کے ساتھ ساتھ داخل کے مصنف کو بھی ڈھونڈ نکالتا ہے۔

ترجمے کا عمل اس حد تک پیچیدہ اور پُراسرار عمل ہے کہ ایک شخصیت دوسری شخصیت میں ڈھلتی ہے اور تنقیدی محاکے کو کھلم کھلا 2+2=4 کی بجائے اشاروں اور کنایوں میں اُس کی تعریف کرنا پڑتی ہے۔

ترجمے کی دیومالا مترجم کی حالت زار کو اکثر و بیشتر 'سسی فس' (Sisiphus) سے تشبیہ دیتی ہے یعنی انتہائی بااختیار ہونے کے باوجود اس کے کردار کی بے چارگی اور بے بسی بھی ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ معروف ناقد Heine نے یہی بات کرتے ہوئے مترجم کی کوشش کو تنکوں میں سے گزرتی ہوئی سورج کی کرنیں ترتیب دینے کا عمل کہا تھا لیکن وہ یہ بھول گیا کہ یہی کوشش تو شاعر بھی کرتا ہے اور بہت کم کامیاب ہوتا ہے۔ تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مترجم بیک وقت دو آہنگوں کو سامنے لاتا ہے، جن میں سے ایک پہلے ہی ادبی ہیئت میں آ چکا ہے لیکن وہ اپنے منتخب کردہ پیٹرن کو بدل بھی سکتا ہے۔ اس طرح دو قسم کے ترجموں میں فرق بھی کرنا چاہیے۔ ایک وہ جو فنکارانہ ارادے کے ساتھ کیا جاتا ہے (بشرطیکہ اس میں کامیابی بھی ہو) اور دوسرا وہ ترجمہ جو محض کسی سخت ضرورت کے تحت کیا گیا ہے مثلاً اُن سست نہاد طالب العلموں کے لئے جو اصل زبان نہیں پڑھ سکتے۔ مؤخر الذکر قسم کا ترجمہ صرف اسی وقت مؤثر ہو سکتا ہے جب اصل کے ساتھ مسلسل حوالے مل رہے ہوں ورنہ طالب العلم کا مقصد پورا نہ ہو سکے گا۔ لیکن فنکارانہ یا ادبی ترجمہ تو اصل کی موجودگی کے ساتھ ساتھ اصل کی عدم موجودگی بھی فرض کرتا ہے، اسی لئے ایبے گلیانی (Abbe Galiani) نے کہا تھا کہ ایک اچھا ترجمہ وہ ہے جو اصل کے ساتھ موازنہ کئے بغیر پڑھا جا سکے۔

مترجم کا کام دراصل نیاز و ناز کا امتزاج ہے۔ اس کی دو صفات انتہائی قابلِ تحسین ہیں یعنی ایک تو وہ مصنف کا دل سے احترام کرتا ہے اور دوسرا بطور مترجم وہ انتہائی دیانت داری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یوں مکمل آزادی اور دیانتدارانہ پابندی کا یہ مقامِ اتصال (ترجمہ)

اسے دوسرے کی مصنوعات اپنے ٹریڈ مارک کے ساتھ بیچنے سے باز رکھتا ہے۔ حالانکہ ترجمہ کرتے وقت وہ فن پارے کو اس طرح ڈھالتا ہے کہ کم از کم جزوی طور پر وہ اس کا خالق ضرور کہلا سکتا ہے، لیکن یہ مترجم کی بڑائی ہے کہ وہ ایک عمدہ کاریگر کی طرح کام کرتا ہے، دل اور روح کی صفائی کے ساتھ لیکن اپنا نام تخلیق کار کے طور پر سامنے نہیں لاتا اور ترجمے کی حرمت کی مسلسل پاسبانی کرتا ہے۔

اس باب میں رینا ٹو پوگیولی لکھتا ہے:

''تمام دیگر 'ترجمان فنکاروں' کی طرح مترجم کا اصل کام بھی ایک جمالیاتی (اجنبی) شخصیت کو اپنی کلید کے مطابق متغیر کرنا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ (مترجم) ایک آئینے میں متن پر نگاہ ڈالتا ہے تو اُسے دوسرے کا عکس دکھائی دیتا ہے یا اپنا؟ میرا موٴقف یہ ہے کہ اصل شاعر (مصنف) کی طرح، مترجم بھی نرگیست زدہ ہے جسے فطرت کی بجائے فن کے تالاب میں اپنی پسندیدہ شے نظر آتی ہے۔ اس نظریے کا اطلاق اُن مترجمین پر نہیں ہوتا جو زیادہ روایتی کلچر میں پروان چڑھے ہوئے ہیں اور جنہوں نے مقدس مذہبی کتابوں اور قدیم دانش کی ثقہ کتب کو اپنی روزمرہ کی زبان میں ڈھالا ہوتا ہے۔'' 'The Added Artificer': On Translation، ہاورڈ یونیورسٹی پریس، کیمبرج 1959ء

شلر (Schiller) نے اس باب میں جو تقسیم روا رکھی ہے (یعنی قدیم شعری دُنیا اور جدید) کے مطابق پرانی طرز کے مترجمین کو Naive اور موجودہ طرز کے مترجمین کو 'جذباتی' کہا جا سکتا ہے۔ اس نظریے کی رُو سے بادی النظر میں اس طرح محسوس ہوتا ہے کہ مترجم اپنے مندرجات کے بغیر کام کرتا ہوں۔ یوں کہیئے کہ ترجمہ کا عمل ایک سیال مادے کو ایک برتن سے دوسرے برتن میں اُنڈیلنا یا ایک پرانی شراب کو نئی بوتل فراہم کرنا ہے۔

اپنی اپنی حدوں میں یہ دونوں امثال ترجمے کے باب میں مناسب معلوم ہوتی ہیں جبکہ عین ممکن ہے کہ پہلی صورت میں سیال مادہ چھلک کر گر جائے اور اس کا کچھ حصہ ضائع ہو جائے۔ دوسری صورت میں یہ بھی ممکن ہے کہ پرانی شراب نئی بوتل کو توڑ کر رکھ دے۔

اب اس نظریے پر ایک اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ مترجم کی ذات محض ایک خالی بوتل کی طرح نہیں ہوتی۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مترجم بذات خود ایک زندہ ظرف ہے، ایک بے ہیئت سیال مادے یا موتیوں کی طرح چمکتی ہوئی شراب سے پُر، جسے وہ مزید اپنے اندر روک نہیں سکتا اور جب یہ سیال چھلکنے لگتا ہے تو وہ اُسے مناسب ترین ظرف میں (جو میسر ہو) انڈیل دیتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ نہ تو وہ ظرف اس کی ملکیت ہوتا ہے اور نہ ہی اس کا سانچہ اُس نے اپنے ہاتھوں سے تراشا ہوتا ہے۔

لیکن یہ بات تو اس عام مفروضے کے برعکس ہے کہ مترجم، خالق یا شاعر نہیں ہے بلکہ محض لفظوں کا ماہر (کاریگر) ہے، یعنی وہ خود کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ تاہم ہمیں اس تصور کی تردید کرنی چاہیے کہ ہمارے فلمی گیت نگاروں کی طرح مترجم کی صدا وہ دھنیں گاتی ہے جو اُس کے لئے دوسروں نے موزوں کی ہیں۔ البتہ یہ خیال کہ مترجم ایک کھوکھلا کاریگر ہے، بنیادی طور پر غلط ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس قبیل کے مترجم بھی ایک ڈھونڈے ہزار ملتے ہیں۔ لیکن ان کی تعمیم نہیں کی جا سکتی آخر اصل مصنفین میں بھی تو اس قبیل کے 'فنکار' پائے جاتے ہیں۔

محمد حسن عسکری کے لفظوں میں: 'سچا فن کار ستارے ڈھونڈنے نہیں نکلتا، اس کے لئے اس کا بادبان ہی ستارہ ہے۔' فن کار

فن کی تخلیق پر مجبور ہے، یہ اس کی باطنی ضرورت ہے۔

تخلیقی فن کار کی یہ تعریف اچھے مترجم پر بھی صادق آتی ہے۔ اس لئے بھی کہ آرٹ (Art) کی قدیم تعریف میں ترجمہ بھی ایک فن (Art) ہے۔ آج کل آرٹسٹ کے لفظ میں یہ معنی ناپید ہو گئے ہیں لیکن 'Artisan' کے لفظ میں یہ معنی اب بھی محفوظ ہیں۔

ترجمہ کے فن کو آج بھی Craft سمجھنا چاہیے اور ترجمے کے عمل تنقید میں وہ چیز ضرور پس نظر رکھنی چاہیے جسے فرانسیسی زبان میں 'Question de Matier' کہتے ہیں۔ اس طرح ترجمے کے تجزیاتی مطالعے میں اصل متن کے ساتھ کوئی متوازی لکیر نہیں کھینچی جائے گی البتہ ترجمے کے تکنیکی مسائل کا تجزیہ کرتے وقت تقابل اور تفاوت کو ضرور مدنظر رکھنا ہوگا۔ یہ تقابل اور تفاوت صرف ترجمے اور متن ہی کے حوالے سے نہیں ہوگا بلکہ ان مخصوص ادبی روایات کے حوالے سے بھی ایک نظر دیکھنا ہوگا جن سے متن اور ترجمے کا تعلق ہے۔ سو ترجمے کے تجزیاتی مطالعے میں بھی اسی درجے کی بصیرت درکار ہے جو تخلیقی فن پاروں کے لئے ناقد برتتا چلا آیا ہے۔

بقول ڈاکٹر سہیل احمد خاں:

> ''ہمارے ہاں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو ترجمے کو اپنی زبان کے ادب میں ایک غیر فطری سا اضافی عنصر سمجھتے ہیں اور اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ ترجمہ ہمارے ادب کے خمیر میں شامل ہے۔ تخلیق ادب کی عظمت کو تسلیم کرنا ضروری ہے مگر یہ کہنے سے تخلیق ادب کی عظمت کی نفی نہیں ہوتی کہ تخلیقی ادب کی بہت سی اعلیٰ شکلوں کے پیچھے ترجمے یا اخذ شدہ چیزوں کی چمک بھی موجود ہے۔ ہم میں سے کتنے لوگ اس حقیقت کا شعوری طور پر احساس رکھتے ہیں کہ کلاسیکی اردو نثر کا بیشتر سرمایہ تراجم یا اخذ شدہ تحریروں کی ذیل میں آتا ہے۔ 'باغ و بہار' ہو یا 'بوستان خیال' کے دائرے کی داستانیں یا 'داستان امیر حمزہ'، 'آرائش محفل'، 'بیتال پچیسی'، 'مذہب عشق'، 'سنگھاسن بتیسی' غرض کہ ہمارا قابل قدر نثری سرمایہ اخذ یا ترجمے کی شکل میں ہے البتہ اس وقت کی تہذیبی فضا میں ترجمہ کرنے والے کے لئے آزادی تھی کہ وہ قصہ بیان کرتے وقت بہت سی چیزوں کا اپنی طرف سے اضافہ بھی کر سکتا تھا۔
>
> (مضمون: 'ترجمہ، تالیف، تلخیص اور اخذ کرنے کا فن' مطبوعہ: ماہنامہ 'کتاب' لاہور جون 1982ء)

مترجم کا کام شاعر، کاریگر، لفظوں کے شعبدہ باز اور مصوری کی اصطلاح 'Mannerest' سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ محض جدید فکر کے پیچھے بھاگے اور جدّت کو پسند کرے تب بھی وہ 'انسانیت پرست' ہی رہتا ہے اور یوں روایت کا پرستار اور فنون کی ابدی قدروں کا علمبردار ہی ثابت ہوتا ہے۔ وہ کلاسیکی مزاج کا اس لئے ہے کہ انسانیت پرست ہے۔ اس بات کو Aulus-Gellius نے 'The Attic Nights' میں یوں بیان کیا ہے:

> ''لاطینی زبان پیدا کرنے والوں اور بولنے والوں نے انسانیت پرستی (Humanitas) کو وہ تصور کبھی نہیں دیا جو یونانی لفظ 'Philanthropia' میں مضمر ہے۔ انہوں نے اس لفظ کو یونانی لفظ 'Paideia' کے معنی دے دیئے یعنی 'فنونِ لطیفہ کا علم'۔

تاہم ڈی۔ ایچ۔ روسیٹی (D.H.Rossete) کے کہے کو بھی اہمیت دینا پڑتی ہے۔ اس نے کہا تھا:

'A Translation Remains Perphaps the most direct from of commentary '

OOO

مظفر علی سید نے لفظ 'ترجمہ' سے متعلق بڑی فاضلانہ بحث کی ہے۔ سید صاحب لکھتے ہیں:

''ٹرانسلیشن کا لفظ مغرب کی جدید زبانوں میں لاطینی سے آیا ہے اور اس کے لغوی معنی ہیں، 'پار لے جانا' اس سے قطع نظر کہ کوئی خاص مترجم کسی کو پار اتارتا بھی ہے کہ نہیں، یہ مفہوم نقل مکانی سے لے کر نقل معانی تک پھیلا ہوا ہے، اس طرح اردو اور فارسی میں ترجمے کا لفظ جس کا اشتقاقی رابطہ ترجمان اور مترجم دونوں سے ہے، عربی زبان سے آیا ہے۔ اہل لغت اس کے کم سے کم چار معنی درج کرتے ہیں۔ ایک سے دوسری زبان میں نقل کلام، تفسیر و تعبیر، دیباچہ اور کسی شخص کا بیان، احوال یا تذکرہ شخصی ہے۔

یہ سب معانی باہم مربوط ہیں۔ اس طرح ترجم بھی (ت کی پیش اور ج کی زیر کے ساتھ) جس کے معنے ہیں: التباس کرنا، خلط ملط کرنا اور ترجم (ج کی زیر کے ساتھ) کا معنی ہے، مشکوک اور مخلوط۔ غالباً یہ معنے ان بے احتیاط مترجمین کی وجہ سے پیدا ہوئے ہوں گے جن کی کسی زمانے میں کوئی کمی نہیں ہوتی اور جو اپنی کثرت کی وجہ سے جملہ مترجمین کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں، واضح طور پر سب معانی ثانوی اور مرادی ہیں کہ اُن کا تعلق تاریخ کے نسبتاً متمدن ادوار سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اصلی اور قدیم معنوں کے لئے مادے کو دیکھنا ہوگا اور اس کے دیگر مشتقات کو تاکہ لفظ ترجمہ کے گرداگرد ایک معنویاتی دائرہ کھینچا جا سکے، یا زبان شناسی کی اصطلاح میں اس کو اپنے Semantic Field میں رکھ کر اس کی ماہیت معلوم کی جائے۔

چنانچہ ابن منظور کی مبسوط تصنیف ''لسان العرب'' سے رجوع ناگزیر ہے، جس نے لفظ ترجمہ کو 'ترجمان' کے ساتھ سہ حرفی مادے 'رجم' کے تحت درج کیا ہے (جب کہ بعض جدید لغات جیسے 'الفرائد الدریہ' اس کو چار حرفی مادے 'ترجم' کی ذیل میں لاتی ہیں جو عربی زبان کے اصول اشتقاق کے مطابق نہیں، جب تک اس کی بنیاد کسی دخیل کلمے پر نہ ہو غالباً عربی کے جدید علما لفظ 'ترجمان' کو اساسی کلمہ سمجھتے ہیں۔ یونانی لفظ Dragoman کی تعریب، اس طرح ترجمہ وغیرہ کو اشتقاق معکوس یا Back Formation کہا جا سکتا ہے، ترجمے کو 'رجم' سے منسوب کرنے میں بڑی دقت یہ ہے کہ اس کام کو گناہ کبیرہ کے ساتھ کیوں مربوط کیا جائے اور بچارے مترجمین کو حد شرعی سے کیسے محفوظ کیا جائے؟ ابن منظور نے بھی جو اس مادے کے متعدد مشتقات درج کیے ہیں، ان میں سے چند ایک کا معنوی رابطہ خود اس کی نظر میں واضح نہیں۔ تاہم قتل اور سنگساری، پتھر، کنکری، سنگ مزار، مزار موضع پہاڑ، اونچی دکان اور مینار وغیرہ کا 'رجم' سے تعلق تو ہے ہی جبکہ 'دوست' اور 'بھائی' اور 'مصاحب' کے معنی، جن پر کلاسیکی لغت نگاروں نے حیرت کا اظہار کیا ہے، رجم سے زیادہ Dragoman کی سمت اشارہ کرتے ہیں۔''

بقول مظفر علی سیّد:

مشتقات رجم کے ثانوی معنی با آسانی مادے سے مربوط ہو جاتے ہیں، لعن طعن، سب وشتم، قذف بالغیب، الزام و افترا، قیاس و گماں، اتہام اور فہم کلام (کلام مرجم)۔ یہ آخری معنی ایک جگہ قرآن حکیم میں بھی دیکھے گئے ہیں اور ممکن ہے 'ترجمہ' بطور اصطلاح اسی سے مستفاد ہو۔ البتہ ایک سوال یہ ہے کہ شیطان کو کیوں 'رجیم' کہا جاتا ہے، لعنت کی وجہ سے؟ (مرجوم

باللعنۃ) سب وشتم کی وجہ سے؟ (مشتوم ومسبوب) اُن کنکریوں کی وجہ سے، جو مناسک حج کے دوران جمرات کو ماری جاتی ہیں؟ (مرجوم بالحجارۃ) یا شہاب ثاقب کی وجہ سے، جو اس پر گرتے ہیں (مرجوم بالکواکب۔ وجعلنا ھا رجوماً لشیاطین) خود شہاب ثاقب کو رجوم کہا جاتا ہے کہ نجوم وکواکب سے الگ ہو کر کہیں نہ کہیں یا کسی نہ کسی کو جا لگتے ہیں۔

ترجمے کا تعلق، اصل تصنیف سے تقریباً وہی ہے جو شہاب ثاقب کا نجوم وکواکب سے ہوتا ہے، یہ بھی اکثر اوقات ایک نہ ایک سیارے سے جدا ہو کر تاریخ کے کسی نہ کسی ریگستان میں گم ہو جاتا ہے یا پھر اپنی اصل کے دائرہ کشش ثقل میں گردش کرتے کرتے خود بھی ایک چھوٹا موٹا سیارہ بن جاتا ہے، جیسا کہ فن ترجمہ کی تاریخ میں کئی بار ہو چکا ہے۔ پھر جس طرح ایک ہی سیارے سے مختلف وقتوں میں ایک سے زیادہ شہاب ثاقب نمودار ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح مختلف اوارِ ادب میں ایک ہی کلاسیکی کارنامے سے بار بار نئے ترجمے نمودار ہوتے ہیں۔ بلکہ کلاسیک تو کہتے ہی اس کارنامے کو ہیں، جس کے ترجمے کی بار بار ضرورت پڑے اور جیسے کوئی بھی شہاب ثاقب حتمی اور آخری نہیں ہوتا، اسی طرح کسی بھی ترجمے کو حرف آخر نہیں کہا جا سکتا، ان ترجموں کو بھی نہیں، جن کو اپنی زمانے میں تخلیق تک سے بہتر کہا گیا ہو۔

مارسل پروست نے اپنے عہد آفریں ناول ''گم شدہ وقت کی تلاش'' کے انگریزی ترجمے کو اصل فرانسیسی سے فزوں تر کہا تھا، لیکن نصف صدی کے بعد اس کا نئے سرے سے ترجمہ کرنا ضروری محسوس ہوا۔ اسی طرح لاطینی امریکہ کے مشہور ادیب گابریئل گارسیا مارکیز نے اپنا زوردار ناول ''ایک صدی، تنہائی کی'' انگریزی زبان میں پڑھا تو اسے اصل ہسپانوی زبان کی نسبت قابل ترجیح سمجھا، لیکن خراج تحسین منسکر مزاج مترجم گریگری باسا کے خیال میں انگریزی زبان کو ملنا چاہیے کہ جملہ تراجم کی طرح ایک نہ ایک دن یہ ترجمہ بھی متروک ہو جائے گا، بالکل ایسے جیسے 'ڈون کیخوتے' کو اصل ہسپانوی زبان میں پڑھا جائے تو تقریباً چار صدیاں پہلے کا یہ قصہ آج بھی نسبتاً جدید محسوس ہوتا ہے لیکن سروینتیس کے معاصرین نے اس کے جو ترجمے کیے تھے، اب خوفناک حد تک فرسودہ لگتے ہیں۔ اس لئے کہ شہاب ثاقب کی طرح ہر تازہ ترجمہ، لوگوں پر ایک نئے سرے سے اثر انداز ہوتا ہے۔

غرضیکہ ترجمے کا کوئی نہ کوئی رابطہ 'رجم' سے قائم کیا جا سکتا ہے، بلکہ اسی وجہ سے ترجمے کا فن بہت سے ظریفانہ اقوال کا ہدف بنتا ہے۔ جیسے من ترجم یرجم (جس نے ترجمہ کیا، سنگسار ہُوا۔''

(''فن ترجمہ کے اصولی مباحث''، از مظفر سیّد، مشمولہ: ''سیمینار: اردو زبان میں ترجمے کے مسائل۔''

(مرتبہ: اعجاز راہی، مطبوعہ: مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع دوم: 1986ء)

ترجمے کا جواز:

ترجمہ کے باب میں پہلا سوال تو یہی بنتا ہے کہ ترجمے کا جواز کیا ہے؟ ترجمہ کیوں؟؟ لیکن اس سوال کا جواب دینے سے پہلے یہ پتا چلنا ضروری ہے کہ یہ سوال کس نے پوچھا ہے۔

اگر یہ سوال کسی تہذیبی منطقے سے پوچھا گیا ہے تو ترجمے کا لاکھ جواز ڈھونڈتے پھریں، اس سوال کا جواب نہیں بن پائے گا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سیّد احمد بریلوی شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے دبستان کی طرف سے پوچھا گیا یہ سوال اس لئے الجھن میں

ڈال دے گا (اور ہم بے بس ہو جائیں گے) کہ مشرق اور اسلام سے مربوط تہذیبی منطقہ عیسائی پادریوں کے ہندوستان میں ورود کو نہ صرف دینی بلکہ تہذیبی سطح پر بھی مذہبی اور ثقافتی یلغار خیال کرتا تھا۔ اب اگر ہمیں (اپنے تئیں) سیرام پور میں کئے گئے بائبل اور اناجیل کے تراجم کا جواز ڈھونڈنا پڑ جائے تو سخت مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لئے بھی کہ سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسماعیلؒ نے اس مذہبی اور ثقافتی یلغار کو روکنے کے لئے جان کی بازی لگا دی۔

دوسری طرف اگر ادبیات سے متعلق کوئی شخص یہ سوال کرتا ہے تو اس کا جواب اتنا ہی آسان ہو گا جتنا کہ پہلی صورت میں مشکل تھا۔ اب ہم جواب میں کہہ سکتے ہیں کہ ہمیشہ سے ادب اور زبان (یا تخلیقی عمل) ایک مسلسل داخلی اور ظاہری جستجو اور چھان پھٹک کا کام سرانجام دیتے رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس نوع کا تخلیقی تسلسل افلاطون اور ارسطو سے چلا اور کولرج تک آتے آتے ادبی فیشن پرستی میں ڈھل گیا۔ اِس کتاب میں شامل کی گئی توضیحی کتابیات (Bibliography) پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی ترجمے کا یہ طویل تاریخی سفر اپنی اہمیت ثابت کر دے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ اُردو میں تا حال 'ترجمے کا فن' اپنے ہمہ وقت ناقدین میں کوئی افلاطون یا کولرج بھی نہیں پیدا کر سکا۔

مختصراً یہ کہ ترجمے کے ذریعے زبان کئی اعتبار سے پھلتی پھولتی ہے۔ ترجمہ جہاں الفاظ اور زبان کی نشوونما کے ذریعے انسانی علوم میں اضافے کا باعث بنتا ہے وہیں ذہنی سرحدوں کو بھی کشادگی بخشتا ہے۔ زبان کی سطح پر ترجمہ خیالات و جذبات کی ہر ہر کروٹ کو سمونے کی خاطر نت نئے اسالیب بیان سے متعارف کرواتا ہے۔

ترجمہ کرتے وقت جہاں نئے الفاظ، استعاروں کے روپ میں جنم لیتے ہیں وہیں پرانے اور بَرتے گئے الفاظ کو آکسیجن مہیا ہوتی ہے۔ نئے محاورے اور نئے محاکات کے جنم کے ساتھ نئے علوم وفنون سے آشنائی ہوتی ہے۔ ہمیشہ نئی اصناف ادب کا ورود ترجمے کے ذریعے ہی ممکن ہو سکا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ آج اُردو زبان جس منصب پر فائز دکھائی دیتی ہے اس میں بہت کچھ ترجمے کا بھی کیا دھرا ہے۔

ترجمہ عملی سطح پر دو زبانوں اور دو تہذیبوں کے درمیان پُل بنانے کا کام کرتا ہے اور متن کا اس کی تمام اسلوبی خصوصیات اور تہذیبی بُو باس کے ساتھ کسی دوسری زبان میں منتقل ہو جانا ہی ترجمے کا اصل گن ہے۔ ترجمے کا اس پُل کے ذریعے علوم، خیالات اور تصورات ایک تہذیب سے دوسری تہذیب کی طرف اور ایک ملک سے دوسرے ملک تک آتے جاتے ہیں۔ یوں درآمد اور برآمد کی دونوں کیفیتیں شامل ہوتی ہیں۔

یہ خیال صحیح نہیں کہ طبع زاد تحریر کے مقابلے میں ترجمہ اتنی توجہ نہیں حاصل کر پاتا۔ یہ سب تو مترجم کی صلاحیت اور ترجمے کی افادیت پر منحصر ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر درجے کی طبع زاد تصنیف یکساں توجہ سے پڑھی جاتی ہے؟ یقیناً ایسا نہیں ہے۔ ایک اچھے ترجمے کی افادیت اور مقبولیت ہمیشہ رہے گی اور اَدب میں اپنی جگہ بنا لے گی۔

یہ ترجمے کی افادیت ہی ہے کہ عالمی سطح پر رابطوں کی بحالی اور مضبوطی کے لئے ترقی یافتہ اقوام میں بڑے پیمانے پر 'ٹرانسلیشن پراجیکٹ' متحرک ہیں۔ جس کی دو نمایاں مثالیں 'یونیسکو' اور انٹرنیشنل فیڈریشن آف ٹرانسلیٹرس' (F.I.T) ہیں۔ ان دو اہم بین الاقوامی اداروں کا اس باب میں اپنا اپنا چارٹر اور ضابطۂ اخلاق ہے۔ F.I.T کے چارٹر میں ترجموں کی رہنمائی کے لئے اہم دفعات شامل ہیں مثلاً:

یہ ادارہ مشکل فقروں کو مختصر کرنے یا خارج کرنے کو غیر اخلاقی حرکت قرار دیتا ہے۔ ادارے کے نزدیک ذومعنی لفظ کا لفظی ترجمہ مناسب نہیں اور نہ ہی نظم کے نثری ترجمے کو مانا جاتا ہے۔

امریکہ کا سب سے بڑا سائنسی ادارہ 'ناسا' اپنے جریدے 'STAR' میں دنیا بھر کے خلائی تحقیقاتی کام کے تراجم شائع کرتا ہے۔

برطانیہ میں ترجمے کا سب سے بڑا مرکز برٹش لائبریری لینڈنگ ڈویژن ہے، جو فرمائش کرنے پر سماجی، طبعی اور تکنیکی علوم کے تراجم فراہم کرتا ہے۔ اس ادارے کے ماہوار بلٹن 'B L L.D' میں برطانوی ترجمہ سے متعلق اداروں کی رپورٹیں شائع ہوتی ہیں۔

امریکہ کا قومی مرکز ترجمہ ''نیشنل ٹرانسلیشنز سنٹر، شکاگو'' 1953ء میں قائم ہوا۔ یہ ادارہ سماجی اور طبعی علوم کے علاوہ طب اور انجینئری سے متعلق مشرقی اور مغربی زبانوں سے تراجم کا کام کرتا ہے۔ یاد رہے کہ 1957ء سے قبل اس ادارے کا نام 'سپیشل لائبریری ایسوسی ایشن ٹرانسلیشن پول' تھا۔ ایک اطلاع کے مطابق اس ادارے نے تقریباً پانچ لاکھ تراجم کئے ہیں۔ اس ادارے کے ماہوار جریدے کا نام 'Translation Monthly' ہے۔

امریکہ کا ایک بہت بڑا ادارہ 'American Translation Association' ہے جو 1959ء میں قائم ہوا۔ اس ادارے کے مستقل ملازمین کے علاوہ تقریباً ڈیڑھ ہزار مترجمین جزوقتی طور پر اس ادارے سے منسلک ہیں۔

لائبریری آف کانگریس کے تحت ہونے والے تراجم کی تعداد دو لاکھ تک پہنچ چکی ہے۔ اس ادارے کے مرکز ترجمہ نے 1967ء سے ماہوار جریدہ 'Translation Register Index' کے نام سے جاری کیا ہے جو ترجمے کے باب میں نت نئی معلومات فراہم کرتا ہے۔

امریکہ کا ہی ایک بڑا نجی دارالترجمہ 'Ralph Mc Elory-Co' کے نام سے قائم ہے۔ کولمبیا یونیورٹی کی 'ٹیوٹرنگ اینڈ ٹرانسلیٹنگ ایجنسی' 1978ء میں قائم ہوئی تھی، جو اب تک لاکھوں تراجم کر چکی ہے۔

دیگر انٹرنیشنل اداروں میں کیلیفورنیا کا ادارہ 'Agnewtech--Tran--Inc' امریکہ اور 'عالمی مرکز ترجمہ ڈیلف، نیدرلینڈ میں قائم ہیں۔ 'عالمی مرکز ترجمہ ڈیلف' کا ایک ماہوار اشاریہ 'World Trans: Index' کے نام سے شائع ہوتا ہے۔

دنیا بھر سے ترجمہ کے متعلق 982 جریدے شائع ہوتے ہیں۔ جن کی تفصیل برٹش لائبریری لینڈنگ ڈویژن۔ برطانیہ کی شائع کردہ کتاب 'Journals in Translation' میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ سو کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کی بہت سی معاشرتی اور ذہنی تحریکیں ترجمہ کرنے والوں کی محنت کا نتیجہ ہیں۔ ترجمے کی تحریکات، عمل اور ردعمل، دونوں اعتبار سے اسلامی علمی دنیا میں حیرت انگیز طور پر نتیجہ خیز رہی ہیں اور یہی حال دنیا کے دوسرے عظیم معاشرے کا ہے۔ آج کل افریقہ اور ایشیاء کے علاوہ دنیا بھر میں بیداری کی جو تحریکیں چل رہی ہیں اُن میں تراجم کا نمایاں حصہ ہے۔

خود ہمارے ہاں ایسے متعدد ادارے وجود میں آئے جن کا مقصد ترجمے کے ذریعے علمی بیداری پیدا کرنا تھا۔ سیّد احمد خان کی سائنٹفک سوسائٹی اور ورنا کیولر سوسائٹی دہلی کالج ایسے ہی ادارے تھے۔

مغرب کی فاتح اقوام نے مفتوح قوموں کے طور طریقوں، مذہب، ادب اور تہذیب کو سمجھنے کے لئے ہمیشہ ترجمے کا سہارا لیا ہے۔ ترجموں کی محرک توسیع کی خواہش تھی۔ یہ سلسلہ آج بھی قائم ہے۔ آج بھی دورِ جدید کی بڑی طاقتیں دنیا بھر کے عوم وفنون اور

ادبیات کے ترجموں کے لئے اپنا ایک وسیع اور مضبوط نظام رکھتی ہیں، جس کے ذریعے وہ دیگر اقوام کے تحریری سرمائے کو اپنی قومی ضرورتوں کے مطابق اپنی زبانوں میں منتقل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے علمی اور ادبی اثر و رسوخ اور اپنے قومی نظامِ فکر اور سیاسی عملداری کا اپنی چنیدہ کتب کے (دیگر زبانوں میں) تراجم کے ذریعے چلن عام کرتی ہیں۔ اس کی نمایاں مثالیں دارالاشاعت ترقی ماسکو (روس) اور موسسہء فرینکلن (امریکہ) جیسے ادارے تھے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے آزادانہ طور پر کام کرنے والے اشاعتی اداروں نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔ یوں یہ نظام ترقی یافتہ اقوام کی قوت کا ایک اہم سرچشمہ ثابت ہوا ہے۔

یہاں قومی محرک کی نشاندہی کر دینا بھی ضروری ہے، جس کے تحت انفرادی سطح پر حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے گئے ہیں، جس کا بنیادی محرک ہر زبان کے ادیبوں اور مترجمین میں اپنے ادب کی توسیع کا جذبہ ہے۔

محولہ بالا ضروریات سراسر افادی ہیں۔ اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ تراجم نے انسانی تہذیب کی ترقی میں کیا کردار ادا کیا؟

اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ 'ترجمہ' بجائے خود ایک تہذیبی مظہر کا حامل رہا ہے، اور اسی تہذیب کے بل بوتے پر انسانی تہذیبوں نے آپس میں بہت کچھ لین دین کیا ہے۔ وہ یوں کہ ترجمہ ایک زبان کے علمی اور ادبی سرمائے کو دوسری زبان بولنے والے انسانی گروہوں تک پہنچاتا ہے۔ دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کرتا ہے اور مختلف زبانیں بولنے والوں کے درمیان باہمی افہام و تفہیم اور ربط و ضبط کی راہیں کھولتا ہے۔

زبانوں کا فرق ہمیشہ سے مختلف قوموں اور گروہوں کے درمیان اتحاد و یگانگت میں ایک بڑی رکاوٹ رہا ہے، جبکہ 'ترجمے کی تہذیب' اس رکاوٹ کو دُور کرتی ہے۔

ماضی پر نگاہ ڈالیں تو پتا چلتا ہے کہ ادبیات عالم میں تاریخی ادوار اور انسانی تمدن کی شناخت و بازیافت کا واحد ذریعہ ترجمہ ہی رہا ہے۔ خود ہمارے ہاں مغلوں کے زوال کے بعد جب فارسی زبان و ادب کا ذوق گھٹتا نظر آیا اور تہذیبی اور ثقافتی روایات مدھم پڑنے لگیں تو ہمارے ہاں کے علماء نے فارسی کی معتبر اور کلاسیکی کتب کو اردو کے قالب میں ڈھالنا ضروری خیال کیا۔ اسی طرح اسرائیل کے نوبل انعام یافتہ ادیب آئزک باشویز سنگر نے عبرانی زبان اور اہلِ یہود کی تہذیب کے گھٹتے ہوئے اثر کی بازیافت اپنی انگریزی تحریروں میں کی ہے۔

انسانی تہذیب کی ترقی کسی ایک گروہ سے وابستہ نہیں۔ اس کی ترقی مجموعی انسانی ترقی ہے اور اس ترقی میں ترجمے کا بڑا ہاتھ ہے۔ یوں ترجمہ محض علوم کے فروغ ہی میں حصہ نہیں لیتا بلکہ انسانی گروہوں کے درمیان ذہنی مفاہمت بھی پیدا کرتا ہے۔ غرض کہ اس کی افادیت مسلم ہے۔

مترجم کی نیک نیتی کو پرکھنے کی ایک کسوٹی بھی ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ اُس نے کس نوع کے تصورات و نظریات اور تکنیک کی درآمد کو ضروری سمجھا اور کس نوع کے اسلوبیاتی نظام کو اپنے ادب کی بالیدگی و بلوغت کے لئے ضروری خیال کیا۔

خود اپنے ہاں خالصتاً ہنت کے حوالے سے دیکھیں تو نئے لسانی پیرائے اور نئے اسالیب بیان کی جستجو کا واحد ذریعہ ترقی یافتہ ادبیات سے تراجم کا متواتر عمل ہی ٹھہرتا ہے۔ اردو فکشن میں بیانیہ اور حقیقت نگاری کا جمود توڑنے کا واحد ذریعہ ستاں دال، فلابیئر، جیمز جوائس، البیر کامیو اور فرانز کافکا وغیرہم کے تراجم ہی رہے ہیں۔

بادی النظر میں ترجمہ اپنے گردو پیش کے حالات سے کچھ ایسا متعلق معلوم نہیں ہوتا، لیکن بغور دیکھا جائے تو یہ کافی حد تک انہیں سے بروئے کار آتا اور اثر پذیر ہوتا ہے۔ ترجمہ درحقیقت اخذ و استفادہ ہی کی ایک شکل ہے اور اس کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب ہمارے ہاں کسی چیز کا فقدان ہو۔ چنانچہ جب دو قومیں آپس میں ملتی ہیں تو اُن میں خود بخود اخذ و استفادہ کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور جو فریق کم ترقی یافتہ ہو وہ قدرتی طور پر دوسری قوم سے زیادہ فیضان حاصل کرتا ہے۔ محمد حسن عسکری نے اپنے ایک مضمون میں درست لکھا ہے کہ:

''دوسروں کے ادب کو پوری طرح سمجھنے کی فکر یا خواہش تو ہم جیسے لوگوں کو ہوتی ہے جو ایک خلا میں رہتے ہیں۔ مثلاً یورپ نے ہی مشرق کے فلسفوں کو آٹھویں صدی میں سمجھنا شروع کیا جب مغربی سماج کی بنیادیں ہلنے لگی تھیں''۔

('گر ترجمے سے فائدہ اخفائے حال ہے' مطبوعہ ماہِ نو کراچی۔ فروری 1954ء)

یہ لکھنے سے پہلے عسکری صاحب نے اپنے اسی مضمون میں وضاحت کر دی تھی کہ:

''ہمارے یہاں جس قسم کی بھی عظمت ہے، اس کا کچھ نہ کچھ تعلق ترجموں سے ضرور ہے۔ اُردو ادب میں آغاز سے لے کر غالب کے زمانہ تک ترجمے چاہے زیادہ نہ ہوئے ہوں، لیکن ہمارے شاعر دو قسم کی کوششیں کر رہے تھے۔ ایک طرف تو وہ فارسی کے اسالیب اور تصورات کو اپنی زبان کے سانچے میں ڈھال رہے تھے، دوسری طرف وہ اپنی زبان کا ایک مزاج اور ایک روح متعین کرنی چاہتے تھے۔ یہ بالکل وہی چیز ہے جو تیرھویں اور چودھویں صدی میں اٹلی اور انگلستان کے شاعروں نے فرانسیسی کے زیرِ اثر اپنی اپنی زبانوں کے لئے کی''۔

عسکری صاحب کی بیان کردہ یہ حقیقت ہمیں اردو تراجم کے مطالعہ کے لئے ایک عمدہ نقطہ سفر مہیا کر دیتی ہے اور ساتھ ہی اس کی نوعیت بھی واضح کر دیتی ہے۔

اب اس مضمون کے اُس حصے کی طرف آیئے جہاں عسکری صاحب ترجمے کی افادیت پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اردو والے ترجمے میں بس اتنی ہی بات دیکھتے ہیں کہ روانی اور سلاست ہے اور پڑھتے ہوئے ایسے لگے جیسے کتاب اردو میں ہی لکھی گئی ہے۔ لیکن اس سے اردو ادب کو کیا فائدہ پہنچتا ہے''۔

اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اعجاز احمد لکھتے ہیں:

''اگر آپ بنی بنائی نثر میں اضافے کے روادار نہیں یا لفظوں کو نئے سانچوں میں ڈھالنا پسند نہیں کرتے تو ترجمے کا فائدہ کیا ہے؟ اگر بلاغت کے مروجہ اصولوں سے انحراف جائز نہیں تو آدمی ترجمہ کیوں کرے۔ اصل سے اخذ کر کے خود اپنی تصنیف کیوں نہ لکھے؟ 'بے ساختہ' ترجموں سے زبان میں کیا وسعت پیدا ہو سکتی ہے؟ ترجمہ کرتے ہوئے اگر کوئی شخص اپنی ضرورت کے مطابق ترکیب وضع کرتا ہے تو اسے پرکھنے کے لئے میرے پاس تو فقط ایک ہی کسوٹی ہے

اگر وہ مروجہ اصولوں کے تحت لکھتا تو فقرے کی شکل کیا بنتی؟ اس کے گیسو دراز ہم وطنوں' کی بجائے اگر ہم کہیں 'اس کے ہم وطن کہ جن کے بال لانبے تھے' تو فقرہ کیا ہوگا؟

ترجمے کا فائدہ دراصل یہی ہے کہ آدمی وقتاً فوقتاً ایسی ایجاد یا بازیافت پہ مجبور ہو جاتا ہے جو اجنبی لگے، تاہم ضروری بھی ہو۔ اور فائدہ بھی ایسے ہی ترجمے سے اُٹھایا جا سکتا ہے۔ باقی رہی بے ساختگی والی بات، سو وہ بے معنی ہے۔'' (تبصرہ: 'جہاں گرد کی واپسی'

رسالہ 'سویرا' لاہور شمارہ 35، ص: 203، 204)

لیکن دراصل یہی وہ مقام ہے جہاں محمد حسن عسکری اور اعجاز احمد سے اختلاف کی گنجائش بھی نکلتی ہے۔ وہ اس طرح کہ ہر اچھا ترجمہ اپنا جواز خود پیدا کرتا ہے۔ کہیں باہمی شراکت کی سطح پر اور کہیں معانی کے نئے قرینے کی سطح پر۔ شاذ و نادر ہی کوئی ایک ترجمہ (یا انفرادی کوشش) ایسا ہو جو انفرادی حالت میں (ادبی سطح پر) بہت بڑے تغیر کا باعث بنا ہو۔ کیا 'مادام بواری'، 'سرخ و سیاہ'، 'موبی ڈک' (مترجم: محمد حسن عسکری) یا 'جہاں گرد کی واپسی' (مترجم: محمد سلیم الرحمٰن) جیسے اہم تراجم نے اسلوبیاتی سطح پر کوئی بڑی لہر پیدا کی؟ یقیناً نہیں۔ لیکن اس کے مقابلے میں کیا اردو میں داستانوں کا ادب تراجم یا اخذ و استفادہ کا نتیجہ نہیں؟ اور کیا وہ تمام تراجم محمد حسن عسکری یا اعجاز احمد کے معیارات پر پورے اترتے ہیں؟ یقیناً نہیں۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ ادب محض اسلوبیاتی فتحیابی کا نام نہیں اور نہ ہی ادب کسی ایک زبان کی میراث ہے۔ یہ انسان کی پیداوار ہے، جملہ انسانوں کے لئے ہے۔ یہ تمدنی سطح پر تہذیبی اختلاط کا عمل ہے اور لسانی سطح پر زبان سازی کا وظیفہ۔ کہا جا سکتا ہے کہ ذہنی وفکری اُفق کے وسعت کی خواہش ہو، علمی استفادے کی آرزومندی ہو یا مادی فوائد کا حصول پیشِ نظر ہو اس سے بہر طور اخذ و استفادہ کے دریاز ہوتے ہیں اور ایک تہذیب دوسری تہذیب سے کچھ نہ کچھ استفادہ ضرور کرتی ہے۔ یہ اخذ و استفادہ کی روایت صرف یہیں تک محدود نہیں۔ دنیا کے تمام ادیان و مذاہب اپنے لاتعداد ماننے والوں تک، جو اس زبان سے ناواقف تھے، جن میں ان کی الہامی کتب کا نزول ہوا ترجمے کے وسیلے سے پہنچے۔

جہاں تک اردو زبان میں ترجمے کی روایت کا تعلق ہے تو سہولت کی خاطر ہم پورے سرمائے کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

1۔ صنفی

2۔ تخلیقی و غیر تخلیقی

3۔ نثری وشعری

اُردو ترجمے کا یہ قیمتی سرمایہ شخصی سطح پر مختلف افراد، اداروں اور مختلف تحریکات کی صدیوں کی جگر کاوی کا ماحصل کہا جا سکتا ہے۔

یوں تو ہمارے مترجمین نے بھی ترجمہ کرتے وقت انتہائی عاجزی کے ساتھ اطاعت اور وفاشعاری کو اپنایا ہے، لیکن کہیں کہیں انہوں نے بندھے ٹکے اصولوں سے انحراف بھی کیا ہے، حتیٰ کہ فٹز جیرالڈ کی طرح متن کی روح اور رنگینی کو سلامت رکھنے کے سلسلہ میں وہ ترجمے کے لوازمات سے بغاوت بھی کر بیٹھے ہیں۔ لیکن اس ضمن میں بھی فٹز جیرالڈ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جیرالڈ نے تو یہاں تک کیا ہے کہ 'رُباعیاتِ عمرِ خیام' کو ترجمہ کرتے وقت دو رباعیوں کو یکجا کر دیا اور مصرعوں کی ترتیب تو درکنار بعض جگہوں پر اصل متن اور ترجمے کا تقابلی مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ سوائے شعری تاثر کے کچھ بھی مماثل نہیں ہے۔ خیر یہ تو ہوئی آزادیوں کی بات، لیکن اردو ادب میں بعض مترجمین (جن کی تعداد سیکڑوں تک جا پہنچتی ہے) نے اپنے متن سے وفادار رہ کر بھی اردو کے اسالیب میں تنوع پیدا کیا ہے اور یہی ترجمے کی معراج ہے۔

یاد رہے کہ تراجم کے ذریعے کسی ادب میں جان صرف اُس صورت میں آ سکتی ہے جب مترجمین کا اپنی تہذیب سے گہرا تعلق ہو۔ یہ تعلق دوستی کا بھی ہو سکتا ہے اور دشمنی کا بھی۔ اس باب میں محمد حسن عسکری لکھتے ہیں:

''ہمارے موجودہ ادب میں مجموعی حیثیت سے اور مواد اور ہیئت دونوں کے اعتبار سے جو اُتھلا پن آ گیا ہے اس کے ازالے کی ایک یہ بھی صورت ہے کہ ترجموں کا ایک نیا دَور شروع ہو۔ بہتر تو یہ ہے کہ تخلیقی کام بھی ساتھ ساتھ جاری رہے لیکن کم سے کم ترجموں کا کام تو اپنے بس کی بات ہے۔ اب تک ہمارے یہاں ایسی مغربی کتابوں کے ترجمے ہوئے ہیں جو ذہنی تجربے اور طریقہء اظہار دونوں کے اعتبار سے نسبتاً سادہ اور سہل تھیں۔ لیکن اگر ہمیں اپنے ادب میں جوہری دَور کی پیچیدگیوں کو سمونا ہے تو ہمیں ایسی چیزیں ترجمہ کرنا پڑیں گی جن سے ہم زندگی کو زیادہ وسعت، زیادہ گہرائی اور زیادہ باریکیوں کے ساتھ محسوس کرنا اور 'لکھنا' سیکھیں''۔

(مضمون: 'کچھ ترجمے کے بارے میں' مطبوعہ 'ماہِ نو' لاہور عسکری نمبر مارچ 1978ء)

ترجمے کی مشکلات:

ا پی۔گرے ترجمے کی مشکلات پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میرے خیال میں ترجمے کا فن لطیف ترین جذبے کا متقاضی ہے حالانکہ اس پر عمل پیرا ہونا مشکل ترین مرحلہ ہے کیونکہ کسی غیر ملکی زبان کے الفاظ اور لسانی تشکیلات میں پوشیدہ مفہوم اور تجربے تک پہنچنا اور پھر اس کی روح کو زندہ رکھتے ہوئے اسے کسی دوسری زبان کے پیکرِ لفظی میں ڈھالنا اتنا آسان نہیں جتنا بظاہر نظر آتا ہے۔ یہ فن اس لئے بھی مشکل ہے کہ دوسری زبان کے نامانوس مزاج، عجیب لہجے اور نئے سانچے میں ڈھلے ہوئے جملوں کی نئی ترکیب اور ساخت سے آشنا ہو کر اسے اپنے مزاج میں ڈھالنا، اپنے لہجوں سے ہم آہنگ کرنا اور پھر لفظوں کا اصل لباس اتار کر نئے ماحول اور نئی زبان کے الفاظ کا لباس پہنانا، کہ قلبِ ماہیت مضحکہ خیز بھی نہ بن جائے اور مسخ بھی نہ ہو، کوئی آسان کام نہیں۔ پھر اصل مصنف کے مزاج، لب و لہجے اور طرزِ احساس کو سلامت رکھ کر اس طرح ترجمہ کرنا کہ اجنبیت کا احساس بھی باقی نہ رہے واقعی مشکل مرحلہ ہے۔ کبھی کبھی ایک لفظ، ایک جملے اور اس میں چھپے ہوئے تجربے کو اپنی زبان میں منتقل کرنا اتنا مشکل ہو جاتا ہے کہ فیضی کا شعر بے اختیار زبان پر آنے لگتا ہے۔

برائی پائی لفظی شی بروز آرد
کہ ماہ و ماہی باشد خفتہ او بیدار

(تحسین شعر، (ترجمہ: روبینہ ترین) مطبوعہ کاروان ادب ملتان، طبع اوّل 1985ء)

امریکی ناقد فینگ (Achilles Fang) نے ترجمے میں پیش آنے والی مشکلات کو تین سطحوں پر محسوس کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

The problem of translation may be treated from three angles: Adequate comprehension of the translated text, adequate manipulation of the language translated into, and what happens in between. The last question properly belongs to linguistic psychology.

On Translation مشمولہ "Some Reflections on the Defficulty of Translation"

مرّتبہ روبن اے۔ براور مطبوعہ: ہاورڈ یونیورسٹی پریس، کیمبرج، امریکہ 1959ء

فننگ کی بیان کردہ نمبر 2 شکل پر تو انیسویں صدی میں میتھیو آرنلڈ نے اپنے مضمون 'On Translating Homer' اور بیسویں صدی میں ایزرا پاؤنڈ نے اپنے مضامین 'Notes on Elizibethen Classicists' اور 'Translators of Greek' میں جس دانائی کا ثبوت فراہم کیا ہے، اس کی مثال نہیں ملتی۔ تاہم مجمل طور پر اُردو زبان میں پیش آنے والی دقتوں پر بات کرتے ہوئے محولہ بالا مشکلات کا سرسری جائزہ بھی ضروری ہے۔

جب تک کسی نے پنیر دیکھا نہ ہو، پنیر کے لفظ کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ 'پنیر' کے لفظ کو سمجھنے کے لئے اُس معنی سے واقفیت ضروری ہے جو لغت میں اس لفظ کے ضمن میں لکھا گیا ہے۔ لیکن 'پنیر'، 'سیب' اور 'واقفیت' یا کسی بھی دوسرے لفظ کا معنی، سراسر لسانی ہے۔ جو لوگ معنی کو 'نشان' کے بجائے 'شے' سے مختص کرتے ہیں ان کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی نے آج تک 'پنیر' یا 'سیب' کے معنی کو نہیں چکھا۔ یوں 'پنیر' کے معنی کا کسی بھی غیر لسانی واقفیت سے استنباط نہیں کیا جا سکتا۔ ایک نئے لفظ کو متعارف کرنے کے لئے 'لسانی نشان' کی ضرورت بہر طور رہتی ہی ہے۔

ماہر لسانیات اور لفظوں کو اپنے روزمرہ کے معمولات میں برتنے والے 'عام آدمی' کی ہر دو حیثیتوں سے ہمارے لئے، کسی بھی 'لسانی نشان' کے معنی سے مراد یہ ہوگا کہ اس نشان کا مزید کسی متبادل نشان کی صورت میں ترجمہ کر دیا جائے۔ بالخصوص ایک 'زیادہ ترقی یافتہ نشان کی صورت میں۔'

امریکی ناقد جیکبسن (Roman Jakobson) نے 'لسانی نشان' کے معنی کی تین صورتیں بیان کی ہیں۔ (مضمون "On Linguistic Aspecte of translation" مشمولہ 'On Translation' مرتبہ: براور)

یعنی اُس کا اسی زبان کے کسی دوسرے نشان میں ترجمہ کیا جا سکتا ہے، اُس کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ کیا جا سکتا ہے یا اُس کا مفہوم علامتوں کے غیر لسانی نظام کے ذریعے واضح کیا جا سکتا ہے۔ ان صورتوں کو بالترتیب

1.Intra Lingual Translation.

2.Inter Lingual Translation.

3.Inter Semiotic Translation.

کہا جا سکتا ہے۔

پتہ چلتا ہے کہ کسی زبان میں ترجمہ، خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو اصل عبارت کے حسن اور اثر پذیری کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ خود یوجین اے۔ نیڈا ہی کے وضع کردہ اصولوں میں سے اصول نمبر: 1 معنی کا ایک جہان گم کر دیتا ہے۔

اصول نمبر 2 میں مترجم اپنی طرف سے زائد معلومات ترجمے میں شامل کر دیتا ہے۔ جس کی ایک مثال نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ قرآن مجید ہے۔ اس ترجمے میں محاورات کے استعمال نے معانی کو وہ کچھ نہیں رہنے دیا جو عربی زبان میں مراد تھا۔

سوقیانہ الفاظ و محاورات اور عامیانہ لب و لہجہ کو تو ایک طرف رہنے دیجئے۔ مولانا نے 'عورتیں مردوں کا لباس اور مرد عورتوں کا لباس' لکھنے کی بجائے 'مرد عورت کا چولی دامن کا ساتھ ہے' لکھا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ مفہوم کو واضح کرنے کے لئے بریکٹ میں الفاظ یا فقرے اپنی طرف سے بڑھا دیے ہیں۔

'سورۂ لہب' کا ترجمہ کرتے ہوئے ص 731 (پاکستانی ایڈیشن) میں:

وَامرَاَتُہٗ ط حَمَّالَۃَ الحَطَب ج

کا ترجمہ ہے: ''اور (اس کے ساتھ) اُس کی جورو (بھی) جو لگائی بجھائی کرتی پھرتی ہے۔''

حواشی میں لکھتے ہیں: ''حَمَّالَۃَ الحَطَب'' کے معنی میں لکڑیوں کی اُٹھانے والی اور عربی محاورے میں چغل خور کو بھی کہتے ہیں اور ایسا ہی فارسی میں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے بھی یہی محاورہ ایک شعر میں اختیار کیا ہے:

میانِ دو کس جنگ چوں آتش پرست

سخن چین بدبخت ہیزم کش است

نذیر احمد کے ترجمہ اور حواشی کی اس آزادی کے خلاف مولانا اشرف علی تھانوی نے ''ردّ ترجمہ دہلویہ'' کے نام سے ایک کتاب مرتب کی تھی۔

اصول نمبر 2 کے یہ نقائص ابوالکلام آزاد کے ''ترجمہ القرآن'' میں بھی موجود ہیں۔ آزاد، اصل کو من وعن پیش کرنے کی لاکھ کوشش کریں لیکن متوسل کی حیثیت سے وہ اپنی شخصیت اور اسلوب نگارش کو الگ نہیں رکھ سکتے۔ یہی مشکل یا عیب شاہ عبدالقادر کی سادگی اور 'ترجمان القرآن' کی پرکاری میں بھی موجود ہے۔

پہلی صورت میں ضروری نہیں کہ کسی لفظ کا اسی زبان میں مناسب مترادف یا متبادل لفظ مل جائے۔ مثلاً ہر 'Celibate' کو 'Bachelor' تو کہا جا سکتا ہے لیکن ہر 'Bachelor' کو 'Celibate' نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح دوسری صورت میں یعنی 'Interlingual Translation' میں بھی ضروری نہیں کہ دوسری زبان میں ٹھیک مترادف یا متبادل لفظ پایا جاتا ہو۔

یوجین اے نیڈا (Eugene A. Nida) نے دُنیا بھر کی زبانوں میں بائبل اور اناجیل کے تراجم کا جائزہ لیتے ہوئے اس نوع کی مشکلات کا سدباب کرنے کی خاطر الہامی کتب کے ترجموں کے چند بنیادی اصولوں کی نشاندہی کی ہے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

"1. Language consists of a systematically organized set of oral-aural symbols. By oral-aural we are simply emphasizing the fact that such symbols not only are uttered by the vocal apparatus of the speaker but are also received and interpreted by the listener. The wnting system of any language is a dependent symbolic system and only imperfectly reflects the "spoken-heard" form of language.

2. Associations between symbols and represents are essentially arbitrary. Even onomatopoetic forms bear only a "culturally conditioned" resemblance to the sounds which they are designed to imitate. For example, the equivalent of our tramp tramp is ku ka in Luvalc, a bantu language of Central Africa, and mingodongodona in Malagasy.

3. The segmentation of experience by speech symbols is essentially arbitrary. The different sets of words for color in various languages are perhaps the best ready evidence for such essential arbitrariness. For example, in a high percentage of African Languages there are only three "color words," corresponding to our white, black, and red, which nevertheless divide up the entire spectrum. In the I arahumata language of Mexico, there are five basic color words, and there "blue" and "green" are subsummed

under a single term. The companson of related sets of words in any field of expenence-kinship terms, body parts, or classification of plants-reveals the same essentially arbitrary type of segmentation. Since, therefore, no two languages segment experience in the same way, this means that there can never be a word-for-word typed of correspondence which is fully meaningful or accurate.

4. No two languages exhibit identical systems of organizing symbols into meaningful expressions. In all grammatical features, that is, order of words, types of dependencies, markers of such dependency relationship, and so on, each language exhibit a distinctive system."

("Bible Translating"-on Translation)

یہ چاروں اصول اپنی کلی یا جزوی حیثیت میں سبھی الہامی کتب کے تراجم کے باب میں مستقل اہمیت رکھتے ہیں۔ لیکن ان انتہائی جامع اصولوں کی روشنی میں بھی دیکھا جائے تو اصول نمبر 3 میں لفظی نشست و برخاست کی تبدیلی کے ساتھ قاری تک بات اس طرح نہیں پہنچتی جس طرح مصنف پہنچانا چاہ رہا تھا۔

سو پتا چلا کہ ترجمہ، ترسیل اور ابلاغ کی ایک ایسی صورت ہے جو اصل اظہار کو کسی نہ کسی سطح پر ضرور مجروح کر دیتی ہے۔ ترسیل کی ناکامی کے اس المیہ کو یوجین اے۔ نیڈا نے چند اشکال کے ذریعے واضح کرنے کا جتن کیا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

S M R

C
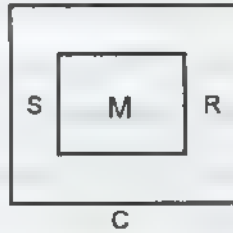
"In the diagram of Figure 1 S stands for source (the speaker as source and encoder). M is the message as expressed in accordance with the particular structure (the inner square in this instance) of the language. The message may include any thing from a single word to an entire utterance. R is the receptor (including decoder and receiver), and the outer square(designated by C) represents the cultural context as a whole, of which the message(as a part of the language) is itself a part and a model (compare similarity of shaoesl."

ترسیل اور ابلاغ کی اس صورت کو فرض کر لینے کے بعد اگر ہم انگریزی کے ایک عام سے لفظ 'Love' پر ہی غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ یہ لفظ یونانی الفاظ:

(1) Earo, (2) Agapao, (3)Phileo, (4) Stergo

کے متبادل معانی میں برتا جاتا ہے، لیکن یہی یونانی الفاظ بالترتیب:

"To whave a passion for" "To appreciate the value of", "to be friendly with", "to have affection for."

کے متبادل بھی ہیں۔ بعینہٖ اگر ہم یونانی زبان کے مبتدی، ثانوی درجے کے کسی طالب العلم سے یونانی لفظ 'Loogos' کے معنی دریافت کریں تو وہ جواب میں کہے گا: 'اس کے معنی ہیں 'لفظ' جبکہ 'سکاٹ اور لیڈل ڈکشنری' میں اس ایک یونانی لفظ کے ستر (70)

سے زائد معنی درج کیے گئے ہیں۔ اس کے باوجود کہ وہ تمام کے تمام معنی بائبل میں برتے گئے اِسی لفظ کی معنویت کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔ پھر یہ کہ یونانی زبان میں لفظ 'Word' کی طرح کے دو الفاظ اور بھی ہیں یعنی 'Epos' اور 'Rhema'۔ جہاں یہ صورت ہو تو لفظوں کی درست نشست و برخاست اور لمبے اُلجھے ہوئے جملوں کا مخصوص آہنگ کیا خاک انگریزی میں منتقل ہوگا۔

اِس روشنی میں ترسیل کا سہ زبانی اشکالی نظام کچھ یوں ہوگا:
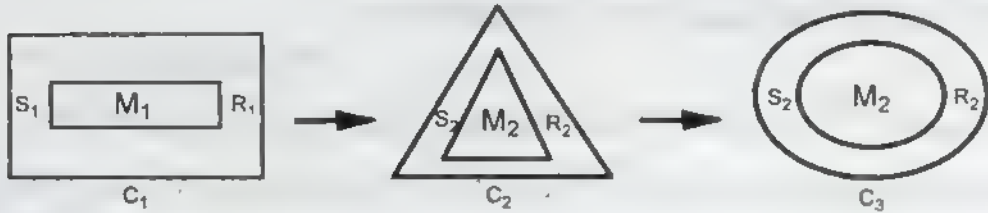
(نوٹ) یہاں یونانی سے انگریزی اور انگریزی سے اردو ترجمہ مراد ہے، اور اشکال کی پہلی مثال کی طرز پر ترسیل کی اس ناکامی کو بخوبی محسوس کیا جا سکتا ہے۔

سو پتا چلا کہ اگر ہم نے انگریزی کی معرفت کسی یونانی تحریر کو اردو میں منتقل کیا تو اصل یونانی تحریر کی معنویت کا ایک فیصد بھی اردو میں منتقل کرنے سے قاصر رہے۔

اس نوع کی دقتوں کو شمار کرتے ہوئے جیکسن میتھیوز (Jackson Mathews) لکھتا ہے:

> The translator may misread his model in a number of ways; he may not see what is to be seen nor hear what is to be heard in it.

بحوالہ: مضمون: 'Third Thoughts on Translating Poetry' مشمولہ 'On Translation' ص: 67

دراصل زبان کا ایک مزاج ہوتا ہے اور اس مزاج کا خیال رکھنا ہی مترجم کا اصل کام ہے۔ یہاں 'مزاج' سے مراد زبان کی قومی اور تہذیبی روایت ہے۔ یہ مزاج جغرافیائی، تاریخی، معاشی اور سماجی اختلاط سے بنتا ہے۔ بقول ظ۔ انصاری:

> جس طرح ایک قوم کے مشترکہ مزاج کے اندر رہتے ہوئے ہر فرد کا اپنا الگ مزاج ہوتا ہے اسی طرح ہر زبان کے اندر الگ الگ زبانیں بھی ہوتی ہیں۔ مشترکہ زبان پورے ایک سماج کی ہوتی ہے اور تاریخ کے ایک دور کی ہوتی ہے۔ لیکن اس ایک مشترکہ قومی زبان کے اندر الگ الگ لہجے ہوتے ہیں۔ علاقوں کے لہجے، خطوں کی بولیاں، طبقوں کے رہن سہن اور حالات زندگی کے مطابق اصطلاحیں اور محاورے، قبیلوں اور فرقوں کی تاریخی روایات کے مطابق تلمیحیں، تشبیہیں اور استعارے اور پھر ان سب کے بعد ایک مخصوص سماجی دور کی اصطلاحیں۔ ان سے ایک زبان کے اندر کئی زبانیں پیدا ہوتی ہیں اور اس وقت تک قائم رہتی ہیں جب تک سماج متفرق رہتا ہے۔

(ترجمے کے بنیادی اصول، مطبوعہ: ادب لطیف، لاہور اگست 1953ء)

اس اقتباس سے جہاں ترجمے کی مشکلات کا اندازہ ہوتا ہے وہیں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ 'ایک زبان کے اندر بھی کئی زبانیں ہوتی ہیں۔'

یہ زبانیں صرف قبیلوں، ملتوں، فرقوں اور طبقوں کے اختلاف کی حامل ہی نہیں ہوتیں بلکہ اس میں مزاج کے اعتبار سے ایک ایک فرد کے یہاں اختلاف ہوسکتا ہے۔ مختلف النوع مزاجوں کے حامل افراد کے مکالمات کو ترجمہ کرنا ایک مشکل امر ہے۔ اس لئے کہ ہر ایک کا لہجہ اور مکالمے کے لئے منتخب کردہ الفاظ میں نمایاں فرق ہوگا۔ تلفظ اور جملوں کی ساخت اُن کے مزاج کی آئینہ دار ہوگی۔ سو اگر ترجمہ نگار ایک زبان کے اندر پنپنے والی کئی زبانوں کے راز سے ناواقف ہے تو وہ لفظ بہ لفظ ترجمہ کرتا چلا جائے گا اور وہ مفاہیم اور اشارے جو اُن الفاظ کی پشت سے جھانک رہے ہیں ترجمے میں گم ہو جائیں گے۔

زبان کے اندر زبانوں کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ زبان ایک ہی ہے لیکن مختلف طبقوں، پیشوں اور مختلف زبانوں میں الفاظ و محاورات کا ورتاوا اور اُن کی ادائیگی مختلف ہوگی۔

زبان کے اندر زبانوں کی دوسری سطح زبان کی قدامت اور جدت کے سبب پیدا ہوتی ہے جیسے میر تقی میر کے زمانے کی اردو اور آج اکیسویں صدی کی اردو میں فرق ہے۔

نامور قانون داں اور مفکر، اے۔ کے بروہی نے ترجمے کی تین مشکلات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> The Task of translating a book is not easy. It is most difficult to translate the holy scriptures for the obvious reason that thay reflect the word of God or state the mandates of heaven and here language reaches a degree of incandesense in the original which by any effort can only be made available in translation if coded in not empty words. Of course the translation of literature, of information, and of circumstances is quite easy provided you have the sympathy with the subject of which this particular species of literature treats.
>
> A further problem is raised by the kind of language in which the original is written and its relationship with the kind of language into which it is sought to be translated. Some languages have a close conceptual approach to presentation of abstract ideas and this may have been due to identical philological factors or they may have been influenced by common sources themselves. For instance it is easy to translate persian into urdu or french into Italian or Spanish or English into German. But it would be difficult to translate Japanese or Chinese in any Eastern or Western languages for the simple reason that these languages have their own temper, nuances and disposition".
>
> Similarly, it is the mastery of the subject which a given translator has,which enables him to translate a book effectively from one language to another.

"Importance and value of (رائٹرس کانفرنس اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد کے اجلاس 6 اکتوبر 1983ء میں پڑھا گیا۔)
translation in Literature".

محولہ بالا اقتباس میں اے۔ کے بروہی نے زیر ترجمہ زبان کی نوع، ہر دو زبانوں پر مکمل عبور اور موضوع سے مکمل واقفیت پر

زور دیا ہے، جبکہ علمی اور فلسفیانہ نوعیت کی کتابوں کے ترجمے میں اُس شعبہ علم کی اصطلاحات کے ترجموں کا مسئلہ بھی خصوصی توجہ چاہتا ہے۔ اسی طرح مترجم کو زبان کی علمی سطح اور اسالیب کے مسائل سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔

بعض زبانوں میں تجریدی افکار اور تجریدی طریقۂ کار کو اپنے اندر سمونے کی صلاحیت ہوتی ہے اور وہ دقیق اور نازک سے نازک بحث کے لئے معنی خیز اور موزوں الفاظ، تراکیب اور اسالیب پیدا کر سکتی ہیں، جبکہ بعض تجرید کی صلاحیت سے محروم ہوتی ہیں۔ ایسی زبانوں میں موزوں اور متناسب اظہاری سانچے اور اسالیب پیدا کرنا خاصا دشوار ہو جاتا ہے۔

بعض قوموں کا رویہ جذباتی ہونے کے سبب اُن کی زبان بھی اُس نوع کے اثرات قبول کرتی ہے، جس کے سبب ایسی زبانوں میں جذبات و احساسات کی لفظی پیکر تراشی آسان ہوتی ہے، لیکن علمی اور سائنسی موضوعات کا حق ادا کرنا انتہائی دشوار ہوتا ہے۔ اس کے برعکس بعض قوموں کا رویہ سائنسی یا منطقی ہوتا ہے جس کے سبب ان کے نثری اظہار میں صلابت، متانت، سنجیدگی، ربط اور استدلال کا ترجمہ تو آسان ہے لیکن تخیل کی کارفرمائی کو اپنے اندر سمونا خاصا مشکل کام ہے۔

ترجمہ کی جانے والی کتب میں جاری و ساری آفاقی اقدار کا نظام بیک وقت ترجمہ نگار اور ترجمے کے قاری کے لئے آسانیاں بھی فراہم کرتا ہے اور دشواریاں بھی۔ مثلاً ہومر کی 'ایلیڈ' کا مترجم کے لئے ترجمہ کرنا اور قاری کا اس سے لطف اندوز ہونا ایک حد تک مشکل ہے محض اس لئے کہ 'ایلیڈ' میں خون کی طرح رواں قدیم دیومالا سے شُدبُد ضروری ہے جبکہ اس عظیم رزمیہ میں خیر و شر کی کشمکش اور زندگی کے حسن کی پیشکش آفاقی قدر ہے اور وہ کسی حد تک مترجم اور قاری کے لئے آسانیاں بھی فراہم کرتی ہے۔

اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ مصنف جو کچھ سوچتا ہے اسے من و عن لفظوں کا جامہ پہنانے سے قاصر رہتا ہے۔ سو اصل فکر لفظی پیکر میں ڈھلنے کے ساتھ ہی کم از کم ایک فیصد (اور بعض حالتوں میں پچاس فیصد) ویسی نہیں رہتی جیسی کہ دراصل تھی۔

اس کی مثال یوں ہے کہ ہم جو کچھ اپنی زبان سے کہتے ہیں وہ ہم خود بھی سنتے ہیں اور ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ہم وہ کچھ نہیں کہہ پائے جو کہنا چاہتے تھے۔ لیکن جو ہماری بات سُن رہا ہوتا ہے، وہ تو وہ کچھ بھی نہیں سُن پاتا جو ہم خود اپنے کہے ہوئے کو سن پاتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق سننے والے تک بات گیارہ فیصد مسخ ہو کر پہنچتی ہے۔ مثلاً 'وہ کانا ہے' وہ کھانا ہے۔

ہمارے لئے اس میں فرق ہے لیکن غیر زبان والوں کے لئے اس میں کچھ فرق نہیں ہے۔ عربی میں ص۔س۔ث کے حروف میں فرق ہے اور یہی صورت خود ہمارے ہاں ہے۔ سو 'بس'، 'ثابت' اور 'صحیح' جیسے لفظوں میں حروف کا چناؤ اُن کی مناسبت سے ہوگا۔ اہل مغرب (مترجمین) کو عرب یا ہمارے اہل زبان کی ضرورت جگہ جگہ محسوس ہوگی۔ یہ جاننے کے لئے کہ 'ت' اور 'ط' میں فرق کیسے کریں۔

یہی معاملہ انگریزی کا ہے۔

اہل مشرق انگریزی بولتے ہیں اور روزمرہ کی بول چال میں ہم سنتے ہیں:

'This is the truth.'

'This is third class.'

لیکن اس نوع کے غلط جملے صرف ہم ادا کرتے ہیں، انگریز اہل زبان کبھی یہ جملے ادا نہیں کرے گا۔ پھر وہاں 'W' اور 'V' کا

فرق ہے جو ہم بڑی مشکل سے سمجھ پاتے ہیں۔

پتا چلا کہ ہر زبان میں ہر لفظ اور حرف کی اپنی شخصیت ہوتی ہے۔ اس شخصیت سے کامل آگہی اُس صورت میں ممکن ہے جب ہم اُس لفظ/حرف کی تہذیبی جڑوں سے واقف ہوں۔

اسی طرح ایک لفظ کو ترجمہ کرتے وقت مترجم کے سامنے لغت کے چھے (اور عربی میں بعض مقامات پر تیس سے زائد) مترادف الفاظ ہوتے ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ کسے چنیں اور کسے رہنے دیں۔ اس مشکل میں بھی ہمارا اُس زبان سے متعلق لسانیات کا علم راہنمائی کرتا ہے۔

مغربی زبانوں سے اردو میں ترجمہ کرتے وقت جملے کی ساخت کا مطالعہ بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ جیسے انگریزی میں Subject اور Verb پہلے آتے ہیں جبکہ اردو میں جملے کی ساخت اس سے یکسر مختلف ہوتی ہے۔

خود انگریزی زبان میں ہی جملے کی ساخت سے متعلق بحثیں ہوتی آتی ہیں۔ مثال دیکھیے، انگریزی میں کہا جاتا ہے:

'Let us Table the motion' لیکن اس جملے نے دوسری جنگ عظیم کے موقع پر امریکہ کے صدر روز ویلٹ اور برطانیہ کے وزیراعظم چرچل کے درمیان ایک اہم سربراہی کانفرنس میں نزاعی صورت اختیار کر لی۔ وجہ یہ تھی کہ برطانیہ اور امریکہ میں اس جملے کے ورتاوے کا فرق تھا یعنی ایک جگہ تو اس کا مطلب تھا: 'معاملہ زیر بحث لایا جائے'۔ جبکہ دوسری طرف اس کا مطلب یہ لیا گیا کہ: 'ہٹاؤ پرے کرو'۔

دس پندرہ منٹ تک فریقین یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ کہنے والا اس سے کیا مطلب لے رہا ہے۔

اب انگریزی کا ایک اور جملہ دیکھیے: He beat his breast.

ہمارے ہاں سینہ کوبی 'احتجاج' کی علامت ہے جبکہ مرکزی افریقہ کی "Chokew" زبان میں اس سے 'کسی کو مبارکباد دینا' مراد لیا جائے گا، بعینہٖ "Pak himself on the back" کے معنوں ہیں۔

بعض زبانوں میں لفظ کی تکرار زور دینے کے لئے کی جاتی ہے لیکن دنیا کی ہر زبان میں یہ اصول کارگر ثابت نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر فلپینی زبانوں خصوصاً Hiligaynon میں جس لفظ کی تکرار کی جاتی ہے اُس سے اُلٹ معنی مراد لئے جاتے ہیں۔ مثلاً جب انگریزی میں "Truly, Truly" کہا جائے گا تو Hiligaynon زبان میں اِس سے "Perhaps" کے معنی مراد لئے جائیں گے۔

اسی طرح سوڈان کی 'Nilotic' زبانوں میں "He went to Town" کہنے کے لئے جملے کی ساخت عجیب و غریب حد تک مختلف ہو جاتی ہے ملاحظہ کیجیے، وہاں کہا جائے گا:

The Town was gone to by him.

اب انگریزی اور اُردو کا موازنہ کرتے چلیں۔ بعض مقامات پر ہم دیکھتے ہیں کہ انگریزی، اردو کے مقابلے میں کوسوں پیچھے ہے۔ آسمان کے لئے انگریزی میں کل اڑھائی لفظ ہیں ایک Sky ایک Firmament اور آدھا Heaven۔ آخری لفظ کو آدھا کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہی لفظ ''بہشت'' کے لئے بولا جاتا ہے۔ مگر انگریزی کے کل اڑھائی لفظوں کے مقابلے میں اردو میں پورے چھ الفاظ ہیں۔ آسمان۔ گردوں۔ فلک، چرخ۔ سپہر اور آکاش۔ اسی طرح زمین، سورج، چاند اور ستاروں کا معاملہ ہے۔

انگریزی میں ایک لفظ Blood۔ اُردو میں تین الفاظ خون، لہو اور دم۔

انگریزی میں ایک لفظ Bone۔ اردو میں تین الفاظ ہڈی، استخوان اور عظم۔

انگریزی میں ایک لفظ Milk۔ اردو میں تین الفاظ دودھ، شیر اور لبن۔

انگریزی میں ایک لفظ Ring (بمعنی انگشتری) اردو میں پانچ الفاظ چھلا، انگوٹھی، انگشتری، مندری اور خاتم۔

انگریزی میں دو لفظ Bird اور Fowl۔ اُردو میں پانچ الفاظ پرندہ، طائر، مرغ، پنچھی اور پکھیرو۔

انگریزی میں ایک لفظ Stone۔ اُردو میں تین الفاظ پتھر، سنگ اور حجر۔

اس فہرست سے جو ہزاروں الفاظ تک پہنچ جاتی ہے، یہ بات ظاہر ہے کہ انگریزی کے بے شمار اسماء کے لئے ایک ایک لفظ ہے۔ یہ محض اتفاقی امر نہیں۔ اس فرق کی وجہ ہر دو زبانوں کی ہیئت ترکیبی پر غور کرنے سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔ اردو اور انگریزی کی ترکیب میں ایک بات مشترک ہے کہ یہ دونوں زبانیں مختلف زبانوں سے مل کر بنی ہیں۔ چنانچہ جس طرح انگریزی زبان کا ذخیرۂ الفاظ بیشتر جرمن، اینگلوسیکسن، فرانسیسی، ڈچ اور لاطینی سے آیا ہے اُسی طرح اردو زبان کے الفاظ عربی، فارسی، سنسکرت، پراکرت اور ہندی سے ماخوذ ہیں۔ مگر اس مماثلت کے باوجود دونوں زبانوں میں ایک بنیادی فرق ہے۔ انگریزی جن زبانوں کے ملاپ سے بنی ہے وہ تمام کی تمام زبانوں کے ایک ہی گروپ یعنی یورپی گروپ سے تعلق رکھتی ہیں اور اُن کے اکثر الفاظ آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ اس وجہ سے انگریزی کو ان مختلف زبانوں سے بسا اوقات ایک ہی لفظ حاصل ہوا۔ جیسے Ear بمعنی کان کو اینگلوسیکسن میں Eare، جرمن میں Ohr، یونانی میں Ora اور ڈچ میں AAr کہتے ہیں، جو ایک ہی لفظ کی مختلف شکلیں ہیں۔ مگر اُردو زبان انگریزی کے مقابلے میں تین الگ الگ گروپوں سے تعلق رکھتی ہے۔

اُردو کے مقابلے میں انگریزی کی کم مائیگی کا احوال اس وقت کھلتا ہے جب اس زبان میں ایک عام چیز کے لئے بھی پورا لفظ نہیں ملتا اور ایک ہی لفظ کو دو علاحدہ علاحدہ چیزوں کے لئے استعمال کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً Weight کا لفظ باٹ اور وزن دونوں کے لئے مستعمل ہے۔ Paper پرچے اور کاغذ دونوں کے لئے اور Kite چیل اور پتنگ دونوں کے لئے۔ اس سے بعض اوقات شدید لفظی اور معنوی اُلجھاوے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جس کی جھلک اردو کے دو ایک جملوں کے انگریزی ترجمے میں دیکھنے کو ملے گی۔

1۔ سورج نکل آیا ہے۔ آؤ دھوپ میں بیٹھیں۔ The Sun has risen. Let us sit in the Sun.

2۔ اِس باٹ کا کیا وزن ہے۔ What is the weight of this weight

اسماء کے علاوہ افعال کی سطح پر بھی اُردو زبان انگریزی سے بڑھ کر ہے مثلاً To Weep ایک انگریزی مصدر ہے۔ جس کا اردو میں ترجمہ رونا ہے۔ اس سے اُردو زبان میں ماضی مطلق کی کم و بیش چھ علاحدہ علاحدہ صورتیں پائی جاتی ہی۔ رویا، رو پڑا، رو لیا، رو دیا، رو چکا، رو بیٹھا۔ جبکہ ان کا مرکزی مفہوم ایک ہی ہے اور معنوی اختلافات کے ہلکے ہلکے رنگ الگ الگ دکھائی دیتے ہیں۔ مگر انگریزی زبان میں ان الگ الگ معنوی اختلافات کا اظہار ناممکن ہے۔ (تفصیلات کے لئے دیکھئے 'علمی زبان کی حیثیت سے اردو اور انگریزی کا مقابلہ' از حمید خان عسکری مطبوعہ: 'لیل و نہار' لاہور۔ 17 جنوری 1960ء)

ایسا کچھ تو ہے، لیکن کیا وجہ ہے انگریزی سے براہِ راست یا انگریزی کی معرفت ترجمہ کرتے وقت ہمارے بیشتر مترجمین ترجمہ

نگاری کا کوئی اعلیٰ معیار نہ پیش کر سکے؟

اس کا صرف ایک ہی سبب ہے کہ ہمارے ہاں اسلوبیاتی سطح پر تجربہ کرنے اور دیگر زبانوں کے اسلوبی تجربات سے فائدہ اٹھانے کی روایت نہ ہونے کے برابر رہی ہے۔ اسلوبیاتی تجربات کے فقدان کے ساتھ ساتھ تلمیح اور اصطلاح کے باب میں بھی ہم نے بہت کم توجہ دی ہے۔ ترقی یافتہ زبانوں میں تلمیحیں اور اصطلاحیں کثرت سے ہیں حتیٰ کہ تلمیحوں اور اصطلاحوں کی فرہنگیں الگ الگ تیار کی جاتی ہیں اور اس کی کوئی مثال ہمارے ہاں موجود نہیں۔ پھر ہمارے ہاں جو حضرات اصطلاحیں وضع کرتے ہیں وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہر اصطلاحی لفظ سے پورا مفہوم ادا ہو جائے۔ حالانکہ ایسا ممکن نہیں ہے، دنیا کی کسی زبان میں کوئی اصطلاح ایسی نہیں جس سے پورا مفہوم ادا ہوتا ہو اور وہ علمی مسئلہ یا اصول پوری طرح سمجھ میں آ جاتا ہو، جس کے لئے وہ اصطلاح وضع کی گئی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اصطلاحات کی چھان پھٹک بھی ضروری ہو جاتی ہے اور ترجمہ کرتے وقت اصل زبان (جس سے ترجمہ کیا جا رہا ہو) کے تلمیحاتی نظام پر بھی گہری نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔

کچھ یہی معاملہ محاورے کے معانی اور پس منظر کا بھی ہے۔ گو محاورے کا معاملہ اس قدر پیچیدہ نہیں جس قدر تلمیح اور اصطلاح کا ہے لیکن مختلف النوع علاقائی محسوسات اور تجربات بہر طور دقتیں پیدا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہمارے ''گربہ کشتن روزِ اوّل'' اور ''ہماری بلی اور ہمیں ہی میاؤں'' کے مروج استعمال میں برتری کا احساس بنیادی محرک ہے اور کالی بلی کے راستہ کاٹنے کو منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن مغرب میں 'بلی' باقاعدہ جنس کی علامت ہے۔ اس علامت کی بھرپور تشریح ارنسٹ ہیمنگوے کے افسانے 'Cat in the Rain' سے ہوتی ہے۔ اردو/ انگریزی زبانوں کے اس اختلاف کو مدنظر رکھا جائے تو انگریزی میں افسانے کا عنوان "Cat in the Rain" ایک بلیغ استعارہ بنتا ہے جبکہ ہمارے ہاں عنوان: ''بارش میں بلی'' معنی اور تاثیر کے اعتبار سے انتہائی غریب ٹھہرتا ہے۔ اس نوع کے موقع پر ہمارا مترجم بے بس ہو جاتا ہے اور معنی کا وہ جہان ترجمہ ہونے سے رہ جاتا ہے جس کی ایک اچھے مترجم سے توقع کی جا سکتی ہے۔

برطانوی ولی عہد شہزادہ چارلس کی بیگم لیڈی ڈیانا نے ایک ریڈیو انٹرویو (1983ء) میں کہا تھا کہ:

میں بیلے ڈانسر بننا چاہتی تھی لیکن قد سے مار کھا گئی۔

یہ انگریزی سے جوں کا توں اردو میں ترجمہ ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو ایسا کرنے سے معنی کی سطح پر بہت بڑا گھپلا پیدا ہو گیا ہے۔ کامیاب بیلے ڈانسر کے لئے ناٹا قد مناسب رہتا ہے جبکہ ڈیانا سرو قد خاتون تھیں۔

محاورے میں ہمارے ہاں 'قد سے مار کھانا' ان معنی کے الٹ استعمال ہوتا ہے یعنی ایک چھوٹے قد کا فرد اگر قد کی بنا پر کامیابی حاصل نہ کر پائے تو کہا جاتا ہے کہ 'وہ قد سے مار کھا گیا'۔

یہ تو محض ایک مثال پیش کی گئی۔ اب اگر یہ سوچا جائے کہ ہمارے ہاں مترجمین نے ان چھوٹی چھوٹی لیکن انتہائی اہم باتوں کا کتنی فیصد خیال رکھا تو شاید مشکل سے چند ایک نام ایسے ملیں گے جو روزمرہ اور محاورے کے اختلاف کو صحیح طور پر اپنی گرفت میں لے سکے۔

محاورے اور روزمرہ کے علاوہ لفظیاتی سطح پر مغربی زبانوں کی آپس میں قربتیں ہیں جنہیں ہمارا مترجم نگاہ میں نہیں رکھتا اور ایک متعین اصول یا پیمانہ تصور کر کے ایسی فاش غلطیوں (یا جرم) کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے جن کی تلافی ممکن ہی نہیں ہوتی۔ فرانسیسی اور

اطالوی زبان کی لفظی قربت کی مثال ملاحظہ ہو، سر عبدالقادر لکھتے ہیں:

> اطالی زبان فرانسیسی زبان سے بہت کچھ ملتی جلتی بھی ہے۔ ایک جگہ اس مشابہت سے خوب کام نکلا۔ فرانسیسی میں 'توت' کُل کو کہتے ہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ اطالی میں بھی اس کے لئے یہی لفظ ہے۔ صرف تلفظ میں ذرا فرق ہے۔ ایک ریستوران میں ہم بیٹھے تھے۔ وہاں کے ملازم سے کھانا مانگا مگر گونگوں کی طرح فہرست لے کر ایک چیز پر انگلی دھرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ لاؤ۔ وہ جاتا تھا، اور آ کر کہتا تھا 'ترینا تو' یعنی ختم ہو گیا۔ اب نہیں جانتے تھے کہ اسے کیوں کر کہیں کہ کچھ باقی بھی ہے یا نہیں۔ جب دو تین دفعہ اس نے یہی جواب دیا۔ میں تنگ آ گیا اور میں نے فرانسیسی لفظ کو اطالی صورت دی اور خفا ہو کر کہا ''تو تو ترینا تو'' یعنی سب کچھ ختم ہو گیا؟ اتفاق سے یہ فقرہ درست ہو گیا۔ وہ چوکنا ہو گیا اور اس نے وہ چیزیں گن دیں جو اس کے پاس موجود تھیں۔
>
> ('سیاحت نامۂ یورپ' سے اقتباس)

اب دیکھا جائے تو فرانسیسی اور اطالوی زبانوں میں مشابہت پیدا کرنے کا یہ کوئی طے شدہ اصول نہیں محض تک بندی والا معاملہ ہے۔ جبکہ اس طرح کی تک بندی بہت عجیب وغریب اور مضحکہ خیز صورتیں بھی سامنے لاسکتی ہے۔

جملے کی ساخت اور فضا بندی سے گمراہ کن نتائج پیدا ہونے کے سلسلے میں بھی ایک مثال دیکھتے چلیے۔ جس کا سامنا خود مجھے کرنا پڑا۔ ہندی کے معروف افسانہ نگار ڈاکٹر عالم شاہ خاں کے ایک طویل مختصر افسانہ ''کرائے کی کوکھ'' کو ترجمہ کرتے وقت میں ہندی لفظ 'سوپ' سے دھوکہ کھا گیا۔ پہلے یہ وضاحت کرتا چلوں کہ اس کے لفظی معنیٰ 'چھاج' کے ہیں، جبکہ سوپ ایک اساطیری کردار بھی ہے۔ روایت ہے کہ سوپ نامی، راون کی بہن رام پر عاشق ہوئی اور راون نے اس کے بار بار اکسانے پر سیتاجی کو اغوا کیا۔ اس اعتبار سے سوپ کا کردار بدی کی علامت بھی ہے۔

اب ہندی سے من وعن ترجمہ کی مثال ملاحظہ ہو:

> ''ایک رات اُسے غضب کا درد اٹھا اور دن چڑھنے سے پہلے اُس کی کوکھ نے بیٹی اُگل دی۔ کوٹھڑی کے باہر بیٹھے ہوئے آگوان نے اندر سے سوپ کی 'دھپ'، 'دھپ' آواز سنی، تو اس کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔''

میں نے سوچا، لفظ 'سوپ' کے اساطیری پس منظر، جملے کی ساخت اور فضا بندی کے حوالے سے سوپ اردو ترجمے میں بھی جوں کا توں رہے گا۔ زیادہ سے زیادہ حاشیہ میں اساطیری پس منظر کی وضاحت ممکن ہے۔ یوں بھی اس موقع پر 'چھاج' کا کیا کام۔ لیکن حقیقت میں ہوا یہ کہ اس جملے کی ساخت، لفظ 'سوپ' کا اساطیری پس منظر اور افسانے کی فضا بندی گمراہ کر گئی۔ یہاں لفظ 'سوپ' راون کی بہن کے نام کے طور پر نہیں آیا بلکہ 'چھاج' کے حقیقی معنوں میں برتا گیا ہے۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ 'چھاج' ہی کیوں 'راون کی بہن' کیوں نہیں؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لئے راجستھان کی اس 'مخصوص رسم' سے جانکاری ضروری ہے، جس میں لڑکی کی پیدائش پر چھاج پیٹا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا پیراگراف میں 'دھپ دھپ' قدموں کی آواز نہیں چھاج پیٹنے کی آواز تھی اور اس بات کا اعلان کہ گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔

اس پس منظر کو جان لینے کے بعد ہی ترجمے کا حق ادا ہوگا اور نشان زد کی جانے والی سطریں یوں ترجمہ ہوگی:

'کوٹھڑی کے باہر بیٹھے ہوئے آگوان نے اندر سے چھاج پیٹنے کی 'دھپ دھپ' آواز سنی، تو اس کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔'

سو بقول ڈاکٹر ظ۔ انصاری:

''ترجمہ کرنے والے کو اصل کی نقل کرنے میں ایک مصور اور اداکار کی طرح مصنف کے ساتھ ہلاک ہونا پڑتا ہے۔ اس کے ساتھ تالیاں بجانا، قہقہے لگانا اور کراہنا پڑتا ہے اور یہ سب کر لینے کے باوجود پوری طرح سنجیدہ اور لئے دیئے رہنا پڑتا ہے۔ تب جا کر ترجمہ ایک آرٹ بنتا ہے اور تخلیقی درجہ حاصل کرنے کے قابل سمجھا جاتا ہے''۔

(ترجمے کے بنیادی اصول، مطبوعہ: 'ادب لطیف' لاہور، اگست 1953ء)

آخر ترجمہ ہی کیوں؟

عام طور پر دنیا بھر میں ترجمہ چار وجوہات کی بنا پر ہوا۔

1۔ **مذہبی تقاضوں کے سبب:** پیغامِ الٰہی کی نشر و اشاعت کی صورت میں ہمارے ہاں سیرام پور کے عیسائی مشنریوں اور شاہ عبدالقادر کا ترجمے کے بارے میں مقصد اور نقطہ نظر یکساں تھا، وہ ایک عام آدمی تک خدا کا کلام اور پیغام خود ان کی زبان میں پہنچانا چاہتے تھے۔ ترجمے کی ایسی ضرورت جو اس ضمن میں نظر آتی ہے خالصتاً مذہبی تقاضوں سے پیدا ہوتی ہے اور پیغام الٰہی کی نشر و اشاعت کا ذمہ لیتی ہے۔ شاہ عبدالقادر کا ''ترجمہ قرآن'' الہ آباد مشن پریس سے 1844ء میں شائع ہوا تھا۔

2۔ **قومی سطح پر ترقی یافتہ اقوام کے علوم وفنون و ادبیات سے واقفیت حاصل کرنے کی خاطر:** اس باب میں مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

''جس طرح یونان کا اثر رومہ اور دیگر اقوام یورپ پر پڑا، جس طرح عرب نے عجم کو اور عجم نے عرب کو اپنا فیض پہنچایا، جس طرح اسلام نے یورپ کی تاریکی اور جہالت کو مٹا کر علم کی روشنی پہنچائی، اسی طرح آج ہم بھی بہت سی باتوں میں مغرب کے محتاج ہیں۔ یہ قانونِ عالم ہے جو یوں ہی جاری رہا اور جاری رہے گا۔'' دیے سے دیا جلتا رہا ہے۔

جب کسی قوم کی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے اور وہ آگے قدم بڑھانے کی سعی کرتی ہے تو ادبیات کے میدان میں پہلی منزل ترجمہ ہوتی ہے''۔ ('مقدمات' حصہ دوم، انجمن ترقی اردو ص 202)

3۔ **گھٹن کے خلاف، تازہ ہوا کی جستجو:** بقول ڈاکٹر سہیل احمد خان:

''پابندیوں کے زمانے میں ایسے افسانوں اور ایسی نظموں کے تراجم زیادہ ہونے لگتے ہیں جن میں پابندیوں کے خلاف باغیانہ لہجہ یا جبر کا احساس نمایاں ہو۔ ایسی صورت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بہت سے ادیبوں کی یہ روحانی ضرورت بن گئی ہے یا وہ شعوری طور پر تہذیبی اور سماجی صورت حال کے پس منظر میں ایک خاص نوع کی تخلیقات سے دلچسپی رکھنے پر مجبور ہیں۔ وہ باتیں جنہیں وہ خود بیان نہیں کر سکتے انہیں ترجموں کی زبان سے ادا کر رہے ہیں۔ اس طرح کے تراجم خود ان ادیبوں کے گرد کھڑے جبریت کے حصار کو کسی حد تک توڑتے ہیں اور قاری بھی صورت حال کے بعض کوائف کو ان میں پہچان کر ایک حد تک ان کے ذریعے جبر و احتساب کی فضا سے نکل آتا ہے۔ اس لحاظ سے ان تراجم کا جواز اصل تخلیقات کے بعض موضوعات میں پوشیدہ ہوتا ہے''۔

('ادبی ترجمے کے مسائل' مشمولہ: 'طرزیں' توسین مولچند سٹریٹ، لاہور۔ 1982ء)

3۔ ہمارے ہاں پاکستان میں ترجمہ کی ضرورت بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ یہاں انگریزی، سرکاری اور تعلیمی زبان رہی۔ آزادی کے بعد اردو زبان کو اپنی حیثیت منوانے کے لئے اور بالخصوص اپنی زبان ہی کا سہارا لے کر ترقی کی منازل طے کرنا تھیں۔ اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ سرکاری، تعلیمی، علمی اور ادبی امور کے لئے دنیا بھر کی زبانوں سے اردو میں تراجم کئے جائیں۔ تا کہ ایک تو اردو کے علمی ادبی سرمایہ میں اضافہ ہو سکے، دوسرے دفتری، عدالتی اور سرکاری امور کو جلد از جلد اردو میں انجام دیا جا سکے۔

ترجمے کی اقسام

جہاں تک ترجمے کی مختلف اقسام کا تعلق ہے۔ اُن میں حسب ذیل بنیادی حیثیت کی حامل ہیں۔

1۔ علمی ترجمہ

2۔ ادبی ترجمہ

3۔ صحافتی ترجمہ

اسی طرح ترجمہ کی تین راہیں ہیں:

1۔ لفظی ترجمہ

2۔ آزاد ترجمہ

3۔ معتدل ترجمہ (تخلیقی ترجمہ)

اس تیسرے یا اعتدال کے ترجمے کو ہم تخلیقی ترجمہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ A.O Fedprpv، 1941ء میں رُوس کے حکومتی چیف مترجم تھے، جنہوں نے اس نوع کے ترجمے کو 'Artistic translation' کا نام دیا تھا۔ اس لئے کہ جب اس کی تمام شرائط پوری ہو جاتی ہیں تو وہ صرف تقلید یا نقل نہیں رہ جاتا بلکہ اس میں ایک اپنا فنی حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ بقول ڈاکٹر ظ۔ انصاری:

> ''خیال اور مفہوم کو اس کے باریک سے باریک پیچ وخم کے ساتھ ادا کرنے کے لئے ترجمہ کرنے والے کو مصنف کے ساتھ اس طرح چلنا چاہیے جیسے سوشلسٹ انقلاب کی راہ میں محنت کشوں کو انقلابی پارٹی کے ساتھ چلنا ہوتا ہے کہ قدم سے قدم بھی ملتے رہیں اور آگے نکل جانے یا پیچھے چھٹ جانے کا بھی امکان نہ رہے''۔

('ترجمے کے بنیادی اصول' مطبوعہ: 'ادب لطیف' لاہور، اگست 1953ء)

یہ صورت لفظی یا آزاد ترجمے میں پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔

اس ذیل میں تمام سائنسی علوم وفنون کی کتابیں آتی ہیں۔ علمی ترجمہ عام طور پر لفظی ترجمے کی ذیل میں آتا ہے۔ اس میں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ جس کسی لفظ یا اصطلاح کا جو ترجمہ ایک جگہ کیا جاتا ہے وہ ان معنوں میں ہر جگہ استعمال کیا جائے، تاکہ ترجمے میں یکسانیت برقرار رہے اور قاری کا ذہن کہیں بھی الجھنے نہ پائے۔

علمی تراجم میں اہم مسئلہ علمی اصطلاحات کے مترادفات ڈھونڈنے کا ہوتا ہے۔ علمی اصطلاحات وضع کرتے وقت اس امر کا بالخصوص خیال رکھا جانا چاہیے کہ اصطلاحیں مسلمہ اصولوں کے عین مطابق ہوں، نیز لاطینی، یونانی اور دوسرے سابقوں اور لاحقوں کے ترجمے/ مترادفات میں یکسانیت کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ جہاں تک علمی اور فنی تراجم کا تعلق ہے، ضروری ہے کہ متعلقہ مضمون (علم وفن) کا ماہر ہی یہ کام انجام دے۔ اس کا سب سے بڑا سبب اور ضرورت یہ ہے کہ ہر علم وفن میں اصطلاح کا مضمون سے متعلق اپنا مفہوم ہوتا ہے جو دوسرے علوم وفنون میں نہیں ہوتا مثلاً 'ثقافت' کا لفظ عمرانیات میں کچھ اور معنی دیتا ہے اور فنون میں اس کا کچھ اور مفہوم متعین ہے جبکہ لغت میں اس کے متعدد معنی درج ہیں۔ عملی سطح پر اس کی ایک بہترین مثال مولانا ظفر علی خاں کا ترجمہ: ''معرکہ مذہب وسائنس'' ہے۔ اس ترجمے میں بقول مولوی عبدالحق:

> ''ایک تو علمی اصطلاحات وعلمی مباحث، دوسری زبان کی خوبی وفصاحت اور اُردو کی بے بضاعت زبان میں ان دونوں کو قائم رکھنا بہت دشوار تھا''۔

('مقدمات' حصہ اوّل، انجمن ترقی اردو ص54)

تاریخ وثقافت سے متعلق سیّد علی بلگرامی کے تراجم ('تمدن ہند' اور 'تمدن عرب' از گستاؤلی بان) کا شمار اسی ذیل میں ہوگا، اس نوع کے ترجمے کی بابت جیلانی کامران لکھتے ہیں:

> ''غیر ادبی تصانیف کا ترجمہ دراصل ایک زبان کی لسانی موت سے پیدا ہوتا ہے اور دوسری زبان کی لسانی افزائش کا باعث بنتا ہے۔ 'لسانی موت' کی ترکیب قابل غور ہے۔ میں نے اسے استعارۃً استعمال کیا ہے۔ کیونکہ ہم جس زبان سے ترجمہ کرتے ہیں اُس کے الفاظ ہمیں عزیز نہیں ہوتے اور نہ ہی ہمیں اس کی لسانی خوبیوں سے کوئی تعلق ہوتا ہے۔ ہمیں لفظوں کی شکل وصورت، ان کے تلفظ اور ان کے حسن اور موسیقی سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ دلچسپی ہوتی ہے تو صرف اس شے سے جو لفظوں کا لباس پہنے لفظوں کے پرے کسی طلسمی راز کے طور پر موجود ہوتی ہے۔ ہم اُسے برآمد کرنے اور اپنی زبان میں کامیابی اور ایمانداری سے منتقل کرنے کے لئے الفاظ کے سب ناطے اور اصل زبان کے سلسلے فراموش کردیتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ اصل زبان مرچکی ہے اور ہم اس کے جادو سے اپنی زبان کو زندہ کرنا چاہتے ہیں''۔

('ترجمے کی ضرورت' مشمولہ: 'تنقید کا نیا پس منظر' مطبوعہ لاہور)

ادبی ترجمہ

اس نوع کے ترجمے کے لئے ضروری ہے کہ بامحاورہ کیا جائے اور اپنی زبان کے روزمرہ، تشبیہات، ضرب الامثال، استعارات وکنایات اوررموز وعلامات سے کام لیا جائے تا کہ ترجمے میں ادبی رنگ آ جائے اور ترجمہ طبع زاد سے کم تر دکھائی نہ دے۔

اس باب میں اے۔کے بروہی لکھتے ہیں:

> The art of translation, let me put it as clearly as I can, is not based on mechanical law of cognation but on the law of personal sympathy. It is a Human transaction.

(رائٹرز کانفرنس، اسلام آباد۔6 اکتوبر1983ء)

یوں ادبی ترجمے میں مترجم اپنے خیال، اپنے وجود، اپنے جذبے، اپنی انا پیشگی اوراپنے قلم کو اصل مصنف کے تابع کر دیتا ہے۔ صرف اس خیال سے کہ اگر فلاں بات اور فلاں عبارت مصنف کو ہماری زبان میں لکھنا ہوتی تو وہ کس طرح لکھتا۔ جس طرح اصل مصنف اس دوسری زبان میں اسے لکھتا، ترجمے میں بعینہ ویسا لکھنے کا جتن کیا جاتا ہے۔

سو باتوں کی ایک بات کہ ادبی ترجمے کے لئے ادبیت کا حامل ہونا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں مزید بحث آگے آئے گی۔

صحافتی ترجمہ

اسے 'کھلا ترجمہ' بھی کہا جاتا ہے۔ اس نوع کا ترجمہ مفہوم کے ترجمے کی ذیل میں آتا ہے۔ بقول ڈاکٹر مسکین حجازی:

> ''مفہوم کا ترجمہ کرنا سب سے زیادہ آسان ہے۔ ایسے ترجموں میں کسی پابندی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ مترجم کے لئے یہ آسانی ہوتی ہے کہ اصل مفہوم سمجھ کر اپنی زبان میں اپنے طور پر بیان کر دے، جس فن کا ترجمہ کرنا مقصود ہو، اگر وہ طویل اور پیچیدہ جملوں پر مشتمل ہو تو لازمی نہیں کہ اس کا ترجمہ بھی اسی طرح طویل اور پیچیدہ جملوں میں کیا جائے۔ بہتر ہے کہ اصل مفہوم کو چھوٹے چھوٹے سادہ جملوں میں ادا کیا جائے''۔ ('فنِ ادارت'' مطبوعہ لاہور، ص 293)

مولانا عبدالمجید سالک کے نزدیک:

> ''اخباری ترجمے میں سب سے مقدم مصلحت یہ ہے کہ مطلب بالکل واضح اور عبارت قطعی طور پر سلیس ہو جائے تا کہ تمام پڑھنے والوں کو کوئی الجھن نہ ہو۔ اس کے لئے اپنی زبان کا محاورہ سب سے بہتر رہنما اور معاون ہے۔ اگر اخباری مترجم سادگی، سلاست اور محاورہ اردو کو مدنظر رکھ کر ترجمہ کریں تو خود بھی آرام سے رہیں اور پڑھنے والوں کے ذہن بھی نہ الجھیں۔ ان کو چاہیے کہ جہاں انگریزی کے فقرے کی ترکیب پیچیدہ اور طویل پائیں وہاں اس کی چیر پھاڑ کر دیں اور ترجمہ کرنے کے بعد ایک دفعہ پڑھ کر دیکھ لیں کہ آیا اصل مطلب ادا ہو گیا ہے۔ اگر ہر پہلو سے مطلب ادا ہو گیا ہو تو سبحان اللہ ورنہ ادھر اُدھر کی بیشی کر کے اسے پورا کر دیں۔ ڈکشنری مترجم کا سب سے بڑا ہتھیار ہے اور اس سے ہر ممکن مدد لینی چاہیے اور کبھی اس غلط فہمی میں نہ رہنا چاہیے کہ ہم بڑے انگریزی دان اور بڑے اُردو خوان ہیں، کیونکہ ممکن ہے وقت پر کسی لفظ کا صحیح اور موزوں ترجمہ نہ سوجھے اور ڈکشنری دیکھنے سے ایسا نفیس لفظ ہاتھ آ جائے جو فقرے میں جان ڈال دے''۔

('فنِ ادارت' از مسکین حجازی ص 296)

چونکہ ابتداء میں زیادہ تر سروکار انگریزی سے تھا، اس لئے صحافتی/ اخباری ترجموں کے سبب ایک مخصوص صرف ونحو اور اسلوب کا بھی اردو پر اثر انداز ہونا لازمی تھا۔ اس سلسلے میں سیّد ہاشمی فرید آبادی لکھتے ہیں:

''اردو ترجمے میں ابتری اور اس کی بدولت خود زبان کی فصاحت میں خرابی کا ایک سبب اردو روزنامے ہوئے، جن میں زیادہ تر انگریزی سے اطلاعات اور تار کی خبریں بہت جلدی میں ترجمہ کی جاتی ہیں، ان کی زبان (اور طباعت بھی) سخت اصلاح کی محتاج ہے، صاف اور بامحاورہ زبان میں ترجمہ کرنے والے مشاق مترجم ابھی تعداد میں کم اور مہنگے ہیں''۔

(اُردو تراجم کا جائزہ، از ضمیر اظہر مقالہ برائے ایم۔ اے اُردو کراچی یونیورسٹی لائبریری۔ بابت. سال ۵۵۔۱۹۵۴ء)

ہمارے ہاں صحافتی/ اخباری تراجم جیسے بھی ہوئے ہوں، ان سے اتنا ضرور ہوا کہ ہماری زبان صاف ہوگئی اور اس کے بیانیہ نے ترقی کی۔ یہاں تک کہ مولانا ظفرعلی خاں جیسے نادر روزگار صحافی پیدا ہوئے۔ظفرعلی خاں نے بیسیوں سیاسی، معاشرتی رہن سہن کی اور علمی اصطلاحیں وضع کیں جن میں سے بعض انتہائی بھاری بھرکم اور بعض انتہائی برجستہ اور ہلکی پھلکی تھیں لیکن اُن کے زورِ قلم نے ہر دو اقسام کی وضع کردہ اصطلاحات (اخباری) کو عام کر دیا۔

صحافتی ترجمہ کی بدولت، جس کا انداز مقرر کرنے میں مولانا ظفرعلی خاں اور مولانا عبدالمجید سالک کا بہت حصہ ہے، ہمیں واقعیت، نپی تلی بات کرنے کا سلیقہ، رواں دواں تحریر اور اصلیت سے مطابقت پیدا کرنے کا ڈھنگ آیا۔

چونکہ اخباری ترجمہ زیادہ بناؤ سنگھار اور خوش بیانی کی بجائے نفس مضمون ادا کرنے سے متعلق ہے اس لئے اُس کا ادبیت سے دُور ہونا بھی ایک طرح کی خوبی بن جاتا ہے۔ صحافتی تراجم روزمرہ زندگی سے قریب ہونے کے سبب زبان کو نت نئے الفاظ اور پیشہ ورانہ اصطلاحات بخشتے اور اس میں وسعت پیدا کرتے ہیں۔ یوں بعض اوقات صحافتی ترجمہ بھی تخلیقی ادب پر اثرانداز ہوتا ہے۔

آج کے جدید دور میں اردو صحافت کا ترجمے کے حوالے سے بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ملک میں اصطلاح سازی اور ان کی معیار بندی کا مرکزی نظام موجود نہیں اور نہ ہی مختلف قومی اداروں کی وضع کردہ اصطلاحات ابھی تک بوجوہ رائج ہو پائی ہیں۔ علاوہ ازیں ایجادات و انکشافات کے اس دور میں تقریباً ہر روز نئے نام اور اصطلاحیں وضع کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ معیار بندی کا مرکزی نظام نہ ہونے کے باعث اخبار میں 'Space Module' کا ترجمہ ایک اخبار میں 'قمری گاڑی' چھپتا ہے، تو دوسرے میں 'خلائی گاڑی' تیسرے میں 'مہتاب پر چلنے والی گاڑی' اور چوتھے میں 'چاند گاڑی'۔

یہ اس لئے ہے کہ اخبارات میں ترجمہ پر مامور عملے کی راہنمائی کے لئے نہ تو کوئی نظام ہے اور نہ ہی کوئی ادارہ۔ ٹیلی پرنٹر اور تار سے جو عبارت ذرائع ابلاغ کے دفاتر تک پہنچتی ہے اس میں فرق ہے۔ اس انگریزی عبارت میں ہجوں کی غلطیاں اس کے علاوہ ہوتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہی جگہ کا نام مختلف اخباروں میں 'خنجر کوٹ'، 'کانجر کوٹ' اور 'کنجر کوٹ' چھپتا ہے اور نیوز کاسٹر ''میاں پچوں'' کو ''میاں پچوں'' پڑھتا ہے۔ اسم معرفہ کی پہچان سے متعلق یہ مسئلہ 'ٹائم' اور 'نیوز ویک' تک میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

صحافت میں انگریزی سے اُردو ترجمہ کرنے کے لئے دونوں زبانوں پر عبور کے علاوہ تاریخ اور جغرافیہ کا علم بھی ضروری ہے تاکہ ہم مردان کو 'مرڈان' (Mardan) اور ہوتی کو ہوٹی' (Hoti) نہ لکھ دیں۔ اسی طرح مصر انگریزی میں منتقل ہوتا ہے تو "Egypt" بنتا ہے لیکن Egypt سے دوبارہ مصر بنانا تاریخ اور جغرافیہ کے علم اور واقفیت عامہ کے بغیر ممکن نہیں۔ کچھ یہی صورت علوم وفنون، مشاغل

اور کھیلوں کی معروف اصطلاحات سے واقفیت نہ ہونے کے سبب پیدا ہوتی ہے۔

ترجمہ کون کرے؟

ترجمہ خواہ ادبی ہو یا علمی اور صحافتی اس میں ضرورت ایک ہی قسم کی استعداد کی ہے یعنی حقیقی مناسبت کی تلاش۔ اور وہ اُسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان میں غیر معمولی اور تیر بہدف فہم و فراست ہو، جو کسی بات کے مالہ و ماعلیہ کو فوراً بھانپ لے، مفہوم کی سو فیصد صحیح تشخیص اور تعین کرے اور پھر اُسے ویسے ہی برجستہ اور برمحل الفاظ/ اسلوب میں ادا کرے۔

اب بحث طلب اَمر یہ ہے کہ زبان دانی کا معیار کیا ہے اور وہ کون سی کسوٹی ہے جس پر کس کر یہ بتایا جا سکتا ہے کہ کون شخص زبان داں ہے اور کون نہیں؟

دیکھا جائے تو روزمرہ کی بول چال کے معاملے میں اہلِ زبان اور بیگانہ زبان و لسان، نیم تعلیم یافتہ اور فارغ التحصیل سب برابر ہیں۔ جب تک کوئی شخص متواتر اور پے در پے زبان کی نزاکتوں اور اسلوبیاتی نظام پر غور نہیں کرتا اور جب تک اپنے افکار کو مختلف اور گوناگوں انداز سے لفظوں کی معرفت سامنے لانے کی مشق و مزاولت بہم نہیں پہنچاتا، اس وقت تک وہ ترجمے اور تصنیف و تالیف کی ذمہ داریوں سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا۔ جبکہ ہمارے ہاں ترجمہ کے باب میں عام طور پر مترجمین اِن صفات سے عاری دکھائی دیتے ہیں۔ مولانا صلاح الدین احمد اپنے ایک ریڈیو کالم میں فرماتے ہیں:

> ''ترجمہ لے کر بیٹھ گئے اور ایک زبان کے ایک لفظ کی جگہ دوسری زبان کا اس سے ملتا جلتا لفظ رکھتے ہوئے ایک سیدھی سڑک پر ہو لئے اور جہاں کہیں سڑک پر کوئی رکاوٹ نظر آئی اسے طرح دے کر یا چکر کاٹ کر برابر سے نکل گئے۔ اس عمل کے عامل کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ پڑھنے والے کے پلّے بھی کچھ پڑا یا نہیں؛ مصنف کی روح کا کوئی ہلکا سا پَرتو بھی اُس تک پہنچا یا نہیں۔ پھر اس کام میں سوچنے سمجھنے کی کچھ ضرورت نہیں ہوتی، محض ایک ڈکشنری کی حاجت ہوتی ہے''۔

نتیجتاً ہوتا یہ ہے کہ بڑے عجیب و غریب ترجمے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ''نگار'' کراچی۔ (1984ء) جیسے اہم ادبی جریدے سے چند امثال دیکھتے چلیے:

1۔ وہ ایک خوش نصیب سپاہی تھا۔ 'Soldier of Fortune' کا ترجمہ۔

2۔ وہ اُن کو وقتاً فوقتاً ٹالتا رہا ہے۔ 'From Time to Time' کا ترجمہ۔

3۔ برطانیہ اپنے اچھے اچھے دفاتر استعمال کرے گی۔ 'Good Office' کا ترجمہ۔

4۔ یہ حکایت اُس رُوح میں نہیں لکھی گئی ہے جو حکایاتِ سعدی میں پائی جاتی ہے۔ 'Spirit' کا ترجمہ۔

5۔ کھیل ڈرامہ کی روح سے خالی ہیں۔ 'Plays' اور 'Spirit' کا ترجمہ۔

محولہ بالا مثالوں کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ترجمہ کرنا ہر کس و ناکس کے بَس کی بات نہیں۔ یہ ایک تخصیصی نوعیت کا کام ہے۔ صرف زبان دانی کی سطح پر اچھے مترجم کی خصوصیات میں جہاں اور بہت سے امور شامل ہیں وہیں زبان کی گرامر، لفظ کی شناخت، روزمرہ، استعارات و کنایات، علامات، تشبیہات، ضرب الامثال اور اُن بولیوں/ زبانوں سے واقفیت بھی ضروری ہے جن

سے اُردو زبان کی تشکیل عمل میں آئی ہے۔ اس میں زبان کا مزاج، اسلوبی نظام اور پیرایہ اظہار کو بھی یکساں اہمیت حاصل ہے۔

اب آیئے ترجمے کے ذریعے تہذیبی فضا کی منتقلی کے الجھیڑوں کی طرف۔ ہمارے ہاں عمومی طور پر مترجمین اس کوشش میں ناکام دکھائی دیتے ہیں۔ اس باب میں ہماری ناکامی کی اصل وجہ درحقیقت یہ ہے کہ ہم نے مغربی زبانوں کے بیشتر ترجمے انگریزی کی معرفت کیے۔ یوں اصل تہذیبی رچاؤ پہلے انگریزی اور پھر اُردو میں منتقلی کے بعد کیا سے کیا ہو گیا۔

ہمارے عسکری صاحب نے تو مارسل پروست کے انگریزی ترجموں کو بھی مان کر نہیں دیا۔ سو، سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو انگریزی میں منتقل نہیں ہوا وہ انگریزی کی معرفت ترجمہ سے کیسے ممکن ہے؟

حق بات تو یہ ہے کہ مارسل پروست کے افسانوی ادب کی فضا سے تو عسکری صاحب واقف تھے لیکن تہذیبی رچاؤ سے واقفیت کا دعویٰ وہ بھی نہیں کر سکتے۔

اس لئے ضروری ہے کہ مترجم جس زبان کے ادب کو اپنی زبان میں منتقل کرنے کا سوچے، پہلے اس زبان کے تہذیبی رچاؤ سے واقفیت حاصل کرے۔

ہمارے ہاں ترجمہ در ترجمہ یہاں تک ہوا کہ صادق ہدایت تک کو یار لوگوں نے انگریزی کی معرفت ترجمہ کیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم نے ترجمہ کرتے وقت 'بڈھا گوریوٗ' لکھا اور اتنی زحمت گوارا نہ کی کہ ہمسایہ ملک ایران میں اسے 'بابا گوریوٗ' ترجمہ کیا گیا تھا، جو فارسی کی طرح اردو میں بھی مناسب تھا۔ اسی طرح ہیمنگوے کے 'Old man and The Sea' کا ترجمہ ''بڈھا اور سمندر'' ہوگا، 'بوڑھا اور سمندر'' نہیں۔

اردو مترجم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اُردو کی ہیئت ترکیبی کا علم رکھتا ہو۔ اس میں چار (4) چیزوں کو خاص دخل ہے۔

1۔ اُردو زبان کی اصل

یعنی لشکری زبان کا ہونا، اُس کا خمیر بہت سی زبانوں سے مل کر اُٹھنا، برج بھاشا اور فارسی کا ملاپ، سنسکرت اور پراکرت کا میل اور لفظیات، اردو میں ہندی عناصر کی بُندبُد کے حروف فاعلی، مفعولی، اضافت، نسبت، ربط اور ضمیریں، نیز اس بات کا علم کہ ہر وہ لفظ جو اردو میں کھپ گیا، عربی ہو یا فارسی، ترکی ہو یا سریانی، یورپی ہو یا پنجابی/سنسکرت از روئے اصل غلط ہو یا صحیح وہ لفظ اردو کا ہے۔ اس لئے اگر وہ لفظ اصل کے موافق ہے تو بھی صحیح ہے اور اگر خلاف اصل مستعمل ہے تو بھی درست۔

2۔ لفظ و معنی

اس باب میں صحیح لفظ کے انتخاب میں کاوش اور تلاش میں تگ و دَو، لفظ کی شخصیت سے کامل آگہی اور مناسب ترین الفاظ، ترکیبات اور کلمات کا جویا ہونا۔

3۔ وضع اصطلاحات کی صلاحیت

اس باب میں وحید الدین سلیم لکھتے ہیں:

''اگر اصطلاحیں نہ ہوں تو ہم علمی مطلب کے ادا کرنے میں طول لاطائل سے کسی طرح نہیں بچ سکتے۔ جہاں ایک چھوٹے سے لفظ سے کام نکل سکتا ہے وہاں بڑے بڑے لمبے جملے لکھنے پڑتے ہیں اور اُن کو بار بار دہرانا پڑتا ہے''۔

('وضع اصطلاحات' انجمن ترقی اردو (ہند) ص: 2)

4۔ مترادفات و مرادفات کا شعور

اس باب میں سیّد عابد علی عابد لکھتے ہیں:

''لغت کا ذخیرہ الفاظ بہت محدود ہے اور ذہن انسانی کی پرواز بیکراں۔ اس لئے لغت تو یہ کرسکتی ہے کہ ایک کلمے کے کئی سلسلۂ معانی متعین کر دے، لیکن یہ نہیں کرسکتی کہ ایک ہی معنی کے لئے دو لفظ مہیا کر دے۔ جہاں ایسا اشتباہ ہوگا وہاں الفاظ مترادف ہوں گے مرادف نہیں۔ مراد یہ ہے کہ معانی میں قریب تر تو ہوں گے لیکن کوئی دلالت ضرور مختلف ہوگی''۔

(مضمون: قاری کی شعوری سطح، ادراک، مزاج اور لہجہ)

اب آئیں ذرا سرسری طور پر نگاہ کریں کہ ترجمہ کرتے وقت ایک زبان (غیر زبان) کے کن کن عناصر کو اپنی زبان میں ڈھالنا پڑتا ہے۔

(1) اصل/متن کی زبان

1۔ مفرد الفاظ، اصطلاحات، محاورے۔

2۔ الفاظ کی نشست و برخاست، صرف ونحو۔

3۔ الفاظ کے لفظی و معنوی رشتوں کا شعور۔ صنائع لفظی و معنوی۔

4۔ الفاظ، تراکیب اور اُن کی لغوی دلالت۔

5۔ زبان کا کینڈا۔ اُس کی اصل روح۔

6۔ عبارت/متن کی ظاہری وضع اور مفہوم۔

7۔ اسلوبیاتی نظام۔

8۔ اصل متن کی روح، نوعیت، جذبات، محاکات اور اس کا آہنگ (باطنی سطح پر)۔

9۔ مصنف کا ذوق اور لب و لہجہ۔

10۔جملوں کی ساخت۔

11۔اُس زبان سے مخصوص جوہر خفتہ اور جاگی ہوئی صلاحیتیں، کوتاہیاں، زندہ روایت کا شعور اور ارتقائی خواص۔

12۔ترجمہ کے لئے اصل متن کی جزوی یا کلی موزونیت یا نامناسبت۔

13۔اساطیری نظام اور روایات۔

14۔وزنِ اضافی کا خیال رکھنا، یعنی 'عریاں'، 'برہنہ' اور 'ننگا' جیسے الفاظ میں نازک امتیازات کا خیال رکھنا۔

(2) مترجم کی زبان:

1۔ قاری کی شعوری سطح، ادراک، مزاج اور لہجہ۔

2۔ اپنے معاشرے کی وضع اور خُوبُو۔

3۔ اپنے تہذیبی و تمدنی لوازمات۔

4۔ مرادفات۔

5۔ صرف ونحو۔

6۔ اپنی زبان کا کینڈا، وضع، روایات اور صلاحیتیں

(3) مترجم کی ذات

1۔ ترجمے کا ذوق، استعداد، زبانوں پر قدرت، نفس مضمون پر گرفت۔

2۔ اصل متن اور مصنف سے وفاداری، اس کی نقالی یا بنت کی سطح پر مزید جلا دینا۔

3۔ اصل متن کی مخصوص وضع کو منتقل کرنے کا جتن۔

4۔ اصل متن، مصنف یا غیر تہذیب کا باغی نہ ہونا۔

5۔ اصل سے مرعوب نہیں بلکہ اصل مصنف اور متن کا مطیع ہونا۔

(4) ترجمے کی نوع

1۔ قابل مطالعہ ہونا۔

2۔ مانوس ہونا۔

3۔ رواں اور صاف ہونا۔

4۔ ترجمہ پن کا نہ ہونا۔

فن ترجمہ کے اصول و مُبادیات

فن ترجمہ کی وضاحت اور مشکلات پر تفصیلی بحث کے بعد چند سوالوں کا ذہن میں پیدا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ وہ سوال کچھ یوں ہوں گے:

1۔ کیا ایک اچھا ترجمہ ہمیشہ تخلیقی ہوتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو تخلیق اور ترجمے کی حد بندی کیوں؟

2۔ اگر ایسا ہے تو علمی کتب اور صحافت سے متعلق تراجم کے معیار کو پرکھنے کا کیا پیمانہ ہوگا؟

3۔ کیا ترجمہ سے مراد متبادل اور مترادف الفاظ کی تلاش ہی ہے؟

4۔ کیا ترجمہ سے محض قاری کی رہنمائی مقصود ہوتی ہے، جو دوسری زبان کو نہیں جانتا؟

5۔ کیا بقول ڈاکٹر لائنٹر، ہمیں ترجمے پر انحصار نہیں کرنا چاہیے اور محض اصل مفہوم سمجھ کر اسے اپنی زبان میں بیان کر دینا چاہیے؟

ان تمام سوالات کے جواب نامور مترجمین نے ترجموں کے ذریعے عملی طور پر فراہم کئے ہیں۔ ارنسٹ فینولوسا، ایزرا پاؤنڈ اور ایس۔ آرتھر ویلی ترجمے کی دنیا کے تین اہم نام ہیں اُن کے کام کا جائزہ ترجمے کے ضمن میں ان سوالات کا مجمل جواب دینے کیلئے کافی ہوگا۔

ارنسٹ فینولوسا، بوسٹن کا پہلا ادیب اور محقق تھا جس نے کلاسیکی، جاپانی ڈرامے کو مغرب سے متعارف کروایا۔ یہ کام ترجمے کی معرفت ہوا۔

1910ء کے بعد ایزرا پاؤنڈ کا جھکاؤ مشرق کی سمت ہوا اور اس نے مشرقی تہذیبی روایات سے گہرے اثرات قبول کیے۔ اس کا سبب بھی تراجم تھے۔ مشرق کی شعری روایت سے پاؤنڈ کا اولین تعارف عمر خیام کے تراجم کی معرفت ہوا۔ یہ فٹز جیرالڈ کی شہرت کی ابتداء تھی۔ پاؤنڈ نے عمر خیام سے جیرالڈ کی معرفت متعارف ہونے کے بعد ہندی، چینی، جاپانی اور بنگلہ زبانوں اور تہذیبوں کی قدیم دستاویزات میں دلچسپی لی۔

یہ تراجم ہی کا اثر تھا کہ پاؤنڈ نے بھگت کبیر کے چند دوہوں کا ترجمہ کرنے کے بعد جب کنٹوز لکھنے شروع کیے تو ان میں کبیر کا مشرقی لحن بھی شامل ہو گیا اور 'کہت کبیر' کی گونج صاف پہچانی گئی۔

ارنسٹ فینولوسا کی بیوہ رسالہ 'پوئٹری' میں پاؤنڈ کی تحریریں پڑھ کر اس سے حد درجہ متاثر تھی۔ یہی سبب ہے کہ سروجنی نائیڈو کی قیام گاہ پر پاؤنڈ سے ایک اتفاقی ملاقات پر اس نے اپنے مرحوم شوہر کا غیر مرتب کام پاؤنڈ کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد پاؤنڈ چینی شاعری کے ترجموں کی طرف کچھ ایسا آیا کہ ٹی۔ایس۔ایلیٹ کو کہنا پڑا کہ 'پاؤنڈ نے ہمارے زمانے کے لئے چینی شاعری کو دریافت کیا ہے۔' (پاؤنڈ کے اس کام کی ابتداء 'Cathy' کی طباعت سے ہوئی اور اس کے بعد یکے بعد دیگرے پاؤنڈ نے چینی شاعری کے تراجم کے تین مجموعے شائع کیے۔)

پاؤنڈ کی اس 'دریافت' کو نئے زمانے میں مشرق اور مغرب کے درمیان اوّلین مضبوط رابطہ شمار کیا جاتا ہے۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی رہی ہو کہ پاؤنڈ ترجمہ برائے ترجمہ کا قائل نہیں تھا بلکہ اس نے ترجمے کے وسیلے سے ہر دو اطراف کی تہذیبوں کے بطون کا مطالعہ پیش کیا۔ اسی طرح جب اُس نے جاپانی ڈرامائی روایت کو انگریزی میں منتقل کرنے کا کام کیا تو اس کے فوراً بعد ڈبلیو۔ بی ییٹس کے منظوم ڈرامے سامنے آئے۔ یہ ترجمے کے حوالے سے پاؤنڈ ہی کے طفیل ممکن ہو سکا۔ ایزرا پاؤنڈ کے خیال میں 'جو دور تخلیقی ادب کے لحاظ سے عظیم ہوتا ہے وہ ترجموں کے لحاظ سے بھی عظیم ہوتا ہے یا تخلیقی دور ترجمے کے دور کے بعد آتا ہے'۔ پاؤنڈ کی رائے میں ''اووڈ'' کا مترجم گولڈنگ اتنا بڑا شاعر ہے کہ اس کا مقابلہ ملٹن سے کیا جا سکتا ہے۔ پاؤنڈ نے آخری دَور میں لکھا تھا:

'اووڈ کے ہاں عظیم حکمت ملتی ہے۔'

1934ء میں راپالو سے ایک مراسلہ نگار کو پڑھنے کے لئے کتابوں کے نام بتاتے ہوئے اُس نے لکھا:

''انگریزی زبان و ادب کا کوئی شعبہ بھی اس کتاب کے بغیر ایک پاکھنڈ ہے''۔

بقول ولیم وین اوکونر:

> ''وہ گولڈنگ کے ترجمے کو ملٹن کی لاطینی کی تحقیر کے لئے استعمال کرتا ہے۔ وہ گولڈنگ کے 'ہمعصر روزمرہ' کا مقابلہ ملٹن کے 'مبہم' اور پُرشکوہ الفاظ' سے کرتا ہے۔ اس کے نزدیک ترجمے کا معیار اس لئے گر گیا کہ مترجمین نے اصل کتب کے نفسِ مضمون سے دلچسپی لینا چھوڑ دی''۔

(Ezra Pound, University of Minnesota Press, Minneapolis U.S.A. 1963)

جبکہ خود ولیم وین اوکونر کے خیال میں گولڈنگ کے ترجمے میں اگر کوئی کشش ہے تو اُس کے بھولپن اور سادگی کی بدولت ہے۔ اگر گولڈنگ عظمت سے محروم رہتا ہے، جیسا کہ ہوتا ہے، تو وہ پھر بھی جہاں تک ممکن ہو سکا ایک مشکل بحر سے بڑی عمدگی کے ساتھ عہدہ برا ہوا۔ ولیم وین اوکونر نے پاؤنڈ کے تراجم پر بات کرتے ہوئے بلیکر کا حوالہ دیا ہے۔ بلیکر کے نزدیک پاؤنڈ، پراپرٹیس کا ترجمہ نہیں کرتا، وہ اس کی باتوں کے انگریزی مترادفات پیش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر جب پراپرٹیس یہ لکھتا ہے کہ 'شعر کو یوں رواں ہونا چاہیے جیسے اُسے ایک نازک جھانوے سے ملائم کیا گیا ہو' تو پاؤنڈ لکھتا ہے:

> ہمارے جھانوؤں کو تیار رہنا چاہیے۔' یا جب پراپرٹیس کہتا ہے کہ: 'فنونِ لطیفہ کی دیویوں کے معبد کا راستہ تنگ ہے' تو پاؤنڈ لکھتا ہے؟ 'فنونِ لطیفہ کی دیویوں کے معبد کو کوئی شاہراہ نہیں جاتی'۔

ایسا کیوں ہے؟ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ ایزرا پاؤنڈ، فینولوسا کی کتاب 'Chinese Written Character as Medium of Poetry' کا پروردہ مترجم تھا۔ لیکن پاؤنڈ کے یہ ترجمے امریکی ناقد اور مترجم پروفیسر یپ (Yep) کو ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ اُس نے 'Cathy' کی مذمت میں ایک کتاب لکھ ماری ہے اور کہتا ہے کہ پاؤنڈ بددیانت مترجم تھا۔ یپ نے پاؤنڈ کو چینی زبان سے نابلد قرار دیا ہے۔ پروفیسر یپ نے انہی نظموں کو دوبارہ ترجمہ بھی کیا ہے جنہیں پاؤنڈ پہلے ترجمہ کر چکا تھا۔ بہت ممکن ہے یپ کے ترجمے پاؤنڈ کی نسبت زیادہ درست ہوں لیکن یہ بات سب مانتے ہیں کہ یپ کے ترجمے پھسپھسے اور شعریت سے یکسر عاری ہیں اور اسی میں پاؤنڈ کی عظمت کا راز ہے۔

ایس۔ آرتھر ویلی (1889۔ 1966ء) کا نام بھی مشرقی ادب (خصوصاً چینی اور جاپانی ادب) کو مغربی ادبی دنیا سے متعارف کروانے والوں میں نمایاں ہے۔ اس نے چینی شاعر Ch'u Yuan کے علاوہ لاتعداد چینی شعراء کی 170 نظموں کے تراجم کئے۔ Ch'u Yuan کی طویل نظم 'The Great Summons' کے ترجمہ کو آج بھی اہم مانا جاتا ہے۔

("More translations from Chinese." by Arthur Waley Messrs, George Allen & Unwin, Ltd)

نثری تراجم کی دنیا میں اس کا سب سے بڑا کارنامہ 1000ء کی مادام موراساکی (Lady Murasaki Shikibu) کے جاپانی قصے 'The Tale of Genji' کا ترجمہ (تقریباً ایک ہزار صفحات) ہے، جو بقول ایڈورڈ جی۔ سائیڈن سٹیکر

(Ed-ward G. Scidensticker)

'جاپانی ادب کا عالیٰ ترین رومانی نثری کارنامہ ہے'۔

ایڈورڈ جی۔سائیڈن سٹیکر نے آرتھر ویلی کے ترجمے کی خرابیاں بھی گنوائی ہیں۔ اس کے بقول آرتھر ویلی نے بعض ابواب (خصوصاً 38 واں باب) کا ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ تلخیص کر دی ہے۔ اس ذیل میں سائیڈن سٹیکر لکھتا ہے:

The fact remains that the Waley translation is very free. He cuts and expurgates very boldly.

("The Tale of Genji" کے دیباچے سے اقتباس)

یوں سائیڈن سٹیکر کے خیال میں آرتھر ویلی کی حیثیت برطانوی مترجم خاتون کونسٹنس گارنٹ (Constance Garnett) کی طرح ہے جس نے تقریباً سارا روسی ادب انگریزی دنیا سے متعارف کروایا لیکن اس کے ترجمے غلط سلط تھے اور اب اس کے کام کی حیثیت محض تاریخی ہے۔ اس کے بعد سائیڈن سٹیکر نے اسی ناول کا نیا ترجمہ کر دیا۔

لیکن کیا کیجئے کہ ولیم وین اوکونر نے جب ان تین عظیم مترجمین (یعنی فینولوسا، ایزرا پاؤنڈ اور آرتھر ویلی) کا موازنہ کیا تو یہ بھی لکھا ہے کہ:

"مائنر کے بقول آرتھر ویلی کے 'جاپان کے نوہ ڈرامے' مستند اور عالمانہ ترجمے ہیں، جبکہ پاؤنڈ اور فینولوسا کی تالیف (مراد "Cathy") اکثر مقامات پر عالمانہ نظر نہیں آتی اور تاریخی سیاق وسباق کی غلط تفہیم پر مبنی ہے البتہ اس میں کبھی کبھار خوبصورت اقتباسات بھی آ جاتے ہیں۔("Ezra Pound" یونیورسٹی آف مِنی سوٹا، امریکہ)

سوچا چلا کہ اپنی مخصوص حد بندیوں میں ترجمہ تخلیق بھی ہے اور اُس سے جداگانہ طریقہ کار کا حامل عمل بھی۔ اس میں متبادل اور مترادف الفاظ کی تلاش بھی کی جاتی ہے اور اصل متن کے بطون کی غواصی بھی۔ یوں وہ انجان زبان (اور تہذیب) کے منطقوں میں قاری کی راہنمائی بھی کرتا ہے اور اُس کی انگلی تھام کر بھی چلتا ہے۔

اُردو میں ترجمے کے بنیادی اصول

ترجمہ کے فن، اقسام، مشکلات اور مترجم کی اہلیت پر بحث کے بعد اردو میں انگریزی سے ترجمے کے جو بنیادی اصول وضع کیے جا سکتے ہیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ ہر انگریزی لفظ کے لئے ایک ہی لفظ کا چناؤ کیا جائے۔ بشرطیکہ انگریزی الفاظ 'وزن اضافی' کے حامل نہ ہوں یعنی انگریزی لفظ کے ایک سے زائد معنی نہ ہوں۔ مثلاً انگریزی لفظ 'ڈیفنس' کے لئے اردو میں دفاع، حفاظت اور تحفظ تین الفاظ برتے جاتے ہیں۔ جبکہ لفظ 'دفاع' میں 'ڈیفنس' کے تمام تر معنی موجود ہیں اس لئے 'دفاع' کو رائج کرنا بہتر ہوگا۔ لیکن یہاں بھی احتیاط کی ضرورت ہے، انگریزی لفظ 'ایوارڈ' کا ترجمہ عطیہ بھی ہوسکتا ہے اور 'فیصلہ' بھی۔ لیکن 'عطیہ' اس وقت لکھیں گے جب مفہوم رقمی ہو اور 'فیصلہ' اس وقت جب مفہوم ثالثی ہو۔

2۔ کسی انگریزی لفظ کا اردو متبادل جہاں تک ممکن ہو اس قسم کا لفظ منتخب کریں جس سے مشتقات وضع ہو سکیں مثلاً 'ایڈمنسٹریشن' کا ترجمہ 'انتظام' ہوسکتا ہے۔ اس سے ہم تنظیم، انتظامی، منتظم، انتظامیہ اور تنظیمی وغیرہ الفاظ مشتق کر سکتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمیں بعض مقامات پر انگریزی الفاظ کے لئے مختلف اور متبادل معنویت کے الفاظ مخصوص کرنے پڑتے ہیں مثلاً

’آرگنائزیشن‘ کے لئے ’تنظیم‘ اور ’منیجر‘ کے لئے ’منتظم‘۔ نیز اس بات کا خیال رکھنا پڑے گا کہ انگریزی لفظ کے ترجمہ اور اس کے مشتقات کے معنی ایک ہی ہوں۔ مثلاً اگر ہم ’ڈیفنس‘ کے لئے ’دفاع‘ کا لفظ رکھیں تو ’ڈیفنس ایریا‘ کے لئے ’مدفوعہ علاقہ‘ ہونا چاہیے نہ کہ ’حفاظتی علاقہ‘۔

3۔ وضع اصطلاحات کے ساتھ ساتھ تعین اصطلاحات اور اصطلاحات کو مروج کرنے کا جتن انتہائی ضروری ہے جبکہ ہمارے ہاں ایک انگریزی اصطلاح کے مقابلے میں درجنوں اصطلاحات کا چلن ہے۔ اسکول کی سطح پر نصابی کتب میں اصطلاحات کچھ ہیں اور کالج کی سطح پر کچھ، جبکہ یونیورسٹیوں کے نصاب میں طالب العلم کو ایک بار پھر نئی اصطلاحات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

یوں ایک معیاری سائنسی لغت کی ضرورت ایک عرصے سے محسوس کی جا رہی ہے۔ مناسب ہوگا کہ یہ کام مقتدرہ قومی زبان جیسا ادارہ کرے، جو پاکستان بھر کے حکومتی اداروں میں اس معیاری لغت کو نافذ کرنے میں بااختیار بھی ہو۔

معیاری سائنسی لغت نہ ہونے کے باعث ہوا یہ کہ انگریزی اصطلاح ’واچ گلاس‘ کا ترجمہ کرتے ہوئے اُسے ’گھڑی شیشہ‘ کر دیا گیا۔ جبکہ ’واچ گلاس‘ محض ایک پرکھنے کا شیشہ ہے، اس میں گھڑی قسم کی کوئی شے نہیں ہوتی۔ اسی طرح ’مکسچر‘ کا ترجمہ ’آمیزش‘ کیا گیا جو درست نہیں۔

لغت میں ’ایٹم بم‘ کا ترجمہ ’جوہری بم‘ ملتا ہے، جو آدھا تو ترجمہ ہے اور آدھا جوں کا توں رکھ دیا گیا۔ ایٹم کا ترجمہ ’جوہر‘ کرنا بھی درست نہیں اس لئے کہ اس سے مشتقات وضع کرتے وقت ’جوہری‘ بنے گا، جس سے مشکلات بڑھیں گی۔ اس لئے مناسب تھا کہ ’ایٹم بم‘ کو اردو میں بھی ’ایٹم بم‘ ہی پڑھا اور لکھا جاتا۔

اسی طرح مضحکہ خیز ترجمے کی ایک مثال ’کاربوہائیڈریٹ‘ کا ترجمہ ہماری لغات میں ’شکر‘ ہے۔

4۔ انگریزی کی فنی اصطلاحات کا ترجمہ کرتے وقت یہ خیال رکھا جائے کہ اردو میں بھی وہ لفظ اصطلاح کی حیثیت رکھتا ہو نہ کی تشریح کی۔ کسی فنی اصطلاح کا مقصد اختصار ہے اور وہ بھی ایسا کہ معنویت سے لبریز ہو۔

5۔ اگر کوئی انگریزی اصطلاح اور اس کا اردو متبادل دونوں یکساں طور پر اردو میں مقبول ہوں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں کہ دونوں کو برتا جائے مثلاً مجلس اور کمیٹی وغیرہ۔

6۔ خواہ مخواہ وضع اصطلاحات کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے۔ اصطلاح کی جگہ ایسے موزوں مقامی بول چال کے الفاظ کو جگہ دی جا سکتی ہے جو خاصے مقبول اور عام فہم ہوں، بجائے اس کے کہ کوئی بھونڈی اور مصنوعی اصطلاح وضع کی جائے۔ مثلاً برسٹ آف فائر‘ کو ہمارے فوجی جوان ’چھٹا‘ کہتے ہیں پھر کیوں نہ مستعمل لفظ ہی رکھ لیا جائے۔ بقول جلیل قدوائی:

> ”اگر بعض انگریزی الفاظ استعمال میں آ کر ہماری زبان کا جزو بن چکے ہیں، جیسے ٹنکی، تو ان کے ترجمے کی خاص طور پر کیا ضرورت ہے؟ میں نے انجمن کی بڑی ڈکشنری (خود ڈکشنری بھی ایسا ہی لفظ ہے) کی نظرثانی کرتے وقت ایسے نہ جانے کتنے الفاظ رہنے دیے یا شامل کر دیئے، مثلاً ایروگرام، کسٹوڈین، ٹیلی ویژن، تھرمامیٹر، بلاؤز، بلاٹنگ پیپر، مین ہول، پٹی کوٹ، ایمبولینس، آٹوگراف، باڈی گارڈ، انجکشن، پلاسٹک وغیرہ اور اگر ضرورت نہ ہو تب بھی کر دیا جائے اور ترجمہ کیا بھی جائے تو غیر زبان کے مستعمل الفاظ بھی رہنے دیئے جائیں۔ یہ گویا تسلیم شدہ الفاظ میں ایک طرح کا اضافہ ہوگا جو کسی

طرح غیر مناسب نہ ہوگا۔ ان الفاظ کو نکال دینا اتنا ہی غیر فطری اور قابل اعتراض ہوگا جیسے ہندی والوں کی یہ ضد کہ اردو میں سے فارسی اور عربی کے آئے ہوئے اور برسوں کے مستعمل الفاظ کو چن چن کر خارج کر دیا جائے۔"

('مسائل و مباحث' مطبوعہ 'اخبار اردو' مقتدرہ قومی زبان، کراچی دسمبر 1982ء، ص24)

البتہ یہاں ضرورت اس اَمر کی ہے کہ اصطلاحوں کا چناؤ کرتے وقت سلینگو کی پہچان کر لی جائے۔ پھر جہاں تک سائنس کے مختلف شعبوں میں نئی انگریزی ٹرمنالوجی کا تعلق ہے تو وہاں وضع اصطلاحات غیر ضروری ہے۔ اس لئے کہ جدید عہد میں خصوصی مہارت کے شعبے بہت ہو گئے۔ جہاں تک سائنس کی بین الاقوامی اصطلاحات کا معاملہ ہے تو محض فزکس میں ایٹمی ذروں کے نام ہر ترقی یافتہ ملک میں اُسی طرح قبول کر لئے گئے جہاں وہ دریافت کیے گئے۔

7۔ مختصرات کا ترجمہ نہ کیا جائے بلکہ پورے لفظ کا ترجمہ اختیار کیا جائے مثلاً گورنمنٹ کے لئے انگریزی میں 'Govt.' اور لیفٹیننٹ کے لئے 'Lt.' لکھا جاتا ہے۔ لیکن ترجمہ کرتے وقت اُن کا ترجمہ مکمل صورت میں کیا جائے تاکہ معنی میں کسی بھی نوع کا اشتباہ نہ رہے۔

8۔ جہاں تک ممکن ہو ہندی اضافت اور حروف جار استعمال نہ کئے جائیں مثلاً 'ٹائم گلاس' کا ترجمہ 'ریت گھڑی'۔ بجائے اس کے 'ریت کی گھڑی' ترجمہ کیا جائے۔

9۔ اسمائے معرفہ

یہ دو قسم کے ہیں: (1) اسمائے اشخاص۔ (2) اسمائے مقامات۔

اسمائے اشخاص کے متعلق یہ اصول ہے کہ اصل زبان کے تلفظ کا اتباع ضروری نہیں بلکہ قطع و بُرید کے بعد اسے اپنی زبان میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ مثلاً Socretes, Ptolmy, Aristotles اور Plato بالترتیب ارسطو، بطلیموس، سقراط اور افلاطون کہیں گے۔

اس بات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ سب سے پہلے مترجم انگریزی اسمائے اشخاص کو ترجمہ کرتے وقت اس کا صحیح تلفظ معلوم کریں اور دیکھیں کہ ہماری زبان اُس تلفظ کی متحمل ہو سکتی ہے کہ نہیں۔ اگر ایسا ممکن ہے تو اصل تلفظ سے بڑھ کر کیا اچھائی ہوگی لیکن اگر ایسا ممکن نہیں تو قطع و برید میں تکلف نہ برتیں۔

انگریزی کے ایسے اسمائے اشخاص جو حروف کے اعتبار سے ثقیل ہیں مگر تلفظ کے اعتبار سے قابل قبول ہیں، ان کو اردو میں لیتے وقت ثقل دور کر دیا جائے مثلاً 'Vaghan' (واگھن) کی جگہ 'وان' اور Pugh (پگھ) کی جگہ 'پیو' کر لیا جائے تو ثقل بھی دور ہو جاتا ہے اور ترجمے سے وفاداری بھی قائم رہتی ہے۔

اب ایسے اسمائے اشخاص کو لیجئے جن کے اِملا و تلفظ میں کچھ فرق نہیں مگر ہماری زبان ان کے ثقل کی متحمل نہیں ہو سکتی مثلاً 'Aristotle' اس کا تلفظ انگریزی میں بھی یہی ہے اور اس میں جتنے حروف ہیں سب ضروری بھی ہیں۔ نہ کوئی زاید ہے نہ ساقط از آواز، مگر اردو میں آنے کی صلاحیت سے محروم ہے۔ قدیم عرب میں اسے 'ارسطاطالیس' کہا گیا اور اب صرف ارسطو رہ گیا۔ اسے اردو میں بھی بے تکلف برتا جا سکتا ہے۔ یہی حال 'Danial' کا ہے جو ذرا سے تصرف سے 'دانیال' بن گیا۔ اس سلسلے میں عربوں کی

پیروی کی جاسکتی ہے اور جوزف، جونز اور جیکب کو بالترتیب یوسف، یونس اور یعقوب کہا جاسکتا ہے۔

اسمائے مقامات

عربی دان حضرات جانتے ہیں کہ Mar-Seilles کا فصیح تلفظ کیا ہے اور Brussels کو کیا کہیں گے۔ مگر ہمارے ہاں 'مارسلیز' اور 'برسلز' ہی چلتا ہے جبکہ درست لفظ 'مارسیل' اور 'بروسیل' ہے۔ کیا یہ عجب نہیں کہ ہمارا بچہ 'روزیٹا' اور 'دیمیٹا' کے ناموں سے واقف ہے لیکن نہیں جانتے کہ یہ 'رشید' اور 'دمیات' کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ یہی معاملہ 'سوڈان' کا ہے۔ عربی میں اسود کے معنی سیاہ کے ہیں وہیں سے 'سودان' بنا تھا لیکن چونکہ انگریز 'ڈ' تو بول سکتے ہیں 'د' نہیں کہہ سکتے، سو 'سوڈان' بن گیا۔ ہمیں چاہیے کہ اس نوع کے اسمائے مقامات کو لکھتے وقت ذرا سا غور وفکر کرلیں۔

الفاظ سازی اور ازالۂ ثقل کے لئے 'وضع اصطلاحات' از وحید الدین سلیم آج بھی قابل تقلید ہے۔

اوّل اوّل جس کسی نے بھی 'انگلینڈ' کے لئے 'انگلستان' تراشا تھا، اس نے ایک سانچہ فراہم کر دیا تھا یعنی جن ملکوں کے اخیر میں 'لینڈ' ہے ان سب کا ترجمہ 'ستان' کیا جا سکتا تھا لیکن اس کی تقلید نہ کی گئی جو ضروری تھی۔۔ اس کی ایک اور صورت بھی ہے اور وہ یہ کہ اسکاٹ لینڈ کے لوگ 'اسکاچ' کہلاتے ہیں خیال آتا ہے کیوں نہ اسکاٹ لینڈ کی بجائے 'اسکاچستان' کرلیا جائے تاکہ ایک اصول کی پیروی ہو۔ اس طرح پولینڈ، 'پولستان' ہو جائے گا اور ہالینڈ 'ہالستان'۔ لیکن میرے خیال میں اب ہالینڈ اور پولینڈ، چل گیا۔ اُنہیں اسی طرح رہنے دیں۔

اسمائے نکرہ

اس سے متعلق لغت کی کتابیں اور الفاظ کی فرہنگیں ہمارے مددگار ثابت ہوسکتی ہیں، جو باقی رہ جائیں اُن کے لئے لفظ وضع کئے جاسکتے ہیں۔ البتہ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ مترجم وہی لفظ برتے جو سیاق کے لحاظ سے موزوں اور سباق کے اعتبار سے مناسب ہو۔ مثال کے طور پر انگریزی میں Line ہے۔ ڈاکٹر فیلن کی ڈکشنری میں اس کے معنی حسب ذیل ہیں:

1۔ رسّی، ڈور، دھاگہ۔

2۔ لکیر، خط، دھاری، ریکھا، جدول، کشش

3۔ (ریاضی) خط، لکیر، ریکھا

4۔ حد، مینڈ

5۔ جھری، شکن، خط و خال، مکھ ریکھا

لغت میں تو مرادفات موجود ہیں لیکن اس اُمر کا انحصار مترجم کے علم وفضل پر ہے کہ وہ صحیح لفظ کا انتخاب کرے۔

جہاں تک ایسے اسمائے نکرہ کا تعلق ہے جو اردو میں رچ بس گئے مثلاً کالر، اسکول، کالج، سگرٹ، سگار، ٹائی، بوٹ وغیرہ تو ان کے متعلق قطعاً کسی کد وکاوش کی ضرورت نہیں البتہ، اِسی طرح بولا اور لکھا جانا چاہیے۔ ہوائی جہاز کی جگہ عربی زبان کا لفظ 'طیارہ'

بہت مناسب سہی لیکن اردو میں رائج نہیں ہو سکا 'ہوائی جہاز' سہی۔ البتہ اس بات کا خیال رہے کہ اس معاملے میں انگریزی تلفظ کی تقلید جائز نہیں۔ ان الفاظ کو اسی صورت میں برتا جانا چاہیے جس صورت میں وہ اردو میں آئے۔

اب ایسے اسمائے نکرہ کی طرف آیئے جن کا اب تک اردو میں ترجمہ ممکن نہ ہو سکا۔ ایسے الفاظ کا مفہوم معلوم ہو جانے پر لفظ تراشی اور اصطلاح سازی کا کام آسان ہو سکتا ہے۔ اس کی بہترین مثالیں 'تحلیل نفسی' (از ڈاکٹر محمد اجمل) اور 'مغرب کے تنقیدی اصول' (از سجاد باقر رضوی) ہیں۔ ان کتابوں میں انگریزی الفاظ اور اصطلاحات کے صحیح مفہوم تک پہنچ کر لفظ سازی اور اصطلاح سازی کی گئی ہے۔

اسمائے نکرہ کے باب میں یہ بات قابل غور ہے کہ بعض اوقات اسمائے معرفہ، اسمائے نکرہ کے طور پر بھی برتے جاتے ہیں اور ان سے وہی معنی مراد لئے جاتے ہیں جو اسمائے نکرہ کی ذات میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اس صورت میں وہ اسمائے معرفہ نہیں بلکہ اسمائے صفات ہوتے ہیں مثلاً 'سنیل گواسکر ہندوستان کا ڈان بریڈ مین ہے'، یہاں ڈان بریڈ مین سے اعلیٰ درجے کا بلے باز مراد ہے۔

اس کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی تو یہ ہے کہ مشبہ بہ اس قدر معروف ہو کہ اردو داں حضرات اس سے واقف ہوں۔ ایسے اسمائے معرفہ کو لینے اور مشبہ بہ کے طور پر برتنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اردو کا قاری سمجھ جائے گا اور اس نوع کے اسمائے نکرہ کا وہی اثر قاری کے ذہن پر مرتب ہو گا جو مصنف چاہتا ہے۔ صورتِ ثانی یہ ہے کہ مشبہ بہ اردو داں طبقے کے لئے نامانوس ہو۔ اس صورت میں شرح کی ضرورت پیش آئے گی اور حاشیہ بنانا پڑے گا مثلاً اگر متن میں یہ ہو کہ 'راجندر سنگھ بیدی ہندوستان کے آئزک باشویز سنگر ہیں' تو یہاں یہودی النسل نوبل انعام یافتہ ادیب سنگر کے لئے حاشیہ ضروری ہو گا۔ اس لئے کہ ہمارے ہاں عمومی سطح پر سنگر کو بہت کم لوگ جانتے ہیں۔

اسمائے مادہ

جو اصول اسمائے نکرہ کے متعلق وضع کئے گئے ہیں اُن کا اطلاق یہاں بھی ممکن ہے۔ چونکہ اسمائے مادہ کا استعمال زیادہ تر علوم طبعی، تجارت اور صنعت و حرفت میں ہوتا ہے، اس لئے لازم ہے کہ مترجمین صنعتی اداروں میں عوامی سطح پر برتے جانے والے الفاظ و اصطلاحات پر نگاہ رکھیں اور دیکھیں کہ سیدھی سادی اور بے تکلف زبان میں یہ الفاظ کیوں کر برتے جاتے ہیں۔ یوں مترجم کو اپنے طور پر بہت کم تصرف کرنا پڑے گا۔ اس باب میں ہماری زبان مترجمین کی شرمندۂ احسان نہیں ہے بلکہ 'فلے نل' کو فلالین اور 'لین ٹرن' کو لالٹین بنانے والے عام ہندوستانی و پاکستانی مزدور ہیں۔

ہمارے ہاں کا معمولی اور ناخواندہ سپاہی 'Officer Commanding' کو 'کمان افسر' اور 'Barrack' کو 'بارک' کہتا ہے۔
جلیل قدوائی لکھتے ہیں:

> ''جس زمانے میں سید راس مسعود مرحوم، ناظم تعلیمات حیدرآباد دکن چند دن کے لئے دارالترجمہ کے کام کی راہِ راست نگرانی کر رہے تھے انہوں نے لفظ Water shed کے لئے علماء اور تجربہ کار مترجمین کی طرف سے ترجمہ کئے ہوئے لفظ 'فصیل آب' کو ناپسند کیا، اس لئے کہ وہ ثقیل تھا مگر انہیں یقین تھا کہ کوئی آسان مستعمل لفظ اس کے لئے

ہماری زبان میں ضرور موجود ہوگا۔ گویا معاملہ ترجمہ کرنے کا نہیں تھا مستعمل لفظ کو ڈھونڈ نکالنے کا تھا اور یہی ہوا۔ ایک بار وہ اپنے دورے پر ایک ایسے علاقہ سے گزرے جہاں لوگوں نے Water Shed کے لئے 'پنڈھال' کا لفظ بتا دیا۔ وہ چونک پڑے اور خوشی خوشی اس لفظ کو قبول کر لیا۔ کتنا اچھا اور پیارا مرکب لفظ تھا۔ Water کے لئے پانی کا 'پن' اور شیڈ کے لئے ڈھال۔ یہ واقعہ اس زبانی شہادت میں موجود ہے جوانہوں نے دیسی زبانوں کو ذریعہ تعلیم کے طور پر استعمال کرنے خصوصاً اردو کو عثمانیہ یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم بنانے کی حمایت میں فادر بلٹیز کمیشن کے سامنے اکتوبر 1924ء میں بمبئی میں دی تھی'۔

('مسائل و مباحث' مطبوعہ: اخبار اردو، مقتدرہ قومی زبان، کراچی دسمبر 1982ء ص: 25)

ہمارے لغت نویس اور فرہنگ نگار حضرات کا فرض بنتا ہے کہ وہ صناعوں، تاجروں، پیشہ وروں اور مزدوروں تک رسائی حاصل کریں اور ان کے پیشوں اور صنعتوں کی جزئیات دریافت کریں۔

کوئی وجہ نہیں کہ ہم بھی H.W.fowler کی 'Dictionary of modem English usage' کی طرز کی لغت نہ تیار کر پائیں۔

اسمائے مجموعہ

اس باب میں اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں کسی قسم کا اختلاف نہیں پایا جاتا۔ یہاں انگریزی کی عامیانہ تقلید بھی نبھ جاتی ہے۔ اسمائے مجموعہ (Collective Nouns) کی ایک شق 'Noun of Multitude' ایسی ہے جس میں ہمارے مترجمین سے اکثر لغزش ہو جاتی ہے۔ مثلاً انگریزی میں لفظ 'کمیٹی' جمع بھی ہے اور مفرد بھی۔ جب مفرد ہے تو Collective اسم، اسم مجموعہ کہلاتا ہے اور جب جمع ہے تو Noun of Multitude نام پاتا ہے۔ مگر اردو میں یہ لفظ ہمیشہ مفرد بولا جاتا ہے، کبھی جمع کے طور پر نہیں برتا جاتا۔ یہی باعث ہے کہ ہماری گرامر میں کوئی اصطلاح ایسی نہیں جو Noun of Multitude کا مفہوم ادا کر پائے اور شاید یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس کا ترجمہ کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ مثال:

کمیٹی کا اجلاس ہو رہا ہے 'The committee is sitting'

یہاں لفظ کمیٹی مفرد ہے۔ اور جب جمع ہوتا ہے تو یوں کہتے ہیں:

'The committee is divided in their opinion'

یعنی ارکان کمیٹی کی رائے میں اختلاف تھا، کمیٹی کے ممبر مختلف الرائے تھے۔ مگر یہ کبھی نہیں کہہ سکتے کہ کمیٹی اپنی رائے میں مختلف تھے۔ اس صورت میں ہم مجبور ہیں کہ ترجمے میں تصرف سے کام لیں اور لفظ 'ارکان' اپنی طرف سے بڑھائیں۔

واحد جمع

اردو میں دو قسم کی جمعیں مستعمل ہیں (1) فاعلی اور (2) غیر فاعلی یا جمع مغیری

1۔ جمع فاعلی وہ ہے جس کے بعد حروف مغیرہ میں سے کوئی حرف نہیں ہوتا۔

2۔ جمع غیر فاعلی یا جمع مغیری وہ ہے، جس کے اخیر میں حروفِ مغیرہ میں سے کوئی حرف ہوتا ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل حروفِ مغیرہ ہیں:
میں، سے، پر، تک، کا، کے، کو، پہ وغیرہ۔

جمع فاعلی کیسے بنایا جائے

1۔ جمع فاعلی بنانے سے پہلے یہ دیکھنا لازم ہے کہ وہ لفظ مذکر ہے یا مئونث۔

2۔ اگر وہ لفظ مذکر ہے تو یہ دیکھنا فرض ہے کہ اس کے آخر میں الف ہے کہ نہیں۔

3۔ اگر الف ہے تو ساقط ہو جائے گا اور اس کی جگہ یائے مجہول (ے) کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ مثلاً بیٹا سے بیٹے اور لڑکا سے لڑکے ہو جائے گا۔

4۔ اگر آخر میں الف نہیں ہے بلکہ کوئی اور حرف ہے تو وہ لفظ اپنی اصل صورت پر قائم رہے گا، اس میں کسی طرح کا تصرف جائز نہیں مثلاً مکان، پتھر، درخت، گھر، صندوق، آلو وغیرہ۔

اس قبیل کے الفاظ واحد اور جمع میں یکساں رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں کم و بیش ابہام رہتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ ابہام صرف الفاظ تک محدود رہے گا، فقرات میں باقی نہیں رہتا۔ فقرہ اس کی حیثیت (واحد یا جمع) کو واضح کر دیتا ہے۔ اس ابہام کا ازالہ کبھی اعداد و ضمائر کے ذریعے ہوتا ہے اور کبھی افعال و صفات کے ذریعے مثلاً

'آپ کا مکان' واحد اور 'آپ کے مکان' جمع یا ایک مکان واحد اور دو مکان جمع۔

ہمارے بیشتر مترجمین اس باب میں عربی اور فارسی کی کورانہ تقلید کرتے ہیں جو جائز نہیں۔

اب آیئے مئونث لفظ کی طرف۔ اگر اس کی جمع بنانی مقصود ہو تو:

1۔ یہ دیکھنا لازم ہے کہ اس کے آخر میں یائے معروف (ی) ہے کہ نہیں۔ اگر 'ی' ہے تو جمع 'اں' سے بنے گی مثلاً بیٹی سے بیٹیاں اور لڑکی سے لڑکیاں۔

یہاں بھی قدرے احتیاط کی ضرورت ہے بعض معروف مترجمین نے کرسی سے کرسیں لکھا ہے۔

اس باب میں اُن الفاظ پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے جو دیکھنے میں مؤنث اور حقیقت میں مذکر ہیں۔ یعنی اُن کے آخر میں یائے معروف (ی) موجود ہے مگر وہ ہیں مذکر۔ مثلاً

پانی، گھی، ہاتھی اور موتی وغیرہ۔ لازم ہے کہ ان الفاظ کو جمع بنانے کی صورت میں انہیں ان کی پہلی حالت میں رکھا جائے۔

2۔ اگر آخر میں 'ی' نہیں ہے تو 'یں' کا اضافہ کیا جائے گا مثلاً عورت سے عورتیں۔

جمع غیر فاعلی یا جمع مغیری کیسے بنایا جائے

اس کی واحد علامت (وں) ہوتی ہے مثلاً گھر کی جمع گھروں، میز کی میزوں اور دکان کی دکانوں۔ البتہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ جب واحد مذکر کے آخر میں 'الف' ہو تو وہ گر جائے گا مثلاً بیٹا سے بیٹوں اور لڑکا سے لڑکوں۔

خیال رہے کہ انگریزی کے اکثر الفاظ جمع میں برتے جاتے ہیں لیکن اردو میں ان کے مرادف الفاظ واحد کے طور پر مستعمل ہیں۔ اس صورت میں بھی مترجمین پر اردو کی پابندی لازم ہے۔ مثلاً Trousers کی جگہ پاجامہ (واحد) آئے گا اور Sicssors (جمع) کی جگہ قینچی (واحد) آئے گا۔

بعض اوقات انگریزی الفاظ واحد اور جمع مختلف معنوں میں برتے جاتے ہیں، یعنی کسی لفظ کے واحد میں جو معنی ہوتے ہیں وہ جمع میں باقی نہیں رہتے بلکہ اس سے یکسر مختلف ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں مترجم کو سیاق و سباق سے بصیرت حاصل کرنی چاہیے۔ مثلاً Good کے معنی ہیں عمدہ اور اچھا وغیرہ مگر Goods میں کہیں بھی عمدگی کا شائبہ تک نہیں اس کے معنی ہیں مال و اسباب۔ اس طرح Arm بازو اور Arms اسلحہ، Force قوت ہے اور Forces افواج۔

اس باب میں زیادہ احتیاط کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں واحد کے صرف ایک معنی ہوتے ہیں اور جمع کے ایک سے زائد۔ مثلاً معنی بعید معنی قریب جمع معنی واحد

محصول، درآمد، رسوم و رواج Customs رسم و رواج Custom (1)

اثاثہ، اثرات Effects اثر Effect (2)

عمارت، قضایا Premises قضیہ Premise (3)

انگریزی کے بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جن کے معنی واحد اور جمع ہر دو حالتوں میں ایک سے زیادہ ہوتے ہیں مثلاً

(1) باغ (2) سبب (3) تلچھٹ Grounds (1) زمین (2) سبب Ground (1) حروف (2) ادب (3) خطوط Letters (1) حرف (2) خط Letter (2)

انگریزی میں بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جن کے واحد میں ایک سے زائد معنی ہوتے ہیں اور جمع کی صورت میں صرف ایک معنی رہ جاتا ہے۔ مثلاً "Foot" کے معنی ہیں (1) پاؤں (2) پیدل فوج جبکہ جمع "Feet" کی صورت میں صرف 'پاؤں' رہ گیا۔ دیگر مثالیں دیکھیے:

جمع واحد

(1) گھوڑے Horses رسالہ (2) گھوڑا Horse (1) :

(1) اقوام Peoples لوگ (2) قوم People (2) :

(1) سفوف Powders سفوف (2) بارود Powder (3) :

تذکیر و تانیث

اردو زبان میں لفظی سطح پر صرف دو جنسیں ہیں (1) مذکر (2) مؤنث۔ ہمارے ہاں کوئی جنس نہیں جسے 'مخنث' کہا جائے اور جسے مردہ یا بے جان چیزوں کے اظہار میں برتا جا سکے۔ جبکہ انگریزی میں ایسا ہے۔ سو اردو میں اس کے نہ ہونے سے ہمارے مترجمین کو اس قدر دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ توبہ ہی بھلی۔

پھر اس باب میں خود اردو زبان کی سطح پر اس قدر اختلاف ہیں کہ اتحاد و اتفاق کسی طور ممکن ہی نہیں۔ ایک لفظ دتی میں مذکر اور لکھنؤ میں مؤنث بولا جاتا ہے اور دوسرا ہے کہ لکھنؤ میں مذکر ہے اور دتی میں مؤنث۔ دتی اور لکھنؤ دونوں زبان کے مراکز ہیں۔ دُور افتادہ لوگ حیران ہیں کہ کس کی تقلید کریں اور کس کی نہ کریں۔

ان حالات میں مترجم کی کوشش یہی ہونی چاہیے کہ زبان کے مراکز کی حتی الامکان تقلید کریں، تاکہ مصنف کے علاقائی پس منظر میں تخلیق کو سمجھا جا سکے۔

بسا اوقات انگریزی زبان میں بے جان چیزوں سے اس طرح خطاب کیا جاتا ہے گویا وہ زندہ ہوں اور اس حالت میں انگلستان کے فصحا نے یہاں تک کیا ہے کہ انہیں مخنث نہیں رہنے دیا بلکہ حسب موقع مذکر یا مونث بنا دیا ہے۔ ولیم شیکسپیئر نے موت اور خواب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے: 'اے موت' 'اے خواب!' وغیرہ اگر یہ انداز بیان اردو کے اصولوں کے خلاف ہو تو انگریزی کی نہیں اردو کی تقلید فرض ہے۔ مثلاً انگریزی میں 'موت' مذکر ہے اور اس کے افعال و صفات سب مذکر ہیں مگر اردو میں موت، مؤنث ہے اور اس کے متعلقات بھی مؤنث رہیں گے۔

اندازِ بیان کا فرق

انگریزی زبان کے انداز بیان کو دیکھیں تو اس کی دو صورتیں ہیں:

(1)Direct اور (2)Indirect

جبکہ اُردو میں صرف ایک اندازِ بیان Direct ہی مروّج ہے۔ اس ضمن میں اجتہاد کی ضرورت محسوس کی گئی ہے لیکن یہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ ستاں دال کے ناول 'سرخ و سیاہ' اور گستاؤ فلابیئر کے ناول 'مادام بواری' کو ترجمہ کرتے وقت محمد حسن عسکری نے نئے اسلوبی سانچے وضع کرنے کی کوشش کی ہے جو قابل ستائش ہے، لیکن اس نوع کا کام بہت کم ہوا ہے۔

اس لئے پہلے مرحلے پر ہمیں یہی کوشش کرنی چاہیے کہ Direct اندازِ بیان کو ہی اپنائیں اور Indirect طریقۂ کار میں غلط ترجمہ کرنے سے بچیں۔ اس کی صورت یوں ہوگی۔

Direct:

Akber said "I am ill"

Hamid Said to me "I am ill."

He said to him, "where are you going."

Indirect:

Akbar said that he was ill.

Hamid told me that he was ill.

He enquired of him where he was going.

اردو ترجمہ

اکبر نے کہا میں بیمار ہوں۔

حامد نے مجھ سے کہا کہ میں بیمار ہوں۔

اس نے اس سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو۔

ترجمے کی بندشیں

مندرجہ بالا اصولوں کی پابندی کے باوجود یہ ضروری نہیں کہ ہم لازماً بہترین ترجمہ کر پائیں۔ ہمیں بعض جگہوں پر چند دیگر سوالوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر:

1۔ جہاں اصل عبارت کا مفہوم صاف نہ ہو، اصل متن کی عبارت الجھی ہوئی ہو اور ایک کی بجائے کئی معنی دے رہی ہو تو مترجم کا کیا فرض بنتا ہے؟

2۔ کیا وہ بھی اس نوع کی بُنت کرے کہ ترجمہ کئی معنی دے؟

3۔ کیا مترجم کو حق حاصل ہے کہ اپنی طرف سے چند اضافوں کے ساتھ مطلب کو صاف کر دے؟

ایسی صورتوں میں مختلف مترجمین نے ایک سے زائد طریقہ ہائے کار برتے ہیں اور اُن میں سے کوئی ایک صورت مسئلے کا آخری حل نہیں۔ اس باب میں ظ۔ انصاری رقمطراز ہیں:

''ایسی صورتوں کا حل بڑی حد تک اس موضوع پر، موضوع کے اُس حصے پر اور اصل مصنف کے بیان پر منحصر ہے۔

1۔ ممکن ہے عبارت کا اصل مفہوم اس لئے صاف نہ ہو کہ مصنف کی بیانیہ کمزوری سے وہ الجھا رہ گیا ہو۔ اگر مصنف کو قدرت ہوتی یا اسے معلوم ہوتا کہ فلاں جگہ اس کی عبارت گنجلک ہے تو وہ اسے زیادہ وضاحت اور سلاست کے ساتھ بیان کرتا۔ اگر یہ صورت نظر آئے تو ترجمہ کرنے والے کی قابلیت اس میں ہے کہ ترجمے میں اپنی طرف سے کچھ الفاظ کا یا اندازِ بیان کا اضافہ کر کے انہیں ایسے لکھے کہ عبارت سلجھ جائے۔

2۔ ممکن ہے اس مقام پر عبارت کو گنجلک رکھنے کا کوئی خاص مقصد ہو۔ بعض موقعوں پر یہ بات ضروری ہوتی ہے۔ خاص طور پر شاعری میں ایسے مقامات آتے ہیں جہاں پر نکتے کو سلجھانا ضروری نہیں ہوتا۔ آرٹ میں بعض جگہ تاریک گوشے اصل مقصد کو نمایاں کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں یا بعض جگہ ہلکے سے پردے کسی مجبوری کی وجہ سے ڈال دیئے جاتے ہیں۔ صاف بات اگر کہی جائے تو اسے پڑھنے والوں کی سوجھ بوجھ برداشت نہیں کرے گی، یا حکومت برداشت نہیں کرے گی یا مذہبی اور اخلاقی ادارے چراغ پا ہو جائیں گے یا بیان کے حسن میں فرق آ جائے گا اور لذت کم ہو جائے گی۔ ان وجہوں سے بھی یہ ہو سکتا ہے کہ اصل مصنف نے اپنی عبارت کو کسی قدر ڈھکا چھپا رہنے دیا ہو۔ ایسے مقامات کا اور مصنف کے اس مقصد کا اندازہ لگا لینا ترجمہ کرنے والے کے دل و دماغ اور اچھی صلاحیت پر منحصر ہے۔ اگر وہ اسے پا لیتا ہے کہ یہاں عبارت کو اور زیادہ واضح کرنے اور عام فہم بنا دینے سے اصل عبارت کی وہ ادائے حجاب جاتی رہے گی جو مصنف کا منشاء ہے تو اسے مصنف کے منشاء

کی پابندی کرنی چاہیے اور عبارت کو جوں کا توں اپنی زبان میں منتقل کرنا چاہیے۔

3۔ اب اگر کہیں مترجم دیکھتا ہے کہ اصل عبارت میں فلاں حصہ ایسا ہے کہ اس کے کئی معانی نکل سکتے ہیں تو اسے سوچنا ہوگا کہ مصنف خود اس مقام پر کئی معانی پیدا کرنا چاہتا تھا، وہ ایک رنگ میں کئی ہلکے ہلکے رنگوں کی آمیزش رکھنا چاہتا تھا یا اس کے ذہن میں اپنا ایک مفہوم تھا اور وہ لفظ یا جملہ ایسا لکھ گیا جس سے بیک وقت کئی شعاعیں پھوٹتی ہیں اور بیان کی یک رنگی یا وضاحت میں حائل ہوتی ہیں۔ یہاں پھر مصنف کے منشاء کی پابندی کرنی ہوگی۔ اگر پہلی صورت ہے تو اسے اپنی زبان میں ترجمے کے لئے ویسا ہی لفظ یا ویسا ہی محاورہ ڈھونڈنا ہوگا جو کئی کئی معانی کی طرف اشارہ کرتا ہو اور اگر دوسری صورت ہے تو اسے اصل عبارت کی حدود سے آگے بڑھ کر ایسا لفظ تراشنا ہوگا جو چاہے لفظی ترجمہ ہو یا نہ ہو، لیکن اس ایک مفہوم کے لئے سب سے زیادہ جامع اور مانع وہی ہو، اسے اپنے ترجمے میں اصل کی عبارت یا جملے سے باقی تمام مفہوموں کو راستے سے ہٹانا ہوگا اور صرف ایک کو آگے بڑھانا ہوگا۔ (ترجمے کے بنیادی اصول، مطبوعہ ادب لطیف، لاہور، اگست 1953ء)

آخری بات یہ ہے کہ یہ تمام تر مترجم کے سلیقے پر موقوف ہے کہ وہ اصل متن کو کس طرح اپنائے۔ بعض اوقات صورت معنی سے دست و گریبان ہوتی ہے اور معنی روح، ذوق یا لب ولہجہ سے الجھ پڑتے ہیں۔ ایسے میں مترجم کو تخلیقی سطح کی سوجھ بوجھ سے کام لینا پڑتا ہے، مجبوراً ذاتی عناصر کو شامل کرنا پڑتا ہے۔

ایسی صورت میں ممکن ہے کہ مترجم کی اپنی طرز ادا اور اسلوب تحریر نمایاں ہونے لگے۔ اس میں احتیاط لازم ہے۔ لیکن جہاں تک اس نے سرِ تسلیم خم کیا ہے اور مندرجہ بالا مجبوریوں کی بنا پر اس کی اپنی اہمیت یا شخصیت ترجمے میں جاگی ہے تو یہ اس کا حق ہے۔ اس لئے کہ وہ محض نقال نہیں بلکہ مصنف کا ہمنوا، ہم مشرب اور حریف بھی ہے۔

ہندوستان میں ترجمے کی قدیم روایت

تمدنی، تہذیبی اور سیاسی صورت حال:

ہندوستان میں مغربی اقوام کی آمد کے ساتھ تہذیبی، مذہبی، لسانی اور سیاسی مجادلے کے باب میں تین تاریخیں یادگار رہیں گی:

27 / مئی 1498ء

31 / دسمبر 1600ء

یکم نومبر 1858ء

27 / مئی 1498ء کی تاریخ کا وہ ایک لمحہ ہندوستان کی مشرقیت، سیاسی سوجھ بوجھ، معاشی منصوبہ بندی اور تہذیبی منطقے کے لئے ایک چیلنج بن گیا جب پرتگالی، جہازران واسکوڈے گاما کی قیادت میں مالابار کے ساحلی علاقے پر پہلی بار لنگر انداز ہوئے۔ یہ بات اپنی جگہ ہے کہ واسکوڈے گاما کو محض سال بھر ہی کی مختصر مدت کے بعد واپس پرتگال پلٹنا پڑا۔ لیکن اُس کے بعد کالی کٹ کی بندرگاہ پر یکے بعد دیگرے مختلف مغربی اقوام کا جمگھٹا رہنے لگا۔ پرتگالی عرب تاجروں سے مقابلے/ مسابقت کی ٹھان کر Alvarez Cabral (ستمبر 1500ء) اور Alphonso Albuquerque کی راہنمائی میں ہندوستان آتے رہے لیکن 1505ء تک انہیں تجارتی مقاصد میں کامیابی نصیب نہ ہوسکی۔ یہاں تک کہ اولین پرتگالی وائسرائے Francisco Almeida ہندوستان آیا۔

(A History of India' by J.H. Gense, s.t.Macmillan and co, st. Martins street London. 1944-25.p.)

پرتگالیوں کی اس پیش قدمی کو کالی کٹ کے ہندو راجہ زمورن نے تجارتی تعلقات کی کھڑاؤں دے کر مزید آسان بنا دیا تھا، اور یوں پرتگالی، ریاست بیجاپور کی اہم بندرگاہ گوا پر قابض ہونے کے بعد دمن، دیو، بسین، چول، سالیسٹ، بمبئے اور ہگلی تک آگے بڑھ آئے۔ ہندوستان میں مغربی زبانوں کے تراجم کی ابتداء کا بھی یہی زمانہ ہے۔ پرتگالیوں کو بائبل کے تراجم کے معاملے میں اوّلیت حاصل ہے۔ انہوں نے گوا میں اپنا چھاپہ خانہ قائم کر کے وہیں سے بائبل کا اولین بنگالی ترجمہ شائع کیا، جس کی اپنی تاریخی اہمیت ہے۔

16ویں صدی عیسوی کے اختتام تک مغل شہزادگان نے حج و زیارات کے لئے پرتگالی جہازوں پر ہی سفر کیا، جو تجارتی سامان کے لبادے میں مغربی ریشہ دوانیوں کو ہندوستان کے ساحلوں تک لائے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب انگریزوں کی آمد سے پہلے ڈنمارک اور فرانس کے تاجروں نے بھی ہندوستان میں تجارت کے ساتھ سیاسی اختیار حاصل کرنے کے خواب دیکھے۔

31 دسمبر 1600ء کا دن، جب انگریز تاجروں نے ملکہ برطانیہ الزبتھ اوّل سے ہندوستان میں تجارت کرنے کا فرمان حاصل کیا اور لندن میں ایسٹ انڈیا کمپنی قائم ہوئی۔ کمپنی کا نمائندہ کپتان ہاکنس 1608ء میں ہندوستان آیا اور جہانگیر کے دربار میں حاضری دی۔ اس کے بعد کمپنی کے نمائندوں نے مسلسل پانچ سال بادشاہ وقت (جہانگیر) کو اس بات پر قائل کرنے کے لئے صرف کئے کہ تجارتی لین دین کے لئے لازم ہے کہ ہندوستان کی سرزمین پر کمپنی کا باقاعدہ دفتر بھی ہو۔ بالآخر کپتان ہاکنس کی کوششوں کے ساتھ 1608ء میں سورت کے مقام پر تجارتی کوٹھی کھولنا منظور ہوا۔ دوسری تجارتی کوٹھی کی منظوری سرٹامس رُو نے 1615ء میں حاصل کی اس کے بعد احمد آباد، آگرہ، لکھنؤ، بھڑوچ، مسولی پٹم، ہگلی، قاسم بازار پٹنہ اور مدراس میں بھی کمپنی کے دفاتر قائم ہوئے۔ مدراس تک پہنچ کر کمپنی بہادر صرف تجارتی کمپنی نہیں رہ گئی تھی بلکہ اب وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک سیاسی تنظیم تھی۔ کمپنی نے مدراس شہر 1440ء میں آباد کیا اور اپنا پہلا قلعہ، سینٹ جارج، تعمیر کیا۔ 1661ء میں چارلس دوم کی شادی پرتگالی شہزادی سے ہوئی تو بمبئے کا تمام علاقہ بطور جہیز انگلستان کے قبضے میں چلا گیا، جو حکومت برطانیہ نے 1668ء میں کمپنی کی تحویل میں دے دیا۔

یہ اورنگ زیب عالمگیر کا آخری زمانہ تھا اور مرکزی حکومت صوبائی سطح پر خودمختار حکومتوں کی پھیلائی ہوئی بدنظمیوں کا شکار ہو چلی تھیں۔ 1669ء میں سورت کے گورنر سر جارج آک زندن نے کمپنی کے سرکردہ کارکنوں کو مشورہ دیا تھا کہ:

''حالات کا اب یہی تقاضا ہے کہ آپ تجارت کا انتظام بزور شمشیر کریں''۔

اور کمپنی نے اس تجویز پر عمل کرتے ہوئے 1687ء میں مدراس کے گورنر کو لکھا تھا کہ:

''ایسی سول اور فوجی حکومت قائم کی جائے اور دونوں شعبوں کی کفالت کے لئے اتنی آمدنی کا بندوبست کیا جائے جو ہندوستان میں ایک وسیع اور پائیدار برطانوی مقبوضے کی بنیاد بن سکے۔'' ('نوید فکر' از سبط حسن۔ دانیال پبلشرز کراچی 1983ء ص 127)

واضح رہے کہ یہ یادداشت اس زمانے کی ہے جب شہنشاہ اورنگزیب مدراس سے چند سو میل کے فاصلے پر دکن فتح کرنے میں مصروف تھا اور مغلیہ سلطنت بظاہر متحد و مستحکم دکھائی دیتی تھی۔

اس واقعہ کے صرف 78 برس بعد یعنی پلاسی اور بکسر کی فیصلہ کن لڑائیوں کے نتیجہ کے طور پر 1765ء میں شاہ عالم ثانی (1759ء۔ 1806ء) نے شاہی فرمان کے ذریعے چند شرائط کے ساتھ بنگال، بہار اور اڑیسہ کے صوبوں کے دیوانی اختیارات باقاعدہ طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کو سونپ دیئے۔

طے شدہ شرائط میں سے ایک چیدہ شرط یہ تھی کہ کمپنی بہادر تینوں صوبوں میں دفتری زبان فارسی ہی رکھے گی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ گورنر کلکتہ وارن ہیسٹنگز (1774ء۔ 1775ء) کو جب سرکاری ملازمتوں کے سلسلے میں تعلیم یافتہ مسلمانوں کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے اپنی یادداشت میں لکھا:

''ہماری منشا ہے کہ دیوانی اور فوجداری نوعیت کی اہم اسامیوں تیز پولیس کے (نمایاں) عہدوں پر مسلمانوں کو مقرر کریں۔ یہ فرائض عربی اور فارسی زبانوں اور اسلامی قوانین کی جامع و مانع لیاقت ہی سے ادا ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ علوم اور علماء رفتہ رفتہ ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔

"Muslim religious education in Indo-Pakistan Islamic Studies"

از: ڈاکٹر ضیاء الحق۔ مطبوعہ اسلام آباد 1975ء ص 279)

انہی وجوہات کی بنا پر وارن ہیسٹنگز نے ہمدردانہ بجٹ پالیسی اختیار کرنے، عوام کو قانونی تحفظات دینے اور شہزادگان کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ 1781ء میں مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کی بنیاد رکھی۔ یہ اقدام برطانوی طرز حکومت اور ہندوستانی طرز معاشرت میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے سلسلے میں نقش اوّل ہے۔ اس کے ٹھیک تین سال بعد سر ولیم جونز نے 1784ء میں ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال قائم کی۔ (وہ ماہر لسانیات اور سپریم کورٹ کلکتہ کا جج تھا۔ 1783ء میں ہندوستان آیا اور 47 برس کی عمر میں یہیں وفات پائی۔)

وارن ہیسٹنگز اور سر ولیم جونز (و دیگر انگریزی مستشرقین) کی ہندوستانی زبانوں (خصوصاً بنگالی اور اردو) اور مشرقی علوم سے دلچسپی محض ایسٹ انڈیا کمپنی کی سیاسی اور انتظامی ضرورتوں کا تقاضا نہ تھی بلکہ یہ دلچسپی 18ویں صدی عیسوی کے متلون مزاج عہد میں اہل مغرب کا مزاج بن چکی تھی۔ پرتگالی، برطانوی اور فرانسیسی تجارتی کمپنیوں کے تذکروں، ہندوستان کے سفرناموں اور مشرقی منڈیوں کی تلاش میں نکلے ہوئے تجارتی قافلوں کی داستانوں نے ہندوستان کو مغرب میں 'سونے کی چڑیا' اور 'پراسرار تہذیبی خزینہ' مشہور کر دیا تھا۔

یہی سبب ہے کہ سیرام پور کے مسیحی مشن، فارسی کی تقلید میں گوئٹے کے 'دیوان' لارڈ بائرن اور ولیم بلیک کی نظموں، سونفٹ کے 'گلیور کا سفر' شیلے کی 'سلام کی بغاوت' رابن سن کروسو کے انوکھے تجربات، والٹیئر کے فسانے، عمر خیام کے تراجم، ویمبراں اور گویا کی مصوری میں مشرقیت کے عمل دخل سے لے کر رڈیارڈ کپلنگ اور جان ماسٹرز تک۔ حتیٰ کہ رابندر ناتھ ٹیگور کی عالمگیر مقبولیت تک میں یہی مشرق زدہ ذہنیت کارفرما نظر آتی ہے۔

اس کے برعکس چارلس گرانٹ جیسے کمپنی کے زعما ہندوستانیوں کو انگریزی زبان سکھانے پر بھی مصر رہے۔ چارلس گرانٹ کے خیال میں ہندوستان کے باسیوں کی جہالت اور لاعلمی انگریزی تعلیم کے ذریعے دور کی جا سکتی تھی یا یوں کہنا چاہیے کہ اس کے خیال میں انگریزی زبان کی معرفت ہندوستانیوں کو تابع فرمان بنایا جا سکتا تھا۔ لیکن اُس زمانے میں اُس کی یہ آواز کمپنی کے زعما نے ردّ کر دی۔

چارلس گرانٹ کی خواہش آگرہ اور دہلی کی فتح کے بعد اُس وقت بار آور ہوئی جب خود کمپنی بہادر نے نواب غازی الدین کے 1792ء میں قائم کردہ ایک مدرسے کو 1825ء میں 'دہلی کالج' میں بدل دیا۔ بقول ڈاکٹر مولوی عبدالحق دہلی کالج میں انگریزی زبان کا شعبہ کھلنے سے ''لوگوں میں بڑی بے چینی پھیلی اور ہندو مسلمان دونوں نے اس کی مخالفت کی۔ دین دار بزرگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ ہمارے نوجوانوں کے مذہب بگاڑنے اور اندر ہی اندر عیسائی مذہب کے پھیلانے کی ترکیب ہے۔''

('مرحوم دہلی کالج' ص نمبر 15)

یہی وہ خدشات تھے جو 1857ء کی جنگ آزادی کا باعث بنے۔

میرٹھ، دہلی، کانپور اور لکھنؤ میں جب ہندو سپاہیوں نے گائے کی چربی منڈھے کارتوس کو دانتوں سے چبانے سے انکار کیا تو مسلمان سپاہی کے کان میں چپکے چپکے کوئی سرگوشی کرتا تھا کہ یہ چربی سُور کی بھی ہو سکتی ہے۔ بہت ممکن ہے ہندوستانی شہزادگان اور جاگیرداروں کے نزدیک لارڈ ڈلہوزی کی حکومتی پالیسی قابل قبول نہ ہو یا زمینوں کے بارے میں نیا مالیاتی نظام پریشان کن ہو، لیکن عوامی سطح پر لوگوں کا مرنے مارنے پر تیار ہو جانا محض مندرجہ بالا تکلیف دہ پالیسیوں کا لازمی نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ اس نوع کے جدل کے لئے روحانی سطح پر ہمت کی شمولیت ضروری ہے اور اس شمولیت کو 1857ء کی ناکام جنگ آزادی لڑنے والوں کی آخری صفوں تک محسوس کیا گیا۔

یکم نومبر 1858ء کو کمپنی کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہندوستان تاج برطانیہ کے زیر سایہ چلا گیا اور یہاں سے تہذیبی، مذہبی، لسانی اور سیاسی مجادلے کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔

یہ تو ہندوستان میں انگریزوں کی آمد اور سیاسی مجادلے کا ایک خاکہ تھا لیکن حقیقت میں یہ صرف سیاسی کشمکش نہیں تھی۔ اس کشمکش کے ہندوستان کی تہذیبی زندگی پر بھی دُوررَس اثرات مرتب ہوئے۔

عہد اکبری سے شاہجہان کے عہد تک غیر ملکیوں کے ساتھ مذہبی معاملات میں حکومتی سطح پر جو رویہ روا رکھا گیا وہ مختصراً کچھ یوں ہے:

979ء بمطابق 1571ء میں ابراہیم حسین مرزا نے بغاوت کر کے قلعہ بندر سورت پر قبضہ کر لیا۔ اس کی سرکشی دبانے کے لئے اکبری لشکر نے قلعہ کا محاصرہ کیا اور خود اکبر بھی یلغار کر کے موقعہ پر پہنچا۔ اس زمانے میں غیر ملکی سوداگروں کے جہاز بندرگاہ تک آتے جاتے تھے سو ابراہیم مرزا نے فرنگی تاجروں کو اپنی مدد کے لئے پکارا اور یہ لالچ دی کہ قلعہ اُن کے حوالے کر دے گا، لیکن فرنگی تاجروں کے جتھے نے اکبری لشکر کا پلہ بھاری دیکھا تو ایلچی بن گئے اور اکبر کی خدمت میں حاضر ہو کر تحفہ تحائف نذر کئے، سفارت کار کہلائے اور خلعت وانعام کے ساتھ رخصت ہوئے۔

معرکۂ مذکور کے کئی برس بعد اکبر نے حاجی حبیب اللہ کاشی کو زرِ کثیر دے کر بندرگاہ گوا روانہ کیا اور حکم دیا کہ واپسی پر فرنگی صنعت کار و دست کار ساتھ لائیں۔

اس طرح فرنگیوں کا ایک گروہ تحفہ تحائف کی نمائش کرتا اور آرگن باجہ بجاتا ہوا اکبر کے دربار تک آیا۔ اس کے بعد پادری فربیتون اور حبشی عیسائیوں کے گروہ اکبر کے دربار میں حاضری دیتے رہے۔ اکبر نے شاہزادگان کو اُن کا شاگرد کیا تو یونانی کتب کے ترجمے کا سامان فراہم ہوا۔ مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں:

> ''وہ انجیل لائے اور تثلیث پر دلائل سنا کر نصرانیت کا اثبات کیا اور ملت عیسوی کو رواج دیا۔ شاہزادہ مراد کو حکم ہوا کہ چند کلمے انجیل تیمنا پڑھے۔ شیخ ابوالفضل اُس کے لئے مترجم ہوا۔ پہلا فقرہ جو بطور بسم اللہ کے تھا، اس کا یہ ترجمہ ہوا۔
>
> ''اے نام تو دے ژژو کرسٹو

زرجیس اور کرسٹو یعنی عیسیٰ مسیح۔ یعنی ’اے وہ کہ نام تیرا مہربانی اور زیادہ بخشش والا ہے، تیرے سوائے کوئی خُدا نہیں ہے۔ شیخ فیضی نے اس پر دوسرا مصرعہ لگایا:

'سبحانک لا سواک یاھو۔' 'ہم تیری تعریف کرتے ہیں، تیرے سوا کوئی خدا نہیں ہے'۔

('تاریخ ہند' جلد پنجم ص 825 بحوالہ 'عہد مغلیہ میں فرنگیوں کا جال' از مولانا امداد صابری، صدیقی ٹرسٹ نسیم پلازا نشتر روڈ کراچی۔ 5 اشاعت اوّل 1981ء ص:3)

بعض مورخین شیخ فیضی کا مصرعہ: 'سبحانک لاشریک یاھو' لکھتے ہیں۔

اکبر نے پرتگیز پادریوں کو نہ صرف سالانہ وظیفہ دیا بلکہ لاہوراور آگرہ میں گرجا گھر تعمیر کرنے کی اجازت دی۔ لاہور کے گرجا گھر کے آثار اب بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ اکبر، انجیل کا ترجمہ کروانا چاہتا تھا لیکن اس کی زندگی میں یہ منصوبہ ادھورا رہا۔

محمد حسین شکراللہ نے 'مُرقع اکبرآباد' ص 133 پر جہانگیر کے ایک فرمان کو نقل کیا ہے جس سے تعمیر گرجا و قبرستان کی اجازت کا پتا چلتا ہے۔

ایک زمانے میں اکبر نے مختلف مذاہب کے علماء کے مابین ایک مناظرے کا اہتمام کیا۔ اس نے پرتگیزیوں کو لکھا کہ وہ اپنے مشنری مبلغین کو مع اپنی شریعت کی کتاب کے بھیجیں۔

چنانچہ 3 دسمبر 1568ء میں یہ لوگ سورت پہنچے، جہاں ان کا شاہی استقبال ہوا۔ 9 فروری کو یہ مشنری مشن فتح پور سیکری میں جہاں بادشاہ رہتا تھا پہنچا۔ شہنشاہ اکبر کے سامنے پیش ہوئے۔ پادریوں نے حضرت عیسیٰ کی تصویر پیش کی تو اکبر نے اس کی تعظیم و تکریم اپنے مذاہب اور عیسائیوں کے مذہب کے مطابق کی۔ اس کے آگے سر جھکایا، کہنیوں کو ٹیکا، سجدہ کیا اور حضرت مریم کی تصویر جو جواہرات سے مزین تھی پیش کی تو بادشاہ نے کہا 'ملکہ آسمان کی کیا اچھی شبیہہ ہے' اس کے بعد پادریوں نے چار زبانوں میں انجیل پیش کی تو بادشاہ نے اسے چوما اور سر پر رکھا۔ ('عہد مغلیہ میں فرنگیوں کا جال' ص 8،7)

اسی زمانے میں اکبر نے کتاب 'سیرت مسیح' فارسی زبان میں تصنیف کرائی۔ جس کا ایک باتصویر نسخہ کتب خانہ آصفیہ۔ حیدرآباد دکن میں تاحال محفوظ ہے۔

عہد جہانگیری میں عیسائی مشنریوں کو مسیحی مذہب کی تبلیغ کی عام اجازت تھی، وہ جہاں چاہتے وعظ کرتے۔ 4 فروری 1611ء میں لاہور آئے ہوئے نیل کے سوداگر ولیم فنچ نے دیکھا کہ قلعہ لاہور کے ایک دیوان خانے کے صدر دروازے پر حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی تصویریں آویزاں تھیں۔ یہ جہانگیر کا عہد تھا۔

یوں دیکھا جائے تو ابتداء میں یورپین محض سوداگروں کی حیثیت سے ہر جگہ (بشمول ہندوستان) پہنچے لیکن رفتہ رفتہ قدم جمانے کے ساتھ ہی انسانی حرص و آز کے لامتناہی سلسلے عود کر آئے اور عیسائیت کا فروغ چاہا گیا۔

1۔ پہلے انہوں نے حکومت کرنے کے خواب دیکھے۔

2۔ بعدازآں اپنے مذہب اور عقائد کی ترویج چاہی۔

شاہجہان کے عہد میں ہندوستان کے باسیوں پر مغربی افکار کا اثر رنگ جمانے لگا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ خود دربار میں شاہجہان کی منشاء پر دانشمند خان اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے مابین بعض علمی مسائل پر مناظرے بھی ہوئے۔ مغلیہ عہد کے مؤرخ خافی خان نے فرنگیوں کے اثرات کا مطالعہ بڑی ہنرمندی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ ہندوؤں کے مندروں میں حضرت عیسیٰ

اور مریم بی بی کی مورتیوں نے بھی جگہ بنالی تھی، جس سے دوطرفہ اثرات کی نشاندہی ہوتی ہے۔

اوّل اوّل یہ اثرات ہندوستان کی بندرگاہوں سے منسلک شہروں میں محسوس کئے گئے اور اس کے بعد تجارتی لین دین کے ساتھ ساحلی علاقوں سے اندرون ملک تک سرایت کر گئے۔

آج مذہبیات سے متعلق مغربی اور مشرقی محققین اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ 10ویں صدی عیسوی کے اختتام اور 11ویں صدی عیسوی کے آغاز پر ایران میں 'اخباریہ' تحریک کا آغاز سراسر پروٹسٹنٹ تحریک کی طرز پر ہوا۔ (یہ تحریک اپنی ابتداء میں کلیسا کی جبریت کا ردعمل کہلائی لیکن جوں جوں وقت گزرا یہ تحریک عیسائی مذہبیت کی بنیادوں پر ایک کاری ضرب بن کر ابھری۔ اس باہمی چپقلش کا زمانہ وہی ہے جب یورپین اقوام نے بحری راستوں کے ذریعے دیگر ممالک تک رسائی حاصل کی)۔

مغربی محققین نے 'اخباریہ تحریک' کو اسلام کا پروٹسٹنٹ فرقہ کہا ہے۔ واضح رہے کہ یہ تحریک شیخ محمد بن عبدالوہاب سے منسوب ہوکر 'وہابی تحریک' اور یہ مذہبی فرقہ 'اہلحدیث' کہلایا۔

یوں حقیقت کچھ بھی ہو، لیکن اس بات کے شواہد بکثرت موجود ہیں کہ انگریزوں کو سیاسی اقتدار حاصل ہونے سے بہت پہلے فکری اور مذہبی بنیادوں پر کامیابیاں حاصل ہونا شروع ہوگئی تھیں۔

بہت پہلے اس نوع کی صورت حالات کا توڑ ابوحنیفہ، مالک اور شافعی جیسے بزرگوں نے فقہ کی تدوین کے صورت میں کرنا چاہا تھا۔ ہندوستان میں (عہد جہانگیری) شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے سب سے پہلے یورپ کے اس مخفی ذہنی اور فکری تسلط اور مُغل دربار میں، اس سے پیدا ہونے والے خطرات کو محسوس کیا۔ ایک رائے یہ ہے کہ وہ مسلک وسط کے پالینے میں کامیاب ہوئے جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی فقہ بھی بچ گئی اور تصوف بھی تباہی سے محفوظ رہا۔

شاہ ولی اللہؒ نے اپنے دور میں دنیاوی آلائشوں اور حرص و آز کے سلسلوں کی روک تھام کے لئے جو انداز اپنایا اس سے مجمل آگہی کے لئے تین مختصر اقتباسات (دعوتی پیغام) دیکھتے چلئے:۔

1۔ ''جن علوم کی حیثیت صرف ذرائع اور آلات کی ہے (مثلاً صرف ونحو وغیرہ) تو اُن کی حیثیت آلہ اور ذریعہ ہی کی رہنے دو، نہ کہ خود ان ہی کو مستقل علم بنا بیٹھو۔''

2۔ 'اے آدم کے بچو: جیسے خدا نے ایک جائے سکونت دے رکھی ہے، جس میں وہ آرام کرے، اتنا پانی جس سے وہ سیراب ہو، اتنا کھانا جس سے بسر ہو جائے، اتنا کپڑا جس سے تن ڈھک جائے، ایسی بیوی جو اس کی شرمگاہ کی حفاظت کر سکتی ہو اور اس کے رہن سہن کی جدوجہد میں مدد دے سکتی ہو، تو یاد رکھو، کہ دنیا کامل طور سے اس شخص کو مل چکی ہے، چاہیے کہ اس پر خدا کا شکر کرے۔'

3۔ 'کھڑکی سے آدمی بڑی نیکیوں کو جھانک سکتا ہے اور ڈھیر کے لئے اُس کا نمونہ کافی ہے۔'

('تفہیمات الٰہیہ' سے اقتباسات۔ مشمولہ 'تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہؒ'۔ از علامہ مناظر احسن گیلانی۔ نفیس اکیڈمی عابد روڈ حیدر آباد دکن۔ دسمبر 1946ء، ص99، 103، 106)

شاہ ولی اللہؒ نے کٹر مذہبی ماحول میں بڑی جرأت کے ساتھ قرآن اور حدیث کے ترجمہ کی بنیاد رکھی، بعد میں اسی بنیاد پر شاہ رفیع الدین نے لفظی اور شاہ عبدالقادرؒ نے بامحاورہ ترجمے کی عمارت کھڑی کی۔ اور یوں یہ ذریعہ مذہب، عوامی رابطے کا وسیلہ بنے۔

(شاہ عبدالقادرؒ نے 1790ء میں ترجمہ مکمل کیا جو پہلی بار دہلی سے نومبر 1829ء میں شائع ہوا۔ واضح رہے کہ اُن سے پہلے (1770ء) شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی کا اردو ترجمہ صرف 30 دیں پارے تک محدود تھا جو ہگلی سے 1831ء میں شائع ہوا۔)

شاہ ولی اللہؒ کے مکتبۂ فکر کے مطابق سکھ تحریک، گورو گوبند کی سیاسی سطح پر جڑیں پکڑنے کے ساتھ ہی مذہبی تحریک میں بدل گئی، یہاں تک کہ ردِعمل کے طور پر گورو گوبند کا جانشین گورو بندا اہل اسلام کی آبادیوں پر چڑھ آتا اور باشندوں میں جس کسی کو پاتا، باقی نہ چھوڑتا، خواہ کمسن بچے ہی کیوں نہ ہوں حتیٰ کہ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کرڈالتا اور پیدائش سے پہلے ہی بچوں کو مار ڈالتا۔ شہزادہ فرخ سیّر نے اس ظلم و زیادتی کا خاتمہ بہ زورِ شمشیر عبدالصمد خان تورانی (صوبہ دار کشمیر) کے ذریعے کروایا۔ پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گورو ارجن کے سیاسی قتل کے بعد گورو بندا نے دِلّی میں جو قیامت ڈھائی تھی شاہ ولی اللہؒ اس کے چشم دید گواہ تھے اور اسی نے شاہ ولی اللہؒ کو نئی حکمت عملی کی طرف راغب کیا۔

اس سے قبل مرہٹہ تحریک نے دکن میں سر اٹھایا تو اورنگزیب کو پورے پچیس سال مرہٹوں کی گوشمالی پر صرف کرنے پڑے۔ کہا جاتا ہے کہ 'مرہٹہ تحریک' کا مقصد ہندوستان کو قدیم پراچین تہذیب کی طرف واپس لے جانا تھا۔ اللہ جانے کیسے۔ یہ کیوں نہیں کہا جاتا کہ یہ دونوں تحریکیں اورنگزیب کی مغل جبریت کے خلاف احتجاج کی صورتیں تھیں؟ بہرطور، مذہبی سطح پر سکھوں کے احتجاج نے شاہ ولی اللہؒ دہلوی کی سوچ کو بھرپور طریق سے مہمیز کیا اور اُن کی سوچ ہندوستان میں صرف مسلمانوں کی بقا (اور مستقبل) سے وابستہ ہوگئی۔

علاقہ جات شاہ ایران وافغانستان کے نادر شاہ (مقتول. نصف شب یک شنبہ گیارہویں جمادی الآخر 1160ھ مطابق 2 جون 1747ء) نے ہندوستان پر بغیر کسی مقامی مددگار کے صرف ایک بار حملہ آور ہوا تھا اور اس کی افواج نے 11 مارچ 1739ء بروز اتوار صبح نو بجے تا دوپہر دو بجے دہلی شہر لوٹا اور قتل عام کیا۔ (بحوالہ ''شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات'' مرتبہ۔خلیق احمد نظامی، ص 176)

نادر شاہ کے بعد شاہ افغانستان احمد شاہ ابدالی نے 1747ء تا 1769ء ہندوستان پر نو (9) حملے کیے۔ ابدالی، صابر شاہ کا مرید تھا۔ لاہور کے مجذوب درویش صابر شاہؒ سے احمد شاہ ابدالی کی عقیدت اور محبت کا تعلق 1744ء میں قتل نادر شاہ سے تین برس قبل شہر لاہور میں قائم ہوا، جب ابدالی، نادر شاہ کا منصب دار تھا۔ ابدالی، اس مجذوب کو اپنے ساتھ قندھار لے گیا اور ہمیشہ اپنے قریب رکھا۔ 1160ھ/1747ء میں ابدالی نے اسی مجذوب کو ہندوستان پر پہلے حملے کے امور طے کرنے کی خاطر قلعہ لاہور کے صوبیدار شاہ نواز خاں کے پاس بھیجا تھا اور شاہ نواز خاں نے اسے پگھلا ہوا سیسہ پلوا کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ صابر شاہ کا مزار عقب بادشاہی مسجد لاہور میں ہے۔ (دیکھیے ''عبرت نامہ'' از مفتی علی الدین تکمیل 1854ء مطبوعہ پنجابی ادبی اکیڈمی، لاہور، طبع اول 1961ء ص 201،202)

ہندوستان پر چوتھے حملے (1165ھ/1752ء) سے پہلے احمد شاہ ابدالی کے سرحد کے صوفی بزرگ میاں محمد عمر چمکنی سے براہ راست روحانی یا سیاسی رابطے کے شواہد نہیں ملتے۔ البتہ ہندوستان پر چوتھے حملے (1165ھ/1752ء) کے موقع پر ابدالی اور میاں محمد عمر چمکنیؒ کے مابین سیاسی رابطہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ایک معتقد اور مغلیہ دربار کے ایک اہم منصب دار نجیب الدولہ (دورانیہ منصب جلیلہ دہلی شہر: 1761ء تا 1770ء) نے کروایا۔ اس لئے کہ نجیب الدولہ، میاں محمد عمر چمکنی کی آبائی جاگیر علاقہ دوآبہ ساندل بار ہی کا جاگیردار تھا۔ بعدازاں 1761ء تا 1770ء میں وہ ترقی کر کے دہلی میں سیاہ وسفید کا مالک رہا۔ اُس کی پیدائش 1707ء موضع منری، نزد پشاور کی تھی۔ نسلاً پٹھان تھا اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مرید ہونے کے حوالے سے سلسلۂ نقشبندیہ میں میاں محمد عمر چمکنیؒ کا ہم مسلک بھی تھا۔

نجیب الدولہ کا انتقال 13 اکتوبر 1770ء کو ہوا لیکن احمد شاہ ابدالی اور میاں محمد عمر چمکنیؒ کے مابین سیاسی رابطے (بابت ہندوستان پر چوتھا حملہ 1165ھ/1752ء) میں احمد شاہ ابدالی اور میاں محمد عمر چمکنیؒ کے بیچ کسی روحانی رابطے یا پیری مریدی کے تعلق کو دخل نہیں۔ اس بات کے شواہد ضرور ملتے ہیں کہ حضرت میاں محمد عمر چمکنی نے احمد شاہ ابدالی کے کشمیر، ہندوستان پر چوتھے حملہ (1752ء) کے موقع پر اپنے ساڑھے سترہ ہزار جنگجو مریدین اُس کے ہمراہ کر دیئے، جن میں میاں محمد عمر چمکنی کے فرزند صاحبزادہ عبداللہ میاں گل کے علاوہ آپ کے تین خلفاء (اخوند محمد یوسف، اخوند جان محمد کلاں اور اخوند محمد اکرم) بھی شامل تھے۔

(دیکھئے: ''تذکرہ صوفیائے سرحد'' از اعجاز الحق قدوسی، طبع اوّل، 1966ص)

جبکہ احمد شاہ ابدالی کے جموں و کشمیر پر اس حملے کا سوائے ہوسِ مُلک گیری کے کوئی جواز دکھائی نہیں دیتا۔ اس حملے کا واحد سبب یہ تھا کہ احمد شاہ ابدالی نے کشمیر کے گورنر سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کر لے۔ گورنر کشمیر نے انکار کر دیا تو یہ حملہ کیا گیا۔ راجہ جموں، رنجیت دیو نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا لیکن بالآخر شکست کھائی اور کشمیر، احمد شاہ ابدالی کے قبضہ میں چلا گیا۔ (دیکھئے Islamic Culture, Vol: XI, No 4, P 499, 500) ہندوستان پر پانچویں حملے (1757ء) کے لئے ابدالی خود نہیں آیا تھا۔ بلکہ مغل شہنشاہ عالمگیر ثانی نے اپنے مغرور وزیر شہاب الدین المعروف غازی الدین سے چھٹکارا پانے کے لئے ابدالی کو نجیب الدولہ کے ذریعہ دعوت دی تھی۔ (دیکھیے: ''فرحت الناظرین'' اور Elliot+Douson, Vol: VIII, P 163, 241)۔ اس حملے میں ابدالی افواج نے مسلسل تین دن دہلی میں لوٹ مار کا بازار گرم کیے رکھا۔ ابدالی نے غازی الدین کو معزول کر کے دوبارہ بحال بھی کروا دیا اور اپنے قریبی مخبر نجیب الدولہ کو امیر الامراء مقرر کروانے کے بعد بے پناہ دولت سمیٹ کر واپس چلا گیا۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان پر چھٹے حملے (61-1760ء) کی فضا شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے احمد شاہ ابدالی کے نام درج ذیل خط لکھ کر تیار کی:

> ''بنام شاہ، بعد حمد و صلوٰۃ کے ۔ یہ چند کلمات ہیں جن کے لکھے جانے کا باعث اسلامی حمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ اِن کلمات کو گوشِ مبارک تک پہنچا دے۔ سوائے دہلی و دکھن کے، خاص طور پر مرہٹوں کے تسلط ہے۔ قوم مرہٹہ کو شکست دینا آسان کام ہے، بشرطیکہ غازیان اسلام کمر ہمت باندھ لیں۔ الغرض قوم مرہٹہ کا فتنہ ہندوستان کے اندر بہت بڑا فتنہ ہے۔ غیر مسلموں کی ایک قوم جاٹ ہے جس کی بود و باش دہلی و آگرہ کے درمیان ہے اس قوم نے فرصت کو غنیمت جان کر بہت سے قلعے تعمیر کر لیے اور اپنے پاس بندوق رکھ کر بٹ ماری کا طریقہ شروع کر دیا۔ سورج مل اس جماعت کا سردار ہو گیا اور فساد کا راستہ اختیار کیا۔ پسر محمد شاہ نے شہر کے دروازوں کو بند کر کے جنگ توپ خانہ شروع کی، محض خدا کے فضل سے صفدر جنگ اور سورج مل دو تین ماہ کے بعد ناکامیاب واپس ہوئے ۔ ہندوستان کے محصولات سات آٹھ کروڑ سے کم نہیں بشرطیکہ غلبہ و شوکت موجود ہو ورنہ ایک کوڑی بھی ملنی مشکل ہے۔ جس علاقہ پر جاٹ قابض ہیں وہ ایک کروڑ روپیہ محصول کی جگہ ہے۔ راجپوتانہ کا علاقہ اپنی وسعت کے باعث دو کروڑ روپیہ سے کم آمدنی کا نہیں ہے بشرطیکہ ہر راجہ پر خراج مقرر کیا جائے۔ عہد محمد شاہ میں بنگالہ سے ہر سال ایک کروڑ کی آمدنی تھی اور وہاں کا صوبہ دار ہمیشہ بلاتوقف بھیجتا رہتا تھا۔ اس رقم کی ادائیگی کے باوجود صوبہ دار بنگالہ ہندوستان کے امراء میں انتہائی مالدار امیر تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی کہ بنگالہ میں بے انتظامی ہے اور وہاں ایک بے وقوف ناواقف کار نوجوان یعنی ناظم قدیم کا نواسہ مسلط ہے (نواب سراج الدولہ کی طرف اشارہ جو 1756ء میں علی وردی خاں کے انتقال کے بعد بنگالہ کا صوبہ دار ہوا

تھا) پھر بھی وہ نوجوان خزائن بے شمار کا مالک ہے جاٹ کے شوکت کو درہم برہم کرنا بھی تدبیر کے نزدیک آسان کام ہے حاصل کلام یہ ہے کہ ملک ہندوستان میں غیر مسلموں کے غلبہ کی نوعیت یہ ہے جو معرض بیان میں آئی اور مسلمانوں کا ضعف اس حد تک پہنچ گیا، جو لکھا گیا۔ فی زمانہ ایسا بادشاہ جو صاحب اقتدار و شوکت ہو اور لشکر مخالفین کو شکست دے سکتا ہو، دُور اندیش اور جنگ آزما ہو، سوائے آنجناب کے اور کوئی موجود نہیں۔ یقینی طور پر جناب عالی پر فرض عین ہے ہندوستان کا قصد کرنا اور مرہٹوں کا تسلط توڑنا اور ضعفائے مسلمین کو غیر مسلموں کے پنجے سے آزاد کرانا۔ اگر غلبۂ کفر معاذ اللہ اسی انداز پر رہا تو مسلمان اسلام کو فراموش کر دیں گے"۔

''شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی مکتوبات،'' مرتبہ: خلیق احمد نظامی، مطبوعہ: علی گڑھ (مقدمہ محررہ: 25 دسمبر 1950ء) کے صفحہ 45 تا 58 میں شامل کردہ تیرہ سے زائد صفحات پر مشتمل یہ بے نام مکتوب ''بنام شاہے'' (بہ زبان فارسی) گزشتہ بیس پچیس برس سے علمی، مذہبی اور سیاسی حلقوں میں زیر بحث رہا اور تا حال ہے۔ اس خط کے مندرجات کو ہندو مسلم وطن پرستوں نے فرقہ وارانہ قرار دیا۔

فی الوقت یہ ہمارا موضوع نہیں، البتہ دیکھنا یہ ہے کہ میاں محمد عمر چمکنیؒ نے اپنے تعلق دار، نجیب الدولہ کے کہنے پر حملہ آور ہونے والے احمد شاہ ابدالی کو افرادی قوت مہیا کرتے وقت کیا سوچا ہوگا؟ کیا محض سلسلۂ نقشبندیہ سے خود اُن کا، شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا یا نجیب الدولہ کا اِنسلاک اس نوع کے اہم فیصلوں کے لئے کافی تھا؟ جب کہ میاں محمد عمر چمکنیؒ (پ 1673ء)، شاہ ولی اللہ دہلویؒ (پ:1703ء) سے عمر میں تیس برس بڑے تھے اور روحانی مرتبہ میں بھی اُن سے کسی طور کم نہ تھے۔ عہد شاہجہان سے جدی پشتی جاگیر دار تھے اور سرحد کی سب سے بارسوخ شخصیت تھے۔ اُن کو اور شاہ ولی اللہ دہلوی کو ہندوستان پر غلبۂ کفر سے نجات کے ضمن میں غیر مسلم مرہٹوں، جاٹوں اور سکھوں کی تادیب منظور تھی یا محض دہلی شہر یا سلسلۂ نقشبندیہ سے منسلک دہلی کے بااثر منصب داروں (از قسم نجیب الدولہ) کو اہلِ ہنود کی شورشوں سے بچانا مقصود تھا؟ کیا دین متین کی بحالی اِسی میں مضمر تھی؟ جب کہ اُس وقت برطانوی سامراج ایک اژدھے کی طرح ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ بنگال میں نواب سراج الدولہ، برطانوی سامراج کے خلاف جنگ آزادی لڑنے کی تیاری کر رہا تھا اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ اُسے ''بے وقوف اور ناواقف کار'' قرار دے رہے تھے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ احمد شاہ ابدالی کو سات آٹھ کروڑ روپے کی متوقع آمدنی کا حوالہ دے کر بنگال میں برطانوی سامراج کے خلاف جنگ لڑنے پر آمادہ کیوں نہیں کیا گیا؟ کیا برطانوی سامراج سے دین متین کو کوئی خطرہ نہ تھا؟ غرضیکہ اِس نوع کے بہت سے سوالات سر اٹھاتے ہیں۔ احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان پر آٹھویں حملے (1767ء) میں موقع تھا کہ انگریزوں کو بنگال سے نکال باہر کیا جاتا اور اس خطرے کو بھانپ کر انگریزوں نے اپنی فوج الٰہ آباد اس لئے بھیج دی تھی کہ ابدالی کا مقابلہ اُودھ کی سرزمین پر کریں گے لیکن احمد شاہ ابدالی نے اُدھر کا رخ ہی نہیں کیا اور متھرا تک پہنچ کر پلٹ آیا۔ جب کہ ہندوستان پر احمد شاہ ابدالی کے نویں اور آخری حملے (1769ء) میں سکھوں نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور وہ بے نیل مرام کابل واپس چلا گیا۔ بہرطور، میاں عمر چمکنیؒ کی طرف سے احمد شاہ ابدالی کو افرادی قوت مہیا کرنے کے حوالے سے گہرے تجزیے کی ضرورت ہے اور نتائج کے استخراج کے لئے اس فقیر سے بہتر تجزیہ کار موجود ہیں۔ یہاں تو صرف چند اشارے ہی مقصود تھے یا کچھ سوالات اٹھائے جا سکتے تھے۔ البتہ اس پس منظر کو کھنگالنے سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ میاں عمر چمکنیؒ اور احمد شاہ ابدالی کا پیری مریدی کا تعلق نہ تھا۔ سیاسی روابط ضرور تھے اور اُن سیاسی روابط کی جڑیں بہت گہری اور تا حال نامعلوم ہیں۔ نجیب الدولہ

اور میاں محمد عمر چمکنیؒ کی طرح احمد شاہ ابدالی کی مدد مغلیہ دربار سے منسلک اہم منصب داروں، حافظ رحمت خاں روہیلہ اور شجاع الدولہ نے بھی کی اور یہ موضوع الگ سے تجزیے کا طالب ہے۔

ہندوستان میں ترجمے کی روایت

ہمارے ہاں ترجمے کی بنیادیں دو مختلف النوع فلسفہ ہائے زندگی سے اُٹھیں:

1۔ حملہ آور حاکموں کے زیر اثر

2۔ مسلمان صوفیاء کے زیر اثر

عام طور پر یہ خیال پختہ ہو چلا ہے کہ ہندوستان میں مسلمان صوفیاء نے حملہ آوروں کے لئے فکری سطح پر زمین ہموار کی جبکہ ایسا ہونا نہیں چاہیے تھا۔

خود میرے نزدیک صوفی اور حملہ آور (حکمران) کی نفسیات سراسر ایک دوسرے کی ضِد ہے۔ حملہ آور (حکمران) نفسانی خواہشات کا ہمیشہ سے اسیر چلا آیا ہے اور وہ جسم پر حکمرانی کو پسند کرتا ہے جبکہ اکثر صوفی، علاقائی سرحدوں کی حد بندی سے بے نیاز، ہر زمانے میں ایک ایسا باغی رہا ہے جو ظاہر داری (کہ دِلوں کو مردہ کرتی ہے) روا نہیں رکھتا۔ اُس کی آواز معاشرے کے سخت گیر اصولوں کے خلاف ایک باغیانہ لحن ہے اور اس کی نظر ظاہر اور باطن، دونوں پر یکساں ہے۔ وہ لفظ کے مقابلے میں معنی پر زور دیتا ہے اور 'شر' میں 'خیر' کے پہلو ڈھونڈتا ہے۔ وہ 'دنیاداری' سے دور رہتا ہے لیکن دنیا کی اصل اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں، یوں وہ دنیاداروں کی نسبت کہیں زیادہ دنیا کو سمجھتا ہے۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ صوفی کو انسانی نفسیات کا سچا ادراک حاصل ہے اور اسے جسموں کی بجائے دلوں کی حکمرانی عطا ہوئی ہے لیکن درج بالا مکتوب نے تو چکرا کر رکھ دیا۔

حملہ آور حاکموں کے زیر اثر ترجمے کی بنیادیں

محمد بن قاسم سے سلطان محمود غزنوی کے ہندوستان پر اولین حملے تک تقریباً تین سو سال کا وقفہ ہے اور ظہیرالدین بابر تک آتے آتے پانچ سو سال کا زمانہ بیت گیا، لیکن اس تمام عرصے میں مسلمانوں کے فاتح کلچر نے ہندوستان کی زندگی کی وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹنے کا بھرپور جتن کیا۔ مسلم کلچر نے ہندوستانی کلچر کو نئے ڈھنگ سکھائے حتیٰ کہ یہاں کی بولیوں پر بھی اس کے بھرپور اثرات مرتسم ہوئے۔

انہی بولیوں میں سے ایک بولی ہندوی، دکھنی، ہندوستانی، ریختہ یا اردو بھی تھی جو اپنے اندر جذب وقبول کی بے پناہ صلاحیت رکھتی تھی۔ اس بولی نے کھلے بازوؤں کے ساتھ نئے کلچر کو خوش آمدید کہا۔ یوں ترجمے کو یہاں پہلی بار مناسب فضا میسر آئی۔

امیر تیمور نے 1398ء میں ہندوستان فتح کیا تھا اور اس کا 'اردو' پنجاب کو روندتا اور دتی کو زیر و زبر کرتا واپس ہو لیا تھا۔ یوں 1398ء میں لفظ 'اردو' کا یہاں بیج بویا گیا۔ امیر تیمور کے حملے کے بعد ہمایوں ظفر خان (م۔1410ء) نے آزادی کا اعلان کر دیا اور گجرات

میں بادشاہت کی بنیاد رکھی۔ اپنے اس عمل کے جواز کے طور پر یا بقول ڈاکٹر جمیل جالبی: ''عظمت کا رنگ دینے کے لئے اہل علم، ارباب ہنر، مشائخ دین کی سر پرستی شروع کی ان تمام واقعات وعوامل نے شمال سے لے کر دکن وگجرات تک اس زبان کے پھلنے پھولنے اور بڑھنے پھیلنے کے لئے ایسی سازگار فضا پیدا کر دی کہ یہ زبان ان ساری علامتوں کی مشترک زبان بن کر تیزی سے ترقی کے زینے طے کرنے لگی۔'' ('تاریخ ادب اردو' (جلد اوّل) مجلس ترقی ادب۔ لاہور، جولائی 1975ء)

قلعۂ ملوث کے محاصرے کے وقت پہلی بار مغلوں نے ترجمے کی اہمیت کو شدت سے محسوس کیا۔ یہ وہ موقع ہے جب ظہیر الدین بابر کے حضور یہاں کا مشہور سردار دولت خان حاضر ہوتا ہے۔ سردار کچھ کہنا چاہتا ہے اور بابر بہت کچھ سننا چاہتا ہے لیکن دونوں گونگوں کی طرح ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ترجمان مہیا کیا جاتا ہے۔

1528ء میں ہندوستان پر چڑھائی کے وقت ظہیرالدین بابر کے ایک نامی سردار نے شکست کھائی اور جب اس ناکامی کی اطلاع بابر کو ملی تو اس نے 'توزک بابری' میں لکھا:

''سردار کی یہ پسپائی قابل عفو ہے۔ غیر زمین، غیر علاقہ ہی نہیں بلکہ غیر زبان سے مقابلہ''۔

(تاریخ ادب اردو (جلد اوّل) مجلس ترقی ادب۔ لاہور، جولائی 1975ء)

یہی وجہ ہے کہ بابر نے یہاں قدم جماتے ہی اس 'غیر زبان' (اردو) کو بہت سوچ سمجھ کر ذریعۂ اظہار بنانا چاہا:

مجکانہ ہوا کچ ہوس مانک و موتی

فقرا ہلغہ بس بولغو سیدور پانی و روتی

بحر: ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف تقطیع: مفعول مفاعیل مفاعیل فعول

اس شعر میں ہندوی زبان کے مندرجہ ذیل الفاظ توجہ چاہتے ہیں:

مجکانہ (مجھ کو)، کچ (کچھ)، مانک (یاقوت)، فقرا (فقیر) اور روتی (روٹی)۔ (بابر کا یہ شعر اس کے قلمی ترکی دیوان۔ کتب خانہ رام پور میں محفوظ ہے۔)

بابر کی ہندوستان آمد کے ساتھ ہندوی زبان (جو اب تک صرف ہندی کلچر کی علامت تھی) میں تازہ دم، عرب و ایرانی کلچر کی روح شامل ہوئی تو ایک نئی زندگی کی تڑپ جاگی۔

اب ہوا یہ کہ اس زبان کی مخصوص لفظیات اور محاورے جہاں کچھ قبول کر رہے تھے، وہیں ان کی دیگر زبانوں کے لئے ایک عطا بھی تھی۔ یہ مخصوص لفظیات اور محاورے فارسی میں بھی راہ پا گئے۔ یہاں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ یہاں کے اہل قلم پر ان اثرات نے 'ہندوستانی فارسی' کی اصطلاح کو جنم دیا اور اسے 'ایرانی فارسی' سے ممیّز کر دیا۔

یوں زبان کی ساختیاتی سطح پر دو کلچر ایک دوسرے سے باہم گلے ملتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جس سے ایک تیسرے کلچر نے جنم لیا۔ اُس دور کی اردو زبان اسی ترقی پذیر کلچر کی ترجمان بن گئی۔ امیر خسروؒ کی 'خالق باری' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس میں فارسی وعربی الفاظ کے ہندوی (اردو) مترادفات اور معنی نظم میں بیان کئے گئے ہیں۔ اردو زبان کی اس ابتدائی حالت میں 'عربی ایرانی

تہذیب' نے باہمی ردو قبول کے ساتھ ایک نئے لہجے کو جنم دیا۔ اس سلسلے میں اکبری عہد کی 'بھگتی تحریک' نے نمایاں کردار ادا کیا۔ بھگت کبیر (م۔1518ء) پوربی تھے لیکن ان کے ہاں بھاشا کی دھارائیں بہہ رہی تھیں۔

○○○

صوفی ازم اور ترجمے کی روایت

"Those tendendencies in Islam which aim at direct communion between God and Man "

(J.S.Trimingham, "Sufi order"- p.1 U.S.A)

جن مسلمان صوفیا نے اردو زبان کی نشوونما اور اردو میں ترجمے کی بنیادیں رکھیں، ان میں سے بیشتر 'امر بالمعروف و نہی عن المنکر' (قرآن مجید) یعنی اچھے کاموں کی تبلیغ اور برے افعال سے باز رکھنے کے جذبے کے تحت، پرخطر اور دشوار گزار راستوں اور لق و دق بیابانوں سے ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچے تھے۔ انہیں سیاست سے کوئی سروکار نہ تھا۔

ہندوستان کی ہر چیز ان کے لئے اجنبی تھی اور زندگی کرنے کا چلن یکسر مختلف تھا۔ یہ ان کے مسلک کی عطا تھی کہ اُنھوں نے اس اجنبی سرزمین کے دل پر حکومت کی، مثلاً میراں جی شمس العشاق اور بُرہان الدین جانم، مکہ (عرب) سے ہند تشریف لائے اور یہیں کے ہو رہے۔ نووارد کے لئے زبان سے شناسائی ضروری ہے کہ رابطہ کی ابتداء ہے۔

آپ اصحاب نے ہندوستان کے عام لوگوں کی بول چال (کی زبان) سیکھی اور اسی زبان میں تعلیم و تلقین فرمایا کئے۔

یہاں یہ وضاحت نہایت ضروری ہے کہ اردو کی ابتدائی نشوونما اور ترجمے کی قدیم روایت کے باب میں علاقہ دکن اور گجرات کے صوفیاء کا ذکر ہی مقصود ہے۔ اس لئے کہ ہندوی (اردو) جیسی عامی زبان کو ابتداً انہی دو علاقوں کے صوفیاء نے ادب کی شہ نشیں پر بٹھایا اور اردو زبان و ادب کی ترویج کا باعث بنے۔

دکن اور گجرات کے صوفیانہ سلسلے:

دکن اور گجرات میں مسلمان صوفیاء کے چھے سلسلے بہت نمایاں دکھائی دیتے ہیں:

1۔ شیخ عین الدین گنج العلمؒ کا روحانی مرکز بیجاپور، دکن تھا۔ اسے بیجاپور کے روحانی متصوفانہ سلسلے کا اوّلین دور کہا جا سکتا ہے۔ شیخ عین الدینؒ (706ھ تا 795ھ) (1306ء تا 1392ء) نے مختلف علوم وفنون کی 132 کتابیں تصنیف و ترجمہ کیں۔

2۔ سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز (1422ء۔ 1321ء) نے بیجاپور، دکن کو چشتیہ روحانی سلسلے کا مرکز بنایا۔ ہندوی (اردو) میں ان کے بعض طبع زاد رسالے اردو کے تشکیلی دور کی یادگار ہیں۔ ان کی 'معراج العاشقین' 14ویں صدی عیسوی کی نمائندہ نثری تصنیف ہے۔

3۔ شاہ میراں جی شمس العشاق (پ: 1496ء) نے بیجاپور، دکن کو تیسری بار 1499ء میں چشتیہ سلسلے کا روحانی مرکز بنایا۔ تصوف میں چشتیہ سلسلے کی تشریح مختصراً یوں ہوگی:

وہ جو شریعت سنتا ہے اور طریقت پر عمل پیرا ہے، حقیقت کا جلوہ دیکھتا ہے اور جو دیکھتا ہے وہ معرفت کا درجہ پاتا ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے جب ربّ اس سے راضی ہوتا ہے۔ پھر کیا کچھ ممکن العمل نہیں؟

('مغز مرغوب' از میراں جی شمس العشاق کے افکارِ عالیہ سے مستعار)

راہ	ذکر	منزل	مرتبہ
1۔ شریعت	ذکر جلی	ناسُوت	نفس
2۔ طریقت	ذکر قلبی	ملکوت	دل
3۔ حقیقت	ذکر روحی	جبروت	روح
4۔ معرفت	ذکر سری	لاہوت	نور
5۔ توحید	ذکر خفی	مقام قرب	ذات

بیجاپور چشتیہ سلسلہ

نوٹ: اس خاکے میں ٹوٹی ہوئی لکیریں روحانی سلسلے کی عکاس ہیں جبکہ سیدھی لکیریں شجرۂ نسب کی ہیں۔

شاہ میراں جی شمس العشاقؒ کی کتاب ''سب رس'' شاہ وجیہہ الدینؒ کی فارسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ اس ترجمے کا ایک مخطوطہ (1118ھ مطابق 1706ء) میں آغا حیدر کے کتب خانے میں محفوظ تھا۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے مطابق اس مخطوطے کے کل ایک سو اٹھاسی ورق تھے اور ہر ورق میں چھبیس سطریں تھیں۔

نمونہ عبارت

ولے یو خبر ہے کہ اس کی بسر نین میں بھی اس کا یار ہے، اور الپستی، اپی اپ کون یاد دلاتا ہے تُوں بھی اسے یاد کر۔

('سب رس' از شاہ میراں جی سے اقتباس)

یہ روحانی سلسلہ شاہ برہان الدین جانمؒ (وفات: 1583ء) سے آگے چلتا ہوا عبداللہ حسینیؒ اور سید میراں حسینی شاہؒ تک آتا ہے۔ عبداللہ حسینیؒ کا ترجمہ 'نشاط العاشقین' اور سید حسینی شاہؒ کا ترجمہ 'شرح تمہید ہمدانی' یادگار ہیں۔

4۔ شاہ صبغت اللہؒ نے بھی عرصہ چار سال تک کے لئے بیجاپور۔ دکن میں قیام کیا۔ یہ بیجاپور کا چوتھا روحانی سلسلہ ہے۔ تاحال شاہ صبغت اللہؒ کے کسی ترجمے کی نشاندہی نہیں ہو سکی۔

5۔ بیجاپور۔ دکن میں پانچواں روحانی سلسلہ شاہ ابوالحسنؒ سے چلتا ہے۔ نثری تراجم کے سلسلے میں اُن کا بھی کوئی کام تاحال دستیاب نہیں ہو سکا۔

رچرڈ میکسویل ایٹن (Richard Maxwell Eaton) نے بیجاپور، دکن سے متعلق صوفیا کے دو گروہ بتائے ہیں:

> Warrior sufis were too occupied in military struggles to develop the speculative aspect of sufiism, and the reformist sufis, by championing the cause of orthodoxy within the Muslim establishment in Bijapur, too frequently divorced themselves from the free- thinking and free-living styles associated with sufism as understood by writers like Trimingham. Both of these types should be understood as sufis in a strictly institutional rather than a mystical sense.
>
> ("Sufis of Bijapur" 1300-1700 U.S.A)

6۔ چھٹا روحانی سلسلہ گولکنڈہ، دکن سے متعلق ہے۔ اس سلسلے کے بانی میراں جی حسن خدانما (وفات: 1070ھ مطابق 1659ء) تھے۔ شاعر اور نثر نگار تھے۔ ہندوی (اردو) کے ابتدائی نثر نگاروں میں سے ایک ہیں۔ ترجمے کے باب میں اُن سے 'شرح تمہیدات' اور 'شرح مرغوب القلوب' یادگار ہیں:

'شرح تمہیدات' ایک قدیم فارسی تصنیف 'تمہیدات عین القضات' مصنفہ عبداللہ بن محمد ہمدانی (المعروف عین الغزالی) کی شرح اور ترجمہ ہے۔ محققین نے اس ترجمے کو دو اور مختلف نام دیئے ہیں۔ (1) شرح تمہید ہمدانی (2) شرح: ''شرح تمہید'' جبکہ 'شرح تمہیدات' کے نام سے اس ترجمے کے دو مخطوطے انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہیں۔ میراں جی حسن خدانما نے یہ ترجمہ 1603ء میں کیا تھا۔

ترجمے سے نمونۂ عبارت

''خواب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم قاضی عین القضات کو کہے کہ تمہیں کئے سو کتاب 'منجے دکھلاؤ' تو کتاب دیکھ کر بہوت خوش ہوئے، ہور کہے کیا خوب بیان میرے نور کا ہور خدا کے نور کا کیے۔''

گجرات کے صوفیاء کرام میں سے قاضی محمود دریائی بیر پوریؒ، بہاء الدین باجنؒ (وفات: 1506ء) شاہ علی جیوگام دھنیؒ (وفات: 1565ء)، میاں خوب محمد چشتیؒ (وفات: 1614ء) اور بابا شاہ حسینیؒ کے نام شرح اور تراجم کے باب میں بہت نمایاں ہیں۔

واضح رہے کہ بیجاپور، گولکنڈہ (دکن) اور گجرات کے محولہ بالا صوفیاء کرام نے باقاعدہ ہندوی (اردو) سیکھ کر اس عوامی زبان میں رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا اور یوں خاطر خواہ تبلیغی اثرات نمایاں ہونے کے ساتھ ساتھ عربی اور فارسی زبان کے الفاظ اور تراکیب کے اثرات (بذریعہ ترجمہ) کے تحت ہندوی زبان میں نکھار آنے لگا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ہندوی جیسی گری پڑی عامی زبان، ایک خاص نوع کا رچاؤ پیدا ہونے کے بعد خواص کا ذریعۂ اظہار بھی بننے لگی۔ یوں صوفیاء کرام نے جن ذرائع ابلاغ سے رشد و ہدایت کا کام لیا وہی اردو زبان و ادب کے ابتدائی نمونے قرار پائے۔ ترجمہ کے باب میں گفتار نامے، خطبات، ملفوظات، اقوال اور نثری رسائل یادگار ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ آخر صوفیاء کرام نے ترجمے کے لئے ہندوی (اردو) زبان ہی کو کیوں چنا؟

اس کے دیگر اسباب بھی یقیناً ہوں گے لیکن اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ہندوی (اردو) زبان، ہندوستان میں بولی جانے والی دیگر زبانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ زمینی بوباس، علامتوں اور امیجری (تمثال) کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھی اور یہی وہ زمینی رابطے اور رشتے تھے جن کی جڑیں عوامی سطح کی معاشرت میں پیوست تھیں، سو عوامی رابطے کی زبان کا قرعہ ہندوی (اردو) کے نام نکلا۔ اس کے باوجود جب بُرہان الدین جانمؒ کو صوفی ازم میں چشتیہ سلسلے کی وضاحت کا مرحلہ درپیش تھا تو انہوں نے 1582ء میں ''ارشاد نامہ'' سنسکرت ملی ہندوی میں رقم کیا۔ بعینہٖ ان کی کتاب 'کلمۃ الحقیہ' فارسی ملی ہندوی میں ہے۔

ماہر لسانیات ایس۔ کے چیٹر جی نے اپنی کتاب "Indo-Aryan and Hindi" میں بُرہان الدین جانمؒ اور بھگت کبیر (اصل نام: کبیر احمد) کی برتی ہوئی زبانوں کا تقابلی جائزہ لیا ہے اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دونوں میں فرق صرف اتنا ہی کہ ایک کی زبان 'فارسی، عربی سکرپٹ' میں ہے اور دوسرے کی زبان 'ہندو ہندی'۔

اسی حوالے سے بات کرتے ہوئے رچرڈ میکسویل ایٹن اپنی کتاب: "Sufis of Bijapur" میں شاہ میراں جی شمس العشاق کی برتی ہوئی زبان کو موضوع بناتے ہیں:

There were several reasons that the descendants of Shah Miranji Shams Al-Ushaq used Dakhni as a literary medium. First, as the vernacular language of Deccani Muslims, it was their mother tongue. The same feeling of cultural distinctiveness that had led the earliest Deccani migrants to revolt against the north and establish the independent Bahmani Kingdom of seems to have had its literary conterpart in the apearance of Dakhani compositions.

Second, some Chishtis of Bijapur were strongly motivated to preach and teach, and Dakhani was evidently the only vernacular of Bijapur with which both Muslims and Hindus, at least those integrated with the city-were familiar. As the language of the army and the bazaar, Dakhni could reach more people than could the elitist persian language, of course. The use of Marathi or Kannada would have reached many more than even Dakhani. But Dakhni had the advantage of being written in the Pergo- Arabic script, which would permit, when necessary, the easy importation of Islamic vocabulary.

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ صوفیاء نے شاعرانہ اظہار کے لئے ہندوی (دکھنی اردو) زبان برتی اور نثری رسائل عام طور پر عربی یا فارسی میں لکھے یا ترجمے کئے۔ شاید اس کی ایک وجہ بقول ڈاکٹر این میری شمل: یہ رہی ہو کہ ہندوستان میں صدیوں سے ناخواندہ آبادیوں تک اپنے خیالات و افکار پہنچانے کا واحد ذریعہ شاعری ہی رہی ہے، جس کے نتیجہ میں آج بھی ہندوستان کے ناخواندہ لوگ نثر کے مقابلے میں کہیں زیادہ شاعری کو اپنے حافظے میں جگہ دیئے ہوئے ہیں۔

"The influence of Sufism on Indo-Muslim poetry" Pennsylvania State University Press, 1971), p.202.

مجموعی طور پر نثر اور نظم کی ان جملہ کوششوں کا واحد یا معتبر مقصد عام مسلمانوں اور نو مسلموں کو دین و معرفت کی بنیادی تعلیمات دینا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلوب میں سادگی اور قلبی واردات کے بیان میں تاثیر ہے۔ یوں ادبیت کی حیثیت ثانوی ہی ہے لیکن اگر بنظرِ غائر اس صوفیانہ جتن کا جائزہ لیا جائے تو برصغیر کی تہذیبی، لسانی اور ادبی فضا کی نئی تشکیل میں صوفی ازم کی عطا نظروں سے چھپی نہیں رہتی۔

بول چال کے معاملے میں صوفیاء نے ہندوی (دکھنی، گجراتی اردو) کو تہذیبی سطح پر تراجم کے ذریعہ ایک نیا تناظر فراہم کر دیا اور یوں یہ گری پڑی زبان اس قابل ہو گئی کہ ہندوستان میں نو وارد مسلمانوں کی مختلف زبانوں اور ان کے علاقائی ادب کے موضوعاتی تجربات کے مؤثر اظہار کا ذریعہ بن سکے۔ عربی، عجمی اور ہندی کے ملے جلے ادبی منظر نامے کو سمیٹ سکے۔

اس طرح اردو زبان کی نشوونما کے ابتدائی چند برسوں میں ہی تراجم کے ذریعے ایک سیکولر لسانی مزاج کا تعین ممکن ہو سکا، جو سنسکرت کے کٹرپن کی نسبت ہمہ گیر کشش کا حامل تھا۔

کہاں وہ وقت کہ سنسکرت 'الٰہی زبان' سمجھی جاتی تھی اور پراکرت (ہندوی بھی اسی میں شمار تھی) مجبور محض انسانوں کی زبان۔

عالمی پراکرت بولتے تھے اور خواص سنسکرت۔ سنسکرت زبان مذہبی، علمی اور ادبی مباحث کا وسیلہ تھی جبکہ ہندوی (اردو) محض عوام کے لین دین کی زبان۔ کہا جا سکتا ہے کہ صوفی ازم نے برصغیر کی کچلی ہوئی محکوم آبادیوں کو سماجی سطح پر لسانی ناانصافی سے نجات دلوائی، نیز ہندوی (اردو) زبان کو دینی اور دنیاوی علوم کے لئے برت کر وسعت قلبی کا مظاہرہ کیا۔

اُنھوں نے 'وحدۃ الوجود' کے فلسفہ کو موضوعی سطح پر خصوصی التزام کے ساتھ ہندوی نظم و نثر میں برت کر نہ صرف مُشرکانہ عقیدہ پر ضرب کاری لگائی بلکہ 'پاک و پوتر' برہمن اور 'ملیچھ' سودر کی اونچ نیچ کو بھی ختم کر کے رکھ دیا۔

رسم الخط کے معاملے میں صوفیاء کرام کے تراجم کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ برصغیر کی گری پڑی زبانیں عربی رسم الخط اختیار کرتی گئیں اور ہندوی (دکھنی، گجراتی اردو) کی صورت میں موضوعاتی اور اسلوبیاتی سطح پر ہندوستان بھر کی علاقائی حدود میں جکڑی ہوئی چھوٹی بڑی زبانیں ہم آہنگ ہوتی چلی گئیں۔ یوں اردو ایک بین الصوبائی رابطے کی زبان کی حیثیت میں ابھری جبکہ عربی اور فارسی ادبیات کے عظیم خزینہ سے اس کا معنوی اور صوری الحاق سٹرکچرل سطح پر اسلوبیاتی تجربات کے لئے زمین ہموار کر گیا۔

ان تراجم میں عام طور پر صوفیاء نے عام فہم زبان برتی اور بات چیت کا انداز اختیار کیا۔ اِس سے ہوا یہ کہ اردو زبان میں مکالمہ نگاری کو ورتاوے کی تجرباتی سطح پر مضبوط بنیادیں میسر آ گئیں اور بعدازاں رہس سے ڈرامہ اور داستان سے ناول تک کا سفر کٹھن نہیں رہا۔ اسی طرح صوفیانہ نثری اور منظوم رسائل، نیز مثنویوں اور نظم کی دیگر اصناف میں فارسی کی مٹھاس کے ساتھ اس کا ادبی تجربہ اور عرب کی زبان دانی کے ساتھ مقولوں کی صورت میں لوک دانش کا خزانہ بھی اردو میں منتقل ہوا، اور یوں اس گری پڑی زبان کو بہت کم مدت میں 'اردوئے معلیٰ' کے درجہ تک اوپر اٹھ آنے میں سہولت میسر آئی۔ اس کی ایک مثال قدیم دکنی (یا دکھنی) ادب کا اولین شاہکار 'سب رس' (از ملاوجہی) ہے۔

'سب رس' کی اہمیت اسلوب ہی کی بنا پر ہے۔ مثال: ''ہمت، نظر کو بہوت کسیا، پیٹ پکڑ کر ہنسیا، کہا شاباش تجھے اس کام پر بہوت ہم سے۔''

(سب رس' سے اقتباس)

ملاوجہی کے اس نثری اسلوب کی دیگر خوبیوں کے ساتھ ساتھ یہ خوبی واضح طور پر نظر آتی ہے کہ اس میں وجہی نے نثر اور نظم کو باہم ایک کر دیا ہے، یا یوں کہنا چاہیے کہ نظم کی ساری خوبیاں نثر میں سمو دی ہیں۔ لیکن اس بڑے کارنامے کی بنیاد صوفیاء کرام کی وہ نثری تحریریں ہی بنی ہیں جن میں پند و نصائح کے بیان کے لئے نظم اور نثر کو گھلا ملا کر نئے اسالیب بیان کی جستجو کی گئی ہے۔

ہم اپنے نثری ادب کے اسلوبی پس منظر پر نگاہ ڈالیں تو یہ حقیقت کھلتی ہے کہ عربی اور فارسی کی نثری اور منظوم کتب کے ہندوی (اردو) میں تراجم اور شرحیں، نیز صوفیانہ رسائل نظم و نثر میں آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی کے تراجم و تشریحات ایک ایسا عظیم دینی اور لسانی (ایک حد تک ادبی) کارنامہ ہے، جس نے اردو زبان کو اس کے ایام طفلی میں ہی اسلوبیاتی سطح پر اظہار کے ایسے سانچے فراہم کر دیئے جن سے جانکاری کے لئے عالمی سطح پر بیشتر زبانوں کو صدیوں کے تجربات سے گزرنا پڑا۔

انگریزوں کی آمد اور نئی تہذیبی صورت حال (سیرام پور پادری مشن)

اس عنوان کے تحت دو ضمنی موضوعات:

یہاں سیرام پور پادری مشن، (11 / نومبر 1793ء) اور انگریزی سے ترجمے کی قدیم روایت، زیر بحث رہیں گے۔

انگریزوں کے نو آبادیاتی نظام اور عیسائیت کی اشاعت کے باب میں سیّد علی عباس جلالپوری لکھتے ہیں؟

''ملوکیت پسندوں اور تاجروں نے سترھویں صدی سے مذہبی تبلیغ کی اہمیت کو محسوس کر لیا تھا۔ چنانچہ سینکڑوں مشنری ادارے قائم کئے گئے اور مشنری، عیسائیت کی تبلیغ کے لئے جوق در جوق مشرقی ممالک کو جانے لگے۔ یہ سلسلہ ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ عیسائیت کی اشاعت سے اہل مغرب کا مقصد یہ تھا کہ دیسیوں نے عیسائیت قبول کر لی تو وہ اپنے مغربی آقاؤں کو اپنا ہم مذہب سمجھ کران کی معاشی لوٹ کھسوٹ کے خلاف احتجاج نہیں کریں گے۔

اس طرح اہل مغرب نے مذہب کے نام پر اقتصادی تسلط برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ جنوبی افریقہ کے ایک قبائلی سردار نے کہا تھا:

''جب سفید آدمی آیا تو اس کے پاس بائبل تھی اور ہمارے پاس اراضی، اب اُس کے پاس اراضی ہے اور ہمارے پاس بائبل۔''

('روح عصر' طبع اوّل: فروری 1969ء، ص :107)

آخر الذکر حقیقت سے انکار نہیں، لیکن میں یہاں محض مفروضوں پر قائم کردہ ایک غلط فہمی کو رفع کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے اعمال میں براہ راست برطانوی حکومت کی نمائندہ تھی اور تجارتی مقاصد کے حصول کے ساتھ ساتھ اس پالیسی پر بھی گامزن تھی کہ یہاں کے لوگوں کو ان کے اپنے مذاہب سے متنفر کرے اور عیسائیت کے فروغ کی کوشش کرے۔ (''نویدِ فکر'' از سبط حسن میں بھی سیکولرازم کے باب میں یہ مفروضہ اپنی تمام تر قباحتوں کے ساتھ موجود ہے۔)

جب کہ اصل صورت حال اس سے بالکل مختلف ہے۔

ابتداء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے جس طرح مسیحیت کا پرچار کرنے والوں کو سختی سے کچلا ہے اس کی مثال دنیا کے کسی خطے اور کسی زمانے میں نہیں ملتی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ پرتگالیوں کے ہندوستان میں وارد ہونے اور ہندوستان میں ان کی تجارت میں کامیابی کے ساتھ ہندوستان کے مذہبی حلقوں میں ان کی نامقبولیت کے واضح ثبوت تھے۔ یعنی پرتگالیوں کا کٹر پن کی حد تک عیسائی ہونا۔

اسی طرح جب ڈنمارک کی حکومت نے عیسائی پادریوں کو سیرام پور میں تحفظ فراہم کیا تو ہندوستان کے تمام مذہبی حلقوں میں ڈچ لوگ اپنی مقبولیت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ سو، ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہ صورت حالات دیکھ کر محض تجارتی اور سیاسی بنیادوں پر فائدہ اٹھانے پر ہی اکتفا کیا اور مذہب کے پرچار کو آنے والے وقت پر چھوڑ دیا۔ اس سے ہندوستانی لوگوں پران کے آزاد خیال اور مذہب سے غیر متعلق ہونے کا تاثر قائم ہوا اور یہ خیال راسخ ہوگیا کہ کمپنی کا برطانوی حکومت کے ساتھ واجبی سا تعلق ہے اور یہ محض تجارتی معاملات تک محدود ہے۔

اس کے برعکس پرتگالی، فرانسیسی اور ڈچ تجارتی کمپنیاں اپنی حکومتی پالیسیوں کو ساتھ لے کر چلیں اور آخر کار ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں مار کھا گئیں۔ اس ناکامی کا سب سے بڑا سبب ان کا ہندوستان کے ساحلوں پر بیک وقت بحیثیت تاجر، حاکم اور مبلغ کے اترنا تھا۔

قدیم وقتوں سے پادریوں کے مغرب سے مشرق کی طرف آنے اور تبلیغی سرگرمیوں میں حصہ لینے میں مندرجہ ذیل پانچ اہم مشکلات حائل رہیں۔

1۔ فاصلہ اور طویل سفر کی صعوبتیں۔

2۔ قتل کئے جانے کا خوف۔

3۔ زندگی کی روزمرہ ضروریات فراہم کرنے کی دقتیں۔

4۔ مشرق میں مقامی لوگوں کی جہالت اور بربریت۔

5۔ زبان پر عبور حاصل کرنے اور طرز معاشرت کو سمجھنے کی مشکلات۔

1786ء میں برطانیہ کے پادری ولیم کیری نے ہندوستان کا سفر اختیار کرنے کی ٹھانی تو اس کے نزدیک مشکلات کی نوعیت ویسی نہیں تھی کہ جس طرح اس سے پہلے محسوس کی جاتی تھی۔ خود اس کے خیال میں:

1۔ قطب نما کی ایجاد نے بحری سفر کی مشکلات کو بڑی حد تک ختم کر دیا تھا، اور اس کا ایمان تھا کہ:

''یقیناً بحری ممالک میری راہ تکیں گے اور ترسیس کے جہاز پہلے آئیں گے کہ تیرے بیٹوں کو ان کے روپے اور سونے سمیت دور سے خداوند تیرے خدا اور اسرائیل کے قدوس کے لئے لائیں۔''

(یسعیاہ 20 باب 9 آیت)

2۔ قتل کیے جانے کے خوف کے بارے میں لکھتا ہے:

''یہ ہوسکتا ہے کہ اُن لوگوں (پادریوں) کی کوئی حرکت اُن جاہلوں کی نظر میں ہتک آمیز ہو یا کم از کم ان لوگوں نے کوئی ایسا کام کر دیا جو ان وحشیوں کے خیال کے بموجب نامناسب ہو۔ ایسی صورت میں اگر وہ اپنے خیالات و جذبات کی حفاظت کرنے کی غرض سے کسی ناجائز فعل کے مرتکب ہو گئے ہوں تو اُن کے اِس فعل کو اُن کی بربریت یا خونخواری کی دلیل سمجھنا بے انصافی ہے۔

کوئی تعجب کی بات نہیں کہ جہازران اپنی روایتی کوتاہ اندیشی کی وجہ سے وحشیوں کے جذبات کو ٹھیس لگائیں اور وہ وحشی اپنی ناشائستگی کی وجہ سے اس کا انتقام لیں۔ لیکن ایلیٹ اور بریرڈ اور موراویہ کے مشنریوں کو اس قدر نہیں ستایا گیا۔''

(مضمون: ''انکوائری'' از ولیم کیری مطبوعہ: 1792ء)

3۔ ''یہ عذر کہ ہم کو زندگی کی ضروریات فراہم کرنے میں دقتیں درپیش ہونگی، اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ دراصل یہ کوئی ناقابل حل مشکل نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ہم کو ولایتی کھانے دستیاب نہ ہوسکیں لیکن ہم دیسی غذا پر ہی اکتفا کر سکتے ہیں۔''

(مضمون: 'انکوائری' مشمولہ: 'ولیم کیری' از ایس ایم سنگھ: 1960ء)

4۔ ''یہ کہنا بھی کوئی معقول عذر نہیں کہ یہ لوگ غیر مہذب اور وحشی ہیں۔ ایسی باتیں تو اُن لوگوں کے منہ سے نکلتی ہیں جو دوسروں کے بھلے کی خاطر اپنے جسم کو تکلیف دینا نہیں چاہتے۔

پھر یہ کہنا کہ یہ غیر مسیحی اقوام غیر مذہب ہیں اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ ان تک انجیل کا پیغام نہ پہنچایا جائے۔''

(مشمولہ: 'ولیم کیری' از ایس ایم سنگھ)

5۔ ''ان کی زبان سیکھنے کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو طریقے ہم تجارت کی غرض سے زبان سیکھنے کے لئے استعمال کرتے ہیں وہی اس صورت میں بھی کارآمد ثابت ہوں گے۔ کہیں کہیں ترجمانوں کی ضرورت ہوگی جو کچھ عرصہ تک رکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن اگر ترجمان نہ مل سکیں تو مشنری کو تحمل سے کام لینا پڑے گا۔''

('ولیم کیری' از ایس ایم سنگھ، ص: 44)

ولیم کیری (1834ء۔1761ء) کا نام کلیسائے ہند کی تاریخ کا سب سے اہم نام ہے۔ اُس نے انتہائی نامساعد حالات میں ہندوستان پہنچ کر عیسائیت کی تبلیغ کا بیڑا اٹھایا اور اس مشکل سے عمر عزیز کے چالیس سال نباہ کیا۔ جہاں فورٹ ولیم کالج میں مستقبل کے انگریز حکمران اُسی سے تعلیم پاتے رہے، وہیں خود اس کی ذات کا اثر ہندوستان کی سیاست پر بہت گہرا پڑا۔ رام رام باسو اور مرتونجے ودیالنکار جیسے عالم پنڈتوں سے اس کے روابط نے اناجیل کے اردو تراجم کے ذریعے ہندوستانی ادب کو بھی متاثر کیا۔ ہندوستان کا اولین بنگالی اخبار 'سماچار درپن'، ہندوستان کا اولین ہندی رسالہ 'دیگ درشن' اور اولین انگریزی رسالہ "Friend of India" اس کی زیرسرپرستی معروض وجود میں آئے۔ ہندوستان کی اوّلین چھاپہ مشین بنگال (بمقام سیرام پور) اُسی کے ہاتھوں نصب ہوئی۔ ہندوستان کی چالیس سے زائد بولیوں اور زبانوں کے ٹائپ ولیم کیری نے اپنے کارخانے (بمقام سیرام پور) میں وضع کروائے اور ہندوستان کی اولین کاغذ ساز مشین بھی سیرام پور میں اسی کے ہاتھوں نصب ہوئی۔ وہ سیرام پور جیسے دور افتادہ علاقے میں ایک ایسا تعلیمی ادارہ بنانے میں کامیاب ہوا، جس ادارے کو اپنی پرائیویٹ (خانگی۔نجی) حیثیت میں باضابطہ یونیورسٹیوں کی طرح امتحان لے کر ڈگریاں دینے کا اختیار حاصل تھا۔ لیکن ہندوستان میں مشکلات بے پناہ تھیں۔

ولیم کیری نے اپنے مضمون کے آخر میں مندرجہ ذیل عملی تجاویز پیش کی تھیں:

1۔ متحد ہو کر دل سے دعائیں کی جائیں۔

2۔ ایک عالمگیر نوعیت کی بپٹسٹ سوسائٹی، ایسے اشخاص پر مشتمل قائم کی جائے جن میں خدمت کا جذبہ ہو۔

3۔ سوسائٹی کی ایک مجلس عاملہ قائم کی جائے۔

4۔ امیروں اور غریبوں۔ غرضیکہ تمام لوگوں سے اللہ کی راہ پر ان کی آمدنی کا دسواں حصہ حاصل کیا جائے یا تمام کلیساؤں کے شرکاء سے اوسطاً ایک آنہ فی ہفتہ وصول کیا جائے۔

مختصراً ولیم کیری کے معرکہ آرا مضمون ''انکوائری'' کو انگلستان کی اولین اہم تبلیغی انجمن کا خاکہ کہنا چاہیے۔ یہ مضمون ناٹنگھم برطانیہ کے مقام پر قائم شدہ بپٹسٹ پاسبانوں کی ایسوسی ایشن "Pastors Association" کے ایک اجلاس منعقدہ 1792ء میں پڑھا گیا۔ آگے چل کر یہ ادارہ ولیم کیری، سٹکلف اور رائیلنڈ جیسے نامور مشنریوں کی کوششوں سے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوا۔ (ایسوسی ایشن کا اولین دفتر واقع فرنیوال سٹریٹ لندن دوسری جنگ عظیم کے دوران تقریباً تباہ ہو گیا تھا، اس لئے کیٹرنگ میں منتقل کر دیا گیا۔)

یاد رہے کہ 1787ء میں مالوہ سے چارلس گرانٹ نے ولیم ولبرفورس اور چارلس سائمین کو خطوط لکھے تھے کہ کم از کم آٹھ مشنری ہندوستان روانہ کئے جائیں لیکن اسے برطانیہ سے کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ اس واقعہ کے ٹھیک تیس برس بعد (1817ء) جب چارلس گرانٹ کمپنی کے کورٹ آف ڈائریکٹرز کے صدر نشیں ہوئے تو اُنھوں نے افسوس کے ساتھ کہا تھا:

''میں نے بنگال میں ایک مشن جاری کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن خدا کی مرضی یہ تھی کہ یہ فخر ''بپٹسٹ کلیسا'' کو حاصل ہو۔''

یہاں اس بات کی وضاحت انتہائی ضروری ہے کہ ابتداء میں بپٹسٹ ایسوسی ایشن کی راہ میں سب سے بڑی مشکل کلیساؤں کی جنرل اسمبلی کے ایک کھلے اجلاس نے پیدا کر دی تھی۔ جس میں اعلانیہ اس نوع کی تحریکوں کو بدعت سے تعبیر کیا گیا۔ تاہم بپٹسٹ مشنری سوسائٹی، برمنگھم کے قائم ہو جانے کے ٹھیک پچانوے سال بعد ملکہ وکٹوریہ کے شاہی چپلین آرچ ڈیکن فیرر۔ (Archdeacon ferrer) نے ویسٹ منسٹر ایبے میں وعظ کرتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ کہے:

''اُس دن لوگ اس بات کا مضحکہ اڑاتے تھے کہ انگلستان نے دنیا کو مسیحی بنانے کے واسطے ایک موچی کو بھیجا ہے۔ یہ ان ہی لوگوں کے حقیقی جانشین تھے جنہوں نے ان سے دو ہزار برس پیشتر ملک فلسطین میں یسوع ناصری کو دیکھ کر حقارت اور نفرت سے کہا تھا: کیا یہ ناصرۃ کا بڑھئی نہیں ہے؟''(''ولیم کیری'' از ایس ایم سنگھ مطبوعہ: پنجاب رلیجنیس بک سوسائٹی، لاہور 1960ء)

اس بڑی تعریف کے پیچھے ولیم کیری اور اس کے دیگر ساتھیوں کی لازوال قربانیاں محسوس کی جاسکتی ہیں۔

جب اوّل اوّل 10 جنوری 1793ء کو کیٹرنگ کے مقام پر ولیم کیری اور ٹامس (ایک پادری اور ایک ڈاکٹر) کو ہندوستان کے لئے مشنری مقرر کیا گیا جبکہ کمیٹی کے دیگر ممبران کا یہ حال تھا کہ بقول فُلر:

> ''یہ محسوس کرتے تھے جیسے ہندوستان ایک سونے کی کان ہے، جو زمین کے قلب میں واقع ہے۔ سوال یہ تھا کہ اس اتھاہ گہرائی میں اُتر کر کون اس بیش قیمت سونے کو نکالنے کی جرأت کرے گا۔''
>
> ('ولیم کیری' ص: 58)

ولیم کیری نے ٹامس کے ہمراہ اس تاریک غار میں اُترنے کی ہمت کی۔ ہندوستان کی طرف ولیم کیری کا بحری سفر 26 مارچ 1793ء کو آغاز ہوا۔ مشکل یہ تھی کہ پارلیمنٹ نے دس سال پیشتر ایک قانون منظور کیا تھا جس کی رُو سے ہر وہ انگریز جو بغیر لائسنس یا اجازت نامہ ہندوستان میں پکڑا جائے تو جرمانہ اور قید کی سزا کا مستوجب ہوتا تھا۔ ولیم کیری اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے:

> ''بحری جہاز 'آکسفورڈ' کا کپتان وائٹ اس مشکل مرحلے میں مددگار ثابت ہوا۔ نہ صرف یہ کہ اُس نے جہاز میں بازپرس نہ کی بلکہ ہندوستان تک بغیر اجازت نامہ کے پہنچانے کا ذمہ بھی لیا، لیکن انڈیا آفس سے ایک گمنام خط موصول ہونے پر ولیم کیری کو وہیں روک لیا گیا۔ خط میں لکھا تھا کہ ان مسافروں میں سے 'ایک' ایسا بھی ہے جس کو کورٹ آف ڈائریکٹرز کی طرف سے پروانہ راہداری حاصل نہیں۔''
>
> ('ولیم کیری' از ایس ایم سنگھ)

یہ دھمکی آمیز خط سارے کئے کرائے پر پانی پھیر گیا۔

قصہ کوتاہ، سخت جدوجہد کے بعد کمپنی کے کارندوں سے چھپتے چھپاتے ولیم کیری اور ٹامس، ڈنمارک کے انگیجری جہاز "Kron Princessa Maria" کے ذریعے 13 جون 1793 کی صبح پانچ بجے ہندوستان کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ ولیم کیری نے اپنی ڈائری میں لکھا:

"آج کا دن میرے لئے نہایت درجہ روحانی مسرت کا دن ہے۔"

ہندوستان کی طرف باقاعدہ مشن کے تحت اوّلین برطانوی پادری کا یہ سفر ایسٹ انڈیا کمپنی کی نظروں میں غیر قانونی تھا۔ پانچ ماہ کی طویل بحری مسافت کے بعد جہاز 11 نومبر 1793ء کو کلکتہ کی بندرگاہ تک پہنچا۔

اس وقت کلکتہ کی آبادی فقط دو لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ ولیم کیری نے شہر کا گشت کرتے وقت جو مشاہدات کئے ان کا نقشہ اُس نے اپنی ڈائری میں یوں کھینچا ہے:

> "اس وقت میری نظروں کے سامنے ایک ایسا ملک ہے جو دنیا کے چند بہترین ممالک میں شمار کئے جانے کے لائق ہے۔ اس میں محنتی اور جفاکش بستے ہیں لیکن اس ملک کے پانچ حصوں میں سے تین حصے جنگل ہی جنگل ہیں، جن میں کسی قسم کی کاشت نہیں ہوتی۔ ان جنگلوں میں درندے اور سانپ وغیرہ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اگر یہاں انجیل نے اپنا کام کیا تو گویا بیابان شاداب میدان بن جائے گا۔"

('دی لائف آف ولیم کیری' از ڈاکٹر جارج سمتھ مطبوعہ: بپٹسٹ مشن برمنگھم)

یہ وہ زمانہ ہے جب لارڈ کلائیو ہندوستان میں کمپنی کی بنیادیں مستحکم کر چکا تھا۔ وارن ہیسٹنگز برطانیہ پلٹ کر اپنے مخالفین کا سامنا کر رہا تھا اور آخری گورنر جنرل لارڈ کارنوالس اپنے سات سالہ کامیاب عہد حکومت کے بعد سبکدوش ہو کر واپس برطانیہ جا رہا تھا۔

اُس وقت تک جنوبی ہند میں برائے نام مسیحی آبادی تھی جو لُوتھرن (Lutheran) فرقہ کے جرمن پادری مشن 1707ء کا نتیجہ تھی۔ جسے انگریزوں اور فرانسیسیوں کی متواتر جنگوں (کرناٹک کی لڑائیاں) نے اس حالت تک پہنچا دیا تھا کہ اُن کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ جنوبی ہند میں مسیحیت کے کامیاب نہ ہونے کا ایک خاص سبب یہ تھا کہ جنوبی ہند برہمن مت کا مرکز نہیں تھا اور یہ معمولی کامیابی آرین قوم کے بُت پرست ہندوؤں میں نہیں بلکہ دراوڑی قوموں کے بیچ حاصل ہوئی جو بھوت پریت (Spiritism) کی پوجا کرتے تھے۔

شمالی ہند میں اوّلین ہندوستانی مسیحی، دہلی کے بابو گنیش داس تھے۔ جنہوں نے پادری ٹامس کی تعلیمات سے اثر قبول کیا۔ (بابو گنیس، داس لارڈ کلائیو کی فوج میں باقاعدہ ملازم تھے۔ وہ پہلے اعلیٰ ذات ہندوستانی تھے جنہوں نے برطانیہ کا سفر کیا اور کلکتہ کے سپریم کورٹ کے ججوں کے ہمراہ 1774ء میں بحیثیت فارسی مترجم واپس ہندوستان آئے)۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ صحیح معنوں میں ولیم کیری اور اس کا ساتھی ٹامس کلکتہ شہر سے باہر نہ جا سکے حتیٰ کہ کیری بالکل نادار ہو گیا اور شہر کے اخراجات سے بچنے کے لئے دریائے ہگلی کے کنارے باندیل نامی مقام پر منتقل ہو گیا۔ علاقہ باندیل میں کیری اور ٹامس نے مناظرے، مباحثے اور منادی سے اپنے مشن کی ابتداء کی۔ لیکن باندیل میں زیادہ تر آبادی پرتگالیوں اور دیگر یورپین اقوام کی تھی، یہاں رہ کر خالص ہندوستانیوں سے رابطہ ناممکن تھا۔ اس لئے مشہور مصلح چیتنیہ کی جائے پیدائش 'ندیا' کا رخ کرنے کی ٹھانی گئی۔

ندیا، اس زمانے میں برہمن مت کا گہوارہ تھا۔ یہاں سنسکرت کے بہترین وِدوان پائے جاتے تھے اور یہ شہر ایک دھارمک استھان (مذہبی مقام) ہونے کی حیثیت سے پُونا، بنارس اور کانجی ورم جیسے مذہبی مقامات کا ہم پلہ تھا لیکن کیری کی یہ حسرت دل ہی میں رہی اور اُسے ندیا میں مستقل رہائش اختیار کرنے کی اجازت نہ مل سکی۔ اس موقع پر ولیم کیری نے فورٹ ولیم کے چیپلین ڈیوڈ براؤن سے مدد کی درخواست کی لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اس زمانے میں کیری کا پانچ سالہ بیٹا پیٹر شدید بیمار تھا اور مسلسل تفکرات نے بیگم کیری کو

خللِ دماغ کا مریض بنا دیا تھا۔ کئی ماہ کی مسلسل دوڑ دھوپ کے بعد اسے دیب ہاٹ (سندر بن) میں ایک قطعۂ اراضی نصیب ہوا۔ اس کامیابی میں پنڈت رام رام باسو کی کوششوں کو دخل تھا۔ دیب ہاٹ میں ولیم کیری کی اولین قیام گاہ 'سالٹ صاحب کا بنگلہ' کے نام سے آج بھی موجود ہے۔

لیکن یہاں قیام نہایت مختصر رہا۔ اس کے بعد کیری نے نیل کی کاشت کا لائسنس حاصل کر لیا اور مدن باٹی کے کارخانے تک رسائی حاصل کر لی۔ نیل کی کاشت، کیری جیسے نادار شخص کے لئے مستقل گھاٹے کا سودا تھا اور یہ وہ زمانہ تھا جب ایسٹ انڈیا کمپنی فقط سوداگروں ہی کی نہیں بلکہ کارخانہ داروں اور سرمایہ داروں کا ادارہ تھی اور اُن کی اجارہ داری چھوٹے کاشت کاروں کے لئے وبالِ جان بنی ہوئی تھی۔ کیری بھی اس اجارہ داری کا شکار رہا۔

(یہی وہ زمانہ ہے جب اس کا بیٹا پیٹر پیچش کا شکار ہوا اور جانبر نہ ہو سکا۔ اس کی قبر کھودنے والے چار افراد کو گاؤں کے نمبردار نے اپنی برادری سے خارج کر دیا۔)

مدن باٹی میں ولیم کیری کی تعلیمات سے متاثر ہو کر پرتگالی نسل کا ایک فرد اگنیشئس فرینڈس (Ignatius Femandez) مسیحیت کی طرف آیا۔ بعد میں اس شخص نے کلکتہ شہر میں ہندوستان کا پہلا پروٹسٹنٹ عبادت خانہ 1797ء میں تعمیر کروایا۔ مدن باٹی میں منادی کرنے اور بنگالی میں کتابِ مقدس کے ترجمے کی طرف توجہ کی۔ اس کام میں سب سے بڑی دقت یہ تھی کہ بنگالی زبان میں ادبیت کے فقدان کے سبب الفاظ و محاورات کے انتخاب میں بہت محتاط رہنا پڑتا تھا۔ اس مشکل سے نبرد آزما ہونے کے لے ولیم کیری نے سنسکرت کی طرف توجہ کی۔ حتیٰ کہ اُس نے اپریل 1796ء میں آریائی اقوام کی یہ مادری زبان سیکھ لی، اب بنگالی میں ترجمہ کرنا اُس کے لئے مشکل نہ تھا۔ 1798ء کے شروع میں اس نے سٹکلف (Sutcliff) کو ایک خط میں لکھا:

''میں سنسکرت زبان سیکھ رہا ہوں جو شاید دنیا کی سب سے مشکل زبان ہے۔ اس کو سیکھنے کی غرض سے میں سنسکرت کی گرامر اور ڈکشنری کے ترجموں کو انگریزی میں تقریباً مکمل کر چکا ہوں اور ایک ایسی ڈکشنری کی ترتیب کا کام بھی کافی ترقی پا چکا ہے جس میں کہ سنسکرت کے الفاظ کا ترجمہ بنگالی اور انگریزی زبانوں میں ہوگا۔'' ('ولیم کیری' ص: 101)

1798ء میں اُس نے بائبل کے اوّلین بنگالی ترجمے کو تقریباً مکمل کر لیا۔ صرف یشوع کی کتاب سے ایوب کی کتاب تک کے چند تاریخی حصے باقی تھے۔ اس ترجمے سے متعلق کیری نے اپنے ایک خط میں فُلر (Fuller) کو لکھا تھا:

> ''اس کی ایک نظرثانی تو ہو چکی ہے لیکن کئی بار نظرثانی اور کرنی ہوگی۔ میں نے فقط اس کام کیلئے ایک پنڈت کو ملازم رکھ لیا ہے۔ اس کے ساتھ مل کر میں خود حتیٰ الامکان نظرثانی کرتا ہوں۔ وہ محاورات اور صرف و نحو کی خامیوں کو درست کرتا رہتا ہے اور میں خیالات کے صحیح مفہوم اور ترجمہ کی صحت و صداقت پر نظر رکھتا ہوں۔
>
> معمولی پڑھنے والے کے لئے یہ آسان نہیں کہ بنگالی پڑھتے وقت مناسب الفاظ پر زور ڈالے کیونکہ اس زبان میں اعراب قطعی نہیں ہیں۔ اب چھپائی کے طریقہ کا دارومدار سوسائٹی پر ہے۔ یعنی آیا چھاپنے کی مشین وغیرہ انگلستان سے آئے گی یا یہ یہیں چھپوائی جائے گی اور آیا یہ کہ اس کو چھپوایا بھی جائے گا یا نہیں۔''
>
> ('ولیم کیری'، ص: 101)

جب تک بپٹسٹ مشنری سوسائٹی، برطانیہ اس درخواست پر غور کرتی، ولیم کیری کلکتہ سے ایک پرانا لکڑی کا ٹریڈل مشین پریس مدن باٹی اٹھا لایا۔ یہ پریس اس کے ایک دوست اوڈنی نے چھیالیس پونڈ میں خرید کر مشن کو بطور عطیہ دیا تھا۔

یہ وہ زمانہ ہے جب برطانیہ سے نئے مشنریوں کی پہلی کھیپ روانہ کی گئی۔ نئے مشنریوں میں جان فاؤنٹین پہلا آدمی تھا جو ولیم کیری کے پاس مدن باٹی پہنچا۔ کیری، بھوٹیا قوم میں ایک نیا مشن قائم کر کے فاؤنٹین کو وہاں منتقل کرنا چاہتا تھا تا کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے دائرۂ اقتدار سے باہر رہ کر کام کر سکے لیکن سرکار نے اس کو وہاں تک جانے کا پروانۂ راہداری دینے سے انکار کر دیا۔

مختلف اقساط میں ادھر جب مدن باٹی سے ولیم کیری کا کیا ہوا (نظرثانی: رام رام باسو) بنگالی زبان میں بائبل کا ترجمہ شائع ہوا تو اس حد تک مقبول ہوا کہ برطانیہ میں British & foreign Bible Society کی بنیاد پڑی، جس کا مقصد فقط بائبل کے تراجم کی طباعت و اشاعت تھا۔

چرچ مشن نے 1815ء تک صرف جرمن پادری ہی ہندوستان بھیجے۔ بپٹسٹ مشنری سوسائٹی اس معاملے میں زیادہ خوش قسمت ثابت ہوئی۔ برطانیہ سے 1799ء میں سوسائٹی کے بھجوائے گئے نئے مشنریوں کی دوسری کھیپ چار مشنریوں پر مشتمل تھی۔ یہ چار مشنری برنڈسن (Brundson) گرانٹ (Grant)، جوشوا مارشمین (Joshua Marshman) ان کی اہلیہ حنا مارشمین (Hannah) اور ولیم وارڈ (W. Ward) تھے۔ (ابتدائی دو نام رائے لینڈ کلیسا کے اراکین تھے۔ یہ تمام افراد 12 اکتوبر 1799ء کو یہاں پہنچے۔)

ان خاتون و حضرات کو سوسائٹی نے اس امید پر ہندوستان بھجوایا تھا کہ کمپنی ان کو مستقل سکونت اختیار کرنے کی اجازت دے دے گی لیکن کمپنی کے کورٹ آف ڈائریکٹرز سے طویل مذاکرات کے باوجود سوسائٹی اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی۔ لہٰذا جب یہ لوگ پانچ ماہ کی طویل مسافرت کے بعد ہگلی پہنچے تو اس سے پہلے کہ جہاز کلکتہ کی بندرگاہ کی حدود میں داخل ہو، جہاز کے کپتان وکس (Capt. Wickes) نے ازراہِ مہربانی اُنھیں ایک کشتی میں سوار کر کے ایک مقامی بنگالی کلرک کے ہمراہ سیرامپور بھیج دیا۔ سیرامپور اس زمانے میں ''فریڈرک پور'' کہلاتا تھا۔

سیرامپور کا علاقہ کلکتہ سے پندرہ میل شمال کی جانب دریا کے کنارے کا کھلا علاقہ تھا جو اس وقت ڈنمارک کی حکومت کے زیر نگیں تھا۔ جنوبی ایشیا کے اس کنٹربری (Canterbury) میں قدم رکھنے کے بارے میں ولیم وارڈ اپنی ڈائری میں رقمطراز ہے:

''13 اکتوبر 1799ء بروز اتوار۔ میں اور برنڈسن رات بھر آسمان کے سایہ میں اپنے اپنے صندوقوں پر سوئے۔ علی الصباح ہم لوگ بخیر و عافیت سیرامپور پہنچے اور ایک ایسی سرائے میں، جس کی سفارش ہم سے کی گئی تھی ٹھہرے۔ آج کوئی عبادت نہیں ہوئی۔ اس جگہ ایک پرتگالی گرجا گھر کے علاوہ اور کوئی کلیسا نہیں ہے۔

16۔ اکتوبر۔ کپتان صاحب کلکتہ ہو کر آئے اور انہوں نے بتایا کہ جب تک ہم اپنے آپ کو ظاہر نہ کریں گے ان کا جہاز بندرگاہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا میں اور بھائی اینڈرسن کلکتہ گئے۔ دوسرے دن ہم کو خبر ملی کہ جہاز کو اس شرط پر اجازت ملی ہے کہ یا تو ہم تھانہ میں حاضر ہوں ورنہ سیرامپور میں سے باہر نہ نکلیں۔ ہم نے تمام باتوں پر غور کر کے فیصلہ کیا کہ ہم سیرامپور میں ہی قیام کریں گے جب تک کہ کدرپور سے ہمارے وہ دوست نہ آ جائیں، جن کو ہم نے خطوط روانہ کئے ہیں۔ کپتان وکس نے پادری براؤن (Revd: Browne) سے ملاقات کی جنہوں نے حتی الامکان ہماری مدد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ (یہ نام 'ریورنڈ ڈیوڈ براؤن' ہے۔ براؤن کلکتہ

میں برطانوی کلیسا کے Clergy Man تھے جو 24 نومبر 1800ء میں فورٹ ولیم کالج کے پرووسٹ مقرر ہوئے۔حکومت سے متعلق ہمارا جو رویہ ہونا چاہیے اس کے متعلق ہم کو چند ہدایات ملی تھیں، وہ ان کو پڑھ کر سنائی گئیں اور انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ تھانہ میں جا کر وہاں کے اعلیٰ افسر کو خبر کر دیں گے کہ ہم لوگ سیرامپور میں اس وقت تک ہیں جب تک کہ ہم کو شمال کی جانب جانے کی اجازت نہ مل جائے۔ ('ولیم کیری'، ص: 114، 115)

یہ مشن اپنے آغاز کار ہی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی مذہب سے متعلق پالیسی کے سبب سخت مشکلات سے دوچار ہوا۔محض چند ہی دنوں میں پادری گرانٹ کا انتقال ہو گیا۔

نئے آنے والے مشنری، مدن باٹی میں ولیم کیری کے نائب بن کر انگریزی حکومت میں مستقل سکونت اختیار کرنا چاہتے تھے لیکن کمپنی نے پادری ڈیوڈ براؤن اور ڈاکٹر راکسبرگ (Dr. Roxburgh) جیسے چیدہ افراد کی بات بھی نہ مانی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی پولیس کو اس بات کا ملال تھا سیرامپور کے ڈینش (Danish) گورنر کی پشت پناہی کے سبب یہ لوگ ان کی دست برد سے باہر چلے گئے، حتیٰ کہ یہ افواہ اڑا دی گئی کہ یہ لوگ 'تحریک پسند' تھے اور فرانس کی طرف سے جاسوسی کرنے ہندوستان پہنچے تھے۔

اس آڑے وقت میں سیرامپور کے گورنر نے نہایت دلیری سے ان کا ساتھ دیا اور کمپنی کے مراسلوں کے جواب میں لکھ بھیجا کہ لندن کے ڈینش (Danish) سفیر نے جن لوگوں کو میری پناہ میں دیا ہے، اُن کی میں آخری دم تک حفاظت کروں گا۔

ان حالات میں خود ولیم کیری کا مدن پارٹی میں رہنا مشکل ہو گیا لہٰذا اس نے بھی مدن باٹی کو چھوڑ کر سیرام پور منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے اس نے اپنی یادداشتوں میں لکھا:

> ''سیرام پور میں ہم لوگ مشنری کی حیثیت سے مستقل سکونت اختیار کر سکتے ہیں، جبکہ اس کی برطانوی مقبوضات میں قطعاً اجازت نہ ملے گی۔ پھر مشن کے خاص مقصد یعنی بائبل کی طباعت اور اشاعت کے لئے جو سہولیات ہمیں سیرام پور میں مل سکتی ہیں وہ یہاں ملنی محال ہیں۔''
>
> ('ولیم کیری'')

10 جنوری 1800ء میں ولیم کیری، اس کی مخبوط الحواس بیوی، ڈاکٹر ٹامس اور پنڈت رام رام باسو مدن باٹی سے سیرام پور پہنچے۔ یہ سب کچھ حالات کے زیر اثر اور فلر کے مشورے سے ہوا۔ اس موقع پر اگر کچھ دیر اور تاخیر سے کام لیا جاتا تو شاید سیرام پور بھی مشنریوں کے ہاتھ سے نکل جاتا کیونکہ مدن باٹی کو چھوڑنے کے صرف ایک سال بعد ہی نپولین کی سیاسی حکمت عملی کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایسٹ انڈیا کمپنی نے ڈنمارک کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہوئے سیرام پور پر قبضہ کر لیا۔ اس معرکے کے دوران میں مدن باٹی کا علاقہ دونوں اطراف کی فوجوں کے بوٹوں تلے روندا گیا۔

کلکتہ اور بارک پور کے مقابل، دریا کی دوسری جانب 'ہوڑا' کا علاقہ ہے جس کا مرکز سیرام پور کی آبادی ہے۔ یہ گنجان آباد علاقہ وشنو کی پوجا کا مرکز ہونے کی حیثیت سے پوری کے بعد سب سے اہم تیرتھ شمار ہوتا ہے۔اوائل 1800ء تک سوائے ایک پرتگالی کیتھولک گرجا گھر کے اور کوئی عبادت گاہ وہاں نہ تھی۔

11 جنوری کو مشنریوں نے سیرام پور شہر کے وسط میں چھ ہزار روپے کے عوض ایک مکان خریدا۔ اس کے چاروں اطراف میں

خاصا وسیع کھلا احاطہ تھا جو مشن کے لئے انتہائی موزوں تھا۔

12 جنوری 1800ء کے لکھے ایک خط بنام فلر (برطانیہ) سے اقتباس دیکھیے:

''اس مکان سے انجیل کی تبلیغ و اشاعت شروع ہوگی اور تمام ہندوستان میں پھیل جائے گی۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ایک مدرسہ اور پریس سے جو کچھ بھی ہوسکتا ہے کام لیں۔ کاغذ آ ہی گیا ہے اور پریس مع ٹائپ و دیگر سامان کے مکمل ہو چکا ہے۔ چند ابواب کے سوائے بائبل کا ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ چھپائی کا کام فوراً شروع کر دیں۔ ہم پہلے نیا عہدنامہ چھاپیں گے اور پھر پرانا عہدنامہ۔ ہم کو اپنے کام سے عشق ہے اور ہم حتی الامکان آپ کے اخراجات کم کرنے کی کوشش کریں گے۔''

('ولیم کیری' از ایس۔ ایم۔ سنگھ ص 138)

اس خط کے ٹھیک ایک ہفتے بعد وارڈ اپنی ڈائری میں لکھتا ہے:

''18 جنوری 1800ء۔ اس ہفتہ ہم نے اپنے خاندان کے انتظام کے واسطے چند قوانین مرتب کئے۔ سب باری باری وعظ کہتے ہیں اور دعا کرتے ہیں۔ ہر شخص ایک مہینہ خاندانی امور کا نگران رہتا ہے۔ بھائی کیری خزانچی ہیں اور ان ہی کے سپرد دواؤں کا بھی انتظام ہے۔ بھائی فاؤنٹین لائبریرین ہیں۔''

(''ولیم کیری''، ص: 119)

ترجمے کے کام سے متعلق وارڈ نے اپنی ڈائری میں لکھا:

''یکم اگست۔ صبح کا کھانا کھا کر بھائی کیری ترجمہ کرنے اور پروفوں کی تصحیح کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ بھائی مارشمین مدرسہ کو واپس جاتے ہیں اور باقی چھاپہ خانہ میں کام کرنے لگتے ہیں۔

ہمارا کمپوزیٹر چلا گیا ہے مگر ہم اس کے بغیر ہی کام چلا رہے ہیں۔ ہم ہفتہ بھر میں 200 کاپی کے تین جز چھاپ لیتے ہیں۔ ہمارے پاس پانچ چھاپنے والے۔ ایک دفتری اور ایک جلد ساز ہے۔'' (''ولیم کیری''، ص 119)

واضح رہے کہ اس زمانے میں بپٹسٹ مشنری سوسائٹی برطانیہ، سیرام پور مشن کے لئے 360 پونڈ سالانہ برطانیہ سے بھجوایا کرتی تھی۔

گورنر جنرل لارڈ ولزلی کے اچانک انتقال (5 اکتوبر 1805ء بمقام غازی پور) کے بعد جب سر جارج بارلو قائم مقام گورنر جنرل مقرر ہوئے تو سیرام پور مشن ایک بار پھر مشکل حالات سے دوچار ہوا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے سرکردہ اراکین کے خیال میں ویلور کی بغاوت اور خونی فسادات کا اصل سبب سیرام پور کے مشنریوں کی سرگرمیاں تھیں۔ ابھی سر جارج بارلو ان افواہوں پر غور کر ہی رہے تھے کہ سیرام پور کے لئے سوسائٹی کی طرف سے بھجوائے ہوئے دو مشنری (چیٹر اور رابنسن) بھی پہنچ گئے۔ ان کی آمد نے گویا فضا کو اور خراب کر دیا۔

اوّل تو کپتان وکس (Capt: Wickse) کے جہاز کو بندرگاہ میں داخل ہونے سے روک دیا گیا اور اس کے بعد چیٹر (Chater) اور رابنسن (Robinson) کے خلاف حکم امتناعی جاری کر کے انہی فوراً واپس کر دیا گیا۔ اس ضمن میں پوچھ گچھ کے لئے ولیم

کیری کو 26 اگست 1806ء میں سپریم کورٹ کلکتہ کے سرکاری مترجم کے روبرو پیش ہونا پڑا۔ جہاں اسے سر جارج بارلو (قائم مقام گورنر جنرل) کا حکم نامہ پڑھ کر سنایا گیا۔ سر جارج بارلو نے لکھا تھا کہ:

''مشن آئندہ ہندوستانیوں کے درمیان تبلیغ کرنے سے باز رہے۔ نہ ہی کوئی پرچے تقسیم کرے اور نہ کسی ہندوستانی مبلغ کو تبلیغ کی غرض سے روانہ کرے۔ چونکہ سرکار خود رعایا کے مذہبی معاملات میں مخل ہونا مناسب نہیں سمجھتی لہذا کیری اور اس کے ساتھیوں کو بھی ایسا نہ کرنا چاہیے۔''

(''ولیم کیری''، ص: 138)

اب مشن کو یہ اختیار تو تھا کہ وہ بائبل کو چھاپیں اور اپنے احاطہ کی حدود میں منادی بھی کریں لیکن شارع عام پر لال بازار میں وہ صرف لندن کے کورٹ آف ڈائریکٹرز (Cout of Directors) سے اجازت نامے کے ساتھ ہی تبلیغ کر سکتے تھے۔

1807ء میں نئے گورنر جنرل لارڈ منٹو (Lord Minto) کا تقرر عمل میں آیا تو چیف سیکرٹری نے ولیم کیری کو ایک بار پھر طلب کیا اور 11، ستمبر 1807ء کے جاری شدہ نئے حکم کے مطابق مشن پریس فوری طور پر کلکتہ منتقل کرنے کو کہا، لیکن اس موقع پر گورنر کریفٹنگ نے مشن کے ساتھ ہمدردانہ سلوک روا رکھتے ہوئے اس حکم پر عملدرآمد کو رکوا دیا۔

ڈاکٹر جارج سمتھ اور سموئیل پیٹرس کیری کے لکھے کے مطابق سیرام پور مشن کے ہندوستان میں سب سے بڑے انگریز مخالفین کرنل سٹورٹ اور میجر سکاٹ ویرنگ تھے جنہوں نے اپنے بیانات میں کہا تھا کہ:

''ہم کو چاہیے کہ ہندوستان کا اعتماد حاصل کریں اور یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب ہم تمام مشنریوں کو برطانیہ واپسی کا حکم دے دیں گے۔

اگر ہم نے ہندوستان میں تبدیلی مذہب کی اجازت دے دی تو یہاں اس قدر بدامنی پھیلے گی کہ ہندوستان کی پچاس کروڑ آبادی انگریزوں کو ایسی آسانی سے نکال باہر کرے گی جیسے آندھی ریت کو اڑا دیتی ہے۔
کوئی باعزت ہندو کبھی ان کے ورغلانے میں نہیں آ سکتا۔
اگر مرہٹی زبان میں بائبل کی اشاعت کی اجازت دے دی گئی تو تعجب نہیں کہ مرہٹوں سے ایک بار پھر جنگ چھڑ جائے۔''

ادھر برطانیہ میں سڈنی سمتھ (Sydney Smith) مدیر و مالک 'ایڈنبرگ ریویو' دو مرتبہ سیرام پور مشن کے خلاف لکھ چکا تھا۔ واضح رہے کہ سڈنی سمتھ 'لندن کا شیر ببر' مشہور تھا اور اس کے لکھے کی کاٹ کا کوئی توڑ نہیں تھا۔

سڈنی سمتھ نے سیرام پور والوں کو "Nest of Consecrated Cobblers" کہا تھا۔ وہ لکھتا ہے: 'ہندوستان میں مقدس چماروں کے اس طائفہ کی موجودگی کسی طرح بھی گوارا نہیں کی جا سکتی، خصوصاً ان حالات میں جبکہ یہ خود دوسروں کے مذہبی عقائد کا احترام نہیں کرتے اور ان کے مذہبی جذبات کی توہین کرتے ہیں۔'

اس معرکے میں بڑے بڑے سورماؤں نے قلم کے جوہر دکھائے۔ سیرام پور والوں کے حق میں شاعر اور ناقد رابرٹ سودے (Robers Southy) نے بڑا بھرپور مضمون لکھا اور سڈنی سمتھ جیسے جغادری ادیب اور صحافی کو چپ کروا دیا۔ رابرٹ سودے لکھتا ہے:

''یہی حقیر اور جاہل مزدور ہیں جنہوں نے مکمل بائبل کا ترجمہ بنگالی زبان میں تیار کر کے اس کو طبع کیا ہے۔ نئے عہدنامہ کے تراجم سنسکرت، اڑیہ، مرہٹی، ہندی اور گجراتی زبانوں میں ہو گئے ہیں اور زیرِ طبع ہیں۔ فارسی، تلگو، کنتری، پنجابی، برمی اور چینی زبانوں کے تراجم پر کام ہو رہا ہے۔ ان میں سے چار زبانوں میں کل بائبل کا مکمل ترجمہ بھی کیا جا رہا ہے۔

معمولی حالات میں بھی مندرجہ بالا کارنامے حیرت انگیز ہو سکتے تھے لیکن ہماری حیرت کی انتہائی نہیں رہتی جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ ان مشنریوں میں سے ایک چمار تھا۔ ایک چھاپہ خانہ کا ملازم اور تیسرا ایک ادنیٰ مدرسے کا استاد۔''

('Quarterly Review, London, Vol.2')

محولہ بالا واقعات سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں رہتا کہ سیرام پور مشن کی بیخ کنی کے لئے ایسٹ انڈیا کمپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آج سیرام پور کالج کے اسمبلی ہال میں ڈنمارک کا ایک جھنڈا، اس طور پر لگا ہوا ہے کہ اس کا سایہ ولیم کیری کے ایک مجسمہ پر ہر وقت پڑتا رہتا ہے۔

ان حالات کا بے جگری سے مقابلہ کرتے ہوئے بنگالی زبان میں بائبل کا مکمل ترجمہ 24 جون 1809ء کو چھپ کر تیار ہوا۔

15 جون 1801ء میں ولیم کیری کے لکھے ایک خط بنام رائلینڈ (Ryland) کے مطابق پنڈت رام رام باسو نے ایک راجا کی سوانح عمری بنگالی زبان میں لکھی جو بنگالی زبان کی اولین سوانح عمری ہے۔ اسی زمانے میں رام رام باسو نے بنگالی کہانیوں کا ترجمہ مکمل کیا تھا۔ 1802ء تک سیرام پور پریس سے رامائن اور مہابھارت کے بنگالی ترجمے شائع ہو چکے تھے۔

آخرکار دارالامراء (House of Lords) میں لارڈ ولزلی نے بنفس نفیس مشن کی وکالت کی اور اپنی بات کو بھرے ایوان سے منوایا۔ لارڈ ولزلی کی پیش کردہ تحریک کے الفاظ یہ ہیں:

''ہر جگہ کہ ہندوستان کے برطانوی مقبوضات کے باشندوں کی سود و بہبود کو ترقی دینا ہمارے ملک کا عین فرض ہے۔ یہ ضروری سمجھا گیا کہ ایسے ذرائع و وسائل اختیار کئے جائیں کہ جن سے ان باشندگانِ ہند میں کارآمد علوم کی ترقی اور مذہبی و اخلاقی اصلاح و تحریک کی صورتیں پیدا ہوں۔ پس بایں وجہ لازم آیا کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے جو لوگ ہندوستان جانا اور وہاں بود و باش اختیار کرنا چاہیں ان کو معقول قانونی سہولتیں بھی بہم پہنچائی جائیں تاکہ یہ لوگ اپنے ارادوں کی تکمیل کر سکیں۔''

(''ولیم کیری''، ص: 153)

یہی وہ قرارداد تھی جس کے ذریعے ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے میں ہندوستان کے دروازے مُبلغین کے لئے کھل گئے۔

سیرام پور بپٹسٹ مشن مدرسہ کا قیام۔ 1800ء

یوں تو سیرام پور میں مشن کے لئے عمارت کی خریداری (11 جنوری 1800ء) کے ساتھ ہی 'سیرام پور مشن مدرسے' کی بنیاد پڑ گئی جب کہ 'سیرام پور کالج' کی ابتداء 1818ء میں ہوئی۔ یہ ادارہ ہندوستان میں مسیحی تعلیمات کا سب سے اہم اور نمایاں ادارہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

سیرام پور کالج کی سالانہ رپورٹ (بابت: 1933ء) کے مطابق اس کے بانیوں میں ولیم کیری، جوشوامارشمین اور ولیم وارڈ کے نام آتے ہیں۔

سالانہ رپورٹ کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے:

Founded By Carey, Marshman And Ward 1818. Incorporatd Roay Charter 1827.

اس کالج کے بنیادی مقاصد مسیحی تعلیم کا فروغ اور سائنسی علوم کی ہندوستان میں ترویج و ترقی تھے۔ 1827ء میں ڈنمارک کی حکومت کے شاہی چارٹر کی رُو سے اس کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا۔ 1845ء میں سیرام پور کے تاج برطانیہ کے زیرنگیں چلے جانے کے ساتھ ہی برطانوی حکومت نے سیرام پور کالج کے اس اعزاز کی توثیق کر دی۔ 1856ء میں 'بپٹسٹ مشنری سوسائٹی برمنگھم، برطانیہ' کو مکمل اختیار دے دیا گیا کہ وہ اس کالج میں فنون لطیفہ اور جدید ٹیکنالوجی کی تعلیمات کو جاری رکھ سکے۔ 1857ء میں سیرام پور کالج کا الحاق (بطور کالج) نئی قائم کردہ، کلکتہ یونیورسٹی سے کر دیا گیا جو ہندوستان میں قائم کردہ پہلی یونیورسٹی تھی۔

1883ء میں برطانوی حکومت نے بھی سیرام پور کالج کو با اختیار اور باقاعدہ یونیورسٹی کے طور پر تسلیم کرلیا، لیکن اس کے ساتھ ہی اس تعلیمی ادارے سے فنون لطیفہ اور دیگر مضامین کی کلاسیں ختم کر کے صرف اور صرف مسیحی تعلیمات کے لئے وقف کر دیا گیا۔ 1900ء سے 1910ء تک یہ ادارہ اپنی نوع میں دنیا کا نمایاں ترین مذہبی ادارہ تسلیم کرلیا گیا۔ 1910ء میں اعلیٰ درجے کی دینی تعلیمات کی ڈگریاں عطا کرنے والے عالمی سطح پر معروف اداروں میں سیرام پور کالج سرفہرست تھا۔

George Howells Serampure کی کتاب: "The story of Serampore and its college" مطبوعہ: 1927ء کے مطابق اس ادارے سے منسلک رہنے والے ابتدائی ناموں کی فہرست درج ذیل ہے:

1-	William Carey	—	1818-1832
2-	Joshua Marshman	—	1818-1837
3-	William Ward	—	1818-1823
4-	John Mack	—	1821-1845
5-	William Robinson	—	1832-1837
6-	J. Leechman	—	1832-1837
7-	W.H.Denham	—	1844-1858

ہندوستان میں سیرام پور کالج طرز کے تعلیمی ادارے کا قیام ہی اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ 19ویں صدی عیسوی تک مختلف شہروں میں مختلف مسیحی انجمنیں فعال حالت میں موجود تھیں۔ 1858ء میں براہِ راست تاج برطانیہ کے زیر اثر چلے جانے کے ساتھ ان انجمنوں اور اداروں کے طفیل ہندوستان میں بائبل اور اناجیل کے تراجم کی گرم بازاری دیکھنے میں آئی۔

سیرام پور بپٹسٹ مشن کے تراجم (1801ء۔1811ء)

سنہ اشاعت	نیا عہدنامہ	پرانا عہدہ			
		موسیٰ کی پانچ کتابیں	تواریخی کتب	صحائف انبیاء	دیگر کتب مقدسہ
1801ء	بنگالی	———	———	———	———
1802ء	———	بنگالی	———	———	———
1803ء	———	———	بنگالی	———	
1807ء	———	———	———	بنگالی	———
1808ء	سنسکرت	———	———	———	———
1809ء	اڑیہ		بنگالی		
1811ء	ہندی اور مرہٹی	سنسکرت	———	اڑیہ	اڑیہ

(نوٹ) مندرجہ بالا تراجم ولیم کیری نے پنڈت مرتونجے ودیا النکار کی معاونت کے ساتھ کیئے۔1811ء میں پادری ہنری مارٹن نے پہلی بار سیرام پور مشن کے تحت بائبل کا ترجمہ اردو زبان میں کیا۔ یہ ترجمہ 650 صفحات پر مشتمل تھا۔

(دیکھئے۔'فہرست کتب خانہ، گارسیں دتاسی' مطبوعہ ''نوائے ادب'' بمبئی، جنوری 1958ء، ص 8)

1812ء: آتشزدگی

11 مارچ 1812ء کی شام چھ بجے جب سیرام پور مشن پریس سے تمام کاریگر چھٹی کر کے چلے گئے تھے تو آتشزدگی کا واقعہ پیش آیا۔ اس واقعہ کی اطلاع 12 مارچ 1812ء کی صبح جوشوامارشمین نے ولیم کیری کو بپٹسٹ مشن کے دفتر واقع کلکتہ میں دی۔

مارشمین کے مطابق وارڈ نے دفتر سے اسے پکارا۔ وہ دونوں دوڑ کر دفتر کے جنوب کے رخ پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چبوترے پر کاغذات کا انبار لگا ہوا ہے اور اس میں سے بیس فٹ اونچا ایک شعلہ اٹھ رہا ہے۔ تقریباً نصف شب کو چھاپہ خانہ کی چھت ایک مہیب دھماکہ کے ساتھ گری اور ساری عمارت کو شعلوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ آگ دو بجے رات تک خود بخود فرو ہو گئی لیکن اس وقت تک تمام عمارت اور جو کچھ بھی اس میں تھا تباہ ہو چکا تھا۔

اس حادثے میں سنگھالی اور تامل کے نئے عہد ناموں کیلئے خریدا گیا ایک ہزار رم کاغذ اور تامل اور چینی زبانوں کے ٹائپ بالکل جل کر راکھ ہو گئے۔

اس حادثے کے بارے میں تاحال وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کیوں کر پیش آیا۔

ڈاکٹر جارج سمتھ اور سموئیل پیٹرس کیری کے مطابق اس حادثے میں چار ہزار چار سو پونڈ وزن کا ٹائپ تلف ہو گیا۔ عبرانی،

یونانی، فارسی، عربی اور تامل زبانوں کے ولایتی ٹائپ کا بیشتر حصہ پگھل گیا اور ان کے تیار کردہ ناگری، تلگو، بنگالی، برمی، مرہٹی، پنجابی، اڑیہ، تامل، چینی اور کشمیری زبانوں کے کل ایک سو چار مجموعے (Founts) تباہ ہوئے۔ یقیناً اُن میں سنسکرت کی گرائمر کا انگلش ترجمہ اور سنسکرت/انگلش ڈکشنری از ولیم کیری بھی تھی۔ عمارت، کتابیں، چھاپے کا سامان اور دیگر اوزاروں وغیرہ کو ملا کر اس حادثہ کی وجہ سے تقریباً دس ہزار پاؤنڈ کا مالی نقصان ہوا۔

چونکہ اس آتشزدگی میں پرانے عہدنامہ کی تاریخی کتابوں کے ترجموں کے تمام قلمی نسخے تلف ہو گئے لہٰذا انہیں دوبارہ ترجمہ کرنا پڑا اور یہ کام 1815ء تک تین سالوں میں مکمل ہوا۔ واضح رہے کہ آتشزدگی سے ہونے والے اِس مالی نقصان کی تلافی انگلستان نے صرف ساٹھ دن میں کر دی۔

سیرام پور بپٹسٹ مشن کے تراجم (1813ء۔1878ء)

سنہ اشاعت	نیا عہدنامہ	پرانا عہدہ			
		موسیٰ کی پانچ کتابیں	تواریخ کی کتب	صحائف انبیاء	دیگر کتب مقدسہ
1813ء	——	ہندی اور مرہٹی	——	——	——
1814ء	——	——	اُڑیہ	——	——
1815ء	پنجابی اور بلوچی (اناجیل متی، مرقس اور لوقا)	اُڑیہ	سنسکرت	——	——
1816ء	راجستھانی یعنی میواڑی (متیٰ کی انجیل)	——	مرہٹی	——	——
1817ء	——	پنجابی	——	——	——
1818ء	تلگو، مرہٹی، کونکانی اور پشتو	——	ہندی	ہندی	مرہٹی اور سنسکرت

1819ء	آسامی اور ہنڈہ	——	پنجابی	مرہٹی اور سنسکرت	——
1820ء	گجراتی، راجستھانی (یعنی بیکانیری) ہندی، اودھی (متی کی انجیل)	——	——	——	——
1821ء	کشمیری، پہاڑی (یعنی نیپالی) ہندی، مکھیلی اور راجستھانی یعنی (مارواڑی)	تلگو، مرہٹی اور کونکانی	——	——	——
1822ء	راجستھانی (یعنی براؤتی) ہندی اور قنوجی	آسامی	——	——	——
1823ء	کناری اور راجستھانی جے پوری (متی کی انجیل)		——	——	——
1824ء	——	پشتو	——	——	——
1825ء	پہاڑی یعنی کماؤنی (افیسوں کے خط تک) سندھی (متی کی انجیل)	——	——	——	——
1826ء	پنجابی، ڈوگری، بھٹ نیری، بہاری مگھدی اور راجستھانی یعنی مالوہ کی زبان	——	——	پنجابی	——

1827ء	ہندی (برج بھاشا) پہاڑی یعنی گڑھوالی، منی پوری اور پہاڑی یعنی پلپہ	——	——	——	——
1831ء	کھاسی	——	——	——	——
1832ء	——	——	پشتو، آسامی اور کشمیری	——	——
1833ء	——	——	——	آسامی	آسامی

(نوٹ) مندرجہ بالا تراجم، ولیم کیری نے پنڈت مرتونجے ودیا النکار کی معاونت کے ساتھ کئے۔ ولیم کیری کے ان تراجم کے علاوہ 1825ء میں 253 صفحات پر مشتمل ترجمہ 'داؤد کی زبور' 1829ء میں 'عہد نامۂ قدیم' کی اشاعت بھی سیرام پور سے ہوئی۔

1851ء میں 'کتاب مقدس' کا چھٹا ایڈیشن بپٹسٹ مشن (صدر دفتر سیرام پور مشن) کلکتہ سے چھپا۔

1861ء میں 'مزامیر' کا پہلا ایڈیشن بپٹسٹ مشن (صدر دفتر سیرام پور مشن) کلکتہ سے چھپا۔

1864ء میں 'دعائے عام' (ترجمہ ہنری مارٹن) کا چوتھا ایڈیشن بپٹسٹ مشن کلکتہ سے چھپا۔

1878ء میں 'خداداد رتن ہار' کا پہلا ایڈیشن بپٹسٹ مشن (کلکتہ) سے چھپا۔

اناجیل و بائبل کے اردو تراجم کی مختصر تاریخ 19 ویں صدی عیسوی تک:

انجیل کا کیتھولک سلسلے میں اولین ترجمہ 'ویلگیٹ' تیسری صدی عیسوی میں عبرانی سے لاطینی زبان میں سینٹ جیروم نے کیا تھا۔ اس ترجمے میں جیروم نے عبرانی زبان کی صرف ونحو کو خصوصی طور پر مدنظر رکھا جبکہ سکندر اعظم نے اناجیل سے پہلے کے قدیم صحائف کو ستر علماء کی ایک ٹیم سے عبرانی زبان سے یونانی میں ترجمہ کروایا جو 'اسپوجینٹ' یا 'ہفتادی ترجمہ' کے نام سے مشہور ہے۔ اس ترجمے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ سکندر اعظم یونانی زبان کو عالمی رابطے کی زبان بنانا چاہتا تھا۔

بعد میں اسی ترجمے کو بنیاد بنا کر دوسری صدی عیسوی میں یونانی سے لاطینی میں تراجم بہت بڑی تعداد میں ہوئے۔

یہاں اس بات کی وضاحت انتہائی ضروری ہے کہ الہامی کتب کے تراجم و تفاسیر کی مخالفت تقریباً ہر ملک اور قوم میں بڑی شدومد کے ساتھ ہوئی ہے۔ یہ مخالفت ہمیشہ علمائے دین کی طرف سے ہوئی شاید اس لئے بھی کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ دینی باتیں عام ہو جائیں اور لوگ ایک حد تک ان بزرگوں سے بے نیاز ہو جائیں البتہ بعض اوقات مخالفت اس لئے بھی ہوئی کہ ترجمے اور تفسیریں ماہرین مذہبیات کی منشاء کے خلاف تھیں۔ یوں مترجمین اور مفسرین ہمیشہ سخت مشکل سے دوچار رہے۔

زمانۂ وسطیٰ میں انجیل و توریت کے مترجمین کو طرح طرح کی ایذائیں دی گئیں اور علماء کی مجلس نے ترجموں کے متعلق امتناعی

احکام جاری کئے۔ ریمس (فرانس) کے ایک مفسر ایشارڈ کو زندہ جلا دیا گیا۔ آکسفورڈ (برطانیہ) میں آرچ بشپ ارنڈل کی مجلس نے 1408ء میں آسمانی صحیفوں کے ترجمہ کو ممنوع قرار دیا۔ انگریزی میں بائبل کا اولین مترجم ولیم ٹنڈیل برطانیہ سے بھاگ کر ہیمبرگ (جرمنی) میں پناہ لینے پر مجبور ہوا اور کولون شہر سے ترجمہ ابھی چھپ نہیں پایا تھا کہ فرینکفرٹ کے ڈین نے کولون کی سینیٹ کے ذریعے طباعت کا کام رکوا دیا۔ اب ٹنڈیل بھاگ کر ورمز پہنچا اور وہاں سے ترجمہ چھپوایا۔ جس کے چند نسخے 1526ء میں انگلستان پہنچے۔ لیکن یہ نسخے فوری طور پر تلف کر دیئے گئے۔ اسی لئے آج سوائے چند ناقص اجزا کے جو برٹش میوزیم میں محفوظ ہیں اس ترجمے کا کوئی نسخہ نہیں ملتا۔ ٹنڈیل کی ساری عمر جلاوطنی میں گزری، آخر 1535ء میں گرفتار ہوا اور 1536ء میں اسے پھانسی دے دی گئی اور لاش دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزی میں بائبل 1538ء سے قبل شائع نہ ہو سکی۔

مختلف النوع مجبوریوں اور ترجمے کی دقتوں کے باوجود آج سے پانچ سو برس پہلے (جب چھاپہ خانے کا آغاز ہوا) تک بائبل 33 زبانوں میں ترجمہ ہو چکی تھی۔ 19ویں صدی عیسوی تک بائبل کا ترجمہ 400 زبانوں میں ہو چکا تھا۔

آج 1109 زبانوں میں عہدنامہ کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ جن میں سے 210 زبانوں میں بائبل ترجمہ ہوئی اور 271 زبانوں میں 'نیا عہدنامہ' ترجمہ ہوا۔ ان اعداد و شمار کے مطابق یہ الہامی کتاب دنیا کی آبادی کے پچانوے فیصد حصے تک ترجمے ہو کر پہنچ چکی ہے۔

("Bible Translating" از یوجین اے۔ نیڈا)

ہندوستان میں انجیل کا سب سے پہلا اردو ترجمہ ڈنمارک کے پادری شلنز نے 1739ء میں شروع کیا اور 1741ء میں مکمل کیا۔ یہ ترجمہ 1848ء میں شائع ہوا۔ اس ترجمے میں پیدائش کے چند ابواب، مکمل ''زبور'' اور دانی ایل کی کتاب شامل ہے۔

دوسرا قدیم ترین ترجمہ کالبزگ کا تھا جو 1750ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔

یوں اردو تراجم کے سلسلے میں اولیت کا سہرا ولندیزیوں اور پرتگالیوں کے سر رہا۔ ولندیزیوں کے سر اس اعتبار سے کہ ڈنمارک کے پادری شلنز کے ترجمے سے بھی بہت پہلے یعنی 1851ء میں (ہندوستان میں) ولندیزی سفیر جان جوشوا کیٹلر (Jogh Jashua Kattler) نے اپنی کتاب 'صرف ونحو ہندوستانی' (مطبوعہ: 1715ء۔ کلکتہ) میں 'دعائے ربانی' کا اردو ترجمہ شامل کیا تھا جو الگ کتابچے کی صورت میں بھی شائع ہوا۔

ترجمے سے نمونۂ عبارت ملاحظہ ہو:

''ہمارے باپ کہ وہ آسمان میں ہے، پاک ہوئے تیرے نام، آوے ہم کوں ملک تیرا، ہوئے راج تیرا جوں اساں تو جمین (زمین) میں روٹی ہمارے نہ تھی، ہم کوں آس دے اور معاف کر تقصیر اپنی ہم کوں، جوں معاف کرتے اپنے قرض داروں کوں، نہ ڈال ہم کوں اس وسوسے میں، بلکہ ہم کوں گھس کر اس برائی سے، تیری ہی بیجی؟ سواری؟ عالمگیری حمایت میں۔ آمین۔''

(رسالہ: ''اردو''، جنوری 1924ء)

1804ء میں پادری ڈاکٹر ولیم ہنٹر نے چند ہندوستانی پنڈتوں کی مدد سے اناجیل کا ترجمہ کیا جو 1805ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔

پادری ہنری مارٹن کا نام بائبل کے اردو ترجمے کے باب میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ ہنری مارٹن 1806ء میں ہندوستان آیا۔ 1807ء میں اس نے سیرام پور مشن کے تحت انجیل کا ترجمہ مرزا فطرت کی مدد سے کیا اور مارچ 1808ء میں اختتام کو پہنچا۔ یہ ترجمہ دیوناگری رسم الخط میں شائع کیا گیا۔3 واضح رہے کہ یہ ''عہدنامہ جدید'' کا اردو ترجمہ ایک یونانی ترجمے کو بنیاد بنا کر کیا گیا تھا۔ آرچ ڈکن برکت اللہ نے اس کی سنہ طباعت 1817ء بتائی ہے۔ برکت اللہ صاحب کے لکھے کے مطابق ان کے پاس 1829ء کی طبع شدہ جلد تھی۔

(بحوالہ: ''صحت کتب مقدسہ''، پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی، لاہور)

لیکن اس ترجمہ کی بابت رام بابو سکسینہ (تاریخ ادب اردو) کا بیان تا حال معتبر خیال کیا جاتا ہے۔ رام بابو سکسینہ کے مطابق یہ ترجمہ 1814ء میں مکمل ہوا اور 1819ء میں شائع ہوا۔

1841ء میں شہر بنارس کی مسیحی کمیٹی نے عہد جدید کی کتب کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ پادری ہنری مارٹن کے ترجمے پر مبنی تھا۔ اس کمیٹی کے صدر ڈاکٹر میتھر تھے۔ کمیٹی میں دو ہندوستانی مسیحی (مرزا پور سے متعلق) بری بابو اور جان مسیح بھی شامل تھے۔ ڈاکٹر فینڈر بھی گاہے گاہے اس کمیٹی کی مدد فرماتے تھے۔

مرزا پور کے ڈاکٹر میتھر نے عہد نامہ جدید کے 1841ء کے ترجمہ کو نظرثانی کر کے دونوں عہد ناموں کو شائع کرایا۔ یہ ترجمہ بہت زیادہ مقبول رہا ہے۔ 19ویں صدی عیسوی کے اواخر میں اس ترجمے پر ایک بار پھر نظرثانی کی گئی تاکہ ترجمہ کو زبان کی اسلوبی کروٹوں سے ہم آہنگ کر دیا جائے۔ تیسری نظرثانی 1930ء میں کی گئی اور چوتھی نظرثانی 1980ء میں مکمل ہوئی۔

1844ء میں عہد عتیق کی تمام کتب کا اردو میں ترجمہ مکمل ہو گیا تھا۔ 1857ء سے 1870ء تک ڈاکٹر میتھر 'بنارس کے ترجمہ' کی نظرثانی کرتا رہا۔

اس کی نظرثانی کے بعد ایک نیا ایڈیشن رومن اور عربی رسم الخط میں 1870ء میں مرزا پور سے شائع کیا گیا اور ایک زمانے تک اردو خوان طبقے میں مقبول رہا، سہولت کی خاطر ذیل میں اسے 'مرزا پور کا ترجمہ' کہیں گے۔

جامع نظرثانی شدہ انگریزی ترجمہ 1611ء میں شائع ہوا تھا لیکن اس وقت تک انگریز مترجمین کے سامنے قدیم نسخے نہ تھے اور ترجمہ کرتے وقت بنیاد بنائے گئے نسخوں کا متن بھی الف متن تھا۔ سو کہا جا سکتا ہے کہ انگریز مترجمین کے سامنے بہترین متن نہ تھا۔ جبکہ بنارس اور مرزا پور کے اردو تراجم اسی انگریزی ترجمہ کے لفظی تراجم تھے۔

20ویں صدی عیسوی میں یونانی تراجم کے ہزاروں نسخے اور متعدد تراجم دریافت ہوئے تو بنارس اور مرزا پور کے اردو ترجموں کی اہمیت کم ہو گئی۔ بنارس اور مرزا پور کے تراجم کا ایک بڑا نقص یہ تھا کہ ان میں برتی گئی زبان ناقص تھی۔ ظاہر ہے کہ دہلی اور لکھنؤ کی ٹکسالی زبان کے مقابلے میں شمالی ہند کے جنوب مشرقی علاقے کی پسماندہ اور قدیم اردو کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ سو اردو نثر کی نئی اسلوبی کروٹوں کے عین مطابق نئے ترجمے کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی۔ البتہ سیرام پور پادری مشن والے ترجمے بعد میں ہونے والے دیگر زبانوں کے تراجم کی بنیاد بنے۔ جیسے مارچ 1808ء میں شائع ہونے والا انجیل کا دیوناگری ترجمہ (نظرثانی: مرزا فطرت) پادری بولی کے ہندی ترجمے کی بنیاد بنا۔ ترجمے کی اردو نثر بہتر بنانے کے حوالے سے پادری برکت اللہ لکھتے ہیں:

''بائبل سوسائٹی نے اس غرض کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی، جو1893ء سے 1899ء تک کتب عہد جدید کی نظر ثانی کرتی رہی۔ یہ کمیٹی پادری ایچ۔ ای پرکنس، پادری ایچ، یو وائٹ، بریخٹ سٹیٹن، پادری ٹی، جے سکاٹ، پادری تارا چند، پادری جے، جی ڈین، ڈاکٹر جے، سی آر یونگ، پادری ڈبلیو ہوپر، پادری سی، اے آر جنویر، پادری ڈبلیو مانسل اور پادری ڈاکٹر الیف، جے نیوٹن پر مشتمل تھی۔ یہ نیا اردو ترجمہ 1881ء کے انگریزی ترجمہ پر جس کو 'ریوائزڈ ورشن' کہتے ہیں، مبنی تھا۔ اس انگریزی ریوائزڈ ترجمہ کی کمیٹی کے ممتاز ترین رکن بشپ ویسپٹ کورٹ اور ڈاکٹر ہورٹ تھے۔ یہ ترجمہ نسخہ ویٹی کن اور نسخہ سینا کے متنوں پر مبنی ہے۔ انگریزی کمیٹی کے ارکان ان ہزاروں نسخوں کی مختلف قراتوں سے بخوبی واقف تھے، اور انہوں نے ب متن کو اختیار کر کے انگریزی خوانوں کے سامنے ایک ایسا ترجمہ رکھ دیا، جو صحیح ترین متن پر مشتمل تھا۔ اس ترجمہ میں سے وہ تمام آیات و الفاظ خارج کر دیئے گئے ہیں، جو صحیح ترین اور قدیم ترین نسخوں میں نہیں تھے۔ (صحت کتب مقدسہ)

کہا جا سکتا ہے کہ 1900ء کا نیا اردو ترجمہ اسی صحیح نظر ثانی شدہ انگریزی ترجمہ پر مبنی ہے، جس میں متن ب کو بنیاد بنایا گیا ہے اور جسے صحیح ترین متن شمار کیا جاتا ہے۔

19 ویں صدی عیسوی کے دیگر اہم تراجم:

تراجم اناجیل:

انجیل لوقا	مترجم: آئس	مطبوعہ: مدارس	1749ء
	بنجمین پشیولٹز	طبع دوم	1862ء
انجیل یوحنا مع مکاشفہ	/ ن۔ن	1758ء	
انجیل مقدس	/ ن۔ن	لدھیانہ	1895ء
بائبل	/ ن۔ن		1886ء
متی کی انجیل	/ ن۔ن	لدھیانہ	1840ء
انجیل برنباس	مترجم: محمد حلیم حمیدیہ اسٹیم	پریس۔ لاہور	س۔ن
انجیل مقدس	/ ن۔ن	لدھیانہ	1883ء
کلام اللہ	مترجم: شیر سنگھ	لدھیانہ	1885ء
مرکس کی انجیل	/ ن۔ن	مدراس	1885ء
لوقا کی انجیل	/ ن۔ن	مدراس	1885ء

(نوٹ) برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی نے 1877ء تک ہندوستان کی 48 مختلف زبانوں میں انجیل کے تراجم شائع کئے۔

توریت	نام مترجم: / ن۔ن	بریلی	1872ء
امثال کی کتاب	/ ن۔ن	لدھیانہ	1874ء
ایوب کی کتاب	/ ن۔ن	بریلی	1872ء
تورات کی پانچ کتابیں	/ ن۔ن	لدھیانہ	1822ء
استثنی کی کتاب	/ ن۔ن	امرتسر	1879ء
دانیال کی کتاب	شولٹز	لدھیانہ	1874ء
داؤد کی زبور	/ ن۔ن	سیرام پور	1825ء
یحییٰ نبی کی کتاب	/ ن۔ن	لدھیانہ	1860ء

19ویں صدی کے اواخر تک تراجم کی اس چہل پہل کا ایک سبب حکومت برطانیہ کی مسیحی تبلیغ سے متعلق تبدیل شدہ پالیسی تھی۔

1874ء میں برطانوی کلیسا کے تین بشپ ہندوستان میں تھے۔ وہ باہمی مشورے کے لئے ناگ پور میں اواخر نومبر 1874ء میں جمع ہوئے۔ عیسوی مذہب کے پرچار کے لئے ہندوستان بھر میں جو مختلف انجمنیں (سبھائیں) کام کر رہی تھیں، ان کے سرکردہ اراکین نے ان اصحاب سے دریافت کیا کہ ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کے کارگر ذرائع کیا ہیں؟ اس سوال پر خاصا غور و خوض ہوا اور اس کے بعد یہ مطالبہ کیا گیا کہ:

1۔ برطانوی پارلیمنٹ ہندوستان کے پادریوں کو خود مختاری دے۔

2۔ کسی ایک برطانوی یونیورسٹی میں ہندوستانی طلبہ کو اسکالرشپ دیا جائے، جو تبلیغ کا کام کرنا چاہتے ہوں۔

3۔ حکومتی سطح پر عیسوی مذہب کے پرچار کے لئے کتابیں تصنیف، تالیف اور ترجمہ کروائی جائیں۔ (''مقالات گارساں دتاسی'' طبع اول: 1935ء، ص: 100)

واضح رہے کہ 1875ء کے ہندوستان میں یورپی اور اینگلو انڈین لوگوں کی آبادی 2،22،931 تک پہنچ چکی تھی۔ جبکہ ہندوستانی عیسائی 2،24،161 کی تعداد میں تھے۔

اسی سال حکومت نے عیسائی مشنریوں کے متعلق اپنی پالیسی تبدیل کی اور مندرجہ ذیل وضاحت کی:

''گو کہ وہ مذہبی معاملات میں غیر جانبدار ہے، لیکن عیسائی پادریوں کو تبلیغ کی پوری آزادی ہے۔ مذہب کے نام پر اب جرم نہیں کیے جا سکتے (مراد: انتر جلی کی رسم۔ مرزا حامد بیگ) جو لوگ عیسائی بن جاتے ہیں حکومت ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہے اور ان پر زیادتی ہونے کی اجازت نہیں دیتی۔''

(''مقالات گارساں دتاسی''، ص: 185)

ہندوستانی عیسائیوں کی جدید مطبوعات کی فہرست:

'Conference On Urdu Hindi Christian Literature' (1875ء) میں درج ہے کہ اسی سال (1875ء) دہلی کے ایک مطبع کے مالک مہدی حسن نے لدھیانہ کے عیسائی اخبار 'نور افشاں' میں اعلان کیا ہے کہ حسب ذیل کتابوں کا جواب لکھنے والوں کو دو دو سو روپے کا انعام دیا جائے گا۔ یہ کتابیں مسلمانوں کی طرف سے عیسائیت کی تردید میں لکھی گئی تھیں:

1۔ 'رقیمۃ الوداد'۔ یہ جواب ہے 'نیاز نامہ' از پادری عماد الدین کا۔

2۔ 'لحن داؤدی'۔ یہ جواب ہے 'نغمۂ طنبوری' از رام چند کا۔

3۔ 'استقلال'۔ یہ جواب ہے 'دجال مسیح' از صفدر علی کا۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ مسلمان بڑے جوش وخروش کے ساتھ پادریوں کو ترکی بہ ترکی جواب دے رہے تھے۔ جبکہ خود ان کے گھر میں اختلاف کی آگ سلگ رہی تھی۔ 30 جولائی 1875ء میں فرقہ اہلِ حدیث کے مشہور مخالف مولوی محمد عمر رام پوری نے اہلِ حدیث عالم مولوی شکر اللہ کو ایک مناظرے میں شکست دے دی تھی اور اس کامیابی پر مولوی محمد عمر رام پوری کو اخبار 'پنجابی' نے 31، جولائی 1875ء کی اشاعت میں 'شمشیر آب دار بر گردنِ وہابیہ اشرار' کا خطاب دیا تھا۔ اس باب میں مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے:

(1) Murdoch, John. 'catalogue of The Christian Vernacular Literature of India' Madras, 1870 IX, XIII 313 P (includes 2,000 ref)

(2) Catalogue of Urdu Christian Literature and Supplementary. Catalogue of Christian Publications in the Other Languages of The Punjab, Lahore, 1886, Vol.4, 86 P (includes 750 Urdu references).

(3) Weitbrecht, H.U. 'A Descriptive Catalogue and Review of Urdu Christian Literature. 1902-07 Lahore, 1908,120 P.

4۔ ''تاریخ کلیسائے ہندوستان'' (تین جلدیں)

از پادری برکت اللہ پنجاب رلیجیئس بک سوسائٹی، انارکلی۔ لاہور 1962ء

نثری تراجم: فورٹ ولیم کالج تا 1857ء

اورنگزیب کے انتقال کے بعد مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہوا۔ اس وقت تک محض روہیل کھنڈ کے اضلاع میں پانچ ہزار علماء درس و تدریس میں مصروف تھے۔ صرف بنگال میں اسی ہزار مدرسے قائم تھے اور سندھ کے صرف ایک شہر ٹھٹھہ میں چار سو سے زائد دارالعلوم مصروف کار تھے۔

کمپنی کی حکومت قائم ہوئی تو تعلیم کا سابقہ نظام موقوف ہوا۔ نئے نظام تعلیم میں ہندوستانیوں کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ برٹش پارلیمنٹ میں تعلیم کا رزولیوشن پیش ہوا تو اس کی شدید مخالفت کی گئی اور امریکہ میں تعلیم کے اجراء اور اس کے نتیجہ میں تحریکِ آزادی کے فروغ کی مثال دے کر کہا گیا کہ ہندوستان میں بھی تعلیم کے اجراء سے سیاسی شعور بیدار ہونے کے امکانات ہیں۔ چنانچہ یہ رزولیوشن نامنظور ہو گیا۔ جب 1857ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد کمپنی کی حکومت ختم ہوئی اور ہندوستان سے متعلق انگریزوں کی پالیسی تبدیل ہوئی تو ایک خصوصی نظام کے تحت حکومت کی امداد اور اس کی کڑی شرائط اور نگرانی میں تعلیمی اداروں کے قیام کی نہ صرف اجازت دے دی گئی بلکہ تعلیم کے میدان میں حکومت نے نجی اداروں کی بھی حوصلہ افزائی کی۔

فورٹ ولیم کالج (1800ء) مستقبل کے انگریز حکمرانوں کا آئی۔سی۔ایس اکیڈمی طرز کا واحد تربیتی ادارہ تھا اور عوامی سطح پر مدرسہ عالیہ کلکتہ اور دہلی کالج کی دو مثالوں کے سوا کوئی دوسرا تعلیمی ادارہ دکھائی نہیں دیتا۔ 1857ء کے بعد شمالی ہند میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ، مشرق میں کلکتہ و مدارس کی جامعات، جنوب میں دارالعلوم نواب سالار جنگ حیدرآباد دکن اور جنوب مغرب میں انجمن اسلام اسکول بمبئی و سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی کے علاوہ شمال مغرب میں اورینٹل کالج لاہور، پنجاب یونیورسٹی اور اسلامیہ کالج، پشاور/ لاہور جیسے تعلیمی ادارے وجود میں آئے۔ ان مدارس کے قیام سے تعلیم کے فروغ اور ہندوستانیوں کے معاشی مسائل کے حل کے ساتھ ساتھ حکومت کی تمام پیش بندیوں کے باوجود سیاسی شعور پیدا ہوا۔ مدرسۃ عالیہ کلکتہ (1780ء) دہلی کالج، اورینٹل کالج اور جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن جیسے تعلیمی اداروں نے زبان و ادب سے متعلق سوجھ بوجھ پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ عمومی سطح پر ہندوستانیوں کے ذوق کی تربیت کا فریضہ بھی انجام دیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے جامعہ عثمانیہ، تصنیف و تالیف اور ترجمے کے زریں عہد کی بنیادیں فراہم کر

گئی۔ لہذا جنوبی ہند میں نواب فخرالدین خاں شمس الامراء ثانی نے 1834ء میں مدرسہ فخریہ کو اوّل اوّل انہی بنیادوں پر اٹھایا اور ادب، سائنس اور دیگر علوم وفنون کی کتابوں کے ترجمہ و تالیف کا کام سائنٹیفک بنیادوں پر پہلی بار شروع ہوا۔

مدرسہ طبابت (1845ء) حیدر آباد دکن، اور انجینئرنگ کالج، رڑکی (1856ء) نے اس کے بعد اس میدان میں قدم رکھا۔

اردو میں جدید سائنسی علوم وفنون پر تصانیف کا آغاز 1591ء سے اور ادبیات سے متعلق انگریزی سے تراجم کے آغاز کا سراغ 1734ء سے ملتا ہے، جبکہ سائنسی علوم سے متعلق تصنیف و تراجم کا باقاعدہ آغاز 19ویں صدی کی چوتھی دہائی سے ہوتا ہے۔

ہندوستان میں اوّلین سائنٹیفک سوسائٹی لکھنؤ 1814ء میں قائم ہوئی تھی۔ 1833ء میں آگرہ میں اسی نوع کی ایک سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا اور اگلے سال (1834ء) نوابؔ شمس الامراء ثانی نے حیدر آباد دکن میں سائنسی کتب کی تالیف و ترجمہ کا کام آغاز کیا۔ 1853ء میں انجمن مجمع علم و ہنر مدراس کے قیام کے تین برس بعد یعنی 1856ء میں انجینئرنگ کالج رڑکی کے قیام کے ساتھ ہی اس کے شعبۂ تالیف و ترجمہ نے کام شروع کر دیا۔

زمانی اعتبار سے سائنٹیفک سوسائٹی غازی پور 9، جنوری 1864ء انجمن پنجاب، لاہور 1864ء روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی 1865ء، دارالعلوم دیوبند 1856ء، اورینٹل کالج لاہور 1869ء، مدرسۃ العلوم علی گڑھ 1875ء، اسلامیہ کالج پشاور 1890ء، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ 1892ء، سلسلہ آصفیہ حیدر آباد دکن (لگ بھگ 1900ء) کا قیام عمل میں آیا۔

غازی پور اور بہار میں جدید علوم وفنون کے ساتھ ساتھ مغربی ادبیات کو اردو میں منتقل کرنے کا کام کہیں زیادہ ہوا۔ 20ویں صدی عیسوی کے آغاز میں سائنٹیفک سوسائٹیوں کے محدود دائرہ کار سے باہر نکل کر خالص علمی و تحقیقی ادارے قائم ہونا شروع ہوئے۔

انجمن ترقی اردو (ہند) اورنگ آباد 1903ء، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن 1919ء، جامعہ ملیہ اسلامیہ 1930ء، ادارۂ ادبیات اردو، حیدر آباد دکن 1931ء، مجلس ترقی ادب 1950ء، ریسرچ اکیڈمی، کراچی 1951ء، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی 1953ء، ترقی اردو بورڈ، کراچی 1958ء، مرکزی اردو بورڈ (حال: اردو سائنس بورڈ) لاہور 1964ء، ترقی اردو بیورو (حال: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان) نئی دہلی 1969ء اور مقتدرہ قومی زبان (پاکستان) کراچی، اسلام آباد 4 اکتوبر 1979ء چند ایسے ادارے ہیں جنہوں نے تصنیف و تالیف و ترجمے کا کام خالصتاً علمی اور تحقیقی بنیادوں پر کر کے ایک معیار قائم کر دیا۔

فورٹ ولیم کالج، کلکتہ۔ 1800ء

ایسٹ انڈیا کمپنی کی اورنگزیب عالمگیر سے اولین مڈبھیڑ کے بعد جب کمپنی نے 1690ء میں مغل فرمانروا سے معافی مانگ کر دوبارہ تجارت کے لئے فرمان حاصل کر لیا تو ہگلی کے قریب ایک چھوٹی سی بستی تعمیر کر لی۔ یہی مختصر سی بستی بعد میں کلکتہ شہر کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہاں کمپنی نے 'فورٹ ولیم' کے نام سے ایک قلعہ تعمیر کیا تھا۔ قلعہ کی تعمیر 1757ء سے 1773ء تک کے عرصے میں ہوئی۔ یہی وہ قلعہ ہے جو بعد میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے نام سے مشہور ہوا۔

ہندوستان میں مغل سلطنت کے زوال کے ساتھ جوں جوں کمپنی کا اقتدار مستحکم ہوا اور مقبوضات میں جس قدر اضافہ ہوا، انگریزوں نے اسی قدر شدت کے ساتھ ہندوستان میں ایک تربیتی ادارے کی کمی کو محسوس کیا۔ یہ ایک ایسے ادارے کا تصور تھا جس

میں انگلستان سے نئے بھرتی ہو کر آنے والے انگریز ملازمین کی تربیت کی جا سکے۔ جب انگریز یہ سوچنے کے قابل ہوئے تو اس وقت تک ہندوستان کی دفتری زبان فارسی تھی اور عوامی بول چال کی زبان ہندوستانی (یا اردو)۔ کمپنی کے ملازمین کو اس مقامی زبان سے ناآشنائی شدت سے محسوس ہوئی۔ اس وقت تک اردو زبان میں صوفیاء کرام کی کوششوں سے مذہبی اصطلاحات کا کافی بڑا ذخیرہ فراہم ہو چکا تھا اور دکھنی الفاظ سے قطع نظر اس زبان کی سادگی اور بے تکلفی کے باعث عوام الناس میں اس کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے اس کی ترقی کے امکانات خاصے روشن تھے۔ انگریزوں نے ان امکانات کو بہت پہلے بھانپ لیا تھا، جس کا ایک ثبوت 22 دسمبر 1677ء کو قلعہ سینٹ جارج، مدراس کو لکھا گیا ایک مراسلہ ہے:

''اس بات کا اعادہ کیا جاتا ہے کہ کمپنی کے جو ملازمین فارسی سیکھیں گے ان کو دس پاؤنڈ اور انڈستان (ہندوستانی یا اردو زبان) زبان سیکھیں گے ان کو بیس پاؤنڈ بطور انعام دیئے جائیں گے، نیز یہ کہ اس زبان کی تعلیم دینے والے کسی مناسب آدمی کا انتخاب بھی کیا جائے۔''

کمپنی کی مجلس نظماء (Court of Directors) کا یہ مراسلہ حکم کا درجہ رکھتا تھا اور اس وقت تک ہندوستان بھر میں کوئی باقاعدہ زبان سکھانے والا مدرسہ موجود نہیں تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے وارن ہیسٹنگز نے ہگلی کی انگریزی حدود میں پہلا مدرسہ جنوری 1799ء میں قائم کیا۔ یہ مدرسہ تقریباً ڈیڑھ سال بعد بند کر دیا گیا۔ اس مدرسے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماہر حیوانات جان گلکرسٹ ہندوستانی (اردو) کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

لارڈ مارکوئس ولزلی 1798ء میں بطور گورنر جنرل کلکتہ وارد ہوا تھا۔ اس نے انتظامی امور سے متعلق ایک تربیتی ادارے کے قیام کو ناگزیر خیال کرتے ہوئے مجلس نظما کی منظوری حاصل کیے بغیر 10 جولائی 1800ء کو ولیم کے قلعہ میں کالج کے قیام کا اہم فیصلہ کر لیا، لیکن کالج کا یوم تاسیس 4 مئی 1800ء طے پایا جو سقوط میسور کی پہلی سالگرہ ہے۔

فورٹ ولیم کالج کے انتظامی امور کے لئے لارڈ مارکوئس ولزلی کی قائم کردہ کونسل محض پانچ رکنی تھی جس کی تفصیل 13 ستمبر 1800ء کے سرکاری اشتہار کے مطابق درج ذیل ہے۔

1۔ ریورنڈ ڈیوڈ براؤن (پرووسٹ)	
2۔ ریورنڈ کلاڈیس بکھانن (وائس پرووسٹ)	
3۔ جان ہیری بارلو (ممبر)	کالج کونسل
4۔ این۔بی۔ایڈ مانسٹن (ممبر)	
5۔ لیفٹیننٹ کرنل ولیم کرک پیٹرک (ممبر)	

فورٹ ولیم کالج میں پرنسپل کا عہدہ نہیں تھا۔ انتظامی امور کا سربراہ پرووسٹ ہوتا تھا۔ گورنر جنرل کی انتظامی امور سے متعلق کونسل کے مطابق کالج کے پرووسٹ کے لئے لازم تھا کہ وہ انگلستان کے کلیسا کا کلرجی مین (Clergy Man) ہو۔ یوں فورٹ ولیم چرچ کے پادری (چیپلن)، ریورنڈ ڈیوڈ براؤن کالج کے اوّلین پرووسٹ مقرر ہوئے۔

ایشیا ٹک اینول رجسٹر 1801ء لندن (1802ء) صفحہ 31۔32 کے مطابق فورٹ ولیم کالج کا ابتدائی عملہ درج ذیل افراد پر مشتمل تھا:

1۔ ریورنڈ ڈیوڈ براؤن۔ پرووسٹ

2۔ ریورنڈ کلاڈیس بکھانن۔ وائس پرووسٹ (قدیم یونانی، لاطینی اور انگریزی کے پروفیسر)

3۔ لیفٹیننٹ جان بیلی۔ پروفیسر (عربی زبان و شرع محمدی)

4۔ لیفٹیننٹ کرنل ولیم کرک پیٹرک۔ پروفیسر (فارسی زبان و ادب)

5۔ فرانسس گلیڈون۔ پروفیسر (فارسی زبان و ادب)

6۔ این۔بی۔ایڈ مانسٹن۔ پروفیسر (فارسی زبان و ادب)

7۔ ڈاکٹر جان بارتھوک گلکرسٹ۔ پروفیسر (ہندوستانی زبان)

8۔ جان ہیری بارلو۔ پروفیسر (گورنر جنرل کے کردہ قاعدے قوانین)

9۔ پادری ولیم کیری۔ پروفیسر (بنگلہ و سنسکرت زبان و ادب)

10۔ جیمز ڈونڈی ایل۔ایل۔ڈی۔ پروفیسر (علم الحساب)

11۔ ڈو ہلے سی۔ پروفیسر (جدید زبانیں)

12۔ لمسڈن۔ اسسٹنٹ پروفیسر (فارسی زبان و ادب)

13۔ ہارنگٹن۔ پروفیسر (آئین و علم قانون)

14۔ روتھ مین۔ کالج کونسل کے سیکرٹری

15۔ ایڈورڈ سکاٹ وارنگ۔ اسسٹنٹ پروفیسر (ہندوستانی زبان)

16۔ مظہر علی خاں۔ اسسٹنٹ پروفیسر (ہندوستانی زبان)

آخر الذکر دونوں اساتذہ کی تقرری بالترتیب 6، جنوری 1801ء اور 27 نومبر 1801ء کو عمل میں آئی۔

ایشیا ٹک اینول رجسٹر 1801ء لندن (1802ء) صفحہ 44 کے مطابق شروع میں برطانیہ سے آئے ہوئے صرف 46 طلبہ کو داخلہ دیا گیا۔اساتذہ اور زیر تربیت طلبہ کی رہائش بھی فورٹ ولیم کالج کے اندر ہی تھی۔ عربی، فارسی اور ہندوستانی (اردو) زبانوں سے متعلق لیکچرز کا آغاز بالترتیب سوموار 24 نومبر، منگل 25 نومبر اور بدھ 26 نومبر 1800ء میں ہوا۔ کالج کے چار ٹرم تھے۔

پہلا ٹرم: 6 فروری تا مارچ کے آخر تک

دوسرا ٹرم: 4 مئی تا جون کے آخر تک

تیسرا ٹرم: یکم اگست تا ستمبر کے آخر تک

چوتھا ٹرم: یکم نومبر تا دسمبر کے آخر تک

دوسرے اور چوتھے ٹرم کے اختتام پر دو امتحانات لیے جاتے تھے۔ ایک یا ایک سے زائد یورپی زبانوں کا مطالعہ ضروری تھا۔ کل تعلیمی مدت بارہ ٹرم یعنی تین سال کی تھی۔ تعلیمی مدت کے اختتام پر طلبہ کو سرٹیفکیٹ دیے جاتے تھے۔ جو طالب العلم کسی

یورپی (زبان یا ادب) یا ہندوستانی (زبان یا ادب) یا مذہبی علم یا شرع محمدی میں اپنی قابلیت ظاہر کرتا تھا، اسے 'ڈگری آف آرٹز' دی جاتی تھی۔

پروسیڈنگز آف دی کالج آف فورٹ ولیم 16 اپریل 1801ء ہوم ڈیپارٹمنٹ پبلک پروسیڈنگز اور جنرل مسلینیس جلد نمبر: 1، 2 امپیریل ریکارڈ ڈیپارٹمنٹ دہلی کے مطابق:

کالج کے آئین کا پہلا باب کمپنی کی منظوری کے بعد پرووسٹ ڈیوڈ براؤن کی معرفت 10 اپریل 1801ء کو نافذ ہوا۔ آئین کے مطابق طلبہ سے داخلے کے وقت کالج کی خیر خواہی کا حلف لیا جاتا۔ اسی طرح کالج کونسل، پروفیسر اساتذہ اور منشیوں سے بھی کالج کی خیر خواہی کے حلف کے علاوہ عیسائی مذہب کی حفاظت اور پرچار کا عہد لیا جاتا تھا۔

29 اپریل 1801ء کو فارسی، عربی، ہندوستانی اور بنگلہ زبان و ادب کے شعبوں میں ایک چیف منشی بھرتی کرنے کا فیصلہ ہوا۔ 29 اپریل 1801ء میں کالج کونسل نے طلبہ کی تعداد دیکھتے ہوئے درج ذیل سیکنڈ منشی اور منشی بھرتی کرنے کی اجازت دی۔ (ایضاً، جلد نمبر: 1، 29 اپریل 1801ء)

شعبہ	عہدہ	تنخواہ
1۔ فارسی	ایک سیکنڈ منشی 20 منشی	100 روپے 40 روپے
2۔ ہندوستانی	ایک سیکنڈ منشی 12 منشی	100 روپے 40 روپے
3۔ عربی	ایک سیکنڈ منشی 4 منشی	100 روپے 40 روپے
4۔ بنگلہ	ایک سیکنڈ منشی 6 منشی	100 روپے 40 روپے

چیف منشی اس زمانے میں 200 روپے ماہانہ تنخواہ پاتے تھے۔ محولہ بالا فیصلے کے مطابق 4 مئی 1801ء کو کالج کونسل نے مندرجہ ذیل اساتذہ کو ہندوستانی شعبے میں بھرتی کیا۔

سیکنڈ منشی تاری چرن متر۔ سیکنڈ منشی میر بہادر علی حسینی نارنولی،

منشی: مرتضیٰ خاں، غلام اکبر، نصر اللہ، میر امّن دہلوی، غلام اشرف، بلال الدین، محمد صادق، رحمت اللہ خاں، غلام غوث، کندن لال، کاشی راج اور میر حیدر بخش حیدری۔ یاد رہے کہ ہندوستانی شعبہ میں چیف منشی کا عہدہ خالی رکھا گیا تھا۔

اتوار کے علاوہ چیف منشی، سیکنڈ منشی اور منشیوں کو چھٹیوں میں بھی صبح دس تا ایک بجے دوپہر کالج میں حاضر رہنا پڑتا تھا تاکہ طلبہ جب چاہیں ان سے مدد لے سکیں۔ ان کی چھٹی صرف پرووسٹ منظور کرسکتا تھا۔ سیکنڈ منشی اور منشی، چیف منشی کے ماتحت تھے۔

(پروسیڈنگز آف دی کالج 4 مئی 1801ء جلد نمبر: 1 صفحہ 4 تا 8)

فورٹ ولیم کالج کا پہلا امتحان 18 جون سے 30 جون 1801ء تک ہوتا رہا۔ 6 جولائی 1801ء کو نتائج افسران بالا کو بھیج دیئے گئے۔ 10 اپریل 1801ء والے آئین کے پانچویں اصول امتحان کے مطابق طلبہ کسی بھی مضمون میں خاص قابلیت پر انعام پانے کے حقدار تھے۔ ایسے انعامات کا اعلان ہر سال 4 مئی کو کیا جاتا تھا۔

1801ء میں فارسی کے خطاط کلب علی اور ناگری کے خطاط سندر پنڈت کی تقرری عمل میں آئی۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستانی شعبے کے محمد صادق، رحمت اللہ خاں، کاشی راج اور غلام غوث کی جگہ سیّد جعفر، محمد تقی، مبارک محی الدین اور اسد علی کو بطور منشی بھرتی کر لیا گیا۔ محمد صادق، رحمت اللہ خاں، کاشی راج اور غلام غوث کی برطرفی یا استعفے کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔

(ایضاً۔ 2 نومبر 1801ء، جلد نمبر: 1، صفحہ: 14 تا 15)

لارڈ ولزلی نے 18 اگست 1800ء کو مجلس نظماء سے منظوری کے لئے کالج سے متعلق معلومات فراہم کرتے ہوئے کالج کے قیام کی پر زور سفارش کی لیکن خلاف توقع مجلس نظماء نے 27 جنوری 1802ء کو کالج بند کردینے کا حکم صادر کر دیا۔ لارڈ ولزلی نے کالج کونسل کو 31 دسمبر 1803ء تک اس حکم پر عملدرآمد سے روک دیا اور 5 اگست 1802ء کو کالج سے متعلق ایک طویل سفارشی خط لکھا۔ وہ لکھتا ہے:

> ''کورٹ کے حکم کی اگر تعمیل کی جاتی تو اس وقت جو فتنے برپا ہوتے وہ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ کالج کو قائم رہنا ہوگا، ورنہ سلطنت ختم ہو جائے گی۔''

اس خط کے جواب (2، ستمبر 1803ء) میں مجلس نظماء نے چند ایک پابندیوں کے تحت کالج کو تا حکم ثانی جاری رکھنے کی اجازت دے دی۔

لارڈ ولزلی نے فورٹ ولیم کالج سے متعلق اپنے طویل خط میں جو تجویز پیش کی تھی اس کے مطابق وہ ایشیائی (خصوصاً ہندوستانی) زبانوں مثلاً فارسی، عربی، سنسکرت، ہندوستانی (اردو) تامل، بنگالی، مرہٹی، تلنگی اور کنتری کے علاوہ تاریخ، مذہبیات، شمالی ہند کا جغرافیہ (خصوصاً دکن سے متعلق) اصول قانون کی تعلیم، فقہ اسلام، ہندو دھرم شاستر، علم الاخلاق، گورنر جنرل کی کونسل قلعہ سینٹ جارج مدراس اور بمبئی پریسیڈنسی حکومتوں کے نافذ کردہ قوانین، علم کیمیا، علم نباتیات اور بزنس ایڈمنسٹریشن کا انتظام کرانا چاہتا، جس پر مجلس نظماء میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا اور اس مخالفت کی سب سے بڑی وجہ اس مد پر 'کثیر اخراجات' بتائی گئی۔

بہر طور فورٹ ولیم کالج کام کرتا رہا اور جان گلکرسٹ (پ: 1759ء۔ م: 9 جنوری 1841ء) زبانوں کے شعبے کے منتظم رہے۔ اس کالج کے قیام کے پیچھے جو سیاسی مقاصد کارفرما تھے، ان سے آگہی کے لئے گورنر جنرل کے مجلس نظماء کے نام لکھے ہوئے خط (مُحررہ 5 اگست 1802ء) سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''خداوند کے فضل و کرم سے ہندوستان میں برطانیہ عظمیٰ کے سیاسی و فوجی اقتدار کو جو مسلسل کامیابی اور کامرانی و جنگوں میں جو پیہم فتح و نصرت نصیب ہوئی ہے اس کی وجہ سے نیز (برطانیہ عظمیٰ کی) منصفانہ، دانش مندانہ اور اعتدال پسندانہ پالیسی کے سبب ہندوستان و دکن کے وسیع علاقے برطانیہ عظمیٰ کے تحت اور انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر تسلط آ گئے ہیں اور حالات کے ساتھ ساتھ ایک مضبوط سلطنت قائم ہو گئی ہے جو متعدد آباد اور زرخیز صوبوں پر مشتمل ہے جہاں

مختلف قومیں آباد ہیں، جن کے مذہب، زبان نیز عادات و اطوار ایک دوسرے سے جداگانہ ہیں۔ ان سب پر الگ الگ مختلف ضوابط اور مختلف رسوم کے مطابق اب تک حکومت کی جاتی رہی ہے۔ برطانوی قوم کے مقدس فرض، ان کے حقیقی مفاد، ان کی عزت اور ان کی حکمت عملی کا یہ تقاضہ ہے کہ ہندوستان کی برطانوی سلطنت کی حدود میں عمدہ عملداری قائم کرنے کے لئے مناسب اقدامات کئے جائیں۔"

محولہ بالا خواہشات کے پیش نظر جان گلکرسٹ نے اپنے تیئں کوشش کی کہ ہندوستانی زبان میں ایسی نثر پیدا کی جائے جو عام سرکاری زبان کا درجہ حاصل کر لے، اس زبان کے ذریعے مقامی لوگوں کے مذہبی اور تہذیبی اطوار سے کامل آگہی حاصل کی جائے تاکہ ہندوستان پر حکومت کرنے کے عمل کو مزید آسان بنایا جا سکے۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے کالج کو مختلف شعبوں میں تقسیم کیا گیا۔ ہر شعبے کے لئے ایک انگریز پروفیسر اور اس کے نائب یا منشی کا تقرر عمل میں آیا۔

1۔ ہندوستانی (یا اردو) زبان و ادب کی تعلیم کے لئے جان گلکرسٹ۔

2۔ بنگالی زبان و ادب و مذہبیات کی تعلیم کے لئے پادری ولیم کیری۔

3۔ عربی زبان اور اسلامی فقہ کی تعلیم کے لئے ولیم کرک پیٹرک اور جان بیلی۔

4۔ فارسی زبان و ادب کی تعلیم کے لئے فرانسس گلیڈون اور ایڈمانسٹن۔

5۔ قوانین کی تعلیم کے لئے جارج بارلو۔

6۔ لاطینی، یونانی و انگریزی کلاسیکی ادبیات کی تعلیم کے لئے پادری بوکھانن۔

7۔ ہندی اور سنسکرت زبانوں کے لئے پنڈتوں کا تقرر عمل میں آیا۔

8۔ ادبیات کے شعبے سے متعلق ایک قصہ خواں (داستان گو) کا تقرر بھی عمل میں آیا، جو کالج کے طلبہ کو ہاسٹل میں جا کر قصے کہانیاں سنایا کرتا تھا۔

کالج کی ابتدائی نصابی کتب کلکتہ کے مختلف چھاپہ خانوں سے طبع ہوئیں۔ بعدازاں گلکرسٹ کی تجویز پر کالج کے لئے ہندوستانی پریس کا انتظام بھی ہو گیا، واضح رہے کہ یہ پریس جان گلکرسٹ کی ذاتی ملکیت تھا۔

کالج کی طرف سے مشرقی زبانوں اور ادبیات سے متعلق مباحثے ہوتے اور مصنفین کی حوصلہ افزائی کے لئے منظور شدہ تصانیف پر انعامات دیئے جاتے تھے۔

کالج کی تصانیف، تالیفات اور تراجم میں تذکرہ، افسانہ، صرف ونحو، اخلاق، فقہ اسلام، تاریخ، قرآن اور اناجیل کے تراجم خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ کالج میں ادبی کتب کی تالیف و ترجمہ کے لئے ایک الگ محکمہ (دارالترجمہ) قائم کیا گیا تھا۔ اس سررشتہ میں اہم تاریخی کتب و اخلاقی قصص کے ترجمے قدیم مشرقی ترقی یافتہ زبانوں (خصوصاً عربی، فارسی اور سنسکرت) سے کئے گئے۔ واضح رہے کہ فورٹ ولیم کالج نے دیگر علوم یا سائنس سے متعلق کوئی کتاب ترجمہ نہیں کی۔ گو شمالی ہند میں اردو نثر کی باضابطہ ابتداء انگریزی کتب کے زیر اثر ہوئی لیکن فورٹ ولیم کالج تک کے زمانے میں انگریزی ادبیات کا اثر بالکل دیکھنے میں نہیں آتا، جس کی واحد وجہ

ہندوستانی (مقامی) اہل قلم کی انگریزی زبان سے ناواقفیت تھی۔

جان گلکرسٹ کی انگریزی ہندوستانی لغت کی سنہ تصنیف 1796ء ہے۔ یہ کتاب: "A Grammer of the Hindoostane Language" کے نام سے 1796ء میں طبع ہوئی جبکہ فورٹ ولیم کالج 1800ء میں قائم ہوا۔

کالج سے متعلق مصنفین و مترجمین میں یوں تو میر بہادر علی حسینی، مرزا فطرت، حیدر بخش حیدری، میر شیر علی افسوس، مرزا علی لطف، کاظم علی جواں، مظہر علی ولا، خلیل علی خاں اشک، للو لال جی اور تاری چرن متر جیسے ادباء شامل تھے اور ان کی تصانیف، تالیفات اور تراجم کی اہمیت مسلم ہے، لیکن ڈاکٹر جان گلکرسٹ کا اس باب میں سب سے اہم کارنامہ میر امان علی دہلوی المعروف میر امن دہلوی کو ادبی دنیا سے متعارف کروانا ہے۔ میر امن، جنہوں نے 'چار درویش' (المعروف 'باغ و بہار' تالیف: 1801ء مطبوعہ فروری 1802ء) اور 'اخلاق محسنیٰ' کے فارسی تراجم کے بعد 4 جون 1806ء کو فورٹ ولیم کالج سے مستعفی ہو کر شمس الامراء حیدر آباد دکن کے لئے غلام محی الدین حیدر آبادی، موسیٰ تنذوس اور مسٹر جونس کے ساتھ مل کر ریورنڈ چارلس کے سات انگریزی رسائل کا 'ستہ شمسیہ' کے نام سے ترجمہ کیا۔ 'ستہ شمسیہ' نامی کتاب چھ جلدوں میں 1253ھ بمطابق 1837ء کو شمس الامراء کے سنگی چھاپہ خانے سے طبع ہوئی۔ اس کے علاوہ میر امان علی دہلوی (میر امن دہلوی) اصول علم حساب ہندی زبان میں، مطبوعہ: 1252ھ بمطابق 1836ء اور 'رسالہ کسورات اعشاریہ' مطبوعہ: 1253ھ بمطابق 1837ء کے مترجمین میں شامل رہے۔

یہاں ہمارے موضوع سے متعلق صرف جان گلکرسٹ کی تصانیف ہیں جو انگریزی سے ترجمے کے باب میں قابل ذکر ہیں۔ جان گلکرسٹ۔ یہاں آنے سے قبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈاکٹر حیوانات کے طور پر کام کر رہے تھے۔ انہوں نے فورٹ ولیم کالج کے لئے تقریباً 63 کتابیں تیار کروائیں اور تقریباً پندرہ کتابیں لسانیات اور قواعد و ترجمے سے متعلق خود ان کے قلم سے یادگار ہیں۔

فروری 1804ء میں جان گلکرسٹ فورٹ ولیم کالج کی انتظامی کونسل کے رویہ سے تنگ آ کر برطانیہ واپس چلے گئے۔ بعدازاں لندن میں تادیر انڈین سول سروس سے متعلق طلبہ کی رہبری کرتے رہے۔ خصوصی طور پر ہمارے موضوع سے متعلق ان کی مندرجہ ذیل کتب ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی:

1۔ انگریزی ہندوستانی لغت: طبع اوّل: کلکتہ 87-1786ء .. طبع دوم: ایڈنبرا: 1810ء

'DICTIONARY, ENGLISH & HINDUSTANI, TO WHICH IS PREFIXED A GRAMMAR OF THE HINDUSTANEE LANGUAGE

2۔ ہندوستانی زبان کے قواعد، طبع اوّل: کلکتہ 1796ء صفحات 314 طبع دوم کلکتہ: کرانیکل پریس 1809ء صفحات 338

'A Grammar of a Hindustani Language'

3۔ 'لغت و قواعد کا ضمیمہ' طبع اوّل کلکتہ 1798ء

4۔ 'کالج کے پہلے اور دوسرے امتحان کے لئے ہندوستانی زبان کی مشقیں' طبع اوّل: کلکتہ 1802ء صفحات 24 (رومن حروف اور دو ضلع اردو ٹائپ میں)

'PRACTICAL OUTLINES OR A SKETCH OF HINDUSTANI ARTHOEPY'

5۔ 'اجنبیوں کے لئے رہنمائے اردو' طبع اوّل کلکتہ: 1802ء

'THE STRANGERS EAST INDIA GUIDE TO HINDUSTANEE OF GRAND POPULAR LANGUAGE OF INDIA.'

(اردو اقتباسات رومن حروف میں درج کئے گئے ہیں)۔

6۔ ''اوریجن آف ماڈرن لٹریچر'' (تنقیدی تاریخ) اِس کتاب کا اردو ترجمہ محمد عتیق صدیقی نے کیا۔

7۔ قصص مشرقی، حکیم لقمان سے منسوب قصوں کا اردو ترجمہ، مطبوعہ: فورٹ ولیم کالج، کلکتہ، طبع اوّل: 1803ء

محولہ بالا کتب میں سے ''ہندوستانی زبان کے قواعد'' کو بلاشبہ ایک عہد ساز تصنیف قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ پہلی تصنیف ہے جس میں اردو (ہندوستانی)، ہندی طباعت کا اوّلین نمونہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کتاب کا ایک حصہ شیکسپیئر سے متعلق ہے جو انگریزی ادب سے اردو میں ترجمے کا اوّلین نمونہ پیش کرتا ہے۔ اس حصے میں ولیم شیکسپیئر کے دو مختلف ڈراموں ('شاہ ہنری ہشتم' اور 'ہیملٹ') کے ایک ایک ٹکڑے کا ترجمہ اردو زبان اور اردو رسم الخط میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ واضح رہے کہ اس وقت تک سیرام پور کے تراجم (بائبل و اناجیل سے متعلق) کے سوا کسی انگریزی ادبی تصنیف یا اس کے حصے کو اردو میں منتقل نہیں کیا گیا تھا۔

گلکرسٹ کو اس میدان میں اوّلیت کا فخر حاصل ہے۔ نیز یہ کہ گلکرسٹ کے ان تراجم سے (سلاست کے) وہ اوّلین نقوش واضح ہو جاتے ہیں جو آگے چل کر گلکرسٹ ہی کے ایما پر میر امّن دہلوی (میر امان علی دہلوی) کی 'باغ و بہار' کی پہچان بنی۔ یوں گلکرسٹ کے ان تراجم کو اردو زبان کی اسلوبی کروٹ کی تمہید کہا جا سکتا ہے۔ اس لحاظ سے ان تراجم کو 'جدید اردو کا نقش اوّل ہونے ہی کا اعزاز حاصل نہیں' اردو میں انگریزی سے ہونے والے اوّلین ترجمے ہونے کا فخر بھی حاصل ہے۔ مقام حیرت ہے کہ یہ شرف ایک انگریز نے حاصل کیا۔

مرزا فطرت دہلوی نے ول ہنٹر کی مدد سے ''عہد نامہ جدید'' کا ترجمہ 1805ء میں شائع کیا۔ بعض محققین نے اسے براہ راست یونانی زبان سے ترجمہ قرار دیا ہے۔ کپتان ٹیلر کی 'انگریزی ہندوستانی لغت' 1808ء میں شائع ہوئی۔ اس باب میں کپتان ٹامس روک کی ''لغت جہاز رانی'' (1811ء) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس لغت میں جہاز رانی کی اصطلاحوں کے علاوہ ایسے الفاظ کا اردو ترجمہ بھی دے دیا گیا ہے جو کمانداروں کو میدان جنگ اور بیرکوں میں کارآمد ہو سکتے ہیں۔

یوں دیکھا جائے تو انگریزی سے اردو تراجم کی ابتداء بائبل اور اناجیل کے تراجم کے علاوہ لغت اور قواعد سے ہوتی ہے۔

فورٹ ولیم کالج کے دارالترجمہ کی تیار کردہ ایک نایاب کتاب 'مجموعۂ گنج' ہے جو 1845ء میں کلکتہ اسکول بک سوسائٹی پریس سے شائع ہوئی۔ سرورق پر حسب ذیل تحریر درج ہے:

'مجموعہ گنج

عقل روشن کرنے والی تعلیموں کا

اور

دانائی سکھانے والی تبلیغوں کا

اس میں

اکثر ملکوں کی بستی اور شہر اور آدمیو کے احوال کا بیان ہے

ہندوستانی لڑکیوں کے لئے

انگریزی زبان سے اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا'

یہ کتاب چھوٹی تقطیع کے 217 صفحات پر مشتمل ہے۔ کل 38 مضامین اور عنوانات کے تحت تاریخ اور جغرافیہ کے ابتدائی مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ ہندوستان سے متعلق چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

1۔ ''ہند میں جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں دوسرے ملکوں میں لے جا کے بیچنے سے بہت فائدہ ہوتا ہے اور ہند میں دولت مند ہونے کا بڑا وسیلہ سوداگری ہے۔ جو چیزیں آدمی کی ضرورت ہیں ان کے بہتات سے پیدا ہونے کے سبب ہند کے رہنے والوں کو غیر ممالک سے کوئی چیز لانے کی احتیاج کم ہوتی ہے۔''

2۔ ''اگلے بادشاہوں کے وقت میں انہوں کے ظلم سے لوگوں کے مال اور ملک میں امن و چین نہ تھا اور جس ملک میں امن و چین نہ ہو اور معاملہ مقدمہ میں حق انصاف نہ ہو بلکہ اسامی فریادی میں سے ایک کی طرفداری ہو تو کون آدمی اپنا روپیہ اور اسباب کے لئے اس ملک میں جائے گا۔ اس سبب سے اور ملک کے سوداگر اس ملک میں کمتر آتے تھے اور یہاں کے آنے والے یورپ کی اچھی اچھی حکمت اور کاریگری سے بے بہرہ تھے۔

انگریزوں کے وقت میں ہندوستان کی سوداگری خوب چمک گئی اور بہت فائدہ مند ہوئی اور اس سوداگری سے بہتیرے غریب دولتمند ہوئے اور اکثر دولتمند بہت روپے والے ہوئے۔ سچ ہے، انصاف کے درخت میں ہی پھل ہوتا ہے اور امن و امان سے ہوتا ہے اور خلایق اور رعیت خواہ نزدیک کے ہوں خواہ دور کے سب خوشی سے گزراں کرتے ہیں۔''

کتاب میں ہندوستان کی چھ اہم پیداواروں (نیل، روئی، افیون، ململ، ریشم اور شورہ) کے بارے میں تفصیلی معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ افیون کے باب میں درج ہے:

> ''صوبہ بہار اور بنارس میں بہت افیون پیدا ہوتی ہے اور کمپنی سے سوا کوئی آدمی پوست کا کھیت کرنے اور افیون مول لینے نہیں سکتا ہے، مگر کمپنی کے حکم سے۔ جب کلکتہ میں افیون آتی ہے سوداگر سب مول لے کے چین اور ملائے بھیجتے ہیں۔''

اسی طرح تمباکو کی فصل کے بارے میں درج ہے کہ:

> ''امریکہ ملنے کے بعد پرتگیز لوگ وہاں سے جلد یہاں لائے۔ امریکہ ملنے کے آگے کسی ملک میں تمباکو نہ تھا۔''

فورٹ ولیم کالج کا بانی لارڈ ولزلی 1798ء تا 1805ء تک گورنر جنرل رہا۔ اس نے 29 اگست 1805ء کو استعفیٰ دے دیا اور

برطانیہ واپس لوٹ گیا۔ اس کی واپسی کے فوراً بعد یعنی 21 مئی 1806ء میں ہیلی بری (برطانیہ) کے مقام پر اسی نوع کا ایک کالج قائم کرنے کے فیصلے کے ساتھ ہی جنوری 1907ء سے فورٹ ولیم کالج کے اخراجات گھٹا دینے کا فیصلہ عمل میں آیا۔ اس حکم کے تحت پرووسٹ اور نائب پرووسٹ کے عہدے ختم کر دیئے گئے۔ منشیوں اور مترجمین کی تعداد گھٹا دی گئی اور مشرقی زبانوں کے کورس کی مدت گھٹا کر صرف ایک سال کر دی گئی۔ عملے میں تخفیف کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ 1830ء میں کالج کا صرف ایک سیکرٹری اور تین ممتحن رہ گئے۔ آخر کار یہ ادارہ 54 سال تک قائم رہنے کے بعد جنوری 1854ء میں بورڈ آف ایگزامنرز میں ضم کر دیا گیا۔ 1866ء میں دوبارہ کالج میں کلاسوں کا آغاز کیا گیا جو عرصہ دو سال کی قلیل مدت میں ختم ہو گیا۔ بعد میں ادارے کے ساتھ انگریزوں کی دلچسپیاں گورنمنٹ ریزولیشن نمبر 450 ٹی۔ جی مورخہ 31 جولائی 1914ء کے بعد قطعاً ختم ہو گئیں اور کالج توڑ دیا گیا۔ یہ معاملہ ہمیشہ سے باعث نزع رہا ہے کہ فورٹ ولیم کالج کے قیام کا مقصد کیا تھا۔ سو لارڈ ولزلی کے خط کا اقتباس شروع میں دے دیا گیا، لیکن یہاں چند ایک دیگر غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ مثلاً ایک طویل مدت تک جان گلکرسٹ کو کالج کا پرنسپل تصور کیا جاتا رہا۔ حالانکہ پرنسپل کی اسامی کالج میں تھی ہی نہیں۔ البتہ پرووسٹ کے عہدے پر پادری ڈیوڈ براؤن کام کرتے رہے جو 'کلکتہ بائبل سوسائٹی' کے بانی اور فورٹ ولیم کالج (قلعہ) کے پادری اور انگلستان کے کلیسا کے کلرجی مین (Clergy Man) تھے۔ اس باب میں محمد عارف منان قریشی صاحب نے بہت سے الجھاوے رفع کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''سی۔اے۔ی بک لینڈ نے ''ڈکشنری آف انڈیا بائیوگرافی'' میں گلکرسٹ کے متعلق لکھا ہے: ''مارکوئس آف ویلزلی نے 1800ء میں اس کو فورٹ ولیم کالج کا پرنسپل مقرر کیا۔'' گراہم بیلی اور مسٹر ای۔ایف۔کے نے بھی 'اردو ادب کی تاریخ' اور 'ہندی ادب کی تاریخ' میں اسی غلطی کا اعادہ کیا ہے۔ حد یہ ہے کہ 'انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا' تک میں فورٹ ولیم کالج اور ڈاکٹر جان گلکرسٹ سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بھی گمراہ کن ہے۔ یعنی: 'انیسویں صدی کے آغاز میں ڈاکٹر گلکرسٹ فورٹ ولیم کالج کا افسرِ اعلیٰ (ہیڈ) تھا۔' اپنے ہاں رام بابو سکسینہ جیسے ادبی مؤرخ بھی اِسی غلطی کا شکار ہوئے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف 'شعبہ ہندوستانی' کا صدر تھا۔ ڈاکٹر موصوف کے لغت کا دوسرا ایڈیشن 1810ء میں ایڈنبرا سے شائع ہوا تھا جو اس بیان کی تصدیق کرتا ہے۔ اس کے سرورق پر اس کے نام کے ساتھ 'پروفیسر آف ہندوستانی' درج تھا۔''
>
> (فورٹ ولیم کالج ایک نزاعی مسئلہ، مطبوعہ: ''ماہِ نو'' کراچی بابت: اکتوبر 1964ء ص 80)

ہمارے بیشتر محققین نے جان گلکرسٹ کو ''محسن اردو'' تسلیم کیا ہے۔ ان محققین میں رام بابو سکسینہ، ڈاکٹر لکشمی ساگر، ڈاکٹر عبدالحق، پروفیسر ہمایوں کبیر اور احتشام حسین کے نام بہت نمایاں ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ فورٹ ولیم کالج کا وجود سراسر سیاسی حکمت عملی کا نتیجہ تھا اور جان گلکرسٹ کی تمام تر مساعی جلب زر کے گرد گھومتی دکھائی دیتی ہے۔ اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ کمپنی کے کورٹ آف ڈائریکٹرز کے مراسلہ بنام حکام قلعہ سینٹ جارج مدراس کے بعد اس نے رات دن کی محنت کے ساتھ ہندوستانی زبان میں مہارت حاصل کی اور 'انگریزی ہندوستانی لغت' اور 'ہندوستانی زبان اور قواعد' دو کتابیں اسی سال تصنیف کیں۔

یہ وہ زمانہ ہے جب میر امان علی دہلوی (المعروف میر امّن) جیسے نابغۂ روزگار ایسٹ انڈیا کمپنی، یورپین پروفیسروں اور جان گلکرسٹ (صدر شعبہ ہندوستانی ادبیات) کے گن گاتے دکھائی دیتے ہیں 'باغ و بہار' کے دیباچہ میں ''میر امّن دلی والے'' لکھتے ہیں:

"میر منشی بہادر علی جی کے وسیلے سے حضورتن جان گلکرسٹ صاحب بہادر دام اقبالہ کے رسائی ہوئی۔ بارے طالع کی مدد سے ایسے جوانمرد کا دامن ہاتھ لگا ہے۔ چاہیے کہ دن کچھ بھلے آویں۔ نہیں تو یہ بھی غنیمت ہے کہ ایک ٹکڑا کھا کر پاؤں پھیلا کر سو رہتا ہوں۔ اور گھر میں دس آدمی چھوٹے بڑے پرورش پا کر دعا اس قدر دان کو کرتے ہیں۔ خدا قبول کرے۔"

اس سے صاف عیاں ہے کہ اردو کے انشا پردازوں کی خدمات، قلیل معاوضوں کے عوض کمپنی کی حکومت کو تقویت پہنچانے کا سبب بن رہی تھیں۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آیا جب ان قلیل معاوضوں پر کام کرنے والے 'کالوں' کو اردو سے انگریزی کی طرف لایا گیا۔ لارڈ میکالے کی مشہور زمانہ تعلیمی قرارداد نے اس نئی حکمت عملی کو آخری شکل دے دی۔

شاہانِ اودھ کے تراجم: برائے اسکول بک سوسائٹی اودھ (لکھنؤ) 16-1814ء

نواب وزیر اودھ سعادت خاں بُرہان الملک (1722ء-1739ء) علم دوست شخصیت تھے، ان کے قائم کردہ شاہی کتب خانے میں سلاطین اودھ خصوصاً غازی الدین حیدر اور نصیرالدین حیدر کی ذاتی دلچسپی سے تقریباً تین لاکھ کتابیں جمع ہو گئی تھیں۔ ابتداء میں لکھنؤ کا شاہی کتب خانہ ایک پرانے محل میں واقع تھا، جسے 'پرانا دولت خانہ' کہا جاتا تھا۔ اب دریائے گومتی کے آہنی پل اور رومی دروازے کے درمیان اس کے آثار بھی معدوم ہو چکے ہیں۔ نواب غازی الدین حیدر (1814ء تا 1827ء کے زمانے میں یہ کتب خانہ اپنے جوبن پر تھا اور اس کی حدود فرح بخش اور توپ خانہ کی عمارتوں تک پھیل گئی تھیں۔) 1848ء میں ڈاکٹر اشپرنگر کتب خانوں کی فہرست سازی کے لئے لکھنؤ پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اودھ کے شاہی کتب خانے میں دس ہزار مجلدات انتہائی ناگفتہ بہ حالت میں پڑی تھیں۔

ڈاکٹر اشپرنگر نے شاہی کتب خانے کے نوادر سے متعلق جو فہرست مرتب کی تھی وہ کئی جلدوں میں تھی، جن میں صرف پہلی جلد (645 صفحات) 1854ء میں کلکتہ سے شائع ہو پائی اور باقی کام ضائع ہو گیا۔

شاہانِ اودھ کی علم دوستی کے اس پس منظر میں فورٹ ولیم کالج، کلکتہ کے زوال کے ساتھ لکھنؤ اردو تراجم کا ایک اہم مرکز بن کر ابھرا۔ نواب غازی الدین حیدر (1814ء تا 1827ء) نے اپنے علاقے میں سائنٹیفک سوچ کو عام کرنے کی خاطر اسکول بک سوسائٹی قائم کی، جس کا مقصد لکھنؤ کے مدارس کے لئے ایسا نصاب تیار کرنا تھا جو یورپی دانش گاہوں کے ہم پلہ ہو۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر ایک ایسی نصابی کمیٹی ترتیب دی گئی جو نصاب کے لئے انگریزی اور فرانسیسی نصابی کتب کا انتخاب کرتی اور اردو میں اسے ترجمہ کرنے کا فیصلہ صادر کرتی۔ اردو میں ترجمہ شدہ نصابی کتب کی طباعت کے لئے مطبع سلطانی (اودھ) قائم کیا گیا تھا۔ نیز اسکول بک سوسائٹی، لکھنو کا ایک ذیلی ادارہ، آگرہ میں قائم کیا گیا۔ جس کے تحت آگرہ میں ایک مدرسہ چلتا تھا۔ وہ مدرسہ اور سوسائٹی کے لئے قائم کردہ پریس (گرین وے پریس، آگرہ) ایک ہی عمارت میں تھے۔

شاہان اودھ غازی الدین حیدر اور نواب نصیرالدین حیدر (1827ء تا 1837ء) کے یورپین مصاحبین خصوصاً ہلٹن نامی ایک انگریز کی مدد سے اسکول بک سوسائٹی کے مترجمین نے جدید علوم وفنون سے متعلق متعدد انگریزی کتب و رسائل کا ترجمہ کیا جو زوال اودھ (1856ء) سے قبل شائع بھی ہو گئے۔

شاہان اودھ کی آمدن کروڑوں میں تھی۔ وہ اپنی عدلیہ اور انتظامیہ رکھتے تھے۔ چونکہ شہزادیاں ان سے بیاہی جاتی تھیں، اس لئے جہیز میں ملنے والی جاگیروں کے علاوہ 'جاہ' کے مخصوص شاہی خطاب سے بھی سرفراز کیے جاتے تھے اور اپنی دستار پر کلغی لگانے کا اختیار بھی رکھتے تھے۔

غازی الدین حیدر اور نصیر الدین حیدر کے 'رصد خانہ سلطانی' کا مہتمم ایک انگریز کرنل ولکاک تھا، جس کی مدد سے اسکول بک سوسائٹی کے محض ایک مترجم سیّد کمال الدین حیدر (عرف محمد امیر الحسن الحسینی) نے 19 انگریزی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ ان میں سے دس مطبوعہ کتب کا احوال درج ذیل ہے:

1۔	'رسالہ علوم طبعیہ'	ترجمہ: سیّد کمال الدین حیدر	مطبوعہ: مطبع سلطانی اودھ (لکھنؤ)
2۔	'رسالہ ہیئت' از ڈاکٹر ولسن	ایضاً	ایضاً
3۔	'رسالہ علم الکیمیا' از ڈاکٹر برنگلی	ایضاً	ایضاً
4۔	'رسالہ علم الکیمیا' از ریورنڈ چارلس	ایضاً	ایضاً
5۔	'رسالہ علم المناظر'	ایضاً	ایضاً
6۔	'رسالہ قوت مقناطیس'	ایضاً	ایضاً
7۔	'رسالہ علم الماء'	ایضاً	ایضاً
8۔	'رسالہ علم الہوا'	ایضاً	ایضاً
3۔	'رسالہ للہ علم الحرارۃ'	ایضاً	ایضاً
10۔	'رسالہ مقاصد العلوم' از لارڈ بروم	ایضاً	1841ء

آخر الذکر کتاب کے دیباچہ میں (اسے ابتدائیہ یا صفحہ اوّل کی تحریر کہنا زیادہ مناسب ہوگا) لکھا ہے:

''حسب الحکم ابوالفتح معین الدین سلطان الزماں نوشیروان عادل محمد علی شاہ بادشاہ غازی حسب فرمائش محکمہ اجلاس جنرل کامٹی اسکول بک سوسائٹی کے عاصی سراپا معاصی سیّد کمال الدین حیدر عرف محمد امیر الحسن الحسینی نے زبان اردو میں ترجمہ کیا۔''

('رسالہ مقاصد العلوم' سے اقتباس)

شاہان اودھ کی یورپ سے اس خصوصی دلچسپی کی اصل حقیقت سے آگہی حاصل کرنے کیلئے مجلّہ 'ہمایوں' لاہور: بابت اگست 1940ء دیکھنا لازم ہے۔

اس پرچے کے مستقل عنوان ''محفل ادب'' کے تحت ایک مضمون بعنوان ''شاہ اودھ یورپینوں کے بیحد گرویدہ تھے۔'' (مطبوعہ رسالہ 'دین و دنیا') سے ایک اقتباس نقل کیا گیا ہے۔ جس کا ایک حصّہ ملاحظہ فرمایئے:

''نصیر الدین حیدر شاہ اودھ کو یورپینوں سے غیر معمولی دلچسپی تھی چنانچہ نصیر الدین حیدر کے تقریباً تمام مصاحب یورپین تھے۔ شاہ اودھ کی اس مغرب پرستی کو امرائے اودھ اگرچہ پسند نہ کرتے تھے لیکن شاہ اودھ کی حالت یہ تھی کہ دن رات

ناکارہ اور اوباش یورپین ان کو گھیرے رہتے تھے۔"

مضمون نگار نے اس ابتدائیہ کے بعد شاہ اودھ نصیرالدین حیدر کے ایک یورپین مصاحب مسٹر ہلٹن کی ڈائری سے چند اوراق ترجمہ کر کے نقل کر دیے ہیں۔ محض ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> "بادشاہ نے میرے دوست سے پوچھا:
>
> کیوں جی انگلستان میں تم مسٹر اسمتھ سے بھی ملو گے کہ نہیں؟
>
> مسٹر آر نے عرض کیا کہ "میں اُن سے ضرور ہی ملوں گا۔ کیونکہ ان سے کچھ کام بھی ہے۔" تب بادشاہ نے اپنی نہایت خوبصورت اور مرصع گھڑی جو ایک اعلیٰ درجے کے کاریگر کی بنائی ہوئی تھی اور پندرہ ہزار فرانک میں آئی تھی، مع زنجیر مرصع اپنے گلے سے اتار کر اپنے دست مبارک سے مسٹر آر کے گلے میں ڈال دی اور ہکلا ہکلا کے فرمایا کہ:
>
> بھئی دیکھو! قطعی وعدہ کرو کہ یہ گھڑی مع زنجیر بجنسہ تم اسمتھ صاحب کی میم صاحبہ کے گلے میں پہنا دو گے۔ اسی طرح سے پہنانا جیسے میں نے تمہارے گلے میں پہنائی ہے، دیکھو وعدہ کا خیال رکھنا۔"

(ہمایوں لاہور، اگست: 1940ء ص: 609 سے اقتباس)

اسکول بک سوسائٹی (اودھ) کا انتظام و انصرام پادری جیمز مُور کے ہاتھ میں تھا، جسے منشی محمد فتح اللہ اکبرآبادی جیسا بے مثل عالم بطور منشی ملا ہوا تھا۔

دوسری طرف مقامی اہل فن کا یہ حال تھا کہ بے مثل نثر نگار رجب علی بیگ سرور کو غازی الدین حیدر کے زمانے میں دیس نکالا ملا۔ سرور، لکھنؤ سے کانپور ہجرت کر گئے اور کئی برس لکھنؤ کے فراق میں رویا کیے۔ انہیں نصیرالدین حیدر نے بھی معاف نہ کیا۔ یہاں تک کہ رجب علی بیگ سرور کو واجد علی شاہ اختر کے زمانے میں لکھنؤ لوٹنا نصیب ہوا۔ مرزا رجب علی بیگ سرور نے 'فسانہ عجائب' کی تکمیل 1240ھ بمطابق 1824ء میں کی۔ یہ غازی الدین حیدر (1814ء تا 1827ء) کا زمانہ ہے۔ نصیرالدین حیدر (1827ء تا 1837ء) کے زمانے میں سرور نے شہر کانپور میں بیٹھ کر نظر ثانی کی اور دیباچے میں نصیرالدین حیدر کا ذکر تو کیا، لیکن ملک بدر ہونے کے سبب نصیرالدین حیدر کی تاج پوشی (جلوس 1243ھ بمطابق 1827ء) کی مدح نہیں لکھی۔ 'فسانہ عجائب' کا قدیم ترین مخطوطہ جس کی کتابت فضل رسول نے 1839ء تا 1853ء میں مکمل کی تھی۔ 'فسانہ عجائب' کا واحد ایسا نسخہ ہے جس میں غازی الدین حیدر کی مدح ملتی ہے۔ یہ مخطوطہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی کے ذاتی کتب خانے سے حاصل کر کے 1973ء میں ڈاکٹر محمود الٰہی نے 'فسانہ عجائب' کے بنیادی متن کے نام سے شائع کیا۔

یورپ اور اہل یورپ سے دلچسپی کی وجہ چاہے کچھ بھی ہو، کہا جا سکتا ہے کہ مغربی زبانوں سے اردو میں علمی کتب کے تراجم کی اولین منظم انفرادی کوشش کا زمانہ غازی الدین حیدر ہی کا زمانہ ہے۔

شمس الامراء کے تراجم: برائے 'مدرسہ فخریہ' حیدر آباد۔ دکن 1834ء

فورٹ ولیم کالج، کلکتہ کے زوال کے فوراً بعد حیدر آباد دکن اردو تراجم کا ایک اہم مرکز بن کر ابھرا۔ حیدر آباد دکن کے امرائے پائیگاہ میں نواب محمد فخرالدین خاں شمس الامراء ثانی (1780ء تا 1802ء) کا نام ہمارے اس مطالعے کے ضمن میں نمایاں تر

ہے۔نواب محمد فخر الدین خان نئے زمانے کے پروردہ آدمی تھے۔ وہ اپنے خسر آصف دوم نظام علی خان والئی دکن کے بااختیار دیوان رہے لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے ازخود مستعفی ہو کر علمی خدمت کی طرف رجوع کیا۔ یوں دیکھتے ہی دیکھتے ان کے اردگرد علماء ادباء اور مترجمین کا ایک بڑا گروہ جمع ہو گیا، جن میں سے زیادہ تر کا تعلق درس و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف و ترجمہ سے تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب فورٹ ولیم کالج، کلکتہ کا تالیف و ترجمہ کردہ ادب انگریزی سرکار کی وضع کردہ مخصوص پالیسی کے تحت سطحیت کا رجحان پیدا کر رہا تھا۔ نواب محمد فخر الدین خاں نے یہ سب دیکھتے ہوئے اپنے علاقے میں داستانوی قصوں کے مقابلے میں سائنٹیفک سوچ کو عام کرنے کی خاطر 1834ء میں 'مدرسہ فخریہ' قائم کیا۔ اس مدرسے کے نصاب میں یورپی دانش گاہوں کی نصابی کتب کو شامل کیا گیا۔ نواب محمد فخر الدین خاں نے ہندوستانی طالب العلموں کی خاطر مغربی علوم و فنون کی ان کتب کو مقامی، فرانسیسی اور برطانوی مترجمین کے ساتھ مل کر خود اردو میں ترجمہ کیا اور اپنے سنگی چھاپہ خانہ (قائم شدہ 1820ء) سے شائع کیا۔

یاد رہے کہ اینگلو عربک کالج (دہلی کالج) نے 'مدرسہ فخریہ' کی تقلید میں 41-1840ء کے لگ بھگ جدید علوم و فنون کے اردو تراجم تیار کرنا شروع کیے تھے۔ آگے چل کر جب 19ویں صدی کے نصف آخر میں اردو کا پہلا میڈیکل کالج 'مدرسہ طبابت' (قیام: 1845ء) قائم ہوا تو اس میں 'مدرسہ فخریہ' کے فارغ التحصیل طلبہ کی کھپت سب سے زیادہ ہوئی۔

نواب محمد فخر الدین خاں کو علم ریاضی اور علم ہیئت سے خاص شغف تھا۔ انہوں نے ان موضوعات سے متعلق کئی رسالے خود تصنیف کیے نیز جملہ سائنسی موضوعات سے متعلق انگریزی سے اردو میں تراجم کا کام بڑے پیمانے پر کروایا۔

شمس الامراء کے باقاعدہ ملازم مترجمین میں میر امان علی دہلوی (المعروف میر امّن دہلوی)، شاہ علی، رتن لعل، غلام محی الدین حیدر آبادی، موسیٰ تندوسی، حافظ مولوی شمس الدین فیض، مسٹر جونس، مسٹر جوزہ، جان مرقس، ابوعلی، رائے منو لال، شیر علی بن قاسم، مرزا جان قندھاری، میر طفیل علی، مولوی احمد اور سید عبدالرحمٰن کے نام بہت نمایاں ہیں۔ لیکن یہ بات حیران کن ہے کہ ان مستند تراجم کی شہرت حیدر آباد دکن سے باہر کم کم ہی سنی گئی۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ میر امان علی دہلوی (المعروف میر امّن دہلوی) کے 9 مطبوعوں تراجم کا ذکر تاحال ہماری کتب میں نہیں ملتا، جبکہ تراجم کا یہ وقیع کام باقاعدہ ملازم مترجمین نے نواب محمد فخر الدین خاں کی قائم کردہ رصدگاہ 'جہاں نما' میں بیٹھ کر کیا۔ کہا جا سکتا ہے کہ اردو میں علمی کتب کے تراجم کی یہ دوسری منظم انفرادی کوشش تھی۔

خواجہ حمید الدین شاہد لکھتے ہیں:

> ''نواب فخر الدین خاں نے خود بھی کئی کتابیں لکھیں مگر ان کی اردو کتابوں کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ان ہی کی ہیں۔ اس لئے کہ دیباچہ میں بجائے اپنے نام کے صرف یہ لکھ دیا ہے کہ 'مصنف اس کتاب کا یہ کہتا ہے'۔ البتہ فارسی کتابوں میں اپنے نام کی صراحت کر دی ہے۔''

مثلاً کتاب 'شمس الہندسہ' مطبوعہ 1241ھ کے دیباچہ میں لکھا ہے:

> ''می گوید مؤلف ایں رسالہ محمد فخر الدین خاں المخاطب بہ شمس الامراء۔ 'کہ کتاب اقلیدس' اگر چہ حاوی جمیع اصول ہندسیہ است از وقت براہین وتطویل دلایلش مبتدی را بہرہ وافی... نمی داد... نسخہ خوب از تالیفات موسیٰ کلارک کہ

در زبان فرانسیسی۔ ۔ بود ..... دیدم کہ درآں کتاب اعمال اصول اشکال۔ .قریب الفہم کہ ازآں کارہائے اعمال بہ آسانی می برآیند مرقوم اند۔لہٰذا۔ .. آں کتاب را از زبان فرانسیسی بہ زبان فارسی مرقوم نمودہ شد تا در روزگار موجب یادگار باشد۔''

مذکورہ بالا عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ نواب صاحب خود بھی مصنف تھے اور فرانسیسی زبان پر کافی عبور تھا۔ فارسی میں ایک سے زیادہ کتابیں لکھیں اور کوئی بعید نہیں کہ یہ اردو کتابیں بھی ان ہی کے تصنیفات ہوں۔

ان کے فرزند محمد رفیع الدین خاں عمدۃ الملک شمس الامراء ثالث 1220ھ میں پیدا ہوئے اور 1294ھ میں انتقال کیا۔ ذوق علم وفضل اور شوق تصنیف و تالیف اپنے والد سے ورثہ میں ملا تھا۔ چنانچہ مطبع شمس الامراء میں جو کتابیں چھپیں وہ زیادہ تر ان ہی کی فرمائش اور دلچسپی کی وجہ سے لکھی گئی تھیں۔ بعض کتابوں میں صراحت کر دی گئی ہے کہ صاحبزادہ نواب محمد رفیع الدین خاں عمدۃ الملک بہادر کی فرمائش پر لکھی گئیں۔

شمس الامراء ثانی نے اپنی فارسی کتاب 'شمس الہندسہ' میں اپنے فرزند کی وضع کردہ شکلوں کو بھی جگہ دی اور اس کے دیباچہ میں اس کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

''چند اشکال متخرجہ برخوردار محمد رفیع الدین خاں درآخر مقالہائے متعلقہ آنہا بہ تفصیل مرقوم ساختہ۔''

نواب فخر الدین خاں شمالی ہند کی علمی اور ترجمہ سے متعلق کاوشوں سے کلی طور پر واقف تھے۔ برخلاف اس کے اس امر کا ثبوت نہیں ملتا کہ شمالی ہند کے علماء اور مترجمین کو جنوب کے ترجموں سے واقفیت تھی۔ شمس الامرا کے مترجمین نے اکثر انگریزی اصطلاحات کے اردو مترادفات ڈھونڈ نکالے تھے لیکن یہ وہ دور تھا جب شمالی ہند میں عموماً انگریزی اصطلاحات ہی سے کام لیا جاتا تھا مثلاً 'ایسڈ' کا ترجمہ یہاں 'کھٹا' کیا گیا تھا اور 'نیٹرک ایسڈ' کو ''شورہ کا کھٹا'' کہتے اور لکھتے تھے لیکن شمال میں انگریزی اصطلاحات ہی مستعمل تھیں۔

شمس الامراء کے مترجمین کو اپنے موضوعات کے ساتھ مترادفات اور اصطلاح سازی پر مکمل عبور حاصل تھا جبکہ شمال کی زبان پر عربی کے اثرات بہت گہرے تھے مثلاً یہاں کے مترجمین نے 'ہیڈرو اسٹاٹکس' اور 'اوپٹکس' کا ترجمہ علی الترتیب 'علم آب' اور 'علم انظار' کیا ہے جبکہ شمال میں 'علم الماء' اور 'علم الانظار' مروج تھا۔

شمس الامراء کے تراجم سادہ، سلیس اور عام فہم ہیں جبکہ شمالی ہند کی وہ کتب جو یہاں سے شائع ہوئی ہیں اس قدر عام فہم نہیں۔

مولوی میر حسن حیدرآبادی نے نواب فخر الدین کی حسب ذیل پانچ کتابوں کی تفصیل 'مغربی تصانیف کے اردو تراجم'، ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد، دکن طبع اوّل: 1939ء میں درج کی ہے۔

1۔ 'رسالہ مختصر جرثقیل' مطبوعہ: 1252ھ بمطابق 1836ء

2۔ 'رسالہ کسورات اعشاریہ' مطبوعہ: 1252ھ بمطابق 1836ء

3۔ 'رسالہ اصول حساب' مطبوعہ: 1252ھ بمطابق 1836ء

4۔ 'رسالہ اسطرلاب کروی' مطبوعہ: 1255ھ بمطابق 1839ء

5۔ 'ستہ شمسیہ' مطبوعہ: 1256ھ بمطابق 1840ء

'ستہ شمسیہ' نامی مجموعہ حسب ذیل چھ رسائل پر مشتمل تھا۔

(1) رسالہ علم جرثقیل

(2) رسالہ علم ہیئت

(3) رسالہ علم آب

(4) رسالہ علم ہوا

(5) رسالہ علم انظار

(6) رسالہ علم برق

لیکن اہم چیز 'رسالہ ستہ شمسیہ' کا دیباچہ عمومی ہے، جس میں نواب محمد فخرالدین خاں رقم طراز ہیں:

''بندہ نیاز مند درگاہ ایزدی کا، محمد فخرالدین خاں المخاطب بہ شمس الامراء، اس طور پر گزارش رکھتا ہے کہ اکثر اوقات کتابیں چھوٹی بڑی علوم فلاسفہ کی جو زبان فرنگ میں مرقوم ہیں بہ سبب میلان طبیعت کے بہت شوق اس طرف رکھتا تھا، میری سماعت میں آئیں۔ اس جہت سے چند مسائل ان کے از بر تھے وہ اگرچہ بعضے علوم فلاسفہ زبان عرب وعجم میں بھی مشہور ہیں چنانچہ علم جرثقیل اور علم انظار وغیرہ مگر اس قدر نہیں ہیں کہ جیسا اب اہل فرنگ نے ان کو دلائل و براہین سے بدرجۂ کمال اثبات کیا ہے۔ بلکہ بعضے علوم اہل فرنگ میں ایسے رواج پائے ہیں کہ ان کا نام بھی یہاں کے لوگوں نے نہیں سنا۔ چنانچہ علم آب اور ہوا اور برق اور مقناطیس اور کیمسٹری وغیرہ۔ اس واسطے مدت سے ارادہ تھا کہ مبتدیوں کے فائدے کے لئے کوئی کتاب مختصر جامع چند علوم، کی زبان فرنگ سے ایسی ترجمہ کی جاوے کہ فرصت قلیل میں اس کی معلومات سے طالبوں کو کچھ کچھ فائدہ میسر ہووے کس واسطے کہ اگر بڑی بڑی کتابوں کا ترجمہ ہوگا تو طالبوں کے ذہن پر اس کے مطالعے کا بار ہوگا اور مختصر رسالوں کے دیکھنے سے ان کی طبیعت آشنائے علوم ہو جائیگی پھر طالبین از خود ارادہ مبسوط کتابوں کے دیکھنے کا کریں گے۔''

(دیباچہ سے اقتباس)

واضح رہے کہ اس مجموعے میں شامل رسالوں کے مصنف ریورنڈ چارلس تھے اور انگریزی میں یہ رسائل اوّل اوّل 1818ء میں لندن سے شائع ہوئے۔ دیباچہ کے مطابق ان رسائل کا ترجمہ میر امان علی دہلوی، غلام محی الدین حیدر آبادی، مسٹر جونس اور موتی تندوسی نے کیا۔ یہ مترجمین باقاعدہ ملازمین سرکار تھے۔

ریورنڈ چارلس کے ان ترجموں میں جملے کی ساخت اور بنت کی قدامت کی چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں:

''چھپوایا تھا بیچ لندن میں'

'واسطے سیکھنے اور دل لگی نوشابوں کے'

'گونج نہیں پیدا ہونے کی بغیر اس کے کہ.....'

'فہرست رسالہ علم آب مشتمل ہے اوپر دیباچہ اور بائیس گفتگو کے''

اسی طرح اردو کی متروک لفظیات خصوصی توجہ چاہتی ہے مثلاً انہوں، 'وے'، 'آوے' اور 'کہیو' وغیرہ۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دہلی اور لکھنؤ کے ابتدائی زمانے کے شعراء کی طرح 'نے' کے استعمال میں انہوں نے بھی اپنے آپ کو پابند نہیں کیا۔ مثال:

'استادوں نے دریافت کیے ہیں کہ.... '

اکثر مقامات پر اسم کیفیت یا حاصل مصدر کے بجائی مصدر کا استعمال کیا گیا ہے۔ مثال:

'ہوا کے دو جسموں کے تصادم سے گرجنا پیدا ہوتا ہے۔'

اس طرح امتحان، دل لگی، داخل کرنا اور صرف کرنا جیسے الفاظ کو ایسے معنوں میں برتا گیا ہے جن میں وہ الفاظ اب مستعمل نہیں ہیں مثلاً

1۔ 'واسطے سیکھنے اور دل لگی نوشابوں کے'

2۔ شکر کو ہاسن میں داخل کرنا'

اوپر نشان زد کئے گئے الفاظ کی جگہ 'ڈالنا' اور 'دلچسپی' کے الفاظ مروج ہیں۔

ان تراجم میں انگریزی الفاظ کے ہجوں کا تعین بھی نہیں کیا گیا مثلاً ہیڈرو اسٹاٹکس کہیں 'ح' سے لکھا گیا ہے اور کہیں 'ہ' سے۔

اسی طرح بعض الفاظ کا املا بھی قدیم وقتوں کی یاد دلاتا ہے۔ مثلاً 'کنویں کو' 'کوے' اور 'وہ' کو 'وو' لکھا گیا ہے۔

ان رسائل میں سائنس کی بعض اصطلاحات کے تراجم کو اصطلاحات سازی کے ابتدائی نمونے مان کر دیکھنا دلچسپی سے خالی نہیں، اسی طرح بعض مقامات پر انگریزی تلفظ کے مطابق جوں کا توں اردو میں لکھ دیا گیا ہے۔

اصطلاحات سے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

Airgun ہوا کی بندوق

Microscope کلاں بین

Monsoon موسمی پون

A Sucking Pump چوسنے کا پمپ

Hydrostatic Balance علم آب کی ترازو

Reflecting Telescope منعکس دوربین

Divergent Rays انبساطی شعاعیں

Defracted Light انحرافی روشنی

اسی طرح جن اصطلاحات کا ترجمہ نہیں کیا گیا ان میں چند ایک یہ ہیں:

1۔ بیرامیٹر

2۔ ہیڈرامیٹر

3۔ تھرمامیٹر

4۔پیرا میٹر

5۔ہیگرا میٹر

ریورنڈ چارلس کے یہ رسائل سوال و جواب کے طرز پر تدریسی نکتہ نظر سے لکھے گئے تھے۔ ترجمہ کرتے وقت اسی طریقہ کار کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ 'رسالہ علم آب' سے ایک مثال دیکھیے:

> تلمیذ کلاں: تلمیذ خرد..... حیدر واسٹاٹکس کمال لفظ ثقیل اور اجنبی ہے۔' استاد: 'اکثر نام جو ان علوم میں آتے ہیں یونانی ہیں اور ہر لفظ دوسری زبان کا جب تک محاورے میں نہ آوے ثقیل معلوم ہوتا ہے اور اصل وضع سے بعضے نام کے معنی مفرد ہوتے ہیں اور بعضوں کے مرکب۔ پس یہ نام دو لفظوں سے مرکب ہے، ایک 'حیدرو' جو اس زبان میں پانی کو کہتے ہیں۔ دوسرا اسٹاٹکس مطلقاً اس علم کو کہتے ہیں جس سے ثقل و خفت اجسام کی معلوم ہوتی ہے۔
>
> ('رسالہ علم آب' سے اقتباس)

اب 'تعریفات اور کیفیات علم آب' کے حصے سے بھی ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

مسفن ایک مدور نلی ہے

کوے (کنوئیں) سے پانی کا چڑھنا چوسنے کے پمپ میں ہوا کے دباؤ سے ہوتا ہے اور 22 فیٹ تک چڑھتا ہے۔'

ترجمہ کئے گئے دیگر رسائل میں مندرجہ ذیل خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں:

6۔'رسالہ ہومیو پاتک' (رسالہ ہومیو پیتھک)	1287ھ مطابق 1870ء
7۔'کیمسٹری کا مختصر رسالہ'	1259ھ بمطابق 1843ء
8۔'رسالہ مفتاح الافلاک'	1260ھ بمطابق 1844ء
9۔'رسالہ کیمسٹری کا'	1261ھ بمطابق 1845ء
10۔'رسالہ مختصر حیوانات مطلق'	1264ھ بمطابق 1847ء

''رسالہ ہومیو پاتک'' کا ترجمہ نواب ابوالخیر خاں بہادر شمس الامراء کے حکم خاص سے ہوا۔ یہ الیمانی ہانیمن کی کتاب کا ترجمہ ہے اور مترجم کا نام 'جان مارقس ساکن حیدر آباد' درج ہے۔ یہ کتاب مطبع رحمانی حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی اور 67 صفحات پر مشتمل ہے۔ ترجمے کی عبارت مفرس ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

> ''انسان بیماری دور کرنے کے لئے قوت کثیف اور معین اپنے اندر رکھتا۔ پس اس تعل پر واجب ہے کہ جسم کے امراض رفع کرنے سریع التاثیر اور قوی العمل کے علاج کو معلوم کرے جو مشیت ایزدی سے اس کے وجود میں مطلقاً نہیں ہے۔''

''کیمسٹری کا مختصر رسالہ'' ریورنڈ جان ٹائم کی تصنیف ہے۔ ترجمہ 99 صفحات پر مشتمل ہے جس پر حیدر آباد دکن 1259ھ بمطابق 1843ء درج ہے۔ یہ کتاب تا حال کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں محفوظ ہے۔ واضح رہے کہ یہ ترجمہ قلمی ہے اور اس زمانے میں شائع نہ ہو سکا۔ دیباچہ میں لکھا ہے:

> ''یہ رسالہ مختصر علم کیمسٹری کا حسب الحکم حضرت نواب صاحب قبلہ نواب شمس الامراء بہادر امیر کبیر دام اقبالہ کے ترجمہ

کیا گیا کہ جس میں تبدیل ترکیب عناصر اور چند اصول علم کیمسٹری کا بیان ہے۔''

یہ کتاب کل 100 سو عملی امتحانات' (تجربوں) کے بیان پر مشتمل ہے۔ ایک تجربے کے بارے میں بیان ملاحظہ ہو:

''ایک گرین (سوڈیم) اور ایک گرین (پٹاسیم) لے کر ایک چھوری کی نوک سے دونوں کو خوب ملاؤ بعدۂ ایک قطرہ پارے کا ان کے نزدیک لے جاؤ۔ یہ دونوں جل جائیں گے اور ایک آنچ پیدا ہو گی۔''

کتاب کے شروع میں اصطلاحات کے ترجموں کی فہرست دے دی گئی ہے۔ عنوان ہے: 'نام دوایوں کے انگریزی مع ترجمہ'۔ چند ایک مثالیں دیکھیے:

نیٹرک ایسڈ......شورے کا کھٹہ (کھٹا)

مرکری۔ پارا

گولڈ لیف۔ سونے کے ورق

ٹرمرک پیپر۔ ہلدی کے پتے کے رس میں بھیگا ہوا کاغذ۔

'رسالہ کیمسٹری کا' کا سنہ طباعت مختصر رسالہ کے دو سال بعد کا ہے یعنی 1261ھ مطابق 1845ء یہ رسالہ اوّل اوّل آگرہ سے شائع ہوا۔ ابتدا میں 'حمد' کے بعد لکھا ہے:

''دانشمندان ذی فہم پر پوشیدہ نہ رہے کہ یہ رسالہ مختصر چند علوم کیمسٹری کے بیان میں کہ اس علم میں ترکیب عناصر کی حقیقت جو زبان فرنگ میں اس کو کہتے ہیں پائی جاتی ہے اور یہ علم بہت عجیب و غریب ہے کہ اس کی تحصیل اہل حکمت کو ضرور اور لازم ہے۔''

اس کتاب کی زبان میں وہ سادگی نہیں پائی جاتی جو 'کیمسٹری کا مختصر رسالہ' کی سب سے بڑی خوبی شمار ہوتی ہے۔ اس میں بیشتر انگریزی اصطلاحات کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ البتہ جن اصطلاحات کا ترجمہ کیا گیا ہے ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

Chemist مہوس

Solid جامد

Attraction خواہش، قوت جاذبہ، رغبت، محبت

Starch نشاستہ

Crystal قلم

کتاب پر مصنف اور مترجم کے نام نہیں دیئے گئے۔ یہ کتاب بھی بطریق مکالمہ لکھی گئی ہے۔ ایک مثال:

سوال: سلفیورک ایسڈ کیا کام آتا ہے۔

جواب: رنگین کپڑے کو جو سفید کیا چاہیں، تو یہی اس کی دوا ہے اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ تین حصے پانی میں اس کا ایک حصہ ملا دیا جاوے تو اس کی گرمی تین سو درجے تک تھرمامیٹر کے ہوتی ہے۔ تو کھولتے پانی کی گرمی سے اس کی گرمی سیوم حصہ زیادہ ہے اور اس کے سبب سے جو ہائیڈروجن گیس نکلتی ہے اس کی ترکیب آگے ہی لکھی گئی ہے۔''

چند دیگر تراجم جن کی تفصیلات خواجہ حمید الدین شاہد نے فراہم کی ہیں:

11۔'ترجمہ شرح چغمنی' (قلمی) ترجمہ: شاہ علی، کتابت: 1250ھ مطابق 1834ء

12۔'اصول علم حساب ہندی زبان میں' مطبوعہ: 1252ھ مطابق 1836ء

13۔'رفیع الحساب' مطبوعہ: 1252ھ مطابق 1836ء

14۔'رسالہ کسورات اعشاریہ' مطبوعہ: 1253ھ مطابق 1837ء

15۔'رسالہ کیمسٹری' مطبوعہ: 1261ھ مطابق 1845ء

16۔'رسالہ علم و اعمال کرے کا' ترجمہ: مسٹر جوزہ ورتن لعل، مطبوعہ: 1257ھ مطابق 1841ء

17۔'رسالہ منتخب البصر (دورنما)'۔ یہ رفیع البصر کا خلاصہ ہے۔ مطبوعہ: 1257ھ مطابق 1841ء

18۔'رسالہ خلاصۃ الادویہ' از ڈاکٹر ولیم میکنزی، مطبوعہ: 1262ھ مطابق 1845ء

19۔'نافع الامراض' از ڈاکٹر ولیم میکنزی، مطبوعہ: 1262ھ مطابق 1845ء

شمس الامراء کے سنگی چھاپہ خانہ واقع حیدرآباد دکن کی شائع کردہ مندرجہ ذیل کتب کا حوالہ مختلف فہارس میں ملتا ہے:

20۔'الکٹرو پلیٹ'۔ ترجمہ: مولوی احمد

21۔'رسالہ علم ہیئت'۔ از فرگوسن، ترجمہ: سید عبدالرحمٰن، مطبوعہ: 1292ھ مطابق 1875ء

22۔'شمس الہندسہ' مطبوعہ: 1241ھ مطابق 1825ء

23۔'رسالہ علم کیمیا' مطبوعہ: 1244ھ مطابق 1828ء

24۔'رسالہ موتی چُور نکالنے کے طریق' مطبوعہ: 1251ھ مطابق 1835ء

25۔'تکملہ رفیع الحساب'۔ طبع اول: چھاپہ خانہ کشن راج مدراس، 1254ھ مطابق 1838ء

26۔'رفیع البصر' طبع اول: 1256ھ مطابق 1840ء

27۔'رفیع الصنعت' طبع اوّل: 1257ھ مطابق 1841ء

28۔'رفیع الترکیب'۔ مطبوعہ: 1248ھ مطابق 1832ء

29۔'تختہ گردان'۔ مطبوعہ: 1292ھ مطابق 1875ء

30۔'رسالہ علم ہندسہ'۔ مطبوعہ: 1251ھ مطابق 1835ء

31۔'کتاب ہندسہ' از ٹاڈ ہنٹر، ترجمہ: رائے منولال مطبوعہ: 1255ھ مطابق 1839ء

32۔'رسالہ شمسیہ فی اعمال حسابیہ' از شیر علی بن محمد قاسم

33۔'رسالہ رشیدیہ' از شیر علی بن محمد قاسم

34۔'جدول تحویلات شمسی' ترجمہ: مرزا جان قندھاری مطبوعہ: 1295ھ مطابق 1878ء

35۔'رسالہ گھڑیال' از میر طفیل علی

36۔'ترکیب ادویہ'۔ مطبوعہ: 1262ھ مطابق 46-1845ء

37۔'مرقع تصویرات حیوانات'۔ مطبوعہ: 1266ھ مطابق 50-1849ء

محولہ بالا کتب میں حوالہ نمبر 20، 21، 31 اور 34 کی کتب ترجمہ ہیں جبکہ دیگر کتابوں سے متعلق یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ مستقل تصانیف ہیں یا ترجمہ نیز یہ کہ ان کتب کی تدوین و تصنیف میں شمس الامراء کو کن مصنفین کا تعاون حاصل رہا۔ تفصیل کے لئے دیکھیے: 'اردو میں سائنسی ادب: قدیم ترین کارنامے'' از خواجہ حمید الدین شاہد، سلسلہ مطبوعات، ادارۂ شاہد ادبیات اردو شمارہ: 241، حیدر آباد، دکن، 1957ء۔

اسکول بک سوسائٹی دہلی کالج، دہلی۔ 1840ء

انگریزوں کی بالغ نظری اور سیاسی حکمت عملی نے اپنے پہلے مرحلے میں قدیم ہندوستان کی اشرافیہ کو 'صدر الصدوری' اور عہدۂ افتاء و قضا' دے کر اپنا ہم نوالہ بنا لیا تھا جبکہ دوسرے مرحلے میں ایسے تعلیمی اداروں کا جال بچھایا گیا، جہاں انگریزی زبان ذریعہ تعلیم رہی۔ اینگلو عربک 'دہلی کالج' اس دوسرے مرحلے کا نقش ثانی تھا۔ نقش اوّل 'مدرسہ عالیہ کلکتہ' کو مانیں گے، سو دتی میں مدرسہ غازی الدین کو 'دہلی کالج' میں ڈھال کر 'شموس العلماء' کی ایک کھیپ تیار کی گئی۔ شمس العلماء محمد حسین آزاد (ف 1910ء) شمس العلماء ذکاء اللہ (ف 1910ء) شمس العلماء نذیر احمد دہلوی (ف 1912ء) شمس العلماء الطاف حسین حالی (ف 1914ء) اور شمس العلماء ضیاء الدین (ف 1918ء) دہلی کالج ہی کی پیداوار تھے۔ میدان عمل میں جا کر ان اکابرین نے جہاں مغربی علوم و افکار کی خاطر خواہ اشاعت کی وہاں راعی و رعایا کو بھی قریب تر کر دیا۔ سو 'جہاد' اور 'دار الحرب' جیسے سنگین مسائل سے چھٹکارا آسان ہو گیا۔

(مذکورہ علمائے ہند کے ان فتاوے کو جو 'جہاد' اور 'دار الحرب' کے رد میں حاصل کئے گئے تھے، نواب عبد اللطیف (کلکتہ) نے مرتب کئے تھے جو نول کشور لکھنؤ نے 1870ء میں شائع کئے۔)

دہلی کالج کی عمارت (یا ابتدائی صورت) 'مدرسہ غازی الدین' اجمیری دروازے کے قریب واقع تھی۔ یہ مشرقی انداز کی روایتی درس گاہ تھی جس میں درس نظامی کا انتظام تھا۔ اس مدرسے کے بانی کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر مولوی عبد الحق نے اسے غازی الدین فیروز جنگ ثانی خلف نواب نظام الملک آصف جاہ اول سے منسوب کیا ہے جبکہ شیخ یعقوب علی عرفان (مضمون: 'مرزا محمود بیگ پرنسپل دہلی کالج اور حیات عثانی' مطبوعہ: دہلی کالج میگزین) اسٹیفن (دہلی کے آثار قدیمہ، ص 264) فرینکلن (شاہ عالم، ص 20) اور پروفیسر سریندر ناتھ (مسلمانوں کے دور میں تعلیمی ترقی، ص209) نے اسے نواب غازی الدین فیروز جنگ اول صوبہ دار گجرات سے منسوب کیا ہے۔ آج موخر الذکر صراحتیں قابل اعتبار سمجھی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر مولوی عبد الحق صاحب نے اس مدرسے کا قیام 1792ء میں بتایا جبکہ 1710ء کے لگ بھگ اس مدرسے میں تدریس کا آغاز ہو چکا تھا۔

1824ء تک 'مدرسہ غازی الدین' جیسے تیسے قائم رہا۔ یہاں تک کہ 1823ء میں تعلیم حاصل کرنے والے صرف نو طالب العلم رہ گئے جنھیں مولوی عبد اللہ درس دیا کرتے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب دہلی پر انگریزوں کا عملی اقتدار قائم ہو چکا تھا۔ معاشرتی و سیاسی زبوں حالی اور مسلسل بدنظمی کے بعد 1803ء

میں لارڈ لیک نے مرہٹہ گردی کا مکمل خاتمہ کر کے تعلیمی اصلاحات کی طرف توجہ دی۔ بقول ڈاکٹر مولوی عبدالحق: 1813ء کے چارٹر کی رو سے ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم برطانوی ہند میں تعلیم کی اشاعت کے لئے منظور ہوئی۔ لیکن آئندہ دس سال تک ایک پیسہ بھی اس مد میں خرچ نہیں ہوا۔ ('مرحوم دہلی کالج' از مولوی عبدالحق)

1823ء کے اواخر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی مجلس تعلیم عامہ کی جانب سے تعلیمی تجاویز کی طلبی کا ایک گشتی مراسلہ جاری ہوا، جس میں صراحت طلب کی گئی تھی کہ ترویج تعلیم کے کس قدر امکانات ہیں اور تعلیمی مقاصد کے لئے کس قدر سرمایہ فراہم ہو سکتا ہے نیز اس مراسلے میں یہ تجویز بھی رکھی گئی تھی کہ کیوں نہ دہلی میں ایک کالج جدید طرز کا قائم کیا جائے؟

دہلی کی مقامی مجلس تعلیم نے جنوری 1824ء کے جوابی مراسلہ میں اس تجویز کو سراہتے ہوئے تعلیمی فنڈ کے لئے ساڑھے تین ہزار روپے سالانہ کی گنجائش دکھائی۔ اس ضمن میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی سفارش پر برطانوی پارلیمنٹ نے 1825ء میں پانچ سو روپے سالانہ منظور کیے، بعد میں مقامی سطح پر والئی اودھ کے وزیر نواب اعتماد الدولہ سید فضل علی خان نے 1829ء میں ایک لاکھ ستر ہزار روپے تعلیمی اغراض کے لئے وقف کئے تو یہ رقم بھی دہلی کالج پر صرف کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اب کام آسان ہو گیا تھا، برطانوی پارلیمنٹ کی منظوری کے بعد کالج کا افتتاح کر دیا گیا۔ تعلیمی سال 1825ء کی جنوری سے شروع ہوا اور دسمبر تک جاری رہا۔ واضح رہے کہ دہلی کالج کی زیر نگرانی میرٹھ اور بریلی میں بھی دو کالج کام کر رہے تھے۔

جے۔ ایچ ٹیلر جو مقامی مجلس کے سیکرٹری تھے، اولین پرنسپل مقرر ہوئے اور بطور سیکرٹری بھی کام کرتے رہے۔ کالج کا تدریسی عملہ ہیڈ مولوی اور مولویوں پر مشتمل تھا۔ 1825ء سے 1828ء تک یہ کالج ایک روایتی مشرقی درس گاہ کے انداز میں کام کرتا رہا یہاں تک کہ 1828ء میں سر چارلس منکاف (برٹش ریزیڈنٹ کمشنر) کے حکم سے کالج میں ایک نیا شعبہ کھولا گیا۔ یہ شعبہ انگریزی زبان سے متعلق تھا جو مقامی سطح پر بے چینی کا باعث بھی بنا۔

ہیئت، منطق، سائنس، ریاضی، تاریخ، قانون اور مغربی علوم سائنس و دیگر جدید علوم کی تعلیم ہندوستانی (اردو) میں دی جاتی تھی۔ لوگوں نے 'شعبہ انگریزی' کا قیام بے دلی کے ساتھ قبول کر لیا، لیکن لارڈ ولیم بینٹنگ کو اردو/ ہندوستانی زبان بطور ذریعہ تعلیم نا قابل قبول تھی۔ سو 1835ء میں ولیم بینٹنگ کے منظور کردہ قانون (رزولیوشن) نے حاکمانہ کارگزاری دکھائی۔ نئے حکم کے مطابق یہ چاہا گیا کہ:

1۔ جدید سائنسی علوم اور مغربی ادب کی تدریس و اشاعت انگریزی زبان میں ہونی چاہیے۔

2۔ طلبہ کو وظائف دینے کا عمل روک دینا چاہیے۔

3۔ ہندوستانی زبانوں میں تصنیف و تالیف روک دی جائے۔

چار سال تک ان احکامات کو جیسے تیسے مانا گیا حتیٰ کہ لارڈ آکلینڈ نے اس رویے کو ترک کر کے مشرقی مدارس میں مشرقی طرز تعلیم کو ترجیح دینے کا حکم صادر کیا۔ اس سے دہلی کالج میں بہت بڑی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ یہ سال 1839ء تھا جب جے۔ ایچ ٹیلر کی جگہ فلیکس بوترو (Felix Boutros) جیسے مشہور فرانسیسی ماہر تعلیم پرنسپل ہو کر آئے۔ اب نئے سرے سے معقول وظائف بھی جاری کئے گئے اور اشاعت کتب کے کام کو بھی آگے بڑھایا گیا۔

1840ء کے اواخر میں 'اسکول بک سوسائٹی' قائم کی گئی۔ اس سوسائٹی کے زیر اہتمام متنوع انگریزی کتب کو اردو میں ترجمہ کر

کے چھاپا گیا۔ اس سوسائٹی کے سیکرٹری ڈاکٹر سپنجر تھے اور مترجمین میں مولوی امام بخش صہبائی، مولوی کریم الدین، ڈاکٹر فیلن، ماسٹر رام چندر، مولوی سبحان بخش، مولوی احمد علی، مولوی مملوک العلی، ماسٹر نور محمد، مولوی سید محمد باقر، سید کمال الدین حیدر، پنڈت سروپ نرائن اور مولوی ذکاء اللہ جیسے اہم نام تھے۔

فلیکس بوترو (پ:1806ء۔م: 1864ء) نے جون 1841ء میں اس سوسائٹی کے دائرہ کار کو وسعت دینے کے ساتھ ساتھ ایک نیا نام بھی دیا:

"Society For the Promotion of Knowledge in India, Through the Medium of Vernacular Languages."

واضح رہے کہ یہ سوسائٹی ہمارے ہاں پانچ مختلف ناموں کے ساتھ مشہور رہی ہے۔ اکثر مضمون نگار حضرات اس سوسائٹی کے تین مشہور ناموں کے باعث ایک ہی سوسائٹی کو تین مختلف سوسائٹیاں تصور کرتے رہے ہیں۔ یہ نام مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ 'انجمن اشاعت علوم بذریعہ السنہ ملکی'

2۔ 'دہلی ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی'

3۔ 'اردو سوسائٹی دہلی'

اسی طرح دہلی کالج کی لائبریری کے انگریزی اور اُردو میں دو نام مشہور ہیں۔ لائبریری ایک ہی تھی۔

1۔ 'لائبریری آف یوسفل نالج، دہلی'

2۔ 'گنج علوم مفیدہ' دہلی

اس سوسائٹی کے قائم کرنے پر اودھ کے شہزادگان اور سر سالار جنگ نے گرانقدر عطیات دیے۔ ترجمے کے اصول وضع کرنے اور سرمایہ کی فراہمی کے فوراً بعد نئے سرے سے ترجمہ شدہ کتب کی اشاعت کا کام شروع ہو گیا۔اس کے ساتھ ہی متعدد طبع زاد کتب و تالیفات بھی شائع کی گئیں۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے سوسائٹی کی شائع کردہ 128 کتب کے نام فراہم کیے ہیں۔ واضح رہے کہ ان کتابوں میں 'اردو گرائمر' (از امام بخش صہبائی و مولوی احمد علی) جیسی اہم کتب بھی شامل تھیں۔

سوسائٹی کے معاونین میں ہندوستانی اور انگریز برابر کے شریک تھے۔ چندہ دینے والوں کی فہرست میں کل 116 نام ملتے ہیں جن میں سے 52 انگریز تھے دیگر مُعطیوں میں شمس الامراء، سراج الملک بہادر اور راجہ رام بخش جیسے نام شامل ہیں۔

سوسائٹی کی مجلس انتظامیہ مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل تھی۔

1۔ فلیکس بوترو (سیکرٹری)

2۔ ٹی مٹکاف

3۔ ای۔سی۔ ریونشا

4۔ ڈبلیو۔سین کوٹن

5۔ دوارکا ناتھ ٹیگور

6۔ سی۔گرانٹ

ڈاکٹر مولوی عبدالحق سوسائٹی کے اغراض و مقاصد اور طریقۂ کار کے باب میں لکھتے ہیں۔

1۔ انجمن کا یہ منشا ہے کہ انگریزی، سنسکرت، عربی، فارسی کی اعلادرجے کی کتابیں اردو، بنگالی، ہندی میں ترجمہ کی جائیں اور سب سے اوّل دیسی زبان کی درسی کتابیں تیار کی جائیں۔

2۔ اگرچہ امید نہیں کہ ابتدائی ترجمے اعلیٰ درجے کے ہوں لیکن یہ توقع کی جاتی ہے کہ اگر ان کے استعمال اور سرپرستی کی مسلسل اور باقاعدہ کوشش کی گئی تو دیسی زبانوں میں بہت کچھ ترقی ہو جائے گی۔

3۔ ترجمہ اگر اس درجے کا بھی نہ ہوا جیسا کہ ہونا چاہیے مگر سمجھ میں آ سکتا ہے اور صحیح بھی ہے تو انجمن اپنی بساط کے موافق اس کی سرپرستی کرے گی۔ ابتدا میں چونکہ قلیل تعداد میں اس کے نسخے چھپوائے جائیں گے اس لئے آئندہ طبع کے موقعوں پر اس میں اصلاح ہوتی رہے گی۔ لیکن اگر اس اثنا میں اس کتاب کا کوئی بہتر ترجمہ ہو گیا تو پھر پہلے ترجمے کا چھپوانا موقوف کر دیا جائے گا۔

4۔ دیسی زبانوں کی مفید جدید تالیفات اور انگریزی، سنسکرت، عربی کی اعلیٰ کتابوں کے ترجموں کے مسودے بہ شرح آنے تا ایک روپیہ فی صفحہ (حسب حیثیت تالیف یا ترجمہ) خریدے جائیں گے۔ فارسی کتاب یا کسی دیسی زبان کا ترجمہ (دوسری دیسی زبان میں) اس سے نصف شرح پر خریدا جائے گا۔ نظرثانی کے لئے شرح بعد میں تجویز ہوئی: ابتدائی، تاریخی اور ادبی کتابوں کے لئے فی صفحہ چھ آنے۔ سائنس، قانون یا فلسفے کے لئے فی صفحہ دس آنے۔ (ڈاکٹر عبدالحق)

5۔ قاعدۂ بالا کی رو سے جو ترجمہ انجمن خریدے گی اس کا حق تالیف (بشرطیکہ کوئی اور معاہدہ نہ کیا گیا ہو) انجمن ہی کا ہو گا۔

6۔ قاعدۂ بالا کا اطلاق ملکی السنہ کی جدید تالیفات یا جدید اعلیٰ کتاب کے ترجمے پر (جو اصل کتاب کے طبع سے تین سال کے اندر کیا گیا ہو) نہ ہو گا۔

7۔ ترجموں کے مفید ہونے نہ ہونے کا فیصلہ انجمن کی مجلس انتظامی کرے گی اور سب سے اوّل وہ اپنا سرمایہ ان کتابوں کی طبع پر صرف کرنے گی جو نہایت ضروری ہے۔

8۔ انجمن، طبع کے لئے ابتداء میں عموماً ایسی کتابیں خریدے گی جن کا حجم چار سو پانسو صفحات سے زیادہ نہ ہو گا۔

9۔ انجمن اپنی کتابیں جہاں تک ممکن ہو گا سستی بیچے گی اور طبع کے اخراجات کا ایک حصہ اور بعض صورتوں میں تمام اخراجات انجمن اپنے سرمایے سے ادا کرے گی۔

(روداد: ورناکیولر ٹرانسلیشن سوسائٹی مرتبہ سیکرٹری بوترو مطبوعہ 1845ء)

سوسائٹی کے سیکرٹری اور کالج کے پرنسپل فلیکس بوترو اپنے ایک خط بنام گارسیس دتاسی (بابت دسمبر 1841ء) میں لکھتے ہیں:

''ہندوستانی زبان نے دو تین سال سے ایسی اہمیت حاصل کر لی ہے جو اس سے پہلے نہ تھی۔ یہ بہار اور مغربی صوبوں کی یعنی راج محل سے لے کر ہردوار تک کی سرکاری زبان بن گئی ہے۔ ہردوار ہمالیہ کے دامن میں ایک قصبہ ہے۔ مزید برآں یہ زبان سارے ہندوستان میں سمجھی جاتی ہے اور کم سے کم چار کروڑ اشخاص اسے روزمرہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اب انگریزی حکومت نے اسے عدالتوں اور سرکاری اخباروں میں جاری کر دیا ہے۔

تقریباً چھ مہینے سے میں نے کوئی بیس مترجم کالج میں ملازم رکھے ہیں۔ یہ عربی، فارسی اور سنسکرت کی مشہور کتابوں کے علاوہ

انگریزی کی بعض کتابیں متعلق بہ علوم طبیعات، معاشیات، تاریخ، فلسفہ، قانون اور برطانوی ہند میں رائج الوقت قانون کے کتابیں اردو میں ترجمہ کرتے ہیں۔" (مرحوم دہلی کالج)

سوسائٹی نے انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے کے جو قواعد وضع کئے تھے درج ذیل ہیں:

1۔ سائنس کے ایسے الفاظ جن کا مترادف اردو زبان میں موجود ہو تو اردو لفظ ہی برتا جائے جیسے سلفر کے لئے گندھک اور آئرن کے لئے لوہا وغیرہ۔

2۔ جن الفاظ کا مترادف اردو زبان میں نہ ہو ایسے الفاظ کو بجنسہ اردو میں لے لیا جائے۔

3۔ دو مرکب انگریزی الفاظ جن کا مترادف اردو زبان میں نہ ہو بجنسہ اردو میں لے لیا جائے۔

4۔ اگر لفظ مرکب ہے اور اردو زبان میں اس کا مترادف نہیں مگر الگ الگ لفظوں کے مترادف اردو میں موجود ہیں تو ان دونوں کو جوڑ کر یا ان سے قریب تر مفہوم کے الفاظ رکھ کر مرکب بنا لیا جائے مثلاً Chronology کا ترجمہ 'علم زماں' اور House of Lords کا ترجمہ 'کچہری امیروں کی' ہوگا۔

5۔ اگر مرکب لفظ ایسے دو مفرد الفاظ سے بنا ہو جن میں سے ایک کا مترادف تو ملتا ہو اور دوسرے کا نہ ملے تو اردو میں موجود مترادف لفظ اور دوسرے انگریزی لفظ کو ملا کر مرکب بنا لیا جائے۔ مثلاً آرچ بشپ کا 'بشپ اعلیٰ' اور کورٹ آف ڈائریکٹرز کا ترجمہ 'کچہری ڈائرکٹروں کی' ہوگا۔

6۔ جب محولہ بالا قواعد سے بھی مشکل حل نہ ہو تو انگریزی لفظ بجنسہ لے لیا جائے جیسے نائٹروجن، ہائڈروجن وغیرہ۔

7۔ جن انگریزی الفاظ کے مترادف اردو میں ہوں تو سہی پر مروج نہ ہوں تو ان کی جگہ انگریزی لفظ کا بجنسہ استعمال زیادہ مناسب ہوگا۔ غیر مروج اردو مترادفات مفہوم کے سمجھنے میں مغالطہ بھی پیدا کر سکتے ہیں۔

8۔ کیمسٹری کی اصطلاحات کو بجنسہ اردو میں لے لینا مناسب ہوگا۔ البتہ کیمیائی عناصر، جن کے نام اردو زبان میں موجود ہیں لے لینے میں کوئی حرج نہیں۔

9۔ علم بناتیات کی اصطلاحوں کے بارے میں بھی محولہ بالا قاعدہ مناسب ہوگا۔

محولہ بالا شرائط کے ساتھ ہدایت کی گئی تھی کہ سائنسی کتب کے ترجموں کے علاوہ انگریزی الفاظ کے استعمال سے احتراز کیا جائے اور کسی سائنسی کتاب کو ترجمہ کرنے سے پہلے متعلقہ مضمون کی پہلے سے ترجمہ شدہ کتب میں برتے گئے مترادفات سے ہی کام لیا جائے۔

جس اصطلاح یا لفظ کی وضاحت ٹھیک طرح سے نہ ہوتی ہو وہاں حواشی لکھے جائیں اور لفظ بہ لفظ ترجمہ کرنے سے احتراز کیا جائے نیز یہ کہ اصل خوبی مفہوم میں ہے طرز ادا میں نہیں۔

ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب نے فلیکس بوترو کے ایک نوٹ کا حوالہ دیا ہے جس سے ترجمے کے طریقۂ کار پر مزید روشنی پڑتی ہے:

"پرنسپل کی تحریک پر یا اس کے مشورے سے ہندوستانی مدرس اور شعبہ انگریزی کی اعلیٰ جماعت کے طالب علم کسی

انگریزی (مطبوعہ یا قلمی) کتاب کو اردو ترجمے کے لئے انتخاب کرتے تھے۔ طبع سے پہلے ترجمے کی نظر ثانی مترجم کے مولجہ میں صدر مدرس یا پرنسپل کرتے تھے یا کوئی قابل اور اہل ہندوستانی مدرس اپنی فرصت کے اوقات میں اسے دیکھ لیتے تھے۔ جب نظر ثانی ختم ہو جاتی تو ترجمہ چھپنے کے لئے دے دیا جاتا اور کوئی موزوں شخص (اور عام طور پر خود مترجم) اس کے پروف دیکھتا۔"

دہلی کالج کا ترجمے کے باب میں یہ کام اردو زبان و ادب کے لئے ایک نئی تحریک ثابت ہوا۔ سیّد احمد خان کی سائنٹفک سوسائٹی اس ادارے کا نقش ثانی ہے۔

1845ء میں جے۔ ایچ۔ ٹیلر ایک بار پھر قائم مقام پرنسپل بنے۔ ان کے عہد میں کالج 'کتب خانۂ داراشکوہ' کی عمارت میں اُٹھ آیا۔ انہیں کے دور میں 1857ء کی جنگ آزادی لڑی گئی۔ کالج کا کتب خانہ نذر آتش ہوا اور جے۔ ایچ۔ ٹیلر قتل ہوئے، جس کی سزا محمد حسین آزاد کے والد مولوی سید محمد باقر کو بھگتنا پڑی۔ انہیں پھانسی دی گئی۔ بقول مولوی عبدالحق صاحب کالج کے احاطے (کتب خانہ داراشکوہ) میں کتابوں کی سنہری جلدوں سے دو انچ موٹا فرش بچھ گیا تھا۔

ناکام جنگ آزادی کے بعد یکم مئی 1864ء میں یہ کالج پروفیسر ہٹن کی نگرانی میں دوبارہ کھلا اور اپنی قدیم عمارت میں واپس چلا گیا۔ پھر یکے بعد دیگرے ایڈمنڈ ولٹ اور سی۔ کے۔ کک کالج کے پروفیسر اور نگران رہے اور سینٹ اسٹیفن کالج کو دہلی کالج میں ضم کر دیا گیا، لیکن جنگ آزادی کے بعد نئی سیاسی اور معاشرتی صورت حال اسے راس نہ آئی اور 1877ء میں اسے توڑ دیا گیا۔

یاد رہے کہ تراجم کے باب میں دہلی کالج کی سب سے بڑی عطا اردو زبان کے اسالیب بیان میں علمی موضوعات سے متعلق فکر محض کی زبان کو فروغ دینا تھا۔ دہلی کالج کے مترجمین کی اس مساعی کا جائزہ لینے کے لئے دیکھیے 'توضیحی کتابیات'۔

ذیل میں دہلی کالج کی شائع کردہ دو کتابوں کا سرسری تعارف درج کیا جاتا ہے۔

1۔ کتابِ حکمت (علم طبعی)

مسٹر ارنٹ/ پنڈت سروپ نرائن وشو نرائن اعلیٰ، مطبوعہ 1262ھ مطابق 1845ء۔

یہ کتاب قاضی محمد سعید و قاضی محمد فرید رئیسان پٹنہ محلّہ لودی کٹرہ۔ قاضی عبدالوحید مدیر 'تحفۂ حنفیہ' کے کتب خانے میں موجود ہے۔ ترجمے سے نمونہ عبارت ملاحظہ ہو:

'بیچ بیان بخار بن جانے کے'

اثر بخارات کا گرمی کے کھینچنے میں پسینے کے نکلنے سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ انسان کے جسم کے درجات گرمی 96 درجے سے 98 درجے تک ہوا کرتے ہیں، لیکن جب کہ بہت ورزش کریں اور یا جب کہ تپش گرمی کی ہمارے بدن پر از حد ہو تو گرمی کو میلان زیادہ ہونے کا اسی حالت سے جو کہ واسطے ہماری صحت کے مفید ہے، تیار ہوتا ہے۔ اگر یہ بات پسینوں سے رفع نہ ہو جاوے تو بہت مضر اثر ہوتا ہے۔ جب کبھی یہ بات واقع ہونے کی ہوتی ہے تو پسینے جسم کے پوست پر آتے ہیں تاکہ اسی کے بخارات میں مبدل ہونے سے بدن اتنا سرد ہو جاتا ہے جتنا واسطے صحت بدن کے ضرور ہے۔'

2۔ رسالہ مقناطیس

نام مصنف ندارد/ سیّد کمال الدین حیدر لکھنوی مطبع العلوم دہلی طبع اوّل. س۔ن سرورق کی عبارت ہے:

رسالہ مقناطیس

'ترجمہ کیا ہوا سیّد کمال الدین حیدر لکھنوی کا گنج علوم مفیدہ سے۔'

ہمارے بیشتر مضمون نگار 'گنج علوم مفیدہ' یا 'لائبریری آف یوسفل نالج' کے دو ناموں سے الجھن میں پڑ جاتے ہیں اور بعض انہیں دو مختلف تحقیقی رسالے تصور کرتے ہیں حالانکہ یہ ایک ہی چیز ہے اور اس سے مراد 'دہلی کالج کی ورنا کیولر سوسائٹی لائبریری' ہے۔

اس کتاب کی ابتداء میں علم مقناطیس سے متعلق اصطلاحات کے مترادفات دے دیئے گئے ہیں جیسے:

Artificial Magnet ...... مقناطیس مصنوعی

Weak Magnet ...... ضعیف مقناطیس

Soft Iron ...... کوفت پذیر لوہا

Fibre ...... ریشہ

لیکن کتاب میں مترجم کہیں زیادہ متاثر کرتا ہے۔'استقامت پذیر سوزن'، 'رم مقراضی فولاذ' اور 'مقناطیسی خطوط انحراف' جیسی تراکیب/ مترادفات آج بھی مقناطیس سے متعلق ترجموں میں دکھائی دیتی ہیں۔ پوری کتاب میں صرف معدودے چند انگریزی الفاظ بجنسہ برتے گئے ہیں مثلاً الیکٹرسیٹی یا 'کمپاس' وغیرہ گنے چنے انگریزی الفاظ دکھائی دیتے ہیں۔ ترجمے سے نمونہء عبارت ملاحظہ ہو:

1۔ 'سوا ان تغیرات مذکور کے استقامت سوزن مقناطیس میں انحراف خفیف بھی موافق وقت یوم کے بالکل سال کے موسم کے بھی ہوتے ہیں۔'

2۔ 'لیکن طبیعت انسانی ایسی ہے کہ فقط تجربیات سے حصول نتائج کافی نہیں جانتی اور بسبب تحریک خواہش غیر ممکن المقلوب کے انکشاف اسرار خالق میں متجسس رہتی ہے اور ایسے وہم وخیال میں غلطاں و پیچاں ہے کہ اکثر راہ راست سے بھٹک جاتی ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ سیّد کمال الدین حیدر (لکھنوی) نے یہ ترجمہ شاہان اودھ کی اسکول بک سوسائٹی کے لئے کیا تھا۔ پہلی بار یہ ترجمہ 'رسالہ قوت مقناطیس' کے نام سے مطبع سلطانی اودھ (لکھنؤ) سے شائع ہوا۔

دفتر مترجم السنہ شرقیہ برائے گورنر (بمبئی) 1845ء

مترجم السنہ شرقیہ (اورینٹل ٹرانسلٹرز آفس) بمبئی لگ بھگ 45-1844ء میں قائم ہوا، جو بعد میں 'مترجم السنہ شرقیہ برائے گورنر' بمبئی کہلایا۔

اس ادارے کے قیام کا مقصد گجراتی، فارسی، مرہٹی، ہندوستانی (اردو) نیز دیگر ہندوستانی بولیوں کا انگریزی ترجمہ گورنر بمبئی کو پیش کرنا تھا۔ سابق دفتری اور عدالتی زبان ہونے کے ناطے پولیٹیکل شعبے کے ساتھ اس دفتر میں فارسی شعبہ بھی قائم کیا گیا۔ شروع میں

السنہ شرقیہ کا سربراہ 'انچارج ڈپٹی سیکرٹری/ مترجم' کہلاتا تھا جسے بعد میں 'مترجم السنہ شرقیہ' اور پھر 'مترجم السنہ شرقیہ برائے گورنر' کر دیا گیا۔
ابتدا میں اس عہدے کے لئے صرف یورپی مستشرقین کا تقرر عمل میں آتا رہا، جن میں سے نمایاں نام جنرل کینیڈی کا ہے جو شعبہ فارسی کا سربراہ بھی تھا۔ جنرل کینیڈی غالباً اس ادارے کا اوّلین سربراہ تھا۔ اس نے 1845ء میں اس عہدے کا چارج سنبھالا۔ جنرل کینیڈی حکومت ہند کے احکامات کو فارسی، مرہٹی اور گجراتی میں ترجمہ کرواتا۔ سول اینڈ ملٹری ایگزیمینیشنز کی کمیٹی کی نگرانی بھی اس کے ذمہ تھی۔

(''دفتر مترجم السنہ شرقیہ، بمبئی'' از ڈاکٹر عطش درانی، ''اخبار اردو'' اسلام آباد، جولائی 1985ء)

1854ء سے مترجم السنہ شرقیہ برائے گورنر کے اہم عہدے پر مقامی افراد بھی مقرر ہونے لگے۔ جن میں سب سے پہلا نام ونایک واسودیو کا ہے۔ وہ فروری 1854ء تا جنوری 1879ء شعبہ فارسی کے سربراہ رہے۔ 1892ء میں انہیں 'مترجم السنہ شرقیہ برائے گورنر' کے عہدے پر برتی دے دی گئی، اوائل 1896ء میں وہ ریاست جنجیرہ کے دیوان (پرائیویٹ سیکرٹری) مقرر ہوئے لیکن اسی سال واپس اپنے عہدے پر آ گئے اور یہاں 1906ء تک رہے۔ وہ اپنے دفتر میں چار پہیوں والی بگھی میں آتے تھے۔ 1892ء میں انہیں بمبئی کا پریذیڈنسی مجسٹریٹ بنایا گیا یعنی ان پر دہری ذمہ داری تھی۔

1906ء میں انہیں بطور دیوان، ریاست جونا گڑھ میں لے لیا گیا۔ اسی سال انہیں ابراہیم رحمت اللہ نے اورینٹل کلب کی طرف سے سپاسنامہ پیش کیا اور ان کی خدمات کو سراہا۔ 1912ء میں انہیں سی۔ ایس۔ آئی قرار دیا گیا اور گلاسگو یونیورسٹی نے انہیں ایل۔ ایل۔ ڈی کی اعزازی ڈگری دی۔ یاد رہے کہ ونایک واسودیو ابتداء میں ایک معمولی استاد تھے جو الفنسٹن انسٹی ٹیوٹ میں 80 روپے ماہوار پاتے تھے۔ بطور 'مترجم السنہ شرقیہ' انہیں ایک ہزار روپے کے بھاری معاوضے پر رکھا گیا۔ وہ اردو، فارسی اور عربی کے عالم تھے۔ 1877ء کے دہلی دربار میں وہ سرکاری وفد کے سربراہ کے طور پر شریک ہوئے۔

ونایک واسودیو کے بعد 1906ء میں لارڈ لیمنٹن کی خواہش پر سیّد شمس الدین قادری کا بطور 'مترجم السنہ شرقیہ برائے گورنر' تقرر عمل میں آیا۔ آپ پہلے مسلمان گریجویٹ تھے، جنہوں نے گجرات آرٹ کالج سے 1886ء میں بی۔ اے کیا۔ وہ بمبئی کی سول سروس کے پہلے مسلمان رکن تھے۔ انہوں نے گجرات میں مسلم ایجوکیشن کی بنیاد رکھی، یہی سبب ہے کہ انہیں 'بابائے تعلیم مسلمانان' کہا جاتا ہے۔ 1910ء میں انہیں کورنیشن میڈل دیا گیا۔ 1931ء میں فرسٹ کلاس سردار بنے اور 1938ء میں انتقال کیا۔

سیّد شمس الدین قادری کے بعد مترجم السنہ شرقیہ کا تقرر پانچ سال کے لئے کیا جاتا تھا۔ یوں ان کے بعد ایدروس، بھڑوچانے، سیّد منیرالدین مولوی، عبدالقادر محمود الحسن، جے۔ ای۔ سنجانا اور جے۔ ایچ۔ دیو، مترجم السنہ شرقیہ' رہے۔ یاد رہے کہ اس ادارے کے دوسرے اور تیسرے درجے کے مترجمین میں مرزا حیرت دہلوی، مرزا عباس علی بیگ، جی۔ کے نریمان، چمن لال، گنجی کر، ایس۔ این۔ ستھائے، سی۔ ڈی۔ پنڈیا، ہری لال، مہادیو ڈیسائی، ڈی۔ سی۔ واچ میکر، عبداللہ احمد، ڈاکٹر ہمدانی، پی۔ ایم۔ داور، زیڈ۔ اے۔ برنی اور اے۔ ایم باکزا کے نام بہت نمایاں ہیں۔ واضح رہے کہ مرزا حیرت دہلوی، عبداللہ احمد، اے۔ ایم باکزا اور ڈی۔ سی واچ میکر شعبہء اردو سے منسلک تھے۔

شروع میں مترجم السنہ شرقیہ کے عملے میں ایک مرہٹی پنڈت، ایک گجراتی پنڈت، چند مقامی ادیب اور چھ قاصد تھے۔ اس لئے ترجمے کا زیادہ تر کام باہر سے کروایا جاتا تھا۔ گجراتی ترجمہ ہائی کورٹ کا عملہ اور مرہٹی ترجمہ عموماً میجر کینیڈی خود کرتا تھا، جبکہ اردو

ترجمہ عموماً صوبہ سرحد کے مترجمین سے کرایا جاتا تھا لیکن یہ شروع کی بات ہے۔

اس ادارے کے ذمہ مختلف النوع قسم کے تراجم کراتا تھے۔ مثلاً

1۔ بحریہ سے متعلق ہندوستانی / اردو میں وضع اصطلاحات (ان اصطلاحات کا اوّلین مجموعہ 1867ء میں شائع ہوا)۔

2۔ صوبائی بل اور قوانین کا ترجمہ کرنا۔

3۔ ہندوستان کے بل اور قوانین کا ترجمہ کرنا۔

4۔ گورنر کے احکام اور قواعد کا ترجمہ کرنا۔

5۔ سیکرٹریٹ کے مختلف محکموں کے کاغذات، درخواستوں اور اپیلوں کا ترجمہ کرنا۔

6۔ ضلعی حکام تک ان قواعد وضوابط کے تراجم کی نقول بھجوانا۔

7۔ مقامی حکام کو سہولت مہیا کرنا، جب وہ بمبئی تشریف لائیں۔

8۔ سرکاری توشہ خانہ کی دیکھ بھال کرنا۔

9۔ دربار اور دوسری ریاستی تقریبات میں پولیٹیکل شعبے کی معاونت کرنا۔

10۔شعبۂ فارسی کا کنٹرول سنبھالنا خصوصاً مقامی زبانوں کے تراجم کے سلسلے میں۔

11۔گورنر کے لئے ترجمانی۔

12۔محکمہ جاتی اور لسانی امتحانات کے معتمد کے فرائض انجام دینا۔

13۔السنہ شرقیہ سے متعلق متفرق کام انجام دینا۔ مثلاً گورنر کے ملاقاتیوں کی اہلیت اور سماجی مرتبے کا تعین۔

14۔انگریزی سے نابلد مقامی حکام اور حکومت کے نمائندوں کے مابین ترجمانی کی خدمات انجام دینا۔

15۔مقامی صحافت کے خلاصے حکومت کو پیش کرنا اور مقامی صحافت پر نظر رکھنا۔

16۔سرکاری تقریبات کے لئے گورنر و دیگر عہدہ داروں کے لئے ہندوستانی / اردو نیز گجراتی اور مراٹھی میں تقریریں تیار کرنا۔

17۔سرکاری تقریبات میں ترجمانی کے فرائض ادا کرنا۔

18۔ناموں کے ہجے معیاری بنانا، مثلاً سر ارنسٹ ہاٹسن (ہوم ممبر بمبئی) کے حکم پر محمدؐ کے لئے "Muhammad" کے ہجے معیار ٹھہرے۔

19۔8۔ جون 1892ء میں بمبئی کی مقامی مطبوعات کے اندراجات کا کام بھی اس ادارے کے سپرد ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر عطش درانی اس باب میں لکھتے ہیں:

''مترجم کا بنیادی کام چونکہ ترجمے کی خدمات ہی انجام دینا تھا، اس لئے 1883ء میں حکومت ہند نے حکومت بمبئی کو ایک مراسلہ بھیجا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستانی (اردو) کو ہندوستان کی قومی زبان تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اس میں ہدایت کی گئی تھی کہ 'ترجمہ آسان اور سادہ زبان میں ہو اور ایسی ثقیل عربی، فارسی، سنسکرت اور انگریزی کی اصطلاحیں اور

الفاظ استعمال نہ کیے جائیں جو عام استعمال میں نہیں آتے۔ البتہ قواعد وضوابط کا ترجمہ لفظ بلفظ کیا جائے۔ ایسے ترجمے قانون کا علم رکھنے والوں سے کرائے جائیں۔"

(''دفتر مترجم السنہ شرقیہ، بمبئی'' از ڈاکٹر عطش درانی، ''اخبار اردو'، جولائی 1985ء)

جدید پیشہ ورانہ تعلیم سے متعلق چند ادارے: (1845ء تا 1857ء)

1۔ 'مدرسہ طبابت آگرہ' (1845ء)

نواب ناصر الدولہ کے آخری زمانے میں یہ مدرسہ قائم ہوا۔ اس ادارے کے مترجمین نے طب سے متعلق مغربی زبانوں سے اردو میں نصابی کتب کے تراجم شائع کیے۔ یہ تراجم تھے تو اردو میں لیکن طلبہ کی سہولت کے لئے رومن رسم الخط میں شائع کئے گئے۔ اس نوع کی 'اناٹومی' سے متعلق ایک کتاب کا احوال مختلف فہارس میں موجود ہے۔ اس ادارے کے چند تراجم آج بھی اردو سائنس بورڈ، لاہور کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔

2۔ 'طامس انجینئرنگ کالج' رُڑکی (1856ء)

اس ادارے کے مترجمین نے انجینئرنگ سے متعلق 'رڑکی ٹری ٹائز' کے نام سے اردو میں نصابی کتب کے تراجم شائع کیے۔ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے قیام کے ساتھ 'رڑکی ٹری ٹائز' سلسلے کو فروغ ملا۔

اس ادارے کے قدیم تراجم کا سراغ نہیں ملتا تاہم دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سے شائع شدہ تراجم کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ 'مٹی کا کام' ترجمہ: سیّد منظور حسین مطبوعہ: 1937ء

2۔ اشیائے تعمیر، ترجمہ: اسد اللہ مطبوعہ: 1942ء۔

3۔ پیمائش (دو جلدیں)

حصہ اوّل: ترجمہ: لوکندر بہادر و محمد رضا اللہ دہلوی، مطبوعہ: 1945ء۔

حصہ دوم: ترجمہ: محمد رضا اللہ دہلوی، مطبوعہ: 1955ء

5۔ 'تقدمہ کی مثالیں'، ترجمہ: محمود حسین مہاجر، مطبوعہ: 1945ء

5۔ 'نقشہ کشی' (دو جلدیں) ترجمہ: سیّد عبدالرحمان، مطبوعہ: 1945ء

6۔ 'نجاری' ترجمہ: للت موہن مکرجی

7۔ 'پلیں' ترجمہ: محمد عظمت اللہ خاں

8۔ 'سڑکیں' ترجمہ: غلام محمد خاں

9۔ 'آب پاشی' کا کام (دو جلدیں)

حصہ اوّل: ترجمہ: غلام محمد خاں، مطبوعہ: 1931ء

حصہ دوم: ترجمہ: ضیاء الدین انصاری، مطبوعہ: س۔ن۔

10۔'موریات' ترجمہ: سیّد علی رضا۔

11۔'چنائی' از باربو، ترجمہ: سیّد منظور حسین۔

12۔'تعمیروں کا نظریہ اور تجویز' ترجمہ: ضیاء الدین انصاری، مطبوعہ: 1940ء

یاد رہے کہ 'مدرسہ العلوم' میں سرسیداحمد خاں کی کوششوں سے ایک ایسی جماعت کھولی گئی تھی جس میں طامس کالج رڑکی کی تیسرے سال کی جماعت کے لئے طالب علموں کو تربیت دی جاتی تھی، نیز یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ 1947ء تک طامس کالج، رڑکی میں مسلمانوں کا داخلہ تقریباً ناممکن تھا۔

3۔ کمیٹی برائے ترجمہ نصابی کتب (طب) حکومت بنگال۔ 1860ء

19ویں صدی کے نصف آخر میں حکومت بنگال کی قائم کردہ اس کمیٹی کے ارکان خصوصاً بابو راجندر لال متر، مولوی تمیزالدین خاں بہادر، سوہن لال اور بعد میں سیّد حسین بلگرامی نے طب کی نصابی کتب سے متعلق اصول وضع اصطلاحات متعین کیے۔ یہ کمیٹی عملی کام تو نہ کر سکی لیکن نظری اعتبار سے وضع اصطلاحات کے اصول اور ترجمے کا ایک واضح طریق کار متعین ہوگیا۔

نثری تراجم: 1857ء تا 1917ء

نئی تمدنی، مذہبی اور سیاسی صورت حال:

1857ء کی ناکام جنگ آزادی کے بعد تراجم کے باب میں ہندوستان کی نئی تمدنی، مذہبی اور سیاسی صورت حالات خصوصی طور پر اہمیت رکھتی ہے۔ گو ان موضوعات کا براہ راست اردو میں ترجمے کی روایت سے کوئی تعلق دکھائی نہیں دیتا لیکن دہلی کالج کی ورنا کیولر سوسائٹی کی شائع کردہ کتب کی بربادی اور کالج کے احاطہ میں کتابوں کی پھٹی ہوئی جلدوں سے دو انچ موٹی تہ جم جانے کے بعد انگریزی سے ترجمے کا غلغلہ کیوں کر بلند ہوا؟

یہ سوال تمدنی، مذہبی اور سیاسی صورت حالات کے تفصیلی جائزے کا طالب ہے۔

1857ء کے ہنگام کے فوراً بعد ہندوستان میں جو شخصیت سب سے زیادہ نمایاں اور متنازعہ فیہ بن کر ابھری وہ سیّد احمد خان کی شخصیت ہے۔ اس دیوقامت شخصیت کا شخصی اور فکری مطالعہ بجائے خود ہندوستان کی نئی فکری جہت کا مطالعہ ہے اور انگریزی سے تراجم کے باب میں نہایت درجہ کی اہمیت کا حامل ہے۔ شاید اس لئے بھی کہ سیّد احمد خان کی شخصیت مشرقی و مغربی (تہذیبی و فکری) آویزش کا اوّلین نمائندہ شخصی اور فکری نمونہ ہے۔ سر پر ٹوپی اور شلوار قمیض کے ساتھ نکٹائی سے متعلق سرسید کے نفسیاتی تجزیے کئے جا چکے ہیں۔ محمد حسن عسکری، سلیم احمد اور سجاد باقر رضوی کے نام ان تجزیہ کاروں میں بہت نمایاں ہیں۔ مزیدار بات یہ کہ سرسیّد کو یہ راہ میرزا غالب نے ''آئین اکبری'' از ابوالفضل مُرتبہ سرسیّد احمد خان کا منظوم دیباچہ لکھ کر سُجھائی۔

سرسیّد احمد خان کے ہاں فکری تضاد اس حد تک پایا جاتا ہے کہ جہاں ان کی بعض تحریروں کی بنا پر انہیں ہندو مسلم اتحاد، مسلمان ذہن کا سب سے بڑا نقیب یا انگریزوں کا ایک جری مخالف ثابت کیا جا سکتا ہے وہیں بعض اقوال کی بنا پر انہیں حکومت وقت کا پٹھو بھی کہا جا سکتا ہے۔ خلیق احمد نظامی نے سرسیّد احمد خاں کی 3 فروری 1884ء کی ایک تقریر سے اقتباس درج کیا ہے:

> ''لفظ قوم سے میری مراد ہندو اور مسلمان دونوں سے ہے۔ یہی وہ معنی ہیں جن میں میں لفظ نیشن کی تعبیر کرتا ہوں۔
> میرے نزدیک یہ امر چنداں لحاظ کے قابل نہیں ہے کہ ان کا مذہبی عقیدہ کیا ہے۔''

(بہ حوالہ: 'سرسید اور ہندوستانی مسلمان' از نورالحسن نقوی، 1979ء)

یاد رہے کہ'' اسباب بغاوت ہند'' میں اُنھوں نے اس بات پر دکھ کا اظہار کیا تھا کہ گورنمنٹ نے ہندو مسلمان کے بیچ اتحاد کیوں ہونے دیا؟ لکھتے ہیں:

''یہ بات سچ ہے کہ ہماری گورنمنٹ ہندو مسلمان دونوں قوموں کو جو آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں نوکر رکھا ہے۔ مگر بسبب مخلوط ہو جانے ان دونوں قوموں کے، ہر ایک پلٹن میں تفرقہ نہ رہا تھا۔''

('اسباب بغاوت ہند' ص نمبر 4 سے اقتباس)

سیّد احمد خان ہی کے قلم سے بہادر شاہ ظفر کا احوال ملاحظہ ہو:

''دلّی کے معزول بادشاہ کا یہ حال تھا کہ اگر اس سے یہ کہا جاتا کہ پرستان میں جنوں کا بادشاہ آپ کا تابعدار ہے تو وہ اس کو سچ سمجھتا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں مکھی اور مچھر بن کر اڑ جاتا ہوں اور لوگوں کی اور ملکوں کی خبر لے آتا ہوں اور اس بات کو وہ اپنے خیال میں سچ سمجھتا تھا اور درباریوں سے اس کی تصدیق چاہتا تھا۔''

('اسباب بغاوت ہند' ص نمبر 88 سے اقتباس)

اسی طرح سیّد احمد خان نے جنگ آزادی کے سورماؤں کو پرلے درجے کا بزدل قرار دیا:

''بہادری کا یہ حال تھا کہ کسی غول میں سے کوئی آدمی زخمی ہو کر یا مر کر گرا اور سارا غول بھاگا۔ پھر اگر رسی باندھ کر کھینچو تو نہ تھمتے۔ بہتیرا کہتے تھے کہ ارے بھائی پوریاں تو یوں دوڑ دوڑ کر لیتے تھے اور اب بھاگے جاتے ہو۔ کوئی نہ سنتا تھا۔''

('تاریخ سرکشی بجنور' ص نمبر 194 سے اقتباس)

سیّد احمد خان ہندو مسلم اتحاد کی خاطر امتناع گاؤکشی کے لئے بھی تیار ہیں اور انگریزوں سے وفاداری کا اعلان بھی بار بار کرتے ہیں۔ یہ صورت حالات صرف 'اسباب بغاوت ہند' میں ہی دکھائی نہیں دیتی بلکہ وہ زندگی بھر اس کا ادعا کرتے رہے۔ 1884ء کا ایک بیان ملاحظہ ہو:

''میں کئی جگہ کہہ چکا ہوں کہ ہندوستان کے لئے ناممکن ہے کہ ہندو مسلمان میں سے کوئی حاکم ہو۔ تو ہمارا بڑا فرض یہ ہے کہ انگلش گورنمنٹ ہندوستان میں قائم و مضبوط رہے۔''

('ایجیٹیشن ان انڈیا'، اورینٹل کالج میگزین، جنوری 1896ء ص: 17)

سیداحمد خان کی تصنیفی زندگی کے تین ادوار (نیا علم کلام)

سیّد احمد خان کی تصنیفی زندگی کے تین ادوار اپنی الگ الگ شناخت رکھتے ہیں:

پہلا دور: ابتداء سے 1857ء تک: اس دور کی پندرہ تصانیف یادگار ہیں۔

دوسرا دور: اپریل 1858ء تا سفر انگلستان 1869ء تک، آٹھ تصنیفات یادگار ہیں۔

تیسرا دور: سفر انگلستان سے وفات 1898ء تک، صرف دو تصانیف۔

دورِ اوّل کو بھی مزید دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1۔ روایتی موضوعات اور پرانے رنگ میں ڈوبی ہوئی تحریریں۔

2۔ مغرب کے جدید خیالات کے زیر اثر موضوعات اور طرز تحریر میں نئی کروٹ اور نئے لحن کے ابتدائی نقوش۔

اپریل 1858ء تا سفر انگلستان 1869ء تک کے درمیانی زمانے میں سیّد احمد خان نے ناکام جنگ آزادی کے اثرات کا بھرپور جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک 'نئی سیاسی حکمت عملی' اور 'دینی نکتہ نظر میں تغیر و تبدل' کی ضرورت ہے۔

دینی سطح پر انہوں نے جدید علم الکلام کی بنیاد رکھی۔ جس سے مراد مذہب کی نئی تفسیر اور نیا فلسفہ زندگی تھا۔ اس فکری رویّہ کا محور مذہب کی عقلی توجیہات ہیں۔ (''الکلام اور علم الکلام''، از شبلی نعمانی)

دراصل سیّد احمد خان کی 'نئی سیاسی حکمت عملی' اور 'جدید علم الکلام' ایک ہی طرز عمل کے دو مختلف نام ہیں۔ انہوں نے ہندوستان میں اکبراعظم کے بعد پہلی بار خالصتاً سائنٹفک بنیادوں پر سیاست اور مذہب کے شعبوں میں اشتراک عمل پیدا کرنا چاہا۔

دوسرے دور کی مندرجہ ذیل تحریریں ان کے اس نئے زاویہ نظر کی عکاس ہیں:

1۔ تاریخ سرکشی بجنور، مئی 1858ء تا اپریل 1858ء تک کے حالات۔

2۔ 'اسباب بغاوت ہند' مطبوعہ: 1859ء

اس کتاب میں بغاوت ہند کے اسباب و علل سے بحث کی گئی ہے۔ کرنل گراہم نے اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کروایا تھا۔

3۔ رسالہ 'لائل محمڈن آف انڈیا': اجراء 1860ء

یہ پرچہ 1861ء تک چھپتا رہا۔ سیّد احمد خان اس میں انگریزوں کے وفادار ہندوستانی مسلمانوں کے حالات اور تعارفیے قلمبند کرتے تھے۔

4۔ تحقیق لفظ نصاریٰ

یہ رسالہ لکھنے کا مقصد انگریز حاکموں کے ذہن سے لفظ 'نصاریٰ' کے متعلق بغاوت کے مفہوم کو رفع کرنا تھا۔

5۔ 'تبیین الکلام' کتاب اناجیل اور قرآن مجید کی اصولی وحدت ثابت کرتی ہے۔

6۔ رسالہ احکام طعام اہل کتاب۔ مطبوعہ 1868ء

اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ اہلِ کتاب 'یعنی عیسائی اور مسلمان' مل بیٹھ کر کھانا کھا سکتے ہیں۔

بقول ڈاکٹر سیّد عبداللہ، تیسرے دور (1869ء تا 1898ء) میں سیّد احمد خان کا ہر خیال اور ان کی ہر تجویز 'وکٹورین سپرٹ' میں ڈوبی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

(سرسید احمد خان اور ان کے نامور رفقاء کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ، ص: 13)

آخری دو ادوار کی تحریروں میں سیّد احمد خان نے جس جوش و خروش کے ساتھ مغربی علوم اور انگریزی زبان و انگریزی سے اردو میں تراجم کی حمایت کی ہے، اس سے کہیں بڑھ کر ہندوستان میں مروجہ مذہبی تعلیم اور عربی مدارس کی مخالفت کی۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''میں نہایت ادب سے پوچھتا ہوں کہ جو جو کتب مذہبی اب تک ہمارے ہاں موجود ہیں اور پڑھنے پڑھانے میں آتی ہیں ان میں سے کون سی کتاب ہے جس میں فلسفہ مغربیہ اور علوم جدیدہ کے مسائل کی تردید یا تطبیق مسائل مذہب سے کی گئی

ہو۔ وجود سماوات سبع کی ابطال پر جو دلیلیں ہیں ان کی تردید کس کتاب میں لکھی ہے۔ اثبات حرکت زمین اور ابطال حرکت ودوریٔ آفتاب پر جو دلیلیں ہیں ان کی تردید کس سے جا کر پوچھیں۔ عناصر اربعہ کا غلط ہونا جواب ثابت ہوگیا ہے اس کا کیا علاج کریں۔ پس ایسی حالت میں ان (مذہبی) کتابوں کا نہ پڑھنا ان کے پڑھنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔''

(مقالات سرسید، جلد اوّل۔ مجلس ترقی ادب، لاہور، 1962ء، ص: 97)

سیّد احمد خان منقولات کی 'اندھی کھائیوں' میں بھٹکنے کی بجائے ہر فکر کو فہم وفراست کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتے تھے:

''عقل ہی وہ آلہ ہے جس سے تمام باتوں کی اصلیت کا علم ہوتا ہے اور انسان سچائیوں کی تہہ تک پہنچتا ہے۔''

(''مقالات سرسید''، جلد 5، ص 251)

یہی وجہ تھی کہ سیّد احمد خان نے مسلمانوں کے روایتی عقائد کو ردّ کیا۔ سیّد احمد خان کے علم کلام میں احادیث کی گنجائش قطعاً نہیں تھی۔ اسی طرح سیّد احمد خان نے قرآنی آیات کی تاویل سائنسی اور عقلی بنیادوں پر کی۔

ان کا مواقف یہ تھا کہ چونکہ موجوداتِ عالم میں علوم نے ترقی کر لی ہے اور اس کے ساتھ ہی پرانے مفروضات غلط ثابت ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ آیاتِ قرآنی کی تشریح بھی نئی معلومات کی روشنی میں کریں نیز علوم جدیدہ کو انگریزی سے اردو میں تراجم کے ذریعے عام کریں۔ انہوں نے نعرہ لگایا کہ:

''فلسفہ ہمارے دائیں ہاتھ میں ہوگا اور نیچرل سائنس ہمارے بائیں ہاتھ میں اور لا الہٰ الا اللہ کا تاج ہمارے سر پر ہوگا۔''

اس مقام پر علماء دین نے سیّد احمد خان کو ردّ کرتے ہوئے یہ مؤقف اختیار کیا کہ:

موجوداتِ عالم کی جو تشریحات سائنس کی روشنی میں کی گئی ہیں وہ قرآنی تعلیمات سے یکسر لگا نہیں کھاتیں۔ لیکن خدا کا کلام چونکہ غلط نہیں ہوسکتا اس لئے سائنس کی تشریحات لامحالہ غلط ہیں اور انگریزی سے تراجم کے ذریعے ان کی تشہیر بھی غلط ہے۔

سیّد احمد خان نے اس منطق کو تسلیم نہیں کیا اور جواب میں وحی، انبیاء، آسمان، جن، فرشتے، لوح وقلم، الہام، جبر واختیار، جنت دوزخ، معجزات، کرامات، روزہ اور دعا جیسے اہم معاملات دینی کو عقلی تشریحات کے ذریعے نئے معنی پہنائے۔

سیّد احمد خان کی ایسی تحریریں جب، تہذیب الاخلاق، میں شائع ہوئیں تو مذہبی اور قدامت پرست حلقوں میں کہرام مچ گیا۔ مولوی امداد العلی نے ملک بھر کے نامی علماء دین سے سیّد احمد خان کے بارے میں فتوے حاصل کر کے شائع کروائے اور مفتیوں سے آخری فتویٰ چاہا گیا۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی 'الرد الالدہریون' تھی جو بیروت سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں یونان کے ایٹمی فلسفیوں سے ڈارون اور مزدک سے روسو۔ اہل یہود سے فری میسن تنظیم۔ اسماعیلیوں سے مورمنوں۔ لبرل سیاست سے سوشلزم اور کیموزم تک ہر فکر، فلسفے اور تحریک کے ساتھ سیّد احمد خان کو بھی نیچری قرار دیا گیا۔

ہندوستان کے مفتیوں نے سیّد احمد خان اور ان کے ماننے والوں کے لئے 'ضرب وحبس' کی سزا تجویز کی اور واجب القتل قرار دیا۔ بقول الطاف حسین حالی: مولویوں کے اشتعال دلانے پر بعض سرپھروں نے سیّد کو قتل کرنے کی تیاری بھی کر لی تھی مگر وہ ایسا نہ کر سکے، البتہ گالیوں اور دھمکیوں کے خطوط سیّد احمد خان کو ہر روز موصول ہوتے تھے۔

(''حیات جاوید'' مطبوعہ: لاہور اکادمی پنجاب، لاہور طبع اوّل: 1957ء، ص: 629)

سیّد احمد خان کی مذہبی اور سیاسی حکمت عملی کے ہم خیال علماء، مفکرین اور ادباء میں شبلی نعمانی، مولوی چراغ علی اور نواب مہدی علی خاں محسن الملک کے نام بہت نمایاں ہیں۔ نذیر احمد دہلوی نے اپنی تصنیفات اور خطبات میں ہمیشہ اجتہاد، جرأت اظہار اور آزادیٔ رائے سے کام لیا۔ اس لئے انہیں اس ضمن میں مکمل طور پر سیّد احمد خان کا ہم خیال قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جہاں انہوں نے نئے علم کلام کی روشنی میں ترجمہ قرآن حکیم کیا وہیں انہوں نے 'ابن الوقت' جیسا تمثیلی قصہ بھی رقم کیا اور 'حیات جاوید' کو 'مدلل مداحی' بھی کہا۔

نذیر احمد دہلوی کا اصل میدان اور دائرۂ اثر موعظی یا تمثیلی قصے تھے، لیکن انہوں نے تعلیم جدید اور ترجمے کی کھل کر حمایت کی۔ اس خصوص میں ان کی کتاب 'الحقوق و الفرائض' (تین جلدوں میں) اسلامی فقہ سے متعلق ایک ایسی کتاب ہے جسے جدید علم کلام کی اہم تصنیف شمار کیا جا سکتا ہے۔ یہ اس کے باوجود ہے کہ اس کتاب میں انہوں نے اپنے آپ کو 'نیچری' کہلوانا پسند نہیں کیا۔

شبلی نعمانی جب اوّل اوّل مذہبیات کی طرف آئے تو ایک رسالے 'اسکات المعتدی' میں وہابی اہلِ حدیث اور حنفی فرقہ کے باہمی جدل پر وہابیوں کو ردّ کیا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ 'عقل پرست' کہلائے۔ اس کے باوجود انہوں نے حنفیت کی مدح کو نہ چھوڑا۔

شبلی نعمانی نے سیّد احمد خان کے مذہبی خیالات سے اختلاف کرتے ہوئے ایک الگ جدید علم کلام کی بنیاد رکھی۔ اس موضوع پر متعدد مضامین 'الغزالی' اور 'سوانح مولانا روم' کے بعض حصّوں کے علاوہ مستقل تصانیف میں 'علم الکلام' اور 'الکلام' یادگار ہیں۔

'علم الکلام' میں شبلی اور سیّد احمد خان میں ایک قدر مشترک یہ ہے کہ شبلی نے سیّد صاحب کی طرح قدیم مذہبی تاریخ کا سراغ لگاتے ہوئے مذہب کو سیاست سے الگ کر کے نہیں دیکھا۔ جبکہ کتاب 'الکلام' شبلی کے مذہبی عقائد کو پرکھنے کا ایک پیمانہ ہے۔

شبلی نعمانی اپنے آخری ایام میں اس تصنیف پر سخت نادم تھے لیکن انہوں نے زندگی کا نصف آخر حصّہ جس نظریہ کی تبلیغ میں گزارا اس کی نمایاں پرچھائیں اس کتاب میں موجود ہیں، کتاب کے بنیادی نکات درج ذیل ہیں:

1۔ شبلی، عقل اور مذہب کے باہمی تعلق پر زور دیتے ہیں۔

2۔ شبلی اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ علومِ جدیدہ، مذہب کو متزلزل کر سکتے ہیں۔

3۔ ان کے خیال میں کسی مذہب کے عقائد اس قدر قابل اعتراض نہیں جس قدر کہ قانونی اور اخلاقی مسائل ہیں۔

4۔ شبلی، مذہب اسلام کے بنیادی اصولوں کو بھی عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور جابجا مغربی ماہرین مذہبیت کے حوالے دیتے ہیں۔

5۔ اسلام کو تمدن و ترقی کے مانع نہیں بلکہ حق میں ثابت کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ 'الکلام' اس عظیم انقلاب کا پتا دیتی ہے جو اس دور کے ہندوستان میں مشرق اور مغرب کی باہمی آویزش سے اٹھا۔

مولوی چراغ علی بنیادی طور پر دینی مناظروں کے آدمی تھے۔ انہوں نے پادری عماد الدین کی تصنیف 'تاریخ محمدی' کا جواب 'تعلیقات' کے نام سے لکھا۔

اس کے علاوہ اس خصوص میں معترضین اسلام کی تردید میں درجنوں رسالے ان سے یادگار ہیں۔

مولوی چراغ علی، عبرانی، سریانی اور انگریزی زبانوں سے خصوصی شغف کے باعث مندرجہ ذیل معرکتہ آرا کتابیں تصنیف کر پائے:

(1) تعلیقات۔ (2) اسلام کی دنیوی برکتیں۔ (3) قدیم قوموں کی تاریخ۔ (4) تعلیق نیاز نامہ۔

(۵) 'Muhammad - The True Prophet'

(۶) 'Critical Exposition of The Popular Jihad'

(۷) 'Reforms Under Muslim Rule'

آخرالذکر کتاب کا ترجمہ مولوی عبدالحق نے 'اعظم الکلام فی ارتقاء اسلام' کے عنوان سے 1910ء میں کیا تھا۔

محولہ بالا کتب کے علاوہ مولوی چراغ علی نے مجلّہ 'تہذیب الاخلاق' میں اس وقت کے اہم موضوعات پر لکھا: خصوصاً 'مذہب اسلام ترقی کا مانع نہیں'، 'حدیث کی عقیدتاً ضرورت نہیں'، 'اسلام میں رائے کی آزادی ہے'، 'مذہب اور سیاست الگ الگ چیزیں نہیں'، 'اسلام میں مسلم اور غیر مسلم کا درجہ برابر ہے'، 'اسلام میں جہاد کا کوئی تصور موجود نہیں البتہ محنت اور مشقت کے معنوں میں یہ لفظ برتا جا سکتا ہے'، 'فقہ و حدیث ایک حجت شرعی ہے' وغیرہ۔ مختصراً مولوی چراغ علی صاحب کو سیّد احمد خان کا شارح کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

نواب محسن الملک اس تحریک کے پُر جوش مبلغ تھے۔ 'تہذیب الاخلاق' کے مضامین کے علاوہ ان کا 'مجموعہ لیکچرز'، رسالہ: 'تقلید عمل بالحدیث' اور مکاتیب کا مجموعہ: 'مکاتیب الخلان' کی اہمیت مسلّم ہے۔ مذہب کی نئی تفسیر کے باب میں نواب محسن الملک (مہدی حسن خاں) مولانا نذیر احمد دہلوی کی طرح سلف کے دینی افکار اور قواعد و ضوابط سے یکسر بغاوت نہیں کرتے۔

سیّد احمد خان اور ان کے ہم خیال اکابرین کے حق اور مخالفت میں جس قدر لے دے ہوئی ہے، اس کے نقطۂ عروج کا اصل زمانہ وہ ہے جب سید علی عباس جلالپوری کا 'علم کلام' سلسلے کا اوّلین مضمون 'ادبی دنیا' لاہور میں شائع ہوا۔ (ملاحظہ ہو 'ادبی دنیا' لاہور۔ دور پنجم، شمارہ چہارم)

اس مضمون کے چھپتے ہی بحث ایک بار پھر چھڑ گئی۔ دور جدید میں سیّد احمد خان اور نئے علم کلام کی مخالفت میں جو آراء سامنے آئیں ان کے بنیادی نکات مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ مستشرقین نے معتزلہ کو عقلیت پسند کہہ کر کوئی غلطی نہیں کی۔

2۔ معتزلہ کے ہاں وحی کی بیخ تو برائے وزن بیت تھی ورنہ کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے وحی کی روشنی میں عقل سے کام لیا ہو۔

3۔ آئزن برگ علت معلول کا قانون ہی باطل قرار دیتا تھا۔ اس لئے سائنٹیفک تحقیق کو نقصان پہنچنے کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے۔

4۔ وہی اجتہاد اور تاویل قابل قبول ہو سکتی ہے جس کے پس منظر میں وحی کی روشنی ہو۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ عقل معیار صداقت نہیں ہو سکتی جب تک اسے وحی کی روشنی میں آگے نہ بڑھایا جائے۔ جب کہ سیّد احمد خان وحی کے منکر تھے، وغیرہ۔

سیّد احمد خان کو رد کرنے کے سلسلے میں ایڈنگٹن، عمر خیام اور جوڈ کے افکار کا سہارا لیا گیا۔ بقول جوڈ: ''انسان کی عقل اس کے جذبات کے تابع اس طرح چلتی ہے جس طرح کُتے کے پاؤں اس کی ناک کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔'' (بحوالہ: 'انسان نے کیا سوچا؟')

معترضین کے خیال میں سیّد احمد خان نے قرآن حکیم کی تشریحات میں صداقت کا سرچشمہ عقل کو مان کر خود بھی ٹھوکر کھائی اور قرآن کو بھی بچوں کا کھیل بنا کر رکھ دیا۔ حتیٰ کہ جب اواخر عمر میں ان کی تفسیر 'تہذیب الاخلاق' میں چھپ رہی تھی تو وہ فقہ کے ساتھ

حدیث کی پابندی سے بھی آزاد ہو چکے تھے۔

سیّد علی عباس جلالپوری نے رائے دی تھی کہ:

'انہوں (سیّد احمد خان) نے تفسیر احمدی لکھنا شروع کی اور قرآنی آیات کی تاویل و توجیہہ کر کے اسلامی عقائد اور سائنس کے اصول میں مفاہمت و مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی۔'

اس کے جواب میں سیّد محمد رضی نے اوپنسکی کا حوالہ دیا:

> ''بیشمار مسائل ایسے ہیں کہ سائنس جنہیں حل کرنے کی کوشش تک بھی نہ کر سکی۔ وہ مسائل جن کے سامنے عصر حاضر کا سائنسدان اپنے تمام علوم وفنون کے آلات و ادارت کے باوجود ایسا ہی بے بس دکھائی دیتا ہے جیسا زمانہ قدیم کا کوئی وحشی یا چار برس کا بچہ۔
>
> زندگی اور موت، زمان و مکان، شعور وغیرہ کے مسائل اسی قسم کے مسائل ہیں۔''

'آپس کی باتیں' ص نمبر 244، ادبی دنیا، لاہور دور پنجم شمارہ پنجم۔

اس کے بعد سیّد محمد رضی لکھتے ہیں:

> ''آئمہ سائنس تو اپنی بے چارگی اور بے بسی کا اظہار کر رہے ہیں اور سر سید ہیں کہ اسلامی عقائد کو سائنس کے نظریات سے منطبق فرما رہے ہیں جو آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ سید صاحب (علی عباس جلالپوری) ہی بتائیں کہ سرسید کی تحقیق کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے جب کہ سائنس کا نظریہ آج کچھ ہے اور کل کچھ۔''

بہرطور برصغیر کے عام لوگوں اور خصوصاً مسلمانوں کو جدید علوم و افکار سے بہرہ ور کرنے کی خاطر سید احمد خان نے دو اہم منصوبوں پر کام شروع کیا تھا۔

1۔ انگریزی زبان کی اجنبیت ختم کرنے کی خاطر انہوں نے علی گڑھ میں مدرسۃ العلوم کی بنیاد رکھی۔ لیکن اس وقت تک سیّد احمد خان کو انگریز سرکار کی اس قدر حمایت حاصل نہ تھی جس قدر بعد میں حاصل رہی۔ یہی سبب ہے کہ یہ منصوبہ اوّلین مرحلے میں ناکام ہو گیا۔

2۔ 1863ء میں سیّد احمد خان نے ایک مضمون لکھ کر اس بات پر زور دیا کہ ایک ایسی مجلس قائم کی جائے جو مشرق اور مغرب پر دو اطراف کی چیدہ کتابوں کا ترجمہ کروا کر شائع کرے۔ بعد میں سیّد احمد خان کا یہی مضمون سائنٹیفک سوسائٹی کی بنیاد بن گیا۔ واضح رہے کہ سائنٹیفک سوسائٹی، لکھنؤ (1831ء) اور آگرہ بک سوسائٹی، آگرہ (1833ء) انہی بنیادوں پر قائم ہو چکی تھیں۔

سائنٹیفک سوسائٹی غازی پور: 9 جنوری 1864ء

9 جنوری 1864ء کو غازی پور میں ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے سیّد احمد خان اور لیفٹیننٹ کرنل گریہم نے سائنٹیفک سوسائٹی کے قیام کا اعلان کیا۔ سوسائٹی کا دوسرا عام فہم نام 'برٹش انڈین ایسوسی ایشن' تھا۔ سید احمد خان سوسائٹی کے اعزازی سیکرٹری مقرر ہوئے۔ سرکاری ملازمت کی وجہ سے باقاعدہ سیکرٹری مقرر ہونا ممکن نہ تھا۔ واضح رہے کہ وزیر ہند ڈیوک آف آرگائل نے سوسائٹی کی

سرپرستی قبول فرمائی تھی۔

اوّلین جلسے کی قرارداد میں سیّد احمد خان نے اس سوسائٹی کے اغراض و مقاصد واضح کرتے ہوئے بتایا کہ اس سوسائٹی کے زیر اہتمام انگریزی کی علمی اور تاریخی و سائنسی کتابیں اردو میں ترجمہ کروا کے شائع کی جائیں گی تاکہ مغربی علوم وفنون کی طرف اہل وطن مائل ہوں۔ علمی موضوعات پر لیکچرز کا اہتمام کیا جائے گا اور ایک ایسا اخبار جاری کیا جائے گا جو حکومت اور رعایا کے درمیان افہام وتفہیم کا ذریعہ ثابت ہوگا۔ یہ اخبار انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں شائع ہوگا۔ اخبار کے لکھنے والوں میں ہندوستانی (مسلمان اور ہندو) اور انگریز تینوں قوموں کے افراد شامل ہوں گے۔

سوسائٹی نے غازی پور میں ہی ترجمے کا کام باضابطہ طور پر شروع کر دیا تھا اور محض ایک سال کی قلیل مدت میں (1865ء تک) آٹھ کتابوں کے تراجم سید احمد خان کے نجی چھاپہ خانے سے چھپ کر شائع ہوئے۔

6 جون 1864ء کو سید احمد خان کا تبادلہ غازی پور سے علی گڑھ ہو گیا تھا اور چونکہ ان کی عدم موجودگی میں سوسائٹی کا کامیابی کے ساتھ آگے بڑھنا مشکل دکھائی دیتا تھا لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ سوسائٹی کا عملہ اور تمام سامان علی گڑھ منتقل کر دیا جائے۔

علی گڑھ منتقلی کے بعد سوسائٹی کے دستور (مرتبہ: جنوری 1864ء غازی پور) میں چند معمولی ترامیم کی گئیں اور اسی سال سوسائٹی کے دفاتر کے لئے ایک عمارت تیس ہزار روپے کی لاگت سے مکمل ہوگئی۔ میرٹھ کے کمشنر ولیمز نے اس عمارت کا افتتاح کیا۔ اِس موقع پر سید احمد خان نے آٹھ ہزار روپے کا ذاتی مطبع جو انہوں نے 'تبیین الکلام' کی طباعت کے لئے خریدا تھا، سوسائٹی کی نذر کر دیا۔ اسی زمانے میں بیگم صاحبہ نواب بھوپال نے ایک ہزار روپے مالیت کی الماس جڑی انگوٹھی سید احمد خان کو عطا کی تھی، وہ بھی سوسائٹی کی نذر کردی۔ اور اس کے ساتھ ہی سوسائٹی کے بنیادی ڈھانچے کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا۔

1۔ ڈیوک آف آرگائل — سرپرست (وزیر ہند)

2۔ اے۔ ڈری فنڈ — نائب سرپرست (لیفٹیننٹ گورنر شمال مغربی اضلاع)

3۔ لیفٹیننٹ کرنل گریہم — سیکرٹری مقرر ہوئے۔

سرپرست اور نائب سرپرست کے علاوہ جو عہدے مقرر کئے گئے وہ اراکین معاون (حضوری) اراکین معاون (مکاتیبی) اراکین اعزازی اور رفقائے سوسائٹی کے تھے۔ اولین سیکرٹری کرنل گریہم کے بعد سید احمد خان سیکرٹری کے عہدے پر فائز ہوئے۔

سوسائٹی کے کارکنوں میں پانچ سو روپے ماہوار کے تنخواہ دار مترجمین کے علاوہ کونسل مشیر اور کار پردازان سوسائٹی بھی مقرر ہوئے۔

سید احمد خان اور کرنل جے۔ ڈبلیو۔ ہملٹن نے نیچرل فلاسفی، تاریخ اور معاشیات کی اہم انگریزی کتب کو سب سے پہلے ترجمہ کرنے کا مشورہ دیا بعد میں سیاسیات اور جغرافیہ کے مضامین بھی اس فہرست میں شامل کر دیئے گئے۔ الطاف حسین حالی کے مطابق سوسائٹی نے ان موضوعات سے متعلق تقریباً چالیس کتابیں ترجمہ کروا کے شائع کیں۔ سب سے پہلے رولن کی 'تاریخ مصر و یونان' ترجمہ کی گئی۔ دیگر اہم تراجم میں مؤنٹ اسٹورٹ الفنسٹن کی دو کتابیں: 'تاریخ ایران' اور 'تاریخ چین' کے علاوہ ریورنڈ ایکسوس کی 'تاریخ ہند' بہت نمایاں ہیں۔ (دیکھیے: "حیات جاوید" حصہ دوم، ص: 26)

سوسائٹی کے شائع کردہ تراجم کا سرسری جائزہ ہی اس بات کا ثبوت فراہم کر دیتا ہے کہ سیّد احمد خان اور ان کے دیگر رفقائے

کار تاریخی وعلمی موضوعات سے متعلق کتب کی افادیت اور اس عہد کے تقاضوں کے تحت کتابوں کے انتخاب کا کامل شعور رکھتے تھے۔

سوسائٹی کی تعمیر کردہ نئی عمارت 'علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ' میں ایک عجائب گھر بھی قائم کیا گیا تھا جو علمی آلات اور مختلف سائنسی کلوں کے نمونے فراہم کرتا تھا۔

لیکچرز کے سلسلے میں ڈاکٹر کلکلی ہر ماہ طبیعاتی سائنس کے موضوعات پر تقریر کرتے اور سائنسی آلات کی مدد سے حاضرین کو تجربے کرواتے تھے۔ سوسائٹی کی ملکیت میں ایک باغ بھی تھا جس میں علم فلاحت سے متعلق تجربات کئے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ گیہوں کی فصل نہایت درجہ اعلیٰ پیدا کی گئی۔ اسی زمانے میں سید احمد خان نے ایک آہنی نلی بھی ایجاد کی جس کے ذریعے گیہوں کے ایک ایک دانے کی بوائی کی جاتی تھی۔ یاد رہے کہ سوڈا واٹر بنانے کی پہلی مشین اسی تجربہ گاہ میں لگائی گئی تھی۔ اس کے علاوہ روئی اینٹھنے کی مشین لگائی گئی اور فوٹوگرافی کا تربیتی کورس مکمل کیا گیا۔

سوسائٹی نے 1866ء میں 'انسٹی ٹیوٹ گزٹ' شائع کرنا شروع کیا۔ گو اس اخبار میں مختلف موضوعات یعنی اخلاقیات، سماجیات اور سائنسی علوم سے متعلق طبع زاد مضامین یا تراجم شائع کئے جاتے تھے، تاہم اس اخبار کی امتیازی حیثیت مجموعی طور پر سیاسی تھی۔ اخبار کی ابتدائی جلدیں دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ اس میں زیادہ تر مضامین خود سید احمد خان نے لکھے جو سراسر سیاسی مسائل سے متعلق تھے۔

اس اخبار میں وہ تمام خطبات (لیکچرز) بھی شائع کئے گئے جو سوسائٹی کے زیر اہتمام دیئے گئے۔ اخبار میں اصلاحی وسیاسی مضامین کے بعد سب سے زیادہ ادارتی نوٹ اور مضامین تعلیمی مسائل پر ملتے ہیں۔ سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ اخبار میں انگریزوں کی سیاسی حکمت عملی اور ہندوستان کے معاشی استحصال کو موضوع بنا کر حکومت پر کڑی نکتہ چینی بھی کی گئی ہے، نیز انسٹی ٹیوٹ گزٹ صحافتی آزادی کا علمبردار نظر آتا ہے۔

سوسائٹی کی اس نوع کی کارکردگی کی دیکھا دیکھی بعد میں متعدد سائنٹیفک سوسائٹیاں، انجمنیں اور سبھائیں قائم ہوئیں۔

واضح رہے کہ یہ سوسائٹی تقریباً دس سال تک سید احمد خان کی عدم موجودگی میں بھی قائم رہی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب 1867ء میں سید احمد خان کا تبادلہ علی گڑھ سے بنارس شہر ہو گیا۔ سید صاحب 1876ء تک بنارس میں رہے اس تمام عرصے میں سیکرٹری کے فرائض راجہ جے کشن داس (سی۔آئی۔ای) نے سنبھالے جو اس زمانے میں علی گڑھ کے ڈپٹی کلکٹر تھے۔

سوسائٹی کے شائع کردہ تراجم پر نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ خصوصی طور پر معاشی اصطلاحات کے ترجموں میں بڑے سلیقے سے کام لیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان اصطلاحات میں سے بیشتر نے یا تو اپنی اصلی حالت میں یا کسی قدر تبدیلی کے ساتھ اردو معاشیات کے مضمون میں مستقل جگہ بنا لی ہے۔ مترجمین نے طویل حواشی لکھ کر متن کی وضاحت کا فریضہ بخوبی ادا کیا ہے۔

اس باب میں معاشیات کی دو کتابوں کا تفصیلی مطالعہ سودمند رہے گا:

1۔ رسالہ علم انتظام مدن

پروفیسر ناساولیم سینئر/ بابو رام کالی و رائے شنکر داس۔ سائنٹیفک سوسائٹی علی گڑھ۔ 1865ء یہ کتاب آکسفرڈ یونیورسٹی برطانیہ کے سابق پروفیسر ناساولیم سینئر کی تصنیف ہے جسے مرتب کرتے وقت مترجم نے چند حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے۔

یہ کتاب سوسائٹی کے سرپرست ڈیوک آف آرگائل کے نام معنون کی گئی اور سید احمد خان کے خانگی مطبع سے چھپ کر تیار ہوئی۔

کتاب کے آغاز میں مضامین کی فہرست سے قبل سکریٹری (سیّد احمد خان) نے مترجمین کا شکریہ ادا کیا ہے کہ انہوں نے پچاس پچاس صفحات کا ترجمہ کیا۔

ابتدا میں معاشیات کی اصطلاحات کے ترجمے/ متبادل اردو الفاظ درج کئے گئے ہیں جیسے:

Economic Wealth	دولت
Utility	معاوضہ
Supply	مقدار وصول
Exchange	تبدل
Settlement	محتاجوں کا حق امداد خواہی

ترجمے سے نمونہ ملاحظہ ہو

''علم انتظام مدن جس پر بحث کرنی منظور ہے، وہ علم ہے کہ اس کے ذریعے سے دولت کی ماہیت اور اس کی تحصیل و تقسیم کے طریقے دریافت ہوتے ہیں۔ کام اپنا یہ ہے کہ ان معنوں کی تشریح کریں جن میں لفظ دولت کا مستعمل ہے اور اس اصطلاح سے ہم ان سب چیزوں کو سمجھتے ہیں جو تبدل اور معاوضے کے قابل ہیں اور تعداد اور مقدار وصول ان کی محدود اور معین ہے اور ان کے وسیلے سے بلواسط یا بلاواسطہ تکلیفیں زایل اور راحتیں حاصل ہوتی ہیں یا یہ تفسیر کی جاوے کہ دولت سے وہ چیزیں مراد ہیں کہ ان میں تبدل و معاوضہ یعنی خریدنے اور کرایہ پر لینے کی صلاحیت حاصل ہوئی۔''

2۔ اصول سیاست مدن

جان اسٹورٹ مل/ پنڈت دھرم نرائن دہلوی 1869ء

یہ سوسائٹی کی شائع کردہ بارھویں کتاب ہے۔ جس کے مترجم پنڈت دھرم نرائن، دہلی کالج کے فاضل تھے اور ویلنڈ کے ایک مختصر رسالے کا ترجمہ 1845ء میں کر کے خاصی شہرت حاصل کر چکے تھے۔ 'اصول سیاست مدن' کا ترجمہ بھی انہوں نے دہلی کالج کے لئے کیا تھا جو ادھورا ہونے کے باعث دہلی کالج سے طبع نہ ہو سکا۔ سوسائٹی کے لئے سید احمد خان کی گزارش پر پنڈت جی نے اس ترجمے میں ترامیم و اضافے بھی کئے۔

کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ: 'یہ ترجمہ اصل کے مطابق ہے اور تمام مطالب واضح ہیں۔' اس کتاب میں بھی معاشیات

کی اصطلاحات کے تراجم و مترادفات دیئے گئے ہیں جیسے:

Exchange	مبادلہ
Consumption	صرف یا خرچ
Production	صنعت کاری یا پیدائش
Productive Labour	پیدا کرنے والی محنت
Unproductive Labour	غیر پیدا کرنے والی محنت
Co-Opration	عمل بہ اتفاق
Capital	راس المال
Necessuries	اشیائے حاجات
Joint Stock Company	ساجھے کی پونجی کارخانہ یا ساجھے کا کارخانہ

ترجمے سے اقتباسات ملاحظہ ہوں:

1۔ 'کچھ شک نہیں کہ پیدائش کے واسطے محنت مقدم ہے۔ مگر محنت کا نتیجہ ہمیشہ پیدائش نہیں ہوتا۔ بہت سے فروع محنت کے بذات خود بہت کارآمد اور مفید ہیں مگر پیدائش ان کا مقصود نہیں۔'

2۔ 'اصول مقاصد کے رسالے کے مقدمے میں ہم یہ تفصیل بیان کر آئے ہیں کہ انسان مدنی الطبع ہے یعنی اس کو چونکہ ہزاروں حاجتیں لاحق ہوتی ہیں اور وہ اپنی ذات سے ان میں سے ایک کے سرانجام کا بھی اچھی طرح سے متکفل نہیں ہو سکتا اس لئے ضرورت پیش آتی ہے کہ آدمی جماعت میں رہیں اور پیشوں اور حرفوں کو آپس میں بانٹ لیں۔ جب ایک حرفہ والے کو دوسرے حرفہ والے کی جنس کی ضرورت پیش آئے تو اس کو مبادلہ میں حاصل کرے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ مقصود، جماعت میں رہنے کا یہ ہے کہ آدمی اشیائے حاجات ضروری اور سامان عیش و کامرانی بآسانی مہیا کر سکیں۔ ان اشیائے حاجات ضروری اور سامان عیش و کامرانی بآسانی مہیا کر سکیں۔ ان اشیائے حاجات ضروری اور سامان عیش و کامرانی کا نام ہم دولت رکھتے ہیں اور علم دولت کو سیاست مدنی سے تعبیر کرتے ہیں۔'

انجمن پنجاب، لاہور (21 فروری 1865ء)

انجمن پنجاب، لاہور کا دوسرا نام، 'انجمن اشاعت مطالب مفیدہ پنجاب' تھا۔ اس انجمن کے قیام کا مقصد پنجاب میں تعلیم کا فروغ اور علوم و فنون کی ترقی تھا۔ یہ انجمن سرکار کے ایما پر قائم کی گئی۔ 21 فروری 1865ء میں انجمن کا پہلا اجلاس سکشا سبھا کے مقام پر ہوا۔ انجمن کے قیام کے ٹھیک ایک سال بعد انجمن کے شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ نے کام شروع کر دیا جبکہ انجمن کے جلسے اس کے علاوہ تھے۔ انجمن نے 1865ء سے 1868ء تک 'رسالہ انجمن پنجاب' میں ایک سو چالیس مضامین شائع کئے۔ خطبات کے سلسلے اور انجمن کے مشاعروں نے اردو ادب کو ایک نئی کروٹ دے دی۔ انجمن کے مشاعرے جدید شاعری کی بنیاد ثابت ہوئے۔ 'رسالہ انجمن پنجاب'

کے بارے میں ڈاکٹر عبدالسلام خورشید لکھتے ہیں:

''انگریزی اور ہندی میں بھی کبھی کبھار ایک آدھ مضمون دیا جاتا تھا۔ مولانا آزاد کے علاوہ مضمون نگاروں میں پنڈت من پھول۔ مولوی علم دارچن۔ سید ہادی حسین۔ منشی نوبین چندر رائے۔ منشی دیوان چند۔ برکت علی خاں اور پنڈت رادھا کشن شامل تھے۔

('اردو صحافت' مطبوعہ: ''نقوش'' لاہور، لاہور نمبر)

بقول ڈاکٹر محمد باقر:

کوئی تاریخ، کوئی کتاب یا کوئی رسالہ اس دور کی زندگی پر اتنی روشنی نہیں ڈال سکتا جس قدر یہ مضامین ''مرحوم انجمن پنجاب'' مطبوعہ: اورینٹل کالج میگزین۔

''انجمن پنجاب کے اعلیٰ عہدہ داروں میں کرنل ہالرائڈ اور ڈاکٹر جی۔ڈبلیو لائٹر بہت نمایاں تھے۔ جبکہ انجمن پنجاب کے مترجمین میں پیرزادہ محمد حسین عارف نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔''

پیرزادہ محمد حسین عارف نے ڈاکٹر جی۔ڈبلیو لائٹر کی فرمائش پر انجمن پنجاب کے لئے انگریزی سے مندرجہ ذیل تراجم کیے:

1۔ 'سرولیم ہملٹن کے فلسفے کا خلاصہ'

2۔ 'رسالہ اقسام حقیقت اراضی وطریق ہائے مالگزاری'

3۔ 'منطق استقرائی'

4۔ 'مفتاح الافلاک یا علم ہیئت'

5۔ 'رسالہ سیاست مدن'

6۔ 'تشریحات قوانین انگلستان'

7۔ 'رسالہ علم سکون سیارات'

8۔ 'علم اصول قانون'

9۔ 'رسالہ علم سیارات'

انجمن پنجاب لاہور کے شائع کردہ دیگر تراجم میں مندرجہ ذیل بہت مشہور ہیں:

10۔ 'جبر و مقابلہ' حسب الحکم کپتان ہالرائڈ مطبوعہ: مطبع سرکاری لاہور: 1869ء

11۔ 'سنین اسلام' حسب الحکم ڈاکٹر جی۔ڈبلیو لائٹر ایضاً

جلد اول: 1871ء جلد دوم: 1876ء

12۔ 'مبادی علم جیولوجی' ترجمہ: مولوی الطاف حسین حالی مطبوعہ: مطبع سرکاری لاہور: 1883ء

روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی۔ بریلی (مئی 1865ء)

جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد جب ہنگام کی گرد بیٹھی تو 1864ء میں پروفیسر ہٹن کی زیر نگرانی جس طرح دہلی کالج کے دوبارہ احیا کی کوشش کی گئی اور سائنٹفک سوسائٹی غازی پور (1864ء) کا قیام عمل میں آیا بعینہٖ اسی طرح متعدد سوسائٹیاں، انجمنیں اور سبھائیں وجود میں آئیں۔ انجمن تہذیب لکھنؤ، بنارس انسٹی ٹیوٹ، دہلی سوسائٹی، اٹاوہ ڈیبٹنگ کلب، سائنٹفک سوسائٹی بہار، انجمن راجپوتانہ اور مہاجن سبھا مدراس اس کی مثالیں ہیں۔ ان سب انجمنوں میں نمایاں 'روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی، بریلی' تھی۔ اسے دہلی کالج کی ایک نمایاں شاخ کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

روہیل کھنڈ کے اضلاع میں انگریزی تعلیم کا چلن عام کرنے کے لئے بریلی کی ایک قدیمی درس گاہ 'سنٹرل کالج بریلی' اور 'میرٹھ اسکول' نے اوّل اوّل میرٹھ اور بریلی میں کام شروع کیا تھا۔ دہلی کالج ہی کی بنیادوں پر نئی عمارت کھڑی کرتے ہوئے روہیل کھنڈ میں مغربی علوم کی نشر و اشاعت کی غرض سے مئی 1865ء میں 'روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی۔ بریلی' کا قیام عمل میں آیا۔

اس کے میر مجلس رائے بختاور سنگھ بہادر سب جج بریلی تھے۔ اولین سیکرٹری لالہ لچھمی نرائن اور جوائنٹ سیکرٹری عبدالعزیز خاں وکیل تھے۔ سوسائٹی کا دفتر کوٹھی کشمیر (بریلی) میں تھا۔ یاد رہے کہ بابو کالی چرن سوسائٹی کے نائب صدر تھے۔

(دیکھیے: 'اختر شاہی' از حاجی محمد اشرف، اختر پریس، لکھنؤ، ص: 228)

''بماہ مئی 1865ء حسب منشاء جناب کمشنر و ڈائریکٹر شمالی و مغربی کے' محکمہ لٹریری سوسائٹی روہیل کھنڈ باہتمام بابو کالی چرن و لچھمی نرائن، بریلی میں جاری ہوا۔''

(''تاریخ روہیل کھنڈ''، روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی پریس 1866ء)

اس سوسائٹی کے دائرہ کار کے بارے میں گارسیں دتاسی کا ایک مستند حوالہ بھی موجود ہے۔ گارسیں دتاسی کہتے ہیں

''اس انجمن کا اصل مقصد جدید علوم کو ہندوستانیوں میں رواج دینا ہے۔ چنانچہ یہ انجمن عام دلچسپی کی کتابیں شائع کر رہی ہے...... اس کے علاوہ انجمن مغربی علوم و فنون کی کتابوں کا ہندوستانی میں ترجمہ کرائے گی اور انجمن جن ترجموں کو قبول کرے گی اس کا معاوضہ ادا کرے گی، صوبہ شمال مغربی یا ہندوستان کے کسی اور گوشے کا باشندہ علمی کتب کا ترجمہ اس انجمن میں پیش کر سکتا ہے۔ انجمن اس ترجمے کو دیکھے گی کہ آیا واقعی وہ اس کے معیار پر پورا اترتا ہے یا نہیں۔ اگر ترجمہ قابل قبول ہے تو اس کی طباعت کا انتظام کیا جائے گا۔ انجمن کی تنظیم حسب ذیل ہے۔

ایک کمیٹی ہے جو اپنا صدر، نائب صدر، معتمد اور خزانہ دار منتخب کرتی ہے۔ انجمن کے معمولی ارکان کی تعداد غیر محدود ہے اس کا چندہ چوبیس روپیہ سالانہ ہے۔ کمیٹی کے ارکان زیادہ تر ہندو اور مسلمان امراء ہیں۔ ان کے علاوہ بریلی اور روہیل کھنڈ کے دوسرے حصوں کے اہل علم و فضل بھی اس میں شریک ہیں۔ مہینے میں ایک مرتبہ کمیٹی کا جلسہ ہوتا ہے۔''

(''خطبات گارساں دتاسی''، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن: 1935ء، ص. 49)

سوسائٹی نے اپنا پریس محلہ ساہوکارہ بریلی شہر میں قائم کیا۔ چھاپہ خانہ کے سیکرٹری بھی لالہ لچھمی نرائن تھے۔

روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی نے اپنا ماہوار رسالہ 'مخزن العلوم' (مرتب: لالہ لچھمی نرائن) کے نام سے جاری کیا۔ یہ پرچہ 28

اوراق پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ 'مخزن العلوم' کے مندرجات دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ اس سوسائٹی سے ہندوؤں نے زیادہ دلچسپی لی۔ سوسائٹی نے روہیل کھنڈ کے تمام اضلاع کی تاریخیں مرتب کرنے کا پروگرام بنایا تھا لیکن صرف 'بریلی شہر' اور 'بدایوں شہر' کی تواریخ شائع ہوسکیں۔ یہ کتابیں بالترتیب: 'تاریخ روہیل کھنڈ' از نواب نیاز احمد خاں ہوش (مطبوعہ بریلی: 1866ء) اور 'تاریخ بدایوں' از رائے بختاور سنگھ بہادر (مطبوعہ بریلی: 1868ء) تھیں۔

سوسائٹی کے ہندو ممبران کی سرگرمیوں کا یہ اثر ہوا کہ روہیل کھنڈ کے مسلمان بھی مغربی علوم وفنون کی طرف رغبت کرنے لگے چنانچہ بریلی کالج کے پرنسپل نے سالانہ رپورٹ (بابت: 1874ء) میں لکھا ہے کہ مسلمان اپنے بچوں کو خوشی خوشی مدرسے بھیجنے لگے ہیں۔

("مقالات گارساں دتاسی"، جلد دوم، ص: 164)

روہیل کھنڈ کے دوسرے مقامات خصوصاً مراد آباد، شاہ جہان پور، بدایوں اور آنولہ میں 'روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی' کی متعدد شاخیں تادیر متحرک رہیں۔

ہمارے موضوع سے متعلق 'انجمن علمی بدایوں' سائنٹیفک سوسائٹی مظفر پور 'شاہجہان پور لٹریری انسٹی ٹیوٹ' انجمن مراد آباد اور 'انجمن آنولہ' بہت نمایاں انجمنیں ہیں۔

انجمن علمی، بدایوں: 1865ء

انجمن علمی 'بدایوں' کا قیام 1865ء کا ہے۔ حاجی محمد اشرف کے مطابق انجمن کا دفتر محلہ فرشوری کوٹھی مولوی عین الدین میں واقع تھا اور اس کے سیکریٹری فضل اکرم تھے۔ انجمن کا آٹھ ورقی ماہانہ رسالہ 1882ء میں جاری ہوا۔ جس میں وقتاً فوقتاً تراجم بھی شائع ہوئے۔ اس پرچے کا ضمیمہ (دو ورقی) 10 فروری 1882ء میں جاری ہوا۔ یہ پرچہ مطبع صبح بدایوں سے چھپتا تھا اور اس کے مرتب: علی امجد حسین بدایونی اثناء عشری تھے۔

("اختر شاہی" ص: 10 تا 47)

سائنٹیفک سوسائٹی مظفر پور: 1868ء

سائنٹیفک سوسائٹی مظفر پور (ضلع بہار) کا قیام 22 مئی 1868ء کو عمل میں آیا۔ اس سوسائٹی نے سیاسیات، فلکیات، جغرافیہ، جبر و مقابلہ، طبعیات، معدنیات اور فن تعمیر سے متعلق انگریزی کتابوں کے تراجم شائع کیے۔ سوسائٹی کے مترجمین میں رائے سوہن لال سپرنٹنڈنٹ نارمل اسکول پٹنہ کا نام سرفہرست ہے۔

شاہ جہاں پور لٹریری انسٹی ٹیوٹ: 1868ء

'شاہ جہان پور لٹریری انسٹی ٹیوٹ' 1868ء میں قائم ہوا۔ اس کے اولین صدر آر۔ ایف۔ سانڈرس تھے۔ اس انسٹی ٹیوٹ کا ماہانہ مجلہ 'مظہر العلوم' مطبع محمدی (لیتھو پریس) شاہ جہان پور محلہ لودی کٹری احاطہ پادری جانس سے چھپتا تھا۔ چالیس صفحات پر مشتمل

اس پرچے میں علمی اور سائنسی طبع زاد مضامین کے علاوہ تراجم شائع ہوا کرتے تھے۔

'مظہر العلوم' (بابت: اگست 1870ء جلد 25) میں شائع شدہ مضامین کے عنوانات ملاحظہ ہوں۔:

1۔ خمیرہ نائٹروجن

2۔ چاند کے قد اور فاصلہ کا بیان

3۔ اقوال افلاطون، مظہر العلوم، ستمبر 1870ء جلد 26

(1) روشنی کا بیان (2) ہیئت کا بیان (3) دوپہر کے بعد پانی کیوں بلند اٹھتا ہے۔

انجمن مراد آباد: 1868ء

انجمن مراد آباد کا قیام سر ولیم میور کی سعی سے عمل میں آیا۔ اس انجمن نے سائنٹیفک سوسائٹی، علی گڑھ کی طرح علمی اور اصلاحی کوششوں کے ساتھ ساتھ عملی سیاسیات سے بھی واسطہ رکھا۔ انجمن کے سکریٹری بابو گنگا پرشاد اور داروغہ قاضی احتشام الدین تھے۔

اس انجمن کے بارے میں گارسیں دتاسی اپنے خطبہ بابت: 1869ء میں کہتے ہیں:

> ''گزشتہ سال سر ولیم میور کی سرپرستی میں مراد آباد میں برٹش انڈین ایسوسی ایشن کی ایک شاخ قائم ہوئی ہے۔ سال کے آخر میں اس انجمن کے جلسے میں منشی گنگا پرشاد نے انجمن کی خدمت گزاری کے مقاصد پر تقریر کی اور کہا کہ ان مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کی ایک صورت یہ اختیار کی گئی ہے کہ مغربی علوم کو رائج کرنے کی ہر ممکنہ کوشش کی جا رہی ہے۔''

(''خطبات گارساں دتاسی''، ص: 793)

اس انجمن نے 'گنجینۂ علوم' کے نام سے اپنا پہلا پرچہ 13، دسمبر 1868ء میں شائع کیا۔ یہ رسالہ تیس صفحات پر مشتمل تھا اور ایسوسی ایشن پریس مراد آباد سے شائع ہوا کرتا تھا۔

انجمن آنولہ، بریلی: 1881ء

انجمن آنولہ ضلع بریلی کے ایک قصبہ 'آنولہ' میں قائم ہوئی۔ بقول حاجی محمد اشرف اس انجمن کا مرکز و محور حکیم وارث علی کی شخصیت تھی۔ آپ نے 1881ء میں 'صبح صادق' کے نام سے اس انجمن کا اپنا پرچہ جاری کیا جو ان کے ذاتی مطبع سے شائع ہوا کرتا تھا۔

(''اختر شاہی''، اختر دکن پریس، لکھنؤ، ص: 167)

محولہ بالا 'برٹش انڈین ایسوسی ایشن' کی شاخوں کے اثرات سے متعلق گارسیں دتاسی کہتے ہیں:

> ''ان انجمنوں کے قیام سے اہل ہند کا یورپ کے ساتھ ربط قائم ہو رہا ہے۔ اس ربط ضبط کی بدولت ہندوستان میں ایک نئی تہذیب قائم ہونے والی ہے۔''

('خطبات گارساں دتاسی' ص 802 سے اقتباس)

سررشتہ علوم وفنون (سلسلۂ آصفیہ) حیدرآباد دکن۔ 1897ء

'سررشتہ علوم وفنون' حیدرآباد (دکن) نواب سروقار الامراء کے حکم سے 1315ھ/ 1897ء میں قائم ہوا۔ اسے قائم کرنے کا واحد مقصد مختلف ترجمہ شدہ جدید علوم کی کتابوں کی اشاعت سے اردو کو علمی زبان بننے میں مدد دینا تھا۔ ابتداء میں اس ادارے کی نگرانی بالترتیب مولوی سیّد علی بلگرامی اور مولوی کاظم علی کے سپرد رہی۔ 1900ء میں شبلی نعمانی اس کے ناظم اعلیٰ مقرر کئے گئے۔ یہ ادارہ نواب سروقار الامراء کے بعد کچھ عرصہ تک فعال نہیں رہا لیکن یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کی وزارت کے زمانے میں طریقۂ کار کی معمولی تبدیلیوں کے ساتھ اس طرف پھر توجہ دی گئیں۔ بہترین کتابوں کے مؤلفین و مترجمین کو خطیر رقم بطور انعام پیش کی جاتی اور ان کی کتابوں کو سلسلۂ آصفیہ میں داخل کر لیا جاتا تھا۔ اس خصوص میں عبدالحلیم شرر، نظم طباطبائی اور سید علی شوستری کے نام بہت نمایاں ہیں۔

سررشتہ علوم وفنون (سلسلۂ آصفیہ) کے طفیل 'سفرنامہ جے۔بی۔ٹیونیر' (از جے۔ بی ٹیونیر، مطبوعہ: مفید عام پریس آگرہ: 1678ء) اور 'سفرنامہ موسیو تھیونو' (از تھیونیو۔ مطبوعہ: مفید عام پریس آگرہ: س۔ن)) جیسے تراجم کا اردو ادب میں اضافہ ہوا۔

''سفرنامہ موسیو تھیونو'' ایک فرانسیسی سیاح تھیونو کی سیاحت دکن (1655ء تا 1668ء) سے متعلق کتاب ہے۔ یہ کتاب 'سلسلۂ آصفیہ کی اوّلین کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس کتاب کی نگرانی ونظر ثانی کے فرائض سررشتہ کے ناظم اعلیٰ سید علی بلگرامی نے انجام دیئے۔ یہ ترجمہ اے۔ لیول کے انگریزی ترجمہ مطبوعہ 1687ء سے کیا گیا ہے۔ اس معلومات افزا کتاب سے نمونۂ عبارت ملاحظہ ہو:

''یہ ہندی ستمبر کے مہینے کے آخر میں ایک اور چڑاوا (چڑھاوا) چڑھایا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سمندر کھل جائے۔ کیونکہ ان کے سمندر میں کوئی شخص کسی سے لے کر اس زمانے تک سفر نہیں کر سکتا۔ اس عرصہ میں گویا ان کے سمندر کا راستہ ہی بند رہتا ہے۔ مگر اس چڑاوے میں سوائے ناریل پھینکنے کے اور کوئی بڑی رسمیں ادا نہیں کی جاتیں۔''

انجمن ترقی اردو۔18 اپریل 1903ء

آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کا ایک شعبہ 'شعبہ علمیہ' اردو زبان و ادب کی ترقی (تصنیفات، تالیفات وتراجم) سے متعلق بھی تھا۔ 18 اپریل 1903ء میں اسے کانفرنس سے علیحدہ کر دیا گیا اور انجمن ترقی اردو کا تصور ابھرا۔ درحقیقت اس زمانے میں اردو کے تحفظ کی جدوجہد سیاسی جدوجہد کا حصہ بن رہی تھی۔

علی گڑھ کالج کے سیکرٹری محسن الملک (مہدی حسن خان) نے بڑی شدومد سے اس تحریک کی رہنمائی کی۔ گورنر یو۔پی نے مسلمانوں کی اس جدوجہد کو ذاتی وقار کا مسئلہ بنا لیا اور علی گڑھ کالج کی سرکاری امداد بند کرنے کی دھمکی دی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ اردو کا تحفظ علی گڑھ کالج کے لیے ایک مستقل خطرہ بن گیا۔ اس پریشان کن صورت حالات سے نپٹنے کے لئے 1903ء میں انجمن ترقی اردو کا قیام عمل میں آیا۔ اس سے دیگر فوائد کے علاوہ یہ ہوا کہ انجمن، علی گڑھ کالج اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا ایک ذیلی ادارہ بننے سے بچ گئی۔

انجمن کا دستور العمل 18 اپریل 1903ء کو شائع ہوا اس لئے انجمن کے قیام کی تاریخ کو اسی تاریخی سے شمار کیا جاتا ہے۔
شبلی نعمانی، انجمن ترقی اردو (دولت آباد، دکن مرکزی شاخ) کے اولین سیکرٹری مقرر ہوئے۔ انجمن کے پہلے صدر پروفیسر ٹامس آرنلڈ اور نائب صدور خواجہ الطاف حسین حالی، نذیر احمد دہلوی اور ذکاء اللہ دہلوی تھے۔ پہلی سالانہ رپورٹ (بابت: 1903ء) میں انجمن کے مقاصد اور طریقہ کار پر بحث کرتے ہوئے شبلی نعمانی صراحت پیش کرتے ہیں کہ چونکہ ہر قوم کی ترقی اس بات پر موقوف ہے کہ علوم وفنون اس کی مادری زبان میں آ جائیں اس لئے اردو میں علوم وفنون جدیدہ کے ترجمے کی اہمیت مسلّم ہے۔ ترجمے کے باب میں شبلی نے فرمایا:

''یہ دونوں کام یعنی ایشیائی اور مغربی علوم وفنون کا ترجمہ اور تالیف خود ہو رہے ہیں اور اس کے لئے کسی انجمن کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ عربی، سنسکرت اور فارسی کی سینکڑوں کتابیں ترجمہ ہو چکیں اور ہوتی جاتی ہیں۔ انگریزی تصنیفات کا بھی معتد بہ حصہ ملکی زبان میں آ گیا ہے اور آتا جاتا ہے۔ ملک میں سیکڑوں ہزاروں مترجم پیدا ہو گئے ہیں جن کا مشغلہء زندگی یہی ہے۔ یہ سوال واقعی لحاظ کے قابل ہے اور اس کا جواب دینا ایک بہت بڑے عقدہ کو حل کرنا ہے۔
بے شبہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بہت سی ایشیائی اور مغربی تصنیفات ملکی زبان میں منتقل ہوگئی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ کتابیں کس درجہ کی ہیں۔
حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ملک میں اس مسئلے کی طرف لوگوں کو علم نے نہیں، بلکہ ضرورت معاش نے متوجہ کیا ہے اس لئے کام کرنے والے اس میں اصلی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ کن چیزوں کے ترجمے اور کس قسم کی تصنیفات مذاق عام کے موافق ہیں اور جلب زر کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس علمی پیداوار کا بڑا حصہ (جو کُل کے قریب ہے) ناول، ادنیٰ درجہ کی تاریخیں اور سوانح عمریاں ہیں۔ کسی اشتہاری کتب فروش کی فہرست کو پڑھو تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا کوئی آدمی سوانح عمری کے انعام سے محروم نہیں رہا۔ لیکن یہ سوانح عمریاں کس قسم کی ہیں۔ اس کا آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ علوم وفنون کی بھی بعض کتابیں ترجمہ ہوئی ہیں۔ وہ کتابیں فی نفسہ اچھی بھی تھیں لیکن قابل لحاظ یہ ہے کہ ترجمہ کیسا ہوا۔ کیا مترجمین واقعی کامل استعداد رکھتے تھے۔ کیا ترجمہ کی دنیا میں ان لوگوں کی کچھ شہرت تھی۔ کیا ان ترجموں کو شائع ہونے سے پہلے کسی مبصر جماعت نے تنقید کی نظر سے دیکھ لیا تھا۔ بے شبہ ان خذف ریزوں میں ایک آدھ جواہر بھی نکل آتے ہیں لیکن وہ کالعدم ہیں۔''

(سالانہ رپورٹ:1903ء، ص: 473)

ان تفصیلات کے بعد مولانا شبلی نے انجمن کی مستقل ضرورت پر زور دیا اور کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ عوام کے مذاق کی پیروی محض کی بجائے یہ سوچا جائے کہ قوم میں کس نوع کا ادبی اور علمی مذاق پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے ایک مقام پر کہا کہ:

''صرف ایک اردو زبان ہے جو باوجود عام زبان ہونے کے علمی تصنیفات اور خصوصاً علوم وفنون جدیدہ سے بالکل محروم ہے۔''

(سالانہ رپورٹ: 1903ء، ص:5)

دراصل اس مقام پر مولانا شبلی، شمس الامراء حیدر آباد دکن، شاہانِ اودھ لکھنؤ، دہلی کالج، روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی اور سلسلۂ آصفیہ کی سنجیدہ کوششوں کو یکسر فراموش کر گئے یا ممکن ہے مولانا کی مذکورہ اداروں سے متعلق معلومات ناقص ہوں۔ بہرطور انجمن ترقی اردو محولہ بالا مقاصد کے ساتھ فعال رہی، گو ابتدائی دس برس تک (یعنی 1913ء تک) کام کی رفتار نہایت سست دکھائی دیتی ہے۔ ابتدائی سالانہ رپورٹوں کو دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ تجویزیں تو بہت پیش ہوئیں اور مترجمین کے ناموں کے ساتھ ترجمہ شدہ کتب کے نام بھی شائع کیے گئے، لیکن ان میں سے بیشتر تراجم مسودات ہی کی شکل میں بچ رہے۔ اس مدّت میں شبلی نعمانی کے انجمن سے استعفیٰ (1905ء) کے بعد 1909ء تک نواب صدر یار جنگ (حبیب الرحمٰن خان شروانی) اور مولوی عزیز مرزا 1909ء تا وفات 1911ء تک اس منصب پر فائز رہے۔ درحقیقت انجمن کے عہد زریں کا آغاز 1912ء میں ہوا جب ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے سیکرٹری کے فرائض سنبھالے۔ ڈاکٹر عبدالحق کی شاندار قیادت اور حیدر آباد دکن میں دفاتر کی سرکاری زبان اردو بننے کے باعث انجمن خوب پھلی پھولی۔ انجمن نے حیدر آباد کی تدریسی ضروریات کے مطابق بیرونی زبانوں سے متعدد کتب کے تراجم کرائے اور حیدر آباد کے سرکاری اور مقامی امراء نے انجمن کی مالی امداد بھی کی۔

انجمن کا سب بڑا کارنامہ اصطلاحات علمیہ کا ترجمہ اور اصول وضع اصطلاحات پر توجہ دینا ہے۔ مطبع انجمن، اردو باغ 1924ء میں قائم ہوا۔

1936ء میں سیاسی حالات کے پیش نظر انجمن کا دفتر دولت آباد سے، دکن دہلی منتقل کر دیا گیا۔ اس وقت تک انجمن ترقی اردو ایک ملک گیر جماعت کا درجہ حاصل کر چکی تھی۔

یاد رہے کہ 1926ء میں سرراس مسعود کو انجمن کا صدر منتخب کیا گیا تھا۔ ان کی وفات (1937ء) کے بعد سرتیج بہادر سپرو انجمن کے صدر چنے گئے۔1945ء میں شریک معتمد کا عہدہ قائم ہوا تو ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کو انجمن کا پہلا شریک معتمد ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

قیام پاکستان کے بعد 1948ء میں انجمن کی پاکستان شاخ کا قیام کراچی شہر میں ہوا۔ اس شاخ کے بانی ڈاکٹر مولوی عبدالحق تھے۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق پاکستان شاخ کے پہلے سیکرٹری اور سر عبدالقادر پہلے صدر چنے گئے۔ بعد ازآں لائبریری بھی کراچی منتقل کروالی گئی۔

سر عبدالقادر کی وفات (1950ء) تا 16 اگست 1961ء صدر اور سیکرٹری کے عہدے ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے پاس رہے۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی وفات (16 اگست 1961ء) کے بعد انجمن کے عہدہ داروں میں اختر حسین (1961ء تا وفات 14 جولائی 1983ء) اور قدرت اللہ شہاب (1983ء تا وفات 1986ء) صدر کے عہدے پر اور جمیل الدین عالی (1961ء تا حال) سیکرٹری رہے شریک معتمد مشفق خواجہ تھے۔ 31 اکتوبر 1973ء میں مشفق خواجہ انجمن سے بوجوہ الگ ہو گئے۔ ان کی جگہ سید شبیر علی کاظمی نے لی۔ 1983ء میں ناظم اعزازی کا عہدہ بھی قائم کر دیا گیا، جس پر ایک سابق بیوروکریٹ نورالحسن جعفری کا تقرر عمل میں آیا آج کل آفتاب احمد خاں صدر انجمن ہیں۔

اِن دنوں انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی کے سیکرٹری ڈاکٹر خلیق انجمن ہیں۔ انجمن ترقی اردو کی شائع کردہ اہم کتب میں 'تاریخ

ادبیات ایران' از پروفیسر براؤن، 'ریاست' از افلاطون، 'فاؤسٹ' (ڈرامہ) از گوئٹے، 'تاریخ اخلاق یورپ' از پروفیسر لیکی، 'تاریخ تمدن' از ٹامس بکلے، 'مشاہیر یونان و روما' از پلوٹارک، 'خطبات گارساں دتاسی' از دتاسی، 'فلسفہ تعلیم' از ہربرٹ سپنسر، 'تاریخ ہندوستان' و 'تاریخ عہد انگلشیہ' از مارشمین یادگار ہیں۔

انجمن ترقی اردو کے جاری کردہ رسائل کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔	سہ ماہی	اردو	اورنگ آباد	1921ء
			دہلی	1938ء
			کراچی	1949ء

انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی سے یہ پرچہ اب ''اردو ادب'' کے نام سے سہ ماہی بنیادوں پر نکل رہا ہے، جس کے ایڈیٹر ڈاکٹر اسلم پرویز ہیں۔ فی زمانہ اس سے اچھا رسالہ کہیں سے نہیں نکل رہا۔

2۔	سہ ماہی	سائنس	اورنگ آباد	1928ء تا 1936ء
			دہلی	1941ء
			حیدر آباد	1947ء
			کراچی	1952ء۔1955ء
3۔	سہ ماہی	تاریخ و سیاسیات	کراچی	1951ء۔1954ء
4۔	سہ ماہی	معاشیات	دہلی	1946ء
			کراچی	1949ء۔1955ء
5۔	پندرہ روزہ	ہماری زبان	دہلی	1939ء۔1947ء
	ہفت روزہ	قومی زبان	کراچی	1948ء
	پندرہ روزہ	قومی زبان	کراچی	کچھ مدت نکلا
	ماہنامہ	قومی زبان	کراچی	(تا حال)

یاد رہے کہ انجمن نے 1942ء میں ایک گشتی کتب خانہ (گشتی کتب خانہ انجمن ترقی اردو۔ ہند) بھی قائم کیا تھا۔ 17 جنوری 1942ء میں جب نواب بہادر یار جنگ نے اس گشتی کتب خانے کا حیدر آباد دکن میں افتتاح کیا تو 817 مصنفین کی 2032 کتابیں کتب خانے کا حصہ تھیں۔ گشتی کتب خانے کے اولین ناظم سید علی شبر حاتمی اور مہتمم محمد عبدالہادی تھے۔ ان دو حضرات نے کتب خانے کی فہرست کتب بعنوان: 'گشتی کتب خانہ انجمن ترقی اردو (ہند) 1944ء میں شائع کی تھی۔ اس گشتی کتب خانے کے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں نواب منظور جنگ بہادر، نرسنگ راؤ ایڈیٹر، رعیت، مولوی ابوالحسن سید علی، مولوی عبدالقدوس ہاشمی اور حکیم لئیق احمد فائق نعمان تھے۔' اب دہلی اور کراچی میں ایسا کچھ نہیں ہے۔

دیگر ادارے: قدیمی درس گاہیں

'برٹش انڈین ایسوسی ایشن' طرز کی انجمنوں کی خدمات بلاشبہ قابل لحاظ ہیں، لیکن اس دور میں متعدد درس گاہیں خالصتاً مشرقی علوم کی ترویج کے لئے بھی کوشاں تھیں۔ ان میں دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، مدرسہ عالیہ نظامیہ لکھنؤ، مدرسہ رحیمیہ دہلی، مدرسہ دارالبقاء و دہلی انسٹی ٹیوٹ دہلی، مدرسہ نذیریہ دہلی، مدرسہ عالیہ رام پور، مدرسہ نورمحمدیہ شہداد کوٹ، ندوۃ المصنفین دہلی، دارالعلوم تقویۃ الاسلام امرتسر، مدرسہ درخانی کوئٹہ، مدرسہ مظہر العلوم کراچی، مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر، مدرسہ امینیہ دہلی، دالالرشاد کلکتہ، مدرسہ اسلامیہ کلکتہ، مدرسہ الٰہیات کانپور اور مدرسہ شمس العلوم بدایوں کے نام بہت نمایاں ہیں۔

ان میں سے کچھ اداروں کو بلاشبہ حکومت کی سرپرستی بھی حاصل رہی جبکہ متعدد اداروں کا قیام مغربی تہذیب کے ردعمل کے طور پر عمل میں آیا۔ بہرطور ہمارے موضوع سے متعلق قدیمی درس گاہوں میں دارالعلوم دیوبند سہارنپور (1867ء)، اورینٹل کالج لاہور (1869ء)، مدرسۃ العلوم علی گڑھ (1875ء) اور دارالمصنفین اعظم گڑھ (1913ء) اپنی قائم کردہ علمی فضا اور مغربی زبانوں سے علمی کتب کے تراجم کے باعث ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ ان اداروں کا سرسری تعارف یہاں مقصود ہے۔

دارالعلوم دیوبند: 1867ء

دارالعلوم دیوبند۔ سہارنپور (قیام: 1867ء) کو سیداحمد بریلوی شہید کے مشن کی تعلیمی میدان میں توسیع کہنا چاہیے۔ یہ ادارہ حکومت کی تعلیمی پالیسی کے برخلاف مصروف کار رہا۔ اس ادارے سے متعلق نامور اکابرین میں مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبیداللہ سندھی، مفتی محمد کفائت اللہ، مولانا حسین احمد مدنی اور علامہ تاجور نجیب آبادی کے نام بہت نمایاں ہیں۔

اسلامیہ کالج، پشاور: 1890ء

اسلامیہ کالج پشاور کی بنیاد 1890ء میں رکھی گئی۔ یہ ادارہ سرحد کا قدیمی تعلیمی ادارہ شمار ہوتا ہے۔ ادارہ ایک طرف تو عیسائی مشنریوں کی ریشہ دوانیوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کی کوشش میں مصروف تھا تو دوسری طرف مسلمانوں کی نئی نسل کو مشنری اسکولوں کی غیر اسلامی اور عیسائیت سے مسموم فضا سے بچا کر انگریزی زبان اور سائنسی علوم کی تعلیم دے رہا تھا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ: 1892ء

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تحریک مولانا سیّد محمد علی مونگیری نے 1892ء میں منعقدہ مدرسہ فیض عام کانپور کے سالانہ اجلاس سے چلائی۔ مولانا شبلی نعمانی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا محمد فاروق جریاکوٹی اور مفتی عبداللہ ٹونکی جیسے اکابرین اس تحریک سے وابستہ رہے۔

اس ادارے کے بنیادی مقاصد میں انگریزی زبان اور بقدر ضرورت جدید علوم کو نصاب میں داخل کرنا شامل تھا۔ اس مقصد

کے حصول کے لئے ادارے کی انتظامیہ نے ترجمے کی اہمیت کو تسلیم کیا لیکن افسوس یہ ادارہ انگریزی سے تراجم کے باب میں کچھ اضافہ نہ کرسکا۔

1897ء تک ندوۃ العلماء کا دفتر کانپور میں رہا پھر 2 ستمبر 1898ء کو لکھنؤ منتقل ہو گیا اس ادارے کا جلسۂ سنگ بنیاد 28 نومبر 1908ء میں منعقد ہوا، سرجان ہیوٹ (لیفٹیننٹ گورنر ممالک متحدہ) مہمان خصوصی تھے۔ مولانا شبلی اس ادارے کے ساتھ 19 جولائی 1913ء تک بطور سیکرٹری منسلک رہے، بعد میں استعفیٰ دے دیا۔

اورینٹل کالج لاہور: 8 دسمبر 1869ء

محمڈن اینگلو اورینٹل کالج لاہور جنوری 1865ء میں انجمن پنجاب کی تحریک کے بعد سر ڈانلڈ میکلوڈ (لیفٹیننٹ گورنر پنجاب) نے ناظم سررشتہ تعلیم سے ہندوستانی زبانوں میں مغربی علوم و ادبیات کو سمونے کے لئے قائم کیا۔ 8 دسمبر 1869ء کو 'پنجاب یونیورسٹی کالج' کے نام سے گورنمنٹ کالج، لاہور کی بلڈنگ اور حویلی راجہ دھیان سنگھ میں اس کالج کا قیام عمل میں آیا۔ ڈاکٹر جی۔ ڈبلیو لائٹنر اس کے اوّلین رجسٹرار مقرر ہوئے۔ کالج کی موجودہ بلڈنگ بعد میں بنی۔ حافظ محمود شیرانی، مولوی محمد شفیع، شیخ محمد اقبال، سر عبدالقادر، عبدالعزیز میمن، مفتی محمد عبداللہ ٹونکی، ڈاکٹر محمد باقر، ڈاکٹر عبادت بریلوی، علامہ وزیر الحسن عابدی، ڈاکٹر سیّد عبداللہ، ڈاکٹر وحید قریشی اور ڈاکٹر سجاد باقر رضوی جیسے اہم نام اس ادارے سے منسلک رہے۔

اورینٹل کالج میگزین، فروری 1925ء میں جاری ہوا۔ اس کے پہلے مدیر اعلیٰ مولوی محمد شفیع تھے۔ میگزین کے اغراض و مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ:

> ''کوشش کی جائے گی کہ اس رسالے میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تحقیق کا نتیجہ ہوں، غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا۔''

یہ الگ بات ہے کہ بعد میں انگریزی سے تراجم پر توجہ نہیں دی گئی اور خالص تحقیقی نوعیت کے مضامین ہی میگزین میں جگہ پاتے رہے اس کے باوجود مغربی ادبیات سے متعلق معلومات افزا مضامین کی کثیر تعداد میگزین میں سامنے آئی۔ اورینٹل کالج کے جشن صدسالہ کے موقع پر طلبہ و طالبات کے لئے پہلا میگزین ''لفظ'' (مدیر: مرزا حامد بیگ) 1972ء میں نکلا۔ جس کے صرف چار شمارے سامنے آسکے۔

مدرسۃ العلوم۔ علی گڑھ: 24 مئی 1875ء

مدرسۃ العلوم علی گڑھ کا قیام 24 مئی 1875ء کو عمل میں آیا۔ اس کی بنیاد 'کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان ہندوستان' بنارس سے اٹھائی گئی تھی۔ سیّد احمد خان نے بطور سیکرٹری کمیٹی کو موصول ہونے والے مضامین کا جو خلاصہ میٹنگ میں پیش کیا، اس کی دو شقیں قابل توجہ ہیں:

1۔ سمجھ دار مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کے بارے میں وہ شکوک و شبہات نہیں ہیں جو پرانے خیال کے حامل لوگوں میں پہلے

ہوئے ہیں۔

2۔ لیکن سرکاری مدراس کا نصاب اور طرز تعلیم ان کے مذاق کے خلاف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مدرسۃ العلوم کی مغربی علوم اور تراجم کے بارے میں پالیسی بین بین رہی۔ 1877ء میں وائسرائے ہند لارڈ لٹن نے مدرسۃ العلوم کا بطور کالج سنگ بنیاد رکھا اور کہا: 'ایک دن یہ کالج پھیل کر یونیورسٹی ہو جائے گا، جس کے طالب العلم اس ملک کے چہار جانب آزادانہ تحقیقات، فراخ حوصلے، بے تعصبی اور عمدہ اخلاق کی بشارت دیتے پھریں گے۔''

واضح رہے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے اسی ادارے کی کوکھ سے جنم لیا۔اس ادارے کی ابوالکلام آزاد لائبریری، بھارت کی عمدہ لائبریریوں میں شمار ہوتی ہے۔تصنیف و تالیف و ترجمہ کے باب میں اس ادارے سے منسلک متعدد ناموں خصوصاً سرراس مسعود، ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر عبدالعلیم نامی، رشید احمد صدیقی، اسلوب احمد انصاری، قاضی عبدالستار، ڈاکٹر ابن فرید اور ڈاکٹر قاضی افضال حسین وغیرہم کی مساعی قابل لحاظ رہی ہے۔شعبہ اردو کا تحقیقی مجلہ ''تنقید'' اعلیٰ معیار کا حامل ہے۔

دارالمصنفین اعظم گڑھ 1913ء

دارالمصنفین کا خاکہ شبلی نعمانی نے انجمن ترقی اردو سے مستعفی ہونے کے بعد 1913ء میں مرتب کیا اور فروری 1914ء کے 'الہلال' کلکتہ میں شائع کروایا۔ اس خاکے کی اشاعت کے ساتھ ہی ادارے کی بنیاد پڑ گئی۔ گو دارالمصنفین کی زیادہ تر توجہ مشرقی علوم وفنون اور مذہبی مسائل و دینیات کی طرف رہی لیکن اس ادارے نے مغربی تراجم کو بھی اپنے مقاصد میں شامل رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ دارالمصنفین کے دارالتصنیف، سے مختلف علوم وفنون سے متعلق 1964ء تک 117 کتابیں تالیف و ترجمہ ہو کر شائع ہوئیں۔

شبلی نعمانی کا انتقال اس ادارے کے قیام کے ایک سال بعد یعنی 1914ء میں ہو گیا تھا لیکن آج بھی اس ادارے کو مذہبیات کے شعبہ میں عالمگیر شہرت حاصل ہے۔ عبدالماجد دریا بادی، مولانا عبدالباری ندوی، مولانا حمیدالدین اور پروفیسر نواب علی کو دارالمصنفین کے لئے ترجمہ کے باب میں اہمیت حاصل ہے۔

یہ ہندوستان کا پہلا اور واحد ادارہ ہے جو مصری یونیورسٹیوں کے طرز پر قائم کیا گیا تھا اور آج اس ادارے کی علمی خدمات کے سبب عرب دنیا بھی سند مانتی ہے۔

یہاں ہمارے موضوع سے متعلق کام زیادہ تر انگریزی زبان سے ناواقف عربی دان اصحاب نے عربی کے توسط سے کیا ہے شاید یہی وجہ ہے کہ دارالمصنفین کے ترجموں کی زبان بڑی حد تک عربی آمیز ہے۔ ادارے نے 1964ء تک جن اہم مغربی تصنیفات کو اردو میں منتقل کیا ہے ان میں 'روح الاجتماع' از گستاؤلی بان، 'انقلاب الامم' از گستاؤلی بان، 'پیام امن' از رچرڈپال، 'مبادی علم انسانی' از برکلے، 'مکالمات برکلے' از برکلے، 'فطرت نسوانی' از مارٹن، اور 'افکار عصریہ' از چارلس آرگبس بہت نمایاں ہیں۔

ادارے کا اپنا مجلّہ، معارف، اعظم گڑھ جولائی 1916ء سے علمی میدان میں مسلسل خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس پرچے میں متعدد اہم مضامین کے تراجم شائع کئے گئے مثال کے طور پر:

1۔ مضمون: فریب ذہن' ترجمہ ع۔ ز مشمولہ: 'معارف' بابت: اگست 1934ء، ص 134۔ یہ مضمون جرمن رسالہ 'کورال' سے

ملخص ترجمہ ہے۔

2۔ مضمون: 'کیا ہم دوسروں کے دل کی بات معلوم کر سکتے ہیں؟' ترجمہ ع۔ز۔ اپریل 1937ء ص 293۔ ٹیلی پیتھی سے متعلق یہ مضمون ایڈوین ٹیل کے مضمون مطبوعہ 'پاپولر' کا ملخص ترجمہ ہے۔

3۔ مضمون: 'جسم انسانی کے اندر خارجی اشیاء کی نقل و حرکت' ترجمہ ع۔ز۔ جون 1937ء ص 467۔ ڈاکٹر فرڈرک ڈیمر کے مضمون مطبوعہ: 'پاپولر سائنس' کا ملخص ترجمہ ہے۔

4۔ مضمون: 'سیرت کا مدار' ترجمہ ع۔ز (دو قسطوں میں) جولائی 1938ء ص 55، اگست 1938ء، ص 133۔

ڈاکٹر اوسوالڈ کے مضمون (مطبوعہ: ہیرٹ جرنل) میں بچپن، لڑکپن اور جوانی کی نفسیات کے علاوہ نظم و ضبط اور اجتماعی زندگی کے مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

5۔ ڈاکٹر فرانز پلیٹو کا لیکچر۔ ترجمہ صباح الدین عبدالرحمٰن، دسمبر 1939ء ص 463۔ نفسیات کے مضمون سے متعلق یہ خطبہ، احساس کمتری اور بچوں کی ذہنی تربیت سے متعلق مسائل کا ذکر اور تجزیہ کرتا ہے۔

6۔ 'یورپ کے لئے ایک جدید سیاسی فلسفہ کی ضرورت' ترجمہ: ع۔ز اگست 1936ء ص: 135 رینے فولپ ملر کے مضمون (جس کا ترجمہ، معارف، جون 1936ء میں 'عقل کے خلاف جدید بغاوت' کے نام سے شائع ہوا) پر پروفیسر مواٹ کا تبصرہ ہے جو 'ہیرٹ جرنل' میں شائع ہوا تھا۔

باب پنجم

نثری تراجم: 1917ء تا حال

نئی مذہبی اور ادبی تحریکیں

مغرب اور مشرق کی آویزش

ہندوستان میں مغل حکومت کے زوال کے ساتھ ہندوستان کا وہ طبقہ جو مغل حکومت کا وفادار، فوج کے اعلیٰ عہدوں سے متعلق، جاگیردار طبقہ تھا .... اسے مادی زندگی کی دھوپ چھاؤں نے مار رکھا، دوسری طرف تاج برطانیہ نے کمپنی کی حکومت کیب رعکس عیسائیت کے فروغ پر خصوصی توجہ صرف کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائی پادریوں کی تبلیغ میں ایک خاص قسم کی جارحیت جگہ کر گئی اور انگریز اہلکاروں نے کھلم کھلا عیسائی پادریوں کی جائز و ناجائز بات کو مانا۔ یہی وہ اسباب تھے جن کے تحت ہندوستان کی مختلف النوع قومیتوں میں مذہبی تحریکوں نے جنم لیا اور دینی احیاء کے ولولوں کو مہمیز لگی۔

آریہ سماج، سنگھو سبھا، سرسید تحریک اور تحریک احمدیت نے اسی پرآشوب عہد میں جنم لیا۔ مسلمانوں میں سیّد احمد خان اور مرزا غلام احمد (بانی تحریک احمدیت) دونوں عیسائیت کی پیہم یلغار کے سامنے بند باندھنے کی نیت سے اٹھے۔ البتہ ہر دو صاحبان کا طریقہ کار ایک دوسرے سے کسی قدر مختلف تھا۔

سیّد احمد خان اپنے عہد کی کرب ناک صورتحال کا بیان اپنے ایک خط میں یوں کرتے ہیں:

> ''غدر کے بعد مجھ کو نہ اپنا گھر لٹنے کا رنج تھا، نہ مال و اسباب کے تلف ہونے کا، جو کچھ رنج تھا اپنی قوم کی بربادی کا، اور ہندوستانیوں کے ہاتھ سے جو کچھ انگریزوں پر گزرا اس کا رنج تھا۔''

سیّد احمد خان تو واضح طور پر دو کشتیوں کے سوار تھے اس کے باوجود ان کی 'علی گڑھ تحریک' کے ہندوستان کی سماجی، مذہبی، تعلیمی اور ادبی زندگی پر گہرے اثرات مرتسم ہوئے۔ جبکہ مرزا غلام احمد نے اپنی مذہبی تحریک کا آغاز عیسائی پادریوں کے ساتھ بحث مباحثے

سے کیا۔ بقول عبداللہ ملک 'اسی مناظرانہ بحث و مباحثہ نے مرزا صاحب کو حیات مسیح کے مسئلے پر اپنا دعویٰ ترتیب دینے پر اکسایا ہوگا'۔

مارچ 1882ء میں پہلی بار مرزا صاحب نے دعویٰ کیا کہ انہیں الہام ہوا ہے اور خدا نے انہیں ایک خاص ذمہ داری کے لئے منتخب کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں گویا 'مامور من اللہ' ہیں۔ چنانچہ 1888ء میں انہوں نے ایک الہام کی بنیاد پر اپنے مویدین سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ حتیٰ کہ 1890ء میں انہوں نے 'مسیح موعود' / 'مہدی موعود' ہونے کا دعویٰ کیا اور یہ صراحت کر دی کہ وہ ایسے مہدی نہیں جو جنگ اور خونریزی کو جائز سمجھتے ہوں بلکہ 'مہدی معقول' ہیں اور دلائل و براہین کی قوت سے اپنے مخالفین کو مغلوب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

سیالکوٹ مشن کے دیسی پادری الائشہ کے ساتھ اولین مباحثہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ جب مباحثے کے دوران میں 'نجات' کی بات چلی تو مرزا صاحب نے استفسار کیا:

'نجات سے آپ کی کیا مراد ہے؟ مفصل بیان کیجئے۔' جواب میں الائشہ مفصل گفتگو نہ کر سکے اور کہا کہ میں اس قسم کی منطق نہیں پڑھا۔'

اسی طرح پادری بٹلر (موضع گوھر پور) سے مریم بی بی کے باب میں مباحثہ یادگار ہے۔ تفصیلات کے لئے دیکھیے۔ 'پنجاب کی سیاسی تحریکیں' از عبداللہ ملک۔ نگارشات انارکلی۔ لاہور ص236، 237

1900ء میں 'جہاد بالسیف' کی مخالفت کی۔ 1901ء میں 'ظلی نبی' ہونے کا دعویٰ اور ایک غلطی کا ازالہ کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کیا جس میں وضاحت کی کہ ختم نبوت کے عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کی رحلت کے بعد کوئی ایسا نبی پیدا نہیں ہوگا جو نئی شریعت کا حامل ہو البتہ غیر شرعی نبی کا ظہور ممکن ہے۔ نومبر 1904ء میں سیالکوٹ کے ایک جلسہ عام میں 'مثیل کرشن' ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔

جماعت احمدیہ 1901ء میں قائم کی گئی اور 1901ء کی کل ہند مردم شماری کے کاغذات پر اس جماعت کو ایک علیحدہ مسلم فرقہ ظاہر کیا گیا۔ اس نئی تحریک کو مرزا صاحب کی زندگی میں ہی تائید حاصل ہوئی۔ اس صورت حال کی وضاحت کرتے ہوئے عبداللہ ملک لکھتے ہیں:

> "یہ وہ دور تھا جس میں سرسید یا اُن کے رفقاء یا پھر مرزا غلام احمد کی تعلیمات کے لئے فضا سازگار تھی اور یہ فضا کی سازگاری ایک طبقے کی ضرورتیں ہی تو ہیں، جس نے ان تعلیمات کو جھجکتے جھجکتے قبول کیا، کیونکہ یہ تعلیمات روایتی اور مسلمہ تعلیمات کے منافی تھیں۔"

(پنجاب کی سیاسی تحریکیں"، ص: 241)

مرزا غلام احمد نے اپنے طور پر عیسائی پادریوں کی پھیلائی ہوئی دھند کو صاف کرنے اور اپنے تئیں یہ سوچ کر کہ کہیں مسیحی اثرات جڑیں نہ کر جائیں، اپنی مذہبی تحریک کا آغاز کیا اور نہ صرف 'دین' کے بارے میں شکوک رفع کرنے کی سعی کی بلکہ 'دنیاوی' امور پر بھی خصوصی توجہ صرف کی۔ یہ الگ بات کہ عام مسلمانوں کے اس وقت کے مروجہ عقائد سے ہٹ کر مدلل بات کرنے اور آیات و احادیث کے حوالوں سے ساتھ مذہبی دفاع کا عمل مرزا غلام احمد سے بہت پہلے اس وقت آغاز ہو چکا تھا جب سیرام پور کے

فاضل پادریوں نے کمپنی کی حکومت کے خاتمے پر ہندوستان میں آزادانہ طور پر تبلیغ کا کام شروع کیا۔ یہاں تک کہ سید احمد خان اور ان کے رفقاء کار نے اس طریقہ کار کو سائنسی بنیادیں فراہم کر دیں۔ میری اس بات کی تصدیق خود جماعت احمدیہ کے سرکاری ترجمان 'الفضل' سے ہوتی ہے، ملاحظہ ہو:

> ''سب سے بڑا مسئلہ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سرسید کی تقلید میں بیان کیا، وہ وفات مسیح کا مسئلہ تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے سرسید نے اس کا اعلان کیا اور بعد میں مرزا صاحب نے اسی کو پیش کر دیا۔ لیکن اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ سرسید نے جس رنگ اور جس طرز سے اس مسئلہ کا اقرار کیا ہے اس میں اور جس رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو صاف کیا ہے، اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔''

(''الفضل'' قادیان، 20 مئی 1916ء)

'الفضل' کے جاری کردہ اس بیان سے بہرطور مرزا صاحب کے فیصلوں کا الہامی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ اس خصوص میں سب سے پہلے سید احمد خان نے نئے علم الکلام کا سہارا لیا اور دلائل و براہین کو اپنا ہتھیار بنایا۔ عقل کی کسوٹی کا شکنجہ صدیوں کی مروجہ مذہبی تعلیمات پر سخت بیٹھا۔ یہی سبب ہے کہ بعض قرآنی آیات کی تشریحات اور تاویلات سید احمد خان کے جدید علم الکلام کی ناکامی کا باعث بنیں۔ خود سید احمد خان کے سچے پیروکاروں میں بھی اس کے خلاف ایک ردعمل رہ رہ کر اپنا اظہار کرتا رہا۔

بقول عبداللہ ملک:

''اُن ہی آزردہ دلوں کو بہت حد تک مرزا غلام احمد نے اپنے طور طریقوں سے سمیٹا۔''

عبداللہ ملک لکھتے ہیں کہ سرسید نے عقل کی بنیاد پر قرآنی آیات اور مذہبی تعلیمات و عبارات کی جتنی توجیہات اور تاویلات کی تھیں، مرزا غلام احمد نے ان کے پرخچے اڑا دیئے۔ سرسید نے رسولِ خدا کے معجزات کو رویا کا فعل بتا کر تاویل کرنے کی کوشش کی لیکن مرزا غلام احمد نے ان معجزات کو عقلی اور دلائل کی بنیاد پر درست ثابت کر دیا۔

بقول عبداللہ ملک: ''مرزا غلام احمد کی ان تعلیمات نے ان کے حق میں فضا پیدا کی۔''

بعدازاں احمدیت کے خلاف پہلی بار 1953ء میں ختم نبوت تحریک چلی۔ پنجاب (پاکستان) میں امن و امان کی صورتحال بگڑی تو خواجہ ناظم الدین کو وزارت اعظمیٰ سے الگ ہونا پڑا۔ 1954ء میں تحریک دوبارہ چلی تو میاں ممتاز دولتانہ کی وزارت کا خاتمہ ہوا۔ لاہور میں پہلی بار مارشل لاء لگا۔ میجر جنرل اعظم خان مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے سخت اقدامات نے تحریک کو وقتی طور پر دبا دیا۔ تیسری بار 1974ء میں تحریک ختم نبوت کے نتیجہ میں پاکستان کے آئین 1973ء میں ترمیم کر کے احمدیوں اور لاہوری گروپ کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔ یہ ذوالفقار علی بھٹو کا دور تھا۔

آریہ سماج تحریک نے ہندومت کو جدید تر رجحانات سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی تھی تو اس کے لئے مذہب اسلام اور عیسائیت کا تقابلی جائزہ اور حسب ضرورت ہر دو مذاہب پر حملوں کو بھی ضروری سمجھا تھا۔

یاد رہے کہ عیسائیت کی پیہم یلغار کو روکنے کے سلسلے میں برہمو سماج تحریک (بانی: رام موہن رائے) ہندوؤں کے ہاں اوّلین تحریک تھی، جس نے اپنے عقائد میں سائنسی اور عقلی طریقہ کار کو جگہ دی اور عقل و برہان پر تکیہ کیا۔ اس تحریک نے سید احمد خان کے منظر عام پر آنے سے تقریباً پچاس برس قبل جنم لیا تھا۔ 19ویں صدی کے وسط میں صنعتی دور کی ابتداء کے ساتھ ہندوستان میں انسانی حقوق کا نعرہ بلند ہوا۔ سرکاری ملازمتوں میں ہندوؤں نے اپنا حصہ مانگا تب بھی ایک نئی مذہبی تحریک 'آریہ سماج' (بانی: سوامی دیانند سرسوتی) نے سر اٹھایا۔ یہ دراصل عیسائیت اور اسلام کے مسلسل اثرات کا ردِعمل تھا اور نوعیت کے اعتبار سے مذہبی، قومی، اصلاحی اور انقلابی تحریک تھی۔

آریہ سماج تحریک نے ہندومت کو جدید تر سیاسی اور معاشرتی رجحانات سے ہم آہنگ کر دیا اور یوں مغل حکومت (تقریباً سات سو برس) اور اب برطانوی حکومت کے زمانے میں کچلی ہوئی ہندو آوازوں کو اپنے حقوق کے مطالبے پر یکجا کر دیا۔ اس تحریک کی کامیابی کا باعث ہندو سرکاری ملازمین کا بڑا طبقہ تھا، جو وقت کے تقاضوں پر پوری اترنے والی اس تحریک کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا تھا۔

اس تحریک کی کامیابی نے عیسائیت کے پرچار پر نہ صرف بند باندھے بلکہ مسلمانوں کے لئے مذہبی، سیاسی اور سماجی سطح پر ایک بڑا چیلنج بن کر ابھری۔ اس چیلنج کا مقابلہ مولانا محمد علی جوہر (خلافت تحریک) اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے اپنے اپنے طریقہ کار کے تحت کیا۔

عیسائیت اور آریہ سماج تحریک کے ساتھ اس دوطرفہ جنگ میں جہاں مرزا غلام احمد نے دلیل و براہین کو اپنا ہتھیار بنایا اور خلافت تحریک نے نیا جوش و ولولہ پیدا کیا، وہیں پیر مہر علی شاہ نے اپنی اصلاحی تحریک میں تصوف کا سہارا لیا۔

پیر مہر علی شاہ کے سیاسی نظریات جاننے کو مولانا حامد علی خان کا بیان کردہ ایک مختصر واقعہ اپنے الفاظ میں نقل کرتا ہوں:

بقول مولانا حامد علی خاں: ''یہ ان دنوں کی بات ہے جب تحریک خلافت اپنے عروج پر تھی اور مولانا ظفر علی خاں 1920ء میں پنجاب، خصوصاً پوٹھوہار کے علاقے میں عوام رابطہ مہم پر نکلے تھے۔

مولانا نے جس روز پیر مہر علی شاہ صاحب سے ملاقات کا وقت چاہا، وہ جمعہ کا دن تھا اور پیر صاحب معمول کے مطابق نماز جمعہ کے بعد تصوف کے دقیق موضوعات پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں ایک کھلی جیپ پر گولڑہ پہنچے۔ ان کے آنے کی اطلاع پیر صاحب کو بہت پہلے کر دی گئی تھی لیکن پیر صاحب نے اپنا خطبہ جاری رکھا۔ مولانا ظفر علی خان نے دوبارہ اطلاع کروائی، تب بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ یہ دیکھ کر مولانا نے ایک اونچے مقام پر چڑھ کر باآواز بلند مجمع کو مخاطب کر کے تحریک خلافت سے متعلق مجمع سے تائید چاہی۔ اس پر پیر صاحب نے فرمایا کہ: ''اے مسلمانوں یہ دنیاداری کے معاملات ہیں، ان سے درگزر کرو اور میری باتیں توجہ سے سنو۔

پیر صاحب نے اپنے خطبہ کو طول دے دیا اور مولانا واپس ہو لئے۔''

مولانا حامد علی خاں (مدیر'ہمایوں') نے یہ واقعہ بمقام پاک ٹی ہاؤس حلقہ ارباب ذوق (ادبی) لاہور کے خصوصی اجلاس: ''ظفر علی خاں کی یاد میں'' (1974ء) میں سنایا اور فرمایا کہ میرے بڑے بھائی صاحب، مولانا ظفر علی خاں، مجھ سمیت دیگر ساتھیوں کے ساتھ 1920ء میں راولپنڈی سے گولڑہ گئے تھے۔ اُس وقت میں انیس برس کا لڑکا تھا اور مولانا محض سیر کروانے مجھے ساتھ لے گئے تھے۔

اس واقعہ کا ذکر ''مہر منیر'' از فیض احمد فیض کے باب پنجم کی فصل سات میں موجود ہے، لیکن اُس میں اس اہم واقعہ کی شدت

کو کم کر دیا گیا ہے، ملاحظہ ہو:

مولوی ظفر علی خاں کی حاضری

''پنجاب کے سیاسی لیڈر اور روزنامہ 'زمیندار' کے فاضل مدیر مولوی ظفر علی خان 1920ء میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے ساتھ خلافت اور ہجرت کے موضوع پر گفتگو کے لئے گولڑہ شریف حاضر ہوئے۔ صبح کا وقت تھا۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ، جناب حضرت اجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر موجود تھے۔ مولوی ظفر علی خان خلافت، ہجرت، ترکوں کے خلاف عربوں کی بغاوت، شریف مکہ کا انگریزوں کے ساتھ گٹھ جوڑ اور ہندو کانگریس کے ساتھ تعاون کی ہنگامی ضرورت وغیرہ مسائل پر بولتے رہے۔ مگر جب حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے شرع شریف کی روشنی میں ان معاملات پر اپنا مسلک بیان فرمایا تو خاموش رہ گئے۔ اور کوئی مزید بات نہ کر سکے۔'' (ص: 277)

ظاہر ہے اس باب میں مولانا حامد علی خاں کے بیان کو چشم دید گواہ ہونے کے حوالے سے فوقیت حاصل ہے۔

بقول مولانا حامد علی خان:

''ایسی ہی صورتِ حال اس وقت پیش آئی جب مولانا ابوالکلام آزاد نے راولپنڈی پہنچ کر پیر صاحب سے ملاقات کے لئے وقت چاہا۔ ابوالکلام آزاد نے فلیش مین ہوٹل راولپنڈی سے پیر صاحب کو جو رقعہ بھجوایا تھا وہ عربی زبان میں تحریر کردہ تھا۔ جواب میں پیر صاحب نے خط میں برتی گئی عربی زبان اور محاورے کی اغلاط کی نشاندہی کرتے ہوئے اسی خط کی پشت پر یہ لکھ کر لوٹا دیا کہ زبان و بیان کی اس قدر غلطیاں کرنے والا 'ابوالکلام' کیوں کر ہوسکتا ہے؟

اس واقعہ کا ذکر 'مہر منیر' میں یوں کیا گیا ہے:

''انہی دنوں مولوی ابوالکلام آزاد کا ایک مضمون شائع ہوا اور حضرت کی نظر سے گزرا۔ جس میں آیت کریمہ ذیل کی تشریح میں لکھا تھا کہ میں خلافت کی تحریک اور ہندو مسلم اتحاد کے معاملہ میں بصیرت پر ہوں۔

''کہہ دو میرا اور میرے تابعداروں کا بصیرت کے ساتھ یہ راستہ ہے کہ میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلا رہا ہوں۔''

(سورۃ یوسف 108)

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے مولوی ظفر علی خان کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے مجلس میں اپنے موجودہ متعلقین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ بعض لوگ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مدعی ہیں کہ وہ ان معاملات میں بصیرت پر ہیں۔ لیکن اگر کوئی سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں بصیرۃ کو نکرہ کیوں کہا ہے اور معرفہ (البصیرۃ) کیوں نہیں فرمایا تو اس کی وجہ بیان نہیں کر سکیں گے۔ حضرت کے ایک مخلص مولانا عبدالغفور ہزاروی مرحوم بیان کرتے تھے کہ میں کچھ عرصہ تک بعض قومی تحریکوں میں مولوی ظفر علی خان کے ساتھ کام کرتا رہا ہوں۔ انہوں نے ایک روز مجھے بتایا تھا کہ جب میں گولڑہ شریف سے راولپنڈی واپس پہنچا تو وہاں مولوی ابوالکلام آزاد کو بھی خلافت و ہجرت کے موضوعات پر گفتگو کی غرض سے گولڑہ شریف جانے کے لئے تیار پایا۔ میں نے حضرت پیر صاحب کے مندرجہ بالا ارشاد کا ذکر کرتے ہوئے ان سے کہا کہ اگر بصیرۃ کے نکرہ یا معرفہ ہونے کا جواب معلوم ہے تو بیشک جایئے۔ چنانچہ آزاد صاحب نے جانے کا ارادہ ترک کر دیا

اور واپس چلے گئے۔"

("مہر منیر" ص: 277 سے اقتباس)

مولانا عبدالغفور ہزاروی صاحب کو شاید یہ معلوم نہ ہو کہ مولانا ابوالکلام آزاد کی پیدائش ہی مکہ معظمہ کی تھی اور وہ اتنی عربی تو یقیناً جانتے تھے کہ 'بصیرۃ' کی جگہ 'البصرۃ' کیوں نہیں رکھا گیا۔ بہر طور، اختلاف رائے کا حق سب کو حاصل ہے۔ یہ الگ بات کہ پیر مہر علی شاہ صاحب کے اس رویہ کے خلاف تحریک خلافت سے متعلق شعراء نے ہجویہ اشعار کہے، 'زمیندار' اور 'کامریڈ' کے علاوہ تحریک خلافت کے حامی اخبارات نے مذمت کی۔ یہاں تک کہ تحریک خلافت سے جڑے علماء و مشائخ کی بہت بڑی تعداد نے پیر مہر علی شاہ صاحب کے خلاف بیانات دیئے، ان میں پیر صاحب کے مرید خاص حکیم شمس الدین وزیر آبادی بھی شامل تھے۔

تحریک خلافت سے متعلق محولہ بالا دو واقعات اس زمانے کے مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی نظریات کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں اور اگر مولانا محمد علی جوہر کی گرفتاری اور خالق دینا ہال، کراچی میں اُن پر چلائے جانے والے مقدمے کی اخباری رپورٹ پر ایک نظر ڈالی جائے تو صورت حال واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔ "نگار" دہلی بابت: اکتوبر 1979ء کے مطابق دورانِ مقدمہ مولانا محمد علی جوہر نے ایک پرزے پر یہ شعر لکھ کر مشہور شاعر مصطفیٰ زیدی کے والد ڈی۔ ایس۔ پی الہ آباد سیّد لخت حسنین زیدی کو تھما دیا:

محمد کا دشمن علی کا عدو
نہ کہہ اپنے کو لخت حسنین تو

کچھ دیر بعد سیّد لخت حسنین زیدی نے بھی ایک شعر جواب میں لکھ کر مولانا کو دیا:

علی اور محمد سے کیا تجھ کو کام
تو کر اپنے گاندھی کی حجت تمام

واضح رہے کہ سیّد لختِ حسنین زیدی نے محمد علی جوہر کو گرفتار کیا اور انھیں اپنے ساتھ خالق دینا ہال، کراچی لائے تھے۔

اِس سے پتا چلتا ہے کہ مسلمان دو واضح دھڑوں میں بٹ کر سامنے آئے تھے۔ ایک وہ جو خلافت تحریک کو مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز سمجھ رہے تھے اور دوسرے وہ جو اسلامی تاریخ کی اس اہم تحریک کو محض گاندھی جی کے اشارے پر ہلکان ہونا خیال کرتے تھے۔

جناب احمد رضا بریلوی نے برطانوی سامراج کی پیدا کردہ خرابیوں، خصوصاً ظاہر دین کو باطنی دین سے جدا کر دینا، روحانیت کی جگہ مادیت کا نفوذ اور تنقیص رسالت کا توڑ کرنے کا جتن کیا۔

یوں مجدد الف ثانی سے سر سیّد احمد خاں، مرزا غلام احمد، پیر مہر علی شاہ صاحب اور احمد رضا بریلوی صاحب جیسی تاریخ ساز اہم شخصیات سے چلتے چلاتے ابوالاعلیٰ مودودی اور غلام احمد پرویز تک مغربی اثرات اور عیسائیت کے اثر و نفوذ کے توڑ کے طور پر ہندوستان میں مختلف طریقہ ہائے کار اپنائے جا چکے ہیں۔ ان شخصیات اور تحریکوں کا مطالعہ صرف مذہبیات کے میدان میں ہی نہیں بلکہ عملی سیاست اور ادبیات کے شعبوں میں بھی خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔

ادبی سطح پر ہندوستانی ادیب ایک عجیب وغریب کشمکش کا شکار دکھائی دیتا ہے۔ محمد حسن عسکری لکھتے ہیں:

''ایک گروہ کہتا ہے کہ انگریزوں کی ریل اچھی تو ان کا ادب بھی اچھا، اور انکے ادبی اصول بھی اچھے، اس لئے حالی، اب آؤ پیرویٔ مغرب کریں۔ اس گروہ کی ایک اور شاخ ہے جس میں آپ چاہیں تو مجھے بھی شامل کر لیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ انگریزوں کی ریل نے ہمیں بھی آدھا تہائی انگریز تو بنا ہی دیا ہے، اس لئے مستقل یا عارضی طور پر انگریزوں کی ادبی اقدار تو قبول کرنی ہی پڑیں گی۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ہم انگریزوں کی ریل میں تو ضرور بیٹھے ہیں، لیکن ہیں تو وہی موچی کے موچی، اس لئے سید بننے کی کوشش کیوں کریں، اپنے گزارے کے لئے تو ابن رشیق ہی کافی ہے۔ تیسرا گروہ دراصل کچھ بھی نہیں کہتا۔ مسلمان سے اللہ اللہ کہتا ہے۔ برہمن سے رام رام۔ البتہ دوسروں کو مشورہ دیتا ہے کہ نہ مشرق سے بیر باندھو نہ مغرب سے، جہاں جو چیز اچھی ملے بے دھڑک لے لو۔ یہ مشورہ تو معقول ہے، مگر ساری پریشانی تو یہی ہے کہ اچھی چیز اور بری چیز کا فیصلہ کیسے ہو۔''

(''وقت کی راگنی'' طبع اوّل: 1979ء، ص:7)

اور اس بات کا فیصلہ تا حال نہیں ہو سکا کہ کون سچا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ 19ویں صدی عیسوی کے نصف آخر اور 20ویں صدی کے نصف اوّل میں ہم مشرق اور مغرب کے درمیان بری طرح ڈگمگاتے پھرے۔ اس ضمن میں محض چند نامور ادباء کے کاموں کا سرسری جائزہ ہی ساری حقیقت کھول کر بیان کر دیتا ہے۔ مثلاً محمد حسین آزاد، ڈاکٹر گلکرسٹ کی ادبی مساعی سے سخت خوفزدہ ہیں لیکن آخری عمر میں ایڈیسن، اسٹیل اور ڈاکٹر جانسن کے مضامین کے تراجم (نیرنگ خیال) پر اُتر آتے ہیں۔ مولانا نذیر احمد دہلوی، ابن الوقت، میں سیّد احمد خان کا مضحکہ اڑاتے ہیں اور خود انگریزی 'انکم ٹیکس ایکٹ' (60-1859ء) 'مجموعۂ قوانین تعزیرات ہند' مرتبہ: جارج اسمولٹ فیکس مطبوعہ: نولکشور لکھنؤ 1863ء)، ''اصلاح ترجمہ ضابطۂ فوجداری''، ''سماوات'' اور ایڈورڈ ہفتم کی تاج پوشی کے موقع پر 'تاریخ دربار تاج پوشی' کا ترجمہ کرتے ہیں۔ عبدالحلیم شرر کو سر والٹر اسکاٹ کا ناول 'طلسمان' پڑھ کر غصہ بھی آتا ہے اور اسکاٹ کی راہ پر بھی چلتے ہیں، حتیٰ کہ یہ سلسلہ مولانا ظفر علی خاں کے تراجم تک آ نکلتا ہے۔

پنڈت رتن ناتھ سرشار، لکھنؤ یعنی مشرق کے نمائندہ تھے لیکن ان کا زیادہ تر کام ترجمہ یا ماخوذ ہے۔

رتن ناتھ سرشار کا ''شمس الضحیٰ'' 1878ء میں نولشکور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اس ترجمے پر حکومت ممالک متحدہ اودھ کے شعبۂ تعلیم نے ان کی تعریف اور ہمت افزائی کی تھی۔ سائنس سے متعلق اس رسالہ پر تبصرہ کرتے ہوئے 1904ء میں چکبست نے لکھا تھا:

''1878ء میں ایک علم طبعی کی کتاب کا اردو میں انگریزی سے ترجمہ کیا۔ اس میں ابر وہوا و برف وغیرہ کی ماہیت کا حال درج ہے، چونکہ اس کے ہر صفحے میں تحقیقات کا علمی نور سمایا ہوا تھا لہٰذا نام 'شمس الضحیٰ' رکھا۔ ایسے ادق مضامین کا بیان جن کا نقشہ اتارنے کے لئے اردو میں پورے الفاظ بھی موجود نہیں، نہایت عام فہم اور سلیس عبارت میں لکھا ہے۔''

(''مضامین چکبست''، ص: 35)

اس کتاب میں رتن ناتھ سرشار نے سائنس کی انگریزی اصطلاحات کو اردو کا جامہ بڑی خوبی سے پہنایا گیا ہے۔

''فسانہ آزاد'' پہلی بار 1880ء میں مطبع نولکشور لکھنؤ سے شائع ہوا اور آخری ایڈیشن 1934ء میں سرسوتی پریس، بنارس نے 1947ء میں اس کا خلاصہ بعنوان ''آزاد کتھا''، دیوناگری رسم الخط میں شائع کیا تھا۔ ''فسانۂ آزاد'' (چار جلدیں) سروانٹس کے ''ڈان کیخوتے'' کا ترجمہ ہے۔ لیکن اس طرح کہ میاں خوجی Sancho Panza اور آزاد، ڈان کیو، کا چربہ ہیں۔ ''خدائی فوجدار'' 1903ء میں مطبع نولشکور لکھنؤ نے ہی شائع کیا جسے 'Don Quixate' کا ترجمہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس ناول میں سرشار نے ڈان کیو کا نام خدائی فوجدار اور سینکو پنزا کا نام بدھونفر رکھا ہے۔ تا حال یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ سرشار نے 'ڈان کیخوتے' کے کس انگریزی ترجمہ کو بنیاد بنایا، البتہ سرشار کے ہاں لکھنؤ کی زبان اور سماجی خصوصیات ملتی ہی۔ ''خدائی فوجدار'' کا 1934ء کا نولکشوری ایڈیشن آج بھی دستیاب ہے۔

''رنگیلے سیار'' مطبوعہ نول کشور پریس 1906ء سرشار کی مستقل علاحدہ تصنیف نہیں ہے محض پندرہ صفحات (بغدادی قاعدہ سائز) پر مشتمل ''فسانۂ آزاد'' کی جلد اوّل کا خلاصہ ہے۔ سرشار کے دیگر تراجم میں میکنزی کا سفرنامہ، اعمال نامۂ روس، لارڈ ڈفرن کے ''مکاتیب ڈفرینہ''، (غیر مطبوعہ) ویلس کا ترجمہ ''رشیا'' (غیر مطبوعہ)، راسٹن کی کتاب کا ترجمہ ''اخلاق'' (مطبوعہ 1889ء) اور ''از عالم بالا'' مطبوعہ: 1889ء) یادگار ہیں۔

محمد حسین آزاد کی کتاب 'نیرنگ خیال' (اوّل ایڈیشن مفید عام پریس لاہور 1880ء) کی پہلی جلد کی دونوں طباعتوں کے شروع میں فہرست مضامین کے بعد انتساب لیپل گریفن، سیکرٹری پنجاب کے نام درج ہے، جو بعد کے ایڈیشنوں میں حذف کر دیا گیا۔ یہی انتساب طبع اوّل کے اختتام کے بعد الگ ورق پر یوں درج ہے:

"To

Lepel H. Griffin, Esq; c,s; c.s.i,

This Volume is respectfully Dedicated".

سرورق کی پشت پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے:

Gems From West and East

Or

The Land of Fact and Fancy;

Being

A series of allegorical and other essays based on the "Rambler" and "Spectator" and on Oriental love.

Maulvi Muhammad Hussain Azad,

(Professor of Arabic, Government College, Lahore).

Lahore. Printed at the Mufid-i-Am Press, 1880".

اس اعتراف کے بعد ڈاکٹر محمد صادق کا یہ انکشاف یقیناً بے معنی ہو جاتا ہے کہ یہ مضامین سوائے 'شہرت عام اور بقائے دوام کا

دربار کے انگریزی سے ترجمہ شدہ ہیں۔ لیکن چونکہ ڈاکٹر محمد صادق سے پہلے اصل انگریزی متن کا حوالہ کسی اور محقق نے نہیں دیا اس لئے صادق صاحب کی اوّلیت اس باب میں بہر طور پر قائم ہے۔ (دیکھیے: محمد حسین آزاد: حیات و کارنامے' مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی انگریزی، ص:68)

''نیرنگ خیال'' (حصہ اوّل و دوم) میں شامل سات مضامین، ڈاکٹر جانسن، چار مضامین ایڈیسن اور ایک مضمون پارنیل کے مضامین کے ترجمے ہیں۔

محمد حسین آزاد خود لکھتے ہیں:

''یہ چند مضمون جو لکھے ہیں، کہہ نہیں سکتا کہ ترجمہ کیے ہیں، ہاں جو کچھ کانوں نے سنا اور فکر مناسب نے زبان کے حوالے کیا، ہاتھوں سے اسے لکھ دیا، اب حیران ہوں کہ نکتہ شناس اسے دیکھ کر کیا سمجھیں گے۔''

(دیباچہ سے اقتباس)

جس طرح عمومی سطح پر محولہ بالا سرورق کی پشت پر دی گئی انگریزی تحریر پر غور نہیں کیا گیا اور ایک زمانے تک لوگ 'نیرنگ خیال' کے مضامین کو طبع زاد تصور کرتے رہے، اسی طرح دیباچہ سے مندرجہ بالا حصے پر بھی غور نہیں کیا گیا۔ کتاب کا گریفن صاحب کے نام معنون ہونا محض ایک افسر اور انجمن کے منشی کا 'تعلق خاطر' سمجھنا مناسب نہیں۔ اگر غور کیا جائے تو مندرجہ بالا دیباچے کی سطور اس حقیقت پر دال ہیں کہ گریفن صاحب نے 'اسپکٹیٹر' اور 'ریمبلر' (مرتب: ڈاکٹر سیموئل جانسن) کے مختلف پرچوں سے محمد حسین آزاد کی سہولت کے لئے مضامین پڑھ کر سنائے، 'اسپکٹیٹر' اور 'ریمبلر' کے مختلف پرچوں کی فراہمی کا کام کرنل ہالرائیڈ نے انجام دیا، اور آزاد نے (بقول اُن کے) جو کچھ کانوں نے سنا اور فکر مناسب نے زبان کے حوال کیا، ہاتھوں سے اُسے لکھ دیا'

یہ خیال اس لئے بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ محمد حسین آزاد کی انگریزی سے شدبد واجبی سی تھی۔ چہ جائیکہ وہ 'اسپکٹیٹر' اور 'ریمبلر' جیسے برطانوی رسائل کا مطالعہ خود کرتے اور ڈاکٹر جانسن کی فکر محض کی زبان سمجھتے اور اسے اردو میں منتقل کرنے پر قادر ہوتے۔

البتہ سن کر ترجمہ کرنے کی روایت اس سے پہلے نہیں ملتی۔ فورٹ ولیم کالج کے مترجمین/منشیوں کے ہاں یہ صورت ضرور دیکھنے میں آتی اگر فورٹ ولیم کالج میں انگریزی سے اردو ترجمے کی طرف توجہ دی جاتی۔ خود پڑھ کر جیسے تیسے ترجمہ کرنے کا سلسلہ محمد حسین آزاد کے زمانے تک خاصا پرانا ہو چکا تھا۔ سیرام پور میں بائبل اور اناجیل کے اردو تراجم، دہلی کالج اور سائنٹیفک سوسائٹی غازی پور کے تراجم اس کی اوّلین امثال ہیں۔ نیرنگ خیال تو 1880ء میں شائع ہوئی ہے اور اس وقت ترجمے کی روایت خاصی مستحکم ہو چکی تھی۔ پھر آخر یہ کون سا 'طرز' تھا جس کی طرف محمد حسین آزاد نے اشارہ کیا ہے؟ ملاحظہ ہو:

''طبیعتیں رستے سے آشنا نہیں۔ سبب یہ کہ ملک میں ابھی اس طرز کا رواج نہیں۔ خیر آزاد ناامید نہ ہونا چاہیے۔''

(دیباچہ سے اقتباس)

صاف ظاہر ہے کہ سن کر ترجمہ کرنے کو اس 'طرز' خاص کا نام دیا گیا۔

اب دیباچہ سے چند ایک سطور ملاحظہ ہوں:

''اے جوہر زبان کے پرکھنے والو! میں زبان انگریزی میں بالکل بے زبان ہوں اور اس ناکامی کا مجھے بھی افسوس ہے۔ اردو کے میدان میں بھی سوار نہیں پیادہ ہوں، اس لئے یہاں بھی درماندہ ہوں۔ پھر بھی بوالہوی دیکھو کہ شہسواروں کے ساتھ دوڑنے کو آمادہ ہوں۔ جتنا نالائق ہوں اتنا ہی زیادہ شائق ہوں۔ دل سے لاچار ہوں کہ باوجود موانع مذکور کے، جو لطف طبیعت کو بعض مضامین انگریزی سے حاصل ہوا، نہ چاہا کہ اپنے پیارے اہل وطن کو اس میں شامل نہ کروں۔''

(دیباچہ سے اقتباس)

اب تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ محولہ بالا بیانات کی موجودگی میں آزاد کی انگریزی زبان سے ناآشنائی کو محض اُن کا عجز و انکسار ہی کیوں سمجھا جاتا ہے؟ جیسا کہ ''نیرنگ خیال'' (ستمبر 1972ء) کے مرتب ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے خیال کیا۔

میری گذارشات کی تصدیق محمد حسین آزاد کے ایک ہندو شاگرد پنڈت شونرائن کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"The professor (Azad) was very fond of extracting Western ideas from English-knowing pupils, and clothing them in his own happy and felicitous words, of which he was unquestionably an unrivalled master."

(A History of Govt. College Lahore, P.31)

واضح رہے کہ پنڈت شونرائن عین اُس زمانے میں محمد حسین آزاد کے شاگرد تھے جب آزاد 'نیرنگ خیال' میں شامل مضامین کو اردو کا جامہ پہنانے میں ہمہ تن مشغول تھے۔ شونرائن نے کالج میں 1876ء میں داخلہ لیا تھا۔ آگے چل کر ایڈووکیٹ چیف کورٹ لاہور ہوئے۔

ڈاکٹر محمد صادق نے اپنے تحقیقی مقالے میں شیخ عبدالقادر کے ایک انگریزی لیکچر (1898ء) کا حوالہ بھی دیا ہے۔ شیخ عبدالقادر کے مطابق:

''جہاں تک میرا علم مدد کرتا ہے، ٹھیٹھ یونانی نمونے پر سب سے پہلے تمثیل لکھنے کا اعزاز آزاد ہی کو حاصل ہے۔ میں نے سنا ہے اور غالباً یہ درست بھی ہے کہ مصنف کو اس تصنیف کا خاکہ ڈاکٹر لائٹنر ہی سے ملا تھا۔''

(بحوالہ: 'محمد حسین آزاد: حیات و کارنامے' از ڈاکٹر محمد صادق)

گو ڈاکٹر اسلم فرخی اس خیال کو غلط ثابت کرتے ہیں۔ ان کے مطابق آزاد اور ڈاکٹر لائیٹنر کے تعلقات 1871ء میں خراب ہو گئے تھے اور جیسے جیسے وقت گزرا کشیدگی بڑھتی گئی، لیکن اس بات سے انکار کیسے ممکن ہے کہ کرنل ہالرائیڈ نے بھی مدد نہیں کی ہو گی اور لیپل۔ ایچ گریفن نے بھی؟

نذیر احمد دہلوی کا انگریزی سے اوّلین ترجمہ 'انکم ٹیکس ایکٹ' (مطبوعہ: 60-1859ء) ہے جو سر ولیم میور کی خواہش اور میر ناصر علی کی سفارش پر نذیر احمد دہلوی نے بعنوان 'ترجمہ قانون انکم ٹیکس' بابو شو پرشاد کے ساتھ مل کر کیا۔

نذیر احمد دہلوی 1860ء میں انڈین پینل کوڈ کے مترجمین کے عملے میں شامل ہوئے اور 'مجموعۂ قوانین تعزیرات ہند' کے اٹھارویں باب سے ترجمے کا کام شروع کیا۔ ترجمہ مکمل ہو جانے پر نظر ثانی کا فریضہ بھی انجام دیا اور حکومت کے ایماء پر لکھنؤ میں رہ کر اس کی طباعت میں نگرانی کی اور مطبع نولکشور پریس سے شائع کروایا۔

'اصلاح ترجمہ ضابطۂ فوجداری' (مطبوعہ: گورنمنٹ گزٹ 1861ء) دراصل ''تعزیرات ہند'' کا ایک ضمیمہ ہے۔ نذیر احمد دہلوی نے حکومت کے ایماء پر اس ترجمے کی اصلاح کا فریضہ انجام دیا۔ ''سماوات'' (مطبوعہ 1872ء) علم ہیئت کی ایک کتاب "The Heaven' کا ترجمہ ہے، انگریزی کتاب لے پوئرون کی تھی اور اس کی فرمائش پر نذیر احمد دہلوی نے ترجمہ بھی کیا، لیکن اس کتاب کو ترجمہ در ترجمہ کہنا چاہیے۔ اس لئے کہ اصل کتاب فرانسیسی زبان میں ہے اور اس کے مصنف کا نام الیگزینڈر گوئلے مِن (A'Guillemin) ہے۔

''تاریخ دربار تاج پوشی'' کے انگریزی سے ترجمے کا ابتدائی کام مرزا فرحت اللہ بیگ اور ڈاکٹر دانی نے سرانجام دیا (بحوالہ: ''نذیر احمد کی کہانی، کچھ ان کی کچھ میری زبانی'') یہ کتاب ایڈورڈ ہفتم کے جشن تاج پوشی کی یادگار ہے۔ اس سلسلے میں وائسرائے و گورنر جنرل ہند نے دہلی میں ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا تھا۔ سر اسٹیفن وہیلر نے حسب الحکم گورنر جنرل، دربار مذکور کے مفصل حالات/ روداد انگریزی زبان میں مرتب کی اور حکومت ہند کے ایماء پر اسے نذیر احمد دہلوی نے اپنے دو شاگردوں کی مدد سے ترجمہ کیا۔ یہ کتاب پہلی بار 596 صفحات کی ضخامت میں نولکشور پریس لکھنو سے 1903ء میں شائع ہوئی۔

جہاں تک نذیر احمد دہلوی کے ناولوں کا معاملہ ہے تو اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد صادق کا ایک مضمون: ''نذیر احمد۔ ایک جائزہ'' ایک زمانے میں چونکا دینے والے انکشافات کا باعث بنا تھا۔

مضمون سے اقتباس ملاحظہ ہو

> ''نذیر احمد نے اس ناول (بنات النعش) میں ٹامس ڈے کی کتاب 'ہسٹری آف سینڈفورڈ اور مرٹن' کا چربہ اتارا ہے۔ ٹامس ڈے اٹھارویں صدی کا ایک انگریز مصنف تھا اور اس کی یہ تصنیف اس ادب میں جو نوعمروں کے لئے لکھا جاتا ہے، امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ گورنر جنرل کے ایجنٹ مقیم بنارس کے ایما پر بابو شو پرشاد نے 1855ء میں اس کا اردو میں ترجمہ کیا۔ ترجمہ نہایت سلیس اور سلجھا ہوا ہے، اور یہ کتاب مدت تک نصاب تعلیم میں داخل رہی۔ جس طرح بارلو، ہیری ٹامی کو قصے کہانیوں کی مدد سے اخلاقیات، سائنس، جغرافیہ، تواریخ، حساب وغیرہ کی تعلیم دیتے ہیں، بالکل اسی طرح نذیر احمد کی کہانی میں استانی، اصغری اور محمودہ، حسن آرا کو سینا پرونا، کھانا پکانا، تاریخ، جغرافیہ اور سائنس وغیرہ کی تعلیم دیتی ہیں اور عام معلومات اور دوسرے ملکوں کے حالات سے آگاہ کرتی ہیں۔ معلومات میں اضافہ اور اخلاقی تعلیم کے لئے ڈے، قصے کہانیاں استعمال کرتا ہے۔ یہی حال نذیر احمد کا ہے 'توبۃ النصوح' تمام تر ایک انگریزی ناول سے ماخوذ ہے۔ دونوں ناولوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ نذیر احمد کے افسانے میں نصوح کو بیماری کے دوران میں اصلاح خاندان کا خیال آتا ہے، انگریزی افسانے میں بچوں کی بے دینی کا سبب ایک لامذہب استاد ہے۔ بیٹوں کی بے راہ روی دیکھ کر باپ کو ان کی اصلاح کا خیال آتا ہے۔ باقی دونوں افسانے بالکل ایک ہیں۔''
>
> (''ماہِ نو'' کراچی، مئی 1951ء)

نذیر احمد کی کتاب ''مصائب غدر'' ولیم اوداردس کے 1857ء کے روزنامچے کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب پہلی بار نولکشور پریس لکھنؤ سے 158 صفحات کی ضخامت میں 1896ء میں شائع ہوئی۔

عبدالحلیم شرر کی تاریخی ناولوں کی تمام تر عمارت سر والٹر اسکاٹ، الگزینڈر ڈوما، وکٹر ہیوگو اور رچرڈسن کی بنیادوں پر کھڑی ہے۔ ہمارے بیشتر ناقدین فن نے شرر کے ناولوں کو اسکاٹ اور رچرڈسن کے اقوال کا ہو بہو چربہ ثابت کیا ہے۔ جبکہ باقاعدہ ترجمہ کے باب میں ولیم۔ ایم رینالڈس کے ایک ناول کا ترجمہ شرر نے 'خوبیِ قسمت' کے نام سے کیا۔ البتہ نذیر احمد دہلوی کی تمثیلوں اور عبدالحلیم شرر کی ناولوں کا تقابلی مطالعہ نذیر احمد کی تحریروں کو تمثیل اور شرر کی تحریروں کو باقاعدہ ناول ثابت کرتا ہے۔ یوں شرر ہمارے اوّلین ناول نگار ٹھہرتے ہیں۔

مرزا رسوا نے 1884ء میں دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، دکن کے لئے انگریزی سے ''رسالہ اصول علم کیمیا'' ترجمہ کیا اور یہیں سے مرزا رسوا کی تصنیفی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ اس کتاب کے طبع ہونے سے قبل افلاطون اور ارسطو کے اردو میں تراجم کے باعث بھی نمایاں تھے اور دیکھا جائے تو ان کی زندگی کا آخری دور بھی دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے لئے فلسفہ سے متعلق کتب کا ترجمہ کرتے گزرا۔ گویا مرزا رسوا کی علمی/تصنیفی زندگی ترجمے سے آغاز ہوئی اور ترجمے پر ہی ختم ہوئی۔ مرزا رسوا کے مندرجہ ذیل انگریزی تراجم یادگار ہیں۔

1۔ 'رسالہ اصول علم کیمیا' برائے دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، دکن۔ 1884ء

2۔ 'حکمت الاشراق' (فلسفہ) ایضاً 1925ء۔

3۔ 'مبادی علم النفس' (جی۔ایف۔ اِسٹوٹ) ایضاً س۔ن

4۔ 'بنی آدم' (اسٹوٹ جیمس) ایضاً س۔ن

5۔ 'مفتاح المنطق' (ایچ۔ڈبلیو۔ بی جوزف) ایضاً س۔ن

6۔ 'اخلاق نقوماجس' (اسطاطالیس) ایضاً 1931ء

7۔ 'خونی مصوّر' (ناول) میری کوریلی کے انگریزی ناول کا ترجمہ 1919ء

8۔ 'خونی عاشق' (ناول) ایضاً 1920ء

9۔ 'خونی بھید' (ناول) میری کوریلی کے انگریزی ناول کا ترجمہ 1924ء

10۔ 'خونی جورو' (ناول) ایضاً 1928ء

11۔ 'بہرام کی رہائی' (ناول) س۔ن

آخرالذکر ناول کے بارے میں ڈاکٹر ظہیر فتح پوری ''رسوا کی ناول نگاری'' مطبوعہ: راولپنڈی طبع اوّل: اپریل 1970ء میں لکھتے ہیں:

> ''پلاٹ غالباً کسی انگریزی ناول سے ماخوذ ہے لیکن کرداروں اور مقامات کے نام ہندوستانی ہیں۔ سرورق پر 'مرتبہ مرزا رسوا' تحریر ہے۔'' (ص: 398)

بے شک ''بہرام کی رہائی'' ماخوذ و ترجمہ ہے، لیکن کسی انگریزی ناول کا نہیں بلکہ مارس لبلانک کے فرانسیسی ناول کا، انگریزی کی معرفت ترجمہ ہے۔

ڈاکٹر میمونہ انصاری نے مرزا رسوا پر اپنے پی ایچ۔ ڈی کے تحقیقی مقالے میں 'طلسمات' نامی ایک ناول کو ناولوں کے متذکرہ بالا تراجم میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

''یہ ان تراجم میں سے ہے جو بہت مشہور ہیں'' (ص 44)

جبکہ ڈاکٹر ظہیر فتح پوری کے نزدیک اُن کا یہ خیال درست نہیں۔ نہ اس نام کا کوئی ناول مرزا رسوا نے ترجمہ کیا اور نہ اس کی شہرت ہوئی۔ بقول ظہیر فتح پوری: جناب عبدالماجد دریا بادی، علی عباس حسینی اور پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب (جو مرزا رسوا کی شخصیت و تصانیف پر سند کا درجہ رکھتے ہیں) نے بھی اس کتاب سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے جبکہ سردار خشونت سنگھ اور ایم۔اے حسینی نے ''امراؤ جان ادا'' کے انگریزی ایڈیشن میں مرزا رسوا کی تصانیف کی جو فہرست دی ہے، اس میں بھی اس ناول کا کوئی حوالہ موجود نہیں۔ ڈاکٹر ظہیر فتح پوری نے صحیح کہا، خود مجھے یہ کام کرتے ہوئے ''طلسمات'' کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

19ویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے لے کر 20ویں صدی عیسوی کے نصف اوّل تک ہندوستانی ادیب جس ذہنی کشمکش کا شکار دکھائی دیتا ہے اس کی اوّلین مثال سید احمد خان کی شخصیت تھی۔ اس کے باوجود کہ نذیر احمد دہلوی کی تقریریں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی دلکشی کا سب سے بڑا سبب تھیں لیکن نذیر احمد دہلوی نے اپنے تمثیلی قصوں میں جابجا اس ذہنیت پر طنز کے تیز چلائے ہیں، جس کی ترویج کا سبب سیّد احمد خان کی ذات تھی۔ ''ابن الوقت'' میں کھل کر سید احمد خان کے نظریہ تعلیم کی مخالفت کی اور مغرب پرستی کا مذاق اڑایا۔ مثال کے طور پر ابن الوقت کے گھرانے کا قلعہ سے تعلق، وظائف میں دلچسپی، ایامِ غدر میں انگریزوں کو پناہ دینا، اس خیر خواہی کا بدلہ پانا، فرصت کی گھڑیوں میں دلّی کے کھنڈروں میں گھومتے پھرنا، انگریزوں کے ایماء پر مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھانا، غدر کا روزنامچہ مرتب کرنا، غدر کو شورش جاہلانہ ثابت کرنا اور نوبل صاحب کے ساتھ کھانا اور انگریزوں کے طور طریقے اپنانا اور کرسٹان مشہور ہو جانا۔ سیّد احمد خان کی ہی شخصیت کی عکاسی ہے۔

'ابن الوقت' کے شائع ہونے کے ٹھیک دو برس بعد مدرسہ طیبہ کے سالانہ جلسے میں نذیر احمد دہلوی نے ایک نظم پڑھی تھی، جس میں اس قومی المیے پر بڑی دلسوزی کے ساتھ ماتم کیا گیا تھا:

اپنی ہر اِک چیز سے بے زاریاں
ہائے وہ کیا ہوئیں خودداریاں

لیکن یہ دو طرفہ آگ تھی۔ ہمارا ادیب مغرب کی طرف تجسس کے ساتھ دیکھ رہا تھا اور مغرب نے مشرقی لبادہ اوڑھنے کی کوشش کی تھی۔ یہ الگ قصہ ہے کہ ہم نے اس کھیل میں پایا کم اور کھویا زیادہ۔ بقول محمود ہاشمی: ایذرا پاؤنڈ میگنا کارٹا کے ساتھ ساتھ مشرقی فلسفے اور مشرقی شاعری کے تراجم اور حوالوں کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ اس لئے ایلیٹ اپنے خرابے اور کارتھیج کے خوابوں کے بعد ''اوم شانتی شانتی'' کی منزل تک آتا ہے۔ اسی لئے سارتر، بدھ سے قریب دکھائی دیتا ہے۔ اس لئے بیشتر نئے مغربی ادیب بُدھسٹ بن گئے تھے۔ اسی لئے ایلن جنسبرگ (Allen Ginsberg) امریکہ سے ہندوستان کا سفر کرتا ہے اور امریکہ میں رہتے ہوئے اپنی نظم میں اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ:

'(America) When will send your eggs to India'

مغرب میں اس میلان کے ابتدائی نقوش مارلو اور شیکسپیئر کے ڈراموں میں دکھائی دیتے ہیں جبکہ 1880ء کے قریب رڈیارڈ کپلنگ اپنے مشرقی حوالوں کے ساتھ ابھر کر سامنے آیا لیکن یہ کپلنگ ہی ہے جس نے انگریزی راج کے تصور کو تقویت پہنچائی اور ہندوستان سے اپنی قوم اور برطانوی حکومت کے حوالوں کے ساتھ محبت کی۔ اس نے بیشک اپنے ناولوں میں ہندوستان کو خوبصورت اور پراسرار مہمات کا سرچشمہ بنا کر پیش کیا لیکن درحقیقت اُس نے اس نئے فکر و فلسفہ کے ذریعے برطانوی راج کو سہارا دینے اور برطانوی سول سروس کا جال بچھانے میں مدد دی۔ رُڈیارڈ کپلنگ نے 1888ء سے 1891ء تک کہانیوں کے چار مجموعے دیئے۔

1۔ Plain tales from the hills.

2۔ Soldiers and other stories.

3۔ Wee willie winkie and other stories.

4۔ Life's Handicap

اِن مجموعوں میں شامل 96 کہانیوں میں سے 28 ہندوستان کے منظرنامے کو سمیٹے ہوئے ہیں، لیکن ان کہانیوں میں سے کوئی ایک کہانی بھی ایسی نہیں جس میں آزادی ہند کے بارے میں اشارتاً بھی تذکرہ کیا گیا ہو۔ حتیٰ کہ اس کے دو مشہور ناولوں "Naulakha" اور "Kim" میں بھی ہندوستانی سوچوں کی صحیح ترجمانی سے اجتناب برتا گیا ہے۔ رڈیارڈ کپلنگ سے پہلے میکنزی نے 1785ء میں مسز مشروم کی ذات کے حوالے سے ہندوستان کے نوابین کی نقشہ کشی کرتے ہوئے خوب خوب مضحکہ اڑایا، لیکن یہ اس کا مشرقی حوالہ ہی تھا کہ سرشار نے میکنزی کی اصل حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر اس کی ایک کتاب کا ترجمہ 'اعمال نامۂ روس' کے نام سے کیا۔ اسی طرح سر والٹر اسکاٹ نے اپنے ناول 'دی سرجنز ڈاٹر' کے لئے ہندوستانی منظر نامہ تو اپنایا لیکن وہ بھی ہندوستان کے خلاف لڑنے والے برطانوی کمانڈروں کو Demi-Dog سمجھتا تھا اور اس کے نزدیک 'مسلمان مغرور تھا'۔

سو کہا جاسکتا ہے کہ کپلنگ کی ذہنیت کو پیدا کرنے کو 1785ء سے زمین ہموار کی جارہی تھی۔

تہذیبی کشمکش

(فلم، مشرق اور مغرب کی آویزش۔ رابندر ناتھ ٹیگور کے ہمہ گیر اثرات)

رڈیارڈ کپلنگ نے کہا تھا کہ ''مشرق اور مغرب کبھی آپس میں نہیں مل سکتے'' لیکن ہندوستان پر مغربی ادبیات کے علاوہ فلموں کے ذریعے ایک بھرپور ثقافتی حملہ بھی اس خصوص میں توجہ طلب ہے۔ اس ثقافتی حملے پر بات کرنا اس لئے بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں فلم اور ادب کا ساتھ بہت پرانا ہے۔

دیکھئے: کتاب 'فلم و ڈرامہ' زمانہ بک ایجنسی کانپور طبع دوم جنوری 1938ء

مضمون: 'پنجابی فلمیں' مطبوعہ: نیرنگ خیال: اپریل 1939ء ص 52

مضمون: ''نئی نئی فلمیں'' ایضاً ص 58

مضمون: 'لیڈیز اونلی' ایضاً ص 59

جائزہ: 'ہندوستانی سینما کی خام فلموں کی درآمد' مطبوعہ: ہمایوں: بابت: مارچ 1940ء ص: 182

ہندوستان میں انگریزی فلموں کی نمائش 14 جولائی 1896ء سے شروع ہوئی۔ یہاں درآمد کی جانے والی تین ابتدائی فلمیں یہ تھیں:

1۔ London Girl Dancers

2۔ The Arrival of the Train

3۔ Parade of the Guard

محولہ بالا تینوں فلموں کے ذریعے پہلی بار ہندوستانی اسکرین پر کھل کھیلنے کا سامان فراہم ہوا۔

خود ایک ہندوستانی فلمساز موہن بھونانی (پیدائش: 1903ء) نے مانچسٹر کالج آف فلم ٹیکنالوجی، انگلینڈ سے پروڈکشن اور سکرین تکنیک کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد U.F.A سٹوڈیوز جرمنی اور Eclair سٹوڈیوز فرانس کے تجربے کے ساتھ 1925ء میں ہندوستان آ کر امپیریل فلم کمپنی بمبئی کے لئے تین فلمیں بنائیں۔ اس کی فلم "Vasantasena" کو اس زمانے میں "Metro Goldwyn Mayer" برطانیہ جیسے نمایاں ادارے نے ساری دنیا میں ریلیز کرنے کے انتظامات کئے اور اس فلم کی ریلیز کا ہندوستان میں خاص اہتمام کیا گیا۔ واضح رہے کہ موہن بھونانی ہی کی ایک فلم 'ہندوستان میں مزدوروں کی صورت حال' کے موضوع پر پریم چند نے لکھی تھی۔ یوں موہن بھونانی پہلا ہندوستانی فلم ساز تھا جس نے ہندوستان کے عوام اور حکومت برطانیہ کے درمیان ایک مکالمہ کی گنجائش پیدا کی۔

ڈن شابلموریا (پیدائش: 1904ء) کی دو فلمیں "Drums of Love" اور "Temple Bells" اسی زمانے کی یادگار ہیں۔ بلموریا نے بوسہ بازی کو سکرین پر عام کیا۔ ایزرامیر نے 1923ء میں ہندوستان کی نمائندگی برطانیہ میں کی اور کچھ عرصہ امریکہ کی مشہور فلم کمپنی Valentino فلمز اور Universal فلمز میں بھی رہا۔ امریکہ میں وہ "Dolores Del Rio United Artists Unit" کے سکرین پلے سیکشن کے چیف کے عہدے تک پہنچا۔ 1929ء میں اس نے امریکہ میں اپنی اولین فلم "Symboles Que" مکمل کی جو فلم آرٹ تھیٹر وائن سٹریٹ نے ریلیز کی اور اسے عالمی سطح پر ''روحانی حسن کا نمونہ'' قرار دیا گیا۔

1933ء میں ہندوستان واپس آ کر اس نے "Phantom of the Hills" اور 1936ء میں Devil's Dice مکمل کیں۔ اس نے 150 فلمیں آٹھ مختلف زبانوں میں مکمل کیں۔

خان بہادر آردیشر۔ ایم۔ ایرانی 1920ء میں یونیورسل فلم کمپنی امریکہ کی طرف سے بھارت، برما اور سیلون کے لئے ایجنٹ کا کام کرتا رہا۔ اسی پروڈیوسر نے بعد میں مارچ 1931ء میں ہندوستان کی اولین بولتی فلم 'عالم آراء' بنائی تھی۔ آردیشر ایرانی کے تعلقات حکومت وقت کے ساتھ انتہائی اچھے تھے اور یہی سبب ہے کہ ہندوستان کے جدید ترین فلمی آلات سے مزین فلم سٹوڈیو کا وہ واحد مالک تھا۔

کے۔ ایل کہان نے Son of Zambo بنائی جو برطانوی ٹارزن سلسلے کی فلم تھی۔

واضح رہے کہ اس سلسلے کی فلموں میں فحاشی اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ رڈیارڈ کپلنگ کی ناول 'Toomai And Elephants' پر مبنی فلم 1937ء میں 'Elepha Boy' کے نام سے بنی جس میں ننھے ہندوستانی اداکار سابو نے مرکزی کردار ادا کیا۔

'The Jungle Book' پر بھی فلم بنی اور ہندوستان میں باکس آفس پر خاصی کامیاب رہی۔ کپلنگ کی ایک فلم 'Gunga Din' کے مرکزی خیال پر مبنی فلم نے ہندوستان میں کامیابی کی نئے ریکارڈ قائم کئے۔ لیکن یہی وہ زمانہ ہے جب کپلنگ نے نظم 'سفید آدمی کا بوجھ' لکھی تھی جس میں اہل مشرق کو 'نیم ابلیس اور 'نیم طفل' کہا گیا تھا، ملاحظہ ہو:

TAKE UP THE WHITE MAN, BURDEN

SEND FORTH THE BEST YOU BREED

GO BIND YOUR SONS TO EXILE

TO SERVE YOUR CAPTIVES' NEEDS;

TO WAIT IN HEAVY HARNESS

ON FLUTTERED FOLD AND WILD

YOUR NEW-CAUGHT SULLEN PEOPLES

HALF-DEVIL AND HALF-CHILD

کپلنگ کی اس منافق ہمدردانہ محبت کے خلاف نمایاں ردعمل ای۔ایم۔فورسٹر (ایڈورڈ مارگن فورسٹر) کے ہاں دکھائی دیتا ہے۔ فورسٹر پہلا برطانوی ادیب ہے جو انسانیت کا ہمنوا اور نجی تعلقات کا زبردست حامی اور مبلغ تھا۔ فورسٹر (پیدائش: 1879ء، وفات: 1912ء) تین بار ہندوستان آیا یعنی 1912ء، 1921ء اور 1945ء میں۔

ای۔ایم فورسٹر نے انگریزوں کی سیاسی اور انتظامی حکمت عملی پر کھل کر تنقید کی، 1945ء میں جے پور .P.E.N کانفرنس میں شرکت کے لئے خصوصی طور پر ہندوستان آیا، اپنی مشہور زمانہ ناول کا انتساب نواب مسعود جنگ المعروف سر سیّد راس مسعود کے نام کیا (مطبوعہ: 1924ء) اپنے خطوط کے مجموعے 'The hill of devi' میں ہندوستانی دوستوں کو نہیں بھولا، حیدر آباد دکن کے اردو ہال کے لئے ایک ہزار پونڈ کا گراں قدر عطیہ دیا، احمد علی کے ناول 'Twilght in Dehli' (تکمیل 1939ء) کو اپنے مشہور زمانہ ناول 'A Passage to Indila' کا ہم پلہ ناول قرار دیا، حتیٰ کہ جب ہوگارتھ پریس لندن نے 'دلی کی شام' کو چھاپتے وقت انگریزوں کے خلاف جذبوں اور اس کے نتائج کے خوف سے ناول شائع کرنے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا تو فورسٹر ہی آڑے آیا۔ فورسٹر نے ڈسمونڈ میکارتھی اور ورجینا وولف کی معرفت سرکاری سنسر کے ڈائریکٹر 'ہیرلڈ نکلسن' سے مسودہ پاس کروایا۔ اور آخر کار 1940ء میں ہوگارتھ پریس کے ڈائریکٹر جون لیمن کی زیرنگرانی اس ناول کو چھپوا کر دم لیا۔

لیکن جے پور .P.E.N کانفرنس (1945ء) کے موقع پر ہندوستان کو آزادی دینے کے سوال پر اس نے بھی کہا تھا:

"The Tragic Problem of India's Political Future,

I can contribute no solution."

یہی معاملہ جان ماسٹرز کا ہے۔ پیدائش: 1914ء کلکتہ۔ اس کا باپ دسویں راجپوت بٹالین کا کپتان تھا۔ ہندوستان سے گریجویشن کرنے کے بعد اس نے امریکہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اس کے دو ناولوں 'Bugles and Tigers' اور

'Nightrunner of Bengal' میں اس نے انگریز حکمت عملی کی مخالفت کی اور نہایت دیانتداری کے ساتھ ہندوستان کی تاریخ کو سمیٹنے کا جتن کیا لیکن اپنی پانچ پشتوں کی ہندوستان سے محبت کے باوجود اپنے معرکہ آرا ناول 'بھوانی جنکشن' میں برطانوی راج کے قائم رہنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

مشرق کے بہت بڑے نام لیوا اور مشرقی ادبیات کے محسن ایزرا پاؤنڈ کو ہی لیجئے۔ اس نے ابتداء میں ای۔ایم۔فورسٹر اور ڈبلیو۔بی۔ییٹس کی طرح مغرب میں رابندر ناتھ ٹیگور کی بھرپور وکالت کی لیکن جب 1913ء میں ٹیگور کو ادب کا نوبل انعام ملا اور مغرب میں ایک مشرقی شاعر کا چلن عام ہوا تو پاؤنڈ اُس راہ پر مزید آگے نہیں گیا اور ٹیگور کے حامیوں اور مقلدوں سے کنارا کشی اختیار کر لی۔ اس کا سبب بتاتے ہوئے اس نے وضاحت کی تھی کہ: 'میں نے رابندر ناتھ ٹیگور کو بطور شاعر قبول کیا تھا، مسیحا کے طور پر نہیں۔'

لیکن اب مغرب میں ٹیگور کا جادو چل چکا تھا اور اس کا توڑ بہت مشکل تھا۔

رابندر ناتھ ٹیگور کی عالمگیر شہرت کے ساتھ ہی رڈیارڈ کپلنگ اور اس کی قبیل کے دیگر ادباء اور صحافیوں کی مخصوص منافقانہ ذہنیت (جس کا مظاہرہ رُڈیارڈ کپلنگ کا والد کپلنگ اپنے انگریزی اخبار 'سول اینڈ ملٹری گزٹ' کے مدیر کی حیثیت سے کرتا چلا آیا تھا۔ اس سے پہلے 1885ء کے لگ بھگ اس کا دادا ایس وہلیر یہ فریضہ انجام دے چکا تھا) کی موت واقع ہوئی اور مشرق و مغرب میں ادبی سطح پر ایک دوسرے کو سمجھنے کی خاطر تراجم کا آغاز ہوا۔

ہمارے ہاں ٹیگور پہلا ادیب اور شاعر تھا جس کی ذات بنگالی ادب کے دائرے سے نکل کر اردو میں بھی ترجمے کی بنیادیں فراہم کر گئی۔ بالخصوص ہمارے ہاں اردو ادب میں افسانے کی صنف تو متعارف ہی ٹیگور کی معرفت ہوئی۔ پریم چند اپنا اولین افسانہ: ''عشق دنیا اور حُبِ وطن'' مطبوعہ: ''زمانہ'' اپریل 1908ء لکھنے سے پہلے ٹیگور کے افسانوں کے تراجم کی معرفت ہی ادبی دنیا سے متعارف ہوئے تھے اور یلدرم، نیاز فتح پوری، حجاب اسماعیل (حجاب امتیاز علی) اور ل۔احمد اکبر آبادی کے ہاں ٹیگور کے واضح اثرات اپنی پہچان کرواتے ہیں۔

ٹیگور کی اس مقبولیت اور اثر کی ایک وجہ نوبیل انعام بھی ہوسکتا ہے جو ٹیگور کو1913ء میں ملا۔ جبکہ بھارت کے لئے یہ پہلا نوبیل انعام تھا۔ اس دور میں رابندر ناتھ ٹیگور کی مقبولیت جانچنے کے لئے دیکھیے:

1۔ ٹیگور اور اس کی شاعری، از مخدوم محی الدین۔ ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد، دکن۔ 1935ء
2۔ 'ٹیگور کی شہرت' از مخدوم محی الدین مطبوعہ مجلّہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن۔ 1935ء
3۔ 'غرضِ نغمہ' (ترجمہ گیتا نجلی) از نیاز فتح پوری۔ س۔ن
4۔ 'کلام ٹیگور' مترجمہ: ایم ضیاء الدین۔ وشوا بھارتی بک شاپ 210 کارنوالس اسٹریٹ، کلکتہ
5۔ 'ایک سو ایک نظمیں' مترجمہ: فراق گورکھپوری۔ ساہتیہ اکیڈمی نئی دہلی۔ 1962ء

لیکن ٹیگور کچھ اس سے سوا تھا۔ ٹیگور کی حیثیت مشرق اور مغرب میں ٹالسٹائی کی طرح تھی جسے اوّلین نوبل انعام سے محروم رکھا گیا لیکن دنیا بھر کا ادب ٹالسٹائی کے ہمہ گیر اثرات کی زد میں رہا۔ خود ہمارے ہاں ٹالسٹائی کے اثرات کو صحیح طور پر محسوس کرنے کے لئے محض 'زمانہ' کانپور اور 'ہمایوں' لاہور کی فائلیں دیکھ لینا کافی ہوگا۔

ٹیگور کی مقبولیت کا اندازہ لگانے کے لئے مضمون: 'ٹیگور مصر میں' از 'ز' مطبوعہ، معارف، اعظم گڑھ (بابت: فروری 1927ء ص 140) ہی بہت کافی ہے جس میں ٹیگور کے سویڈن سے بھارت کی طرف سفر کی روداد رقم کی گئی ہے۔

اس عظیم کامیابی کی سب سے بڑی وجہ خود ٹیگور نے ان لفظوں میں بیان کی:

''میرا خمیر مشرق کا ہے، میں مشرق زدہ ہوں۔ مشرق میں کس بات کی کمی ہے؟ اس کا اپنا فلسفہء زندگی، اس کے اپنے اثرات ہیں، اس کے اپنے احساسات ہیں، اس کی اپنی فکر ہے، اس کا اپنا انداز ہے۔''

('خود نوشت' از سید بادشاہ حسین۔ مطبوعہ 'افکار'۔ کراچی جون 1975ء)

اس زمانے میں خود ٹیگور کو پتا نہیں تھا کہ اس کی کون سی کہانیاں کہاں کہاں ترجمہ ہوئیں جبکہ اس کے ناشرین 'Longman Green & Co.' برطانیہ میں تھے۔

صرف 1916ء تک رابندر ناتھ ٹیگور (پیدائش: 1861ء) کی بنگالی میں 57 اور انگریزی میں 75 چھوٹی بڑی کتب شائع ہو چکی تھیں اور ان کی شخصیت اور فن پر مختلف زبانوں میں 38 کتابیں شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ بک چکی تھیں۔

اس زمانے میں ٹیگور کی مشرقی آواز عالمی سطح پر سنی جا رہی تھی اور یہی سبب تھا کہ ٹیگور، بنگلہ اور انگریزی زبانوں سے اردو میں بکثرت ترجمہ ہو کر اردو میں انگریزی سے ترجمے کی تحریک کا سب سے بڑا سبب بن گئے۔

سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی، گورنمنٹ کالج، لاہور: 1917ء

گورنمنٹ کالج، لاہور حکومت برطانیہ نے بلا امتیاز ذات پات، پنجاب کے مراعات یافتہ طبقے کو 'اپ لفٹ' کرنے کے لئے قائم کیا تھا۔ بعد ازاں اُسی کی بغل میں دیسی لوگوں کے لئے قائم کردہ اورینٹل کالج کو بھی جگہ فراہم کر دی۔ گورنمنٹ کالج کی ڈریمیٹک سوسائٹی نے 1917ء میں شیکسپیئر کے ایک ڈرامہ 'دی کامیڈی آف ایررز' کا ترجمہ ''گورکھ دھندا'' کے نام سے اسٹیج کرنا چاہا لیکن یہ ڈراما امتیاز علی تاج اور بلونت کی بیماری کے سبب اسٹیج نہ ہو سکا۔ اسے سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی کی طرف سے تیار کیا گیا تھا۔ اسے 'ترجمے کا ترجمہ' یا ترجمے کی اسٹیج ضرورت کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اصل ترجمہ پنڈت نرائن پرشاد بیتاب نے کیا تھا۔

1918ء میں شیکسپیئر کا ایک اور ڈرامہ 'ہیملٹ' سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی کی طرف سے ترجمہ کر کے اسٹیج کیا گیا۔ اس ڈرامے میں سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی، گورنمنٹ کالج، لاہور کے بانی پروفیسر سوندھی نے 'ہیملٹ' اور وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور پروفیسر اے سی وولنر نے 'گھوسٹ' کا کردار ادا کیا۔ یوں گورنمنٹ کالج کے اسٹیج نے لاہور کے باسیوں میں ترجمے کا ذوق پیدا کیا اور گورنمنٹ کالج کے اسٹیج کی سارے ملک میں دھوم مچ گئی۔

اسی زمانے کے گورنمنٹ کالج میں اوپر تلے متعدد ڈراموں کے تراجم اسٹیج ہوئے مثلاً:

ڈرامہ 'مہارانی آف اراگان' یہ ڈرامہ بنگالی سے انگریزی اور انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہوا۔ اس ڈرامے میں مسٹر لہری نے مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ اسی زمانے کی یادگار، ڈرامہ 'دی مین ہوایٹ پوپومیک' بھی ہے۔

سوندھی سوسائٹی کے لئے امتیاز علی تاج نے برنارڈ شا کے ڈرامے 'آرمز اینڈ دی مین' کا ترجمہ پطرس بخاری کی زیر نگرانی کیا۔ یہ

ترجمہ بہت مقبول ہوا اور اوپر تلے دو بار اسٹیج کیا گیا۔ اس ڈرامے میں کپتان بلنشلی کا کردار پطرس بخاری اور سر جیمز سرانوف کا کردار سوندھی صاحب نے ادا کیا۔ 1930ء میں گوگول کے مشہور ڈرامے ''انسپکٹر جنرل'' کا ترجمہ ڈاکٹر محمد صادق نے کیا۔ جی۔سی کی اسٹیج پر یہ ڈرامہ بے حد مقبول ہوا اور لاہور کے علاوہ کراچی میں بھی اسٹیج ہوا۔ 1933ء میں چیک مصنف کیرل چپیک کے ڈرامے 'آر۔یو۔آر' کا ترجمہ پطرس بخاری نے مکمل کیا، ان کے ساتھ امتیاز علی تاج نے مل کر کام کیا تھا۔ اسی مصنف کے ایک اور ڈراما "Power of Glory" کا ترجمہ صُوفی تبسم نے 1940ء میں بہ عنوان ''جاہ وجلال'' کیا۔ صوفی تبسم سے ولیم شیکسپیئر کے ڈراما "A mid summer night dream" کا اردو ترجمہ ''ساون رین'' بھی یادگار ہے۔ اِن ڈراموں پر ترجمہ کرتے وقت جو سخت محنت کی گئی، اس کا اندازہ کرنے کے لئے امتیاز علی تاج کی ایک تحریر سے اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''ایک ایک جملے کے ترجمے میں اس بات کا خیال رکھتے کہ اسے ادا کرنے کے جو امکانات انگریزی میں ہیں وہ بجنسہ اردو میں منتقل ہو جائیں۔ کئی بار صرف 'نو' کا ترجمہ کرنے میں ہمیں دس دس پندرہ پندرہ منٹ لگ جاتے۔ اچھی طرح غور کرتے 'نو' کا ترجمہ یہاں 'نہیں' ہے، 'نہ' ہے یا 'اُوں ہوں'۔ طے نہ کر سکتے تو اُٹھ کر ڈرامہ ایکٹ کرنا شروع کر دیتے اور دیکھتے کہ کردار کی جو کیفیت چلی آ رہی ہے اُس میں 'نو' کا کون سا ترجمہ موزوں ترین معلوم ہوتا ہے۔''
>
> ('گورنمنٹ کالج ڈریمیٹک کلب' مطبوعہ: ''صحیفہ'' لاہور (تاج نمبر) 1972ء)

دارالترجمہ۔ جامعہ عثمانیہ۔ حیدر آباد دکن (1919ء)

اس ادارے کی خدمات، مسلمانوں میں بیداری کا شعور جگانے اور مسلم کلچر اور اردو زبان کی سرپرستی کے باب میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔

جامعہ عثمانیہ کا قیام اور اس کی سرپرستی کا فرض نواب میر عثمان علی خان آصف سابع نے ادا کیا، لیکن یہ ادارہ نہ تو ایک انفرادی کوشش کا نتیجہ تھا اور نہ ہی شخصی کارنامہ، بلکہ یہ تو ہندوستان کے طبقاتی شعور کی بیداری کا دوسرا نام ہے۔

یہی سبب ہے کہ جامعہ عثمانیہ کی جڑیں تلاش کرتے کرتے ہم قدیم مسلم سماجی شعور تک جا نکلتے ہیں اور یہ وہ زمانہ ہے جب علاقہ دکن پر بہمنی راج تھا۔ اس قدیم عہد کی قدیم 'درس گاہ' محمود گاواں کا قائم کردہ مدرسہ بمقام بیدر 34 ہزار مربع فٹ پر پھیلا ہوا تھا جہاں سے اجسام فلکی کا مشاہدہ و مطالعہ بڑی توجہ کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔

یہ وہ زمانہ ہے جب عادل شاہ اوّل (941ھ مطابق 1534ء 965ھ بمطابق 1557ء) کے عہد میں ریاست بیجاپور میں پہلی بار اردو کو دفتری زبان کا اعزاز حاصل ہوا۔ اسی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے 1834ء میں نواب فخر الدین خان شمس الامراء ثانی نے مدرسہ فخریہ قائم کیا۔ ڈیوڑھی شاہ گنج میں قائم کردہ اس مدرسے میں علوم نقلیہ اور عقلیہ کی تعلیم دی جاتی تھی اور نصابی کتب کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے مطبع شمس الامراء قائم کیا گیا تھا۔ نواب ناصر الدولہ کے آخری زمانے میں مدرسہ طبابت (میڈیکل کالج) 1845ء میں قائم کیا گیا جس نے ارسطو یار جنگ جیسے ماہر ڈاکٹر پیدا کئے۔

1873ء میں محمد حسین خان (المعروف نواب الفت یار جنگ) نے جو اس زمانے میں مددگار معتمد مالگزاری تھے، ملک کے

ہمدردوں کے نام ایک اپیل شائع کروائی جس میں 'جامع العلوم' کے قیام پرزور دیا گیا۔ گو اس زمانے میں اس اپیل پر کسی نے کان نہیں دھرا لیکن بعد میں یہی اپیل جامعہ عثمانیہ کی بنیاد بن گئی۔

1883ء میں نواب سالار جنگ دوم کی وزارت عظمٰی کی زمانے میں دوبارہ جامعہ کے قیام کی تحریک چلی، اب اس تحریک کا محرک ایک انگریز اور انگلستان کی پارلیمنٹ کا نمایاں رکن بلنٹ تھا۔ بلنٹ کی کتابوں کے اردو تراجم ہمارے ہاں بہت مقبول ہوئے۔ ان کے اوّلین مترجم مولانا ظفر علی خان تھے۔ بلنٹ نے جامعہ مشرقی کا ایک خاکہ مرتب کر کے 22 اپریل 1880ء میں باغ عامہ کے ایک جلسے میں نواب میر محبوب علی کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ بلنٹ نے جامعہ کا نام 'نظام یونیورسٹی' تجویز کیا تھا، لیکن اس تجویز کو شرف قبولیت حاصل نہ ہوا۔

بقول بلنٹ، جامعہ کی تجویز کو جمال الدین افغانی نے سراہا تھا اوراس موضوع سے متعلق دو ایک مضامین بھی سپردِ قلم کئے تھے جو اس زمانے کے اہم جرائد میں شائع ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ جب ان کی پیرس میں بلنٹ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے زور دے کر لارڈ رپن کی توجہ بھی اس مسئلے کی جانب مبذول کروائی۔ نظام دکن کی بلنٹ سے پہلی ملاقات وائسرائے ہند کے ہاں کلکتہ میں ہوئی۔ جہاں نظام دکن نے اصولی طور پر بلنٹ کی تجویز سے اتفاق کیا اور مرتب شدہ خاکہ طلب کیا۔ چنانچہ 25 جنوری 1883ء کو بلنٹ نے مرتب شدہ خاکہ اور ایک سفارشی خط نواب سالار جنگ کی معرفت نظام دکن کے حضور روانہ کیا۔ جس کے جواب میں 13 فروری 1883ء کو نواب سالار جنگ نے ایک خط بلنٹ کے نام لکھا، جس میں نظام دکن کی طرف سے خواہش کی گئی تھی کہ بلنٹ کلکتہ سے محض چند دنوں کے لئے حیدر آباد تشریف لائیں اور اس خاکے کو عملی جامہ پہنائیں لیکن بلنٹ کچھ ہی روز بعد برطانیہ میں اپنی شدید مصروفیات کے سبب واپس ہو لئے اور جامعہ کے قیام کی تحریک آگے نہ چل سکی۔ 1894ء میں سروقار الامراء نے اپنی وزارت عظمٰی کے عہد میں نظام کالج کے جلسہ تقسیم انعامات کے موقع پر ایک بار پھر اس تجویز کو نظام دکن نواب میر محبوب علی خان کے گوش گزار کیا۔ لیکن اس موقع پر بھی یہ تحریک کاغذی کارروائیوں سے آگے نہ بڑھ سکی۔

حیدر آباد ایجوکیشنل کانفرنس 1914ء میں دارالعلوم کے فارغ التحصیل طلبہ نے یہ تحریک ایک بار پھر چلائی۔ ٹاؤن ہال حیدر آباد دکن میں منعقدہ اجلاس (1915ء) کی صدارت نواب حیدر یار جنگ (المعروف سر اکبر حیدری) معتمد تعلیمات نے کی اور اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے مغربی تعلیم کے تاریک پہلوؤں کی نشاندہی کی۔ یاد رہے کہ اس اجلاس میں ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے علوم و فنون کے تراجم کی ضرورت پر تقریر کی تھی۔ اس بار بھی جنگ عظیم اوّل کی پھیلائی ہوئی بے اطمینانی کی فضا نے عملی اقدامات سے روکے رکھا۔ اس خصوص میں کانفرنس کا دوسرا اجلاس 1916ء میں اورنگ آباد کے مقام پر منعقد ہوا۔ اس موقع پر نواب حیدر یار جنگ نے صدارتی کلمات ادا کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''ہمیں ایک جدید یونیورسٹی کی ضرورت ہے، جس کی بنیاد صحیح اصول تعلیم، ملکی ضروریات اور قومی خصائص پر قائم ہو، جس میں قدیم اور جدید دونوں طرح کی خوبیوں سے فائدہ اٹھایا جائے جو تعلیم عملی ہو اور امتحانی بھی اور ساتھ ہی ساتھ تالیف و ترجمہ کا کام بھی کرے۔''

روزنامہ ''جسارت''، کراچی کے مطابق:

ایک دن بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے راس مسعود سے کہا: ''تمہیں اس کا عملی ثبوت فراہم کرنا چاہیے کہ تم سرسید کے پوتے ہو۔'' راس مسعود نے پوچھا ''وہ کیسے؟'' بابائے اردو حیدر آباد میں اردو یونیورسٹی قائم کرنا چاہتے تھے، کاغذی تیاری ہو چکی تھی۔ انہوں نے وہ کاغذات راس مسعود کو دیئے اور کہا ان کاغذات پر ریاست کے ریذیڈنٹ سے دستخط کروا دیجیے۔

راس مسعود انگریزی ریذیڈنٹ کی کوٹھی پہنچے، ریذیڈنٹ کے سامنے انہوں نے اس کے بچوں سے فرانسیسی میں گفتگو شروع کر دی، ریذیڈنٹ نے انہیں ٹوکا۔ ''مسٹر مسعود! اگر آپ کو فرانسیسی ہی بولنی ہے تو مجھ سے بولیے یہ بچے فرانسیسی نہیں جانتے یہ تو ابھی اپنی زبان میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔'' راس مسعود کو موقع مل گیا۔ انہوں نے فوراً کہا: ''جناب! جس طرح آپ کے بچے اپنی زبان میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اسی طرح ہم بھی چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے بھی اپنی زبان میں تعلیم حاصل کریں۔ ہاں بڑے ہو کر وہ فرانسیسی، انگریزی، جرمن جو زبان چاہیں اپنی مرضی سے سیکھ سکتے ہیں۔ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ ہمارے بچوں کو دوہری محنت کرنی پڑتی ہے۔ پہلے انگریزی سیکھو پھر انگریزی میں تعلیم لو، اس طرح بچے نہ زبان سیکھ پاتے ہیں نہ علم، کسی غیر زبان کا ذریعہ تعلیم عالم پیدا کرنے سے تو رہا، کلرک ہی کلرک پیدا کر سکتا ہے۔'' ریذیڈنٹ نے راس مسعود سے اتفاق کیا۔ راس مسعود نے یونیورسٹی کے کاغذات اس کے سامنے کر دیے۔

(روزنامہ 'جسارت' کراچی، 15 نومبر 1984ء)

ریاست حیدر آباد، دکن کے ریذیڈنٹ کی اجازت کے بعد حیدر آباد ایجوکیشنل کانفرنس اورنگ آباد۔ دکن (1916ء) میں نواب حیدر یار جنگ المعروف سر اکبر حیدری معتمد تعلیمات حیدر آباد (دکن) کی تیار کردہ عرضداشت 22 ستمبر 1918ء میں نظام دکن کے سامنے لائی گئی تو نظام دکن نواب میر عثمان علی خان نے کلیہ جامعہ عثمانیہ کے قیام کی منظوری دیتے ہوئے فرمایا:

> ''میں بہت خوشی کے ساتھ اجازت دیتا ہوں کہ میری تخت نشینی کی یادگار میں حسب مذکور اصول محولہ عرض داشت کے مطابق ممالک محروسہ کے لئے حیدر آباد دکن میں یونیورسٹی قائم کرنے کی کارروائی شروع کی جائے، اس یونیورسٹی کا نام 'عثمانیہ یونیورسٹی' حیدر آباد ہو گا۔''

یوں تقریباً نصف صدی کی کوششوں کے بعد نواب میر عثمان علی خان کی منظوری سے جامعہ کا قیام عمل میں آیا۔

محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی کے دیباچہ 'الفہرست' مرقومہ 2 جنوری 1923ء کے ص 10 پر نواب میر عثمان علی خان کے نام کے ساتھ جو القابات درج ہیں، ملاحظہ کیجئے:

> ہز اگزالٹیڈ ہائی نس، رستمِ دوران، ارسطوئے زماں، سپہ سالار آصف جاہ مظفر الممالک نظام الملک، نظام الدولہ نواب میر عثمان علی خان بہادر فتح جنگ۔ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی، جی۔ سی۔ بی۔ آئی۔ والیٔ مملکت دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ۔

محولہ بالا اقتباس کا آخری حصہ، اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ کلیہ جامعہ عثمانیہ اور محکمہ دار الترجمہ کے قیام کا کوئی ایک ڈھکا چھپا مقصد حکومت برطانیہ کو خوش کرنا بھی تھا۔ لیکن اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ جامعہ کی تحریک ہندوستانی مسلمانوں کے طبقاتی شعور کی بیداری کا ہی نتیجہ تھی۔

جامعہ کی ابتداء 'کلیہ جامعہ عثمانیہ' کے قیام سے ہوئی۔ اس یونیورسٹی کالج کا افتتاح یکم ذی الحجہ 1337ھ مطابق 28 اگست 1919ء کی صبح دس بجے آغا محمد حسن کی رہائش گاہ (واقع سانچہ توپ) میں ہوا۔ نظام دکن کے حکم کے مطابق اس تقریب کی صدارت مولوی حبیب الرحمٰن خان شیروانی نے کی۔ کلیہ جامعہ کے اوّلین عارضی صدر کے طور پر نواب مسعود جنگ (سر سیّد راس مسعود) 28 اگست 1919ء تا 1920ء کام کرتے رہے۔ واضح رہے کہ کلیہ جامعہ عثمانیہ کی صدارت کے لئے ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کا نام تجویز ہوا تھا لیکن وہ کیمبرج سے وطن واپسی پر اس عہدے کا چارج لیے بغیر انتقال فرما گئے۔ بعد میں اس عہدے پر 1920ء تا 1924ء عبدالستار صدیقی اور 1924ء تا 1936ء عبدالرحمٰن خان فائز رہے۔ یونیورسٹی کالج کے جامعہ کی شکل اختیار کرنے کے بعد ایچ۔میکنزی کو پرووائس چانسلر مقرر کیا گیا۔ 1934ء تک جامعہ کی کلاسیں سانچہ توپ کی عمارت میں جاری رہیں، جبکہ اسی سال جامعہ کو شہر سے باہر 'اڈک میٹ' منتقل کر دیا گیا۔

دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ

نظام دکن نواب میر عثمان علی خان کے فرمان (22 ستمبر 1918ء) میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ:

''ایک شعبہ تالیف و تراجم قائم کیا جائے، جو مغربی زبانوں سے اعلیٰ درجے کی تصانیف کا ترجمہ کرے اور ضروری مباحث پر عمدہ تالیفات کا انتظام کرے۔''

سو اس مقصد کے حصول کے لئے دارالترجمہ کا قیام عمل میں آیا۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق کو دارالترجمہ کا سربراہ مقرر کیا گیا، جو اُن دنوں اورنگ آباد میں قیام پذیر تھے۔ آپ کام کی نگرانی کی خاطر ہر ماہ چند یوم کے لئے حیدرآباد تشریف لاتے تھے۔ ڈاکٹر عبدالحق کے بعد اس عہدے پر مولوی عنایت اللہ دہلوی مامور رہے، اُن کی نیابت کی خدمت میڈیکل کالج حیدرآباد کے صدر ڈاکٹر فرحت علی کے سپرد تھی۔

اوّل اوّل صرف مغربی تصانیف کے تراجم پر توجہ دی گئی۔ بقول ڈاکٹر رضی الدین صدیقی سابق وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، اس کام کی تکمیل کے لئے جن علماء کا تقرر عمل میں آیا ان کے ناموں اور متعلقہ مضامین کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ قاضی محمد حسین ایم۔اے (کینٹب)، ریاضی

2۔ چوہدری برکت علی ایم۔اے (علیگ) کیمیاء

3۔ سید ہاشمی فرید آبادی، تاریخ

4۔ جناب الیاس برنی ایم۔اے (علیگ) معاشیات

5۔ قاضی تلمذ حسین، تاریخ۔ سیاسیات۔ قانون

6۔ مولانا ظفر علی خان، تاریخ

7۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی، نفسیات۔ تاریخ

8۔ مولانا عبدالحلیم شرر، تاریخ

9۔ علامہ عبداللہ العمادی، فلسفہ

10۔سیّد علی رضا، قانون۔انجینئرنگ۔تاریخ

11۔خلیفہ عبدالحکیم، فلسفہ۔تاریخ

(بحوالہ: 'دارالترجمہ حیدرآباد دکن' مطبوعہ اخبار اردو، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، مارچ 1985ء)

مجید بیدار لکھتے ہیں:

''یہ مترجمین کی پہلی جماعت تھی، جس کا تقرر عمل میں آیا۔ بعد میں جوں جوں مزید مضامین کی کتابوں کے ترجمے کی ضرورت پیش آتی گئی دیگر مترجمین کا تقرر بھی ہوتا گیا۔ اس طرح 1950ء تک شعبہ تالیف و ترجمہ نے 130 مترجم بھرتی کیے اور اس مدت میں کل وقتی اور جز وقتی مترجمین نے چار سو کتابوں کے ترجمے مکمل کیے۔''

(مجلّہ: ''اردو'' کراچی، 1979ء ص: 221 تا 228)

یاد رہے کہ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے جملہ تراجم نصابی کتب کے تھے جو بالترتیب انٹرمیڈیٹ (اجراء: 1919ء) بی۔اے (اجراء: 1921ء) ایم۔اے و ایم۔ایس سی (اجراء: 1923ء) کی کلاسوں کے لئے تیار کی گئیں۔

بقول ڈاکٹر رضی الدین صدیقی:

''جب میں اور میرے بعض ساتھی تعلیم مکمل کر کے جامعہ میں بحثیت استاد مقرر ہوئے تو میں نے محسوس کیا کہ صرف ترجمے ہی پر اکتفا کرنے سے شعبہ تصنیف و تالیف کے بانیوں کا مقصد پورا نہیں ہوسکتا، اس لئے ضرورت ہے کہ شعبے کی سرکردگی میں کچھ درسی کتابیں تالیف بھی کی جائیں۔ میں نے جامعہ کے ارباب اختیار کو راضی کر لیا کہ مجھے اور میرے معزز اساتذہ پروفیسر قاضی محمد حسین اور پروفیسر کشن چند کو باہمی اشتراک سے دو کتابیں لکھنے کی اجازت دی جائے۔ ان میں ایک محددوں کا ہندسہ اور دوسری احصاء Calculus پر تھی۔ یہ کتابیں 34-1933ء میں لکھی گئیں اور 1934ء میں شعبہ تالیف و ترجمہ نے انہیں شائع کیا۔ سال یا دو سال بعد میں نے 'قدریہ میکانیات' پر ایک کتاب لکھی جو جامعہ کی طرف سے 1937ء میں شائع ہوئی۔

ارباب اختیار نے شعبہ تالیف کے قیام کے وقت ہی شعبے میں ایک ناظر مذہبی کی ضرورت کو محسوس کر لیا تھا جو ترجمہ شدہ کتابوں کی طباعت سے پہلے ان کی اس نظر سے تنقیح کر لیں کہ کتاب میں کوئی ایسی بات شامل نہ ہو جائے جو لوگوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے والی ہو۔ مولوی صفی الدین صاحب (جو حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے معتمد مولوی سید مرتضیٰ صاحب کے خسر تھے) پہلے ناظر مذہبی مقرر ہوئے، مگر مولوی صاحب نے بہت قلیل عرصے تک کام کیا اور ان کی سبکدوشی کے بعد علامہ عبداللہ العمادی ناظر مذہبی مقرر ہوئے اور طویل عرصے تک کارگزار رہے۔ شعبہ تالیف و ترجمہ کے ساتھ ایک ناظر ادبی بھی ہوتا، جس کا کام ترجمے یا وضع کردہ اصطلاح کے ادبی اور لسانی نقائص کی جانچ پڑتال ہوتا تھا۔ مولانا علی حیدر نظم طباطبائی (حیدر یار جنگ) پہلے ناظر ادبی تھے۔ ان کے بعد جوش ملیح آبادی اس خدمت پر مامور ہوئے مگر شعبے میں مولوی عبدالحق اور پروفیسر وحیدالدین سلیم کی موجودگی، ترجمے کی ادبی خوبیوں کی بذات خود ایک ضمانت تھی اور ناظر ادبی کی ذمہ داریاں بہت کم رہ گئی تھیں۔

(''اخبار اردو''، اسلام آباد، مارچ 1985ء)

محولہ بالا ناموں کے علاوہ جز وقتی طور پر سید ابوالاعلیٰ مودودی، خلیفہ عبدالحکیم، عبدالباری ندوی، ڈاکٹر ولی الدین، مناظر احسن گیلانی، ڈاکٹر وحید الدین، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، پروفیسر محمد مجیب، پروفیسر کشن چند، پروفیسر ہارون خان شیروانی، علی حیدر نظم طباطبائی، مارماڈیوک پکتھال، ابوالخیر مودودی، رشید احمد صدیقی، ڈاکٹر ابن حسن، محمد نذیر الدین، ڈاکٹر یوسف حسن خان، ڈاکٹر سیّد عابد حسین اور ڈاکٹر سیّد سجاد نے دارالترجمہ کے تحت تراجم کیے۔ میری مُرتّب کردہ ''کتابیات تراجم'' (علمی کتب) مطبوعہ: مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد 1986ء دارالترجمہ کے حوالے سے قطعاً نامکمل ہے۔ درحقیقت 130 اصحاب نے دارالترجمہ کے لئے تراجم کیے۔ دارالترجمہ کی شائع کردہ کتب کی مکمل فہرست بھی نایاب ہے۔ مختلف روایات کے مطابق دارالترجمہ نے چھ سو سے زائد ترجمے کروائے اور شائع کیے۔

یاد رہے کہ سقوط حیدر آباد دکن کے بعد ایک خفیہ سازش کے تحت دارالترجمہ کی شائع کردہ بیشتر کتب کو نذر آتش کر دیا گیا اور جو جلنے سے بچ رہی تھیں وہ ردّی میں فروخت ہوئیں۔ ردّی میں فروخت ہونے والی ترجمہ شدہ کتب کی آج بھی ایک بڑی تعداد بھارت کی مختلف لائبریریوں کی زینت ہے۔ دارالترجمہ کی شائع کردہ جو کتب بچ رہی ہیں، ان کی تعداد اور موضوعات درج ذیل ہیں۔

تاریخ یورپ (13)، منطق (4)، تاریخ انگلستان (7)، مابعد الطبیعیات (3)، تاریخ یونان (8)، نفسیات (12)، تاریخ روما (8)، اخلاقیات (11)، تاریخ اسلام (18)، جغرافیہ (5)، قانون (11)، ریاضیات (27)، سیاسیات (13)، طبیعیات (21)، دستور انگلستان (4)، علم کیمیا (17)، معاشیات (13)، علم حیاتیات (6)، عمرانیات (2)، طب (28)، فلسفہ (16)، انجینئرنگ (39) اور تاریخ ہند (عہد ہنود، عہد اسلام اور برطانوی راج)۔

دارالترجمہ کا طریقہء کار یہ تھا کہ جامعہ عثمانیہ کی کمیٹیاں اپنی اپنی ضرورت کی کتابوں کا انگریزی کتب سے انتخاب کرتیں اور مجلس اعلیٰ کی منظوری کے بعد اپنی تحریک دارالترجمہ کو بھجوا دیتیں، دارالترجمہ سے ان کتب کا ترجمہ ہو جاتا تو اس شعبہ سے متعلق ماہرین فن نظرثانی کا فریضہ ادا کرتے اور مجلس اعلیٰ میں عمومی بحث کے بعد ترجمہ طباعت کے مراحل سے گزرتا تھا۔

ترجمہ کے دوران میں مترجمین ایسے الفاظ اور اصطلاحات کی فہرستیں متعلقہ مجالس وضع اصطلاحات میں بھجواتے رہتے، جن کے مترادفات اردو میں نہیں ملتے۔ متعلقہ مجالس وضع اصطلاحات کا کام علمی اور فنی اصطلاحات وضع کرنا تھا۔ وضع اصطلاحات سے متعلق مجالس کے اراکین دو طرح کے تھے۔

(1) عربی، فارسی اور اردو زبان میں کامل عبور رکھنے والے

(2) متعلقہ مضمون پر کامل دستگاہ کے حامل افراد

مختلف مضامین پر دستگاہ کے حامل افراد عموماً باہر سے بلوائے جاتے تھے جبکہ مجالس وضع اصطلاحات میں زبان کے ماہرین کے طور پر نواب حیدر یار جنگ نظم طباطبائی، علامہ عبداللہ العمادی، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ڈاکٹر عبدالحق، مرزا محمد ہادی رسوا، مولوی عبدالباری ندوی، پروفیسر وحید الدین سلیم، کتاب 'وضع اصطلاحات' اسی زمانے کی یادگار ہے۔ اور حکیم شمس اللہ قادری باقاعدہ دارالترجمہ سے منسلک تھے۔

دارالترجمہ کے قیام سے پہلے فورٹ ولیم کالج، دہلی کالج، شمس الامراء (شمس المطابع)، روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی، سائنٹفک

سوسائٹی غازی پور، سلسلہ آصفیہ حیدر آباد دکن، اور دارالمصنفین اعظم گڑھ وغیرہ اداروں نے جو کوششیں کیں وہ سب عارضی نوعیت کی تھیں۔ ان میں سے اکثر اداروں کا مقصد صرف یہ تھا کہ اردو داں طبقے کو کسی نہ کسی طرح علوم جدیدہ سے واقف کرایا جائے۔ مثال کے طور پر شمس الامراء، دہلی کالج اور دارالمصنفین اعظم گڑھ کے ارباب علم نے ترجمے عموماً ثانوی درجے کی نصابی اغراض کے تحت کرائے اور روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی اور سائنٹیفک سوسائٹی غازی پور نے اصلاحی غرض سے، لیکن ان تمام اداروں کو اتنے مواقع اور ذرائع حاصل نہ تھے، جو دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کو حاصل رہے۔ یہی وجہ ہے کہ 'دارالترجمہ' کے تراجم کا اثر تادیر قائم رہا۔

دارالترجمہ کے شائع کردہ تراجم کا قدیم دور کے تراجم سے تقابلی مطالعہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جامعہ عثمانیہ (دارالترجمہ) کے ماہرین مضامین، اور ماہرین لسانیات، کی سائنٹیفک بنیادوں پر مشترکہ محنت نے اردو الفاظ کے مفاہیم کے تعین اور وضع اصطلاحات کو پہلی بار باضابطہ اور مستقل بنانے کا جتن کیا۔

ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے دارالترجمہ کی اوّلین مطبوعات کی فہرست کے مقدمہ میں لکھا تھا کہ نئے وضع کردہ الفاظ اور نئی اصطلاحات یقیناً اجنبی اور نامانوس معلوم ہوں گے اور اہل زبان اس پر ناک بھوں چڑھائیں گے لیکن چونکہ بالکل نئے علوم اردو میں منتقل کئے جا رہے ہیں اس لئے ایسا ہونا قدرتی امر ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق نئی لفظیات کو وضع کرتے وقت انتہائی احتیاط برتی گئی اور ترکیب و اشتقاق کے مروجہ اصولوں کی پابندی کی گئی تھی، اس کے باوجود اگر غرابت محسوس کی جاتی ہے تو یہ واجبی بھی ہے، اس لیے کہ:

> ایسا ملک جس سے ایجاد و اختراع کا مادہ سلب ہوگیا ہو، جہاں کے لوگ نئی چیزوں کے بنانے یا دیکھنے کے عادی نہ ہوں، وہاں ایسا ہونا تعجب کی بات نہیں۔ (مقدمہ: مطبوعات دارالترجمہ)

وضع اصطلاحات کی صحت اور سقم کا معاملہ ہمیشہ سے آنے والے عہد سے متعلق رہا ہے۔ دارالترجمہ کی مطبوعات میں اسلوب بیان کی اجنبیت ایک حد تک ضرور دیکھنے میں آئی لیکن یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ دارالترجمہ کا قیام اردو کو نئے علوم وفنون سے روشناس کرانے کی اوّلین باقاعدہ اور مستقل کوشش تھی۔ دارالترجمہ نے علوم جدیدہ کا معتد بہ ذخیرہ اردو میں منتقل کر دیا اور علمی خیالات کے اظہار کے لئے گنجائش پیدا کر دی۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ دارالترجمہ کی اصطلاحات سازی کے باب میں لکھتے ہیں:

> ''عثمانیہ یونیورسٹی کے دارالترجمہ میں علوم کی کئی کتابوں کے اردو میں ترجمہ ہوئے، چونکہ اس وقت یہ تصور عام تھا کہ اردو، فارسی اور عربی سے استفادہ کرسکتی ہے، اس لئے اصطلاحیں زیادہ تر انہیں ماخذ سے لی گئیں۔ اس سے عربیت کی لے بڑھ گئی، نیز چونکہ اردو کی ہند آریائی میراث کو اور مخلوط صوتیات کو نظر انداز کیا گیا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ترجموں کی زبان ثقیل، بوجھل اور ادق ہوگئی۔ آج جامعہ عثمانیہ کی یہ کتابیں اوراق پارینہ کا درجہ رکھتی ہیں اور ان ہزاروں اصطلاحوں کو آج کوئی پوچھتا بھی نہیں جو اس زمانے میں وضع ہوئی تھیں۔''
>
> (''اصطلاحات سازی'' مطبوعہ: ''غالب'' کراچی، جنوری فروری مارچ 1976ء)

آخری بات کے حوالے سے مرزا ظفر الحسن نے حاشیہ میں لکھا تھا کہ:

''پروگریسو پبلشرز ماسکو کے شعبہ اردو کے سربراہ مسٹر وی۔ اے گوری لن کہتے ہیں ان کے ادارے نے جامعہ عثمانیہ کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔''

حق بات تو یہی ہے کہ اگر پروگریسو پبلشرز ماسکو والے بھی دارالترجمہ کی وضع کردہ اصطلاحات سے استفادہ کرتے رہے تو ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی طرح دارالترجمہ کی تمام اصطلاحات کو جوش بیان میں یک قلم مسترد نہیں کیا جا سکتا۔

دارالترجمہ کی وضع کردہ اصطلاحات کے باب میں ''دارالترجمہ حیدر آباد دکن'' کے عنوان سے ڈاکٹر رضی الدین صدیقی لکھتے ہیں:

''وضع کردہ اصطلاحات پر نظر ثانی اور غور کا سلسلہ جاری رہتا تھا اور تجربے کی روشنی میں انہیں سہل بنانے کا کام بھی ہوتا رہتا۔ ابتداء میں کیمیاوی عناصر اور مرکبات کے ناموں کا بھی ترجمہ کرنے کا رجحان پایا جاتا تھا۔''

چنانچہ ابتداء میں چودھری برکت علی صاحب نے اس قسم کی اصطلاحیں بھی استعمال کیں جیسے:

ہائیڈروجن کے لئے مائین، آکسیجن کے لئے حمضین، نائٹروجن کے لئے ترشین اور جامعہ کے پہلے انٹرمیڈیٹ امتحان میں شریک طلباء کو ایسی اصطلاحیں حفظ کرنی پڑیں۔ مگر ایسی اصطلاحیں رائج اور مقبول نہ ہوسکیں 11 فروری اور 9 مارچ 1919ء کو وضع اصطلاحات کی مجلس کے دو اجلاس ہوئے۔

نواب عمادالملک (سید حسین بلگرامی) ان کے صدر تھے ان اجلاسوں میں اس قسم کی اصطلاحوں کے مسئلے پر تفصیلی مباحث ہوئے اور طے پایا کہ صرف انہی الفاظ کا ترجمہ کیا جائے جو تعاملات Processes اور عام استعمال میں آنے والے مادوں، جیسے لوہا، چاندی وغیرہ کے نام ہوں اور کیمیاوی عناصر اور مرکبات کے ناموں کا ترجمہ نہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں قطعی فیصلہ تکنیکی اصطلاحات کی مجلس کے اجلاس منعقدہ 12 مئی 1920ء کو ہوا۔ امیر جامعہ (چانسلر) سر علی امام اس اجلاس کے صدر تھے اور سر اکبر حیدری، سر آر گلینی، پروفیسر عبدالرحمٰن خاں اور دیگر حضرات اس میں شریک تھے۔ اس طریقہ کار سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ سائنسی اصطلاحات کے ترجمے کے سلسلے میں جامعہ عثمانیہ کا رویہ شدت پسندانہ کبھی نہ رہا اور ہمیشہ زبان کو سہل بنانے اور اسے ترقی دینے کی طرف توجہ رہی۔

وضع اصطلاحات کا کام بڑا ہی تفصیلی اور طویل ہوتا تھا۔ ہر اصطلاح پر مفصل بحث ہوتی۔ جس میں نہ صرف وضع کردہ اصطلاح کی تکنیکی خوبیوں اور خصوصیات پر غور کیا جاتا بلکہ متعلقہ انگریزی اصطلاح کی یونانی یا لاطینی اصل اور اس کے ہم معنی عربی، فارسی یا سنسکرت اصل پر بھی بحث ہوتی۔ یہ بھی دیکھا جاتا تھا کہ آیا یہ اصطلاح عربی، فارسی یا دیگر زبانوں کے علماء اپنی تحریروں میں اسی طرح اور انہی معنوں میں استعمال کرتے ہیں اور یہ بھی کہ کیا اردو میں بھی اس کو اسی صورت میں اختیار کرلیا جائے یا اس میں مناسب تبدیلی ضروری ہے اور پھر یہ بھی کہ یہ اصطلاح اردو زبان کے مزاج سے مطابقت بھی رکھتی ہے یا نہیں۔ ایک اور اہم بات جو زیر بحث آتی وہ یہ ہوتی کہ منتخب اصطلاح مختلف ترکیبوں، مشتقات اور جمع یا واحد کی شکل میں بھی باآسانی ڈھالی جاسکتی ہے یا نہیں۔

ان تفصیلات کے پیش نظر یہ بات چنداں تعجب خیز نہیں کہ ایک ایک اصطلاح کے بنانے میں کافی وقت صرف ہو جاتا تھا۔ وضع اصطلاحات کا یہ کام 1917ء سے 1950ء یعنی قریباً ایک تہائی صدی تک جاری رہا۔'' (''اخبار اردو'' اسلام آباد، مارچ 1975ء)

جانکی پرشاد لکھتے ہیں کہ دارالترجمہ کی مجلس وضع اصطلاحات نے 1939ء تک تقریباً پچپن ہزار اصطلاحات وضع کرلی تھیں۔

(''عصر جدید'' مطبوعہ: اعظم گڑھ: 1934ء)

دارالترجمہ کی شائع کردہ پہلی کتاب 'منطق استخراجی و استقرائی' کے نام سے مولانا عبدالماجد دریابادی نے ترجمہ کی تھی جو 1919ء میں شائع ہوئی۔ دارالترجمہ کی مطبوعہ فہرست کتب بابتہ 1932ء میں کل 358 کتابوں کا اندراج ملتا ہے۔ زمانہ مابعد کی بابت جانکی پرشاد (مددگار دارالترجمہ) اپنی کتاب 'عصر جدید' (مطبوعہ: اعظم اسٹیم پریس، 1934ء) میں لکھتے ہیں:

''یہ سررشتہ اب تک ان تمام مضامین پر جو جامعہ کی تدریس میں شامل ہیں 369 کتابوں سے اردو زبان کو مالا مال کر دینے کا باعث ہوا۔'' (ص 35 سے اقتباس)

سیّد محمد صاحب (ریڈر جامعہ عثمانیہ) اور محمد احمد سبزواری صاحب نے دارالترجمہ کی شائع کردہ کتب کی تعداد 500 بتائی ہے، لیکن یہ سب قیاسی تخمینے ہیں۔

1۔ دارالترجمہ کی پہلی فہرست کتب، مطبوعہ: 1932ء میں 358 کتابوں کا اندراج ہے۔

2۔ دارالترجمہ کی تیسری فہرست کتب مطبوعہ: 1938ء میں 530 کتابوں کا اندراج ہے۔

3۔ دارالترجمہ کی پانچویں فہرست کتب مطبوعہ: 1945ء میں 497 کتابوں کا اندراج ہے۔

نوٹ: اس فہرست میں 111 مجوزہ کتب کو شمار نہیں کیا گیا۔ یقیناً کتب پریس میں بھی ہوں گی۔ نیز اس میں انجمن کی رپورٹیں شامل نہیں۔

دارالترجمہ 1948ء تک فعال رہا لیکن دارالترجمہ کی آخری فہرست کتب شائع نہیں ہوئی۔ یوں دستیاب رپورٹوں اور فہارس مطبوعات کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ دارالترجمہ کی شائع کردہ کتب، پمفلٹوں، رپورٹوں اور رسائل کی اصل تعداد 650 کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ ''مملکت حیدر آباد: ایک علمی، ادبی اور ثقافتی تذکرہ'' مطبوعہ بہادر یار جنگ اکادمی، کراچی، نومبر 1967ء میں 620 کتب کا اندراج ملتا ہے۔

جہاں تک مغربی زبانوں سے اردو میں منتقل ہونے والی کتب کا تعلق ہے تو وہ زیادہ تر تاریخ، جغرافیہ، سیاسیات، قانون، منطق، نفسیات، عمرانیات، ریاضیات، معاشیات، طب اور انجینئرنگ سے متعلق ہیں۔ ادب کی کسی صنف سے متعلق دارالترجمہ کی شائع کردہ کسی کتاب کا ترجمہ تاحال میری نظر سے نہیں گزرا۔

دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے خاتمے کو آندھرا پردیش کے وزیر مالیات پی۔مہندر ناتھ نے ایک لسانی المیہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ:

''دارالترجمہ کی برخاستگی کا فیصلہ سابق وزیر اعلیٰ جے رام کرشن راؤ کے دور میں کیا گیا، جو خود اردو کے ساتھ فارسی و عربی زبان کے ماہر بھی تھے۔''

(بہ حوالہ: ماہنامہ ''آموزگار'' بھارت، جون: 1985ء)

جامعہ ملیّہ اسلامیہ۔ دہلی 1920ء

جامعہ ملیہ کے تاسیس کے باب میں عملی سطح پر کچھ باتیں ایسی وقوع پذیر ہوئیں کہ رفتہ رفتہ یہ خیال راسخ ہوتا گیا کہ جامعہ ملیہ علی گڑھ تحریک کے خلاف ردعمل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ جامعہ ملیہ کے قیام کے موقع پر برملا کہا سنا گیا کہ علی گڑھ

کالج سے سید احمد خان کی توقعات پوری نہیں ہوئیں۔ سید صاحب علی گڑھ کالج کو قوم کے عالمی علمی احیاء کا ایک مرکز بنانا چاہتے تھے، لیکن علی گڑھ کالج نے کوئی قابل ذکر علمی روایت قائم نہیں کی۔ یعنی سید صاحب کے ارادے کچھ تھے اور عملاً ہوا کچھ۔ اس بحث مباحثے میں جامعہ عثمانیہ کا ذکر بھی بار بار ہوا اور کھل کر بحثیں ہوئیں۔ علی گڑھ تحریک کو مادیت پسندی کا طعنہ دیا گیا اور تحریک کی پیدا کردہ ذہنیت کو رد کیا گیا۔ نیز اس خیال کا اظہار کھل کر کیا گیا کہ مطمع نظر کو محدود اور سرکاری ملازمت کو علی گڑھ تحریک کا اہم ترین عملی مقصد بنانے سے روحانی اقدار پر ضرب کاری لگی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خود علی گڑھ میں ایک ایسے ادارے کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا جانے لگا جس کا بنیادی مقصد اور دستور العمل علی گڑھ تحریک سے مختلف ہو۔ چنانچہ سید احمد خان کے نامور رفیق کار نواب وقار الملک نے 1912ء میں ایک جداگانہ جامعہ اسلامیہ قائم کرنے کی اسکیم پیش کی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ اسے گورنمنٹ کے اثر سے آزاد رکھا جائے۔ اس اسکیم کو اس زمانے میں عملی جامعہ نہ پہنایا جا سکا لیکن 1920ء میں جب تحریک ترک موالات کا زور بندھا اور مسلم طلبہ نے سرکاری تعلیمی اداروں کو خیر باد کہا تو جامعہ اسلامیہ کا قیام ناگزیر ہو گیا لہٰذا علی گڑھ میں نیشنل مسلم یونیورسٹی کالج کا قیام عمل میں آیا۔ یہی کالج بعد میں دہلی منتقل ہو کر 'جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی' کے نام سے مشہور ہوا۔

نیشنل مسلم یونیورسٹی کالج کے قیام کا اعلان 29 اکتوبر 1920ء کو شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی نے کیا۔ انہوں نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا:

> ہماری عظیم الشان قومیت کا اب یہ فیصلہ نہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے کالجوں سے بہت سستے داموں کے غلام پیدا کرتے رہیں۔ ضرورت ہے کہ ہماری تعلیم اغیار کے اثر سے کلیتہً آزاد ہو۔

حکیم اجمل خان نیشنل کالج کے اوّلین امیر اور مولانا محمد علی جوہر شیخ الجامعہ مقرر ہوئے۔ مولانا جوہر کی گرفتاری کے بعد اُن کی جگہ خواجہ عبدالمجید نے لی۔ جامعہ کی اولین نصاب ساز کمیٹی کے 16 ارکان میں پنڈت جواہر لال نہرو اور علامہ اقبال کے اسمائے گرامی بھی تھے۔ جامعہ نیشنل کالج علی گڑھ تحریک خلافت کی حمایت کر رہی تھی لیکن رفتہ رفتہ جب سیاسی اثر کم ہونا شروع ہوا اور تحریک خلافت کا زور ٹوٹا تو آمدنی کے سوتے خشک ہوتے چلے گئے۔ ایسے میں حکیم اجمل خان کی کوششوں سے یہ طے پایا کہ جامعہ نیشنل کالج کو علی گڑھ سے دہلی منتقل کر دیا جائے۔ چنانچہ 1925ء کی تعطیلات موسم گرما میں جامعہ دہلی آ گئی اور قرول باغ میں چند کرایے کے مکانات میں تحریک ترک موالات کی یادگار، اس درسگاہ نے 7 جولائی 1925ء سے دوبارہ اپنا سفر آغاز کیا۔ دہلی منتقلی سے متعلق فیصلے کے لئے منعقدہ جلسے 18 مارچ 1925ء علی گڑھ میں مہاتما گاندھی بھی شریک تھے۔

فروری 1926ء میں ڈاکٹر ذاکر حسین جرمنی سے واپسی لوٹے تو انہیں شیخ الجامعہ اور ڈاکٹر عابد حسین کو رجسٹرار مقرر کیا گیا۔ اس زمانے میں پروفیسر محمد مجیب تعلیمی رہنمائی کے فرائض انجام دیتے تھے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین کا اجتہادی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے جامعہ کے اساتذہ اور کارکنان پر مشتمل انجمن جامعہ ملیہ اسلامیہ قائم کی اور عہد کیا کہ بیس برس تک جامعہ کی خدمت کریں گے اور 150 روپے سے زیادہ ماہانہ تنخواہ نہیں لیں گے۔ جامعہ کا یہ دور ایثار و قربانی کا دور ہے۔

1931ء میں تعلیمی ادارے کی اوّلین عمارت قرول باغ میں بنائی گئی لیکن 1935ء میں جامعہ کو اوکھلے کے کھلے علاقے میں منتقل

کرنے کی تجویز پیش ہوئی اور 1936ء میں یہ علمی درسگاہ اپنی مستقل آبادی جامعہ نگر منتقل ہوگئی۔ اس طرح نئی عمارت میں نجی پریس کا قیام عمل میں آنے سے رسالہ 'جامعہ، دہلی کا جنوری 1937ء میں اجراء ہوا۔ سچ پوچھیے تو 'جامعہ' کے سب سے عمدہ پرچے ڈاکٹر شمیم حنفی نے مُرتب کیے۔

ہندوستان کی تقسیم کبیر کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ میں نقطہ نظر کی حد تک خاصی تبدیلیاں آئیں، یہاں تک کہ یو۔جی۔سی ایکٹ کے دفعہ 3 کے تحت جون 1963ء میں اس ادارے کو حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا۔

مکتبہ جامعہ نے اب تک متعدد اہم تراجم شائع کیے ہیں جیسے:

'آلپس کے گیت' (ناولٹ) ترجمہ قرۃ العین حیدر، 'زندگی کی لہر' (ناول) از ساؤمنگ ترجمہ محمد خلیق، 'تاریخ ادبیات تاجکستان' ترجمہ کبیر احمد جائسی، بوطیقا، 'بعنوان فن شاعری' ترجمہ: عزیز احمد، 'اینٹنی اور کلوپیٹرا' ترجمہ: منیب الرحمٰن، 'میں واپس آؤں گا' (ناول از ہاورڈ فاسٹ) ترجمہ: محمد انس، 'آئینۂ ایام' (ڈرامہ از جے، پرسٹیلے) ترجمہ: خلیق احمد، 'شکست ناتمام' (ناول از جان سٹین بک) ترجمہ: خلیق احمد 'شکست ناتمام' (ناول از جان سٹین بک) ترجمہ: زہرہ سیدین۔ مکتبہ جامعہ کے شائع کردہ تراجم کے لئے دیکھیے 'توضیحی کتابیات'۔

رسالہ 'جامعہ' دہلی میں شائع کردہ مضامین کی فہرست بابت: جنوری 1937ء تا 1947ء دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ رسالہ 'جامعہ' اپنی ابتداء سے ہی مغرب کی طرف بھرپور نظر ڈالنا چاہتا تھا۔ مغربی ادبیات اور ادیبوں سے متعلق مضامین 1937ء سے ہی چھپنا شروع ہو گئے تھے مثلاً:

روسو (مضمون) از پروفیسر محمد مجیب، شمارہ: اپریل 1937ء

دانتے (مضمون) از پروفیسر محمد مجیب، شمارہ: جولائی 1937ء

روسی ظرافت (مضمون) از پروفیسر محمد مجیب، شمارہ: نومبر 1940ء

والٹیر (مضمون) از فیض الاسلام، شمارہ: جون 1941ء

رسالہ 'جامعہ' میں تراجم کا سلسلہ بھی جاری تھا چند مثالیں ملاحظہ ہوں: 'روس کی موجودہ حالت' کریسنٹ/ پروفیسر محمد مجیب: شمارہ جون 1937ء۔ ترجمہ سے نمونہ عبارت:

''روس میں اگرچہ مذہب کا نشان نہیں ہے، لیکن لینن کے نظریات اور اس کی تصنیفات محرک کا کام کر گئیں۔ لوگ کسی روحانی ذات کے حضور میں جھکنے کے لئے بے قرار نظر آتے ہیں، دوسرے اعتبار سے بھی روس یورپ کے مقابلے میں مختلف ہے۔''

'جارج برنارڈ شا' چرچل/ شیر محمد اختر، شمارہ: مئی 1938ء

جناح نہرو: خط کتابت، / ترجمہ: ایک مسلم سوشلسٹ، شمارہ: جولائی 1938ء

'غریبی'۔ جارج برنارڈ شا/ محمد عاقل، شمارہ: فروری 1939ء

'احساسِ کمتری'۔ ڈاکٹر ایڈلر/ شیر محمد اختر، شمارہ: مارچ 1940ء 'خودکشی' گابریل ایموائے/ سید ناصر الدین ہاشمی، شمارہ: جولائی 1940ء

(نوٹ) جامعہ ملیہ کے تراجم کے لئے دیکھیے: ''توضیحی کتابیات'' باب ہشتم۔ صفحہ :283

ہندوستانی اکیڈمی۔ الہ آباد۔ 1927ء

اردو اور ہندی ادب کی ترویج و ترقی کی غرض سے صوبہ جاتِ متحدہ کی حکومت نے 1927ء میں 'ہندوستانی اکیڈمی' کے نام سے ایک ادارہ الہ آباد میں قائم کیا۔

سر تیج بہادر سپرو اکیڈمی کے اوّلین صدر اور ڈاکٹر تارا چند اوّلین سیکرٹری منتخب ہوئے۔ واضح رہے کہ اکیڈمی کا قیام حکومت صوبہ جات متحدہ کے گورنر سر ولیم میرس کی زیر سرپرستی 'منشی دیا نرائن نگم ('مدیر زمانہ' کانپور) کی سعی بلیغ کے سبب وجود میں آیا۔

اکیڈمی کے اغراض و مقاصد میں یہ بھی شامل تھا کہ اردو اور ہندی کی ترقی کی غرض سے عمدہ تصانیف اور تراجم کے واسطے ہندوستانی جامعوں اور ادبی انجمنوں یا دوسرے قابل انشا پردازوں کو مالی امداد دی جائے۔

اکیڈمی کے انتظامات ایک کونسل اور ایک مجلس عاملہ کے سپرد تھے، جبکہ اصل اختیارات رفقاء اساسی کے ہاتھ میں رہے، جن کا انتخاب کونسل کے اراکین کیا کرتے تھے۔

اکیڈمی نے اپنا ادبی رسالہ 'ہندوستانی' 1931ء میں جاری کیا۔ جس میں انگریزی زبان سے تراجم تواتر کے ساتھ شائع ہوتے رہے۔ رسالہ 'ہندوستانی' کی مجلس ادارت میں 1931ء سے 1936ء تک ڈاکٹر تارا چند، سیّد مسعود حسن رضوی ادیب، منشی دیا نرائن نگم، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی (سابق صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ) اور مولوی اصغر حسین اصغر جیسے نامور ادباء رہے۔

رسالہ 'ہندوستانی' کے مندرجات پر ایک نظر ڈالیں تو ترجمے کے باب میں اکیڈمی کی مساعی کا احوال کھلتا ہے۔ مثال کے طور پر شمارہ بابت: اپریل تا اکتوبر 1946ء کی محض ایک اشاعت میں رابندر ناتھ ٹیگور کے انگریزی سے تین تراجم شائع کئے گئے:

1۔ راجہ و رانی (ڈرامہ) ٹیگور۔ اصغر علی سیّد سکندر آبادی

2۔ کرن اور کنتی (ڈرامہ) ٹیگور/ ایضاً

3۔ ڈاکخانہ (ڈرامہ) ٹیگور/ ایضاً

اسی طرح اکیڈمی کے لئے منشی فاضل محمد نعیم الرحمٰن نے جرمن ڈرامہ نگار لیسنگ کی تصنیف 'ناتن' کا ترجمہ اصل جرمن زبان سے کیا اور منشی جگت موہن لال رواں نے انگلستان کے ڈراما نگار جان گالزوردی کے ایک ڈرامے کو 'فریب عمل' کے نام سے اردو میں منتقل کیا۔

ادارہ ادبیاتِ اردو۔ حیدر آباد دکن۔ 1931ء

اس ادارے کی تشکیل کا خیال ڈاکٹر سیّد محی الدین قادری زور کے ذہن میں پیدا ہوا، اور انہوں نے یورپ سے واپسی کے فوراً بعد پروفیسر عبدالقادر سروری، نصیر الدین ہاشمی، پروفیسر عبدالمجید صدیقی اور پروفیسر عبدالقادر صدیقی کے ساتھ مل کر 1931ء میں 'ادارہ ادبیات اردو' کی حیدر آباد شہر میں بنیاد رکھی۔ ادارہ کا فنڈ بھی اصحاب مذکور کے عطیوں سے شروع کیا گیا۔

جنوری 1938ء میں ادارے کا ترجمان ماہ نامہ 'سب رس' کے نام سے جاری ہوا۔ اس پرچے کے مندرجات کو دیکھ کر پتا چلتا

ہے کہ ادارے نے انگریزی سے اردو ترجمے کے کام کو سنجیدگی سے آگے بڑھایا۔ اگست 1938ء میں ادارے کو مختلف شعبوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ان شعبہ جات میں ہمارے موضوع سے متعلق (1) شعبہ زبان (2) شعبہ تالیف و ترجمہ اور (3) شعبہ سائنس ہیں۔ ان میں سے ہر ایک شعبے کا ایک دائمی یا سیکرٹری منتخب ہوا اور ہر شعبے کے ارکان کی تعداد کم از کم چار تھی۔

مجموعی طور پر 'ادارۂ ادبیات اردو' کے سرپرست اعلیٰ شہزادہ اعظم جاہ ولی عہد سلطنت آصفیہ تھے۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور 1962ء تک معتمد اعزازی رہے۔ اُن کی وفات کے بعد ڈاکٹر مہندر راج سکسینہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ ادارے کے ارکان مجلس انتظامی کے نام درج ذیل ہیں۔ یہ اصحاب 1956ء تک کارگزار رہے:

(1) نواب اعظم جنگ (2) نواب معین نواز جنگ (3) پروفیسر عبدالقادر سروری (4) نصیرالدین ہاشمی (5) پروفیسر عبدالمجید صدیقی (6) خواجہ حمید الدین شاہد اور (7) رائے جانکی پرشاد۔

جبکہ ادارے کے معاونین میں ڈاکٹر مولوی عبدالحق اور پروفیسر سجاد مرزا بیگ کے نام بہت نمایاں ہیں۔

1960ء میں ادارہ ادبیات اردو کی شان دار عمارت، 'ایوان اردو' کا افتتاح بخشی غلام محمد وزیراعظم کشمیر نے کیا تھا۔ ادارے کے عجائب گھر میں مشاہیر کے اردو خطوط، تراجم اور تصاویر کے علاوہ ریاست حیدرآباد کے ثقافتی شاہکار مثلاً کتبات، فرامین اور ان کے چربے محفوظ ہیں۔

1960ء تک ادارے نے مختلف موضوعات پر 270 کتابیں شائع کیں، جن میں تراجم کی بھی معقول تعداد ہے۔ ادارے کی شائع کردہ کتب میں ہمارے موضوع سے متعلق مولوی میر حسین کی دو کتابیں، 'مغربی تصانیف کے اردو تراجم' اور 'ورڈز ورتھ کی شاعری' خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔

مجلس ترقی ادب، لاہور۔ 1950ء

یہ ادارہ مئی 1950ء میں حکومت پنجاب کے محکمہ تعلیم نے زبان اردو کی بقا اور اس کے ارتقا کے لئے ایک لاکھ روپے کی ابتدائی امداد سے ''مجلس ترجمہ'' کے نام سے قائم کیا۔ اس زمانے میں اس ادارے کا کام صرف اتنا تھا کہ مشرق و مغرب کی بلند پایہ علمی کتب منتخب کر کے ان کے اردو ترجمے کرائے اور انہیں شائع کرنے کا اہتمام کرے۔

1958ء میں حکومت مغربی پاکستان کے محکمہ تعلیم نے اس ادارے کو ایک نئی شکل بخشی اور اس کا نام 'مجلس ترقی ادب' رکھا۔ مجلس کے اغراض و مقاصد کی تفصیلات حسب ذیل ہے:

1۔ اردو کے کلاسیکی ادب کی اشاعت۔

2۔ مشرقی و مغربی زبانوں کی علمی کتب کے تراجم اور (حسب ضرورت) متون کی اشاعت۔

3۔ بلند پایہ تحقیقی اور تنقیدی ادب کی اشاعت۔

مجلس کے تحت تراجم کا کام اسی وقت شروع ہو گیا تھا جب اس ادارے کا نام 'مجلس ترجمہ' تھا، لیکن بعد میں یہ طے پایا کہ علمی کتابوں کے تراجم کم اور عام فہم علمی کتابوں کے تراجم زیادہ شائع کئے جائیں۔

ادبی کتب کے باب میں مجلس نے بالخصوص ڈرامے سے متعلق کتب کی اشاعت کا اہتمام بڑے پیمانے پر کیا۔

امتیاز علی تاج (ناظم، مجلس ترقی ادب۔ 1967ء) مجلس کے تراجم کے باب میں رقمطراز ہیں:

> عام فہم علمی کتابوں کے اکثر تراجم میں ایک عیب یہ دیکھا گیا تھا کہ اصل کتاب کو انگریزی میں پڑھیے تو دلنشینی اور روانی کا لطف ملتا ہے مگر ترجمہ پڑھیے تو عموماً قدم قدم پر ذہن کو ایسی ٹھوکریں سی لگتی ہیں جو طبیعت کو منغض کر دیتی ہیں۔ ترجمے کا اصل سے مقابلہ کر کے دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ عیب عموماً اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ مترجم کتاب کا لفظی ترجمہ کرنے کی کوشش ضرورت سے زیادہ کرتے ہیں۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے طے کیا گیا کہ لفظی ترجمے پر اصل کتاب کی لطافت کو قربان کر ڈالنا بے معنی بات ہے اور پھر عام فہم علمی کتاب میں لفظی ترجمے آخر کیا؟ یہ شیکسپیئر یا ایسے ہی کسی دوسرے ادیب کا شاہکار تو ہوتا نہیں جس میں ایک ایک جُملے کی ساخت اور ایک ایک لفظ کے معنی اور رنگ پر بہت شدّت سے غور کرنے کی ضرورت ہو۔
>
> (''مجلس ترقی ادب لاہور: تعارف اور خدمات''، مطبوعہ مطبع عالیہ، لاہور: 1967ء)

مجلس کی کارکردگی واقعتاً قابلِ تحسین ہے۔ 1958ء کے آخر تک مجلس کی جانب سے 22 کتابیں شائع ہوئیں جبکہ 1959ء کے آغاز سے 1972ء کے اختتام تک مجلس نے 241 کتابیں شائع کیں۔ ان میں سے مندرجہ ذیل تراجم ہمیشہ یادگار رہیں گے:

1۔ حکایاتِ پنجاب (حصہ دوم، سوم) آر۔سی۔ ٹمپل/ میاں عبدالرشید، مطبوعہ: 1962ء

2۔ مطالعہ تاریخ (دو جلدوں میں) ٹائن بی/ غلام رسول مہر، مطبوعہ: 1963ء

3۔ 'جدید سیاسی نظریے کا تعارف' از سی۔ای۔ ایم۔ جوڈ/ عبدالحصی مطبوعہ: 1954ء

4۔ مقدمہ تاریخ سائنس (جلد اوّل) سارٹن/ سیّد نذیر نیازی، مطبوعہ: 1958 (جلد سوم) سارٹن/ سیّد نذیر نیازی، مطبوعہ: 1960ء

5۔ مادام کیوری، / ابوالحسن نغمی، مطبوعہ: 1960ء

6۔ غیب و شہود، اڈنگٹن/ سیّد نذیر نیازی، مطبوعہ: 1960ء

7۔ 'افکارِ حاضرہ' سی۔ایم۔ جوڈ/ محمد بن علی وہاب، مطبوعہ: 1967ء

8۔ 'فلسفۂ مذہب' ایڈون اے۔ برٹ/ بشیر احمد ڈار، مطبوعہ: 1968ء

9۔ 'شاخِ زریں' (دو جلدیں) جیمس جارج فریزر/ سیّد ذاکر اعجاز، مطبوعہ: 1965ء

10۔ 'مجرم کون؟' جے۔بی۔ پرسٹلے/ اظہار کاظمی، مطبوعہ: 1966ء

11۔ 'نفسیات و ارادتِ روحانی' ولیم جیمز/ خلیفہ عبدالحکیم، مطبوعہ: 1965ء

12۔ ''آر۔یو۔آر'': کارل چاپیک/ پطرس و تاج، مطبوعہ: 1967ء

(نوٹ) مجلس کے دیگر تراجم کے لئے دیکھئے: کتابیاتِ تراجم، جلد اوّل (علمی کتب) مُرتبہ: مرزا حامد بیگ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1986ء۔ 1953ء میں مجلس کا سہ ماہی جریدہ 'صحیفہ' منظر عام پر آیا۔ پرچے کے مندرجات دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ مجلس نے اس میں بھی ترجمے کے کام کو آگے بڑھایا۔ اس علمی، ادبی اور تحقیقی پرچے کو مجلس کے ناظم عابد علی عابد، احمد ندیم قاسمی اور شہزاد

احمد مرتب کرتے رہے ہیں۔

ریسرچ اکیڈمی۔ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس۔ کراچی 1951ء

سید احمد خان اور ان کے جانشینوں کی تعلیمی اور اصلاحی تحریک سے متعلق اس ادارے 'آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس۔ کراچی' کی بنیاد 1886ء میں سید احمد خان نے رکھی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد 1951ء میں اسی نام کے ادارے کا احیاء کراچی میں ہوا۔

کچھ ہی عرصہ بعد اس کے ذیلی ادارے، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، نے سہ ماہی مجلہ 'العلم' بھی جاری کیا۔ پرچے کے مندرجات دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ ریسرچ اکیڈمی زبان و ادب کی ترویج و ترقی کے ساتھ ساتھ تراجم کے کام کو بھی آگے بڑھا رہی ہے۔

کانفرنس کے پہلے دور میں سیکرٹری و مدیر 'العلم' و ڈائریکٹر اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، پروفیسر محمد حمید الدین خان تھے۔ جبکہ دوسرے دور میں سید الطاف علی بریلوی اس منصب پر فائز رہے۔

(نوٹ) آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی شائع کردہ کتب کے لئے دیکھئے: 'کتابیات تراجم' (علمی کتب) جلد اوّل مرتبہ: مرزا حامد بیگ، مطبوعہ: مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، 1986ء

پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی۔ کراچی۔ 1953ء

قیام پاکستان کے فوراً بعد ڈاکٹر سید معین الحق کی تحریک پر اس سوسائٹی کی ضرورت محسوس کی گئی اور فضل الرحمٰن (وزیر تعلیم سال 1950ء) کے ہاں اس سلسلے میں اوّلین جلسہ منعقد ہوا۔ 1953ء میں سوسائٹی کے قیام کے ساتھ اوّلین انتخاب ہوئے جن میں فضل الرحمٰن سوسائٹی کے صدر اور ڈاکٹر سید معین الحق جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ یاد رہے کہ 1967ء میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اس کے صدر منتخب ہوئے تھے۔ اس سوسائٹی کے قیام کے دو مقاصد تھے:

(1) معیاری تصانیف و تالیف کا کام

(2) تراجم

سوسائٹی کی ترجمے کے باب میں مساعی قابل ستائش ہے۔ سوسائٹی نے اپنے شائع کردہ تراجم کے ذریعے یہاں کے علمی کام کو یورپ میں متعارف کرانے کا فریضہ انجام دیا۔ 1953ء میں سوسائٹی کا جریدہ 'جرنل آف دی پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی' زیر ادارت ڈاکٹر سید معین الحق جاری ہوا۔ یہ پرچہ چیکوسلواکیہ، جاپان، اٹلی، مصر، ترکی، جرمنی، برطانیہ اور امریکہ میں یکساں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ سوسائٹی کی شائع کردہ کتب میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی 'دی ایڈمنسٹریشن آف دی سلطنت آف دہلی' ہمیشہ یادگار رہے گی۔

موسسہ مطبوعات فرینکلن، نیویارک۔ لاہور 1954ء

انسانیت کے سب سے بڑے مسئلے غربت اور جہالت کو سلجھانے کے لئے 1952ء میں امریکہ کے چند ماہرین تعلیم، ناشرین، لائبریرین اور تجارت پیشہ حضرات نے اس ادارے کی بنیاد رکھی۔ شروع میں اس ادارے کا نام 'فرینکلن پبلیکیشنز ان کارپوریٹڈ' تھا

جسے کچھ عرصے بعد 'فرینکلن بک پروگریمز کارپوریشن' کر دیا گیا۔

اس ادارے کا بنیادی مقصد انسانیت کی ضروریات مطالعہ کے مطابق کتابیں فراہم کرنا تھا۔ یہ ادارہ (1954ء تا 31 اگست 1972ء) ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کی نو آزاد اقوام میں ذوقِ تعلیم کو ابھارنے کی خاطر مندرجہ ذیل دائروں میں متحرک رہا۔

1۔ نشر و اشاعت کتب کا فروغ اور استحکام

2۔ تقسیم کتب کے طریقوں کی اصلاح اور ترقی

3۔ کتب خانوں کا قیام

یاد رہے کہ اس ادارے کا نام بنجمن فرینکلن کے نام پر رکھا گیا تھا جو امریکا کا پہلا کامیاب ناشر و طابع اور ریاست متحدہ امریکہ کی اولین پبلک لائبریری کا بانی تھا۔ فرینکلن کا قول ہے کہ: بہترین منافع اس سرمائے سے حاصل ہوتا ہے جو حصول علم پر لگایا جائے۔

فرینکلن بک پروگریمز کارپوریشن، کا مرکزی دفتر نیویارک (امریکہ) میں تھا، جس کے سولہ ذیلی دفاتر تھے:

(1) قاہرہ (جمہوریہ متحدہ عرب)، (2) کوالالمپور (ملائشیا)، (3) بیروت (لبنان)، (4) جکارتا (انڈونیشیا)، (5) بغداد (عراق)، (6) لاگوس (نائجیریا)، (7) تہران (ایران)، (8) تبریز (ایران)، (9) انوگو (نائجیریا)، (10) کادونا، (نائجیریا)، (11) کابل (افغانستان)، (12) نیروبی (کینیا)، (13) لاہور (پاکستان)، (14) ڈھاکہ (پاکستان)، (15) بیونس آئرس (ارجنٹائن)، (16) رایوڈی جنیرو (برازیل)۔

ہر دفتر کا عملہ مقامی لوگوں پر مشتمل تھا اور ہر دفتر اپنے انتظامی امور میں خود مختار تھا۔ اس عظیم منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سرمایہ امریکہ اور دوسرے ممالک کی حکومتوں، رفاہی اداروں، فاؤنڈیشنوں، کارپوریشنوں اور مخیّر حضرات سے فراہم ہوتا تھا۔ امریکہ کے علاوہ جن دوسرے ممالک نے سال 1966ء تک اس ادارے کی مالی اعانت کی، ان کے نام یہ ہیں:

افغانستان، برازیل، ارجنٹائن، فرانس، جرمنی، ایران، عراق، کویت، پرتگال، سعودی عرب، جمہوریہ متحدہ عرب اور برطانیہ۔

جولائی 1965ء تا جون 1966ء کے دوران فرینکلن کو کل 4،282،600 ڈالر یعنی تقریباً سوا دو کروڑ روپے مذکورہ بالا ذرائع سے موصول ہوئے۔

موسسہ فرینکلن کی مطبوعہ کتب کی رپورٹ

(1953ء۔ جون 1966ء)

عمومی کتابیں	کتابیں	ایڈیشن	کاپیاں	مجموعی تعداد
(عربی)				
قاہرہ	92	170	371،100	3،738،300
بیروت	15	77	43،000	492،800
بغداد	10		20،500	174،500
(فارسی)				
تہران	63	501	167،300	1،963،400
تبریز	11	65	11،800	73،200
کابل	1	1	1،000	1،000
(اردو)				
لاہور	17	450	37،300	948،800
(بنگالی)				
ڈھاکہ	41	325	115،700	1،016،100
(ملاوی)				
کوالالمپور	15	73	76،000	406،000
(انڈونیشی)				
جکارتہ	27	229	185،500	1،391،000
(ہسپانوی)				
بیونس آئرس		9	24،000	28،500
میکسیکو	3	3	9،000	9،000
(انگریزی)				
لاگوس	1	1	5000	5000
کل تعداد	303	2،724	1،030،200	10،247،600

درسی کتابیں

ایران فارسی	24	158	8،427،000	45،690،500
افغانستان فارسی اور پشتو	65	183	995،500	3،525،900
جمہوریہ متحدہ عرب (عربی)	29	121	635،500	1،132،100
میزان درسی کتب	118	482	10،058،000	51،348،500
کل تعداد	421	3،186	11،088،200	61،596،100

فرینکلن کے مرکزی آفس کے لئے ہر چار سال بعد انتخابات ہوتے تھے، جن کے ذریعے چیئرمین، صدر اور نائب صدر چنے جاتے تھے۔ مولانا حامد علی خان ڈائریکٹر موسسہ مطبوعات فرینکلن، لاہور شاخ کے زمانے میں اس ادارے کے مرکزی صدر مسٹر سمتھ تھے۔

موسسہ فرینکلن کا دفتر لاہور اپنی عمر اور کارگزاری کے اعتبار سے فرینکلن کا تیسرا بیرونی دفتر تھا۔ یہ 1954ء میں قائم ہو گیا تھا۔ اس دفتر سے قبل قاہرہ آفس 1953ء اور تہران آفس 1954ء قائم ہو چکے تھے۔

لاہور دفتر کے قیام کے وقت ادارے کا مرکزی نام یعنی فرینکلن پبلیکیشنز ان کارپوریٹڈ، ہی کہا گیا۔ لیکن لاہور دفتر کے پہلے مینیجر مقتدر کلیم الرحمٰن نے اس کا نام بدل کر 'مکتبہ فرینکلن' کر دیا۔ ستمبر 1955ء میں مولانا حامد علی خاں (سابق مدیر: ہمایوں، لاہور 'الحمرا' لاہور) میں بطور ایڈیٹر آئے۔ مقتدر کلیم الرحمٰن کی وفات (1956ء) کے بعد مولانا حامد علی خان نے بطور ڈائریکٹر چارج سنبھالا تو، مکتبہ فرینکلن، کا نام بدل کر 'فرینکلن پبلیکیشنز' کر دیا۔ لیکن اس نام سے یہ تاثر قائم رہا کہ یہ ادارہ کتابیں خود شائع کرتا ہے۔ اس غلط تاثر کو رفع کرنے کے لئے مولانا حامد علی خان نے اس کا نام ایک بار پھر تبدیل کر کے 'موسسہ مطبوعات فرینکلن' رکھا۔ مرکزی آفس نے غالباً اسی سے تحریک پا کر مرکزی دفتر کا نام بھی 'فرینکلن بک پروگریمز کارپوریشن' کر دیا۔

ایک زمانے میں اس ادارے کو پاکستان میں سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس زمانے میں عام تاثر یہ تھا کہ 'موسسہ مطبوعات فرینکلن در پردہ امریکی مفادات کی حفاظت کرتا ہے۔ پاکستان میں اس ادارے کی جن لوگوں نے شدومد کے ساتھ مخالفت کی ان میں حنیف رامے اور مظفر علی سید بہت نمایاں تھے۔ اب وقت گزرنے کے بعد یہ تاثر رفع ہوا، جب یہ ادارہ نہ رہا۔ 1966ء میں مولانا حامد علی خان نے ماہنامہ کتاب ''لاہور کے نمائندہ'' خصوصی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا:

> آج تک کم از کم اردو زبان میں ایک کتاب بھی ایسی نہیں چھپوائی گئی، جس کا مقصد سیاسی پروپیگنڈا ہو۔ جب کتابوں کے انتخاب کی پہلی اور آخری ذمہ داری مقامی ناشرین کی ہے تو پروپیگنڈے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر ترجمہ کراتے وقت ہمیں ایڈیٹنگ کی پوری آزادی ہے۔ ہم مسودے میں اپنے ملکی حالات کے مطابق حک و اضافہ کر سکتے ہیں۔ حواشی لکھ سکتے ہیں۔ ہماری اکثر کتابیں ایسی ہیں جن میں اسلامی اور پاکستانی مواد کا اضافہ کیا گیا ہے۔
>
> زیر ترتیب 'انسائیکلو پیڈیا' میں سیکڑوں نہیں ہزاروں اندراجات کا اضافہ کیا گیا، اور غیر ضروری اندراجات کو حذف کر دیا گیا ہے۔
>
> (''کتاب'' لاہور، فروری: 1967ء)

اس بات میں کوئی کلام نہیں کہ ایسا ہی ہُوا، فرینکلن کے تراجم اس بات کا ثبوت ہیں۔ گو شروع میں ترجمے کے لئے منتخب کی جانے والی کتاب کا انتخاب صرف امریکہ سے شائع ہونے والی کتب سے ہی کیا گیا لیکن بعد میں دیگر ممالک کی کتب کا انتخاب بھی کیا گیا، اور وہ ترجمہ ہو کر شائع بھی ہوئیں۔ پاکستان میں موسسہ مطبوعات فرینکلن صرف اردو میں ترجمہ شدہ کتب کو شائع کرنے کے سلسلے میں پاکستانی ناشرین کو مالی امداد فراہم کرتا تھا۔ اس ادارے نے کچھ عرصہ ناشرین کی سہولت کی خاطر کتب کی ترسیل کا فریضہ بھی انجام دیا جبکہ فروخت شدہ کتب کی تمام آمدن آخر کار متعلقہ کتاب کے ناشر کو ہی جاتی تھی۔

یہ امریکی ادارہ پاکستان میں ایک مدت تک متحرک رہا اور یہاں کے ہر اہم ناشر نے اس ادارے کی تجویز کردہ کتابیں شائع

کیں۔ موسسہ مطبوعات فرینکلن کے زیر اہتمام کتب کا انتخاب مولانا حامد علی خان کیا کرتے تھے، نیز مترجم کے سلسلے میں بھی اس ادارے کا فیصلہ حتمی ہوا کرتا تھا۔

مولانا حامد علی خان نے مجھے ایک انٹرویو بابت: 29 جولائی 1983ء (لاہور) میں بتایا کہ 31 اگست 1972ء میں جب یہ ادارہ ٹوٹا تو اردو میں انسائیکلو پیڈیا شائع کرنے کا ایک عظیم منصوبہ ادھورا رہ گیا۔ بعدازاں اردو انسائیکلو پیڈیا شیخ غلام علی، لاہور نے شائع کیا۔

اس ادارے نے اپنی منتخب کردہ کتب کی کوئی فہرست آخری وقت تک شائع نہیں کی، لیکن ایک محتاط اندازے کے مطابق موسسہ فرینکلن کے زیر اہتمام تقریباً چار سو چھوٹی بڑی اہم کتابوں کو انگریزی سے اردو میں منتقل کر کے شائع کیا گیا۔ یہ تمام کتب مولانا حامد علی خاں کی زندگی میں، اُن کے گھر واقع ماڈل ٹاؤن، لاہور میں محفوظ تھیں۔ معلوم ہوا کہ ان کے بیٹوں نے وہ نایاب ذخیرۂ کتب ضائع کر دیا۔

(نوٹ) موسسہ فرینکلن کی کتابوں کے لئے دیکھئے: ''توضیحی کتابیات'' باب: ہشتم نیز 'کتابیات تراجم' جلد اوّل، دوم، مرتبہ: مرزا حامد بیگ، مطبوعہ: مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد۔

شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ۔ کراچی یونیورسٹی 1957ء

کراچی یونیورسٹی کے اس ذیلی ادارے کے بنیادی مقاصد میں کتب درسیہ کی تصنیف و تالیف کے ساتھ تراجم اور فرہنگ و وضع اصطلاحات کو یکساں اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ادارے کے تحقیقی مجلّہ 'جریدہ' نے اصطلاحات سازی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کی شائع کردہ کتب میں 'معاہدۂ عمرانی' از ژاں ژاک روسو (ترجمہ ڈاکٹر محمود حسین) طبع اوّل 1935ء دہلی کی اشاعت ثانی کے علاوہ 'تاریخ فلسفہ' از ویب، 'مغربی تعلیم کی تاریخ' از آر۔ فری مین بٹس، قدر اور سرمایہ، ازہکس اور 'طبعی کیمیا' از گلاسٹن کے ترجمے ہمیشہ یاد رہیں گے۔ دیگر تراجم کے لئے دیکھیے: کتابیات تراجم، جلد اوّل (ازمرزا حامد بیگ) مطبوعہ مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، 1986ء

ترقی اردو بورڈ۔ کراچی 1958ء

یہ ادارہ وزارت تعلیمات پاکستان نے قائم کیا۔ ابتداء میں بورڈ کے قیام کا صرف ایک مقصد تھا کہ ایک جامع اردو لغت تیار کی جائے، جو ملک کی سرکاری نیز پاکستان کی قومی زبان کی ہمہ قسم کی ضروریات کو پورا کر سکے جبکہ بعد میں بورڈ نے ترجمے کے فن سے متعلق امور کو بھی اپنے مقاصد میں شامل کر لیا۔ واضح رہے کہ بورڈ کی کئی جلدوں میں ضخیم لغت 'محیط اردو' تمام علوم وفنون کی اصطلاحات، الفاظ، محاورات، کہاوتوں اور ضرب الامثال پر محیط ہے۔

بورڈ کے مستقل اور جزوقتی رفقاء میں ڈاکٹر بیگم شائستہ اکرام اللہ، ممتاز حسین، جوش ملیح آبادی، شان الحق حقی، پروفیسر حمید احمد

خان، رازق الخیری، پیر حسام الدین راشدی، سید وقار عظیم، ہادی حسین، ڈاکٹر شوکت سبزواری، ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری اور نسیم امروہوی جیسے اہم نام دکھائی دیتے ہیں۔

بورڈ کا مجلّہ 'اردو نامہ' علمی اور ادبی مضامین کے علاوہ مترادفات، اصطلاحات اور تراجم پر تحقیقی و تنقیدی مضامین شائع کرتا ہے۔

اردو سائنس بورڈ، لاہور۔1962ء

مشرقی اور مغربی پاکستان کی دونوں زبانوں (اردو اور بنگلہ) کی ترقی کے لئے قومی تعلیمی کمشن کی سفارش پر یہ ادارہ اردو مرکزی بورڈ کے نام سے 24 مئی 1962ء کو وجود میں آیا اور اس کا اوّلین دفتر 36 جی گلبرگ میں قائم ہوا۔ اب اپر مال روڈ پر اپنی بلڈنگ میں ہے۔ بورڈ کا نظم ونسق ایک مجلس انتظامیہ کے سپرد ہے جسے حکومت پاکستان تین سال کے لئے نامزد کرتی ہے۔ اوّلین مجلس انتظامیہ کے سرپرست صدر پاکستان محمد ایوب خان اور بورڈ کے چیئرمین جسٹس ایس۔اے رحمٰن تھے۔ جبکہ اراکین کی فہرست میں پروفیسر حمید احمد خان، ممتاز حسین، شیخ محمد اکرام، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اور ڈاکٹر سلیم الزمان صدیقی جیسے اہم نام دکھائی دیتے ہیں۔ اشفاق احمد سب سے طویل مدّت اس ادارے کے ڈائریکٹر جنرل رہے لیکن ڈاکٹر خالد اقبال یاسر کی سربراہی میں ادارہ صحیح معنوں میں فعال دکھائی دیا۔

بورڈ کے قیام کا ایک اہم مقصد سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں اردو کی ترقی بھی تھا تاکہ اردو زبان اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ بن سکے۔ یہی سبب ہے کہ بورڈ نے سائنس کے متعدد مضامین کی کتابیں اردو میں تیار کروائیں۔ ادارے نے اصطلاحات سازی کے اصولوں کا جائزہ لیا اور مختلف سائنسی علوم کی جو کتابیں اردو میں شائع کیں ان میں اپنی وضع کردہ اصطلاحات کو برت کر اردو اصطلاحات سازی کا جواز فراہم کیا۔

مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد 1979ء

کابینہ کے اعلان قرارداد نمبر 275/ سی۔ایف/ 1979ء کے تحت مقتدرہ قومی زبان کا قیام 4 اکتوبر 1979ء کو عمل میں آیا۔ مقتدرہ قومی زبان کا اوّلین صدر دفتر بہ مقام کراچی شہر طے پایا تھا، اس لئے مقتدرہ کا پہلا اجلاس 20 اکتوبر 1979ء کو مقتدرہ قومی زبان کے اولین صدرنشین ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی رہائش گاہ 'زیبا منظر' شرف آباد، کراچی میں انہیں کی زیرصدارت منعقد ہوا۔

1983ء میں مقتدرہ کے دفتر کو کراچی سے اسلام آباد منتقل کرنے کا فیصلہ ہوا تب سے مقتدرہ کا صدر دفتر اسلام آباد میں قائم ہے ڈاکٹر وحید قریشی اور ڈاکٹر جمیل جالبی جیسے محققین اس ادارے کے صدرنشین رہے۔

ترکیب کے اعتبار سے مقتدرہ دو حصوں میں منقسم ہے، مگر یہ دونوں حصّے باہم مربوط ہیں:

1۔ ہیتِ انتظامیہ

2۔ ہیتِ علمیہ

مقتدرہ زبان کے صدر نشین، انتظامیہ کے سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہیئت علمیہ کے بھی سربراہ ہیں۔ انتظامی امور میں ان کے قریبی معاون مقتدرہ کے معتمد اور شعبہ تصنیف و تالیف و شعبہ ترجمہ کے دو سربراہ ہیں۔

مقتدرہ قومی زبان کی ہیئتِ حاکمہ میں جامعاتی گرانٹس کمیشن، کمیشن برائے وفاقی ملازمت ہائے سرکاری، وزارت تعلیم، کابینہ ڈویژن اور وزارتِ مالیات کے نمائندے اور ناظم عموی، قومی مجلس کتب پاکستان، ہیئت انتظامین میں صدر نشین اور ان کے رفقائے انتظامیہ کے علاوہ نامزد اراکین بھی شریک ہیں۔

مقتدرہ قومی زبان کے فرائض کار حسب ذیل ہیں:

1۔ پاکستان کی قومی زبان کی حیثیت سے فروغ اردو کے لئے اقدامات۔

2۔ قومی زبان کو شعبہ ہائے زندگی میں رائج کرنے کے لئے صدر مملکت کے لئے سفارشات تیار کرنا۔

3۔ سرکاری و نیم سرکاری اداروں کے عملے کے لئے تربیتی مواد کی فراہمی۔

4۔ جملہ اردو ترقیاتی اداروں کے کام میں باہم رابطہ قائم کرنا۔

5۔ اردو کو مقابلے کے امتحانات کی زبان کے طور پر رائج کرنے کے لئے سہولتیں پیدا کرنا۔

6۔ ایسی دیگر ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا، جو قومی زبان کے فروغ کے لئے صدر مملکت قومی زبان کے سپرد کریں۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اس ادارے کے اولین صدر نشین تھے۔ آپ مقتدرہ کے قیام 4 اکتوبر 1979ء تا وفات 21 جنوری 1981ء اس عہدے پر رہے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے بعد 7۔ اپریل 1983ء کو پروفیسر ڈاکٹر وحید قریشی نے اس عہدے کا چارج سنبھالا۔ اس اثناء میں مقتدرہ کے اوّلین معتمد میجر (ریٹائرڈ) آفتاب حسن قائم مقام صدر نشین کے فرائض انجام دیتے رہے۔ میجر (ریٹائرڈ) آفتاب حسن معتمد کے منصب پر 3 اپریل 1983ء تک فائز رہے۔ آفتاب حسن صاحب کے بعد کچھ مدت محمد افتخار احمد مفتی قائم مقام معتمد رہے، بعدازاں اس عہدے پر ارشد قریشی کام کرتے رہے۔

ڈاکٹر وحید قریشی نے اس ادارے سے منسلک ہونے کے بعد مقتدرہ کے مقاصد کے حصول کی خاطر پاکستان بھر میں مقتدرہ کی ذیلی مجالس قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔

1۔ مجلس اصطلاحات (داعی: ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، اسلام آباد)

2۔ مجلس رابطہ صوبہ جاتی مسائل (داعی: اسد اللہ بھٹو۔ سکھر)

3۔ مجلس زبان دفتری، عدالتی، کاروباری و دیگر امور (داعی: ڈاکٹر سیّد عبداللہ، لاہور)

4۔ مجلس ارتباط ادارہ جات قومی زبان (داعی: پریشان خٹک۔ پشاور)

5۔ مجلس ذریعہ تعلیم (داعی: ڈاکٹر این۔ اے بلوچ۔ اسلام آباد) اور

6۔ مجلس ترجیحات و منصوبہ جات (داعی: صدر نشین، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد) کام کرتی رہی ہیں۔

مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد کا ماہانہ جریدہ 'اخبار اردو' اسلام آباد، مقتدرہ کی طرف سے اطلاعات اور خبریں مہیا کرنے کے

ساتھ ساتھ تحقیقی مقالات بھی شائع کرتا ہے۔ یہ پرچہ جولائی 1981ء سے کراچی سے شائع کیا جاتا رہا ہے اب تعطل کے بعد جنوری 1984ء سے باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔

مقتدرہ کا شعبہ 'دارالتصنیف' نفاذِ اردو کے ضمن میں معاون مواد فراہم کرنے کی خاطر کشاف اصطلاحات، نصابی کتب کی تدوین، کتابیات سازی اور لسانی امور سے متعلق کتابیں شائع کرتا ہے۔

مقتدرہ قومی زبان کے شائع کردہ تراجم اور ترجے سے متعلق حوالہ جاتی کتب کی تفصیل درج ذیل ہے:

مطبوعات: دارالترجمہ مقتدرہ قومی زبان

1۔ اصطلاحات ڈراما، ڈاکٹر محمد اسلم قریشی/ سید اظہار کاظمی

2۔ اصطلاحات موسمیات، سرفراز شاہد

3۔ اصطلاحات ریاضی، ذیلی مجلس اصطلاحات ریاضی کراچی

4۔ دفتری مراسلت، ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی/ مجیب الرحمٰن مفتی

5۔ سائنسی وتکنیکی اصطلاحات وفاقی، وزارت تعلیم

6۔ اصطلاحات حساب داری ومحاسبی، مسعود احمد چیمہ

7۔ وفاقی وصوبائی عہدوں کے نام، مجلس استناد

8۔ بھارت میں قومی زبان کا نفاذ، مختار زمن/ پروفیسر انور بیگ اعوان

9۔ اصطلاحات مساحت، سیّد علی عارف رضوی

10۔ تعلیمی اصطلاحات، ذیلی مجلس اصطلاحات تعلیمات

11۔ محکموں اور اداروں کے نام، مجلس استناد

12۔ اصطلاحات فنیات، ذیلی مجلس اصطلاحات فنیات

13۔ دفتری ترکیبات، محاورات اور فقرات کی لغت، مجیب الرحمٰن مفتی

مطبوعات: دارالتصنیف، مقتدرہ قومی زبان

14۔ اردو اصطلاحات سازی (کتابیات) ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری/ سیّد جمیل احمد رضوی

15۔ کتابیات قانون، عطش درانی/ محمود الحسن

16۔ The Language Policy of India، مختار زمن

17۔ کتب لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ، (حصہ اوّل) جابر علی سیّد/ وارث سرہندی

18۔ فارسی اصطلاحات سازی، (حصہ اوّل ودوم) سیّد عارف نوشاہی/ ڈاکٹر محمد باقر، ڈاکٹر مہر نور محمد خان

19۔ کشاف اصطلاحات کتب خانہ، محمود الحسن۔ زمرد محمود/ سید جمیل احمد رضوی

20۔ مختصر قانونی اصطلاحات، مولوی فیروز الدین ڈسکوی

21۔ اصطلاحات عدلیہ و مالگزاری، ایچ۔ ایچ ولسن

22۔ کشاف اصطلاحات سیاسیات، (حصہ اوّل) محمد صدیق قریشی/ محمد سعید

23۔ عربی اصطلاحات سازی، محمد طاہر منصوری

24۔ ترجمہ: روایت اور فن، مُرتبہ :ڈاکٹر نثار احمد قریشی/ شریف کنجاہی

25۔ کشاف تنقیدی اصطلاحات، ابوالاعجاز صدیقی/ ڈاکٹر آفتاب احمد خان

26۔ 'کتابیات تراجم' (علمی کتب) جلد اوّل: ڈاکٹر مرزا حامد بیگ/ ڈاکٹر سید عبداللہ (1986ء)

27۔ ''کتابیات تراجم'' (ادب) جلد دوم: ڈاکٹر مرزا حامد بیگ (1987ء)

28۔ ''ترجمے کا فن: نظری مباحث'': ڈاکٹر مرزا حامد بیگ (1987ء)

29۔ ''مغرب سے نثری تراجم'' ڈاکٹر مرزا حامد بیگ (1988ء)

30۔ ''قومی انگریزی اردو لغت'' مؤلف: ڈاکٹر جمیل جالبی

مقتدرہ قومی زبان کے قیام کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کی طرز پر جملہ سائنسی کتب کو اردو میں منتقل کروایا جائے تا کہ 20ویں صدی کے آٹھویں دہے میں قومی زبان اردو، بطور کار سرکاری زبان کے لاگو کی جا سکے۔ نیز جملہ سرکاری و نیم سرکاری اداروں میں اصطلاحات سازی کے کام کی نگرانی کی جائے۔ 1988ء تک یہ کام مکمل ہو گیا تو جنرل محمد ضیاء الحق، صدر پاکستان نے مکمل اختیار رکھنے کے باوجود 'اردو' کو بطور سرکاری زبان لاگو کرنے سے پہلوتہی کی۔ بس وہی ایک موقع تھا جب پاکستان کے آئین کے مطابق ایسا ممکن ہوسکتا تھا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے بعد مقتدرہ ایک رگرا ہوا بیل ہے۔ چھری پھیر دی جائے یا چھوڑ دیا جائے، حکمرانوں کو اختیار حاصل ہے۔ مختلف طالع آزما اِس کے صدر نشین مقرر ہوتے رہے۔ جس کے نتیجہ میں یہ ادارہ غیر فعال ہو گیا۔ ستم بالائے ستم، جو ادارہ پہلے کیبنٹ ڈویژن کے ماتحت کام کر رہا تھا اور مقتدرہ کہلاتا تھا، اب اُسے 'ادارہ فروغ اردو زبان' کا نام دے کر وزارت قومی ورثہ و یک جہتی کے حوالے کر دیا گیا۔

دیگر ادارے: مکتبہ اردو لاہور۔ پیپلز پبلیشنگ ہاؤس لاہور۔ مقبول اکیڈمی لاہور

پاکستان میں تراجم کے سرکاری اداروں کے علاوہ مکتبہ اردو، سرکلر روڈ، لاہور اور پیپلز پبلشنگ ہاؤس پلومر بلڈنگ 26۔ شاہراہ قائداعظم لاہور دو ایسے تجارتی ادارے رہے ہیں جنھوں نے سوشلسٹ فکر کی کتابیں نہ صرف درآمد کیں بلکہ اردو میں ترجمہ کروا کے ان کی ترسیل کا باعث بھی بنے۔ مکتبہ اردو نے 1939ء سے 1947ء تک باری علیگ، سجاد ظہیر اور ساحر لدھیانوی جیسے معتبر ترقی پسند ادیبوں سے سوشلسٹ افکار کی کتابیں ترجمہ کروا کے شائع کیں۔ ان ترجمہ شدہ کتب میں سوشلزم۔ فریڈرک اینگلز/ باری علیگ مطبوعہ: س۔ن

سٹالن۔ مارشل وارشلوف/ ن۔ن مطبوعہ: س۔ن

لینن۔ مرسکی/ ڈاکٹر محمد اشرف، مطبوعہ: س۔ن

انقلاب فرانس۔ ن۔ن/ باری علیگ، مطبوعہ: 1941ء

راجہ اور کسان۔ لیونارڈ ایم۔ سکو/ ن۔ن، دیباچہ: جواہر لال نہرو

ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ نذیر احمد چودھری اور چودھری برکت علی کا یہ مشترکہ ادارہ ٹوٹ کر کئی اداروں میں بٹ گیا جیسے 'نیا ادارہ'، 'میری لائبریری' اور 'قوسین' وغیرہ۔ دس برس قبل 'میری لائبریری' مکمل طور پر ختم ہو گیا اور سارا ذخیرۂ کتب لاہور کے فٹ پاتھوں پر بکا۔

(نوٹ) مکتبہ اردو کے تراجم کے لئے دیکھیے: 'توضیحی کتابیات' باب ہشتم، صفحہ :283

رؤف ملک کا پیپلز پبلشنگ ہاؤس پاکستان کا پہلا تجارتی ادارہ ہے جس نے پاکستان اور اشتراکی ممالک کے مابین تجارتی، علمی اور ثقافتی تعلقات بڑھانے کا آغاز کیا اور یوں سوشلسٹ افکار کی کتب کے تراجم کو فروغ حاصل ہوا۔

اس ادارے کو مشہور ترقی پسند دانشور عبداللہ ملک (جو رؤف ملک کے بڑے بھائی تھے) کی راہنمائی حاصل تھی۔ رؤف ملک نے بہت سختیاں جھیلیں، جیل بھی گئے لیکن ثابت قدم رہے۔ اُن دنوں نگارشات، لاہور کے مصطفیٰ، تخلیقات، لاہور کے لیاقت اور فکشن ہاؤس، لاہور کے رانا ظہور خاں، رؤف ملک کے مددگار نوجوان تھے۔ حکومتی سختیوں اور پابندیوں کے نتیجہ میں پیپلز پبلشنگ ہاؤس کا زوال شروع ہوا۔ رؤف ملک کو کچھ اپنوں نے بھی لوٹا۔ ادارہ، مال روڈ سے 18۔ مزنگ روڈ، لاہور آ کر مر گیا۔ یہ وہی جگہ ہے، جہاں پہلے پہل فکشن ہاؤس قائم ہوا تھا۔ اس دل کے ٹکڑے ہزار ہوئے، رانا ظہور خاں ''فکشن ہاؤس''، لیاقت 'تخلیقات' اور مصطفیٰ 'نگارشات' کے مالک ہوئے اور انہی تین اشاعتی اداروں کے سبب پیپلز پبلشنگ ہاؤس کے مالک رؤف ملک کو نجم سیٹھی کے اشاعتی ادارے وین گارڈ، مال روڈ، لاہور پر بطور ملازم کام کرتے دیکھا گیا۔

پیپلز پبلشنگ ہاؤس کی شائع کردہ کتب میں حسب ذیل تراجم ہمیشہ یادگار رہیں گے:

داستانِ مغلیہ۔ نکولاؤ مانوچی/ سجاد باقر رضوی

مقتل کو چلا۔ نگوین وان تروئی/ بدر الاسلام بٹ

مارکسی فلسفہ۔ اسٹالن/ سجاد ظہیر

کیمونسٹ مینیفسٹو۔ مارکس، اینگلز/ ن۔ن

عالمی مزدور تحریک۔ ولیم زیڈ فاسٹر/ عبدالمجید (1848ء تا 1919ء عالمی مزدور تحریکوں کی تاریخ) سوشلزم۔ فریڈرک اینگلز/ سبط حسن۔ قاطع ڈوہرنگ، کا ترجمہ۔ گناہ اور سائنس۔ ڈائی سن کارٹر/ ن۔ن۔ عصمت فروشی اور جنسی امراض سے متعلق (نوٹ) ادارے کی دیگر کتب کے لئے دیکھیے: ''توضیحی کتابیات'' باب ہشتم اور کتابیات تراجم، (جلد اوّل) از ڈاکٹر مرزا حامد بیگ

مقبول اکیڈمی، لاہور خصوصیت کے ساتھ بچوں کی کتب کے تراجم میں سرفہرست ہے۔ اس ادارے کے بانی ملک مقبول احمد ہیں۔ انہوں نے ملک سلطان محمود کے اشتراک کے ساتھ 1955ء میں یہ ادارہ خالصتاً تجارتی بنیادوں پر شاہ عالم گیٹ، لاہور میں قائم کیا تھا۔ 1963ء میں یہ ادارہ سرکلر روڈ ادبی مارکیٹ میں منتقل ہو گیا۔ اس ادارے نے موسسۂ مطبوعات فرینکلن کے اشتراک کے ساتھ یوں تو متعدد اہم علمی کتب کے تراجم بھی شائع کئے لیکن بچوں کے ادب میں دیس بدیس کا لوک ادب شائع کرنے میں دیگر تمام

اداروں پر سبقت لے گیا۔ اس خصوص میں اس ادارے کی مندرجہ ذیل کتب یادگار رہیں گی:

بہترین لوک کہانیاں۔ مترجم: ارشد ملک
کبڑا جادوگر۔ یوگوسلاویہ اور چیکوسلاویکہ کی لوک کہانیاں
ماں کی تلاش۔ پیرا گوئے اور آسٹریلیا کی لوک کہانیاں
بیوقوف بھیڑیا۔ کینیڈا اور میکسیکو کی لوک کہانیاں
لالچی مکڑی۔ ال سلوے ڈور، جنوبی افریقہ، لائبیرا کی لوک کہانیاں
بوڑھا مکتب گیا۔ یوکرین اور سوویٹ روس کی لوک کہانیاں
آگ کی دیوی۔ ایتھوپیا اور نیوزی لینڈ کی لوک کہانیاں
سونے کا منبر۔ پانامہ اور کیوبا کی لوک کہانیاں
چھوٹوں کا مقابلہ۔ برما اور پاکستان کی لوک کہانیاں
مغرور عورت۔ سویڈن اور نیدر لینڈ کی لوک کہانیاں
جادو کے جوتے۔ برازیل، پیرو اور چلی کی لوک کہانیاں
بیوی کی ضد۔ ناروے، بلجیم اور فلپائن کی لوک کہانیاں
جادو کا درخت۔ امریکہ اور کوریا کی لوک کہانیاں
چاچا بوکی کا گھوڑا۔ ہائٹی، ڈنمارک اور وینیزولا کی لوک کہانیاں
بکری اور بھیڑیا۔ پولینڈ، یونان، نائجیریا اور ایکوئے ڈور کی لوک کہانیاں
کمہار کی بہادری۔ انڈونیشیا، ترکی اور بھارت کی لوک کہانیاں
ایک تھا طوطا۔ تھائی لینڈ، گوئٹے مالا اور ایکوئے ڈور کی لوک کہانیاں
دیس دیس کی کہانیاں۔ متعدد یورپی ممالک کی کہانیاں:
2012ء سے مقبول اکیڈمی کے 84 سالہ ملک مقبول احمد بطور مصنف بھی ازحد فعال دکھائی دینے لگے ہیں۔

بھارت میں تراجم کے چند نئے ادارے

آج بھارت میں انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی، مکتبہ جامعہ۔ دہلی اور ادارۂ ادبیاتِ اردو، حیدرآباد (دکن) کے دوش بدوش مندرجہ ذیل نئی تنظیمیں اور ادارے متحرک دکھائی دیتے ہیں:

1۔ ترقی اردو بیورو (حال: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان)۔ نئی دہلی
2۔ ساہتیہ اکیڈمی (ہند) ہر صوبے میں مختلف شاخیں کام کر رہی ہیں۔
3۔ اکادمی آف آرٹ کلچر اینڈ لٹریچر۔ سرینگر

4۔ انجمن اسلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔ بمبئی (حال: ممبئی)

5۔ بہار اردو اکیڈمی۔ پٹنہ

6۔ غالب اکیڈمی۔ نئی دہلی

7۔ مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی۔ بھوپال

8۔ کرناٹک اردو اکیڈمی۔ بنگلور

9۔ مرتضویا ایجوکیشنل اینڈ کلچرل فاؤنڈیشن آف ساؤتھ انڈیا۔ مدراس

10۔راجستھان اردو اکادمی۔ جے پور

11۔دہلی اردو اکادمی۔ نئی دہلی

12۔اتر پردیش اردو اکادمی

13۔مغربی بنگال اردو اکادمی

14۔نیشنل بک ٹرسٹ۔ نئی دہلی

15۔قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان (این۔سی۔ای۔آر۔ٹی) نئی دہلی۔

محولہ بالا تمام اداروں میں ''قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان'' بہت نمایاں ہے یہ ادارہ ''ترقی اردو بیورو'' کے نام سے 1969ء میں قائم کیا گیا تھا۔ اس ادارے سے سال 1983ء کے اواخر تک 100 سے زائد ترجمہ شدہ کتابیں طبع ہو چکی ہیں، جن میں درج ذیل ہمیشہ یادگار رہیں گی:

شعریات۔ ارسطو/شمس الرحمٰن فاروقی

توضیحی لسانیات۔ ایچ۔اے۔گلیسن (جونیئر)/عتیق احمد صدیقی

انقلاب فرانس۔ جے۔ایم۔تھامپس/ بی۔جے۔سنگھ

قدیم ہندوستان کی ثقافت وتہذیب۔ ڈی۔ڈی۔کوسمبی/ بالمکند عرش ملیسانی

وادیٔ سندھ اور اس کے بعد کی تہذیبیں۔ سومورٹیمر وہیلر/ زبیر رضوی

تاریخ فلسفہ اسلام۔ ٹی۔جے۔بوئر/سید عابد حسین

تعلیم میں نفسیات کی اہمیت۔ ہربرٹ سورینسن/ سلامت اللہ

فلسفہ کے بنیادی مسائل۔ اے۔سی۔ایونگ/خیرو لی الدین

آزادی۔ جان اِسٹوارٹ مل/ سعید انصاری

قومی کونسل (بیورو) کا سب سے اہم منصوبہ ''عظیم (انگریزی۔ اردو) فرہنگ'' شائع کرنے کا تھا۔ اس فرہنگ ساز کمیٹی کے اوّلین نگران کلیم الدین احمد تھے۔ بیورو نے فرہنگ اصطلاحات معاشیات، فرہنگ ادبی اصطلاحات، فرہنگ اصطلاحات انسانیات اور فرہنگ اصطلاحات کیمیا بھی شائع کی ہیں۔

لغت بورڈ کے چیف ایڈیٹر پروفیسر مسعود حسین خان بھی رہے۔
بھارت کے آئین کا ترجمہ (’بھارت کا آئین‘) بیورو نے 404 صفحات پر 26×20 سائز پر شائع کیا ہے۔اس عظیم کارنامے کو یقیناً ایک مدّت یاد رکھا جائے گا۔

قومی کونسل بیورو کے ابتدائی ممبران میں قاضی سلیم، الیس حامد، جوگیندر پال، مہیشور دیال اور مہندر سنگھ بیدی سحر جیسے نام دکھائی دیتے ہیں۔شمس الرحمٰن فاروقی بھی اس کے ممبر رہے۔قومی کونسل (ترقی اردو بیورو) کی فرہنگ ساز کمیٹی کے سابق نگران کلیم الدین احمد ’فرہنگ ادبی اصطلاحات‘ کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

’’ترقی اردو بیورو کے لٹریری کریٹی سزم پینل Literary Criticism Panel نے یہ کام میرے ذمے سپرد کیا کہ میں ادبی اصطلاحات کی فرہنگ تیار کروں۔ ابتدا میں خیال تھا کہ ایسے ادبی اصطلاحات اور تصورات کی فہرست بنائی جائے جو انگریزی سے اردو تنقید میں آ گئے ہیں اور جن کے لئے کوئی معین اصطلاحیں ابھی تک وضع نہیں ہوئی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر نقاد اپنے اپنے طور پر ان اصطلاحات کا ترجمہ کر لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت حال میں پراگندگی، ابہام اور غلط فہمی کا امکان ہے۔ میں فہرست بنانے لگا تو میں نے مقصد کو کچھ وسعت دی اور اس فرہنگ میں ان سارے اصطلاحات، ان بوقلموں تصورات کو سمیٹنے کی کوشش کی جو مغربی ادب میں پائے جاتے ہیں۔ اس طرح اس فرہنگ کا دامن وسیع ہو گیا اور نتیجہ شاید زیادہ مفید اور دلچسپ ہے۔ عام قارئین کو یہاں ایسی اصطلاحیں ملیں گی جن سے وہ واقف ہیں اور انہیں بعض نئی اصطلاحوں کی جانکاری بھی ہو گی۔ رہے ادیب، وہ تخلیق میں دلچسپی رکھتے ہوں یا تنقید میں، تو انہیں غور و فکر کے لئے کافی مواد ملے گا اور شاید وہ نئے نئے تجربے کرنے کی طرف توجہ کریں گے۔
مثالیں تو انگریزی میں دی گئی ہیں چونکہ یہ ناگزیر تھا ورنہ مقصد فوت ہو جاتا، لیکن بہت سے ناقدوں کی رایوں کا ترجمہ یا خلاصہ بھی دے دیا گیا ہے۔
’’ان میں ایسی باتیں ہیں جو معلومات سے بھرپور بھی ہیں اور فکر انگیز بھی میں سمجھتا ہوں کہ یہ قارئین کی دلچسپی کا باعث ہو گا۔‘‘

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے موجودہ ڈائریکٹر، خواجہ اکرام الدین ہیں۔ ازحد متحرک شخصیت کے مالک۔
قومی کونسل کی شائع کردہ ’فرہنگ ادبی اصطلاحات‘ سے نمونہ ملاحظہ ہو:

Authorised version
مصدقہ ترجمہ بائبل جو 1611ء میں کیا گیا۔

Autobiography

آپ بیتی، خود نوشت سوانح عمری۔ آپ بیتی کا مصنف اہم واقعات (اور کبھی جزئیات) کا مسلسل بیان کرتا ہے۔ آپ بیتی اور روزنامچے Dairy Journal میں یہ فرق ہے کہ روزنامچے میں تسلسل نہیں ہوتا ہے اور اسے مصنف نجی مقصد کے لئے لکھتا ہے۔
دیکھو Confessional Literature

Autochthonous

آزاد، غیر متعلق خیالات جو خود بخود ذہن میں آ جاتے ہیں اور جو سلسلہ خیالات سے تعلق نہیں رکھتے ہیں بلکہ فطری طرز خیال

کے لئے اجنبی سے ہوں، ایسے خیالات پر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔

Autociesis

درخواست سے پہلے ہی انکار کر کے کسی خیال کو سننے والوں کے ذہن میں ڈال دینا تاکہ ان کی مانگ جاگ اٹھے دیکھو۔

Automatism, Apophasis Automatic writing

بے مقصد اور غیر ارادی تحریر، خاکہ یا نقشہ، آنکھ بند کر کے خاکہ بنانا، غیر ارادی طور پر لکھنا کیوں کہ لاشعور قلم یا موقلم کو ہاتھ میں لے کر تصویر یا تصنیف کو مکمل کر دے گا۔ Surrealist فنکاروں کی یہ مقبول تکنیک ہے۔ Autosacramental ایک ایکٹ کا متبرک (عشائے ربانی سے متعلق) ڈرامہ جو عید جسد کے روز کھیلا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ ڈاکٹر عتیق اللہ نے ''ادبی اصطلاحات کی ایک وضاحتی فرہنگ'' (جلد اوّل)1995ء میں دہلی سے خود ہی شائع کی ہے۔

باب ششم

چند لازوال تراجم

سائنٹیفک سوسائٹیوں کے قیام کے ساتھ ساتھ 'علوم جدیدہ' کی مقبولیت بڑھی۔ 'علوم جدیدہ' سے مراد ہے:

1۔ ایسے علوم جو اہل یونان اور مسلم دانشوروں میں عام رہے، لیکن نئے زمانے نے ان کی ساری اصول سازی کو تھیوری اور پریکٹیکل کی سطح پر غلط ثابت کر دیا مثلاً تقویم مشرقی، علم ہیئت اور کیمیا میں زمین و آسمان کا فرق پڑ گیا۔

2۔ ایسے علوم جو ہمارے لئے نئے تو نہیں تھے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ انہیں وسعت ملی، مثلاً علم جرثقیل (علم آلات) نئے دور میں میکینکس کی وسعتوں سے آشنا ہوا یا علم حساب میں بے پناہ شعبوں کا اضافہ ہو گیا وغیرہ۔

3۔ ایسے علوم جن کا نام و نشان تک ہمارے ہاں نہیں ملتا، مثلاً جدید دور کے نو ایجاد شدہ مضامین خصوصاً الیکٹریسٹی اور جیالوجی وغیرہ۔

ترجمہ کے باب میں انہی علوم جدیدہ کے حصول کی خاطر شمس الامرا حیدرآباد دکن (1834ء) اور شاہان اودھ لکھنؤ (16۔1814ء) کی کوششوں کو اولیت حاصل ہے۔ انگریزوں نے جب علوم جدیدہ کو صرف انگریزی زبان سے مخصوص کرنا چاہا تو ہمارے ہاں کئی مقامات پر شمس الامرا اور شاہان اودھ کے تتبع میں علوم جدیدہ کو اردو میں منتقل کرنے کی کوششیں ہونے لگیں، جن میں اولین دور کی سائنٹیفک سوسائٹیوں کے ساتھ ساتھ ورنیکلر سوسائٹی دہلی کالج (قیام: 1840ء) اور انجمن ترقی اردو (ہند) اورنگ آباد (1903ء) کی کوششوں کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ انفرادی کوششوں کے علاوہ تاریخی اعتبار سے بالترتیب ہمارے ہاں مندرجہ ذیل اداروں نے ترجمے کے کام کو آگے بڑھایا:

سیرام پور بپٹسٹ مشن (1793ء) فورٹ ولیم کالج کلکتہ (1800ء) شاہانِ اودھ کے تراجم برائے اسکول بک سوسائٹی لکھنؤ (16۔1914ء) شمس الامراء حیدرآباد دکن کے تراجم برائے مدرسہ فخریہ (1834ء) اسکول بک سوسائٹی دہلی کالج (1840ء) دفتر مترجم السنہ شرقیہ، برائے گورنر، بمبئی (1845ء)، مدرسہ طبابت، آگرہ (1845ء) طامس انجینئرنگ کالج رڑکی، دکن (لگ بھگ 1856ء) سائنٹیفک سوسائٹی غازی پور (1864ء) روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی بریلی (1865ء) انجمن پنجاب لاہور (1865ء) روہیل کھنڈ لٹریری

سوسائٹی، بریلی (1865ء)، انجمن علمی، بدایوں (1865ء)، سائنٹیفک سوسائٹی، مظفر پور، ضلع بہار (1868ء)، شاہجہانپور لٹریری انسٹی ٹیوٹ (1868ء)، انجمن مُراد آباد (1968)، انجمن آنولہ (1881ء) سررشتہ علوم وفنون (سلسلہ آصفیہ) حیدر آباد دکن (1897ء) انجمن ترقی اردو (ہند) اورنگ آباد (1903ء) دارالمصنفین اعظم گڑھ (1913ء) دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن (1919ء) ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد (1927ء) جامعہ ملیہ دہلی (1920ء) ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد دکن (1931ء) مجلس ترقی ادب لاہور (1950ء) ریسرچ اکیڈمی آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی (1951ء) پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی (1953ء) موسسہ مطبوعات فرینکلن نیویارک۔ لاہور (1954ء) شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ کراچی یونیورسٹی (1957ء) ترقی اردو بورڈ کراچی (1958ء)، مرکزی اردو بورڈ، اردو سائنس بورڈ، لاہور (1962ء) ترقی اردو بیورو (حال: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان) نئی دہلی (1969ء)

ایک محتاط اندازے کے مطابق مغربی زبانوں خصوصاً انگریزی یا انگریزی کی معرفت اردو میں منتقل ہونے والی خالص علمی کتب کا ذخیرہ دو ہزار کتب ورسائل سے زائد ہے، جب کہ اس گنتی میں ایسی نصابی کتب کو شمار نہیں کیا گیا جنہیں ترجمہ ظاہر ہی نہیں کیا گیا یا متن کو بہ ترمیم واضافہ قبول کیا گیا ہے۔

ان دو ہزار کتب ورسائل میں سے یہاں محض چند اہم کتابوں کا تعارف مقصود ہے۔ ان کتابوں کی اہمیت ان کی قدامت اور زمانی اعتبار سے خوبصورت ترجمہ ہونے کے سبب ہے۔ نیز انتخاب کردہ کتب میں سے چند ایسی ہیں جو اپنے مترجمین کی ادبی اور علمی دنیا میں شہرت کے سبب اہمیت اختیار کر گئیں۔

(1) 'بحرِ حکمت'، تخلیق وترجمہ پادری پرکنس مطبوعہ مطبع مسیحائی لکھنؤ طبع اوّل: 1798ء یہ علمی کتب کے اردو تراجم میں اوّلین طبع شدہ کتاب شمار کی جاتی ہے۔ بحرِ حکمت 10"× 6½ کی تقطیع میں 58 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا اوّلین ایڈیشن مطبع مسیحائی کشمیری محلّہ لکھنؤ سے 1214ھ مطابق 1798ء میں طبع ہُوا۔ اس کتاب کے ناشر مسیح الزمان ولد مولوی نور محمد تھے۔ فہرست اور دیباچہ شامل نہیں کیا گیا صفحہ نمبر 2 سے 'مقدمہ' کے عنوان کے تحت اصل کتاب شروع ہو گئی ہے۔ باوجود اس کے کہ کتاب 1798ء میں طبع ہوئی، اردو کو کہیں بھی ہندی یا ہندوستانی نہیں لکھا گیا۔

سرورق کی عبارت درج ذیل عنوان سے ہے:

این رسالہ عجیب وغریب درمیان تحقیق ساختن سبب روانگی دریافتن قواعد حرکت دخانی کل مسمی بہ

بحرِ حکمت

کہ بسعی، ترجمہ صاحب والا مناقب پادری پرکنس صاحب ترجمہ اش بزبان اردو عام فہم شدہ بتاریخ پنجم شعبان 1214 بہ بیت السلطنت لکھنؤ، در مطبع مسیحائے باہتمام اضعف العباد مسیح الزمان ولد مولوی نور محمد مرحوم طبع گردید۔"

کتاب کے آخری صفحہ کی عبارت درج ذیل ہے:

"حق سبحانہٗ تعالیٰ جل جلالہٗ کی برکت سے یہ کتاب مسمی بہ بحرِ حکمت بیچ دریافت کرنے احوال حکمت روانگی اور ترکیب طیار

کرنے دُخانی بھل کے 'جو تالیف کی ہوئی پادری پرکنس صاحب کی حسب فرمائش بعضی صاحبان عالیشان کے، در مطبع مشتہرہ مسیحائے میں اہتمام اضعف العباد و احقر الافراد مسیح الزماں ولد مولوی نور محمد مرحوم کے بیچ دارالسلطنت لکھنؤ کے کشمیری محلہ میں چھپائی گئی۔''

یہ کتاب دخان Steam سے متعلق ہے۔

کتاب کی ایک سرخی 'بیان میں تحقیق دخان اور اطوار پیائش کے' تحت دخان اور دھویں کا فرق بتلایا گیا ہے اور 'پیائش سطری' یعنی طول ناپنے کے پیمانے۔ 'پیایش سطحی' یعنی طول وعرض ناپنے کے پیمانے اور 'طول وعمق' ناپنے کے پیمانوں کو درج کیا گیا ہے۔ دوسری سرخی 'دخانی کل کا بیان' کے تحت، اس کی اہمیت اور افادیت کو واضح کیا گیا ہے اور یہ بیت لکھی ہے:

ہے اس میں حکمت بھری تو بتو
بلاشک اسے چھوٹی دنیا گنو

صفحہ (13) کے حاشیہ پر 'ایر پنپ' کی اس طرح تعریف کی گئی ہے:

'اور ایر پنپ ایک آلہ نہایت مکلف بنا ہے کہ ہوا اس کے وسیلے سے ظرفوں سے نکالی جاوے تا کہ اس کی غیر حاضری کی تاثیر معلوم ہو'

صفحہ (16) کے بعد ایک بڑا نقشہ دیا گیا ہے جس کا نام 'نقشہ کلاں دُخانی کل مع بیل وغیرہ' ہے اس طرح صفحہ نمبر 7 پر 'نقشہ دُخانی کل خیالی' کی سرخی کی تحت ایک دوسرا نقشہ ہے۔ ان نقشوں کی مدد سے دُخانی کل کے اعمال کو سمجھایا گیا ہے صفحہ (21) کے حاشیہ پر 'آلہ مسمی پنپ' کا نقشہ دے کر اس کے اعمال کی تشریح کی گئی ہے۔ یہ سب پمپ کنویں سے پانی کھینچنے کے کام آتا ہے۔ صفحہ (23) پر 'بینوکومن صاحب کے دخانی کل کا' نقشہ دے کر اس کی ساخت کے متعلق تفصیلی معلومات قلمبند کر دی گئی ہیں۔ اس آلہ کی مدد سے کنویں یا مکان سے پانی باہر نکالا جاتا ہے۔ صفحہ (27) پر بوائلر اور اس کے متعلقہ آلوں کو ایک نقشہ سے واضح کر کے دُخان کے دباؤ کی مختلف شکلوں کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

حرارت کا احوال بیان کرتے ہوئے تھرما میٹر سے متعلق یوں لکھا گیا ہے:

''تصور نے اس امر واقعی کے عالمان فن کو ایک نہایت مفید آلہ کی ایجاد کی طرف جو انگریزی میں 'تھرمومیٹر' اور اس رسالہ میں 'تا بدرجہ نما' کہلاتا ہے متوجہ کیا۔ جس کے بنانے کی یہ طریق ہے بالشت بھر لانبی ایک شیشی کی نے جس کا سوراخ بہت ہی باریک ہو، لیتے ہیں اور اس کی ایک طرف کو آگ میں گلا کر گرہ جوفدار کی شکل بناتے ہیں۔ پھر اس میں سیماب اتنا داخل کرتے ہیں کہ گرہ مذکورہ بھر جاوے اور سیماب نے کی تہائی تک پہنچتی پھر جتنی ہوا کہ اس نے میں باقی رہی بہ ہوشیاری تمام نکال کرنے دہانہ کو مضبوطی سے بند کرتے ہیں۔ بعد اس کی گرہ مذکور کو گلتی ہوئی برف میں داخل کرتے ہیں تب سیماب اپنی حرارت کچھ کھو کر سمٹ جاتا ہے اور نزول کرنے لگتا ہے۔ پھر جس جگہ سیماب نزول کرتے کرتے ٹھہر گیا ایک نشان کرتے ہیں اور اس کا نام نقطہ انجماد آب رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ برودت کے اس درجہ پر پانی جم کر برف ہو جاتا ہے پھر اس گرہ پر سیماب کو کھولتے پانی میں داخل کرتے ہیں۔ تب سیماب حرارت حاصل کر کے درجہ بدرجہ نے مذکور میں چڑھتا جاتا ہے۔ جب دیکھتے ہیں کہ چڑھتے چڑھتے ٹھہر گیا تب عین نقطہ وقف پر ایک نشان کرتے ہیں اور اسے نقطہ جوشِ آب کہتے ہیں۔ مناسب ہے کہ اس رسالے کے پڑھنے والے ان دو حساب کو یعنی نقطہ انجماد بتیس اور نقطہ جوش دوسو بار یاد رکھے کیونکہ

آنے والے ورقوں میں استعمال ان کا اکثر ہے۔''

'بیان اجزائے دُخانی کل' کی سرخی کے تحت بوائکر کی تعریف کی گئی ہے اور بتایا ہے کہ وہ تانبے یا لوہے سے بنایا جاتا ہے یہ ایک قسم کا برتن ہے، جس میں پانی گرم ہو کر بھاپ بن جاتا ہے بوائکر کے ایک دوسرے جزو 'حافظ' کی تعریف ساخت اور اس کے اعمال کی تشریح کی گئی ہے پھر 'آلہ مانع' کا ذکر ہے جس کا کام یہ ہے کہ حسب ضرورت آگ زیادہ یا کم روشن کرے۔ اُس کا نقشہ بھی وضاحت کے لئے دیا گیا ہے۔ بھاپ کے بننے سے پانی کی مقدار میں کمی ہوتی ہے اور آگ کے التہاب سے بھاپ کی طاقت رفتہ رفتہ زیادہ ہوتی جائے گی اور اندیشہ لگا رہتا ہے کہ پانی کی کمی کے سبب کہیں بوائکر پھٹ نہ جائے۔ اس اندیشے کو دور کرنے کے لئے ایک آلہ استعمال کیا جاتا ہے جس کا نام 'ارزق' ہے۔ اس کے ذریعہ سے بوائکر میں اسی قدر پانی داخل کیا جاتا ہے، جتنا بھاپ کے بننے میں صرف ہوتا ہے۔ اس آلے کو نقشے کے ذریعے سے واضح کیا گیا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ:

پانی بوائکر میں حسب ضرورت پہنچ رہا ہے یا نہیں۔ دونل لگائے گئے ہیں تا کہ پانی کی کمی و زیادتی معلوم ہوتی رہے۔ کثرت استعمال سے بوائکر میں ریت اور میل وغیرہ بہت جمع ہو جاتا ہے اس لئے بوائکر کے اوپر کی طرف ایک بڑا سوراخ بنایا گیا ہے۔ جب صفائی کرنی ہوتی ہے تو اس سوراخ کو ایک 'ڈھکنے' سے بند کر دیا جاتا ہے تا کہ بھاپ کا راستہ بند ہو جائے اور آدمی آسانی سے بوائکر کو صاف کر سکے۔ غرض بوائکر کے تمام متعلقات پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے اور وضاحت کے لئے کئی نقشے کتاب میں درج ہیں جو لیتھو میں نہایت خوبصورت چھپے ہیں۔

کتاب میں برتے گئے متروک الفاظ کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

کتاب میں برتا گیا لفظ	لفظ کی موجودہ صورت
جاوے	جائے
کھینچے	کھینچے
لامبی	لمبی
اوچائی	اونچائی
بہیتر	باہر
وے	وہ
یے	یہ
ویسا ہیچ	ویسا ہی
جانا چاہئے	جانا چاہیے
کھان	کان
جسّی	جس سے
استی	اس سے

کتاب میں ہر جگہ 'ٹ' کو 'ت' لکھا گیا ہے مثلاً 'فٹ' کو 'فت'، 'ٹونٹی' کو 'تونتی' اور ٹھنڈا کو 'تھندا' وغیرہ اس طرح 'ڈ' کو اکثر مقامات پر 'ڈ' لکھا گیا ہے مثلاً سیلنڈر کو 'سلندر'۔

علم طبیعات کی جو اصطلاحیں وضع کی گئیں ان میں چند یہ ہیں:

'درجہ نما'، 'دخانی کل'، 'نقطہ جوش'، 'عمل تکثیف'، 'عمود علی الافق'، 'نقطہ انجماد' وغیرہ اکثر جگہوں پر انگریزی اصطلاحیں برتی گئی ہیں جیسے:

کیوبک قِت، تھرمومیتر/ تھرمومیطر/ تھرمامیطر، پستن، اسکرو، ایرپنپ، اسکیل، سلندر وغیرہ۔ یہ کتاب جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے کتب خانے میں ب/81ء ب/536 نمبر پر دستیاب ہے۔

(2)۔ ستۂ شمسیہ، از ریوری رنٹ چارلس

ترجمہ: میر امان علی دہلوی، (میر امّن) غلام محی الدین حیدر آبادی، جونس اور موسیٰ تندوسی، مطبوعہ سنگی چھاپہ خانہ، حیدر آباد (دکن)، طبع اوّل: 1840ء

ڈاکٹر جان گلکرسٹ کا سب سے اہم کارنامہ گوشۂ گمنامی میں سسکتے ہوئے مصنف و مترجم میر امّن کو منظر عام پر لانا ہے۔ جس کا شکریہ نہایت عاجزی کے ساتھ 'باغ و بہار' کے دیباچے میں ادا کر دیا گیا ہے۔

میر امّن دہلوی کا اصل نام میر امان علی دہلوی تھا، 'باغ و بہار' اور 'اخلاق محسنی' کے بعد کے کارنامے آپ کو میر امان علی دہلوی ہی ثابت کرتے ہیں، ملاحظہ ہو، ستۂ شمسیہ، رسالہ علم جرثقیل، مطبوعہ: 1256ھ مطابق 1840ء کے دیباچہ از نواب محمد فخر الدین خان المخاطب بہ شمس الامراء حیدر آباد 'دکن' محررہ: 1253ھ مطابق 1837ء سے اقتباس:

"بندہ نیاز مند درگاہ ایزدی کا، محمد فخر الدین خان المخاطب بہ شمس الامراء اس طور گزارش رکھتا ہے کہ اکثر اوقات کتابیں چھوٹی بڑی علومِ فلاسفہ کی جو زبانِ فرنگ میں مرقوم ہیں اور بسبب میلان طبیعت کے کہ بہت اس طرف شوق رکھتا تھا، میری سماعت میں آئیں۔ اِس جہت سے چند مسائل ونکے ازبر تھے اور اگرچہ بعضے علوم فلاسفہ زبان عرب و عجم میں بھی مشہور ہیں۔ چنانچہ علم جرثقیل اور علم انظار وغیرہ مگر اس قدر نہیں ہیں کہ جیسا اب اہلِ فرنگ نے ان کو دلائل اور براہین سے بدرجہ کمال اثبات کیا ہے بلکہ بعضے علوم اہلِ فرنگ میں ایسے رواج پائے ہیں کہ ان کا نام بھی یہاں کے لوگوں نے نہیں سنا۔ چنانچہ علم آب اور ہوا اور برقک اور مقناطیس اور کیمسٹری وغیرہ۔ اس واسطے مدّت سے ارادہ تھا کہ مبتدیوں کے فائدے کے لئے کوئی کتاب مختصر جامع چند علوم کی زبان فرنگ سے ایسی ترجمہ کی جاوے کہ فرصت قلیل میں اس کی معلومات سے طالبوں کو کچھ فائدہ میسر ہوئے۔ چنانچہ ان دنوں میں بحسب مدعا چند رسالے مختصر علوم فلاسفہ کے بطریق سوال و جواب کے لکھے ہوئے ریوری رنٹ چالس صاحب کے انگریزی زبان میں جو 1818ء میں بیچ شہر لنڈن کے چھاپے گئے تھے، بہم پہنچے۔ ان میں سے رسالہ علم جرثقیل۔ علم ہیئت اور علم آب اور علم ہوا اور علم انظار کہ اس کے آخر میں مقناطیس کا رسالہ بھی شریک تھا اور علم برقک کا کہ ہر ایک ان میں سے بدرجہ اوسط نہ بہت کم نہ بہت زیادہ لکھا ہوا تھا اور ہر چند ترجمہ ان علوم کا ہر ایک زبان میں قلمرو اہلِ فرنگ میں رواج پایا ہے مگر نظر کرتے فائدے ساکنان بلدہ فرخندہ بنیاد حیدر آباد کے.. میر امان علی دہلوی اور

غلام محی الدین حیدر آبادی اور مسٹر جونس اور موسیٰ تندوسی کو جو ملازمان سرکار ہیں، حکم کرنے میں آیا کہ ان علوم مذکور کو زبان انگریزی سے اردو میں ہمارے روبرو ترجمہ کریں۔ چنانچہ بفضل حق سبحانہ تعالیٰ کے یہ چھ (6) رسالے ترجمہ ہوئے، مگر بعضے اسماء انگریزی اصطلاح کے جو زبان عربی اور فارسی میں نہ مُیسر ہوئے، ان کو اس زبان اصلی پر بحال رکھنے میں آیا اور یہ چھ رسالے جو ترجمہ کئے گئے چھ علم پر مشتمل ہیں۔ اس واسطے نام ان کا ''ستہء شمسیہ'' رکھا گیا۔ مناسب جان کے علم مقناطیس کو علم انظار کی جلد سے علیحدہ کر کے آخر میں جلد برقک کے شریک کیا گیا اور مادۂ تاریخ اس رسالے کا گزرانا ہوا، حافظ مولوی شمس الدین فیض کا یہ ہے۔

'تالیف نواب شمس الامراءؔ'

1253ھ (مطابق: 1837ء)

1۔ محولہ بالا دیباچے سے ثابت ہے کہ میر امان علی دہلوی 1837ء سے قبل حیدر آباد دکن میں شمس الامراء کے سرکاری ملازم ہوئے، یعنی میر امّن مئی 1806ء میں ہیلی بری (برطانیہ) کے مقام پر فورٹ ولیم کالج طرز کے ادارے کے قیام کے فیصلے کے ساتھ 6 جون 1906ء میں مستعفی ہو کر حیدر آباد دکن چلے گئے اور نواب محمد فخر الدین خان شمس الامرائے ثانی کی قائم کردہ رصدگاہ 'جہاں نما' میں 1818ء کے بعد، کسی وقت بطور مترجم ملازمت اختیار کی۔

2۔ میر امان علی دہلوی انگریزی زبان سے کچھ کچھ واقف تھے۔

3۔ میر امان علی دہلوی سائنسی علوم سے شدبد نہ رکھنے کے باوجود انگریز مترجمین کے ساتھ کام کرنے کے اہل تھے۔

4۔ میر امان علی دہلوی کی مطبوعہ کتب میں ستہء شمسیہ سلسلے کے مندرجہ ذیل سات رسائل شامل ہیں:

(1) رسالہ علم جرثقیل (ترجمہ) مطبوعہ: سنگی چھاپہ خانہ شمس الامراء حیدر آباد دکن 1256ھ مطابق 1840ء

(2) رسالہ علم ہیئت (ترجمہ) مطبوعہ: سنگی چھاپہ خانہ شمس الامراء حیدر آباد دکن 1256ھ مطابق 1840ء

(3) رسالہ علم آب (ترجمہ) مطبوعہ: سنگی چھاپہ خانہ شمس الامراء حیدر آباد دکن 1254ھ مطابق 1838ء

(4) رسالہ علم ہوا (ترجمہ) مطبوعہ: سنگی چھاپہ خانہ شمس الامراء حیدر آباد دکن 1255ھ مطابق 1839ء

(5) رسالہ علم مناظر (ترجمہ) مطبوعہ: سنگی چھاپہ خانہ شمس الامراء حیدر آباد دکن 1255ھ مطابق 1839ء

(6) رسالہ علم برقک (ترجمہ) مطبوعہ: سنگی چھاپہ خانہ شمس الامراء حیدر آباد دکن 1255ھ مطابق 1839ء

(7) ریورنڈ رنٹ چارلس کا سوالات و جوابات سے متعلق مکمل رسالے کا ترجمہ اس کے علاوہ ہے، جس کے چھے حصے الگ کر کے علم جرثقیل، علم ہیئت، علم آب، علم ہوا، علم مناظر اور علم برقک نامی رسائل کے آخر میں شامل کر دیا گیا۔ یوں ان سات رسائل کے 1781 صفحات کا انگریزی سے اُردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

میر امان علی دہلوی، غلام محی الدین حیدر آبادی، مسٹر جونس اور موسی تندوسی کی مشترکہ کاوش 'ستہء شمسیہ' از ریورنڈ چارلس کے سائنسی رسائل کی تفصیل درج ذیل ہے:

رسالہ علمِ جرثقیل:

یہ 'ستہ شمسیہ' سلسلے کی پہلی جلد ہے جو 8"×5" کی تقطیع پر 307 صفحات کی کتاب ہے۔

صفحہ ایک اور دو سے اقتباس ملاحظہ ہو:

''اس میں ہیولا اور اس کے انقسامات بے نہایت اور کشش اجساد اور کشش ثقل اور مرکز ثقل اور کمیات حرکت اور جرثقیل کی تمام قوتوں اور شاخوں کا بیان ہے۔''

''طلباء کے واسطے سرکار شمس الامراء بہادر امیر کبیر کے سنگی چھاپہ خانے میں شہر فرخندہ بنیاد حیدر آباد کے درمیان 1356ھ میں مطبوع ہوئی۔''

ابتدا میں 3 صفحات کی فہرست، کتاب کے آخر میں تین صفحات کا غلط نامہ اور 4 صفحات میں علم جرثقیل کے آلوں کی 130 شکال کو لیتھو میں چھاپ کر شامل کتاب کیا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں 'پوشیدہ نہ رہے' کے عنوان کے تحت درج ذیل عبارت شامل کتاب ہے:

''حکیم ریوری رنت چالس صاحب نے 1818ء میں سات کتابیں علوم ریاضی کی تیار کر کے جو چھپوائی تھیں ان میں سے چھ کتابیں ترجمہ کر کے ستہ شمسیہ نام رکھا گیا اور باقی ساتویں کتاب تعریفات اور سوالات علوم مذکور میں اس واسطے لکھی تھی کہ علوم مذکور کی تحصیل کے بعد شاگردوں سے ہر ہر علم کے امتحان کے لئے سوال کر کے جواب اس کا ڈن سے سنے کہ یاد ہے یا نہیں اور ہم نے اس حکیم کے آئین کو بہتر جان کے ساتویں کتاب کا بھی ترجمہ کیا مگر اس میں سے ہر ہر علم کی تعریفات اور کیفیات اور سوالات علیحدہ کر کے ہر علم کے رسالے میں اسطور شریک کئے کہ آغاز رسالے میں دیباچہ کے بعد تعریفات اور کیفیات اور آخر رسالے میں سوالات اس کے داخل کرنے میں آئے تا استاذ ہر علم کی تعلیم کے بعد اسی کتاب سے شاگردوں سے سوالات کر کے جوابات پوچھے تا دوسری کتاب سے سوالات کی احتیاج نہ ہو۔ تمت بالخیر۔'' ترجمے سے مثالیں ملاحظہ ہوں:

'آپ نے یہ بات پرسوں کے دن فرمائے تھے۔'

'متوجہ طرف تمہاری تعلیم کے ہوتا ہوں۔'

'ساتھ ایسے ہی اعلیٰ مراتب کے متصف ہے۔'

کتاب میں شامل اکثر الفاظ اور املا کا استعمال اب متروک ہے، مثلاً

وہ کی بجائے وے

کو کی بجائے تئیں

مٹی کی بجائے ماٹی

کنویں کی بجائے کوے

بحث کی بجائے تکرار

کسی کو کی بجائے کسو کو

بند ہونا کی بجائے مُونْدھنا

اُن سے کی بجائے ڈن سے

اسی طرح عبارت میں شامل اکثر حروف اور الفاظ کا رسم الخط بھی مختلف ہے

مثلاً

ٹ۔ت

ڑ۔ر

ٹوٹ۔توت

سُنئے۔سنے

فٹ۔فوت

چند انگریزی اصطلاحوں کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

پڈنگ۔Pudding

چوب شولہ۔Cork

اسفنج۔Spunge

خط راہ۔Line of direction

ایر پمپ۔Air pump

رسالہ علمِ ہیئت

یہ 'ستہء شمسیہ' سلسلے کی دوسری جلد ہے جو 8' / 5' کی تقطیع پر 344 صفحات کی کتاب ہے۔ صفحہ 2 سے اقتباس ملاحظہ ہو:

''دوسری جلد ستہ شمسیہ کی جو علم ہیئت میں ہے..... طلبہ کی تعلیم کے واسطے سرکار شمس الامراء بہادر امیر کبیر کی سنگی چھاپے خانہ میں شہر فرخندہ بنیاد حیدر آباد کے درمیان 1256ھ میں مطبوع ہوئی۔''

ابتدا میں دیباچہ اور فہرست کے 31 صفحات، آخر میں دو صفحات کا غلط نامہ اور 4 صفحات پر کتاب کے متن سے متعلق 20 اشکال کو شامل کتاب کیا گیا ہے۔ جملہ کتاب 26 گفتگوؤں پر مشتمل ہے۔

نمونہ عبارت ملاحظہ ہو:

''پیش از طلوع آفتاب جب مشرق طرف نظر آتا ہے ستارہ صبح گاہی اور جب بعد از غروب آفتاب مغرب طرف دکھلائی دیتا ہے ستارۂ شام گاہی کہلاتا ہے۔ پس جب زہرہ اتنے مقام میں ہوتا ہے بشرطیکہ نقطہ تقاطع پر نہووے ناظر زمین کی نظر سے بالکل محجوب۔''

پہلی گفتگو سے بھی ایک اقتباس دیکھتے چلیے۔

''تلمیذ کلان۔ قبلہ وکعبہ آج کی شب آسمان اس قدر صاف اور غبار سے پاک ہے کہ کبھی ایسا دیکھنے میں نہیں آیا''

''تلمیذ خرد۔ جناب واقعی بھائی نے سچ عرض کیا۔ سبب کثرت صفائی کے بندہ بھی جس قدر چہار سو نظر کرتا ہے تارے بیحد نظر

آتے ہیں ان کو کس طور شمار کرنا۔ کیونکہ سنا ہوں استادوں نے ان کو شمار کیا ہے ..... اس مقدمۂ مشکل کی راہِ دریافت مجھ پر روشن فرمائیے۔''

''استاد۔ ابھی نہیں چند روز توقف کرو......

بالفعل اور ایک امر کی تعلیم تم کو میری مدنظر ہے۔ سنو جب ہم شب کو اوپر کی طرف یعنی منتہائے مم نظری سر پر کا، جس کو آسمان کر تعبیر کرتے ہیں.. فقط آنکھ سے دیکھتے ہیں، وے نجوم بیحد جو ہم کو نظر آتے ہیں صرف باصرے کا دھوکا ہے......

بدون استعانت دوربین کے، ہزار سے زیادہ تارے نہیں نظر آتے۔ پس یہاں ثابت ہوا ظاہراً ہم کو جتنے تارے نظر آتے ہیں دراصل وے سب تارے نہیں ہیں بلکہ تخیلہ باصرے کا ہے۔''

کتاب میں شامل: غلظت۔ کسو۔ تیئں۔ کنکے۔ ونکے جیسے متروک الفاظ ہیں۔

رسالہ علمِ آب

یہ 'ستہ شمسیہ' سلسلے کی تیسری جلد ہے جو 8/5 کی تقطیع پر 312 صفحات کی کتاب ہے۔ آخر میں چار صفحات کا غلط نامہ اور تین صفحات پر علم آب سے متعلق 36 اشکال کو شامل کتاب کیا گیا ہے۔ کتاب کے کچھ صفحات کے حاشیہ پر 'ستیہ شمسیہ' سلسلے کی دیگر کتب کے حوالے بھی شامل کتاب ہیں۔

نمونہ عبارت ملاحظہ ہو:

''کسب کیسا ہی آسان ہو نہیں سمجھتا اس کے عمل میں کچھ خطر نہیں۔ چنانچہ لکھا ہوا دیکھنے میں آیا ہے۔ حکیم اسپالڈین اور اس کا مددگار وے دونوں اپنے بنائے ہوئے آلے میں بیٹھ کر جہاز شکستہ اور ڈوبے ہوئے مال کے نکالنے کے واسطے دوبار دریا کے اندر جا کر نکلے اور دفعہ سوم جو ڈوبے ایک ساعت تک رہے جب وقت بہت گزرا اور اوپر کے مددگاروں نے کچھ اشارہ مراجعت کا نہیں پایا آلہ غوطہ زنی کو اوپر کھینچا دیکھے دونوں کی روح پرواز ہو گئی تھی۔''

کتاب میں برتے گئے متروک الفاظ درج ذیل ہیں:

ماٹی۔ مٹی

قیمت دار۔ قیمتی

وسکا۔ اس کا

دوڑنے لاگا۔ دوڑنے لگا

جاگہ۔ جگہ

عبارت میں بعض جگہوں پر 'نے' کا استعمال ہی نہیں کیا گیا مثلاً 'اوپر آپ فرمائے تھے'

اسی طرح لفظ 'کر' کا استعمال ملاحظہ ہو:

امتحان کر دکھلائیے، (امتحان کر کے دکھلائیے)

کتاب میں برتی گئی چند انگریزی اصطلاحوں کا اردو ترجمہ دیکھتے چلیے:

زبردستی کا پمپ۔ Force pump

ہیڈرامیٹر Hydrametre

علم آب Hydrostatics

علم آب کی ترازو Hydrostatic Balance

چوسنے کا پمپ Sucking pump

رسالہ علمِ ہوا

یہ 'ستۂ شمسیہ' سلسلے کی چوتھی جلد ہے جو 8/5 کی تقطیع پر 335 صفحات کی کتاب ہے دیباچہ کے علاوہ آخر میں 4 صفحات کا غلط نامہ اور 5 صفحات پر علم ہوا سے متعلق 34 آلوں کے نقشے شامل کتاب کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب بھی استاد اور شاگرد کی گفتگو کے انداز میں لکھی گئی ہے۔

23 ویں گفتگو سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''تلمیذ خرد۔ حضرت پیرامیٹر کی معنی بیان کیجئے۔

استاد۔ یہ لفظ یونانی ہے اور اس کی معنی آتش پیا ہے اور یہ ایک آلہ ہے منجمد چیزوں علی الخصوص معدنیات کے بڑھاؤ کی پیائش کے واسطے جو بہ سبب گرمی کے ان کو حاصل ہوتا ہے اور چیزیں کتنی بھی تھوڑی پھیلیں اس آلے کی استعانت سے تیسویں شکل کی مانند فقط آنکھ سے نظر آئیں گی۔''

کتاب میں بعض مقامات پر حاصل مصدر کی بجائے مصدر کا استعمال کیا گیا ہے مثلاً 'تعجب ہے کہ گونجنا اکثر سنے میں کیوں نہیں آتا' بعض الفاظ کی جمع دکنی قاعدہ کے مطابق بنائی گئی ہے مثلاً سیخ سے سیخاں اور شاخ سے شاخاں۔

رسالہ علمِ مناظر

یہ 'ستۂ شمسیہ' سلسلے کی پانچویں جلد ہے جو 8/5 کی تقطیع پر 277 صفحات کی کتاب ہے۔ شروع میں دیباچہ اور تعریفات علم مناظر کے علاوہ آخر میں 8 صفحات کا غلط نامہ اور متن کے متعلق 42 اشکال شامل ہیں۔ ریورنڈ چارلس کی اصل کتاب میں علم مقناطیس سے متعلق مختصر رسالہ بھی شامل تھا جسے اس سے الگ کر کے ستۂ شمسیہ' سلسلے کی چھٹی جلد میں داخل کر دیا گیا ہے۔

یہ کتاب بھی سوال جواب کے انداز میں لکھی گئی ہے۔ 15 ویں گفتگو سے اقتباس ملاحظہ ہو۔

''تلمیذ خرد۔ حضرت بہتر، بندہ ایسا ہی عمل کرے گا لیکن کچھ آپ نے ابرہ اور مژگاں کا ذکر نہ کیا، یہ کس کام پر آتی ہیں۔

استاد۔ ابرو بہت آنکھ کو پناہ دیتی ہے جس وقت کہ بہت روشنی آنکھ پر آتی ہے اور کوئی جسم اگر پیشانی پر سے پھسل کر آنکھ پر گرے آنکھ کو مضرت نہیں پہنچنے دیتی ہے اور مژگاں کام کرتی ہیں آنکھ کے پردے کی مانند کس واسطے کہ جب کوئی شخص سوتا ہے وہ

نبھالتے ہیں حادثہ روشنی کو، یعنی زیادہ روشنی آنکھ میں جانے نہیں دیتی ہیں۔ اور یہ مژگاں ہزاروں صدمات سے آنکھوں کو بچاتے ہیں اور جو گرد کہ ہوا میں بھری ہوئی ہے ان کو آنکھوں میں آنے نہیں دیتے ہیں۔"

چند انگریزی اصطلاحوں کا ترجمہ دیکھتے چلیے:

منہ دیکھنے کا آئینہ Looking Glass

کلاں بین Microscope

منعکس دوربین Reflecting Telescope

موازی شعاعیں Convergent Rays

انبساطی شعاعیں Reflected Light

قندیل سحری Magid Lantern

لنٹر یا لالنٹر Lantern

علمِ برقک

یہ 'سقیۂ شمسیہ' سلسلے کی چھٹی جلد ہے جو 8/5 کی تقطیع پر 206 صفحات کی کتاب ہے۔ جس میں علم برقک (یعنی جھٹکے کا علم) اور مقناطیس سے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ دیباچے کے علاوہ آخر میں 3 صفحات پر 31 اشکال اور کتاب کے خاتمے پر متن سے متعلق آلوں کے 6 نقشے شامل کتاب کیے گئے ہیں۔ اِس کتاب میں علم برقک سے متعلق 16 مکالمے، گیال وی نیزم اور علم مقناطیس کے متعلق چار چار مکالمے شامل کیے گئے ہیں۔ نمونۂ عبارت ملاحظہ ہو:

تلمیذ کلاں

"حضرت آپ نے ابھی ذکر کیا تھا کہ سوئی کو مقناطیس دینے کے بعد وہ جھکتی ہے۔ کیا جھکاؤ اس کا یکساں رہتا ہے یا کچھ کچھ فرق کرتا ہے"

استاد۔ یہ قریب الفہم ہے کہ اسی حالت میں ہوگی اسی جائے میں اور راپٹ صاحب نے کہ قطب نما بنانے والا تھا، ناروے کے ملک میں 1576ء میں دریافت کیا کہ جھکاؤ سوئی کا قریب 72 درجے کے تھا اور اس کی تحقیق بادشاہی مدرسے میں بھی ہوئی اور یہ بات راست نکلی"

کتاب کی عبارت میں ڈاکٹر کو 'ڈنکٹر' اور تلوار کو 'تروار' لکھا گیا ہے۔ باقی وہ تمام خصوصیات اس کتاب میں بھی موجود ہیں جن کا ذکر دیگر رسائل کے ضمن میں ہُوا ہے۔

اصولِ علمِ حساب ہندی زبان میں

اور 'رسالہ کسورات اعشاریہ' ترجمہ: میر امان علی دہلوی (میر امّن)

ریوری رنٹ چارلس کے سات رسائل کے علاوہ شمس الامراء کے سنگی چھاپہ خانہ واقع حیدرآباد (دکن) سے طبع ہونے والی دیگر کتب میں درج ذیل دو کتابیں ایسی ہیں جن پر مترجمین کے نام درج نہیں۔

1۔ 'اصول علم حساب ہندی زبان میں' مطبوعہ: 1252ھ مطابق 37-1836ء

2۔ 'رسالہ کسورات اعشاریہ' مطبوعہ: 1253ھ مطابق 1837ء

اوّل الذکر کتاب کے دیباچے میں اسے 'اہلِ فرنگ کے دستور پر' لکھی گئی کتاب بتایا گیا ہے، لیکن اس کتاب کا ترجمہ ہونا یوں ثابت ہے کہ کتاب میں سکوں اور اوزان کی شرح برطانوی سکہ اور اوزان کے مطابق دی گئی ہے ورنہ حیدرآبادی سکہ اور حیدرآبادی اوزان استعمال کیے جاتے۔ جبکہ 'رسالہ کسورات اعشاریہ' کو ترجمہ بتایا گیا ہے نیز اس میں 'ستّیہ شمسیہ' والا سوالات و جوابات کا انداز اختیار کیا گیا۔

شمس الامراء کی مطبوعہ کتب سے یہ ثابت ہے کہ 1840ء تک شمس الامراء کی رصدگاہ 'جہاں نما'، کے شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ میں شاہ علی رتن لعل، میر امان علی دہلوی، غلام محی الدین حیدرآبادی، موسیٰ تندوسی، حافظ مولوی شمس الدین فیض، مسٹر جونس اور مسٹر جوزہ سمیت کُل 16 منشی (مترجم) ملازم تھے۔

جان مرقس 47-1846ء کے لگ بھگ مترجم مقرر ہوئے جبکہ ابوعلی، رائے منولال، شیر علی بن محمد قاسم، مرزا جان قندھاری، میر طفیل علی، مولوی احمد اور سیّد عبدالرحمٰن بہت بعد میں مترجم مقرر ہوئے۔

محولہ بالا دونوں تراجم کے مترجمین کی تلاش کے سلسلے میں ذرا سی کوشش بارآور ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہ شاہ علی (متوطن ادھونی) اور رتن لعل (ولد چنیا لعل) نے 'رسالہ علم و اعمال کرے کا' (سنہ تالیف 1255ھ مطابق 1836ء سنہ طباعت 1257ھ مطابق 1841ء) ترجمہ کیا ہے۔ ان دونوں مترجمین کی زبان بھی سلیس ہے لیکن 'ستّیہ شمسیہ' کی زبان اور ان کی زبان میں واضح فرق محسوس کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے 'رسالہ علم و اعمال کرے کا' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''جب زمین، چاند اور سورج کے درمیان میں حائل ہوتی ہے تو زمین کا سایہ چاند پر گر کر اس کا مانع نور ہوتا ہے، اس کو خوف قمر کہتے ہیں اور اس سبب سے خوف قمر حالت بدر میں ہونا ضروری ہے۔''

(ترجمہ از شاہ علی و رتن لعل)

اب صرف شاہ علی کی زبان ملاحظہ ہو:

> 'اس ذرہ بے مقدار شاہ علی متوطن ادھونی نے مشہور شرح چغمنی کو کہ جس کی عبارت کی دقت اور معانی کی نزاکت باریک بینان نازک خیال پر ظاہر و باہر ہے۔ زبان ہندی میں یہ عبارت سلیس و صاف ترجمہ کر کے اس مہر منیر (شمس الامراء) کی رائے روشن سے مسائل اصل میں تقدیم و تاخیر کی اور مسئلہ ضعیف کی قوی سے تبدیل۔''

(ترجمہ 'شرح چغمنی' کے دیباچے سے اقتباس)

اس سے قبل شاہ علی نے مادری زبان کے ادھونی انگ میں تعلیم و تدریس کے فوائد بیان کئے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ لکھتا ہے:

''دانایان روزگار اور عاقلانِ تجربہ کار پر پوشیدہ نہیں کہ جس قوم میں زبان مروج سے جو فن تحریر و ترقیم پاتا ہے، صاحب زبان نہایت آسانی کے ساتھ اس فن کا فائدہ اٹھاتا ہے بلکہ بہ نسبت دوسری زبان کے مدّت قلیل میں حاصل اور کامل ہوتا ہے۔ کیونکہ جو مدّت وہاں معرفت الفاظ میں جاتی ہے، یہاں وہ تحصیل معانی میں کام آتی ہے۔''

(ترجمہ 'شرح چغمنی' کے دیباچے سے اقتباس)

'شرح چغمنی' کا ترجمہ 1250ھ مطابق 1834ء میں کیا گیا اس کا قلمی نسخہ ادارہ ادبیات اردو، خیریت آباد، حیدر آباد دکن میں محفوظ ہے۔ اب صرف رتن لعل کی زبان ملاحظہ ہو:

''یہ رسالہ ہے موسوم بہ منتخب البصر بیچ علم دورنما کے کہ اسے علم انظار بھی کہتے ہیں اور اس علم کی معلومات سے نقشۂ اجسام و سطوح کے کھینچے جاتے ہیں۔ اس علم میں اگرچہ ایک کتاب مبسوط فارسی زبان میں موسوم بہ رفیع البصر لکھی ہوئی صاحبزادہ بلند اقبال عالی قدر محمد رفیع الدین خان الخاطب بہ عمدۃ الدولہ بہادر کی ہے۔'' اب 'رسالہ منتخب البصر' کے متن سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''حضرت اگر ہم کو شکل الٹی نظر آتی ہے تو ہم کو سیدھی کیوں نظر آتی ہے۔'

جواب۔ 'ہم لوگوں کو ایک مدّت سے عادت ہوگئی ہے بہ سبب کثرت امتحان کے ذہن تمیز کرتا ہے کہ یہ سیدھی ہے بلکہ اس کے اوپر ایک بُرہان ساطع یہ ہے، جو بچے شیرخوار ہیں ان کے سامنے جو شے آتی ہے اس کو بلاشبہ پکڑ لیتے ہیں اور حس لامسہ کے سبب سے اور لوگوں کے کہنے سے ان کو چند مدت میں تمیز سیدھے الٹے کی ہوتی ہے اور اس کی مفصل تکرار اور براہین علم مناظر میں لکھی ہوئی ہے اور یہ علم اسی میں سے وضع ہوا ہے۔ اس کو علم انظار کہتے ہیں۔' (رسالہ منتخب البصر، سنہ تالیف 1253ھ مطابق 1837ء سنہ طباعت 1257ھ مطابق 1841ء سے اقتباس)

اب شاہ علی اور رتن لعل کے ترجموں کی زبان کے مقابلے میں 'اصول علم حساب ہندی زبان میں' اور 'رسالہ کسورات اعشاریہ' سے ایک ایک ٹکڑا دیکھیے:

1۔ 'مرقوم ہے وہ مثال کہ گزری اس میں معنی بخشی ہے۔'

2۔ 'اس کسورات عشر کے اعمال مانند کسور مشہور کے ہوتے ہیں۔'

مندرجہ بالا پہلا ٹکڑا تو ایسا ہے کہ جیسے 'باغ و بہار' میں سے اُچک لیا گیا ہو۔

دوسرا ٹکڑا ٹیکنیکل ہونے کے باوجود اس بات کی چغلی کھاتا ہے کہ میر امان علی دہلوی کا ہی ہے۔ اس لیے کہ اس میں جمع الفاظ کے ساتھ اشارۂ قریب 'ان' کی بجائے 'اُس' لکھا گیا ہے، جو 'باغ و بہار' والے منفرد اسلوب کی ایک پہچان ہے۔ اس کے علاوہ 'اصول علم حساب' کے ترجمے میں میر امان علی دہلوی کی لفظیات اپنی صاف پہچان کرواتی ہے مثلاً

بغیر کے بجائے بدوں

باوجود کی بجائے باوصف

اس کے بعد کی بجائے تس پیچھے

ضرورت کی بجائے حاجت

غلط کی بجائے خطا

طریق کی بجائے ڈول

تیسرا مترجم غلام محی الدین حیدر آبادی ہے جس کی زبان کا دکنی انگ (جس کی مثال 'رسالہ علم ہوا' کے باب میں دی گئی ہے) ان دونوں کتابوں میں ناپید ہے۔ جبکہ حافظ مولوی شمس الدین فیض کی زبان معرب ہے اور موتی تندوسی کی زبان مفرس۔ یہ دونوں خصوصیات ان کتابوں میں نہیں پائی جاتیں۔ باقی رہا مسٹر جونس اور مسٹر جوزہ کا معاملہ، تو یہ طے ہے کہ یہ دونوں انگریز منشی مقامی مترجمین کی سہولت کے لئے تھے۔ ان کا کام صرف گنجلک انگریزی عبارت کو صاف کرنا تھا تاکہ اردو میں ترجمہ کرنا ممکن ہو۔ اب اگر ان دو حضرات میں سے کسی ایک نے میر امان علی دہلوی کی مدد کی تو کچھ بعید نہیں لیکن ان دو کتابوں کا اسلوبی تجزیہ ثابت کرتا ہے کہ ان کا ترجمہ میر امان علی دہلوی (میر امّن) نے ہی کیا۔

یوں میر امان علی دہلوی نے (میر امّن) کی مطبوعہ کتب میں نو انگریزی سے ترجمہ کردہ کتب کا اضافہ اُس نابغۂ روزگار ہستی سے متعلق تحقیق کے دائرے کو وسیع کرتا ہے۔

میر امان علی دہلوی (میر امن) سے متعلق سابقہ تحقیق ('فورٹ ولیم کالج اور اکرام علی' از نادم سیتاپوری تک) سے پتا چلتا ہے کہ آپ 1162ھ مطابق 1748ء یا 1167ھ مطابق 54-1753ء کے محمد شاہی عہد میں پیدا ہوئے۔ آباؤ اجداد بیرون ہند کے رہنے والے تھے۔ جو خاندان مغلیہ کے دوسرے فرماں روا نصیرالدین ہمایوں کے عہد میں ہندوستان وارد ہوئے اور عظیم آباد (پٹنہ) میں قیام کیا۔ میر امان علی کی پیدائش دہلی کی ہے۔ ان کا بچپن اور جوانی عہد مغلیہ کے پر آشوب دور میں گزرا۔ احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے جب لوگوں کو دہلی چھوڑنے پر مجبور کر دیا تو آپ عظیم آباد (پٹنہ) واپس ہو لئے جہاں 35 برس تک قیام رہا اس کے بعد آپ نے کلکتہ کا رُخ کیا، جہاں نواب دلاور جنگ نے آپ کو اپنے چھوٹے بھائی میر کاظم خان کا اتالیق مقرر کیا۔ دو برس تک یہ فرائض نبھاتے رہے۔ اسی زمانے میں سیّد بہادر علی حسینی نارنولی (سیکنڈ منشی، فورٹ ولیم کالج کے توسط سے فورٹ ولیم کالج کے ریکارڈ کے مطابق ڈاکٹر جان گلکرسٹ نے انہیں 19 اپریل 1801ء میں بطور منشی (مترجم) فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں جگہ دی۔ کئی باتوں کی تصدیق 'باغ و بہار' کے دیباچہ از میر امّن سے بھی ہو جاتی ہے۔

فورٹ ولیم کالج میں ملازمت کے دوران میں آپ کی دو تصانیف 'چار درویش' المعروف 'باغ و بہار' اور 'گنج خوبی' (ملا حسین واعظ کاشفی کی فارسی تصنیف 'اخلاق محسنی' کا چالیس ابواب میں ترجمہ) نے شہرت پائی۔

میر امّن دہلوی نے خود 'باغ و بہار' کے دیباچے میں اسے فارسی قصہ چہار درویش کا ترجمہ بتایا ہے۔ یہ کام 1801ء میں شروع کر کے 1802ء میں مکمل کیا۔ 'باغ و بہار' کا اوّلین ایڈیشن 1802ء میں طبع ہوا۔

سابقہ تحقیق میں میر امّن دہلوی کا 1806ء کے بعد سُراغ نہیں ملتا کہ زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا ہے۔ آگے چل کر نادم سیتاپوری نے میر امان علی دہلوی کو 1233ھ مطابق 18-1817ء تک حیات بتایا۔

لیکن اب یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ آپ 1837ء (زمانہ تحریر: دیباچہ سنگیہ شمسیہ) تک تو یقیناً حیات تھے، اس لئے کہ

نواب محمد فخرالدین خان نے ان کے لئے ماضی کا صیغہ استعمال نہیں کیا، اور اگر 'رسالہ کسورات اشاریہ' (مطبوعہ: سنگی چھاپہ خانہ شمس الامرا حیدر آباد (دکن) 1837ء) کے مترجمین میں بھی میر امان علی دہلوی شامل تھے (جیسا کہ ظاہر ہے) تو ان کی حیات اور تصنیفی زندگی کا دائرہ 1837ء تک تو پھیل ہی جاتا ہے۔ کیا یہ ثبوت کافی نہیں کہ دیباچہ 'ستیہ وشمسیہ' میں انہیں دارالترجمہ سے منسلک بنایا گیا ہے۔ اب آیئے سنہ ولادت کے طرف۔ یہ طے پایا کہ 1837ء تک آپ حیات تھے، اس طرح اگر 1748ء میں پیدا ہوئے تو میر امن نے 89 برس کی عمر پائی اور اگر 1754ء میں پیدا ہوئے تو 83 برس کی عمر پائی۔

(3) رسالہ علم و اعمال کرے کا

از کیٹ، مترجمین: رتن لعل و جوزہ مطبوعہ حیدر آباد دکن 1257ھ مطابق 1841ء

یہ کتاب ½8 × ½5 کی تقطیع میں 408 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو نواب شمس الامراء کے سرکاری مترجمین رتن لعل اور مسٹر جوزہ نے انگریزی سے 1255ھ بمطابق 1839ء میں ترجمہ کیا اور 1841ء میں شمس الامراء کے سنگی چھاپہ خانے سے طبع ہوئی۔

دیباچہ کے علاوہ کتاب کی فہرست 29 صفحات پر مشتمل ہے جس میں چار الگ الگ مقالات کی ذیلی سرخیاں درج کی گئی ہیں۔ پہلا مقالہ کرہ مصنوعہ اور دوائر، دوسرا، کرۂ ارضی کے اعمال 'تیسرا' کرۂ سماوی کے اعمال اور چوتھا 'سیاروں اور اجرام فلکی' سے متعلق ہے۔ کتاب کے آخر میں فائدہ کے عنوان سے ایک صفحہ کے نوٹ کے ساتھ 3 صفحات پر 'منازل قمر' کی جدول شامل کتاب کی گئی ہے۔ اس جدول کے بعد 4 صفحات کا غلط نامہ اور سب سے آخر میں 6 صفحات پر کرۂ ارضی، کرۂ سماوی، قطب نما، محور، نصف النہار اور افق سے متعلق آٹھ نقشہ جات بھی شامل کتاب ہیں۔

'پوشیدہ نہ رہے' کے عنوان سے کتاب کے مترجم رتن لعل دیباچے میں لکھتے ہیں:

> ''پوشیدہ نہ رہے کہ یہ رسالہ ہے، کرے کے علم اور اعمال میں کہ جس کو علم اصطرلاب کروی بھی کہتے ہیں۔ 1255ھ نبوی میں حضرت شمس الامراء بہادر، کے حسب الحکم مسٹر جوزہ اور بندہ رتن لعل نے کہ دونوں ملازم سرکار فیض آثار نواب ممدوح کے ہیں، انگریزی زبان سے اردو زبان میں ترجمہ کیا اور یہ چند مسائل انتخاب کئے گئے ہیں۔ اس کتاب سے کہ جس کو حکیم کیت صاحب نے تالیف کیا ہے اور اگرچہ وہ کتاب حاوی اکثر مسائل علم کرے کو ہے مگر اس میں سے چند مسائل ضرور یہ انتخاب کر کے لکھے گئے اور سوائے اس کتاب کے چند نقشے کرے وغیرہ کے بھی طالبوں کے سمجھانے کے واسطے شریک کئے گئے، کس لئے کہ کرہ بالفعل موجود نہ ہو تو ان نقشوں سے اس کی صورت ذہن طالبین میں متصور ہو۔''

کتاب میں شامل چاروں مقالات سے اقتباسات ملاحظہ ہوں:

پہلا مقالہ

'نویں تعریف خسوف قمر کی'

جب زمین چاند اور سورج کے درمیان میں حائل ہوتی ہے تو زمین کا سایہ چاند پر گر کے اس کا مانع نور ہوتا ہے، اسی کو

’خسوف قمر‘ کہتے ہیں اور اس سبب سے خسوف قمر حالت بدر میں ہونا ضروری ہے۔‘

دوسرا مقالہ

’’آٹھواں سوال کسی دو مقام مفروض کے طول بلد معلوم کا تفاوت کیونکر معلوم کرنا۔ قاعدہ دونوں کا طول بلد تیسرے سوال کے موافق معلوم کر کے دیکھنا کہ ون دونوں کا طول مشرقی ہے یا مغربی غرض۔ بہر تقدیر اس وقت عدد ناقص کو عدد زائد سے وضع کرنا۔ بس وضع کے بعد تفاضل کہ حاصل ہوگا وہی ون دونوں کے طول کا تفاوت ہوگا۔ اگر ایک مشرقی ہو اور ایک مغربی تو ون دونوں کے طول کو جمع کرنا پس جمع کے بعد جو مجموع کہ حاصل ہوگا وہی تفاوت ہوگا۔‘‘

تیسرا مقالہ

’’گیارھواں سوال تاریخ ماہ اور عرض بلد معلوم کیئے کے بعد آفتاب کے غروب کے بعد کون کون سیارے بالائے افق رہتے ہیں کیونکر معلوم کرنا۔

قاعدہ قطب کو اپنے عرض بلد کے موافق بلد کرنا اور بعدہ آفتاب کا مقام طریقۃ الشمس پر معلوم کر کے اس کو دس بارہ درجے افق کے نیچے لے جانا اور پھر تقویم میں دیکھنا کہ کون کون سیارے اوپر کے برجوں میں ہیں پس وے سب نظر آویں گے۔‘‘

چوتھا مقالہ

’’مشتری کا بیان‘

’یہ سیارہ تمام سیاروں سے بڑا ہے اور زمین و آفتاب کے درمیان میں جس قدر بعد ہے اس کی بہ نسبت یہ سیارہ بہت دور ہے اور جب اس کو بے استعانت آلہ دوربین کے دیکھے ہیں تو زہرہ کی مانند نظر آتا ہے لیکن زہرہ کی طرح روشن نہیں معلوم ہوتا۔ جب اس کا طول آفتاب کے طول سے کم ہوتا ہے تو طلوع آفتاب کے قبل نظر آتا ہے۔ اس وقت اس کو کوکب صباحی یعنی صبح کا تارا کہتے ہیں اور جب زیادہ ہوتا ہے تو غروب آفتاب کے بعد دکھلائی دیتا ہے اس وقت اس کو کوکب مسائی یعنی شام کا تارا بولتے ہیں اور یہ اپنا دورۂ محوری 9 ساعت 56 دقیقے میں تمام کرتا ہے۔ اس کا حجم زمین کے حجم سے 1400 مرتبہ زیادہ ہے۔‘‘

کتاب کے آخر میں ’منازل قمر‘ کی جدول سے متعلق وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا کہ:

’’یہ جدول منازل قمر کے طالبوں کے فائدے کے واسطے ہے کیونکہ یہ رسالہ اعمال کرے کا ہے اور اس میں یہ فائدہ نہ تھا اور کتابوں سے اخذ کر کے لکھنے میں آیا اور جملہ منازل قمر اٹھائیس ہیں اور اس جدول میں اسمائے منازل بزبان عربی اور ہندی اور تعداد ثوابت ہر منزل اور اس کا برج اور مقامات پہ کتابوں سے دریافت کر کے لکھنے میں آیا ہے۔‘‘

کتاب کی عبارت معرب و مفرس ہے۔ بعض الفاظ کا املا بھی خاصا مختلف ہے مثلاً ’چھٹی‘ اور ’ناپ‘ کو بالترتیب ’چھٹئی‘ اور ’ناپ‘ لکھا گیا ہے۔ یہی صورت مختلف ناموں کے سلسلے میں بھی دکھائی دیتی ہے مثلاً

افریقہ کو 'افریکہ' پیرس کو 'پاریز' ایشیا کو 'آزیہ' اور پرتگیز کو 'پرتکیس' لکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ عبارت میں 'تسپر' اور 'ونہوں' جیسے متروکات بھی نظر سے گزرتے ہیں۔ یہ ترجمہ جامعہ عثمانیہ اور ادارۂ ادبیاتِ اردو (دکن) کے کتب خانوں میں محفوظ ہے۔

(4) 'تاریخ ممالکِ چین'

تحلیق و ترجمہ: جیمز فرانسس کارکرن (دو جلدیں)

جلد اوّل: مطبع پادری ٹامس، کلکتہ طبع اوّل: 1841ء

ایضاً طبع دوم: 1848ء

جلد دوم: ایضاً طبع اوّل: 1852ء

یہ کتاب دو جلدوں میں ترجمہ کی گئی۔ جلد اوّل کے یہ دونوں ایڈیشن چھپ چکنے کے بعد دوسری جلد طبع ہوئی۔ کارکرن نے اپنی ہی کتاب کو بڑی خوبی کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ جیمز فرانسس کارکرن مترجم عدالت دیوانی صدر کلکتہ تھے۔ اردو زبان کے مترجمین میں ان کا نام تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ ان کی یہ کتاب آج کل نایاب ہے۔

جلد اوّل کے سرورق سے عبارت من وعن نقل کی جاتی ہے:

''تاریخ ممالک چین اور دوسرے ممالک اور قوموں کی جو فرماں بردار یا باج گزار فغفور ختا کے ہیں۔

ابتدائے نو آبادی دنیا بعد طوفانِ نوح سے

لغایت

زمان عہد و پیان و مصالحت میان سلاطین ختا و انگلستان 1843ء مسیحیہ میں

تالیفِ نحیف

خوشہ چیں خرمن ارباب سخن جیمس کارکرن مصنف 'جواہر اخلاق' مترجم عدالت دیوانی صدر کلکتہ۔ دو جلدوں میں تمام ہے۔ پہلی جلد طبع مؤلف کے اہتمام سے بہ مطبع پادری تامس صاحب واقع شہر کلکتہ۔ بماہ نومبر 1848ء ختم ہوئی۔

اب اس نایاب کتاب کے دیباچہ سے بھی ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''صاحبانِ غور و تامل، علم تاریخ کو اکثر علوم پر اس واسطے شرف دیتے اور سمجھتے ہیں کہ تجربہ کاری اور مردم شناسی کے ملک میں پہنچنے کی راہ ہے اور وہاں کا سفر جس نے تھوڑا سا بھی کیا وہ کچھ ہو رہا، کیوں کہ دنیا کے کارخانوں کی بے ثباتی اور اولادِ آدم کی بدنہادی اور نیک صفاتی سے آگاہ ہوتا اور انقلاب روزگار سے برت حاصل کرتا ہے اور اکثر امور دنیوی میں ایسی آنکھ ہو جاتی ہے کہ تفرس کو قوت پیشین گوئی کی اور زبان کو توانائی فال بیانی کی حاصل ہوتی ہے، اور قیاس کو مزاولت کے باعث یہ ملکہ ہو جاتا ہے کہ سبب دریافت سے انجام کا حال آغاز میں کہہ دیتا ہے۔''

آگے چل کر لکھتے ہیں:

> ''اہل دنیا کی عادات اور حرکات اور نیرنگی زمانے کی جو ہمیشہ دیکھنے اور سننے میں آتی اور نادانوں کے دل میں حیرت اور

افسوس کو پیدا کرتی ہے، اس شخص کو نئی اور اجنبی نہیں معلوم ہوتی کیوں کہ دنیا نے اپنی چال نہیں بگاڑی اور آج کل کی باتوں کی نظریں سلف کے اخبار میں ملتیاں اور تسکین بخشتیاں ہیں، چنانچہ جس کی ناقدردانی کا شکوہ حافظ شیراز پانچ سو برس پیشتر کرتا ہے اور فرماتا ہے۔ بیت

ابلہاں را ہمہ شربت ز گلاب و قند است
قوتِ دانا ہمہ از خونِ جگر می بینم

(5) 'رسالہ علمِ فلاحت'

از رابرٹ اسکاٹ برن/ مترجمین سائنٹیفک سوسائٹی غازی پور، طبع اوّل: 1865ء

یہ سائنٹیفک سوسائٹی کے تحت ترجمہ ہونے والی ساتویں کتاب ہے۔ سوسائٹی کے مترجمین، جن میں سرسید احمد خان بھی شامل تھے، نے اردو میں اصطلاحات سازی نہ ہونے کے برابر کی ہے۔ اس لئے 'نائٹ ریٹ آف سوڈا'، 'سلفٹ آف ایمونیا'، 'جیالوجی'، 'فزیالوجی' اور 'سلفٹ آف سوڈا' جیسی انگریزی اصطلاحات من وعن ویسی کی ویسی اردو میں درج کر دی گئی ہیں۔ کتاب میں اکا دُکا اردو اصطلاحات بھی دکھائی دے جاتی ہیں جیسے "Nitric Acid" کی جگہ 'شورہ کا تیزاب' لکھا گیا ہے۔

کتاب کے آخر میں انگریزی الفاظ کی فرہنگ شامل کی گئی ہے جس میں 'فزیالوجی' اور 'جیالوجی' (علم طبقات الارض) کی حسب ذیل شرح کی گئی ہے۔

1۔ 'فزی آلوجی کے معنی اصل یونانی میں قدرتی چیزوں پر بحث کرنے کے ہیں، یعنی اُس علوم کو کہتے ہیں جس میں حیوانوں اور درختوں کے تمام حصّوں اور اعضا کے کاموں کا حال معلوم ہوتا ہے۔'

2۔ 'جیالوجی، ایک نیا علم فرنگستان میں نکلا ہے، جس میں مرکبات جمادیہ اور اجزائے زمین اور اُن کے تعلقاتِ باہمی اور ترکیب وصورت کے حالات وعوارض بیان کئے گئے ہیں۔'

مندرجہ بالا اقتباسات سے جملوں کی ساخت اور املا میں قدامت صاف جھلکتی ہے۔ ترجمہ سے ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

''نائٹریٹ آف سوڈا اور سلفٹ آف سوڈا اور سلفٹ آف امونیا کا بیان

وہ مصنوعی اور خالص کھاتیں کہ استعمال اُن کا فی زمانا رائج ہے۔ منجملہ ان کے یہ کھاتیں بہت مستعمل ہیں اوران کھاتوں میں سے نائٹریٹ آف سوڈا خصوصا ملک پرو سے ہاتھ آئی ہے اور یہ قسم صرف شورے کا تیزاب بنانے کے کام آتی ہے مگر باروت کے بنانے میں اس سبب سے صرف نہیں ہوتی کہ وہ نمی کو بہت مانتی ہے اور چراگاہوں میں چھڑکنے کے واسطے اور جٹی کے لئے نہایت مفید ہے۔''

(6) تاریخِ ہندوستان

از موٗنٹ اسٹوارٹ الفنسٹن/ مترجمین سائنٹیفک سوسائٹی

مطبوعہ: سائنٹیفک سوسائٹی، غازی پور طبع اوّل: 1866ء

کتاب کے مترجمین میں سرسید احمد خان بھی شامل تھے البتہ کتاب پر کسی مترجم کا نام درج نہیں۔ یہ "History of India" کا ترجمہ ہے۔ کتاب میں مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد سے قبل کی تاریخ سے لے کر 1861ء تک کے تاریخ کے اہم واقعات کا بیان ہے۔ ترجمے سے نمونۂ عبارت ملاحظہ ہو:

''ہندو اپنی اولاد کے ساتھ ان کے بچپن میں بہت محبت کرتے ہیں، لیکن جوان بیٹوں کے ساتھ ان کا لڑائی جھگڑا رہتا ہے جس کا سبب غالبًا باپ کے اختیاروں کا اپنے مال و متاع کی نسبت ازروئے قانون کے محدود ہونا معلوم ہوتا ہے۔

عوام الناس کے بال بچے گلی کوچوں میں خاک اڑاتے آپس میں دنگا فساد مچاتے پھرتے ہیں، اور انگلستان کے عام لوگوں کے لڑکے بالوں سے بڑھ کر بے قید ہوتے ہیں۔ اس عمر میں وہ سب علی العموم بہت خوب صورت ہوتے ہیں۔''

واضح رہے کہ آنربیل مئونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن سابق گورنر بمبئی تھے۔ انہیں ہندوستان کی معاشرتی زندگی کو جاننے پرکھنے کا خوب موقع ملا، جس کی ایک مثال عادی چوروں کے باب سے ملاحظہ ہو:

''ہندوؤں میں جو تمام پیشوں کے واسطے قومیں معین ہیں تو چوروں کی بھی ذاتیں خاص ہیں، اور وہ اپنی اولاد کی پرورش اسی نظر سے کرتے ہیں کہ اپنا موروثی پیشہ چوری کا اختیار کریں گے۔ بہت سی پہاڑی قومیں جو اکثر ترقی یافتہ ملکوں کی حدوں پر بستی ہیں اس قسم کی ہوتی ہیں، اور میدانوں میں بھی ایسی قومیں آباد ہیں جو یورپ کے خانہ بدوش چوروں سے زیادہ تر چوری اور قزاقی میں مشہور ہیں۔ پیشہ کے موروثی ہونے سے اگر ہند کو ترقی ہوئی ہے تو وہ چوری کے ہی پیشہ میں ہوئی معلوم ہوتی ہے کیونکہ کسی اور مقام میں ایسے چالاک اور طرار چور نہیں ہیں جیسے کہ ہندوستان میں۔''

(7) تمدّنِ عرب

'از گستاؤلی بان، ترجمہ: سیّد علی بلگرامی، ناشر: محمد قادر علی خان صوفی،

مطبوعہ: مفید عام پریس آگرہ، طبع اوّل: 1898ء طبع دوم: مقبول اکیڈمی لاہور صفحات طبع اوّل:559، صفحات طبع دوم: 951

''تمدن عرب'' کے ترجمے پر رائے دیتے ہوئے ممتاز حسین لکھتے ہیں:

''یوں تو تاریخ اور تمدن کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ اُردو زبان میں ہوا ہے لیکن جو صحت خیال، شگفتگی بیان اور سلاست و روانی سیّد علی بلگرامی کی کتاب 'تمدنِ عرب' میں ہے، وہ مشکل ہی سے اس قبیل کی دوسری کتابوں میں ہوگی۔'' (''ماہِ نو''، کراچی، بابت: مارچ 1952ء، ص:42)

کتاب کے نام سے ظاہر ہوتا ہے جیسے یہ صرف عرب تمدن کی تاریخ ہوگی لیکن صرف ایسا کچھ نہیں ہے، اس کتاب کو تمدنِ اسلام کی حقیقت پسندانہ تشریح و تعبیر بھی کہا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر لی بان نے کوشش کی ہے کہ قدیم ادوار کے تمدن کو جدید (اسلامی) تمدن سے مربوط دکھائیں۔ سو انہوں نے موجودہ تمدن کو قدیم ادوار کے تمدنی ڈھانچے کی ایک کروٹ ثابت کیا ہے۔ چونکہ مصنف ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کو ساتھ لے کر چلا ہے، اس لئے وہ اس نشوونما یا ارتقاء کو ثابت کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔

'تمدن عرب' میں بھی 'تمدن ہند' کی طرح قدیم لوک دانش، قصے کہانیوں اور اعتقادات کی اصل صورتوں کو بنیاد بنایا ہے۔

واقعات کی تاریخی ضرورت اور اُن کا ربط قدیم دستاویزات سے ثابت ہے۔

مترجم چونکہ لندن یونیورسٹی سے معدنیات میں ڈپلوما رکھتے تھے اور متعدد زبانوں پر حاوی بھی، اس لئے وہ مزاجاً ڈاکٹر لی بان سے قریب تھے اور یہی سبب ہے کہ وہ ڈاکٹر لی بان کی اس فرانسیسی زبان میں اہم تصنیف 'Civilization des Arabs' کا ترجمہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔

'تمدنِ عرب' دراصل پوری کی پوری تاریخ اسلام ہے۔ مختصراً سیرت نبوی پر بھی لکھ گیا ہے، مشہور عمارات کی تصاویر، مکانات اور آبادیوں کی نقشہ کشی اور فنونِ لطیفہ اس کتاب کے دیگر خاص موضوعات ہیں:

عرب میں انصاف سے متعلق ڈاکٹر لی بان کہتے ہیں:

''عدالتی انتظام اور کارروائی کا ضابطہ مسلمانوں میں بہت سادہ ہے۔ مقدمات کا فیصلہ قاضی کرتا ہے۔ فریقین اصالتاً عدالت میں حاضر ہوتے ہیں اور واقعات کو زبانی بیان کر کے ثبوت پیش کرتے ہیں، جس میں اقرارِ حلفی اور گواہ دونوں شامل ہیں۔ فیصلہ برِ اجلاس سنایا جاتا ہے۔''

مذہبیات سے متعلق لکھتے ہیں:

''مجھے ایک مرتبہ دریائے نیل پر ایسے گروہ عرب کے ساتھ سفر کرنے کا اتفاق ہوا ہے جس میں ہر قسم کے مجرم تھے اور انہیں قید کر کے پابہ زنجیر لئے جاتے تھے۔ مجھے نہایت تعجب ہوتا تھا کہ یہ لوگ جو سزائے سخت سے نہ ڈرے اور جنہوں نے ہر قسم کے تمدنی قانون کو توڑا تھا مذہبی قانون کو توڑنے کی جسارت نہیں کر سکتے تھے۔ جب نماز کا وقت آتا تھا تو اپنی زنجیروں کو اٹھا کر رکوع وسجود اور اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جاتے تھے۔''

عربی خطاطی سے متعلق لکھا ہے:

''خود عربی حروف اس قدر خوبصورت ہیں کہ مغرب کے صنعت کاروں نے ان نمونوں کو جو ان کے ہاتھ لگے محض آرائش سمجھ کر نقل کر دیا ہے۔ مثلاً اطالیہ ہی میں میلان کے بڑے کلیسا میں محراب دار دروازے پر ایک عربی لفظ متعدد بار لکھا ہوا ہے اور سینٹ پیٹر اور سینٹ پال کے کپڑوں پر بھی ایک ایک سطر عربی لکھی ہوئی ہے، کیا عجب ہے کہ حضرت عیسیٰ کے سر کے گرد لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہے۔''

ڈاکٹر لی بان نے کتاب کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے:

''ملکی لحاظ سے انہوں نے یورپ کو متمدن بنایا۔ بہت کم اقوام اس قدر بلندی پر پہنچی ہیں اور بہت کم اقوام ہیں جو اس قدر پست ہوگئی ہیں اور کوئی قوم ان سے بہتر مثال ان مختلف اسباب کے اثر کی نہیں ہو سکتی جو حکومتوں کے قیام اور ان کی ترقی اور ان کے تنزل کا باعث ہوتے ہیں۔''

خوشی کی بات یہ ہے کہ مقبول اکیڈمی نے اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن 2012ء میں شائع کر دیا ہے۔ قیمت 1500 روپے۔

(8) 'معرکۂ مذہب و سائنس'

از ڈاکٹر ڈریپر، ترجمہ: مولانا ظفر علی خان، مطبوعہ: 1910ء

"History of the conflict between religion and science"

کا ترجمہ ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

A battle took place at Yermuck; the right wing of the field by the fanatic expostulations of their women. The conflict ended in the complete overthrow of the Roman army.

(16th edition. London. 1882 page.89.)

ترجمہ: یرموک کے میدان میں دونوں فوجوں کا سامنا ہوا۔ پہلے حملہ میں عربی فوج کے میمنہ کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن عرب عورتوں نے ہزیمت کھائے ہوؤں کے لئے دلوں میں غیرت آفریں الفاظ سے نیا جوش پیدا کر دیا۔ وہ پلٹے اور اس بے جگری سے لڑے کہ لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ رومی فوج ان کے حملہ کی تاب نہ لا سکی اور اسے شکست فاش ملی۔

(معرکۂ مذہب وسائنس، ص۔131)

اصل اور ترجمہ کا تقابلی جائزہ ثابت کرتا ہے کہ مولانا ظفر علی خان نے اپنے تئیں علمی ترجمہ کے معیار کو مدنظر رکھا لیکن بعض مقامات پر یہ ترجمہ مترجم کی انشائی صلاحیتوں کا آئینہ دار بن گیا ہے۔ البتہ وضع اصطلاحات میں مہارت اور عبارت کی روانی و برجستگی مولانا کو غیر معمولی مترجم ثابت کرتی ہے۔ گو بعض مقامات پر فارسیت زدگی کا احساس ہوتا ہے لیکن بحیثیت مجموعی 'معرکۂ مذہب و سائنس' بے تکلف اور رواں ترجمے کا عمدہ نمونہ ہے۔

(9) 'تمدنِ ہند'

از گستاؤلی بان، ترجمہ: سیّد علی بلگرامی

مطبوعہ: انجمن ترقی اردو (ہند) اورنگ آباد، دکن طبع اوّل: مفید عام آگرہ: 1912ء طبع دوم: مطبع ہاشمی آگرہ: 1913ء

مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ لاہور طبع سوم: 1962ء صفحات طبع اول: 531

اس کتاب کے مترجم شمس العلماء مولوی سید علی بلگرامی 18 زبانوں کے مستند عالم تھے۔ حیدر آباد دکن سے پنشن پا کر انگلستان چلے گئے، جہاں ٹرنٹی کالج کیمبرج میں مرہٹی زبان پڑھاتے تھے۔ اُسی زمانے میں بیرسٹری کا امتحان بھی پاس کیا۔ ولایت سے واپسی پر مئی 1911ء میں وفات پائی اور اپنے وطن بلگرام میں مدفون ہوئے۔ سیّد بلگرامی نے یہ ترجمہ براہ راست فرانسیسی زبان سے کیا ہے۔ یاد رہے کہ کتابی صورت میں یہ ترجمہ مترجم کی وفات کے ٹھیک ایک برس بعد شائع ہوا۔ مفید عام پریس آگرہ میں طباعت کی نگرانی مترجم کے بیٹے سیّد مجتبیٰ بلگرامی سول انجینئر نے کی۔

18 ویں اور 19 ویں صدی کے مغربی مفکرین نے فن تاریخ نویسی کا ایک معیار قائم کیا تھا اور اُن تاریخ دانوں میں فرانس کے ڈاکٹر گستاؤلی بان کا نام سرفہرست ہے۔ بعینہٖ اس طرح والٹیئر اور مانٹسکو (18 ویں صدی عیسوی) کے نام اس روایت کی بنیادیں رکھنے والوں میں نمایاں ہیں۔ 19 ویں صدی عیسوی میں جہاں ڈاکٹر لی بان نے تاریخ نویسی کو سائنس بنانے کا جتن کیا بعینہٖ اس طرح ہیگل اور کانٹ نے اپنے افکار کی تشریحی ضروریات کے تحت، تاریخی واقعات کے ارتقاء میں انسانی زندگی کے عمرانی پہلوؤں کو فلسفیانہ

مطالعے کے ذریعے بیان کرنے کے طریقۂ کار کو عام کیا۔ یوں تاریخ نویسی میں پہلی بار افراد و اقوام کے رسوم ورواج، مذاہب، ثقافت اور طرزِ معاشرت کے ڈھکے چھپے گوشوں کی نقاب کشائی کوعلم تاریخ کے نئے موضوعات تسلیم کروایا گیا۔

ڈاکٹر لی بان کی خصوصی دلچسپی انسان کی نسلی، تمدنی کیفیات و مدارج سے تھی سو وہ ڈارون کے نظریۂ ارتقاء میں تاریخ کے فلسفیانہ مطالعوں کے طریق کار کی آمیزش سے تمدن انسانی کی داستان رقم کرتے رہے۔

'تمدن ہند' میں ہندی تہذیب وتمدن کے قدیم ادوار سے لے کر جدید دور تک کے عام مدارج کی تفصیل دی گئی ہے۔ اپنے اس موضوع کی ضرورت کے تحت ڈاکٹر لی بان نے ہندوستان کے طول وعرض کی طویل اور تھکا دینے والی مسافتیں طے کیں اور ہندوستان سے متعلق لکھی گئی یورپی مئورخین کی تواریخ کا گہرا مطالعہ کیا نیز مشرقی زبانوں میں لکھی گئی کتابوں کی ایک ایک سطر کو نظر سے گزارا۔ تب اس شاہکار نے جنم لیا۔

سیّد علی بلگرامی نے یہ ترجمہ حیدر آباد دکن کے نواب میر عثمان علی خان کی فرمائش و سرپرستی کے تحت کیا۔

'تمدن ہند' کل بیس ابواب اور ایک سوانیس فصول پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر لی بان رقم طراز ہیں:

''ہندی تمدن کی تاریخ بنی نوع انسان کی تاریخ ہے۔ اس میں انسان کی ترقی کے کل مدارج شامل ہیں۔ تمدن کی تمام صورتیں یہاں نظر آتی ہیں۔ یہ صورتیں زندہ اور عظیم الشان آثار قدیمہ میں خوابیدہ ہیں۔ یہیں ہمیں ہمارے نظامات، دستورات اور اعتقادات کے بہت سے قدیم اور ابتدائی مدارج اور جدید رُخ نظر آتے ہیں۔'' آگے چل کر لکھتے ہیں کہ'' اس حیرت انگیز دنیا میں اہل بصیرت کے لئے تاریخ انسانی کے عام پہلوؤں کا خلاصہ یہاں زندہ حالت میں موجود ہے۔''

ترجمہ سے نمونۂ عبارت ملاحظہ ہو:

> ''بدھ مذہب کی ابتداء کا زمانہ قصص و حکایات کا زمانہ ہے، اور اس مذہب کی ابتداء کے جو حالات ہم تک پہنچتے ہیں، اُن کا شمار بھی کہانیوں میں ہے۔ اسکندر کی فوج کشی کے بعد تقریباً 250 قبل مسیح میں جب بدھ مذہب تمام ہندوستان کا شاہی مذہب ہوگیا، اُس وقت سے ہمیں اصلی حالات معلوم ہونے لگے اور کہانیوں کے کہر میں سے تاریخ کا صاف میدان نظر آنے لگا، لیکن یہ حالت زیادہ دنوں نہ رہی، اسکندر کی فوج کشی کا زمانہ 327 قبل مسیح ہے۔ ایران کے ملک کو فتح کرنے کے بعد اسکندر نے ہندوستان کا ارادہ کیا اور اس کی غرض یہ تھی کہ تمام ایشیاء کو فتح کر لے۔ اُس وقت پنجاب چھوٹی چھوٹی خودمختار حکومتوں میں منقسم تھا، جن میں باہمی سخت رقابت تھی اور اس وجہ سے اسکندر نے باآسانی انہیں زیر کرلیا۔''

(10) 'تاریخِ یونان'

از پروفیسر جے۔ بی بیوری، ترجمہ: سیّد ہاشمی فرید آبادی، مطبوعہ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ: دارالطبع سرکار عالی حیدر آباد دکن طبع اوّل:1919ء صفحات جہازی سائز 716 جن میں چار صفحات 'فرہنگ اعلام' اور چار صفحات 'غلط نامہ' سے متعلق ہیں۔

ذیل میں کتاب کے اوّلین صفحے کی عبارت ہُو بہو نقل کی جاتی ہے:

'بسلسلۂ نصاب تعلیم جامعۂ عثمانیہ

تاریخ یونان

پروفیسر بیوری کی کتاب 'ہسٹری آف گریس' (خورد) کا اردو ترجمہ انٹرمیڈیٹ کے لئے

ترجمہ: مولوی سیّد ہاشمی صحاب فرید آبادی، رکن سررشتہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ

اس کتاب کے مصنف جے۔ بی بیوری ایک زمانے تک یونان اور روم کی تاریخ پر سند سمجھے جاتے رہے ہیں، اور یہ اعزاز یورپ کی جدید تحقیق ان سے ایک صدی بعد چھین پائی ہے۔ کتاب کا ترجمہ 'میکملین کمپنی' کی باقاعدہ اجازت کے ساتھ کیا گیا ہے:

''یہ کتاب میکملین کمپنی کی اجازت سے جن کو حقوق کاپی رائٹ حاصل ہیں، طبع کی گئی ہے۔'' (اندر کے صفحہ سے اقتباس)

کتاب کا مقدمہ سررشتہ تالیف و ترجمہ کے ناظم مولوی عبدالحق نے لکھا ہے۔

مقدمہ سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''دنیا میں ہر قوم کی زندگی میں ایک ایسا زمانہ آتا ہے جبکہ اس کے قوائے ذہنی میں انحطاط کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں۔ ایجاد و اختراع اور غور و فکر کا مادہ تقریباً مفقود ہو جاتا ہے۔ تخیل کی پرواز اور نظر کی جولانی تنگ اور محدود ہو جاتی ہے۔ علم کا دارومدار چند رسمی باتوں اور تقلید پر رہ جاتا ہے۔ اُس وقت قوم یا تو بے کار اور مردہ ہو جاتی ہے یا سنبھلنے کے لئے یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ دوسری ترقی یافتہ اقوام کا اثر قبول کرے۔ تاریخ عالم کے ہر دور میں اس کی شہادتیں موجود ہیں۔''

(11) 'بادشاہ'

از نکولو میکاولی، ترجمہ: ڈاکٹر محمود حسین، مطبوعہ: مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی، طبع اوّل: 1947ء اردو اکیڈمی سندھ کراچی طبع دوم: 1957ء شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی طبع سوم: جون 1970ء

نکولو میکاولی کی پیدائش 3 مئی 1459ء فلورنس (اٹلی) کی ہے۔ جب فلورنس میں بادشاہت کا خاتمہ ہوا اور میڈیچی خاندان کی بجائے جمہوریت قائم ہوئی تو میکاولی مجلس دہ سری کا معتمد بنا۔ اسے کئی دوسری حکومتوں سے گفت و شنید کا موقع فراہم کیا گیا تو اس نے بڑی عرق ریزی سے دوسری حکومتوں کی حکمت عملی کا عمیق مشاہدہ کیا۔ 1513ء میں جب جمہوریت کا خاتمہ ہوا اور بادشاہت ایک بار پھر قائم ہوئی تو اُسے کچھ عرصہ تک قید و بند کے دن بھی دیکھنے پڑے۔ ملازمت سے الگ ہونا اس کے لئے مبارک ثابت ہوا اور وہ اپنی یادداشتیں 'Prince' کے نام سے لکھنے میں کامیاب ہوا۔ یہ کتاب اس کی موت سے ٹھیک پانچ سال بعد یعنی 1533ء میں شائع ہوئی اور عالمگیر شہرت حاصل کرگئی۔ اس کتاب کی شہرت کا باعث میکاولی کی شخصیت کے ردّ میں مخالفت کی گرم بازاری تھی۔

فن جنگ پر ایک رسالہ 'تاریخ فلورنس' ناول، مزاحیہ ڈرامے اور شاعری کا ایک دیوان اس نے یادگار چھوڑے۔

16ویں صدی میں میکاولی کی 'بری شہرت' اچھی شہرت میں بدل گئی جب اطالیہ میں اتحاد کی تحریک اُٹھی اور ہر طرف آزادی کے نعرے گونجنے لگے۔ اس تحریک کے ابتدائی علمبرداروں میں میکاولی کا نام سرفہرست شمار کیا گیا اور وہ ایک قومی ہیرو بن کر ابھرا۔ 'Prince' کی قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انگلستان میں انقلاب کا بانی کرامویل اس کتاب کو ہر

وقت ساتھ رکھتا تھا اور قدم قدم پر اس سے راہنمائی حاصل کرتا تھا۔ دوسری طرف یہ پہلی کتاب (سیاسی اہمیت کی) ہے جسے پاپائے روم نے خود اپنے حکم کے ساتھ ممنوع قرار دیا۔

اس کتاب میں سیاسیات کے اصول اور حکومت کرنے کے گر بتائے گئے ہیں۔ یوں یہ کتاب سیاسی فکر اور سیاسی نظریہ سازی میں ایک اہم اور نئے باب کا در باز کرتی ہے۔ اس کتاب کی اہمیت پر بات کرتے ہوئے بیکن نے کہا تھا کہ:

''میکاولی ہمارے شکریے کا اس وجہ سے مستحق ہے کہ اُس نے وہ کچھ بتایا جو حکمران کرتے ہیں اور کرتے چلے آئے ہیں، نہ کہ وہ جو انہیں کرنا چاہیے۔''

اس کتاب کی دوسری اہمیت اس بات میں مضمر ہے کہ میکاولی نے سیاسیات پر بات کرتے ہوئے اخلاقیات کے بارے میں بھی نظریہ سازی کی ہے کتاب کے تیسرے باب میں وہ لکھتا ہے:

''یہ کلیہ ایسا ہے جو مستثنیات سے بے خبر ہے یعنی یہ کہ دوسرے کی طاقت بڑھانا دراصل اپنی جڑ کاٹنے کے مترادف ہے۔''

(غیر خالص حکومتیں: باب سوم سے اقتباس)

''قوم کی خواہش ہوتی ہے کہ شرفاء اس پر حکومت اور زیادتی نہ کریں اور شرفاء یہ چاہتے ہیں کہ قوم پر حکومت کریں اور اسے ستاتے رہیں۔ یہ دونوں خواہشیں ایک دوسرے کی ضد ہیں، اس لئے نتیجہ کے طور پر ان تین صورتوں میں سے ایک ظہور میں آتی ہے، بادشاہت یا جمہوریت یا نراج۔''

یہاں میکاولی شرفاء سے شریف الطبع لوگ مراد نہیں لیتے بلکہ شرفاء یا اشراف اس کے نزدیک ایک سیاسی اصطلاح ہے، جسے افلاطون نے رائج کیا اور جس کے معنی 'معاشرے کے سربرآوردہ لوگ ہیں'۔

چاپلوسوں سے بچنے کے لئے میکاولی نے جو مشورہ آج 2012ء سے چار سو اکہتر سال پہلے پیش کیا تھا اس کی صداقت کو تا حال چیلنج نہیں کیا جا سکا، وہ کہتا ہے:

''بادشاہ جو کچھ مشاہدہ کرے وہ قابل اعتبار نہیں، اس لئے کہ ہر شخص اس کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے۔ لوگ لمبے چوڑے وعدے کر لیتے ہیں۔ جب جان دینے کا موقع نہیں ہوتا تو ہر شخص یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ بادشاہ کی خاطر جان ہتھیلی پر لئے پھرتا ہے مگر جب اس کا موقع آتا ہے اور مملکت شہریوں کی محتاج ہوتی ہے تب کوئی سامنے نہیں آتا۔ یہ تجربہ خاص طور پر اس لئے بھی خطرناک ہے کہ یہ ایک ہی بار کیا جا سکتا ہے۔''

جس بات پر میکاولی کی مخالفت شروع ہوئی وہ انسان کی فطرت کا تاریک رخ اچھالنے سے متعلق ہے۔ ملاحظہ ہو اُس نے کہا:

''محبت کا بندھن ہے احسان شناسی اور انسان جو عام طور پر بدی کی طرف مائل ہے، جہاں ذرا بھی اس کے مفاد کا سوال پیدا ہوتا ہے وہ اسے پاش پاش کر دیتا ہے، مگر خوف کا تعلق سزا سے ہے اور یہ آسانی سے نہیں بھلائی جا سکتی۔ بادشاہ سے محبت کا دارومدار ہے رعایا پر اور دہشت کا دارومدار ہے خود اس پر، تو عقلمند بادشاہ کو ان بنیادوں پر عمارت کھڑی کرنی چاہیے جو اس کے اختیار میں ہوں، نہ ان پر جس پر دوسروں کا اختیار ہو، البتہ نفرت سے بچنے کی اسے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔''

''یہ اچھی بات ہے کہ بادشاہ رحمدل، دیانت دار، حلیم، دیندار اور راست باز معلوم ہو اور واقعی ہو بھی، مگر اس کا مزاج کچھ ایسا ہونا چاہیے کہ اگر کسی موقع پر ان اوصاف سے بنتی نظر نہ آئے تو ان خصائل سے کام لے جو ان کی ضد ہیں۔''

(18ویں باب سے اقتباسات)

یہ تھا حکمرانوں کا ''نظریہء ضرورت'' جو انسانیت کے لئے ازحد خطرناک ہے۔ تمام ڈکٹیٹرز نے اسی نظریہء ضرورت کا سہارا لیا۔

میکاولی نے کتاب کے اختتام (26 واں باب) میں یہ استدعا کی ہے کہ اطالیہ کو کرائے کے سپاہیوں اور خانہ جنگی سے آزاد کرایا جائے۔ اور ایسا ہوا بھی۔ گیری بالڈی اور میزینی جیسے رہنماؤں نے اس کی اس آواز پر لبیک کہا اور آخرکار اطالیہ ایک طویل خانہ جنگی اور تباہی سے بچ گیا۔

لیکن بہت کم لوگوں کے علم میں ہوگا کہ میکاولی کے حکمرانوں کی اخلاقیات اور سیاسی فکر سے متعلق بیشتر خیالات کی بنیاد ایک فحش گو ایرانی شاعر عبیدزاکانی (وفات: لگ بھگ 1370ء) کا مختصر کتابچہ: ''رسالہ اخلاق الاشراف'' (زمانہ تحریر: لگ بھگ 1360ء) ہے۔ اور یہ کتابچہ میکاولی کی کتاب 'Prince' سے ڈیڑھ سو برس قبل کی تصنیف ہے۔

(12) تجزیہء نفس

از برٹرنڈرسل، ترجمہ: شجاعت حسین بخاری، مطبوعہ: مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اوّل: 1963ء صفحات 360

یہ 'The analysis of mind' کا ترجمہ ہے۔ برٹرنڈرسل ایک مدّت تک مادہ اور ادراک مادہ پر غوروفکر کرتے رہے تھے لیکن دراصل انہیں منزل مادہ اور نفس، ہر دو کو ہمہ گیر فلسفہ میں سمو کر بیان کرنا تھا اور یہ اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک کہ وہ نفس کا تجزیہ نہ کر لیتے۔ یہ معرکہ انہوں نے اسی کتاب میں سر کیا۔

اصل میں یہ کتاب رسل کے فلسفیانہ نکتہ نظر کو بنیادیں فراہم کرتی ہے۔ یوں تو رسل نے اس کتاب میں نفسیاتی مسائل کا تجزیہ کیا ہے، لیکن مقصود نفسیات کی تشریح نہیں بلکہ فلسفہ ہے۔

نفس کے تمام مظاہر خصوصاً تصوّرات، حافظہ، ملکہ استدلال اور تخیلات کو محسوسات کے کسی وجود میں منتقل کرنا آسان کام نہیں۔ رسل نے اس معاملے کو نفسیات کے علم (یا مادی مکتب فکر) 'کرداریت' سے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کتاب کو ترجمہ کرتے وقت شجاعت حسین بخاری نے اصطلاحات سازی کا کام بھی کیا ہے اور رسل کی نثر کا ابلاغ بھی بھرپور طور پر کروایا ہے۔ ترجمہ کی مشکلات کے باب میں شجاعت حسین بخاری خود لکھتے ہیں:

> ''تاہم میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ ترجمے میں یہی اصول ہونا چاہیے یا یہ کہ میں نے اسے ہر جگہ کامیابی کے ساتھ برتا ہے۔ ہاں، جن مقامات پر خیالات بہت الجھے ہوئے تھے یا اتنے زیادہ تجریدی رنگ میں پیش کئے گئے تھے کہ اردو ان کی متحمل نہ ہوسکتی تھی، وہاں کم و بیش یہی طریقہ اپنایا گیا ہے۔''

ترجمہ کے اس طریق کی وضاحت بھی لازمی ہے۔ اس باب میں کتاب کے مقدمہ نگار پروفیسر عبدالقادر لکھتے ہیں:

''مضمون کے حد درجہ مشکل ہونے کے باوجود اتنا رواں ترجمہ پیش کر دینا اور پھر ساتھ ساتھ یہ فلسفیانہ مباحث اور فنی

پیچیدگیوں کی رعایت ملحوظ رکھنا اردو زبان کو فلسفہ سکھانے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے۔"

یہ کتاب رسل کے پندرہ خطبات پر مشتمل ہے اور ہر خطبہ ایک خاص قسم کی شعور کی رو کے تابع ہے۔ اس باب میں مترجم لکھتے ہیں:

> "لحظہ بہ لحظہ نئی نئی کیفیتیں مشاہدے میں آتی ہیں اور آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے وہی لب پر آتا جاتا ہے۔ اسے خود معلوم نہیں کہ آئندہ کیا کچھ دکھائی دے گا یا دلیل اسے کدھر کھینچ لے جائے گی۔ ایسی صورت میں جو چیز اس کے خیالات کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے وہ ان کی رفتار، ترتیب اور تسلسل ہے۔"

اس صورت حال میں مترجم کو جو پتہ ماری کرنا پڑی ہوگی وہ ڈھکی چھپی بات نہیں رہ جاتی۔ کتاب میں 'شعور کی حالیہ تنقیدات'، 'جبلت اور عادت'، 'خواہش اور احساس'، 'معائنہء باطن'، 'ادراک کی تعریف'، 'اعتقاد'، 'نفسیاتی، طبیعیاتی، تعلیلی قوانین، صدق' اور 'کذب'، قوت ارادی' اور ذہنی مظاہر کی خصوصیات جیسے مضامین پر گفتگو کی گئی ہے۔ ترجمہ سے ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

> "فرض کیجئے کہ آپ رات کے وقت کسی مانوس کمرے میں ہیں اور اچانک روشنی بجھ جاتی ہے۔ آپ کمرے کی اس تصویر کے سبب جو آپ کے ذہن میں ہے، دروازے کا راستہ بہ آسانی دریافت کرلیں گے۔ ایسی صورت میں بصری تمثالچے وہ مقصد پورا کرتے ہیں جو دوسری صورت میں بصری حسوں نے پورا کرنا تھا۔"

(13) 'تمدّنِ ہند پر اسلامی اثرات'

از ڈاکٹر تاراچند، ترجمہ: محمد مسعود احمد، مطبوعہ: مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اوّل: 1958ء

ڈاکٹر تاراچند کی کتاب 'Influence of Islam on Indian culture' انڈین پریس الہ آباد نے شائع کی تھی۔ اس کتاب کا 1946ء کا ایڈیشن مترجم کے سامنے رہا۔ کتاب کے بارے میں مترجم کا بیان ہے:

> "ایک غیر مسلم فاضل کا اس موضوع پر قلم اٹھانا اور پھر دامن انصاف ہاتھ سے نہ چھوڑتے ہوئے دیانت داری کے ساتھ حقائق کو واشگاف بیان کرنا لائق صد تحسین ہے۔"

کتاب کے تیرہ ابواب ہیں، جن میں پاک و ہند کے ہندو مذہب، ادب، فلکیات، طب، فن مصوری اور فن تعمیر وغیرہ موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ ڈاکٹر تاراچند نے پہلے باب میں ہندو تہذیب وتمدن کا تفصیلی منظر نامہ پیش کر دیا ہے، جبکہ دوسرے باب میں رومیوں، یونانیوں، ایرانیوں اور عربوں کے قبل مسیح اور قبل از اسلام کے تعلقات پر تفصیلی بحث کی ہے۔

اس کتاب کے سامنے آنے سے پہلے ڈاکٹر گستاؤلی بان نے 'تمدن عرب' کے عنوان سے اسلامی تمدن کا عظیم الشان تذکرہ کیا تھا۔ تاہم انہوں نے اپنی کتاب 'تمدن ہند' میں اسلامی تمدن کی تفصیلات بیان نہیں کیں، جبکہ آٹھویں تا تیرھویں صدی عیسوی کے درمیانی عرصہ میں مسلمان ساری دنیا میں تہذیب وتمدن کے علمبردار مانے جاتے تھے۔

ڈاکٹر تاراچند نے اس کمی کو پورا کیا۔ مصنف نے کمال تحقیق سے کام لے کر تاریخی حقائق کو من وعن پیش کر دیا ہے۔ یہ یقیناً عمیق نظری، وسعت قلبی اور ذہنی کشادگی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

(14) 'تہذیب اور اُس کے ہیجانات'

از سگمنڈ فرائڈ، ترجمہ: احمد سعید مطبوعہ: اردو اکیڈمی سندھ کراچی، اردو مرکز لاہور طبع دوم: 1959ء صفحات طبع دوم:129

یہ سگمنڈ فرائڈ ایم ڈی۔ ایل ایل ڈی کی تصنیف Civilization and its discontets کا ترجمہ ہے۔ فرائڈ نے اس کتاب میں لاشعور کی پیچیدگیوں، دبی ہوئی جنسی خواہشوں اور اخلاقی نظام کی غلط اقدار کو تہذیب کے ہیجانات کے اسباب قرار دیا ہے۔ فاضل مترجم احمد سعید چونکہ خود نفسیات کے استاد رہے ہیں اس لئے انہوں نے اپنے قاری کو مشکل الفاظ اور اصطلاحوں کے الجھاووں سے بچائے رکھا ہے۔

احمد سعید نے پیش لفظ میں سوال اٹھایا ہے:

''کیا وجہ ہے کہ وہ (انسان) نیکی اور بدی میں تمیز کرنے اور زندگی کو بہتر بنانے کے درخشاں اصول وضع کرنے اور تابندہ نصب العین رکھنے کے باوجود ہمیشہ بدی کی طرف راغب رہا ہے۔'' اس سوال کا جواب دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ انسان کی خود پسندانہ سادہ لوحی کو کائنات میں انسان کی حیثیت کے تعین نے زبردست جھٹکا دیا۔

دوم: انسان کی یہ ذہنی شکست کہ وہ محض عمل ارتقاء کی ایک شکل ہے اور بندر کی اولاد۔

سوم: اس کی خود پسندی اور تعلّی کو تجزیہ نفس سے اور اُس دریافت سے کہ لاشعوری اعمال کے مقابلے میں عقل وخرد اور شعور کا حصہ بہت کم ہوتا ہے ورنہ اس کے عقائد اور عمل میں ناقابل عبور بعد نہ پایا جاتا'

(15) 'داستانِ فلسفہ' (دو جلدیں)

از ول ڈیوراں، ترجمہ: عابد علی عابد، مطبوعہ: مکتبہ اردو بہ اشتراک موسسہ فرینکلن نیو یارک طبع اوّل 1959ء صفحات: 420

اس کتاب میں ول ڈیوراں نے افلاطون سے جان ڈیوی تک تمام فلاسفۂ عالم کے حالات زندگی اور ان کی فکر کا نچوڑ پیش کیا ہے۔ البتہ اس کتاب میں بوعلی سینا، عمر خیام اور فارابی جیسے مشرقی نام دکھائی نہیں دیتے۔ اِسی لئے عابد علی عابد صاحب نے ترجمہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کتاب کی تیسری جلد خود مرتب کرنے کا فیصلہ بھی کیا تھا جو بوجوہ ممکن نہ ہوسکا۔

'داستان فلسفہ' کی اصطلاحات اکثر مقامات پر مترجم کی ذہانت کو دعوت مبارزت دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عابد صاحب انگریزی اصطلاحات کا ترجمہ کرتے وقت اردو، فارسی اور عربی زبان سے بیک وقت مدد لیتے ہیں اس کے باوجود اگر نعم البدل میسر نہ ہو تو نئی اصطلاحات سازی بھی کرتے ہیں۔ اس جتن کے باوجود اگر اصل کتاب سے تقابلی جائزہ لیا جائے تو عابد صاحب نے بعض اہم جگہوں پر ترجمہ کرتے وقت ٹھوکر بھی کھائی ہے مثلاً The will to live کے لئے 'تولید کا ارادہ' the unknownable کے لئے 'ماورائے علم' اور Pure reason کے لئے 'عقل محض' کی اصطلاحیں برتیں جو اصل مفہوم سے بالکل مختلف معانی کی حامل ہیں۔

ترجمے سے دو ایک نمونے ملاحظہ ہوں:

پہلے اس امر پر غور کرنا چاہیے کہ اس عنوان کے معنی کیا ہے۔ انتقاد سے محض انتقاد ہی مراد نہیں۔ بلکہ انتقادی تحلیل ملحوظ خاطر ہے۔ کانٹ حقیقت میں عقل خالص کو ہدف انتقاد نہیں بنا رہا (البتہ خاتمہ پر وہ عقل کی حدود و قیود کی تشریح ضرور

کرتا ہے) اس کا مقصد تو یہ ہے کہ عقلِ محض کے امکانات کا اظہار کرے اور ثابت کرے کہ عقلِ محض اس علم ناقص سے برتر ہے، جو اس کے اینڈے بینڈے راستوں سے ہم تک پہنچتا ہے۔ عقلِ محض کا مطلب وہ علم ہے جس کا ماخذ حواس نہیں، جو تمام تجربات حسی سے ماورا اور مستغنی ہے۔ یہ وہ علم ہے جو ذہن کی ساخت اور اس کی فطرت داخلی کی بنا پر ہمیں حاصل ہوتا ہے۔

What is meant by this title critique is not precisely a criticism, but a critical analysis; Kant is not attacking pure reason except, at the end, to show its possibility, and to exalt if above the impure knowledge which comes to us through the distorting channels of sense. For pure reason is to be meant knowledge that does not come through our senses, but is independent of all sense experience; knowledge belonging to us by the inherent nature and structure of the mind.

(The story of Philosophy-p201)

'داستان فلسفہ' جلد دوم: ص 32

ایک مقام سے دیکھیے کیسا عمدہ ترجمہ ہے:

ذہن کی داخلی ساخت یا بالفاظ دیگر فکر کے قوانینِ طبعی کے مطالعے کو کانٹ ماورائی فلسفہ کہتا ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ تجربات حسی سے ماورا ہے، جس علم کا تعلق بیشتر معروضات کے تعقلات اولی سے ہوتا ہے۔ اسے میں ماورائی علم کہتا ہوں' یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہاں ان طریقوں سے بحث کی جاتی ہے، جو تجربات کو مرتب علم کی صورت عطا کرتے ہیں۔ احساسات کے مواد خام سے فکر کی شکل کامل تک عملِ ذہنی دو مرحلوں سے گزرتا ہے، پہلے مرحلے پر احساسات پر ادراکات کی صورتوں کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، تاکہ احساسات مرتب ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ ادراک کی یہ صورتیں زمان و مکان میں دوسرے مرحلے پر ارتقاء یافتہ اِدراکات پر تعقلات کی صورتوں کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

(داستان فلسفہ (جلد دوم) ص۔36 سے اقتباس)

(16) 'میراثِ ایران'

از اے۔ جے۔ آربری، ترجمہ: عابد علی عابد، مطبوعہ: مجلس ترقی ادب لاہور، 1962ء

یہ The Lagacy of Persia کا ترجمہ ہے۔

کتاب میں ایرانی ثقافت اور علوم وفنون سے متعلق تیرہ مضامین شامل ہیں۔ عابد علی عابد نے اس کتاب کی طرف اس لئے بھی زیادہ توجہ دی کہ ایران کی میراث انہیں خون اور مزاج کے ساتھ ارزانی ہوئی تھی۔ کتاب کو ترجمہ کرتے ہوئے عابد نے حواشی کا اضافہ کیا ہے، یہ سو صفحات پر مشتمل ایک نیا باب ہے جو کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا۔ انہوں نے آربری سے اختلاف کو بنیادیں فراہم کرنے کے لئے تاریخی شواہد سے مدد لی ہے مثلاً آربری نے اپنے مضمون 'فارسی ادب' میں ایک جگہ لکھا ہے کہ ایران کا

پہلا شاعر جس نے خوب غزلیں کہیں، سنائی تھا، جس نے متصوفانہ مطالب کا اظہار کیا اور جس کی دیگر شعراء نے تقلید کی۔ عابد صاحب نے اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سنائی کو پہلا شاعر کہنا درست نہیں، آپ نے اس سلسلے میں ''تاریخ ادبیات ایران'' (از عابد ذبیح اللہ صفا) کا حوالہ دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ 'رودکی کو اس ضمن میں اوّلیت حاصل ہے۔ اس کی تاریخ وفات 329ھ ہے جبکہ سنائی چھٹی صدی ہجری میں فوت ہوا۔ (''میراث ایران''،ص: 669)

عابد علی عابد نے حواشی لکھ کر بعض غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کر دیا ہے مثلاً حافظ کے بارے میں آربری نے لکھا ہے کہ وہ شیراز کے قریب ایک باغ میں دفن ہیں۔ عابد صاحب نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حافظ، خاک معلّیٰ میں مدفون ہیں اور ان کے مزار سے کچھ ہی فاصلے پر 'آبِ رکنا آباد' بہتا ہے۔

اس کے علاوہ زرتشت، حضرت عیسیٰ، سانپ، ساسانی، اللہ کا تصور اور فردوسی، تسخیر ایران، کلمہء دہقان، البیرونی اور ساسانی عہد کے بارے میں عابد علی عابد کی تصریحات توجہ طلب ہیں۔

فن ترجمہ نگاری کے بارے میں عابد علی عابد کا ایک انوکھا تصوّر تھا۔ جس کے باعث عابد علی عابد صاحب نے ترجمہ کرتے وقت غیر ضروری باتوں کو حذف کر دیا۔ مثال کے طور پر آربری لکھتے ہیں:

> Considering the tremendous role which Aryan man has played in world history, how unfamiliar to us (his descendants) are origins and the Greek and Roman civilization Is absorbed, more or less, by Western man by his mother's milk; the vast Iranian panaroma is which our ancestors arose and flourished seams as remote to the majority as the moon. For us its early history is restricted to those occasions when it formed part of that of Israel of Greece."
>
> (The Lagacy of Persia - P.1)

چونکہ اس پیراگراف کا آخری حصہ اِس کتاب میں دوہرایا گیا ہے اس لئے عابد علی عابد نے اُسے حذف کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

> یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ تعجب ہوتا ہے کہ خود ہم لوگ جو بدون تردید اُس قوم کی اولاد ہیں، اِن امور سے بھی بہت کم آشنائی رکھتے ہیں کہ آریاؤں کی اصل کیا تھی، اور اُس قوم کا اصل وطن کہاں تھا۔ جہاں تک عبرانی، یونانی اور رومن تہذیب کا تعلق ہے، مغرب کے باشندے اِس کا جوہر گویا ماں کے دودھ کے ساتھ پیتے ہیں۔ لیکن ایران کے شاندار کارناموں سے جو، ہمارے آباؤ اجداد سے مربوط ہیں، ہم بالکل ناآشنا ہیں۔ (''میراثِ ایران''،ص.1)

اب بامحاورہ ترجمہ کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

> To keep the discourse with in reasonable bounds for literature of Persia and Persians is vast in extent and reaches back for into the mists of early time. It has been proposed in this essay to discuss only the products of Islamic era(except that it is interesting to view

these against the back- ground of the preceding ages); to consider the broad general characteristics of these product so as to see what is peculiarly Persian about them.

(The Legacy of Persia - P.199)

ترجمہ: ''فارسی کا ادب کمیت کے اعتبار سے وسیع ہے اور اس کے سر رشتے ماضی کے ان دھندلکوں تک پھیلے ہوئے ہیں، جہاں نظر کام نہیں کرتی۔ اس لئے اس مقالے کا محدود حد تک رکھنا مقصود ہو تو یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ صرف اس ادب سے بحث کی جائے گی جو اسلامی عہد سے متعلق ہے۔ البتہ ایران کا ماضی ایران کے حال کا پس منظر بن جائے گا اور یوں شاید قارئین کرام کی دلچسپی میں اضافہ ہو۔ تو اس مقالے کا منشا یہ ہے کہ عہد اسلامی کی فارسی کی تخلیقاتِ ادبی کے خصائصِ عمومی کا جائزہ لیا جائے گا تا کہ متعین ہو سکے کہ اس ادب میں خالص عنصر کون سا ہے۔'' (میراث ایران، سے اقتباس)

(17) 'غیب و شہود'

از آرتھر اسٹینلے اڈنگٹن، ترجمہ: سید نذیر نیازی، مطبوعہ: مجلس ترقی ادب لاہور، طبع دوم: 1962ء

یہ آرتھر اسٹینلے اڈنگٹن کے خطبہ سوارتھ مور 1929ء کا اردو ترجمہ ہے سوارتھ مور لیکچرز کی بنیاد 7 دسمبر 1907ء میں رکھی گئی۔ یہ اہتمام Woodbroke Extension Committee نے کیا تھا۔ سوارتھ مور کا نام مارگریٹ فاکس کے گھر کی یاد میں تجویز کیا گیا، جو ہر 'جویائے حق' کے لئے رات دن کھلا رہتا تھا اور جس سے رفقائے کار کو ہمدردی اور محبت کے ساتھ راہنمائی اور مالی امداد بھی ملتی رہتی تھی۔ زیر بحث خطبہ دارالاحباب 'Friends House' لندن میں 1929ء کے سالانہ جلسہ سے قبل شام کے وقت دیا گیا۔

(18) 'تاریخِ لبنان'

از فلپ۔ کے۔ حتی، ترجمہ: مولانا غلام رسول مہر، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک: موسسہ فرینکلن نیویارک، طبع اوّل: 1962ء صفحات: 504 فلپ، کے حتی، 'تاریخ شام' اور 'تاریخ ملت عربی' کی طباعت کے ساتھ ساتھ عالمی سطح پر علمی حلقوں میں شہرت حاصل کر سکا۔ 'تاریخ لبنان' نے اس کی بڑائی کو مستحکم کر دیا۔ یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ (1) تاریخ سے پیش تر کا دور (2) قدیم سامی دور (3) یونانی رومی دور (4) عربوں کا عہد (5) عثمانی ترکوں کا عہد۔ بقول کلب علی فائق رام پوری:

> شروع کے تین باب جو قبل تاریخ اور سامی اور یونانی و رومی دور سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں مصنف کا بیان حقیقت پسندانہ رہا ہے۔ لیکن چوتھے اور پانچویں دور میں جو عربوں اور ترکوں کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں، مصنف کا رویہ کہیں کہیں معاندانہ ہو گیا ہے۔ فاضل مترجم (مولانا غلام رسول مہر) نے مصنف کی بے راہ روی کی اصلاح مفید حواشی سے کر دی ہے۔ لبنانی، یونانی اور رومی دور میں جو ارتقائی منازل طے کر چکا تھا اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔ مسلمانوں کے دور حکومت میں مقامی آبادی کو جو آزادی حاصل رہی اس کا اندازہ مسیحی آبادی کی اکثریت سے کیا جا سکتا ہے۔ اقتصادی، ثقافتی اور سماجی عنوانات کے تحت لبنان کی ترقی کا جائزہ محتاط طور پر لیا گیا ہے۔

(تبصرہ: مطبوعہ ''صحیفہ''، لاہور جولائی 1963ء، ص: 98)

یہ کتاب لبنان سے متعلق ہے، جسے مغربی ادیبوں اور شاعروں نے 'شاعر کا خواب' اور قدیم بارگاہوں کی اس سرزمین کو خلیل جبران نے پیغمبروں کی روحوں کی گزرگاہ کہا تھا۔

خلیل جبران نے شکوہ کیا تھا کہ معاندانہ رویہ نے بابل کو تباہ کیا، یروشلم کی بنیادوں کو ہلایا اور روم کو کھنڈرات میں بدل دیا۔

فلپ کے حتی نے خلیل جبران کے وطن لبنان کے حالات کو قرن بہ قرن متشدد بین الاقوامی حالات کے پس منظر میں بیان کرنے کی سعی کی ہے۔ حتیٰ کہ کتاب کا نام ہے 'Lebanon in History'۔ جیسا کہ بتایا گیا، اس کتاب کے پانچ حصے ہیں اور چونتیس ابواب۔ کتاب میں چار اہم تصاویر بھی شامل ہیں۔

مولانا غلام رسول مہر دیباچہ میں رقمطراز ہیں:

> میری آرزو مدت سے یہ تھی کہ عرب کے مختلف حصوں کی سرگزشتیں اردو میں منتقل ہو جائیں اور ان میں عہد قدیم کے متعلق وہ تمام معلومات شامل ہوں جو نادر تاریخی دستاویزوں نیز آثار قدیمہ سے حاصل ہوئی ہوں۔ اس لئے کہ انہیں قرآن مجید اور اسلامی تاریخ کے مطالعے کے لئے نہایت ضروری پس منظر کی حیثیت حاصل ہے۔

اس ترجمہ کے ساتھ مولانا کی آرزو پوری ہوئی۔ واضح رہے کہ فلپ کے حتی سے قبل کسی مؤرخ نے لبنان کی سرزمین سے متعلق اس قدر گہرے شعور اور تحقیق کا ثبوت نہیں دیا۔

(19) 'سیاسیاتِ ارسطو'

از ارسطو، ترجمہ: سیّد نذیر نیازی، مطبوعہ: مجلس ترقی ادب، لاہور۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ: 'سیاسی نظریات کی تاریخ' اس مفروضے کی روشنی میں لکھی جاتی ہے کہ 'علم سیاسیات کے نظریات بھی سیاسیات ہی کا جزوِ لازم ہوتے ہیں۔' ارسطو کی یہ کتاب اس کلیے کی تفسیر اور تشریح ہے۔

ارسطو کا شمار مفکرین عالم کی صف اوّل میں ہوتا ہے اور اہل فکر و نظر انسانی زندگی کے عمرانی اور مدنی موضوعات پر لکھی گئی تحریروں میں صداقت اور زور پیدا کرنے کے لئے ارسطو کے اقوال کا حوالہ دیتے ہیں۔

ارسطو یونان کی شہری ریاست کے انحطاطی دور کا مفکر ہے لیکن آج بھی ارسطو سے کاملاً اختلاف کے باوجود اس کے 'رسالہ سیاسیات' کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ 'سیاسیاتِ ارسطو'، انگریزی زبان سے اردو میں منتقل کی گئی ہے اور مترجم کے تفصیلی حواشی اور تشریحی اشاروں کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

سیّد نذیر نیازی نے 'Immanual Bekker' کی مرتبہ، اور William Elles کی مترجمہ کتاب کو ترجمے کی بنیاد بنایا ہے۔ نیز احمد لطفی السید کے عربی Earnest Baker کے انگریزی نسخوں کو تفصیلی حواشی اور تشریحی اشاروں کے لئے استعمال کر کے 'سیاسیات ارسطو' کو ایک اہم دستاویز میں تبدیل کر دیا ہے۔

(20) ’جنگ‘ (میکاولی سے ہٹلر تک)

از ایڈورڈ میڈرال، ترجمہ: گلزار احمد (بریگیڈیئر) مطبوعہ: مکتبہ جدید پوسٹ بکس 456 لاہور

عمرانی فلسفی، والٹرلپ مان نے اس کتاب کے بارے میں لکھا تھا کہ:

’’جو لوگ دیرپا امن کی تعمیر کے کام پر سنجیدگی سے غور کرتے ہیں ان کے لئے یہ مستند کتاب بہت مؤثر ثابت ہوگی۔‘‘

مغرب میں بھی یہ تاثر عام ہے کہ جنگی مسائل سے متعلق ایسی دوررس کتاب تاحال نہیں لکھی گئی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میڈرال نے دنیا کے بیس عظیم جنگی مؤرخین کی زندگیوں کا نچوڑ اس کتاب میں پیش کر دیا ہے۔

(21) ’فلسفۂ مذہب‘

از ایڈون۔ اے۔ برٹ، ترجمہ: بشیر احمد ڈار، مطبوعہ: مجلس ترقی ادب لاہور۔ صفحات: 500

مذہب کے تقابلی جائزوں کا ذکر چلے تو ابن حزم اور شہرستانی کے نام فوراً ذہن میں در آتے ہیں لیکن اب وہ زمانہ آ گیا ہے جب عرب اور ایران کے محققین کے ساتھ ساتھ مغربی مورخین اور محققین نے بھی سند کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ مغرب میں بہ تدریج تاریخ، آثار، جغرافیہ، نفسیات، معاشیات، عمرانیات اور منطق کے باب میں جو تحقیق گزشتہ چند برسوں میں ہوئی ہے یہ اس کا لازمی نتیجہ تھا۔

فلسفۂ مذہب کے باب میں ایڈون اے برٹ نے ’مسئلے کا تاریخی پس منظر‘ سے لے کر ’سائنس کا مذہب سے تقابل‘ اور ’مذہبی فلسفے کے اساسی مسائل‘ تک تمام موضوعات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ گو اس کا مدار فکر عیسائیت ہی کے مطالعہ پر رہا ہے لیکن اس کے باوجود مذاہب کی عالمگیریت پر یہ مطالعہ اپنی نوع میں خاصے کی چیز ہے۔ خصوصاً ’لاادریت‘ اور ’جدید مافوق الفطریت‘ کے ابواب میں مصنف نے تحقیق اور تدقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔

آج کے الجھے ہوئے گمراہ اذہان کے لئے یہ کتاب روحانی غذا فراہم کر کے بیشتر الجھاؤں کے رفع کرنے کا باعث بنتی ہے۔

بشیر احمد ڈار کو فکر محض کی زبان لکھنے پر کامل عبور حاصل ہے اور یہی سبب ہے کہ یہ کتاب ترجمہ نگاری کا بھی معیار قائم کرتی ہے۔ فاضل مترجم نے ترجمہ کرتے وقت شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی کی تالیف ’اصطلاحات فلسفہ‘ سے مدد لی ہے اور جہاں ضرورت پیش آئی ہے اصطلاحات کے اردو متبادل درج کر دیئے ہیں۔

(22) ’ناقابلِ تسخیر ذہنِ انسانی‘

از گلبرٹ ہائیٹ: ترجمہ محمد صفدر، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک: موسسہ فرینکلن نیویارک طبع دوم: 1967ء

سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ گلبرٹ اور ہائیٹ دو نفسیات دان ہیں جنہوں نے تصنیف و تالیف کے لئے ایک ہی نام اپنایا۔ ان مصنفین کی دیگر دو کتابوں ’فن تدریس‘ اور ’جینے کے سلیقے‘ کو بالترتیب مشرف انصاری اور رئیس احمد جعفری نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

فلسفیوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ کائنات، ذہن انسانی کی تخلیق اور اس کا پرتو ہے۔ ذہن سے باہر اس کا وجود نہیں۔ خود اپنے وجود کی دلیل بھی یہی دی جاتی ہے:

''میں ہوں کیونکہ میں سوچتا ہوں۔''

دوسرا گروہ، ذہن انسانی کی عظمتوں کو سراہتا تو ہے مگر کائنات کو ذہن انسانی کی تخلیق یا اس کا پرتو تسلیم نہیں کرتا۔ اس لئے بھی کہ سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ کائنات خود انسان اور اس کے ذہن سے کروڑوں سال بیشتر وجود میں آ گئی تھی۔ یہ گروہ ذہن کو مادے کی سب سے ترقی یافتہ شکل ضرور مانتا ہے۔

تیسرا گروہ ایسا ہے جو سرے سے ذہن کے وجود کا قائل ہی نہیں۔ اس کی رائے میں جو کچھ ہے اعصاب، رگ اور پٹھے ہیں۔

گلبرٹ ہائیٹ ان فلسفیانہ موشگافیوں میں نہیں پڑے۔ ان کا موضوع صرف مغربی تہذیب و ثقافت کی ترقی میں ذہن کی خدمات ہے۔

کتاب میں مخرب اخلاق عادات سے لے کر سیاسیات کے زیر اثر پلنے والے خطرناک میلانات پر بات کی گئی ہے لیکن اس بات پر حیرت ضرور ہوتی ہے کہ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے بنانے اور اسے استعمال کرنے پر کوئی بات نہیں کی گئی۔ کتاب میں وضاحت کی گئی ہے کہ علم کے سامنے تین راستے ہیں:

(1) پھیلاؤ کا۔ مصنفین کو یقین ہے کہ علم پھیلے گا (2) خودکشی کا۔ اس کی مثالیں پہلی اور دوسری جنگ عظیم سے دی گئی ہیں اور افیون، چرس، گانجہ، شراب، فحش کتب، فحش فلموں کے ذریعے قسطوں میں موت کے متعدد حوالے دیئے گئے ہیں۔ (3) فکر انسانی کی تنظیم اور تشدد کے ذریعے آزادی فکر کو تابع بنانا۔ ان تین صورتوں کی وضاحت کرتے ہوئے مصنفین فکر انسانی کے مستقبل سے مایوس نہیں ہیں۔ محمد صفدر (مترجم) کو فلسفے سے خصوصی دلچسپی اس کتاب کے ترجمے کی طرف لائی۔ یہی سبب ہے کہ مترجم کو اپنے موضوع پر کامل عبور حاصل ہے اور وہ ان فلسفیانہ مباحث کو دلکش پیرائے میں سمیٹنے پر قادر ہوئے۔

(23) 'اُفتادگانِ خاک'

از فرانز فینن، ترجمہ: سجّاد باقر رضوی و محمد پرویز، مطبوعہ: نگارشات 176۔ انار کلی لاہور/ طبع اوّل: 1969ء، صفحات 296

یہ کتاب 'Les Damne's De la Terre' کا ترجمہ ہے جو فرانس سے 1961ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کے پیش لفظ میں ژاں پال سارتر نے لکھا ہے:

> مختصراً یہ کہ تیسری دنیا نے خود کو پا لیا ہے اور وہ فینن کی آواز میں اپنے لوگوں سے مخاطب ہے۔ یہ عظیم تصنیف پہلی بار اردو میں منتقل ہوئی۔ کتاب میں (1) کچھ تشدد کے بارے میں (2) تشدد بین الاقوامی پس منظر میں (3) بیساختگی۔ اس کی قوت اور کمزوری (4) قومی شعور کے خطرات (5) کچھ قومی تہذیب کے بارے میں (6) قومی تہذیب اور جدوجہد آزادی کی باہمی بنیادیں (7) نو آبادیاتی جنگیں اور ذہنی امراض جیسے وقیع موضوعات پر مضامین شامل ہیں۔ کتاب کا سرخ و سیاہ، دو رنگوں میں شاندار ٹائٹل پاکستان کے معروف مصوّر احمد خاں نے تیار کیا تھا۔

(24) 'نفسیات کی بنیادیں'

از ایڈون گریکس بورنگ، ترجمہ: ہلال احمد زبیری، مطبوعہ: شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی طبع اول:1969ء یہ ایڈون گریکس بورنگ کی کتاب 'Foundation of Psychology' کا ترجمہ ہے۔ بورنگ، ہاورڈ یونیورسٹی کے استاد ہیں اور انہوں نے یہ کتاب پروفیسر ہربرٹ سڈنی لانگ فیلڈ (پرنسٹن یونیورسٹی) اور پروفیسر میری پورٹر ولڈ (کارنیل یونیورسٹی) کے تعاون سے 1948ء میں مکمل کی تھی۔ کتاب کے مصنفین نے انگریزی زبان میں مختلف موضوعات (نفسیات سے متعلق) پر علمی مباحث کی عمارت جس انداز سے کھڑی کی ہے اور جو طرز بیان اپنایا ہے، اسے ترجمہ میں بہرطور قائم رکھنے کا جتن کیا گیا ہے۔'اصطلاحات فلسفہ' (کراچی یونیورسٹی) سے اس ترجمہ میں مدد لے کر اصطلاحات کا چلن عام کرنے کی کوشش مستحسن عمل ہے۔

باب ہفتم

ادبی تراجم کا جائزہ

اس باب میں میرا یہ مقصد قطعاً نہیں کہ اردو ادب پر انگریزی اور دیگر مغربی زبانوں کے اثرات کو جیومیٹری کے قاعدے کلیوں کی طرح حل کرنے بیٹھ جاؤں اور ایسا ممکن ہے بھی نہیں۔ اس لئے کہ ایک زبان (اس کی ساخت اور اس کے قواعد وضوابط) دیگر زبانوں سے اس طرح اثر قبول نہیں کرتی کہ دو+ دو مساوی چار قسم کے نتائج برآمد کر لئے جائیں۔ البتہ جہاں تک مغربی زبانوں سے نثری تراجم کی روایت اور اس کی اثر پذیری کا معاملہ ہے تو اس ضمن میں عرض کرتا چلوں کہ اردو اور مغربی زبانوں (خصوصاً انگریزی/ اردو) کے لسانی رابطوں اور دیگر سطحوں پر ردّوقبول کے درجے نوٹ کرنے کی محض ایک کوشش کی جا سکتی ہے، اور اس میں کامیابی معلوم۔

اردو میں نثری تراجم کا جائزہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اردو زبان و ادب کی وسعت اور گہرائی و گیرائی میں اخذ و ترجے کا خاصا اہم کردار رہا ہے مثلاً ادبی تراجم نے نئے اسالیب بیان کو جنم دیا، نئے طرز احساس کو ابھارا، نئی فکری نہج عطا کی، پیرایہ بیان میں صلابت، متانت اور استدلال پیدا کیا اور پیرائیہ اظہار کے نئے نئے سانچے فراہم کیے۔ نیز یہ کہ ادب کو نئی نئی اصناف سے آشنا ہی نہیں کیا بلکہ ان اصناف کو فنی وقار بھی بخشا۔ ترجے کی تہذیب کا سب سے بڑا اثر یہ ہوا کہ ہمارے دو بڑے ادبی مراکز یعنی لکھنؤ اور دہلی کے ادب پر سے اداسی کے بادل چھٹ گئے اور رتن ناتھ سرشار اور منشی سجاد حسین نے 'ڈان کیخوتے' کے انداز میں 'فسانۂ آزاد' اور 'حاجی بغلول' مکمل کیے۔

نثر کے میدان میں تذکرے کی جگہ تنقید، رہس اور نوٹنکی کی جگہ ڈراما، داستان اور تمثیل کی جگہ ناول اور کہانی کی جگہ افسانے جیسی جدید اصناف نے لے لی اور ادبیاتِ عالم کے ساتھ قدم بہ قدم چلنے کا خواب ہم نے پہلی بار دیکھا۔ یہ صرف ہیئت کی سطح پر ہی تبدیلیاں نہ تھیں بلکہ مضمون کے ساتھ ادبی رویّہ کی تبدیلیاں بھی تھیں اور قدامت پسندی کی زنجیروں سے آزاد ہو کر نئے زمانے میں سانس لینے کا جتن بھی۔

ابتداء میں ادبی سطح پر ہیئت، تکنیک اور موضوعی کروٹوں سے یہ آشنائی نئی نئی تھی اور مغربی ادبیات کی روایت کا شعور تقریباً

ناپید تھا۔ جس کے نتیجہ میں تراجم ہوئے تو، لیکن انتہائی بے سلیقگی کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا۔ قاری کی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ترجمے کے نام پر کاٹھ کباڑ کے ڈھیر لگا دیئے گئے۔ ایسے ترجموں کا بڑا نقص یہ ہے کہ علاوہ غلط اور غیر معتبر ہونے کے وہ مستند اور اہم کتب کے ترجمے نہیں تھے۔ بالخصوص ولیم۔ایم رینالڈز کے بیسیوں ناولوں کے ترجمے ہوئے اور مختلف مترجمین نے کیے اور اس پر غضب یہ کہ ترجمہ در ترجمہ ہوئے اور مترجمین نے اصل متن دیکھنے کی زحمت تک گوارا نہ کی۔ یہی صورت 'آزاد ترجمہ' میں سامنے آئی اور ہمارے مترجمین نے لندن کے بازاروں میں جمن حلوائی اور لکھنؤ کے بانکوں کو جدّی پشتی وہاں کا ثابت کر دیا۔ کرداروں کے نام اور جگہوں کے آثار تو تبدیل ہوئے ہی، اُن کے عادات و خصائل تک بدل گئے۔

نااہل مترجمین کی تن آسانی نے تراجم میں ایک نیا طرز تحریر بھی ایجاد کیا، جس کے لئے انگریزی میں 'Journalese' کی اصطلاح موجود ہے۔ یعنی ایک ایسی ناقص زبان لکھی، جو نہ تو خیالات کے اظہار پر قادر ہے اور نہ ہی معنی کی ترسیل پر۔ یہ اس لئے ہوا کہ مشرقی دنیا میں 'لفظ' خاصیت یا داخلی شخصیت کا نمائندہ ہے۔ محمد حسین آزاد نے 'آبِ حیات' میں لکھا تھا:

> ہمارے بزرگ الفاظ و معانی اور استعاروں اور تشبیہوں کے ذخیرے تیار کر گئے ہیں اور وہ اس قدر زبان پر رواں ہو گئے ہیں کہ ہر شخص تھوڑے فکر سے کچھ نہ کچھ کر لیتا ہے۔ اگر اور خیال نظم کرنا چاہے تو ویسا سامان نہیں پاتا۔ اگر کچھ کہنا چاہیں تو اوّل اسے بھلائیں، پھر اس کے مناسب مقام ویسے ہی نرالے استعارے، نئی تشبیہیں، انوکھی ترکیبیں اور لفظوں کی عمدہ تراشیں پیدا کیں اور یہ بڑی عرق ریزی اور جان کاہی کا کام ہے۔ ہاں یہ کام نوجوانوں کا ہے، جو کشورِ علم میں مشرقی اور مغربی دونوں دریاؤں کے کناروں پر قابض ہو گئے ہیں۔ اُن کی ہمت آبیاری کرے گی۔ دونوں کناروں سے پانی لائے گی۔

اس رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے مہدی جعفر لکھتے ہیں:

> ملحوظ خاطر رہے کہ بات پانی لانے کی ہے، کناروں پر تیرتے ہوئے الفاظ اکٹھا کرنے کی نہیں۔ تخلیق اور ترجمے میں بہر حال فرق ہے۔ خیر مغرب والوں نے تو اپنے پانی سے اپنے ہم مزاج الفاظ نکالے ہیں۔ ہم نے ترجمے کے ذریعے انہیں الفاظ سے شعبدہ بازی یا چونکانے کا کام لیتے ہوئے بے اعتمادی کا ثبوت دیا ہے۔

("اردو افسانے کے نئے افق" مطبوعہ: "اوراق" لاہور، مئی جون: 1983ء)

جہاں تک اردو ادب میں انگریزی ادب کی منتقلی کا معاملہ ہے تو شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اردو سے انگریزی یا انگریزی سے اردو میں ترجمہ مزاج کی سطح پر دو ضدین کا مقام اتصال ہے۔ مہدی جعفر نے محولہ بالا مضمون میں مشرق اور مغرب کے مزاجوں کی سطح پر اس فرق کو 'کیمیا گری' اور 'کیمیا دانی' کا فرق قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:

> ہم مشرقیت اور مغربیت کو کیمیا گری اور کیمیا دانی والے فرق سے شناخت کر سکتے ہیں جو داخلیت اور خارجیت کا فرق پیدا کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ادب سائنس کے برعکس ہے اور اسے کیمیا گری سے نزدیک ہونا چاہیے نہ کہ کیمیا دانی سے۔ کم از کم مشرقی ادب کا یہی طرۂ امتیاز رہا ہے۔

اردو ادب کو تراجم کی معرفت کیمیا گری سے کیمیا دانی کی طرف لانے کا کام یوں تو فورٹ ولیم کالج اور دہلی کالج میں ہونا قرار پایا تھا لیکن اس باب میں بھی سیّد احمد بازی لے گئے۔ سائنٹیفک سوسائٹی غازی پور کے قیام کے ساتھ فکر و ادب میں روایت کی

تقلید محض سے ہٹ کر آزادیٔ رائے اور آزادیٔ خیال کی رسم جاری ہوئی۔ بقول ڈاکٹر سیّد عبداللہ:

> سرسیّد نے اردو ادب کو جو ذہن دیا اس کے عناصر ترکیبی کی اگر فہرست تیار کی جائے تو اس کے بڑے بڑے عنوان ہوں گے، مادیت، عقلیت، اجتماعیت اور حقائق نگاری۔ سرسیّد کے مجموعی فکر و ادب کی عمارت انہی بنیادوں پر قائم ہے۔
> (''سرسید کا اثر ادبیاتِ اردو پر'' مشمولہ: ''بہترین ادب'' مرتبہ میرزا ادیب مکتبہ اردو، لاہور 1955ء، ص 11)

مشرق کے لئے مغرب کی اس عطا کی کھوج میں نکلیں تو پتا چلتا ہے کہ 'لفظ' کی سطح پر ہم 'داخلیت' سے اسی زمانے میں دست کش ہونا شروع ہو گئے تھے جب سے یورپی اقوام نے ہمارے ساحلوں پر اوّل اوّل قدم رکھا تھا۔

پرتگالی، ڈچ اور فرانسیسی زبانوں کا اردو کے ساتھ میل تجارتی منڈیوں (بالخصوص کلکتہ کے گردونواح) میں ہُوا اور یہ ربط ولین دین کی زبان سے آگے نہ بڑھا، لیکن اس کے باوجود یہ تینوں زبانیں انگریزی زبان سے پہلے اردو لغت کا حصّہ بننی شروع ہو گئی تھیں۔ آج اردو زبان کی لغت میں اس زمانے کی یادگار فرانسیسی، پرتگالی الفاظ ازقسم: اچار، بسکٹ، کاجو، اناس، پپیتا، چاء، ساگو، گوبھی، کمرہ، مستری، تمباکو، الماری، بجرا، بالٹی، بوتل، سایہ، صابون، کوچ، چاندی، نیلام، کارتوس، تولیہ، میز، گارد، پادری، گرجا، قمیض، کاج وغیرہ آج بھی ہمارے روزمرہ ورتاوے میں شامل ہیں اور فرانسیسیوں کے ساتھ ہمارے تعلقات کی یاد تازہ کر رہے ہیں، انگریز راج میں ہندوستان اور مغرب کے درمیان جو اختلاط ظہور میں آیا، وہ فرنچ اور پرتگیزی اثر کی نسبت کہیں زیادہ گہرا اور دیرپا ثابت ہوا۔ وحیدالدین سلیم نے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ 'فرہنگ آصفیہ' میں کم وبیش انگریزی کے 500الفاظ موجود ہیں۔ یاد رہے کہ 'فرہنگِ آصفیہ' وحیدالدین سلیم کے مذکورہ بالا مضمون سے ٹھیک تیس سال قبل مُرتب ہو چکی تھی، سو اسی سے اندازہ لگایئے کہ اب تک مزید کتنے دخیل الفاظ ہوں گے جنہوں نے اردو میں جڑیں پکڑی ہوں گی۔

حیدر آباد دکن کے تراجم و تالیفات سے دخیل الفاظ کا یہ سلسلہ جاری ہوا۔ یہی سبب ہے کہ قدیم تراجم کے علاوہ طبع زاد تصانیف میں بھی انگریزی اصطلاحات و تراکیب جا بجا دکھائی دیتی ہیں۔ بالخصوص دفتری خط کتابت میں ایسے بے شمار الفاظ و اصطلاحات ملتی ہیں جن سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے اربابِ علم وفن انگریزی کو شجرِ ممنوعہ خیال نہیں کرتے تھے بلکہ انہوں نے موزوں اردو مترادفات و متبادلات دستیاب نہ ہونے کی صورت میں ناگزیر طور پر انگریزی الفاظ استعمال کیے یا انگریزی اردو الفاظ کے امتزاج سے نئی تراکیب وضع کیں۔

سب سے پہلے مفرد الفاظ اور تراکیب ملاحظہ ہوں جو بعینہٖ استعمال کیے گئے: ریلوے، لوکل فنڈ، ٹرسٹ، نوٹ، میونسپالٹی، نوٹس، چالان، ٹیلیفون، رجسٹر، رجمنٹ، وارڈ، مارکیٹ، روڈ، کمیشن، رپورٹ، برٹش انڈیا، لائسنس، کانفرنس، موٹر، اسکیل اور اسکالرشپ وغیرہ۔ ان الفاظ و اصطلاحات میں سے اکثر ہم آج بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ تراکیب یا مرکب اصطلاحات ہیں جو انگریزی، عربی، فارسی اور اردو کی آمیزش سے وضع کی گئیں۔

(1) سرکاری عہدہداران: انچارج عہدہ دار، عہدیدارانِ ڈویژن، میڈیکل افسر، مہتمم ڈیری فارم، نان کمیشنڈ افسران، گزیٹڈ عہدہ دار، انسپکٹر، شہری، بینک اور اہلکار کورٹ وغیرہ۔ (2) قوانین و قانونی امور: دستور العمل لوکلفنڈ، عدالتی ڈگری اور ضابطۂ فینانس وغیرہ (3) سرکاری دفاتر و محکمہ جات: تعلقہ بورڈ، دفتر پولیٹیکل سیکرٹری، سررشتہ پولیس، محکمہ فینانس، عدالت سیشن اور سررشتہ ریلوے

وغیرہ۔ (4) مالیات: ٹیکس، سیونگ بینک، مدات لیجر، سودی ٹرسٹ فنڈ، بیمہ فنڈ، سرکاری بک کیپنگ، امانت منی آرڈر اور رجسٹر مبادلہ وغیرہ۔

اردو زبان جو کئی زبانوں کا مجموعہ ہے، 1964ء میں ممتاز حسین صاحب کے لئے گئے ایک جائزہ کے مطابق اس میں عربی 45، فارسی کے 40، سنسکرت کے 5 انگریزی کے 5 ترکی کے 2 اور یونانی کے 2 فیصد الفاظ موجود تھے۔ انگریزی الفاظ کی تعداد یقیناً روز بروز بڑھی ہے۔

انگریزی زبان کے روز افزوں اثرات اور تراجم کے تحت ہم نے بہت کچھ اپنی اصطلاحوں میں ترمیم بھی کی مثلاً انگریزی میں پولیٹیکل اکانومی ایک علم کا نام تھا، جسے ہم 'سیاست مدن' کہتے تھے بعد میں اس علم کی وضع قطع کے ساتھ اس کا نام بھی بدل گیا اور ہم بھی اسے اکنمکس یا معاشیات کہنے لگے۔ اسی طرح جب ولائیتی مال بحری جہازوں پر لد کر ہندوستان آنا شروع ہوا تو 'بل آف لیڈنگ' (Bill of lading) ساتھ آتا ہی تھا۔ اسے ضروری تصرف کے ساتھ بلٹی کہا گیا۔ لیکن جب ملک میں ریل جاری ہوئی تو ریلوے کے پارسل کو نہ جانے کیوں بلٹی کہا گیا آج بھی ریلوے یا ٹرک کے ذریعے آئے ہوئے پارسل یا مال گودام کی رسید کو بلٹی ہی کہا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ تو ایسا کچھ ہی رہا لیکن اس کے بعد ردعمل بھی سامنے آیا۔ روزمرہ زندگی سے متعلق انگریزی الفاظ و اصطلاحات کے اردو مترادفات کی عجیب و غریب صورتیں بھی سامنے آئیں۔ اس باب میں الف الحراث مرحوم کا نام ہمیشہ یاد رہے گا۔ ان کی کتاب: 'حریفہ میکالے' مطبوعہ: مکتبہ دین و دنیا، لاہور طبع اوّل: 1959ء کے صفحہ: 147 سے چند امثال دیکھتے چلیے:

ٹیلی ویژن بعید رویت	ٹیلی فون بعید صوت
مائیکروفون. صفیر صوت	پولیس ایکشن ہجوم شرطہ
راشننگ سسٹم .نظام کفاف	لانڈری دار غسیل، گازر خانہ
ٹیبل بیل ...... جرس طاولہ	فائل ...... انسلاک

سوال پیدا ہوتا ہے کہ انگریزی کے ردّ میں کیا یہ ضروری ہے کہ اِس قدر مُفرّس مترادفات وضع کیے جائیں؟ پولیس ایکشن، میں پولیس اور 'ایکشن' ہر دو الفاظ آج ہمارے لئے مانوس ہیں جبکہ 'ہجوم' فارسی سے اور 'شرطہ' عربی سے لے کر 'ہجوم شرطہ' کی ترکیب وضع کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔

اب آیئے نثری اصناف ادب کے طرف، جن میں انگریزی سے تراجم کے زیر اثر اردو ادب نے منفی اور مثبت ہر دو طرح کے اثرات قبول کئے۔

ناولوں کے متعدد تراجم کے باوجود شروع شروع میں ہمارے ہاں داستان، تمثیل اور ناول کا فرق مٹا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اب تک نذیر احمد دہلوی کے تمثیلی قصوں کو ناول قرار دیتے رہے اور نذیر احمد کو اردو کا اوّلین ناول نگار۔ جبکہ اردو کا پہلا باقاعدہ ناول نگار عبدالحلیم شرر ہے۔ نذیر احمد دہلوی کے 'فسانہ مبتلا' میں زہر دینے کے بعد کا قصہ کسی حد تک واقعاتی معلوم ہوتا ہے اور ناول کی صنف کے قریب آیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ نذیر احمد دہلوی کے ہاں 'اخلاقی ہماہمی' نے ناول سے قریب رہتے ہوئے بھی ان کی

تحریروں کو تمثیلیں بنا کر رکھ دیا۔ نذیر احمد دہلوی کی اس ناکامی کا ایک سبب تو 'حکایات سعدیؒ' کی مقبولیت ہے اور دوسرا یہ کہ اس زمانے میں خود مغرب میں ناول اور تمثیل کا فرق مٹا ہوا تھا۔ ہومر کی اوڈیسی (رزمیہ) کو ناول شمار کیا گیا، ڈان کیخوتے، کومیکا ولے نے دنیا کا اوّلین ناول شمار کیا اور یہ سلسلہ اس وقت تک رہا، پھر بنیئن کو پہلا ناول نگار شمار کیا جاتا رہا۔ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ نذیر احمد دہلوی کے اسم بہ مسمیٰ کردار انگریزی کی معرفت ہمارے ہاں در آئے۔

انگریزی سے تراجم کے طفیل ناول کی تکنیک اردو میں متعارف ہوئی۔ اس نئی تکنیک کو برتنے کی اوّلین کوششیں خام ضرور ہیں تاہم ان کی اہمیت ان کی اوّلیت سے وابستہ ہے۔ مغربی ناول نگاروں خصوصاً وکٹر ہیوگو، الگزنڈر ڈوما، ٹالسٹائی، تورگنیف، زولا، بالزاک، اناطول فرانس، اسکاٹ وغیرہ کے تتبع میں شاد عظیم آبادی، سجاد عظیم آبادی، عبدالحلیم شرر لکھنوی، راشد الخیری دہلوی، اور مرزا ہادی رسوا لکھنوی نے اردو میں ناول نگاری کے چلن کو عام کیا۔

رتن ناتھ سرشار لکھنوی کا ''فسانہ آزاد' نہ صرف یہ کہ ''ڈان کیخوتے'' کے واضح اثر کے تحت لکھا گیا، بلکہ اسی تسلسل میں سرشار نے اپنے دیگر ناولوں کو بھی آگے بڑھایا۔ ''فسانہ آزاد' کو داستان اور ناول کی درمیانی کڑی کہنا چاہیے۔ کچھ یہی معاملہ سجاد حسین کے 'حاجی بغلول' کا ہے۔ نذیر احمد دہلوی کے ناول/تمثیلیں اسٹی ون سن کے ناول 'ٹریژر آئیلینڈ' کی طرح ہر قسم کے مخرب اخلاق عنصر حتیٰ کہ معاملاتِ عشق سے بھی خالی ہیں۔ نذیر احمد دہلوی کی تحریروں/تمثیلوں پر دوسرا بڑا اثر جارج الیٹ کے ناولوں کا تھا۔ نذیر احمد دہلوی نے کردار نگاری میں جو طریقہء کار برتا وہ نفسیاتی تجزیہ نگاری میں جارج الیٹ سے مخصوص ہے۔

ہمارے اوّلین نگار عبدالحلیم شرر کا انداز سر والٹر اسکاٹ کی تاریخ نگاری سے مشابہ ہے حتیٰ کہ بعض اوقات ان کے کردار اسکاٹ ہی کے کردار نظر آتے ہیں۔ جبکہ شرر نے نہ تو اسکاٹ کو ترجمہ کیا اور نہ ہی ان کے ناول اسکاٹ سے ماخوذ ہیں۔ اسکاٹ کے انداز میں شرر نے نصرانیوں کی بجائے مسلمانوں سے لمبی لمبی تقریریں کروائی ہیں اور یہ انداز اس حد تک ملتا جلتا ہے کہ شرر نے بھی اسکاٹ کی طرح نظم کا سہارا لیا۔ شرر نے بے قافیہ شاعری کرتے ہوئے مصرعوں کو ایک آزاد تسلسل میں مربوط رکھنے کا جتن کیا ہے جو سراسر اسکاٹ سے مخصوص ہے۔ اسکاٹ کا اثر، شرر سے ہوتا ہوا حکیم محمد علی خان تک چلا آیا، جنہوں نے ناول کو ادب لطیف بنانے کی کوشش کی۔

انگریزی سے اور انگریزی کی معرفت روسی اور فرانسیسی ناول نگاروں کے بیشتر شاہکار اردو میں ترجمہ ہوئے، پھر بھی کچھ ناولوں کے تراجم نہ ہونے کا قلق ہے۔ جیسے ڈینئیل ڈیفو کا 'Moll Flanders'، سکاٹ فٹز جیرلڈ کا 'The Great Gatsby' جین آسٹن کا 'Sense and Sensibility'، جین سٹین بیک کا 'East of Eden'، ہنری فیلڈنگ کا 'Tom Jones'، ڈبلیو۔ ایم تھیکرے کا 'Barry Lindon'، رڈیارڈ کپلنگ کا 'The Man Who Would Be King'، ایچ۔جی ویلز کی سائنس فکشن: 'The war of the worlds'، ای۔ایم فورسٹر کا 'Maurice'، 'Howard Ends' اور 'A Room with A View'، گراہم گرین کا 'The Third Man'، ایڈگرایلن پو کا 'The Fall of The House of Usher' ٹینیسی ولیمز کا 'A Streetcar Named Desire' اور 'Cat on A Hot Tin Roof'۔ ان ناولوں اور ڈراما پر بننے والی انگریزی فیچر فلمیں از حد مقبول ہوئیں۔ بہت ممکن ہے یہ ناولیں بھی ہمیں کچھ دے جائیں۔ اخذ و استفادے کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ ہمارے ہاں ڈراما میں اس سے تجاویز بھی دیکھنے کو ملا جیسے امتیاز علی تاج نے ''چچا چھکن' میں جیروم۔ کے جیروم (Jerome K. Jerome)

کے "Three Men in A Boat" کے پورے دو ابواب اُچک لئے، اور اسی معیار کو سامنے رکھتے ہوئے چچا چھکن کو بہت سے ملتے جلتے واقعات سے گزارا۔ اس سے زیادہ واضح اثر پذیری کی مثال شاید ہی کہیں دیکھنے کو ملے۔

ناول کے باقاعدہ تراجم کی طرف آئیں تو یہ کہنے میں باک نہیں کہ اردو میں تاحال مغرب (اور خصوصاً انگریزی ادب) کے عظیم ناولوں کا پچاس فیصد حصہ بھی منتقل نہیں ہو پایا۔ اناطول فرانس کے 'تائیس' (مترجمہ: عنایت اللہ دہلوی) فلابیئر کے 'مادام بواری'، ستاں دال کے 'سرخ و سیاہ' اور ہرمن میلول کے 'موبی ڈک' (مترجمہ: محمد حسن عسکری) ہنری جیمز کے 'ہمیں چراغ ہمیں پروانے' (مترجمہ: قرۃ العین حیدر) جارج آرویل کے، 1984ء (مترجمہ: گوپال متل) وغیرہ تراجم سے ہمارے ہاں نہ صرف یہ کہ ناول کا چلن عام ہوا بلکہ ناول کے عناصر ترکیبی کو بھی سمجھنے میں مدد ملی۔

پارسی اسٹیج کے فروغ کے ساتھ ہی انگریزی سے اسٹیج ڈراموں کو اردو میں منتقل کرنے کا کام شروع ہوا۔ جس کے ساتھ مغربی اسٹیج کی بھونڈی اور ادھوری نقالی ہمارے اسٹیج پر در آئی۔ اس کی ایک بڑی وجہ تو ہمارے نئے اسٹیج کا ہندوستانی (خصوصاً سنسکرت) اسٹیج کی سپلائی لائن سے کٹ کر رہ جانا ہے۔

پارسی تھیٹر کی معرفت ہم نے یورپ سے اپنا رشتہ جوڑنے کی کوشش کی اور اس پیوند کاری میں نوٹنکی اور راس کے معمولی قصوں کو ناکافی خیال کیا گیا۔ یوں ولیم شیکسپیئر کی شہرت سے باکس آفس پر کامیابی کا تصور بندھا۔ لیکن افسوس کہ ناقص ترجموں کی وجہ سے شیکسپیئر بھی ہمارے ہاں مکمل طور پر منتقل نہیں ہو سکا۔ شیکسپیئر کے بیشتر تراجم میں پلاٹ کی تبدیلیاں کی گئیں، مقامی رنگ میں رنگا گیا یا پھر اپنی تجارتی ضروریات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بڑے پیمانے پر کانٹ چھانٹ کی گئی۔ یہاں تک کہ شیکسپیئر ہمارے آغا حشر کاشمیری کی معرفت بھی اردو میں اپنی تمام جہات کے ساتھ منتقل نہیں ہوا۔ اس بات کی تصدیق آغا حشر کے شہرت یافتہ ترجموں کو دیکھ کر ممکن ہے۔ خصوصاً 'King Lear' کا ترجمہ 'سفید خون' 'Measure For Measure' کا ترجمہ 'شہید ناز'، کو سرے سے ترجمہ بھی نہیں کیا جا سکتا، جبکہ ہمارے ہاں آغا حشر کاشمیری کو اردو ڈرامے کا شیکسپیئر کہا جانے لگا۔ اس خراج تحسین کی خرابی اس وقت تک محسوس نہیں ہوتی جب تک شیکسپیئر کو انگریزی ڈرامے کا آغا حشر تصور کر کے نہ دیکھا جائے۔ سو ڈرامے کے باب میں ہمارا پہلا قدم ہی غلط پڑا۔ کہا جا سکتا ہے کہ باکس آفس پر کامیابی کی خواہش نے ہمیں انگریزی ڈرامے کی فنی خوبیوں سے دور رکھا یہ بات، میں وثوق سے اس لئے بھی کر سکتا ہوں کہ میں نے ولیم شیکسپیئر کے ڈراموں کے اردو میں ترجمہ کردہ سَو سے زائد تراجم نظر سے گزارے ہیں اور 141 تراجم کا کھوج لگایا ہے۔

میرے خیال میں ہمارے ڈراما مترجمین کو K.W.H Scholz کا مضمون "The art of translation" (1918ء) جو ڈراما ترجمے کے حوالے سے ہے، ضرور پڑھ کر ترجمے کی طرف آنا چاہیے۔

'فاؤسٹ' کا ترجمہ از ڈاکٹر عابد حسین، انطونی قلوپطرہ کا ترجمہ از عزیز احمد، بگڑے دل، از مولیئر کا ترجمہ محمد عمر نور الٰہی، ظاہر و باطن از شیریڈن کا ترجمہ از فضل الرحمٰن اور 'سلمیٰ' از آسکر وائلڈ کا ترجمہ از انصار ناصری جیسے تراجم انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں لیکن اس نوع کے وقیع تراجم کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوا اور آگے چل کر اردو ڈرامے کو رفیع پیر، خواجہ معین، بانو قدسیہ، اشفاق احمد اور کمال احمد رضوی جیسے ڈرامہ نگار مل گئے۔

افسانے کی صنف مغرب میں ناول کے ارتقاء کے بعد وجود میں آئی اور تراجم کی معرفت یہی صورت اردو ادب میں بھی

دکھائی دیتی ہے یعنی ناول پہلے آیا اور افسانہ اس کے بعد۔ البتہ ہمارے ہاں ناول کی نسبت افسانے کا ارتقاء کہیں زیادہ تیز رفتار رہا ہے۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ رہی ہو کہ ادب کی یہ صنف جس قدر تخلیقی فنکاروں میں مقبول رہی اس قدر پڑھنے والوں میں بھی مقبولیت کی انتہائی حدود کو چھوتی رہی ہے۔ افسانے کی پیدائش اور اس کا ارتقاء 2012ء تک زیادہ سے زیادہ 110 برس کی مختصر کہانی ہے لیکن ہمارے ہاں اسے محض چند سالوں ہی میں مقبول بنانے میں روس کے کلاسیکی افسانہ نگاروں کے ساتھ ساتھ روسی ادب کے نسبتاً نئے ناموں کا بڑا حصّہ ہے۔

ہمارے ہاں ابتداء میں تین نام بہت ترجمہ ہوئے اور ان کا اثر بھی قبول کیا گیا یعنی چیخوف، موپاساں اور رابندر ناتھ ٹیگور۔ ٹیگور کو انگریزی کی معرفت اردو میں متعارف کروانے میں پریم چند پیش پیش تھے جبکہ سعادت حسن منٹو نے اپنی افسانہ نگاری کے ابتدائی دور میں ہی چیخوف اور موپاساں کو اردو میں متعارف کروایا۔ کچھ یہی معاملہ کلاسیکی افسانہ نگاروں خصوصاً ٹالسٹائی اور گورکی کا ہے۔ منٹو نے ان کی طرف بھی خصوصی توجہ دی اس دور کی یادگار منٹو کی کتاب 'گورکی کے افسانے' ہے۔

چیخوف، موپاساں اور مارس میترلنک کے اسلوبیاتی طریقۂ کار کی عطا ہمارے ہاں بالترتیب راجندر سنگھ بیدی، منٹو اور غلام عباس ہیں۔ جبکہ ان کے بعد رڈیارڈ کپلنگ کی مقبولیت کا آغاز ہوتا ہے۔ کچھ یہی سبب ہے کہ رُڈیارڈ کپلنگ کے ناول، 'جنگل' کو مولانا ظفر علی خاں جیسا عظیم مترجم نصیب ہوا۔ ہمارے ہاں کپلنگ کی مقبولیت کا واحد سبب اس کا مشرقی منظرنامہ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کپلنگ کے 'اینگلو انڈین' ادب کے زیر اثر 'Rule Britannia' کے نغمے پر یہاں بھی والہانہ طرز پر جھوما گیا، حتیٰ کہ اینگلو انڈین کرداروں کی جھلکیاں محمد حسن عسکری، عزیز احمد، اختر حسین رائے پوری اور غلام عباس کے بعد ابوالفضل صدیقی اور خان فضل الرحمٰن کے افسانوں میں بھی دیکھنے کو ملیں۔

19 ویں صدی کے دو امریکی افسانہ نگاروں ایڈگرایلن پو اور او ہنری کے فن اور موضوعی طریقۂ کار کو بھی ہمارے ہاں خصوصی اہمیت نصیب ہوئی۔ ایڈگرایلن پو کے ابتدائی تراجم کے فوراً بعد اسی طریقۂ کار کی جھلک مسز عبدالقادر اور حجاب امتیاز علی (اسماعیل) کے ہاں دیکھنے کو ملی۔

سمرسٹ ماہام جیسا دوسرے درجہ کا افسانہ نگار ہمارے ہاں اس لئے مقبولیت کی حدوں کو چھو آیا کہ اس کی زبان سادہ اور سہل تھی اور اس کے ہاں تکنیکی پیچیدگی اور اظہار و بیان میں ابہام خال خال ہی دکھائی دیتا ہے۔ ماہام سے اثر پذیری کی سب سے بڑی مثال ہمارے ہاں کرشن چندر کے افسانے ہیں۔

وقار عظیم کے خیال میں:

> مغرب اور اس کے فن کا اثر ہمارے ادب پر تین مشہور لوگوں سے زیادہ تر ہے۔ وہ ادب میں چیخوف، نفسیات میں فرائیڈ اور معاشی حیثیت سے مارکس، یہ تین نام ایسے ہیں جن کا اثر موجودہ دور کی ہر ادبی تحریک میں نمایاں ہے۔
>
> (''مغرب اور اس کا فن'' مشمولہ: ''نیا افسانہ''، ص: 52)

وقار عظیم صاحب کی یہ رائے ایک آدھ جزوی اختلاف کے باوجود اہم ہے۔

اسی نکتہ نظر کی روشنی میں آگے بڑھیں تو سب سے پہلے ہماری نظر پریم چند کے افسانے 'کفن' پر پڑتی ہے۔ جس میں غربت کو

اس حد تک قابلِ نفرت بنا دیا گیا ہے کہ اس پر ترس آتا ہے۔ اس کے بعد پروفیسر محمد مجیب کے دو افسانوی مجموعے (1) عورت (2) کیمیاگر (1932ء) کے افسانے ہیں جن پر روسی افسانے کا غالب اثر ہے۔ خصوصاً 'کیمیاگر اور دوسرے افسانے' نامی کتاب کے نو کے نو افسانے چیخوف کے اثر کے تحت لکھے گئے ہیں خصوصاً افسانہ 'زندہ جاوید' تو چیخوف کا ہی لکھا افسانہ معلوم ہوتا ہے جبکہ افسانہ 'باغی' پر بھی کسی قدر یہی بات صادق آتی ہے۔

مجنوں گورکھپوری کے افسانوں پر ہیگل کی فلسفیانہ چھاپ اور ٹامس ہارڈی کا اسلوب نگارش غالب ہے۔ ل۔احمد اکبرآبادی (لطیف الدین احمد) اور جلیل قدوائی بعض اوقات ترجمہ اور طبع زاد افسانے کی ملی جلی صورتیں سامنے لاتے رہے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر دو افسانہ نگاروں پر روسی افسانے کی چھاپ نمایاں ہے مثلاً ل۔احمد اکبرآبادی کا مکتوباتی افسانہ ''بیوی'' (مطبوعہ: نقوش لاہور) روسی افسانہ نگار P.Romanoy سے بحذف واضافہ مستعار ہے۔ شیر محمد اختر اور ممتاز مفتی نے فرائیڈ کی کیس ہسٹریز کو خصوصی طور پر اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ اختر حسین رائے پوری کا افسانوی مجموعہ ''محبت اور نفرت'' واضح طور پر روسی اثر کے تحت لکھا گیا۔

اردو افسانے کا نیا موڑ اور روایت میں توسیع، انگارے، مرتبہ احمد علی (مطبوعہ: 1932ء) کی اشاعت اور ضبطی ہے۔ یہ دس افسانوں کا مجموعہ تھا۔ پانچ سجاد ظہیر کے، دو رشید جہاں، دو احمد علی اور ایک محمود الظفر کا۔ یہ تمام افسانے فرائیڈ کے ساتھ فرانسیسی فطرت نگاروں اور مارکس ازم کے اثرات کے تحت لکھے گئے تھے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ 'انگارے' کے افسانے تدبیر کاری کے اعتبار سے جیمز جوائس، ڈی۔ایچ۔لارنس اور فلابیئر، موضوعاتی سطح پر فرائیڈ اور نظریاتی اعتبار سے مارکس سے متاثرہ تھے اور مذہب پر حملے شدید پابندیوں کا شدید ردعمل تھا۔

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ بیک وقت افسانہ کفن (از پریم چند) اور 'جنت کی حقیقت' از نیاز فتح پوری، پر روسی افسانے 'سگمنڈ فرائیڈ' اور 'کارل مارکس' کا اثر واضح تھا۔

جہاں تک اردو افسانے میں انگریزی کے زیر اثر تخلیقی پیداوار کا تعلق ہے تو گئے زمانے میں ابھرنے والے بڑے ناموں میں سے کوئی بھی نام آج تکنیکی اور اسلوبیاتی حوالے سے درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ بلکہ یہاں تک ہوا ہے کہ اردو افسانے پر بات کرتے ہوئے آج ماضی کے ان بڑے ناموں کو ذہن پر بہت زور دے کر یاد کرنا پڑتا ہے۔ یہاں میرا اشارہ ل۔احمد اکبرآبادی، جلیل قدوائی، مسز عبدالقادر، پروفیسر محمد مجیب، اختر حسین رائے پوری، مجنوں گورکھپوری، احمد علی اور شیر محمد اختر کی طرف ہے۔ تاریخ ادب سے متعلق کتابوں کو ایک طرف رکھ کر اور خالی الذہن ہو کر اردو افسانہ نگاری پر بات کریں تو یہی حیران کن صورت حال سامنے آتی ہے۔

جہاں تک ایمائل زولا کے اثر کے تحت لکھے گئے مشہور افسانوں کا معاملہ ہے تو اس حقیقت سے کون انکار کرے گا کہ زولا کی تحریروں کو خود اس زمانے کے یورپ میں 'زولائیت' قرار دیا گیا تھا۔ جبکہ اسی اثر کے تحت لکھے گئے افسانے ہمارے ہاں بڑے ہنگامہ خیز ثابت ہوئے۔ مختصراً یہ کہ اردو کے افسانوی ادب میں اس نوع کے افسانے فحش نگاری کی مثال بن کر زندہ ہیں اور بس۔

سو پتا چلا کہ گئے وقتوں میں انگریزی سے یا انگریزی کی معرفت ہمارے ہاں جو کچھ منتقل ہوا وہ اپنی کوئی روایت نہیں بنا سکا اور ہم نے مغرب کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کا محض خواب دیکھا۔

ہم نے مختلف تکنیکی طریقہ ہائے کار تو درآمد کر لیے لیکن اسلوبیاتی میدان میں ہم کوئی بڑا کارنامہ سرانجام نہیں دے پائے۔

یہاں اس بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ طبع زاد افسانوں کی سطح پر ماضی میں جہاں فرائیڈ کی کیس ہسٹریز کا انداز غالب رہا، وہاں آج کے نئے نام رائخ، ایڈلر اور یونگ سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ یقیناً اس سے اگلا قدم ہے لیکن اس گورکھ دھندے سے حاصل کیا ہوا؟ محض فلسفیانہ اور نفسیاتی موشگافیاں، تکنیکی سطح پر احمد علی اور محمد حسن عسکری (یا اکا دُکا افسانوں کی سطح پر سجاد ظہیر، رشید جہاں اور محمود الظفر) سے لے کر ممتاز شیریں تک، شعور کی رو، کا طریقۂ کار برتا گیا۔ یہ بات تسلیم کہ ہمیں اس تکنیکی طریقۂ کار نے 'ہماری گلی' (از احمد علی) اور 'قیامت ہمرکاب آئے نہ آئے' (از محمد حسن عسکری) جیسے دو اچھے افسانے دیئے، لیکن آج یہ طریقۂ کار ڈائجسٹوں میں لکھنے والی خواتین تک محدود ہو کر (یا ارزاں ہو کر) رہ گیا ہے۔ آج کی نئی نسل کے سامنے اس تکنیکی طریقۂ کار کا معیار تا حال جیمز جوائس ہی ہے، احمد علی اور عسکری کے دو اہم افسانے نہیں۔

آج کا افسانہ نگار تو سرئیلزم تک ہو آیا ہے۔ جبکہ تکنیکی سطح پر اس طریقۂ کار کی اوّلین نشاندہی کرشن چندر (افسانہ: 'ایک سرئیلی تصویر) کے ہاں ہوتی ہے۔ لیکن اب ماضی کی نسبت کہیں زیادہ توجہ کے ساتھ ردّ و قبول کا سلسلہ سامنے آیا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> اردو افسانے میں سرئیلزم کے واضح اثرات بیسویں صدی کے گزشتہ عشرے میں نمایاں ہوئے۔ نئے افسانہ نگاروں نے جب اظہار و بیان کے پرانے سانچوں کو اپنے تجربے کے تخلیقی تقاضے کے مطابق نہ پایا تو انہوں نے بعض ایسے زاویے بھی اختیار کیے جن میں سرئیلی شعاعیں موجود تھیں۔ اس ضمن میں انور سجاد اور سریندر پرکاش کا ذکر بالخصوص ضروری ہے کہ ان کے ہاں نگیشن (Negation) کی تردید سے حقیقت کا اثبات کرنے کا رجحان موجود ہے۔ چنانچہ 'استعارے' (انور سجاد) اور 'دوسرے آدمی کا ڈرائنگ روم' کے افسانوں میں سرئیلی کیفیت جابجا جاگتی ہوئی نظر آتی ہے۔ انتظار حسین، مسعود اشعر، شفق، رشید امجد، شمس نغمان، مرزا حامد بیگ اور مجم الحسن رضوی کے افسانوں میں حقیقت سے ماورا ایک اور حقیقت کی تلاش کا زاویہ نمایاں ہے۔ تاہم اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ یہ افسانہ نگار اسے حقیقت کے طور پر ہی قبول کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں حیرت تو جاگتی ہے لیکن ماورائے حقیقت سرئیلی کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔
>
> (''سرئیلی تحریک اور ادب'' مطبوعہ ''جواز'' مالی گاؤں، بابت: اپریل 1980ء، ص۔ 56)

سفرنامہ کی صنف ہمارے ہاں نئی نہیں اور نہ ہی ہمارے ہاں سفرناموں نے انگریزی سے تراجم خاطر خواہ حد تک ہوئے۔ لیکن ہمارے سفرنامہ لکھنے والوں پر مغربی سفرنامے کے اثرات نمایاں ہیں۔ شاید اس کی ایک وجہ جدید سفرناموں کی مغربی فضا بھی ہو، یہی وجہ ہے کہ مستنصر حسین تارڑ اور عطاء الحق قاسمی کا سفرنامہ اپنی قدیم روایت کے مقابلے میں سفرنامہ کم اور 'ویو کارڈ' زیادہ دکھائی دیتا ہے۔

اردو کے اوّلین سفرنامے 'تاریخ یوسفی' (سفرنامہ انگلستان) از یوسف خاں کمبل پوش حیدر آبادی (مطبوعہ: 1847ء بہ اہتمام پنڈت دھرم نرائین۔ مطبع العلوم مدرسہ دہلی ص 297) سے 'عجائبات امریکہ' مترجمہ منشی اللہ دتہ (سابق ایڈیٹر اخبار پنجاب گزٹ سیالکوٹ) مطبوعہ 1894ء تک ہمارے ہاں مذہبی نوعیت کی روحانی وارداتوں پر مشتمل سفرناموں کے علاوہ کوئی قابل ذکر سفرنامہ دکھائی نہیں دیتا جبکہ میرزا ابوطالب خان اصفہانی کی استثنائی مثال ('سفر فرنگ' آغاز سفر 1799ء) کو چھوڑ کر سر شیخ عبدالقادر (سیاحت نامہ یورپ) ابن انشاء، جمیل الدین عالی، ڈاکٹر محمد اجمل اور محمد کاظم سے لے کر مُستنصر حسین تارڑ تک ہمارے ہاں سفرنامے کی صنف، فرانسیسی اور انگریزی سفرناموں سے متاثر ہے۔ یہی حال تنقید کا ہے۔ الطاف حسین حالی کا مقدمہ اس کی اوّلین مثال ہے اور عمومی طور

پر ہماری تنقید انگریزی ہی سے حاصل کئے ہوئے اصولوں اور نظریوں کے سائے میں پروان چڑھی ہے۔ جبکہ ارسطو اور ایلیٹ کے درمیان مغرب میں تنقید کے جو شاہکار وجود میں آئے ہیں ان میں سے بیشتر کے تراجم اردو کے ادبی رسائل میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

محولہ بالا اصنافِ ادب کے علاوہ فلسفۂ تعلیم اور صحافت کے شعبوں میں انگریزی سے تراجم کا اثر بہت نمایاں ہے۔ ہمارے ہاں پہلے پہل تعلیمی موضوعات اور شعبہ ہائے تعلیم پر لکھا جاتا تھا جبکہ آج وہ وقت آ گیا ہے کہ تعلیم (یا ترسیل علم) خود ایک بڑا موضوع ہے۔ سائنسی اور فنی علوم کے دائرۂ کار کے پھیلاؤ کے ساتھ تعلیم کا دائرۂ کار بھی بڑھا ہے۔ یہی سبب ہے کہ نفسیات دانوں نے ترسیل علم کو بطور ایک اہم موضوع کے چھانا پھٹکا ہے۔ یوں ماضی اور حال کا فرق واضح ہو گیا ہے۔ ماضی میں انسانی زندگی کے لئے معلومات کی اہمیت تھی جبکہ آج محض معلومات کے مقابلے میں 'انسانی آگہی' کی مخفی نفسیات بھی زیرِ بحث آئی ہے۔ مشرق میں صوفیا، بھگت اور بدھ مت کے پیروکار 'تعلیمی فلسفۂ' کے بانی شمار ہوں گے لیکن نئے زمانے میں اس موضوع پر مغرب میں قابل تقلید کام ہوا۔ ہمارے ہاں انگریزی سے یا انگریزی کی معرفت اس موضع پر بہت سی کتابیں ترجمہ ہوئی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اب تعلیمی موضوعات سے متعلق ہماری طبع زاد تصانیف کا معیار بھی بلند ہوا ہے۔

صحافت کی سطح پر چند مستثنیات سے قطع نظر، زبان اور طرزِ بیان کے لحاظ سے قدیم ہندوستانی اخبارات میں ایک بڑا عیب یہ رہا ہے کہ کالم نگار بغیر سوچے سمجھے اور بلا ضرورت اپنی تحریروں میں انگریزی الفاظ اور محاورات ٹھونستے آئے ہیں، جو اردو کے خمیر اور فطرت سے ذرا بھی تعلق نہیں رکھتے۔ لیکن آج ایسا کچھ نہیں ہے، صحافت بھی بجائے خود ایک علم کے طور پر ہمارے ہاں اپنی اہمیت منوا چکی ہے۔

جہاں تک جاسوسی ادب کا تعلق ہے تو اس کی جڑیں تلاش کرتے ہوئے ہم عہد قدیم کی مشرقی داستانوں خصوصاً 'الف لیلہ' (خصوصیت کے ساتھ بغداد اور مصر سے متعلق حصے) 'طلسم ہوشربا' اور 'بوستان خیال' تک جا نکلتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جارج ولیم۔ایم رینالڈز کی ناولیں خصوصاً 'الہ دین و لیلےٰ' (ترجمہ: منشی امیر حسن) یاد آتا ہے۔ یوں مغرب اور مشرق ہر دو اطراف میں داستانوی حیرت و استعجاب کو جگانے والے محیر العقول قصے، یہ ثابت کرتے ہیں کہ انسان ابتداء سے اس رخ پر رواں ہیں۔

جارج ولیم۔ایم رینالڈز کی 'Gothic Thrillers' نے مغرب اور مشرق میں تقریباً ایک صدی تک دھومیں مچائی ہیں اور یہ سلسلہ آج کے سائنسی اور عقلی دور میں جاسوسی ادب کے ایک الگ شعبے کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

اردو میں جاسوسی ناول کے ترجمے کی روایت تاریخی تسلسل کے مطابق آگے نہیں بڑھی اور نہ ہی ترجمہ یا اخذ کرتے وقت ہمارے ہاں کے مترجمین نے اچھے اور خراب ناول کی تمیز کو روا رکھا۔ اردو میں جاسوسی ناول کو متعارف کروانے کا سہرا ظفر عمر کے سر ہے، جنہوں نے فرانس کے مارس لیبلانک کے عالمی شہرت یافتہ جاسوسی ناول کا 'نیلی چھتری' (1916ء) کے نام سے ترجمہ کیا اور اس کے بعد مرزا ہادی رسوا، تیرتھ رام فیروز پوری، ندیم صہبائی اور پنڈت ملک راج شرما آنند اس راہ پر چل نکلے۔

ظفر عمر (پ:1884ء) خود محکمہ پولیس سے متعلق تھے، 1937ء میں ریٹائر ہوئے۔ انہوں نے مارس لیبلانک کے فرانسیسی زبان کے ناول کو 'نیلی چھتری' کے عنوان سے ترجمہ (1916ء) کرنے کے بعد خود جاسوسی ناول لکھے اور اپنے دیکھے بھالے جرائم پیشہ افراد کی نفسیات اور اُن کی عیاریوں کو بڑی مہارت سے پیش کیا البتہ مرزا ہادی رسوا نے خود کوئی جاسوسی ناول لکھنے کا تجربہ نہیں کیا۔

ہاں تیرتھ رام فیرز پوری جنہوں نے جاسوسی ناولوں کے تراجم میں بڑا نام پیدا کیا، خود بھی طبع زاد جاسوسی ناول بھی لکھے۔

یوں اردو میں جاسوسی ناول کے ترجمے کا چلن اس قدر عام ہوا کہ اردو کے پہلے بڑے کل وقتی جاسوسی ناول نگار ابن صفی کے اوّلین طبع زاد جاسوسی ناول 'دلیر مجرم' (مطبوعہ: 1952ء) کی اشاعت تک جاسوسی ادب کا دائرہ کار خاصی حد تک پھیل گیا۔ جاسوسی ناولوں کے علاوہ جاسوسی ادب سے متعلق رسائل بھی چھپنے لگے۔ مثال کے طور پر قیام پاکستان کے بعد جنوری 1952ء میں ادارۂ نکہت، الہ آباد (بھارت) سے 'جاسوسی دُنیا' نکلنا شروع ہوا۔ بعد ازآں کراچی، پاکستان سے ماہنامہ: ''سی۔ آئی۔ اے' اور ''آتش'' جاری ہوئے۔ لیکن اوّل اوّل مغربی جاسوسی ادب کے تراجم کے زیر اثر جن دیگر لکھنے والوں نے جاسوسی ادب تخلیق کیا ان میں پنڈت کشور چند مصنف 'رتن بے بہا' (پانچ جلدیں) 'پیاری' (دو جلدیں) 'جام دلربا'، 'بدر النسا بیگم'، 'پلیڈر کی کرتوت'، 'پدماوتی' وغیرہ (طابع: لالہ دیوی داس جانکی داس، تاجران کتب بازار مائی سیوان۔ امرتسر) طالب بنارسی لکھنوی مصنفہ 'ایران کا چاند' (طابع: سیٹھ آدم جی عبداللہ اینڈ کمپنی بمبئی والے ونولکھا بازار لاہور طبع اول: اپریل 1949ء) نے بہت شہرت پائی۔

مرزا ہادی رسوا نے میری کوریلی کے ایک جاسوسی ناول کا ترجمہ 'خونی مصور' کے عنوان سے 1919ء میں کیا تو اس ترجمے کی مقبولیت کے سبب تقریباً ہر جاسوسی ناول کے ترجمے کا عنوان 'خونی' کے اضافی لفظ کے ساتھ قائم کیا جانے لگا۔ خود مرزا ہادی رسوا تک نے اپنے ترجموں میں یہی صورت برقرار رکھی۔ جیسے 'خونی عشق'، 'خونی بھید'، 'خونی جورو' اور 'خونی شہزادہ'۔

تیرتھ رام فیروز پوری کے تین تراجم 'خونی چکر'، 'خونی تلوار' (دو جلدیں) اور 'خونی ہیرا' (دو جلدیں) میں 'خونی' کا لفظ مشترک ہے۔ اسی طرح طبع زاد لکھنے والوں نے بھی مقبولیت کے پیش نظر اس 'لفظ' کو خوب برتا۔ ایک مختصر فہرست ملاحظہ ہو:

'خونی بھائی' (ناول) از فدا علی خنجر مطبوعہ: ہمدم برقی پریس لکھنؤ 1922ء

'خونی بہن' (ناول) از سیّد شہنشاہ حسین مطبوعہ: 1922ء

'خونی ٹولہ' (ناول) از بی۔ ایس۔ نسیم مطبوعہ: خواجہ محمد شفیع لاہور، س۔ن

'خونی ملاح' (ناول) مطبوعہ: انڈین پریس لکھنؤ، س۔ن

'خونی بہرام' (ناول) از نور محمد عشرت، مطبوعہ: فضل بک ڈپو لاہور، س۔ن

'خونی ہتھکڑی' (ناول) از احمد اللہ خاں، مطبوعہ: شمس المطابع آگرہ، س۔ن

'خونی کی پہچان' (ناول) از طالب الہ آبادی مطبوعہ: 1929ء

'خونی کی پیاس' (ناول) مطبوعہ: دارالاشاعت پنجاب، لاہور، 1936ء

سو کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے ہاں جاسوسی ادب قاری کی پسند یا ناپسند کے زیر اثر ترجمہ ہوا۔ البتہ دلچسپ بات یہ ہے کہ 'جاسوسی ادب' سے دلچسپی کا اظہار 1902ء میں علمی اور سائنسی تراجم کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا جب پانی پت سے 1902ء میں تراجم پر مبنی 'جاسوسی قصے' نام کی ایک انتھالوجی شائع ہوئی۔ لیکن ہمارے ناقدین نے طبع زاد جاسوسی ادب کو تا حال مان کر نہیں دیا۔ جس کی وجوہات یقیناً وہی ہیں، جن کا ذکر اوپر کر دیا گیا ہے۔

اردو رسائل میں شائع شدہ تراجم کے ذریعے اردو کی نثری روایت کو کسی حد تک تقویت حاصل ہوئی ہے۔ اس ضمن میں خصوصاً

دلگداز، معارف، مخزن، ہندوستانی، زمانہ، ادیب، نگار، ادبی دنیا، ہمایوں، نیرنگ خیال، شاہکار، جامعہ، ساقی، نیا دور، سویرا، فنون، سیپ، قند، جواز، اظہار، آج اور اجرا جیسے عمدہ ادبی جرائد کی سعی قابل ستائش ہے۔

ہندوستان میں بچوں کے رسائل کا رواج بھی انگریزی رسائل کے تتبع میں ہوا۔ چنانچہ اردو کے یہ پرچے جب نکلے تو عام طور پر ان کا ڈھنگ یورپ کے رسالوں کا سا تھا۔ اس باب میں 'بچوں کا اخبار' لاہور اپنی نوعیت کا پہلا پرچہ تھا جبکہ رسالہ 'پھول' لاہور نے بہت نام کمایا۔

انگریزی کا اثر صرف ذخیرۂ الفاظ اور اصنافِ ادب میں نت نئی تبدیلیوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ اظہار خیال کے اسالیب اور پیرایہ ہائے بیان میں بھی خاص طور پر نمایاں ہے۔ یہ انگریزی اور دیگر مغربی زبانوں کے اثر ہی کا نتیجہ ہے کہ ہم اردو میں زاویۂ نظر، نقطۂ نظر، طریق بحث اور استدلال طرز کی بیشمار ترکیبیں دیکھتے ہیں۔ اس نوع کی تراکیب بیشتر انگریزی کے ترجمے ہیں۔ اس باب میں فورٹ ولیم کالج کے دور نثر کو اردو کا عبوری دور کہنا چاہیے۔ اس عہد میں انگریزی سے تراجم کا سلسلہ صرف مذہبیات اور مذہبی صحائف اور بائبل کے تراجم تک محدود تھا۔

میرزا غالب کا ایجاد کردہ نیا نثری پیرایۂ اظہار مغربی ادب کا شرمندۂ احسان نہیں، لیکن ان کے بعد آنے والے نثر نگاروں پر یہ بات صادق نہیں آتی۔ سید احمد خان کے جاری کردہ رسالہ 'تہذیب الاخلاق' نے اوّل اوّل اس طرح پیش قدمی کی۔ خود سید احمد خان، شبلی، حالی اور نواب محسن الملک کی تحریروں میں انگریزی کے الفاظ (از قسم: میٹیریل، آئیڈیل، ان نیچرل، مورل، ام مورل، کریمر، سویلزیشن، ایشیاٹک، پوئٹری وغیرہ) اور تراکیب اس بات کی گواہ ہیں۔ ''مقدمہ شعر و شاعری'' میں بعض انگریزی زدہ فقرے پڑھ کر اس عہد کی مجبوریوں کا احساس دوچند ہو جاتا ہے مثلاً

1۔ ''اگر ایسا ہوتا تو شیکسپیئر کے ورکس پر شرحیں لکھنے کی ضرورت کیوں ہوتی۔''

2۔ ''مگر ایک مورلسٹ شاعران سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے۔''

3۔ ''جس کے لٹریچر کی عمر پچاس برس سے زیادہ نہیں۔''

4۔ ''سادگی ایک اضافی امر ہے، وہی شعر جو ایک حکیم کی نظر میں محض سادہ اور سمپل معلوم ہوتا ہے۔'' وغیرہ۔

اردو میں تاثراتی تنقید کے بانی امداد امام اثر (1849ء، 1934ء) کہتے ہیں: ''مجھ پر جس قدر شیکسپیئر کا اثر پڑا اتنا ہی میر حسن کا اور اسی طرح جس قدر ہومر اور والمیکی کا اسی قدر ملٹن اور میر انیس کا۔'' (نقوش ''لاہور''، آپ بیتی نمبر ص: 572)

افسانوی ادب میں رتن ناتھ سرشار، منشی سجاد حسین اور عبدالحلیم شرر نے انگریزی کے اثر کے تحت نئے اسالیب بیان کی طرف قدم بڑھایا۔ حتیٰ کہ مغربی اثرات کا یہ عالم یہ ہے کہ 'نئے' اور 'جدید' ادب تک آتے آتے نہ ہماری زمینی بوباس اپنا پتا دیتی ہے اور نہ ہی ہمارے ہاں کے معاشرتی، سیاسی اور معاشی حوالوں کا نشان ملتا ہے۔ اردو میں انگریزی سے تراجم کے زیر اثر ہمارے افسانوی ادب کو مخصوص نوع کی مغربی روش کا سامنا رہا۔ جس کے باعث ہمارے افسانوی ادب کا بیشتر حصہ ایسا ہے کہ اسے 'اینگلو انڈین ادب' کے کھاتے میں بڑی آسانی سے ڈالا جا سکتا ہے۔

ایسے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہمارے ادیبوں کو اوائل 20ویں صدی کی قومی تحریکوں کا ہمنوا ہو کر ہی تراجم کی طرف آنا

چاہیے تھا بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہمیں زرق برق مغربی تہذیب اور انگریزی ادبیات کا مطالعہ مخصوص معاشرتی اور سیاسی حوالوں، ذہنی رویّوں، ضرورتوں اور انگریزی زبان کے مخصوص پس منظر میں رکھ کر کرنا چاہیے تھا، نیز یہ کہ اردو زبان کے لئے عہد سے مطابقت رکھنے والی لسانی تشکیل اور اسلوبیاتی دائرہ عمل کے بارے میں منصوبہ بندی کی ضرورت تھی۔

محمد حسن عسکری صاحب نے اپنے بعض مضامین میں مذکورہ بالا عوامل کا تجزیہ کرتے ہوئے اردو میں ترجمے کی روایت کو کھنگال ڈالا، اور اس کا ردّ عمل خود ان کے تراجم ہیں۔ ترجمے سے متعلق عسکری صاحب کی نظریہ سازی اس لئے بھی بہت اہمیت رکھتی ہے کہ انہوں نے نہ صرف ترجمے کے فن پر تفصیل سے بات کی بلکہ خود ترجمے کے باب میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اس باب میں ان کی تحریروں کو دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ وہ خود ترجمہ برائے ترجمہ کے قائل نہیں اور انہوں نے اپنے تراجم سے پہلے اردو نثر کے تخلیقی اور اسلوبیاتی مسائل کو خوب سمجھا ہے۔ ایزرا پاؤنڈ کی طرح محمد حسن عسکری کے نزدیک ترجمے کا عمل ادب کے لئے 'تخلیق' کی انتہائی ضرورت ٹھہرتا ہے۔

اردو میں ترجمہ نگاری کے مروجہ چلن پر عسکری صاحب نے سب سے بڑا اعتراض یہ کیا ہے کہ مجموعی طور پر ترجموں کے ذریعے ہمارے تخلیقی ادب کو زیادہ فائدہ نہیں پہنچا۔ جس کی سب سے بڑی وجہ یہ رہی کہ ہمارے مترجمین، ترجمے کی اہمیت سے ناواقفیت کی بنا پر اسے تخلیقی مسئلہ نہیں سمجھتے۔ عسکری صاحب لکھتے ہیں:

> ابھی تک تو ہمارے یہاں ترجمے اس نقطۂ نظر سے کئے اور پڑھے جاتے ہیں کہ اردو پڑھنے والوں کو بھی اصل کتاب کی کہانی معلوم ہو جائے۔ ترجموں سے زیادہ سے زیادہ اثر ہم لوگ یہ لیتے ہیں کہ ہمارے ادیب بھی ویسے ہی موضوعات پر لکھنے لگتے ہیں، لیکن ترجمے کی بدولت ہمیں ایسا تخلیقی جذبہ نہیں ملتا جیسا سرشار کو مل گیا تھا۔ نہ ان کے ذریعے ہماری نثر کے اسالیب میں کوئی اضافہ یا تغیر ہوتا ہے۔ (''گر ترجمے سے فائدہ اخفائے حال ہے''، مشمولہ ''ستارہ یا بادبان'' ص 171)

ظاہر ہے کہ ترجمے کا جواز محض موضوع کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا نہیں۔ اصل بات تو ترجمہ کے ذریعے ترقی یافتہ زبانوں کے اسالیب کو اپنی زبان میں ڈھالنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یوں اُسلوبیاتی سطح پر چراغ سے چراغ جلتا ہے اور زبانیں اپنی بنت میں پھولتی پھلتی ہیں۔

اسی مضمون میں عسکری صاحب نے اردو ترجمہ نگاری کے مختلف رجحانات کا جائزہ لیتے ہوئے رتن ناتھ سرشار کے 'خدائی فوجدار' تک پیچھے مڑ کر دیکھا ہے۔ 'خدائی فوجدار' سروانتیس کے 'ڈان کیخوتے' کا آزاد ترجمہ ہے۔ محمد حسن عسکری اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے اور 'خدائی فوجدار' کے جملہ نقائص ان سے ڈھکے چھپے نہیں تھے، اس کے باوجود وہ لکھتے ہیں:

> اس میں کچھ بھی نہ سہی اتنا تو ہے کہ اس کا تیس چالیس فیصد حصّہ دلچسپی سے پڑھا جا سکتا ہے۔ اردو میں مغربی ادب کے جو ترجمے ہوئے ہیں ان کی کیفیت نظر میں رکھیں تو اتنی بات بھی غنیمت معلوم ہوئی ہے۔ (ص: 169)

میرے خیال میں یہ نکتہ بھی تخلیقی ترجمے کی روایت میں گھپلے کا باعث بنا ہے۔ اگر محض دلچسپی کی بات تھی تو 'لندن کے اسرار' ہمارے ہاں کئی جلدوں میں چھپے ہیں اور وہ بہت دلچسپ بھی تھے۔ قیسی رام پوری نے بھی کچھ تو کیا۔ پھر قیسی رام پوری کیوں مطعون ہیں؟

دراصل اس آزاد ترجمے کی روایت نے بڑے بڑے گل کھلائے ہیں اور ترجمے کے مذاق کو خراب کرنے میں انہی آزاد

ترجموں کا ہاتھ رہا ہے۔ پھر اردو نثر اور بالخصوص افسانے پر آسکر وائلڈ اور دیگر مغربی جمال پرست ادیبوں کے غالب اثر کی مذمت کی جاتی ہے اور اسے اردو نثر کی اسلوبیاتی روایت کے لئے نقصان دہ قرار دیا جاتا ہے۔ یہ بات مکمل طور پر قبول نہیں کی جا سکتی۔ جہاں تک تراجم کے زیر اثر زبان کو بڑھاوا دینے کا معاملہ ہے، اس میں سجاد حیدر یلدرم کے کام کو ہی دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ انہوں نے رومانی تخیل اور تصوّرات کو زبان دی۔ بقول مولانا صلاح الدین احمد:

> یلدرم کا انتخاب الفاظ اور اس کا امتزاج تراکیب ہمارے اسلوب میں ایک یگانہ اور منفرد حیثیت رکھتا ہے اور اس نے نہ صرف اپنے عہد میں بلکہ ہمارے اسالیب ادب میں ایک چونکا دینے والا اضافہ کیا ہے۔
>
> (''پگڈنڈی''، یلدرم نمبر، ص 113)

یہ اضافہ جس کی طرف مولانا نے اشارہ کیا، ترکی اور عربی کی مخصوص لفظیات، تراکیب اور مرکبات کا ایک ایسا نظام تھا جو رومان پرستی کے حوالے سے اردو کے اسالیب بیان میں کوئی بہت بڑا معرکہ نہ سہی، ایک اضافہ ضرور تھا۔

افسوس کہ یلدرم کے 'انداز تُرکانہ' اور ان کے ترکی سے براہ راست تراجم پر تفصیلی گفتگو ہمارے موضوع سے باہر ہے پھر بھی یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ زبان اور اسلوب کی سطح پر ان کی یہ عطا یاد رکھنے کے قابل ہے۔ جہاں تک نیاز فتح پوری کا معاملہ ہے تو کیا تکنیکی اور موضوعی میدان میں بھی نیاز نے اپنے تراجم کے ذریعے اردو ادب کو کچھ نہیں دیا؟ یقیناً ایسا نہیں ہے۔ پھر یہ بھی کہ جمال پرست نسل سے تعلق رکھنے والے مترجمین میں مولانا حامد علی خاں، ل۔احمد اکبر آبادی، جلیل قدوائی اور خواجہ منظور حسین کے نام آتے ہیں۔ اگر معاملہ نثر کی اسلوبیاتی روایت تک ہی محدود کر کے دیکھا جائے تب بھی ان معتبر مترجمین کی عطا سے کسی صورت انکار ممکن نہیں۔

محمد حسن عسکری صاحب نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ اردو کو اسلوبیاتی سطح پر روسی نثر کے ترجموں سے زیادہ فائدہ نہیں پہنچا۔ لیکن معاملہ یہاں بھی برعکس دکھائی دیتا ہے۔ ہمارے بیانیہ افسانے نے تا حال اگر کوئی معرکہ مارا ہے تو اس کا بڑا حصہ راجندر سنگھ بیدی کا چنیدہ کام ہے اور راجندر سنگھ بیدی، سراسر چیخوف کی عطا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بیدی جیسے 'قد' تک پہنچنے میں تہذیبی اور لاشعوری عوامل بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں، جیسا کہ بیدی کے معاملے میں ہوا، لیکن بیدی کی خصوص میں روسی طریقۂ کار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

بعینہٖ یہ معاملہ خود محمد حسن عسکری کے چند افسانوں کا ہے۔ خصوصاً 'حرامجادی' اور 'چائے کی پیالی' پر چیخوف کا بہت گہرا اثر ہے۔ حتیٰ کہ اوّل الذکر افسانہ تو سراسر چیخوف کے 'School Mistress' کے زیر اثر لکھا گیا معلوم ہوتا ہے۔

اردو نثر کی اسلوبیاتی روایت پر بات کرتے ہوئے عسکری صاحب نے اپنے دو اور مضامین (1) 'قحطِ افعال' اور (2) 'ادب میں صفات کا مسئلہ' میں بھی اسی نکتہ نظر کے تحت بات آگے چلائی ہے۔ لیکن شاید یہ اعتراضات اردو ترجمے کی روایت کے ضمن میں اتنی اہمیت کے حامل نہیں، جس قدر کہ اردو نثر کی مجمل اسلوبیاتی روایت کے باب میں اہم ٹھہرتے ہیں۔

مجموعی طور پر دیکھیں تو پریم چند کے فوراً بعد مسز عبدالقادر اور حجاب امتیاز علی (حجاب اسماعیل) کے افسانوں میں ایڈگر ایلن پو کے زیر اثر تحیر اور اسرار کی جو انوکھی فضا بندی دیکھنے میں آتی ہے وہ تکنیکی اور موضوعی حوالوں کے ساتھ اسلوبیاتی سطح پر بھی خاصے کی چیز ہے جبکہ مجنوں گورکھپوری کے افسانے جہاں اسلوبیاتی سطح پر 'فکر محض' کی زبان کو اردو میں پہلی بار متعارف کروانے کے سلسلے میں

یادگار ہیں، وہیں پر ان کی 'گہری سنجیدگی' اور 'محسوسات کے بیان پر قدرت' انگریزی ادبیات سے گہرے شغف پر دال ہے۔

اسی طرح انتظار حسین کا داستانوی پس منظر کے ساتھ لکھا ہوا افسانہ 'کایا کلپ' اپنے اختتامیہ میں فرانز کافکا کے افسانے 'Metamorphosis' کے جرمن زبان سے انگریزی ترجمے 'Metamorphosis' کے زیر اثر لکھا گیا ہے، جسے پینگوئن برطانیہ نے شائع کیا۔

انتظار حسین ہی کے مشہور افسانے 'آخری آدمی' پر آئینسکو (Ionesco) کے شہرہ آفاق ڈرامے 'گینڈے' (Rhinoceros) کی پرچھائیں صاف دکھائی دیتی ہے۔

اس ذیل میں انیس ناگی کا ناول 'دیوار کے پیچھے' خصوصی طور پر قابل ذکر ہے۔ انیس ناگی یہ ناول لکھنے سے پہلے 'Le Mythe de sisyphe' یعنی 'سیسیفس کی کہانی' از البیر کامیو کا ترجمہ کر چکے تھے، اور یہی وجہ ہے کہ ان کے ناول پر البیر کامیو کے 'فلسفۂ لایعنیت' کی چھاپ اس قدر گہری ہے کہ 'دیوار کے پیچھے' کے مرکزی کردار کا جنم کامیو کی 'لایعنی موت' سے ہوا ہے۔

کامیو کی تحریروں سے ایک دو اقتباسات دیکھتے چلیے:

ناول 'دیوار کے پیچھے' اسی نوع کی داخلی خود کامیوں سے تکمیل پاتی ہے اور یوں اثر پذیری کی تمام تر صورت احوال کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

1 What is happiness other than the simple harmony between the being and the existence he leads?

2. For myself I do not want to tell a lie before this world, or that some one should tell a lie to me

4 جنوری 1960ء کو پیرس ریڈیو کی معمول کی نشریات کو روک کر یہ اعلان کیا گیا تھا:

''البیر کامیو مر گیا ۔ جو لایعنیت کے بارے میں گفتگو کرتا تھا۔ اب لایعنی موت سے ہمکنار ہو گیا۔'' واضح رہے کہ وہ پیرس جانے کے لئے اپنے پبلشر Micheal Gallimard کی کار میں سوار جا رہا تھا کہ Villebievin کے قریب حادثے کا شکار ہو گیا۔ اس کی جیب سے اسی سفر کے لئے پیرس تک کا خریدا گیا ریل کا ٹکٹ برآمد ہوا۔

کافکا، آئنسکو اور کامیو کی طرح سارتر نے بھی نئے افسانہ نگاروں کو متاثر کیا۔

سچ پوچھیے تو بعض اوقات سرقہ کا گماں ہوتا ہے۔ ہم اسے توارد کہہ لیں، لیکن محض دو ایک مثالیں دیکھتے چلیے:

1۔ ''میں نے دانتوں کو باہم بھینچنے کی کوشش کی اور میری مٹھیاں اس کوشش میں دکھنے لگیں، مگر اوپر تلے کے دانت ایک دوسرے سے جدا ہی رہے۔ آخر میں نے جیب سے وہ شیشی نکالی اور ایک گولی منہ میں رکھی۔ مجھے معلوم تھا کہ میرے اندر ایک ہزار پایۂ پل رہا ہے۔ لمبے لمبے پنجوں والا کیڑا، جو رفتہ رفتہ اپنی بے شمار شاخیں پھیلا رہا ہے، میری رگوں میں گاڑ رہا ہے۔''

(افسانہ: ''ہزار پایۂ'' از خالدہ اصغر (خالدہ حسین) مطبوعہ سویرا۔ لاہور)

اب مندرجہ ذیل ٹکڑا ملاحظہ ہو:

And somebody else will feel something scratching inside his mouth. And he will go to a mirror, open his mouth, and his tongue will have become a huge living centipede, rubing its legs together

and scraping his palate. He will try to spit it out, but the centipede will be part of himself and he will have to tear it out with his hands.

('Nausea' by Jean-Paul Sartre)

2۔ ''دیکھا، میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ دورہ مجھ میں نہیں سمندر میں ہے۔ میرے اردگرد ہے۔ میں اس کے اندر ہوں۔''

(افسانہ: 'مرگی' از انور سجاد، مشمولہ: ''چوراہا''۔ص72)

اب درج ذیل ٹکڑا ملاحظہ ہو:

The Nausea is not inside me, I can feel it over there on the walls, on the braces everywhere around me – it is I who are inside it.

('Nausea' by Jean-Paul Sartre)

یہ تو ہوئیں اثر وقبول کی چند ایسی مثالیں جن پر چربہ کا گمان ہوتا ہے۔ لیکن جہاں تک اسلوبیاتی سطح پر ردّ قبول کا معاملہ ہے تو ہمارے ہاں کے مترجمین نے ترجمہ کرتے ہوئے ہمیشہ 'روانی' اور 'سلاست' کی ہی تمنا کی ہے، اور ہمارے اکثر ناقدین نے اسی 'روانی' اور 'سلاست' کو ترجمے کی خوبی گنوایا ہے۔

محمد حسن عسکری اس باب میں کہتے ہیں:

صرف روانی کہہ دینے سے کام نہیں چلتا۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیا چیز رواں ہے اور اس کی رفتار اپنی نوعیت کے اعتبار سے کس قسم کی ہے اور پھر رواں ہے تو کس جگہ۔ سیدھے سادے ابتدائی جذبات کی رفتار اور ہو گی 'پیچیدہ تجربات کی اور' پھر جب خیال اور جذبہ مل جائے تو اور۔ ان سب سے ایک ہی قسم کی روانی طلب کرنا تخیق کا گلا گھونٹنے کے برابر ہے۔

(''کچھ اردو نثر کے بارے میں'' مشمولہ: ''ستارہ یا بادبان'' ص: 157)

بڑا مترجم تو بڑی ترقی یافتہ زبانوں سے ترجمہ کرتے وقت یہ کوشش کرتا ہے کہ اس کی غریب زبان کے رہے ہوئے کھانچے بھر جائیں۔ بالکل ایسے ہی، جیسے محمد سلیم الرحمٰن نے (انگریزی کی معرفت ہی سہی) 'اوڈیسی' اور محمد حسن عسکری نے 'مادام بواری' کو ترجمہ کرتے وقت گنجلک اور طویل جملوں کو اردو جیسی بے مایہ زبان میں منتقل کرنے کا جتن کیا ہے، یا محمد حسن عسکری نے فرانسیسی سے ستاں دال کے 'سرخ و سیاہ' کی طوالت اور خشونت کو قرینے کے ساتھ اردو میں سمونے کا کام کیا۔

اچھے ترجمے کی بڑی خوبیاں تو یہی ہیں کہ اصل متن کے جملوں کی ساخت اور لفظوں کی نشست تک اپنے مکمل مزاج کے ساتھ منتقل ہو۔ جبکہ ہمارے ہاں عام طور پر 'چھوٹے چھوٹے' اور 'رواں جملوں' کی تحسین بیجا کے سبب مترجمین نے دوسری زبانوں کے پیچیدہ اور طویل جملوں کو بھی دو دو تین تین 'چھوٹے' اور 'رواں' جملوں میں بانٹ کر ترجمہ کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ اس سے ہوا یہ کہ اس پیچیدہ اظہار کا لطف جاتا رہا جو مصنف کی منشاء اور عزیز ترین متاع تھی۔

حیران کن بات یہ ہے کہ ہمارے بیشتر مترجمین نے اس نوع کے تجربات سے گزرتے وقت یہ نہیں سوچا کہ اردو نثر کا بڑا مسئلہ تو 'طویل اور پیچیدہ جملہ' لکھنے کا ہے۔ اور اگر کسی ترقی یافتہ زبان کے فن پارے میں تخلیق کار نے پیچیدہ تر احساسات و جذبات کو

لفظوں میں منتقل کرتے وقت یہ کارنامہ انجام دیا ہے، تو کوشش کر کے اسے انہی قواعد وضوابط کے ساتھ اردو میں کیوں نہ منتقل کر لیا، کہ اس سے ہماری زبان میں بھی اسلوبیاتی سطح پر کوئی نئی راہ سوجھنے کا امکان پیدا ہوتا۔ یہ اس کے باوجود ہوا کہ اردو نثر میں گنجلک تجربات اور پیچیدہ جذبات کو سہارنے کی قوت نہ ہونے کے برابر ہے۔ 'اور'، 'اگر'، 'لیکن' وغیرہ لگا کر جملوں کو جوڑتے چلے جانے سے بڑا جملہ نہیں بنتا ہے۔ بقول عسکری صاحب:

بڑا جملہ تو وہ ہے، جس کی نشوونما اپنے اندر سے ہو۔ (کچھ اردو نثر کے بارے میں)

تخلیقی نثر اور تخلیقی ترجمہ ایک سطح پر آ کر ایک جیسی خصوصیات کو اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں۔ جبکہ مجمل طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے بیشتر مترجمین نے 'سلاست' اور 'روانی' کے جوش میں اس طرف مناسب توجہ نہیں کی۔ جس کی وجہ سے ہماری نثر نے ترجمے کے اس عظیم جوکھم سے نبرد آزما رہنے کے باوجود خاطر خواہ حد تک فائدہ نہیں اٹھایا۔

اردو کا پہلا مترجم کون؟ (سیّد محمد میر لکھنوی)

مغرب کی کسی بھی زبان سے اردو میں ترجمہ ہونے والی پہلی معلومہ مطبوعہ کتاب کون سی ہے اور اُس کا مترجم کون تھا؟

یہ سوال اکثر اٹھایا جاتا ہے اور اس حوالے سے کوئی شافی جواب دیتا نہیں۔ میری تحقیق کے مطابق علمی کتب میں انگریزی سے ترجمہ کردہ: 'بحر حکمت'، دُخان (Steam) سے متعلق ہے۔ جس کے مصنف پادری پرکنس تھے اور انہوں نے خود ہی اسے اردو میں ترجمہ کیا۔ اس کتاب کی کل ضخامت 58 صفحات ہے۔ مسیح الزماں ولد مولوی نور محمد نے یہ کتاب مطبع مسیحائی، کشمیری محلّہ، لکھنؤ سے 1214ھ مطابق 1798ء میں شائع کروائی۔ تفصیل کے لئے دیکھیے، باب ششم: 'چند لازوال تراجم' نمبر شمار:1

ہمارے ہاں ادبی تراجم کی تاریخ میں ''راسلس'' از ڈاکٹر سیموئل جانسن کے ترجمہ از سیّد محمد میر لکھنوی، مطبوعہ: 1839ء کی اہمیت اس اعتبار سے ہے کہ بلاکسی شک وشبہ یہ مغرب کی کسی بھی زبان سے اردو میں ہونے والا (کتابی صورت میں) یہ پہلا ادبی ترجمہ ہے۔ اس سے قبل ڈاکٹر جان گلکرسٹ نے اپنی کتاب ''ہندوستانی زبان کے قواعد''، مطبوعہ: کلکتہ: طبع اول: 1796ء میں ولیم شیکسپیئر کے دو ڈراموں ''ہملٹ'' اور ''ہنری ہشتم'' کے اقتباسات کا اردو ترجمہ پیش کیا تھا۔

''راسلس'' کے ترجمہ سے قبل سیّد محمد میر لکھنوی نے ریوری رنٹ چارلس کی کیمسٹری سے متعلق کتاب (مصنفہ 1818ء) کا ترجمہ چھ جلدوں میں کیا تھا جو 1828ء میں طبع ہوئی۔

ڈاکٹر محمد اسلم فرخی نے مشفق خواجہ کی نشان دہی پر ''قیصر التواریخ'' (مؤلفہ سیّد محمد میر لکھنوی) کے تقریظ نگار مہاراجہ دِگ بجے سنگھ کے تعارفیہ سے سیّد محمد میر لکھنوی کے متعلق ایک اقتباس فراہم کیا ہے جو درج ذیل ہے:

''سیّد کمال الدین حیدر حسنی الحسینی علوی نہاد، لکھنوی نژاد، متوکل برمشیت رب قدیر، عرف سیّد محمد میر، متکی کربلائے خدا بخش والی کہ مولد ومسکن آبائی ان کا خطہ بے خطائے لکھنؤ ہے اور دربار شاہی سے تعین عہد ہائے جلیلہ تزاید آبرو اور حکام حال میں بھی لحاظ عزت وتوقیر بلا گفتگو ہے اور یہ وفور لیاقت وقابلیت ذہن رسا کو ہمیشہ سن تمیز سے جستجو نے کوائف روزگار میں صرف کیا۔''

سلطنت اودھ کے سورج بنسی راجپوت مہاراجہ ڈِگ بجے سنگھ، سیّد محمد میر لکھنوی کے معاصر تھے، لیکن انہوں نے انشاء پردازی کے جوہر دکھاتے ہوئے صرف یہ بتایا کہ سید محمد میر کا اصل نام سیّد کمال الدین حیدر الحسنی (علوی) ہے۔ لکھنؤ کے قدیمی باشندے اور کربلائے خدا بخش لکھنؤ سے متعلق ہیں اور دربار میں عہدہ وعزت پائی ہے۔

ایک معاصر کے قلم سے یہ تعارف ناکافی ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ سیّد محمد میر لکھنوی کی ذات اور بطور مترجم/ مؤلف ان کی مساعی کا اندازہ لگانے کے ساتھ ساتھ آگرہ اسکول بک سوسائٹی کے کام اور زمانے کا تعین کیا جائے۔

لکھنؤ کے نواب سعادت علی خاں برہان الملک (1722ء تا 1739ء) علم دوست شخصیت تھے، ان کے قائم کردہ شاہی کتب خانے میں دیگر سلاطینِ اودھ خصوصاً غازی الدین حیدر اور نصیرالدین حیدر کی ذاتی دلچسپی سے تقریباً تین لاکھ کتب جمع ہوگئی تھیں۔ 1848ء میں ڈاکٹر اشپرنگر، کتب خانوں کی فہرست سازی کے لئے لکھنؤ پہنچا۔

ڈاکٹر اشپرنگر نے شاہی کتب خانے کے نوادر سے متعلق جو فہرست مرتّب کی تھی وہ کئی جلدوں میں تھی، جن میں سے صرف پہلی جلد (645 صفحات) 1854ء میں کلکتہ سے شائع ہو پائی اور باقی کام ضائع ہوگیا۔

شاہانِ اودھ کی علم دوستی کے اس پس منظر میں فورٹ ولیم کالج، کلکتہ کے زوال کے ساتھ لکھنؤ، اردو تراجم کا ایک اہم مرکز بن کر ابھرا۔ شاہِ اودھ غازی الدین حیدر (1814ء تا 1827ء) نے اپنے علاقے میں سائنٹیفک سوچ کو عام کرنے کی خاطر اسکول بک سوسائٹی قائم کی، جس کا مقصد لکھنؤ کے مدارس کے لئے ایسا نصاب تیار کرنا تھا جو یورپی دانش گاہوں کے ہم پلہ ہوا۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر ایک ایسی نصابی کمیٹی ترتیب دی گئی جو نصاب کے لئے انگریزی اور فرانسیسی نصابی کتب کا انتخاب کرتی اور اردو میں اسے ترجمہ کرنے کا فیصلہ صادر کرتی۔ اردو میں ترجمہ شدہ نصابی کتب کی طباعت کے لئے مطبع سلطانی، لکھنؤ قائم کیا گیا تھا۔

یورپ اور اہل یورپ سے دلچسپی کی وجہ چاہے کچھ بھی ہو۔ کہا جا سکتا ہے کہ مغربی زبانوں سے اردو میں علمی کتب کے تراجم کی اوّلین منظم انفرادی کوشش کا زمانہ غازی الدین حیدر ہی کا ہے۔

''رسالہ مقاصد العلوم'' از لارڈ بروہم مترجمہ: سیّد محمد میر لکھنوی، مطبوعہ: کلکتہ: طبع اوّل 1841ء کے دیباچہ (جسے ابتدائی یا صفحہ اوّل کی تحریر کہنا زیادہ مناسب ہوگا) کے مطابق سیّد محمد میر کا اصل نام سید کمال الدین حیدر اور عرفیت سیّد محمد میر الحسن الحسینی ہے۔

''قیصر التواریخ'' مؤلفہ سیّد محمد میر کے دیباچہ نگار مہاراجہ دگ بجے سنگھ کے مطابق انہیں لکھنوی دربار میں عہدہ اور عزت نصیب ہوئی لیکن ''راسلس'' اور ''قیصر التواریخ'' کے دیباچہ جات سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ سیّد محمد میر دراصل کون تھے اور کس بادشاہ کے دربار سے متعلق رہے، نیز انہیں دربار میں کس نوعیت کی عزت نصیب ہوئی۔ اس نوع کی تفصیلات کے لئے بھی ''رسالہ مقاصد العلوم'' کا ابتدائیہ از سید محمد میر راہنمائی کرتا ہے۔ سیّد محمد میر ''رسالہ مقاصد العلوم'' کے ابتدائیے میں لکھتے ہیں:

> حسب الحکم ابوالفتح معین الدین سلطان الزماں، نوشیرواں عادل محمد علی شاہ بادشاہ غازی، حسب فرمائش محکمہ اجلاس جنرل کمیٹی اسکول بک سوسائٹی کے، عاصی سراپا معاصی سید کمال الدین حیدر عرف محمد میر الحسن الحسینی نے زبان اردو میں ترجمہ کیا۔

اس تحریر سے معلوم ہوا کہ سیّد محمد میر نے لارڈ بروہم (Lord Brougham) کی کتاب: 'A Treatise On The Objects,

'Advantages And Pleasures of Science' کا ترجمہ بہ عنوان: ''رسالہ مقاصد العلوم'' ابوالفتح: معین الدین، سلطان الزماں، نوشیرواں عادل محمد علی شاہ بادشاہ غازی کے حکم پر محکمہ اجلاس جنرل کمیٹی اسکول بک سوسائٹی کے لئے کیا تھا۔

شاہ اودھ محمد علی شاہ کا پورا نام، مع القابات: نصیرالدولہ، فارس الملک، ابوالفتح معین الدین، سلطان الزماں، نوشیرواں عادل مرزا محمد علی خاں بادشاہ غازی، سپہدار جنگ تھا۔ محمد علی شاہ ابن سعادت علی خاں، شاہ اودھ نصیرالدین حیدر کی وفات کے بعد 8 جولائی 1837ء کو تریسٹھ برس کی عمر میں تخت نشیں ہوا۔ شاہِ اودھ محمد علی شاہ غازی کو علم دوستی اپنے والد نواب سعادت علی خاں برہان الملک سے ورثے میں ملی تھی اور ''رسالہ مقاصد العلوم'' کا ترجمہ از سید محمد میر اس علم دوستی کی یادگار ہے۔ محمد علی شاہ غازی کا زمانہ 8 جولائی 1837ء تا مئی 1842ء تک کا ہے۔

اب ملاحظہ ہو ''راسلس'' (ترجمہ از سید محمد میر) کے دیباچے سے اقتباس:

> ''عاصی کمال الدین حیدر عرف محمد میر حسنی الحسینی نے واسطے صاحبان عالی شان آگرہ اسکول بک سوسائٹی کے، تاریخ راسلس شہزادے کی کہ جسے ڈاکٹر جانسن صاحب نے بہ کمال فصاحت اور بلاغت تحریر کیا ہے اور صاحبان عالی شان بھی اس رسالے کو بہت عزیز رکھتے ہیں، زبان اردو میں ترجمہ کیا کہ صاحبان فہم و فراست کو تہذیب اخلاق بخوبی دریافت ہو۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''آگرہ اسکول بک سوسائٹی'' کیا تھی اور اس کے ''صاحبان عالی شان'' کون لوگ تھے۔ جن کے لئے شاہ اودھ کے حکم خاص کے تحت ترجمہ کیا جارہا ہے۔

اس کھوج میں نکلیں تو ذرا پیچھے ہٹ کر دیکھنا ہوگا۔ غازی الدین حیدر اور نصیرالدین حیدر کے رصد خانہ سلطانی کا مہتمم کرنل ولکاک تھا، جس کی زیرنگرانی اسکول بک سوسائٹی (اودھ) لکھنؤ اور اس کی ذیلی شاخ کے طور پر آگرہ اسکول بک سوسائٹی کام کررہی تھی۔ کرنل ولکاک کے ساتھ نصیرالدین حیدر کے ایک یورپی مصاحب ہلٹن نے اسکول بک سوسائٹی کے مترجمین کے کام کی نگرانی کا فریضہ انجام دیا۔

محمد علی شاہ غازی کے دور میں عہدہ ریزیڈنٹی پر کرنل جان لو مقرر ہوا۔ کچھ مدت جنرل کانفیلڈر اور اُس کے بعد 6 مئی 1842ء یعنی محمد علی شاہ غازی کی وفات تک کرنل جان لو اس عہدے پر مامور رہا۔ یوں محمد علی شاہ غازی کے عہد میں رصد خانہ سلطانی کے ساتھ اسکول بک سوسائٹی، لکھنو اور آگرہ کا انتظام و انصرام کرنل جان لو اور جنرل کانفیلڈر کے زیرنگرانی رہا۔ 1839ء میں ''صاحبان عالی شان'' سے مراد یہی دو حضرات ہیں جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی مجلس نظما (Court of Directors) کی زیرنگرانی اودھ میں قلعہ سینٹ جارج مدراس کے حسب منشا اسکول بک سوسائٹی کی نگرانی کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔

سیّد محمد میر لکھنوی کو لکھنوی دربار میں عہدہ اور عزت ملنے والی بات کی تصدیق شاہ نصیرالدین حیدر (1827ء تا 1837ء) کے مقرب خاص اور سیّد محمد میر لکھنوی کے سسر ظفر الدولہ کپتان فتح علی خاں سے متعلق محمد نجم الغنی خان رامپوری کے اس بیان سے ہوتی ہے:

> ظفر الدولہ کپتان فتح علی خان کے بڑے بیٹے محمد علی خان کا 'اقبال الدولہ' خطاب تھا اور عہدہ جرنیلی کی نیابت ان سے متعلق تھی جو کیواں جاہ کے پایہ نام تھا اور فتح علی خان کے دوسرے بیٹے کا خطاب مکرم الدولہ اور تیسرے کا خطاب امجد

> الدولہ تھا، ان دونوں کے متعلق پلٹنیں تھیں اور فتح علی خان کے یہ تین داماد تھے، ایک مرزا حسو، جن کے سپرد جلیبی توپ خانہ تھا، دوسرے میر علی اکبر پسر محمد شیر، یہ بائیس پلٹن کے مختار تھے اور تھوڑے سے سوار بھی ان کے ماتحت تھے، تیسرے محمد میر، یہ سادات باہرہ کے گھرانے سے تھے اور عدالت اُن کے سپرد تھی۔

اس بیان سے یہ طے پایا کہ سیّد محمد میر کا تعلق سادات باہرہ سے تھا، جو ''سیدان بادشاہ گر'' کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے سسرالی رشتہ دار اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ خود سیّد محمد میر، اودھ کی عدلیہ کے سربراہ تھے۔

یہاں مہاراجہ دگ بجے سنگھ کا انہیں قدیمی لکھنوی کہنا بھی ثابت ہوا اور کربلائے خدا بخش سے متعلق ہونا بھی۔ واضح رہے کہ لکھنو' کربلائے خدا بخش' شبیہ کربلا تھی، جسے سیّد محمد میر کے پُرکھے میر خدا بخش نے تعمیر کروایا تھا۔

محمد نجم الغنی خان رامپوری کے مطابق سیّد محمد میر کے بیٹے سلام اللہ خاں کی شادی تفضل حسین خاں کی بیٹی کے ساتھ ہوئی۔ واضح رہے کہ تفضل حسین خاں نے شاہ اودھ آصف الدولہ (1775ء۔ 1797ء) کے عہد حکومت میں ان کی نیابت کا فریضہ انجام دیا تھا۔

سیّد محمد میر لکھنوی کے بیٹے کی تفضل حسین خان کے ہاں شادی تک کے زمانی تسلسل کو سامنے رکھیں تو قیاس کیا جا سکتا ہے کہ سیّد محمد میر کو عدلیہ کی سربراہی نصیر الدین حیدر (1827ء تا 1837ء) کے زمانے میں تفویض ہوئی ہو گی جبکہ محمد علی شاہ غازی کے عہد تک دربار کے ساتھ یہ تعلق قائم رہا ہو گا۔

ترجمہ ''راسلس'' کے دیباچہ نگار پادری جان جیمز مور کے مطابق:

> 1۔''اپنے منشی کے بار بار اصرار پر مرتب نے بیتوں کے پیرائے میں چند ایک ضرب الامثال کے اندراج کی اجازت دے دی ہے۔'' (ترجمہ: محمد سلیم الرحمٰن)
>
> 2۔''مسودے پر نظر ثانی اور چھاپے خانے کے لئے پروفوں کی تصحیح کے دوران میں منشی عبارت کو بالعموم بلند آواز سے پڑھتا تھا اور کبھی ایسا نہ ہوا کہ قصے کا پرلطف موضوع اور مشرقی تشبیہات مشن کے سررشتے کے دیسی باشندوں اور مدرسے کے نوجوانوں کو اس جگہ کھینچ لانے میں ناکام رہی ہوں گی۔'' (ترجمہ: محمد سلیم لارحمٰن)

محولہ بالا نمبر 1، اقتباس سے معلوم ہوا کہ سیّد محمد میر (جنھیں مترجم کی بجائے مُرتب لکھا گیا ہے) کو ترجمہ کرنے کے دوران منشی کی سہولت حاصل تھی۔ یہ وہ سہولت ہے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے دورِ حکومت میں بہت بڑے عہدہ داروں کو حاصل تھی۔ فورٹ ولیم کالج میں پروفیسر اور اسسٹنٹ پروفیسر ہی اس سہولت کا فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ یوں محولہ بالا بیان کی مکرر تصدیق ہوتی ہے کہ سیّد محمد میر محض ایک مترجم یا منشی نہ تھے بلکہ ایک اعلا عہدہ دار تھے۔

محولہ بالا نمبر 2، اقتباس کے مطابق اسکول بک سوسائٹی آگرہ کا دفتر (جسے مشن کا سررشتہ لکھا گیا)، آگرہ اسکول بک سوسائٹی کے تحت کام کرنے والا مدرسہ اور سوسائٹی کی پریس (گرین وے پریس آگرہ) ایک ہی عمارت میں تھے۔ آخر الذکر اقتباس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آگرہ اسکول بک سوسائٹی، حکومت اودھ کے زیرِ انتظام تھی اور ''مشن'' کا لفظ اسکول بک سوسائٹی پر کمپنی بہادر کے اثر کا غماز ہے نیز پادری جان جیمز مور کی وہاں موجودگی اس بیان کی مکرر تصدیق کرتی ہے۔

پادری جان جیمز مور کے آخر الذکر بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چھاپے خانے کے لئے پروفوں کی تصحیح کرانے والے منشی محمد فتح

اللہ خان اکبر آبادی مشن پریس (گرین وے) آگرہ میں پادری جیمز مور کے منشی تھے جو بہت ممکن ہے اناجیل اور بائبل کے تراجم کے سلسلے میں مددگار ہوں۔ واضح رہے کہ بپٹسٹ پادری مشن کے لئے پنڈت مرتونجے ودیالنکار اور رام رام باسو نے پادری ولیم کیری اور مرزا فطرت دہلوی اور عبداللہ نے پادری ہنری مارٹن کی مدد کی تھی۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ آگرہ اسکول بک سوسائٹی نے آگرہ کے دیگر مدارس کی طرح مدرسۂ طبابت آگرہ (قیام 1845ء) کے لئے طِبّ کی کتابیں ترجمہ کروائی تھیں اور ترجمے کا دائرہ کار بہت پھیلا ہوا تھا۔

علامہ عبداللہ یوسف علی کے مطابق ایسٹ انڈیا کمپنی نے لارڈ ایمہرسٹ (Lord Amherst) کے دور میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ ''یورپ میں تصنیف شدہ سائنس کی کتابوں کا عربی اور مشرقی زبانوں میں ترجمہ کرنے کے لئے قابل مستشرقین کو مقرر کیا جائے۔ اس میں سخت نقصان کے ساتھ ناکامیابی ہوئی۔ ترجمے پر 16 روپے فی صفحہ خرچ ہوتے تھے، پھر اسے نہ تو طالب علم سمجھ سکتے تھے نہ معلم۔ چنانچہ تجویز کیا گیا کہ مترجم ہی کو اپنے ترجمے کا مطلب سمجھانے کے لئے ملازم رکھا جائے اور اس پر مزید تین سو روپیہ ماہوار خرچ ہو جاتا تھا۔'' (انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ''، ص: 158)

یوں کہا جا سکتا ہے کہ مدرسہ عالیہ، کلکتہ (قیام: 1780ء) اور فورٹ ولیم کالج کلکتہ (قیام: 10 جولائی 1800ء) کے بعد سائنٹیفک سوسائٹی لکھنؤ (قیام: 1831ء) کی ذیلی شاخ کے طور پر آگرہ اسکول بک سوسائٹی مغرب سے علمی و ادبی تراجم کے باب میں قدیم ترین ادارہ ہے جو قلعہ سینٹ جارج، مدراس اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی مجلس نظما (Court of Directors) کے احکامات کا پابند تھا۔

سیّد محمد میر نے ''قیصر التواریخ'' کی تالیف کے علاوہ اسکول بک سوسائٹی لکھنؤ/ آگرہ کے لئے انیس کتب کے انگریزی سے تراجم کیے۔ جن میں سے 12 کتابی صورت میں مطبوعہ ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ ''تواریخ راسلس شہزادہ حبش کی'' مصنفہ ڈاکٹر سیموئل جانسن:

ترجمہ: سیّد محمد میر برائے آگرہ اسکول بک سوسائٹی آگرہ: گرین وے (مشن) پریس، طبع اوّل: 1839ء

کوائف: ڈاکٹر سیموئل جانسن کی کتاب ''راسلس'' برطانیہ سے پہلی بار 1759ء میں شائع ہوئی تھی۔ سیّد محمد میر نے اپنے ایک منشی کی مدد سے (جو بہت ممکن ہے محمد فتح اللہ خان اکبر آبادی ہو) ترجمہ مکمل کیا۔ ترجمے کی تصحیح پادری جان جیمز مور نے محمد فتح اللہ خان اکبر آبادی کے ساتھ مل کر کی اور یہ کتاب پادری جان جیمز مور کے ہی اہتمام سے شائع ہوئی۔

کتاب کے دوسرے ایڈیشن مطبوعہ مطبع سلطانی لکھنؤ 1839ء کا حوالہ مختلف فارسی کتب میں ملتا ہے جس میں اس کتاب کا نام ''قصہ راسلس ولایت حبش کے شہزادے کا'' درج ہے۔ ڈاکٹر محمد اسلم فرخی نے مولانا حامد حسن قادری مؤلف ''داستانِ تاریخ اردو'' کے حوالے سے اس کتاب کے ایک اور ترجمے از عنایت اللہ دہلوی، کی خبر دی ہے۔ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ مولوی عنایت اللہ دہلوی کا ترجمہ کتابی صورت میں کبھی شائع نہیں ہوا، البتہ ایک ادبی جریدے میں یہ ترجمہ ضرور نظر سے گزرا۔

''راسلس'' نمونہ عبارت: (ترجمہ از سیّد محمد میر لکھنوی)

شہزادے نے استفسار کیا کہ اہل یورپ کس وجہ سے اس قدر صاحب قوت اور ذی شوکت ہیں، اور کیوں ایسا آسانی سے ایشیا اور ولایت افریقہ میں تجارت و فتح یابی کے واسطے آتے جاتے اور کامیاب ہوتے ہیں۔ کیا اہل ایشیا اور

افریقہ ان ملکوں کے کناروں پر نہیں جاسکتے۔ کس لئے کہ وہ ہوا جو انہیں پھیر لے جاتی ہے وہی ہمیں بھی وہاں لے جائے گی۔ املاک نے گزارش کی کہ دے ہم سے بڑھ کے صاحب قوت و استعداد ہیں۔ کس واسطے کہ زیادہ تر عاقل و ہوشیار ہیں اور دانائی ہمیشہ نادانی پر غالب ہوتی ہے۔ جس طرح سے انسان حیوانات کا حاکم ہے۔ لیکن یہ کہیے کہ ان کی عقل ہماری خردمندی پر کیوں مزید فوقیت رکھتی ہے، مجھے اس کا سبب معلوم نہیں سوائے اس کے کہ شائد خدا کی مرضی ہو جو تمہاری ہماری فہم و فراست سے دور ہے۔

کتاب کے اصل متن کا ترجمہ سے موازنہ کرنے کے بعد محمد سلیم الرحمٰن لکھتے ہیں:

پادری جون جمس مور نے اپنے پیش لفظ میں تسلیم کیا ہے کہ ترجمہ اغلاط سے خالی نہیں۔ غلطیاں تھوڑی ہوں تو مضائقہ نہیں، لیکن مترجم نے جابجا ٹھوکریں کھائی ہیں۔ بعض جگہ پورے کا پورا جملہ مترجم یا مصلح کے پلے نہیں پڑا۔ بعض جملے اور اسمائے صفت ترجمہ ہونے سے رہ گئے ہیں۔ پتا نہیں، یہ بھول چوک کا نتیجہ ہے یا دیدہ دانستہ ترجمہ نہیں کیا گیا۔ کم از کم ایک جگہ اپنی طرف سے عبارت بڑھا دی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سیّد محمد میر کو انگریزی پر کوئی خاص عبور نہ تھا اور پادری مور کو اردو ٹھیک طرح نہ آتی ہوگی۔ ترجمے کی تصحیح پر بھی خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔

تاہم ان مقامات کو چھوڑ کر، جہاں مترجم کی کم فہمی یا کج فہمی کی وجہ سے مطلب غتربود ہو گیا ہے۔ ترجمہ آسانی سے پڑھا جاتا ہے۔ اس کی خامیاں اس وقت نمایاں ہوتی ہیں جب اصل سے موازنہ کیا جائے۔ کتاب کی تاریخی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ اردو میں شاید پہلی بار انگریزی ادب کی کی معروف کتاب کا ترجمہ کیا گیا۔'' (قومی زبان، کراچی، مئی 1988ء)

واضح رہے کہ ''راسلس'' ڈاکٹر سیموئل جانسن کی ایک ایسی تحریر ہے جسے اس نے انتہائی کسمپرسی کے عالم میں اپنی والدہ کی تجہیز و تکفین کی خاطر، محض چند گھنٹوں میں قلم بند کیا اور اسے اردو میں پہلی بار ترجمہ ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اس کے چالیس برس بعد محمد حسین آزاد نے اپنی کتاب نیرنگ خیال (دو جلدیں) میں ڈاکٹر جانسن کے سات مضامین کا آزاد ترجمہ کیا تھا۔

1۔ ''نیرنگ خیال'' جلد اوّل مطبوعہ: لاہور، مفید عام پریس، طبع اوّل: 1880ء میں ڈاکٹر جانسن کے چھ مضامین کا ترجمہ شامل ہے۔

بعنوان: ''آغاز آفرینش میں باغ عالم کا کیا رنگ تھا اور رفتہ رفتہ کیا ہو گیا۔'' 1. An Allegorical History of rest and Labour."

بعنوان: ''سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ۔'' 2. "Truth, "Falsehood and Fiction, an Allegory."

بعنوان: ''گلشنِ اُمید کی بہار 3. "The Garden of Hope."

بعنوان: ''سیرِ زندگی'' 4. "The Voyage of life."

بعنوان: ''علوم کی بدنصیبی'' 5. "The Conduct of patronage."

بعنوان: ''علمیت اور ذکاوت کے مقابلے'' 6. "An allegory of wit and learning."

''نیرنگ خیال'' جلد دوم مطبوعہ: لاہور: وکٹوریہ پریس طبع اوّل: 1922ء میں ڈاکٹر جانسن کا اکلوتا مضمون: "An allegory of

"criticism" بعنوان: ''نکتہ چینی'' شامل ہے۔

2۔ ''رسالہ علوم طبیعہ'' نام مصنف ندارد/ ترجمہ: سیّد محمد میر: طبع اوّل: گرین وے پریس آگرہ سنہ نامعلوم لگ بھگ 29-1828ء

3۔ ''رسالہ ہیئت'' از ڈاکٹر ولسن، ترجمہ: سیّد محمد میر: طبع اوّل: گرین وے پریس آگرہ، لگ بھگ 29-1828ء

4۔ ''رسالہ دیگر ہیئت'' از ڈاکٹر برنگلی، ترجمہ: سیّد محمد میر: طبع اوّل: گرین وے پریس آگرہ، لگ بھگ 29-1928ء

5۔ ''رسالہ علم الکیمیا'' از ریوری رنٹ چارلس، ترجمہ: سیّد محمد میر: طبع اوّل: گرین وے پریس آگرہ 1828ء

کیمسٹری سے متعلق ریوری رنٹ چارلس کا یہ رسالہ اس کی ایک ضخیم کتاب کا پہلا حصّہ ہے۔ یہ کتاب برطانیہ، لندن سے پہلی بار 1818ء میں طبع ہوئی۔ رسالہ ''علم الکیمیا'' کا ایک اور ترجمہ ''رسالہ علم جرثقیل'' مدرسۂ فخریہ حیدر آباد کن کے لئے نواب محمد فخرالدین خان شمس الامراء نے کروایا تھا جس کے مترجمین میں میرامّن دہلوی، غلام محی الدین حیدر آبادی، مسٹر جونس اور موسیو ٹنڈرس شامل تھے۔''ستۂ شمسیہ'' سلسلے کی یہ پہلی جلد ہے جو حیدر آباد دکن کے سنگی چھاپہ خانے سے 1840ء میں شائع ہوئی۔

6۔ ''رسالہ علم مناظر'' از ریوری رنٹ چارلس، ترجمہ: سیّد محمد میر: طبع اوّل: گرین وے پریس آگرہ، 1820ء

اس رسالے کا دوسرا ترجمہ میر امّن دہلوی، غلام محی الدین حیدر آبادی، مسٹر جونسن اور موسیو تندوسی نے ''ستۂ شمسیہ'' سلسلے کی کتاب مطبوعہ: 1839ء کے لئے ''رسالہ علم انظار'' کے نام سے کیا تھا۔

7۔ ''رسالہ قوّت مقناطیس'' از ریوری رنٹ چارلس، ترجمہ: سیّد محمد میر: طبع اوّل: گرین وے پریس آگرہ: 1828ء

اس رسالے کا دوسرا ایڈیشن مطبع علوم دہلی سے 1850ء میں شائع ہوا۔ دہلی کالج والوں نے اس ترجمے کا نام تبدیل کر کے ''رسالہ مقناطیس'' کر دیا اور سرورق پر سیّد محمد میر کی بجائے ان کا اصل نام سید کمال الدین حیدر شائع کیا۔ عبارت درج ذیل ہے۔

''ترجمہ کیا ہوا سیّد کمال الدین حیدر لکھنوی کا گنج علوم مفیدہ سے۔''

سیّد محمد میر کے اس ترجمے کی ابتداء میں علم مقناطیس سے متعلق اصطلاحات کے مترادفات درج ہیں جیسے:

Artificial Magnet ....مقناطیس مصنوعی

Weak magnet ....ضعیف مقناطیس

Soft Iron ....کوفت پذیر لوہا

Fibre ....ریشہ

مترجم، اس کتاب میں علمی حلقوں کو آج بھی متاثر کرتا ہے۔ استقامت پذیر سوزن، نرم مقراضی فولاد اور مقناطیسی خطوط انحراف جیسے مترادفات آج بھی مقناطیس سے متعلق ترجموں میں دکھائی دیتی ہیں۔ پوری کتاب میں معدودے چند انگریزی الفاظ بجنسہ برتے گئے ہیں۔

ریوری رنٹ چارلس کی اس کتاب کا دوسرا ترجمہ ''رسالہ علم ہیئت'' کے نام سے میر امّن دہلوی، غلام محی الدین حیدر آبادی، مسٹر جونسن اور موسیو تندوسی نے ''ستہ شمسیہ'' سلسلے کی کتاب مطبوعہ 1840ء کے لئے کیا تھا۔

8۔ ''رسالہ علم الماء'' از ریوری رنٹ چارلس، ترجمہ: سیّد محمد میر لکھنوی، مطبع سلطانی: طبع اوّل: گرین وے پریس آگرہ 1828ء

اس کتاب کا دوسرا ترجمہ ''ستۂ شمسیہ'' سلسلے کی کتاب کے لئے ''رسالہ علم آب'' کے نام سے میر امّن دہلوی، غلام محی الدین حیدر آبادی، مسٹر جونس اور موسیو تنڈرس نے کیا تھا جو حیدر آباد دکن کے سنگی چھاپہ خانے سے 1838ء میں طبع ہوا۔

9۔ ''اصول منطق'' نام مصنف ندارد: ترجمہ: سیّد محمد میر، طبع اوّل: دہلی: مطبع العلوم: 1844ء دہلی کالج سے شائع ہونے والی اس کتاب کے 53 صفحات ہیں۔

10۔ ''رسالہ علم الہوا''، از ریوری رنٹ چارلس، ترجمہ: سیّد محمد میر: لکھنؤ: طبع سلطانی طبع اوّل: گرین وے پریس آگرہ: 1828ء
اس کتاب کا دوسرا ترجمہ ''رسالہ علم ہوا'' کے نام سے میر امّن دہلوی، غلام محی الدین حیدر آبادی، مسٹر جانس اور موسیو تندوسی نے ''ستۂ شمسیہ'' سلسلے میں کیا تھا جو حیدر آباد دکن کے سنگی چھاپہ خانے سے 1839ء میں طبع ہوا۔

11۔ ''رسالہ علم الحرارۃ''، از ریوری رنٹ چارلس، ترجمہ: سیّد محمد میر: لکھنؤ: مطبع سلطانی طبع اوّل: گرین وے پریس آگرہ: 1828ء
اس کتاب کا دوسرا ترجمہ ''رسالہ علم برق'' کے نام سے میر امّن دہلوی، غلام محی الدین حیدر آبادی، مسٹر جانس اور موسیو تندوسی نے ''ستۂ شمسیہ'' سلسلے میں کیا تھا جو حیدر آباد دکن کے سنگی چھاپہ خانے سے 1839ء میں طبع ہوا۔

12۔ ''رسالہ مقاصد العلوم''، از لارڈ براہم، ترجمہ: سیّد محمد میر: 1841ء (بحوالہ: الفہرست، مرتبہ: سجّاد مرزا بیگ)
یہ رسالہ Lord Brogham کی کتاب:
"A Treatise on the objects, advantages and pleasures of science" کا ترجمہ ہے۔ طبع دوم کے لئے اس کا نام ''سائنس کے فوائد و اعمال'' کر دیا گیا تھا، یہ ایڈیشن 1843ء کا ہے۔

13۔ ''قیصر التواریخ'' (دو جلدیں)، مؤلفہ: سیّد محمد میر: طبع اوّل: مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ و کانپور۔ کتاب کا دیباچہ مہاراجہ دگ بجے سنگھ کا ہے۔

ڈاکٹر محمد اسلم فرخی کے مطابق کتب خانہ خاص، انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی میں پہلی جلد کے تیسرے ایڈیشن کے دو نسخے محفوظ ہیں جو نومبر 1907ء میں کانپور سے طبع ہوئے تھے۔ جلد دوم (طبع دوم) 1896ء کی ہے۔

سیّد محمد میر لکھنوی کے اس مطبوعہ کام کے علاوہ سات غیر مطبوعہ مسودات بھی تھے جن کی اطلاع قدیم فہارسِ کتب سے ملتی ہے۔ قیاس غالب ہے کہ سیّد محمد میر کے علمی کام کو جب دہلی کالج سے دوبارہ شائع کیا جا رہا تھا تو بقیہ غیر مطبوعہ مسودات بھی ان کی تحویل میں ہوں گے۔ صد افسوس کہ سلطنت اودھ کے نامناسب انجام اور دہلی کالج کے کتب خانے میں آتش زدگی (1858ء) نے وہ تمام آثار مٹا کر رکھ دیئے جن سے غیر مطبوعہ کام کی نشان دہی ممکن تھی۔

توضیحی کتابیات

1700 سے زائد ترجمہ شدہ کتب کا اندراج
مع 140 اہم ادبی تراجم کا تفصیلی تعارف

O

کتاب کی موجودگی سے متعلق اِشارہ:

مثال کے طور پر 'کتابیات' میں نمبر شمار: 1469 کے تحت ڈینس وہیٹلی کے ناول: ''گردباد'' مترجم: مظہر الحق کے تعارف کے آخر میں (حوالہ: 9) درج ہے۔ (حوالہ: 9) سے مراد ہے: یہ کتاب ابوالکلام آزاد لائبریری، جامعہ علی گڑھ (بھارت) میں موجود ہے۔ اسی طرح حوالہ نمبر کے تحت مآخذ جاننے کے لئے کتاب کے آخر میں دیکھیے: ''فہرست مآخذ بابت: توضیحی کتابیات'' صفحہ: 749

باب ہشتم

توضیحی کتابیات / الفہرست

مع 140 اہم ادبی تراجم کا تفصیلی تعارف

ماٰخذ و حوالہ جات کے لئے کتاب کے آخر میں دیکھیے: ''فہرستِ ماٰخذ'' صفحہ: 749

آپ بیتی

1۔ اینا کیسانونا: نئی صبح

ترجمہ: ل۔احمد (لطیف الدین احمد)

بمبئی: قومی دارالاشاعت

ص: 174

خودنوشت۔ روسی خاتون کی خودنوشت کا براہ راست روسی زبان سے ترجمہ (حوالہ: 16،12)

2۔ ایوب خان، فیلڈ مارشل جنرل محمد: جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

ترجمہ: غلام عباس

لاہور: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، محمود پرنٹنگ پریس 1967ء

ص: 430

خودنوشت۔ سابق صدر پاکستان کی آپ بیتی 'Friends, Not Masters' کا ترجمہ۔ اصل کتاب لکھنے میں ایوب خان کو معروف بیوروکریٹ الطاف گوہر کی معاونت حاصل تھی۔ (حوالہ: 16،2)

یہ 'Friends, Not Masters' کا ترجمہ ہے۔ نیم سیاسی و نیم ادبی سوانح عمری ہے، جس میں ہندو پاک سیاست کا پس منظر دلچسپ ہے اور زبان کی دروبست خصوصی توجہ چاہتی ہے۔ زبان و بیان کی انہی خوبیوں کے باعث شکوک و شبہات نے سر اٹھایا اور

اصل مصنف کی تلاش شروع ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ بیان جنرل محمد ایوب خان کا ہے اور اسے احاطۂ تحریر میں الطاف گوہر لائے۔

کتاب کا ترجمہ مشہور افسانہ نگار غلام عباس نے کیا ہے۔

ترجمے سے دو ایک مثالیں دیکھتے چلیے:

1. 'Friend to bring about a clash'

(ص 181۔ باب 10 آٹھواں حصہ)

'سر پھٹول کرانے کی کوشش بھی کی

2. 'Maj Dane was very upset.'

(ص 8۔ باب اول)

میجر ڈین سٹپٹائے

3. 'I was teken aback'

(ص 8۔ باب اول)

'میں بھونچکا رہ گیا'

4. 'Locked in confrontation.'

(ص 13۔ باب اول)

'دست وگریباں کر رکھا تھا'

3۔ بکرٹی، واشنگٹن: حبشی غلام کی سرگزشت

ترجمہ: رام داس

- لاہور: کپور آرٹ پریس، 1920ء

خودنوشت۔

انگریزی سے ترجمہ: ایک ترجمہ 'آزادی کی جنگ' کے عنوان سے 1936ء میں شائع ہوا۔ (حوالہ:۔2، 5)

4۔ بکرٹی، واشنگٹن: آزادی کی جنگ:

ترجمہ: غلام حیدر خان

لاہور: نگینہ پریس، طبع اوّل: 1936ء

ص: 239

خودنوشت۔ ایک امریکی حبشی واشنگٹن بکرٹی کی آپ بیتی۔

ایک ترجمہ 'حبشی غلام کی سرگزشت' کے نام سے 1920ء میں شائع ہوا۔ (حوالہ: 14، 16)

5۔ تانگ، لیوشا: سرخ چین سے فرار:

ترجمہ: ن۔ن

دہلی: جید پریس، س۔ن

ص: 258

آپ بیتی۔ چینی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ

ایک ترجمہ 'رہائی' کے نام سے بشیر حسین ضیائی کا ملتا ہے۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

6۔ تانگ، لیوشا: رہائی

ترجمہ: بشیر حسین ضیائی

لاہور: اردو مرکز، س۔ن

آپ بیتی: چینی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ

ایک ترجمہ 'سرخ چین سے فرار' کے نام سے دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔ (حوالہ: 2، 10)

7۔ ٹالسٹائی، کاؤنٹ لیو: ٹالسٹائی کی کہانی

ترجمہ: شیو چرن لال، بابو

خودنوشت۔ روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 4)

8۔ ٹالسٹائی، کاؤنٹ لیو: ٹالسٹائی کی کہانی

ترجمہ: یزدانی جالندھری

لاہور: نرائن دت سہگل، 1941ء

خودنوشت۔ یہ کتاب حال ہی میں فکشن ہاؤس، لاہور نے شائع کی ہے لیکن نام بدل کر، خدا جانے کیوں؟ اب نام ''ٹالسٹائی کی آپ بیتی'' کر دیا گیا ہے۔ (حوالہ: 7)

9۔ ٹالسٹائی، کاؤنٹ لیو: سرگزشت ٹالسٹائی

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: مرکنٹائل پریس، س۔ن

ص: 158

آپ بیتی۔ روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ: (حوالہ: 2، 10، 11)

10۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: میرا لڑکپن

ترجمہ: شیر محمد اختر،

لاہور: لاجپت رائے اینڈ سنز، س۔ن

ص: 160

آپ بیتی۔ انگریزی سے ترجمہ۔ نوبیل انعام یافتہ مصنف کی آپ بیتی۔ (حوالہ: 2، 10، 11، 12، 13، 16)

11۔ جے پرکاش نرائن: جدوجہد

ترجمہ: یوسف مہر علی

لاہور: مرکنٹائل پریس، 1946ء

ص: 279

خودنوشت۔ بھارتی سیاستدان جے پرکاش نارائن کی آپ بیتی (حوالہ 14، 16)

12۔ چسمین، کیرل: جرم سے پھانسی تک:

ترجمہ: عابد رشید،

لاہور: نیشنل پبلشرز

خودنوشت۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 13، 16)

13۔ چیخوف: آپ بیتی

ترجمہ: مشتاق بھٹی

لاہور: سنگم پبلشرز، 1946ء

آپ بیتی۔ روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ جس کا ایک ایڈیشن کوآپریٹو کیپیٹل پرنٹنگ پریس لاہور نے بھی شائع کیا۔ ایک غیر مطبوعہ ترجمہ ساحر لدھیانوی کا نیا ادارہ لاہور کی ملکیت ہے۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

14۔ چیخوف: میری زندگی

ترجمہ: ساحر لدھیانوی

لاہور: قلمی، مملوکہ: نیا ادارہ سرکلر روڈ،

ص: 160

آپ بیتی۔ روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ ایک ترجمہ مطبوعہ صورت میں بھی ملتا ہے جو مشتاق بھٹی نے کیا۔ (حوالہ: 2)

15۔ ڈنکن، آیسا ڈورا: آیسا ڈورا

ترجمہ: فارغ بخاری و محمود رضوی

لاہور: آئینہ ادب، 1961ء

آپ بیتی۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

16۔ راجندر پرشاد، ڈاکٹر: اپنی کہانی

ترجمہ: گوپی ناتھ امن

دہلی: ساہتیہ اکیڈمی، 1961ء

ص: 1102

آپ بیتی۔ انگریزی سے ترجمہ۔ اس خودنوشت میں تحریک آزادی سے متعلق خاصا مواد موجود ہے۔ (حوالہ: 2، 9)

17۔ روز ویلٹ: روز ویلٹ

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، 1940ء

آپ بیتی۔ انگریزی سے ترجمہ۔ امریکی صدر کی خودنوشت۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

18۔ سکالر، جوزف: ورکٹا

ترجمہ: سنہچ، ایس۔ ایم

دہلی: تاج آرٹ پریس، س۔ن

ص: 154

آپ بیتی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد مشرقی جرمنی میں مصنف کی گرفتاری اور قید و بند کے حالات۔ انگریزی سے ترجمہ

(حوالہ: 2، 10، 11)

19۔ سولژے نیتسن، الیگزنڈر: گلاگ مجمع الجزائر (حصہ سوم و چہارم)

ترجمہ: مظفر حنفی

نئی دہلی: نیشنل اکاڈمی۔ انصاری مارکیٹ دریا گنج، طبع اوّل: 1979ء

ص: 624

نوبل انعام یافتہ مصنف کی یادداشتوں پر مشتمل داستان جو روس کی جبری مشقت سے متعلق معلومات فراہم کرتی ہے۔ حصہ سوم 22 ابواب اور حصہ چہارم 4 ابواب پر مشتمل ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ اس کتاب کے سبھی کردار اور واقعات حقیقی ہیں۔ سولژے نیتسن نے اس کتاب میں روس کے جبری مشقت کے نظام کے علاوہ دوسری جنگ عظیم کے اتحادیوں کے باہمی تضادات پر روشنی ڈالی ہے۔ (حوالہ: 2)

20۔ فلبرک، ہربرڈائے: میری مختلف زندگیاں

ترجمہ: ن۔ن

دہلی: جید برقی پریس، س۔ن

ص: 157

آپ بیتی۔ 'I Lead Three Lives' کا ترجمہ۔ (حوالہ:2،1)

21۔ فورڈ، ہنری: میری زندگی کی کہانی

ترجمہ: اُومادت بی۔اے، پنڈت

دہلی: کارونیشن پرنٹنگ ورکس

ص: 350

خودنوشت۔ 'My Life & Work' کا ترجمہ۔ (حوالہ:2،61)

22۔ کراوچنکو، وکٹر: آزادی یا موت

ترجمہ: ن۔ن

کراچی: مطبوعات کامل، محمدی پریس، 1951ء

ص: 271

آپ بیتی۔ ایک روسی افسر کی خودنوشت۔ غالباً انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 2،10،11،16)

23۔ کروچے: کروچے کی سرگزشت

ترجمہ: محمد علی صدیقی

کراچی: ادارۂ عصرنو، 42 ہمایوں کالونی کراچی 18۔ طبع اول 1979ء

آپ بیتی۔ اطالوی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ 2،10،11)

اس کتاب کو آر۔بی۔کالنگ وڈ نے پہلی بار انگریزی میں منتقل کیا۔ یہ ترجمہ آکسفرڈ یونیورسٹی سے 1927ء میں پہلی بار شائع ہوا۔ محمد علی صدیقی نے اسی انگریزی ترجمہ سے استفادہ کیا ہے۔

20 ویں صدی میں یورپی ادب نے جس اطالوی فلاسفر اور ادیب سے گہرا اثر قبول کیا وہ کروچے ہی ہے۔ خود اردو ادب میں عینی رومانیت اور جمالیات کے ساتھ ساتھ تجریدیت، ساختیاتی مطالعے اور ہیئت پسندی کے پس منظر میں مغربی ادب کے توسط سے کروچے کے اثرات کا مطالعہ بجائے خود دلچسپ ہے۔

کروچے نے یہ خودنوشت 1915ء میں لکھنی شروع کی تھی جو 1927ء میں انگریزی میں منتقل ہوئی جبکہ ہم چونسٹھ برس بعد محمد علی صدیقی کی معرفت براہ راست کروچے شناسی کی طرف آئے ہیں۔ محمد علی صدیقی صاحب نے اس فلسفیانہ نوع کی خودنوشت کو فکر محض کی زبان میں ترجمہ کرنے کا جتن کیا ہے، اور اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ کتابی صورت میں آنے سے پہلے صدیقی صاحب کا یہ ترجمہ 'افکار' کراچی بابت: مئی 1971ء تا جنوری 1972ء قسط وار شائع ہوتا رہا ہے۔

24۔ گاندھی، مہاتما: تلاشِ حق (2 جلدیں)

ترجمہ: ڈاکٹر سید عابد حسین

نئی دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ، طبع اوّل: 1938ء ص: 699

آپ بیتی۔ انگریزی سے ترجمہ۔ کتاب میں ہندوستان کی سیاسی تاریخ کو بھی مرتب کر دیا گیا ہے۔ یہی کتاب اب فکشن ہاؤس، لاہور نے شائع کی ہے۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

25۔ گاندھی، مہاتما: آپ بیتی

ترجمہ: حامد قریشی

لاہور: انڈین پرنٹنگ پریس، س۔ن

ص: 272

آپ بیتی۔ انگریزی سے ترجمہ۔ دوسری بار کتابستان اردو لاہور نے شائع کیا۔ (حوالہ 2، 10، 11)

26۔ گاندھی، مہاتما: طوقِ زنجیر

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: گیلانی الیکٹرک پریس، 1944ء

خودنوشت۔ انگریزی سے ترجمہ۔ پنجاب پبلشرز لاہور نے بھی ایک ایڈیشن شائع کیا۔ (حوالہ: 7)

27۔ گاندھی، مہاتما: جیل کی کہانی

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: پستک بھنڈار، س۔ن

آپ بیتی۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

28۔ گورکی، میکسم: گورکی کی آپ بیتی (3 جلدیں)

ترجمہ: اختر حسین رائے پوری، ڈاکٹر، ل۔ احمد اکبر آبادی

حیدر آباد دکن: انجمن ترقی اردو (ہند)، 1940ء

روسی زبان میں آپ بیتی کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ تیسری جلد 1945ء میں چھپی۔ یہ کتاب حال ہی میں فکشن ہاؤس، لاہور نے شائع کی ہے۔ (حوالہ: 2، 7، 8)

29۔ گورکی، میکسم: میں ادیب کیسے بنا؟

ترجمہ: محمد حسن عسکری

لاہور: الجدید، س۔ن

سوانحی یادداشت۔ انگریزی سے ترجمہ اصل کتاب روسی زبان میں ہے،ترجمہ لگ بھگ 1942ء میں طبع ہوا۔ (حوالہ 2)
یہ ایک سوانحی یادداشت کا ترجمہ ہے۔ اس کی اہمیت موضوعی اعتبار سے ہے اور جیسا کہ اس کے عنوان سے ظاہر ہے یہ تحریر خودنوشت سوانح عمری کی سی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ گورکی کی اصل تحریر میں بھی نثری اسالیب کے مسائل کا وہ ادراک دکھائی نہیں دیتا جو یہ تقاضا کرتا کہ یہ تحریر لازماً محمد حسن عسکری جیسا اہم مترجم ہی اردو میں منتقل کرے۔ چنانچہ ترجمے کی نوعیت بھی عسکری صاحب کے دیگر اہم ترجموں کی نسبت مختلف نظر آتی ہے۔ گورکی جیسے اہم نام کی خودنوشت ادیبوں اور عام قارئین کے لئے موضوعی اعتبار سے اہمیت رکھتی ہے، سو ہے۔

30۔ گورکی، میکسم: کڑوی کہانی:

ترجمہ: امیر اختر

دہلی: مکتبہ ضیاء ادب، کوچہ ماہر خان، 1954ء

ص: 183

آپ بیتی۔ گورکی کی ''G'Boss'' کا ترجمہ۔ ایک طرح سے یہ آپ بیتی اس دور کی جگ بیتی بھی ہے۔(حوالہ 2، 9، 16)

31۔ گورکی، میکسم: زندگی کی شاہراہ پر

ترجمہ: رضیہ سجاد ظہیر

لاہور: پیپلز پبلشنگ ہاؤس، س۔ن

آپ بیتی۔ 1868ء تا 1936ء تک کے زمانے میں گورکی کے لڑکپن اور جوانی کے ساتھ ادھیڑ عمری کے ایام کی تفصیل۔ یہ کتاب 'بچپن' اور 'منزل کی تلاش' کے سلسلے کی درمیانی کڑی ہے۔ انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ 2، 10، 11)

32۔ مسولینی: مسولینی کی آپ بیتی

ترجمہ: بادشاہ حسین، سیّد

حیدرآباد دکن: اعظم اسٹیم پریس، 1939ء

خودنوشت۔ اٹلی کے ڈکٹیٹر کی آپ بیتی۔ ایک ترجمہ اکرام قمر کا بھی ملتا ہے۔ (حوالہ 8)

33۔ مسولینی: مسولینی کی آپ بیتی

ترجمہ: شیخ اکرام قمر ہوشیار پوری

لاہور: پنجاب لٹریچر کمپنی

خودنوشت۔ اٹلی کے ڈکٹیٹر کی آپ بیتی۔ ایک ترجمہ۔ بادشاہ حسین کا بھی ملتا ہے جسے اس کتاب کا اوّلین ترجمہ کہنا چاہیے۔ (حوالہ 2، 7، 10، 11)

34۔ نپولین: نپولین بوناپارٹ شہنشاہِ فرانس

ترجمہ: محمد مشتاق حسین، گلزاری لال وگنگا پرشاد

لکھنؤ: نام مطبع ندارد، 1871ء

ص: 296

آپ بیتی۔ نپولین بوناپارٹ شہنشاہِ فرانس کی خودنوشت (حوالہ 1،2،5،14)

35۔ نکولس، بیورلی: اٹھارہ مہینے ہندوستان میں

ترجمہ: بشیر احمد انصاری

لاہور: نام مطبع ندارد

آپ بیتی۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2،10،11)

36۔ نہرو، پنڈت جواہر لال: میری کہانی (دو جلدیں)

ترجمہ: عابد حسین، (ڈاکٹر) سید

دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ، 1936ء

آپ بیتی۔ 1936ء تک کے سیاسی حالات کے ساتھ نہرو کی آپ بیتی۔ اردو ترجمے میں لالہ لاجپت رائے، حکیم اجمل خان اور ڈاکٹر انصاری جیسے مشاہیر کی تصاویر شامل کی گئی ہیں۔ یہی ترجمہ زمانہ بک ڈپو کانپور نے 1937ء میں شائع کیا۔ جید برقی پریس دہلی سے 1939ء میں طبع ہوا جس کی جلد اوّل 467 اور جلد دوم 548 صفحات پر مشتمل تھی۔ (حوالہ:2،4،7،14)

37۔ وجے لکشمی پنڈت: میری ڈائری

ترجمہ: راجندر

لاہور: جے ہند پبلشرز

ص: 14

خودنوشت۔ وجے لکشمی پنڈت کی نظر بندی 1942ء تا 1943ء کا روزنامچہ۔ انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 13، 14)

38۔ ہٹلر، اڈولف: میری جدوجہد

ترجمہ: شانتی نرائن

لاہور: الیکٹرک پریس، طبع اوّل: 1938ء

ص: 386

خودنوشت۔ یہ کتاب 1939ء تک انگریزی میں شائع ہو کر 26 لاکھ کی تعداد میں فروخت ہو چکی تھی۔ انگریزی میں چھپنے کے بعد ایک ماہ میں چھ ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ بک گئے۔ یہ ترجمہ نرائن دت سہگل لاہور نے بھی شائع کیا اس کتاب کا ایک ترجمہ

’تزکِ ہٹلری‘ کے نام سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس کتاب کا ایک ایڈیشن بک ہوم، لاہور نے بھی 2007ء میں اور ایک ایڈیشن فکشن ہاؤس، لاہور بھی لے آیا ہے۔ (حوالہ: 2،4،7،10،11)

39۔ ہٹلر، اڈولف: تزکِ ہٹلری

ترجمہ: ابراہیم علی چشتی، محمد

لاہور: پاکستان ٹائمز پریس، 1950ء

ص: 696

آپ بیتی۔ جرمن زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ اس کتاب کا ایک ترجمہ ”میری جدوجہد“ کے نام سے بھی ہوا ہے۔ یہی کتاب اب فکشن ہاؤس، لاہور نے بھی شائع کر دی ہے۔ (حوالہ: 2،10،11)

40۔ ہوتست خانم، مسز: امام غدر یعنی مسز ہوتست خانم انگلیسی کی دردناک سرگذشت

ترجمہ: سیّد ظفر احسن

لاہور: پنجابی پریس، 1923ء

ص: 172

1857ء کی ایک سرگزشت (آپ بیتی) (حوالہ: 11)

41۔ ہیلن کیلر: میری داستانِ حیات

ترجمہ: خادم محی الدین

لاہور: منظور عام پریس

ص: 224

خودنوشت۔ ہیلن کیلر کی آپ بیتی۔ اس ترجمے کو اردو اکیڈمی لاہور اور قومی کتب خانہ لاہور والوں نے بھی شائع کیا ہے۔ مصنفہ نابینا تھی جس نے ساری دنیا میں شہرت پائی۔ (حوالہ: 2،10،11،13،16)

O O O

افسانہ

42۔ آپ بیتیاں

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: کتابستان اردو، س۔ن

افسانہ: انگریزی سے افسانوں کا ترجمہ۔ (حوالہ: 7)

43۔ آسکر وائلڈ و دیگر: دھڑکتے دل

ترجمہ: اختر شیرانی

لاہور: نام مطبع: ندارد

افسانے۔ فرانسیسی، جرمنی، روسی اور انگریزی افسانہ نگاروں جیسے آسکر وائلڈ، موپاساں، آئیون بیون، گالزوردی اور لامرتین کی تحریروں سے انتخاب و ترجمہ۔ (حوالہ:2)

اس مجموعے میں بنگلہ اور فارسی افسانوں کے تراجم بھی شامل ہیں۔

ہمارے موضوع سے متعلق آسکر وائلڈ (بیوہ کا راز) موپاساں (مردہ عورت) آئیون بیون (پہاڑی کھیت میں) نامعلوم (ماں کا دل) موپاساں (آرزو) گالزوردی (سیب کا درخت) نامعلوم (پاسپورٹ۔ نپولین کی محبوبہ۔ شہنائی۔ مولسری کے پھول) لامرتین (جدائی۔ سرودِ عشق) کے افسانے ہیں۔

آسکر وائلڈ انگریزی رومانی تحریک کے دورِ آخریں کا نمائندہ اور رومانی بے راہ روی (شخصی) کی نمائندہ مثال ہے۔ آسکر وائلڈ کے افسانے 'بیوہ کا راز' کا جائے وقوع دہلی اور لکھنؤ ہے اور مرکزی کردار انہی شہروں سے متعلق۔ لیکن دراصل ایسا نہیں ہے کہ مرکزی کردار Gerald اور لیڈی Alroy ہیں اور جائے وقوع لندن اور پیرس۔ افسانے میں پیدا کردہ مشرقیت اختر شیرانی کا تصرف ہے۔ اصل اور ترجمہ سے نمونہ ملاحظہ ہو:

"When Monday came round. I went to lunch with my uncle, and about four O'clock found myself in the Maryfebone road. My uncle, you know, lives in Regent's Park. I wanted to get to Piccadily, and took a short cut through a lot of shabby little streets. Suddenly I saw in front of me lady Alroy, deeply vaild and walking very fast." ("Moon Light")

"Madame Julie Roubere was expecting her elder sister, Madame Henriethe Letore, who had just returned from a trip to Switzerland. The Letore household had left nearly five weeks before. Madame Henriethe had allowed her husband to return along to their estate in Calvadas, where some business required his attention, and had come to spend a few days in Paris with her sister".

"پیر کے دن مجھے صبح کا کھانا چچا جان کے ہاں کھانا تھا۔ گیارہ بجے کے قریب میں نے اپنے آپ کو اجمیری دروازے کے قریب پایا۔ تم جانتے ہو میرے چچا بلی ماراں میں رہتے ہیں۔ مجھے چاوڑی پہنچنا اور مسافت سے بچنے کے لئے ایک دو مختصر اور غلیظ گلیوں سے گزرنا تھا۔ ابھی میں پہلی گلی میں داخل نہ ہوا تھا کہ میں نے لیڈی شجاع کو برقع پہنے اسی زرد رنگ کی فٹن سے اتر کر گلی میں داخل ہوتے دیکھا۔"

فرانسیسی افسانہ نگار موپاساں کے افسانے کا ترجمہ اختر شیرانی نے 'آرزو' کے عنوان سے کیا ہے۔ یہاں بھی مشرقیت جگانے کی شعوری کوشش دکھائی دیتی ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''شیریں رستم جیاپنی بڑی بہن فیروزہ کی منتظر تھی جو کشمیر کی سیاحت سے واپس آنے والی تھی۔ دونوں بہنوں کو ایک دوسرے سے ملے پانچ ہفتے گزر چکے تھے اور آج فیروزہ اپنے شوہر کو راولپنڈی چھوڑ کر جہلم آ رہی تھی، تا کہ چند روز اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ گزارے۔''

لامرتین کا تعلق فرانس کی رومانی تحریک سے تھا۔ مادام شارل کی موت سے متعلق اس کی مرثیہ نما نظم 'Meditations' اس کی شہرت کا اصل باعث ہے جبکہ 'Les Confidence' (راز کی باتیں) "Le-Voyage en Orient" (مشرق کا سفر) "L'Historire des Geradins" (زیروں دیں کی تاریخ) اور "Les Discours Politiques" (سیاسی خطبات) اس کی یادگار نثری، تحریریں ہیں۔ اختر شیرانی نے 'جدائی' اور 'سرودِ عشق' کے نام سے اس کے انشائیوں کا ترجمہ کیا ہے۔ انشائیہ 'جدائی' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''ان مقامات میں، ان سرچشموں سے جن کا میں اس قدر شیفتہ اور مشتاق ہوں، شراب لعل فام پیوں گا اور سرمست و سرشار ہو جاؤں گا۔ ان مقامات میں مجھے امیدوارِ عشق کی دولت حاصل ہو گی۔ اور ساتھ ہی وہ ایک وہمی اور تصوری متاعِ عزیز، جس کی تمام روحیں آرزو مند رہتی ہیں اور جس کا ہماری فانی سرزمین پر کوئی نام نہیں۔''

یاد رہے کہ اس کتاب سے قبل سعادت حسن منٹو بہ اشتراک: حسن عباس اور ابوسعید قریشی، آسکر وائلڈ کے ڈراما 'ویرا' کا ترجمہ، دارالاحمر، ثنائی پریس، امرتسر سے 1934ء میں شائع کر چکے تھے۔ جس پر نظرِ ثانی کا کام اختر شیرانی نے کیا تھا۔

44۔ آلامِ حیات:

ترجمہ: ن۔ن

کانپور: زمانہ بک ایجنسی، 1931ء

افسانے: انگریزی کے معتبر افسانہ نگاروں سے انتخاب (حوالہ 2، 10، 11)

45۔ آئرستان کے بہترین افسانے

ترجمہ: رحیم

لاہور: مکتبہ کائنات، س۔ن

افسانے: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 10)

46۔ اِرونگ، واشنگٹن: نگارستان

ترجمہ: نیاز فتح پوری

لکھنؤ: نگار بک ایجنسی

افسانے: انگریزی سے آزاد ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 5)

47۔ اروِنگ، واشنگٹن: الحمرا کے افسانے

ترجمہ: غلام عباس

افسانے: 'Tales From Alhamra' سے ماخوذ ترجمہ۔

کتاب میں 'عرب نجومی'، 'سنگ مرمر کی پریاں'، 'الحمرا کا گلاب'، 'شہزادہ احمد' اور 'سحرزدہ سپاہی' 5 افسانے شامل کتاب ہیں۔

(حوالہ: 2، 5)

48۔ اُس پار

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: دائرہ ادبیہ، س۔ن

افسانے: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

49۔ انگریزی افسانے

ترجمہ: عبدالقادر سروری

حیدرآباد دکن: مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ، 1931ء

افسانے: انگریزی افسانوں کی انتھالوجی، یہ ایک عظیم منصوبے کی تیسری جلد ہے۔ (حوالہ: 2، 4)

یہ انتخاب مولوی عبدالقادر سروری نے کیا۔ عالمی ادبیات سے تراجم کا یہ سلسلہ چودہ جلدوں میں شائع ہونا تھا۔ 1931ء میں کچھ جلدیں زیرِ طبع تھیں اور کچھ زیرِ ترتیب۔ اس عظیم منصوبے میں اپنے عہد تک کے شاہکار تراجم کو یکجا کرنے کا جتن کیا گیا۔ مثلاً تیسری جلد (انگریزی افسانوں سے متعلق) کا پہلا افسانہ 'معصوم شہزادی' جیوفری آف مان متھ (1154۔ 1100ء) کا ہے اور آخری افسانہ 'سیب کا درخت' کیتھرین مینسفیلڈ (1890ء۔1922ء) کا۔

پہلی جلد 'قدیم افسانے' 1931ء سے قبل شائع ہوئی۔ دوسری جلد 'چینی اور جاپانی افسانے' تیسری جلد 'انگریزی افسانے' اس کتاب میں افسانوں کے ساتھ عبدالقادر سروری صاحب نے مصنفین کے مختصر تعارفیے بھی شامل کئے ہیں۔

50۔ انگریزی افسانے

ترجمہ: غلام عباس

افسانے: انگریزی افسانوں کے تراجم کی انتھالوجی (حوالہ: 2)

51۔ بپتے، این۔ آر۔ کے: نیرنگ

ترجمہ: ن۔ن

نئی دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ، 1932ء

افسانے: نئے دور کی خواتین سے متعلق افسانوں کا مجموعہ۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2)

یہ کتاب آئنہ خانہ ہے جس میں زمانۂ حاضرہ کی انگریزی تعلیم یافتہ خواتین کے جذبات کی عکاسی کی گئی ہے۔

52۔ بغیر اجازت

ترجمہ: منٹو، سعادت حسن

لاہور: ظفر برادرز

افسانے: روسی اور انگریزی افسانوں کا انتخاب و ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

53۔ بک، پرل۔ ایس: عجیب لڑکی

ترجمہ: قمر نقوی

لاہور: مقبول اکیڈمی، 1963ء

ص: 239

افسانے: 'Fourteen Stories' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11، 13)

54۔ بک، پرل۔ ایس: زندگی بھر مسکرائی اور دوسری کہانیاں

ترجمہ: یوسف ظفر

لاہور: مقبول اکیڈمی، طبع اوّل 1965ء، بہ اشتراک موسسۂ فرینکلن، لاہور

افسانے: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 13، 16)

55۔ بلغارین افسانے

ترجمہ: اظہر جاوید

لاہور: مطبوعات تخلیق، 1971ء

افسانے: انگریزی کی معرفت ترجمہ: ایک ایڈیشن سنگ میل، لاہور نے بھی شائع کیا ہے۔

(حوالہ: 2، 10، 11)

56۔ بوشر، ولف گینگ لینجن: جرمن ادب پارے

ترجمہ: محمد اسلم فرخی، ڈاکٹر

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ پاکستان، 1971ء

ص: 388

افسانے: جرمن ادب سے مکمل انتھالوجی کا ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

57۔ بہترین ہسپانوی افسانے

ترجمہ: رحیم

لاہور: مکتبہ جدید، 1964ء

افسانے: 20ویں صدی کے شاہکار افسانے۔ دوسری بار البیان لاہور نے شائع کیا۔ (حوالہ:2)

اس کتاب میں شامل افسانے انگریزی کی معرفت ترجمہ کئے گئے ہیں۔ ہسپانوی کہانیوں نے جو اسلوبیاتی اور موضوعاتی کروٹیں لی ہیں، ان کے نمونے ہسپانوی اور امریکی کی سرزمینوں سے فراہم کئے گئے ہیں۔

اصل ہسپانوی نژاد مختصر افسانہ میگویل دے سروانتیس کے روزتخیل کا مرہون منت ہے اور اس کی ابتداء اس کی کتاب 'مثالی ناول' سے ہوتی ہے جو اوّل اوّل 1613ء میں شائع ہوئی تھی۔

بقول رحیم:

> اس مجموعے کا زیادہ حصہ اپنی 20ویں صدی کے ادباء کے شاہکاروں پر مشتمل ہے۔اختلافات کے باوجود ان میں ایک مشترک شے موجود ہے۔ آپ کو ان کی تحریروں میں روایتی ہسپانوی حسن کی مثالیت، تکمیل اور لطف و احتظاظ کم ہی ملے گا کہ ان کا پیغام زیادہ بھرپور، زیادہ انسانیت نواز اور ہمہ گیر ہو گیا ہے۔ جس میں عالی ظرف دل کی ہمدردی، فہم و تفہیم اور ذہن و رجحان شامل ہے۔

(ص 13 سے اقتباس)

کتاب میں ہسپانوی افسانے کے ابتدائی خالقوں کارلوس وائلڈ اوک پینسا، رامون ویل والئے انکلان اور میگوئل دے سروانتیس کے افسانوں بالترتیب 'گھر کی عزت'، ''میری بہن انتونیا' اور 'خون کی کشش' کے علاوہ بین خامین سوبیر کا سو، ایرنانڈو تیلمٹ، رکاردو گیر الدیس، ایملیا پار دوباثان، بیوباردخا، پیدرو انتونیو دے الارکون، آرتو روآلا بارے، رومولو گالئے گوس اور رکاردو پالما کے افسانے شامل ہیں۔

ترجمہ شدہ افسانوں سے دو ایک نمونے ملاحظہ ہوں:

> 1۔''اس نے سر کو باڑ والے جنگلے کی بلندی سے اونچا اٹھایا اور ہاتھوں کو خمیدہ کر کے ابروؤں پر یوں رکھا کہ مغفر کی اوٹ بن جائے اور پھر کمرے کے اندر جھانکنے لگا۔ آدمی نیم اندھا تھا اور بینائی سے زیادہ حواس سے کام لے کر چولہے کی آگ کے شعلوں کو دیکھ رہا تھا، جن کی لو کے آگے سے مبہم سائے بار بار آتے جاتے تھے۔''
>
> (کارلوس وائلڈ اوک پینسا کے افسانے 'گھر کی عزت' ص 15 سے اقتباس)
>
> 2۔''موسم گرما کی ایک تپتی رات کا ذکر ہے، ایک معمر شریف النفس ہسپانوی اپنی بیوی، چھوٹے لڑکے، سولہ سالہ لڑکی اور خادمہ کے ساتھ تولدو میں دریا کی سیر سے لوٹ رہا تھا۔ رات درخشاں تھی اور گیارہ کا عمل تھا۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ چونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ اس آسودگی کو تکان اتارنے کی خاطر برباد کر ڈالیں جو انہیں تولدو کے زیریں حصوں کے مرغزاروں میں آرام کرتے وقت نصیب ہوئی تھی۔''
>
> (سروانتیس کے افسانے 'خون کی کشش' ص 47 سے اقتباس)

اب جدید ہسپانوی افسانے سے ایک مثال ملاحظہ ہو:

> ''اگرچہ مجھے یاد نہیں رہا کہ وہ کون سا دن تھا مگر تھا وہ 1816ء کے اگست کا ہی کوئی دن، جب غرناطہ کے کپتان جرنیل کے دروازے پر ہردیا نامی ستر سالہ جپسی آیا۔ اس کا پیشہ بھیڑیں مونڈنا تھا۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے کالے مریل گدھے

پر سوار تھا، جس کا ساز لے دے کر ایک رسی تھی جو اس کی گردن میں پڑی ہوئی تھی۔ گدھے سے اترتے ہی کہنے لگا: 'مجھے کپتان جرنیل سے ملنا ہے۔'

(پیدرو انتونیو دے الارکون کے افسانے ''پیش گوئی'' ص: 149 سے اقتباس)

3۔ بین خامین سوبیر کاسُو کے افسانے کی ابتداء ملاحظہ ہو:

''کپتان جہاز کے دیدبان سے ادھر آ رہا تھا کہ چلّا اٹھا۔ یہ کس کم بخت کے حکم سے راستے کا تختہ اوپر اٹھ رہا ہے؟ جہاز کی دستاویزات کے بغیر ہم کیسے سفر پر جا سکتے ہیں؟ لہجے میں ایک خشونت، اک تحکم تھا۔ مگر افسر اوّل کے متین اور معمر چہرے پر نظر پڑتے ہی سب کچھ ماند پڑ گیا۔

افسر بولا۔ 'کپتان صاحب! دمکلا سے دن بھر کا کام تو لیا جا چکا ہے۔ ساری سہ پہر بھی مصروفیت ہی میں کٹی ہے۔ اب اگر کام کرنے والے یہ لوگ جہاز کے ملازم نہیں ہیں تو سات تیس کے بعد آپ انہیں مزید ٹھہرا نہیں سکتے۔

دمکلے کے اوپر کے حصے کا عظیم حجم خوفناک نظر آتا تھا۔ اس لمحے اس کے سرے پر کی تیز روشنی کے اجالے میں راستے کا تختہ، جہاز اور بندرگاہ کے درمیان لٹکا ہوا بے حد خطرناک معلوم ہوتا تھا۔

''جہنم رسید کرو انہیں حضرت! جہاز سرمایہ داروں کی سیاحت کا کوئی سفینۂ عیش نہیں ہے''۔ کپتان نے لال پیلا ہو کر لب کاٹتے ہوئے کہا۔ 'اگر یہ لوگ اتنے ہی ناکارہ ہیں کہ ہمارا مال ٹھکانے پر نہیں لگا سکتے تو انہیں حاضر کرو میرے دفتر میں۔ مجھے بھی تو کچھ معلوم ہو۔''

افسر اوّل سایوں میں غائب ہو گیا اور ساری گودی پر خاموشی چھا گئی۔ میل آلودہ جہاز پر مزدوروں کی ہائے ہو تھم گئی تھی۔ اس کی غیر مختتم جنبش پس و پیش، اتنی جانی پہچانی چیز تھی کہ ادھر دھیان نہیں جاتا تھا۔ جب دمکلے نے راستے کے تختے کو اپنی جگہ پر رکھتے ہوئے جہاز اور بندرگاہ کو متحد کر دیا تو اس کی زوردار گھن گرج اور کپتان کی کرخت آواز سے چھائے ہوئے سکوت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔''

(افسانہ 'بحری نمک' سے اقتباس)

58۔ پراسرار اجنبی

ترجمہ: گوپال متل

لاہور: نیشنل اکاڈمی، 1940ء

افسانے: (حوالہ: 9،7)

59۔ پراسرار افسانے

ترجمہ: سردار حسین

لکھنؤ: کتاب نگر، دین دیال روڈ، طبع اوّل: 1978ء

ص: 136

نو افسانوں کا مجموعہ۔ اس میں رابرٹ آئیک مین، ولکی کالنس، ولیم ہائن مین، ایم۔ آر جیمس، موپاساں، کارٹر ڈکسن، رچرڈ

کاتل، ڈلسی گرے، فلاڈیا رچرڈسن کے پراسرار افسانے شامل ہیں۔ (حوالہ: 10، 11)

60۔ پو، ایڈگرایلن: سانس کی پھانس

ترجمہ: ابن انشاء

لاہور: شیش محل کتاب گھر بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

افسانے: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11، 17)

61۔ پو، ایڈگرایلن: وہ بیضوی تصویر

ترجمہ: ابن انشاء

لاہور: شیش محل کتاب گھر بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

افسانے: ترجمہ دوسری بار کلاسیک دی مال لاہور نے شائع کیا۔ (حوالہ: 2، 10، 11، 17)

62۔ پو، ایڈگرایلن: عطر فروش دوشیزہ کے قتل کا معمہ

ترجمہ: ابن انشاء

لاہور: شیش محل کتاب گھر بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

افسانے: (حوالہ: ، 10، 11، 17)

63۔ پو، ایڈگرایلن: چہ دلاور است وزدے

ترجمہ: ابن انشاء

لاہور: شیش محل کتاب گھر بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

افسانے: (حوالہ: 1، 10، 11، 17)

64۔ پو، ایڈگرایلن و دیگر: پراسرار وادی

ترجمہ: میرزا ادیب

لاہور: تخلیق مرکز 33 شاہ عالم مارکیٹ، س۔ن

افسانے: ایڈگرایلن پو، مارک ٹوین، واشنگٹن اروِن، ولیم جیمز، ہرمن میلول اور ہاتھارن جیسے اہم ناموں کے 14 منتخب افسانوں کا انتخاب۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

65۔ پو، ایڈگرایلن: اندھا کنواں اور دیگر کہانیاں

ترجمہ: ابن انشاء

لاہور: شیش محل کتاب گھر

افسانے: یہ ترجمہ دوسری بار موسسہ فرینکلن کے تعارف کے ساتھ لارک پبلشرز کراچی نے شائع کیا۔

(حوالہ: 2، 10، 11، 13، 16)

وہ 'بیضوی تصویر' اور 'اندھا کنواں' (ترجمہ: ابن انشا) پر اظہار خیال کرتے ہوئے جیلانی کامران لکھتے ہیں:

''ایڈگر ایلن پو کی کہانیاں جس فضا، نفسیاتی تجزیے اور طرز تحریر کی نمائندگی کرتی ہیں، انہیں دنیا کے ادبی سرمائے میں رومانی تحریک سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ کہانیاں ایک ایسے عجیب وغریب اور طلسمی حکایت نامے سے پیدا ہوتی ہیں، جنہیں افسانہ نگار کا ذہن اپنے داخلی تجربے کی روشنی میں دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔ انگریزی زبان میں ان کہانیوں کی تاثیر جادو کا اثر رکھتی ہے۔

جہاں تک ابن اِنشاء کے ترجمے کا تعلق ہے، ابن انشا کی طرز تحریر صرف چند ایک واقعات کی طرز تحریر ہے، اور شاید اسی لئے بعض مقامات پر اس طرز تحریر سے ابہام پیدا ہو گیا ہے۔ بعض اوقات تو ترجمہ اردو کے بجائے انگریزی دکھائی دیتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ صاحب ترجمہ کو انگریزی زبان پر کوئی خاص عبور حاصل نہیں ہے۔

زیر نظر تراجم کئی بار پڑھنے کے باوجود وہ طلسم قائم نہیں ہوتا جو انگریزی میں لکھی ہوئی ایڈگر ایلن پو کی کہانیوں سے مخصوص ہے۔ ممکن ہے یہ تاثر صرف اس لئے پیدا ہوا ہو کہ بعض لوگ انگریزی کی کہانیوں کے مقابلے میں اردو کے تراجم سے ذرا کم متاثر ہوتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تراجم ایک عام اردو دان قاری کے لئے بھی کوئی جاذبیت نہیں رکھتے، کیونکہ اوّل تو ان کی زبان ناقابل فہم ہے اور دوسرے وہ فضا بھی پوری طرح ترجمے میں جذب نہیں ہوتی جس کے لئے ایڈگر ایلن پو کا نام افسانے کی دنیا میں مشہور ہے۔ ان دو باتوں کے باعث یہ تراجم قاری کو پوری طرح مطمئن کرنے میں ناکام ثابت ہوتے ہیں۔''

('صحیفہ' لاہور اپریل 1963ء سے اقتباس۔ ص: 85۔ 86)

اب افسانہ 'وہ بیضوی تصویر' (مشمولہ: 'وہ بیضوی تصویر' ص: 137) سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

افسانے کا ابتدائیہ:

میرے اردلی نے مجھے شدید زخمی حالت میں رات بھر باہر کھلے میں چھوڑنا پسند نہ کیا اور زبردستی ایک حویلی میں جا گھسا۔ یہ حویلیاں جن میں دھندلکے اور ہیبت کی کیفیتیں ملی جلی ہوتی ہیں، اپی نائزے کے نواحات میں پرانے وقتوں سے کھڑی ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس حویلی کو لوگ ابھی حال میں چھوڑ کے گئے ہیں اور عارضی طور پر ہم نے ایک چھوٹے سے کمرے میں ڈیرہ جمایا، جس میں فرنیچر کی قسم کی چیزیں بہت کم تھیں۔ یہ کمرہ عمارت کے ایک دور افتادہ برج میں واقع تھا۔ اس کے اندر جو آرائشی نقوش تھے وہ بہت سبک اور نفیس تھے۔ لیکن بہت پرانے زمانے کے اور خستہ حالت میں۔ دیواروں پر پردے لٹک رہے تھے اور جہاں تہاں طرح طرح کے نقامتی نشانات آویزاں تھے۔ اس کے علاوہ بہت نفیس قسم کی جدید روغنی تصویریں بہت بڑی تعداد میں طلائی گلکاری کے کام کے فریموں میں جڑی ہوئی تھیں۔

افسانہ 'زندہ درگور' (مشمولہ: 'وہ بیضوی تصویر') کے اختتامیہ سے ایک اقتباس بھی دیکھتے چلیے۔

ایسے لمحات ہماری زندگی میں آتے ہیں جب عقل و ہوش کی نگاہ سے ہی پُر آلام دنیا دوزخ کا نمونہ نظر آتی ہے لیکن انسان کا تخیل کوئی کراَّسس نہیں ہے کہ اس لئے ہر غار میں انسان کھوج لگانے کے لئے بے خوف اتر جائے۔ قبر کے

خوف کے بھوتوں کو محض واہمے کی پیداوار تو نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن ان عفریتوں کی طرح جن کی ہمراہی میں افراسیاب نے اوکس کا پر آشوب سفر طے کیا تھا۔ ان کا سوئے رہنا بھی اچھا ہے ورنہ یہ ہمیں پھاڑ ڈالیں گے۔ چبالیں گے۔ ان کے نیند میں مست رہنے ہی میں خیر ہے۔

(ص: 134 سے اقتباس)

66۔ پہلی کتاب: بورخیس، خورخے لوئس

مرتبہ: اجمل کمال

حیدرآباد سندھ: 205۔ اے یونٹ 9 لطیف آباد، اگست 1981ء

افسانے:

شاعری: خورخے لوئس بورخیس کے تراجم شامل کتاب ہیں۔ (حوالہ 2)

اس تحریروں کے انتخاب میں خورخے لوئس بورخیس کی نظم، مضمون اور افسانے (ترجمہ) شائع کئے گئے ہیں۔

ہسپانوی دنیا کا عظیم ادیب، شاعر اور فلاسفر بورخیس 24 اگست 1899ء میں بیونس آئرس، ارجنٹینا میں پیدا ہوا۔ اس نے 1921ء میں اسپین کی Ultraism تحریک کو متعارف کروایا۔ اس کی شہرت کا باعث کہانیوں کے مجموعے: 'A Universal History of Infamy' (1935ء) 'Ficciones' اور 'El Aleph' ہیں۔ انگریزی زبان میں وہ اوّل اوّل 1960ء میں ترجمہ ہوا اور عالمگیر شہرت حاصل کر گیا۔ بینائی کے رفتہ رفتہ زائل ہو جانے کے سبب بیونس آئرس (آبائی وطن) میں مقیم ہوا اور لکھنے کا عمل جاری رہا۔ اس کی تحریروں میں اندھے آدمی کی نفسیات اور جزئیات نگاری خصوصی توجہ کی حامل ہیں۔

اس انتخاب/مجموعہ میں اس کی نظم 'Elegy' کا نثری ترجمہ اسد محمد خان نے کیا ہے، اس سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

میں جتنے برس تاریکی میں پڑا رہا ان کا شمار بھول چکا ہوں۔ ہر چند کہ میں کبھی جوان تھا اور اس قید خانے میں چل پھر سکتا تھا، اب میں کچھ نہیں کرتا، بس اپنی موت کی مدار میں انتظار کرتا ہوں، اس خاتمے کا جو انہوں نے میرے لئے تیار کر رکھا ہے۔ میں نے اپنے وقت میں چقماق کے لانبے خنجر سے قربان کئے جانے والوں کے سینے چاک کئے ہیں، مگر اب کسی افسوں کے بغیر میں خود کو خاک سے اٹھا بھی نہیں سکتا۔

('دست خداوند کی تحریر'۔ ص: 169 سے اقتباس)

کرشمہ مخفی' (افسانہ) گول کھنڈر (افسانہ)، 'بابل کی لاٹری' (افسانہ) اور 'مینار بابل کی لائبریری' (افسانہ) کے تراجم اجمل کمال نے کئے ہیں۔

حکایات کے تراجم میں 'انفرنو۔1۔32' (ترجمہ صلاح الدین محمود)، 'بورخیس اور میں' (ترجمہ: اجمل کمال) اور 'سب کچھ اور کچھ نہیں' (ترجمہ: اجمل کمال) شامل کتاب ہیں۔ بورخیس کے لکھے مضمون 'کافکا اور اس کے پیشرو' کا ترجمہ اجمل کمال نے کیا ہے۔

اجمل کمال کے کئے ترجمہ سے دو اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''یہ دوسرا، جو بورخیس کہلاتا ہے، وہ ہے جسے کے ساتھ واقعات پیش آتے ہیں۔ میں بیونس آئرس کی گلیوں سے گزرتے

ہوئے کسی ہال کے دروازے کی محراب اور پھاٹک کی جالیوں پر ایک نگاہ کرنے کی غرض سے، اب شاید میکانیکی طور پر، ایک لمحے کے لئے رک جاتا ہوں۔ میں، بورخیس کو اس کی ڈاک سے جانتا ہوں اور اس کا نام پروفیسروں کی فہرست یا کسی سوانحی لغت میں دیکھتا ہوں۔ مجھے ریت گھڑیاں، نقشے، اٹھارویں صدی کے چھاپے کے حروف، کافی کا ذائقہ اور سٹیونسن کی نثر پسند ہے۔''

('بورخیس اور میں' ص: 203 سے اقتباس)

''ابتدا میں اس کے خواب منتشر تھے، کچھ عرصے بعد ان کی نوعیت منطقی سی ہو گئی۔ اجنبی نے خواب دیکھا کہ وہ ایک گول تماشا گاہ کے درمیان میں ہے جو کسی نہ کسی طرح جلا ہوا معبد ہے۔ نشستوں کی قطاریں خاموش طالبعلموں کے بادلوں سے پُر ہیں۔ آخر میں بیٹھے ہوؤں کے چہرے صدیوں دور ایک کائناتی بلندی پر آویزاں معلوم ہوتے تھے، لیکن بالکل واضح اور مکمل تھے۔ آدمی انہیں علم الابدان، ترکیب کائنات اور طلسم کا سبق دے رہا تھا۔ وہ چہرے اسے احتیاط سے سننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے تھے، جیسے وہ اس امتحان کی اہمیت سے باخبر ہوں جو ان میں سے کسی ایک کو اس بے حقیقت وجود کی حالت سے نکال کر اسے حقیقت کی دنیا میں داخل کر دے گا۔ آدمی نے خواب میں، اور خواب سے جاگ کر، اپنے خیالی پیکروں کے جوابات پر غور کیا۔ وہ عیاروں کے فریب کا شکار نہیں ہوا، اس نے بعض پیچیدگیوں میں ایک بڑھتی ہوئی ذہانت کو محسوس کیا۔ وہ ایک ایسی روح کی تلاش میں تھا جو کائنات میں شرکت کی مستحق ہو۔
نو یا دس راتوں کے بعد وہ کچھ تلخی سے اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ ان طالب علموں سے کوئی توقع نہیں کر سکتا جو اس کے نظریات کو مجہول انداز میں قبول لیتے، لیکن اسے ان سے کچھ امید ہو سکتی ہے جو کبھی کبھار کسی معقول اختلاف کا آغاز کرتے ہیں۔ اوّل الذکر طلبا اگرچہ محبت اور شفقت کے مستحق ہیں لیکن افراد کے رتبے پر نہیں پہنچ سکتے۔ آخر الذکر طلبا پہلے ہی سے ان سے کچھ زیادہ وجود رکھتے تھے۔ ایک سہ پہر (اب اس کی سہ پہریں بھی نیند کی نذر ہوتی تھیں، اب وہ صرف صبح کے وقت چند گھنٹوں کے لئے جاگتا تھا) اس نے اس خیالی درس گاہ کو ہمیشہ کیلئے نابود کر دیا اور صرف ایک طالب علم کو باقی رکھا۔ وہ ایک خاموش لڑکا تھا، زرد رنگت والا، کچھ کچھ ضدی۔ اس کے تیکھے نقوش خواب دیکھنے والے کے نقوش کو دوہراتے تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے یکایک معدوم ہو جانے سے بہت دیر تک پریشان نہیں رہا۔ چند خصوصی اسباق کے بعد اس کی ترقی نے اس کے استاد کو متحیر کر دیا۔ اس کے باوجود مصیبت تعاقب میں رہی۔''

('گول کھنڈر' از بورخیس سے اقتباس)

67۔ ٹالسٹائی، کاؤنٹ لیو: ٹالسٹائی کے افسانے

ترجمہ: اکرام قمر

لاہور: لاجپت رائے، 1940ء

افسانے: (حوالہ: 2، 7)

68۔ ٹالسٹائی، کاؤنٹ لیو: گناہِ غربت

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: نرائن دت سہگل، 1941ء

افسانے: (حوالہ:7)

69۔ ٹالسٹائی، کاؤنٹ لیو: مورکھ راج

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: کتابستان اردو، س۔ن

افسانے: روسی افسانوں کا انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ:7)

70۔ ٹالسٹائی و ایم۔ لیول وغیرہ: نقوشِ ادب

ترجمہ: اکرام قمر و پیر عبیدی

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ پاکستان، 1954ء

افسانے: ٹالسٹائی کا الیاس (ترجمہ: اکرام قمر) ایم۔ لیول کا 'بھکاری' (فرانسیسی سے ترجمہ: پیر عبیدی) ایک نامعلوم مصنف کا افسانہ 'ایک پاؤنڈ کا نوٹ' (ترجمہ: پیر عبیدی) شامل کتاب ہیں۔ (حوالہ 2، 10، 11، 16)

71۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: ذرّاتِ مضطرب

ترجمہ: حامد علی خاں، مولانا

لاہور: مرکنٹائل پریس چیمبر لین روڈ، س۔ن

افسانے: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 17)

72۔ ٹیگور، زونا گیل، سیتا چیٹر جی وغیرہ: افسانہائے عشق

ترجمہ: حامد علی خاں، مولانا

لاہور: مرکنٹائل پریس چیمبر لین روڈ، س۔ن

افسانے: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 17)

کتاب میں کل سات افسانے شامل ہیں۔ دیباچہ منصور احمد نے لکھا ہے۔ 'شاعر کی شکست'، 'پوسٹ ماسٹر' اور 'جوگن' رابندر ناتھ ٹیگور کے تین افسانے ہیں جبکہ 'غم نصیب' اسیتا چیٹر جی اور 'ناکام' سیتا چیٹر جی کے دو افسانوں کے ساتھ 'عدنان' زونا گیل کے افسانے 'بیل نیپ' کا تصرف کے ساتھ ترجمہ ہے۔ 'ہلاکِ آرزو' کے مصنف کا نام نہیں دیا گیا۔

رابندر ناتھ ٹیگور، اسیتا چیٹر جی اور سیتا چیٹر جی (بنگالی اخبار نویس بابو راما نند چیٹر جی کی بیٹیاں) کے بنگالی افسانے، انگریزی کی معرفت ترجمہ کیے گئے۔ .. ٹیگور کے افسانے 'جوگن' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''جب میں اس کے کھانے کی چیزیں تیار کرتی تھی تو میرے ہاتھوں کی انگلیاں بھی گویا فرطِ مسرت سے گانے لگتی تھیں۔''

کتاب میں شامل ساتوں افسانے محبت کی ناکامی کے موضوع پر غم و حرماں کی تصویریں ہیں۔

73۔ ٹیگور، رابندر ناتھ، خاموش حسن

ترجمہ: ن۔ن

افسانے: بنگلہ افسانوں کا انگریزی کی معرفت ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 4)

74۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: اتیاچار

ترجمہ: ن۔ن

راولپنڈی: لکشمی دیو ناگیہ، 1943ء

افسانے: بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 7)

75۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: خاموش محبت

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: نیشنل لٹریچر کمپنی، 1943ء

افسانے: بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 7)

76۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: بیوہ

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: فرنٹیئر بک ڈپو، 1943ء

افسانے: بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 7)

77۔ ٹیگور، رابندر ناتھ، پردیسی

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: رام دتہ مل، 1944ء

افسانے: بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 7)

78۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: پچی پوجا

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: نیشنل پریس، 1944ء

افسانے: بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 7)

79۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: ناسُور

ترجمہ: ن۔ن

لاہور:　محبوب المطابع، س۔ن

افسانے:　بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ　(حوالہ: 7)

80۔　ٹیگور، رابندر ناتھ: ٹیگور کے افسانے

ترجمہ:　ن۔ن

لاہور:　آزاد بک ڈپو، س۔ن

افسانے:　بنگلہ افسانوں کا انگریزی کی معرفت ترجمہ　(حوالہ: 2، 10، 11)

81۔　جاسوسی قصّے

ترجمہ:　ن۔ن

پانی پت:　نام مطبع ندارد، طبع اوّل: 1902ء

جاسوسی افسانے: انگریزی اور فرانسیسی سے ترجمہ　(حووالہ: 2)

82۔　جلاوطن

ترجمہ:　تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور:　جنرل بک ڈپو، س۔ن

افسانے:　(حوالہ: 7)

83۔　جنت وجہنم

ترجمہ:　سیتا دیوی چٹرجی

لاہور:　نرائن دت سہگل، 1943ء

افسانے:　(حوالہ: 7)

84۔　چارسو بیس عورتیں

ترجمہ:　تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور:　دائرہ ادبیہ، س۔ن

افسانے:　(حوالہ: 7)

85۔　چیخوف، تورگنیف وغیرہ: آسیہ اور دوسری کہانیاں

ترجمہ:　منظور حسین۔ خواجہ

لاہور:　وین گارڈ، دی مال، 1984ء

افسانے:　سہرمونیوف، ترگنیف، چیخوف، سولوکب، کیتاریف اور ایوانوف کے روسی افسانوں کے تراجم انگریزی کی

معرفت ترجمہ۔ (حوالہ:6، 16)

86۔ چینی جاپانی افسانے

ترجمہ: عبدالقادر سروری

افسانے: چینی اور جاپانی زبان سے افسانوں کا انتخاب، انگریزی کی معرفت ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:4)

87۔ حامد خلیل، پروفیسر: ایک ترک کا روزنامچہ

ترجمہ: انشاء اللہ

روزنامچہ ترک پروفیسر جو ''ینگ ٹرکس پارٹی'' کا ممبر بھی تھا، کے انگریزی روزنامچے کا ترجمہ معہ اس کے غلط بیانات کی تردید کے۔ یہ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ 'ینگ ٹرکس' وہی تحریک ہے، جس کے بارے میں قرۃ العین حیدر نے لکھا ہے کہ وہ لوگ سجاد حیدر یلدرم کی بہت عزّت کیا کرتے تھے۔ جب کہ اس میں حقیقت کچھ نہیں۔ (حوالہ:4)

88۔ خواب پریشاں

ترجمہ: عنایت اللہ دہلوی

دہلی: شاہ جہان بک ایجنسی، س۔ن

افسانے: (حوالہ:7)

89۔ خودکشی کی انجمن

ترجمہ: سالک، عبدالمجید

لاہور: دارالاشاعت پنجاب، 1938ء

افسانے: (حوالہ:7)

90۔ داستان

ترجمہ: عابد علی عابد، سید

لاہور: ہاشمی بک ڈپو، س۔ن

افسانے: (حوالہ: 7)

91۔ دنیا کی رنگین مزاج عورتیں

ترجمہ: مہدی علی خاں، راجہ

لاہور: نرائن دت سہگل، س۔ن

افسانے: (حوالہ: 7)

92۔ دنیا کے بہترین افسانے

انتخاب و ترجمہ: منصور احمد

لاہور: نام مطبع ندارد، 1925ء

افسانے: نگریزی سے ترجمہ۔ بہت اچھے اور باصلاحیت مترجم تھے جوانی میں مر گئے۔ (حوالہ: 5،2)

93۔ دنیا کے بہترین افسانے

ترجمہ: بالکرشن موج،

لاہور: راجپال اینڈ سنز، 1943ء

افسانے: مختلف مغربی افسانہ نگاروں کے افسانوں کا انتخاب انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ. 7)

94۔ دنیا کے شاہکار افسانے (تین جلدیں)

انتخاب و ترجمہ: عبدالقادر سروری، پروفیسر

حیدر آباد دکن: مکتبہ ابراہیمیہ، 1927ء

افسانے: جلد اوّل (قدیم افسانے) جلد دوم (انگریزی افسانے) جلد سوم (چینی اور جاپانی افسانے) تیسری جلد میں سروری کے ساتھ مخدوم محی الدین اور دوسری جلد میں افتخار الدین، معین الدین اور خواجہ میر بھی شریک کار رہے۔ تیسری جلد 1930ء اور دوسری 1931ء میں طبع ہوئی۔ (حوالہ: 8،2)

95۔ دنیا کے عظیم ترین سچے افسانے

ترجمہ: گوپال متل

لاہور: پنجاب لٹریچر کمپنی، س۔ن

افسانے: (حوالہ: 7)

96۔ دنیا کے قدیم افسانے

انتخاب و ترجمہ: عبدالقادر سروری

حیدر آباد دکن: مکتبہ ابراہیمیہ پریس، 1927ء

افسانے: مصر، یونان، روم، ایران، عرب اور ہندوستان کے قدیم منتخب افسانے۔ 25 افسانوں میں سے بیشتر انگریزی کی معرفت ترجمہ ہوئے۔ (حوالہ: 2،4،8)

97۔ دھارٹن، ایڈتھ: بدلا ہوا زمانہ و دیگر افسانے

ترجمہ: صلاح الدین احمد، مولانا

لاہور: پبلشرز یونائیٹڈ لمیٹڈ انارکلی، 1960ء

افسانے: 7 افسانوں کے مجموعے کا ترجمہ (حوالہ:2، 10، 11، 17)

اس مجموعے میں 'روسی بخارا'، 'بلاوا'، 'شب گرفتہ مسافر'، 'بدلا ہوا زمانہ'، 'دوسرے دونوں' اور 'زنگو' وغیرہ کل سات افسانے شامل ہیں۔:

آخر الذکر افسانے کا اختتامیہ ملاحظہ ہو:

اس خاموشی میں دروازے پر کسی نے دستک دی اور قلی نے اپنا سر اندر داخل کرتے ہوئے کہا: 'میں صرف یہ دریافت کرنے آیا تھا کہ صبح جہاز پر کتنے عدد لادے جائیں گے؟'

ان الفاظ کو سن کر اسے احساس ہوا جیسے اس باریک پردے کے پرخچے اڑ گئے ہیں اور وہ ایک دفعہ پھر حقیقی ماحول میں حرکت کر رہی ہے۔

'خدایا، مجھے کبھی یاد ہی نہیں رہتا۔' ایک منٹ ٹھہرو، میں اپنی خادمہ سے پوچھ کر بتاتی ہوں'۔

اس نے خواب گاہ کا دروازہ کھولا اور آواز دی...... 'آینٹ'!

98۔ ڈلنز، چارلس: ارغوان زار

ترجمہ: احمد حسین خاں، خاں

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ (پاکستان)

افسانے: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 13، 16)

99۔ ڈیٹرش، وولف (مرتّب): پھوٹ

ترجمہ: ممتاز شیریں،

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ (پاکستان)، س۔ن

افسانے: جرمن افسانوں کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ مختلف افسانہ نگاروں سے متعلق انتھالوجی۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

100۔ رابنسن، فرینک و دیگر: خلانوردوں کے افسانے

ترجمہ: محمد سلیم الرحمٰن

لاہور: نیا ادارہ سرکلر روڈ

افسانے: فرینک رابنسن، والٹ شیلڈن، آرتھر، سی کلارک، بل براؤن، رے بریڈ بری، آئزک ازیموف اور روبرٹ مور ولیمز وغیرہ کی سائنس فکشن سے انتخاب و ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 12)

101۔ روسی افسانے

ترجمہ: منٹو، سعادت حسن

لاہور: دارالادب پنجاب، 1934ء

افسانے: روسی افسانوی کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ منٹو نے اس سلسلے کا بیشتر کام رسالہ، ''ہمایوں'' لاہور کے روسی ادب نمبر کے لئے کیا تھا۔ (حوالہ: 7)

102۔ روسی افسانے (دو جلدیں)

انتخاب و ترجمہ: محمد مجیب، پروفیسر

دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، 1940ء

افسانے: روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ 8)

103۔ روسی افسانے

ترجمہ: راحت

لاہور: کتابستان اردو، 1943ء

افسانے: روس کے نامور افسانہ نگاروں کے افسانوں کا انتخاب۔ انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 7)

104۔ سنبلستان

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: گیلانی الیکٹرک پریس، 1926ء

افسانے: انگریزی سے ترجمہ اصل افسانے بنگلہ زبان میں ہیں۔ (حوالہ: 2، 7، 11)

105۔ سیرِ گل

ترجمہ: جلیل احمد قدوائی

کانپور: زمان بک ایجنسی، 1938ء

افسانے: روسی افسانوں کا انتخاب و ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

106۔ عشق اور موت

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

راولپنڈی: لکشمی دیو ناگیہ، 1943ء

افسانے: (حوالہ: 7)

107۔ فرانسیسی افسانے

مرتبہ: عبدالقادر سروری

ترجمہ: عزیز احمد

افسانے: فرانسیسی سے انگریزی کی معرفت انتخاب و ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 4)

108۔ فریبِ نظر

ترجمہ: طاہر جمیل

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

افسانے: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 13، 16)

109۔ کاروانِ خیال

ترجمہ و ترتیب: شعبہ تصنیف و تالیف فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، پاکستان، س۔ن

ص: 244

افسانے: انگریزی، بنگلہ، روسی اور فرانسیسی افسانوں کا انتخاب (حوالہ: 2، 10، 11)

110۔ کاروانِ زار

ترجمہ و ترتیب: شعبہ تصنیف و تالیف فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ (پاکستان)، س۔ن

ص: 246

افسانے: انگریزی، فرانسیسی، بنگلہ اور روسی افسانوں کا انتخاب۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

111۔ کاشنٹز، ماری (مرتّب): موٹی بچی

ترجمہ: ممتاز شیریں

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ پاکستان

افسانے: (انتھالوجی) جرمن افسانوں کا انتخاب، انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11، 16)

112۔ کافکا، فرانز: کافکا کے افسانے

ترجمہ: نیر مسعود

لکھنؤ: ادبستان، دین دیال روڈ، طبع اوّل: 1978ء

ص: 96

افسانے: معروف افسانہ نگار نیر مسعود کی اس ترجمہ کردہ کتاب میں جرمن کہانی کار کی چھوٹی بڑی 20 تحریریں ترجمہ کی گئی ہیں۔ بعد میں پاکستان سے محمد عاصم بٹ ''کافکا کہانیاں'' کے عنوان سے ضخیم کتاب لائے۔

113۔ کانن ڈائل، سر آرتھر: بحرِ جاسوسی

ترجمہ: نوازش علی خاں لاہوری

افسانے: شرلاک ہومز سلسلے کی جاسوسی کہانیوں کا ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 114)

114۔ کرین، اسٹیفن و دیگر: ناؤ اور دوسری کہانیاں

ترجمہ: انتظار حسین

لاہور: آئینہ ادب، 1958ء

افسانے: سٹیفن ونسٹ بینٹ، اسٹیفن کرین اور ٹرومین کپوٹ کے چار افسانے شامل کتاب ہیں۔(حوالہ 2، 10، 16)

انتظار حسین کے ترجمہ کردہ اس مجموعے میں سٹیفن ونسٹ بینٹ، سٹیفن کرین اور ٹرومین کپوٹ کی چار کہانیاں شامل کی گئی ہیں۔ بینٹ (وفات: 1943ء) کی دو کہانیاں اس مجموعے کی زینت ہیں۔ (1) شیطان اور (2) دانیال ویبسٹر، یہ دونوں کہانیاں امریکہ میں فلمائی بھی جا چکی ہیں اور اسٹیج پر اوپیرا کے طور پر خاصی مقبول رہی ہیں۔

سٹیفن کرین کی کہانی 'ناؤ' اور ٹرومین کپوٹ کی کہانی 'سالگرہ' اس مجموعے کی دیگر دو کہانیاں ہیں جو بنیادی صداقتوں اور انسانی نفسیات پر گرفت کے باعث دونوں افسانہ نگاروں کو اہمیت دلاتی ہیں۔ انتظار حسین نے اس کتاب میں ترجمے کو تخلیق کا درجہ دلانے کا جتن کیا ہے۔

115۔ کرین، اسٹیفن: دلہن

ترجمہ: جاوید صدیقی

لاہور: یونائیٹڈ بک ڈیولپمینٹ، 1960ء

افسانے و کہانیاں: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

اسٹیفن کرین نے امریکی خانہ جنگی کی داستان ایک عینی شاہد کی طرح لکھی ہے۔ اس موضوع سے متعلق اس کے دو افسانے The Open Boat اور Bride Comes To Yellow Sky خاصے مقبول ہوئے۔ یہ دونوں افسانے اس کتاب میں 'کشتی' اور 'دلہن' کے ناموں سے شامل ہیں۔ ان دو افسانوں کے علاوہ سات دیگر افسانے اور کہانیاں انسان کی چھوٹی موٹی کمزوریوں اور فطری نیک دلی و سادگی جیسے عام موضوعات سے متعلق ہیں۔ لیکن کرین نے ان کہانیوں کو لکھتے وقت اپنے اخبار نویسی کے تجربے کو کچھ اس طرح شامل کیا ہے کہ وہ شاہکار بن گئی ہیں۔

ان شاہکار کہانیوں کے ترجمہ کو گوارا کہا جا سکتا ہے۔ نظر ثانی سے ترجمے کی چھوٹی موٹی کوتاہیاں دور کی جا سکتی ہیں۔ ترجمہ کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

> سیاہ چہرے والے کھانستے ڈین کے عین سامنے وہ ایک عفریت کی طرح آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک زخمی آدمی شکستہ جسم کو اٹھاتے ہوئے نظر آیا اور سپاہیوں کے اس غول کو اپنی طرف بڑھتے دیکھنے لگا۔ اسے یہ محسوس ہوا کہ اس کا روندا جانا یقینی ہے۔ اس نے بچنے کی ایک مایوسانہ اور ترس آلود کوشش کی......

116۔ کویلے، سیگرڈ (ترتیب و انتخاب): ہمعصر جرمن افسانے

ترجمہ: ممتاز شیریں، محمد سلیم الدین

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ (پاکستان)، س۔ن

افسانے: جرمن زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 2، 11)

117۔ کیرو: سنگم اور سائے

ترجمہ: عبدالقدیر رشک

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

افسانے: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 1613)

118۔ گاشہ، تھیوفیل وغیرہ: دنیا کے شاہکار افسانے (تین جلدیں)

مرتبہ: عبدالقادر سروری

حیدر آباد دکن: مکتبہ ابراہیمیہ، طبع اوّل 1341ھ مطابق 23۔1922ء

افسانے: انتھالوجی 3 جلدوں پر مشتمل تھی۔ جرمن افسانے۔ فرانسیسی افسانے۔ انگریزی افسانے نیز چینی، جاپانی، روسی اور ولندیزی افسانے نامی جلدوں میں غلام عباس، عزیز احمد، ڈاکٹر تاثیر، مخدوم محی الدین، خواجہ میر، صوفی تبسم، معراج الدین شامی، افتخار الدین، معین الدین اور بدرالدین بدر کے تراجم شامل تھے۔ تیسری جلد 1930ء اور دوسری جلد 1931ء میں شائع ہوئی۔ (حوالہ: 2، 8)

119۔ گناہِ بے لذّت

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نیشنل لٹریچر کمپنی، 1943ء

افسانے: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

120۔ گورکی، میکسم: گورکی کے افسانے

ترجمہ: سعادت حسن منٹو

لاہور: مکتبہ شعر و ادب سمن آباد، طبع دوم: س۔ن

افسانے: منٹو نے دیباچے کے طور پر گورکی کی شخصیت اور فن پر 31 صفحات کا مقالہ رقم کیا ہے۔ کتاب میں، میدانوں میں، چھبیس مزدور اور دوشیزہ، خان اور اس کا بیٹا، اور 'خزاں کی ایک رات' نامی افسانے شامل ہیں۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

121۔ گیسر، گرڈ (مرتب): سبز جیکٹ

ترجمہ: ممتاز شیریں

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ (پاکستان)

افسانے: جرمن افسانوں کی انتھالوجی کا ترجمہ (حوالہ:2، 11، 16)

122۔ لنڈن، جیک: برف، آگ اور انسان

ترجمہ: انور عنایت اللہ

کراچی: اردو اکیڈمی سندھ

ص: 202

افسانے: 18 افسانوں کا انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 10، 11)

123۔ لیول، مورس: ہیبت ناک افسانے

ترجمہ: امتیاز علی تاج، سیّد

لاہور: دارالاشاعت پنجاب، طبع دوم 1931ء

افسانے: مغربی ادبیات سے انگریزی کی معرفت ترجمہ، کتاب پہلی بار 1927ء میں شائع ہوئی۔ (حوالہ 2، 7)

124۔ ماہام، سمرسٹ: بارش

ترجمہ: شاہد احمد دہلوی

لاہور: شاہکار سیریز

طویل مختصر افسانہ۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2)

ماہام کا پورا نام ولیم سمرسٹ ماہام ہے اور 1874ء پیرس کی پیدائش۔ وہ برطانوی سفارت خانے میں مشیر قانونی کے عہدے پر فائز رہا۔ اگر ماہام کی تحریروں میں فکری گہرائی کو (اس کے ہمعصر ناقدین کی طرح) نہ بھی تسلیم کیا جائے تو بھی اس کی فنی چابکدستی کو ماننا ہی پڑتا ہے۔ اس کے ہاں موضوعی سطح پر انوکھا پن بھی خصوصی توجہ چاہتا ہے۔ 'بارش' بھی موضوعی سطح پر انوکھے پن کی نمایاں مثال ہے۔ اس پر مستزاد ماہام کے اشارے اور کنائے ہیں اور بعض مقامات پر زولا کی روایت میں عریاں نگاری بھی۔

گو یہ طویل مختصر افسانہ قاری کو تخلیق کائنات کے مطالعے کے لئے ایک غیر جانبدار آنکھ مہیا کرتا ہے لیکن یہ اخلاقی شعور میں وسعت کا باعث بھی بنتا ہے۔ اس تحریر کی یہ دوہری اثر پذیری قابل توجہ ہے۔

ترجمہ سے ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

> دن سست رفتاری سے گزرتے رہے۔ سب گھر والے اس نیچے رہنے والی بدنصیب، مبتلائے اذیت عورت کے تصور سے غیر فطری برانگیختگی میں مبتلا رہے۔ وہ اس قربانی کی طرح تھی جسے خون آشام بت پرستی کی وحشیانہ رسوم ادا کرنے کے لئے تیار کیا جا رہا ہو۔ خوف نے اُسے بے حس و حرکت کر دیا تھا۔ وہ اسے گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ ڈیوڈسن اس کی نظروں کے سامنے نہ رہیں۔ جب وہ اس کے ساتھ ہوتے تب ہی اس میں ہمت رہتی اور وہ غلامانہ محتاجی سے ان سے چمٹی رہتی۔

سمرسٹ ماہام، اپنی تمام خوبیوں اور عالمی مقبولیت کے باوجود بیسویں صدی کے عظیم لکھنے والوں میں شمار نہیں کیا جاتا۔ اس لئے کہ عہد حاضر میں کئی مغربی ملکوں نے افسانے کے میدان میں سمرسٹ ماہام سے زیادہ قدآور افسانہ نگار پیدا کئے ہیں۔ مثلاً خود انگریزی کے افسانہ نگاروں میں جیمز جوائس، ڈی ایچ لارنس، وی ایس پریچٹ اور گراہم گرین بدرجہا زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی طرح فرانس کے افسانہ نگاروں میں آندرے ژید، ژاں پال سارتر اور البیر کامیو، جرمنی کے افسانہ نگاروں میں ٹامس مان، ہرمن ہیسے، آسٹریا کے افسانہ نگاروں میں فرانز کافکا، امریکہ کے افسانہ نگاروں میں ہنری جیمز، ہیمنگوے، ولیم فاکنر، کیتھرن این پورٹر، یوڈوراویلٹی، ٹرومن کپوٹے، سال بیلو، برنرڈ مالا موڈ، ایس ڈی سیلنگر، کارسن میک کلرز اور لاطینی امریکہ کے افسانہ نگاروں میں خورخے لوئی بورخیس جیسے افسانہ نگار سمرسٹ ماہم سے کئی گنا زیادہ اہمیت اور عظمت رکھتے ہیں۔ ماہم کے افسانے کا یہ ترجمہ پہلی بار ''نیادور'' کراچی کے افسانہ نمبر میں شائع ہوا تھا۔

125۔ ماؤزے تنگ: منتخبات

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: پیپلز پبلشنگ ہاؤس

متفرق اصناف (بیشتر شاعری) (حوالہ: 2، 10، 11)

126۔ محبت کی مسیحائی

ترجمہ: عابد حسین، ڈاکٹر

لاہور: مکتبہ ادب جدید، 1944ء

افسانے: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

127۔ مشرق ومغرب کے افسانے

ترجمہ: عاشق حسین بٹالوی

لاہور: تاج کمپنی، 1943ء

افسانے: انتھالوجی، انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 7)

128۔ معیاری افسانے

ترجمہ وانتخاب: حفیظ جالندھری، ابوالاثر

لاہور: مجلس اردو۔ کتاب خانہ حفیظ اردو بازار، س۔ن

افسانے: (انتھالوجی)۔ کتاب پر نظر ثانی ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے کی تھی۔ (حوالہ: 2)

اس کتاب پر حفیظ جالندھری کا دیباچہ جنوری 1933ء کا لکھا ہوا ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ کتاب 1933ء میں شائع ہوئی ہو گی۔ خود بقول حفیظ جالندھری اس کتاب میں شامل افسانوں کے تراجم رسالہ 'ہزار داستان' 1924ء اور 'مخزن' 1927ء تا 1929ء کی

ادارت کے دوران انہیں موصول ہوئے۔ ان تراجم پر ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے نظرِ ثانی کی۔

اگر کتاب میں مترجمین کے نام بھی شامل کر دیئے جاتے تو اس کتاب کی اہمیت اور بڑھ جاتی۔ اس مجموعے میں 'داستان چنگیز خان اوراس کے پوتے کی'، 'شہزادی کا معمہ'، 'پتھر کا دل'، 'زندگی کا سانس'، 'جاں نثار دوست'، 'شکستہ پر'، 'شک کی فتح'، 'شرط' (یہ کہانی چیخوف کی ہے) محتاج کا دل، لختِ جگر، انوکھا انتظام، بربطی مغنی اور 'مسافر کہانی' کے نام سے ترجمہ شدہ افسانے شامل کیئے گئے ہیں۔

129۔ مغرب کی حسین اور گنہگار عورتیں

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

راولپنڈی: لکشمی دیو ناگیہ، 1943ء

افسانے: (حوالہ: 7)

130۔ موپاساں، گائے ڈی: موپساں کے افسانے

ترجمہ: نصیر حیدر، سیّد

لاہور: ہاشمی بک ڈپو، انارکلی، 1940ء

افسانے: فرانسیسی افسانوں کا ترجمہ۔ اس کا ایک ایڈیشن دارالادب پنجاب نے بھی شائع کیا ہے۔ (حوالہ: 2، 7، 10، 11)

ہنری رینی البرٹ المعروف گائے ڈی موپاساں 5 اگست کو میرومیسنل Meromesnil۔67ء میں پیدا ہوا۔ بچپن ایٹی ریٹارٹ میں گزرا۔ اسے ادبی دنیا سے گستاؤ فلابیئر نے متعارف کروایا۔

موپاساں 19 ویں صدی عیسوی کا ایک ایسا فرانسیسی ادیب ہے جس کے ناولوں اور افسانوں کی کاٹ نے اردو کے افسانوی ادب کو ایک نیا لحن دیا خصوصاً افسانے میں تو سعادت حسن منٹو، موپاساں ہی کی عطا شمار ہوتا ہے۔

موپاساں، فرانس کے فطرت نگار ادیبوں میں ایک ایسا نام ہے جو اپنے قلم کی نشتریت کے باعث الگ پہچانا جاتا ہے۔ اس کے قریبی معاصرین میں فلابیئر کے علاوہ زولا اور تورگنیف تھے۔ اس کی اوّلین اہمیت کی حامل کہانی 'Boule De Suif' تھی، جسے 1880ء میں زولا کے قریبی حلقے نے فرانس اور جرمنی کی جنگ کے بارے میں لکھی جانے والی کہانیوں کے انتخاب میں شامل کیا۔

فلابیئر نے اسے ہمیشہ شاعری کرنے کی تلقین کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ موپاساں کی اوّلین کتاب اس کی شاعری کا مجموعہ تھا جو 1880ء میں شائع ہوا۔ اس کی پہلی کہانی 'Prunier' کے فرضی نام سے شائع ہوئی تھی۔ لیکن اس کی کھری حقیقت نگاری نے اسے بہت جلد عالمی سطح پر منوا لیا۔ اپنے بارے میں اس نے کہا تھا کہ ادبی دنیا میں اُس کی آمد ایک شہاب ثاقب کی مانند ہے۔ اس کا کہنا سچ ثابت ہوا۔ وہ 7 جولائی 1893ء کو صرف بیالیس برس کی عمر میں شہاب ثاقب کی طرح جل بجھا۔ وہ جتنا عرصہ جیا آنکھوں کے درد اور پریشان کن دردِ سر میں مبتلا رہا۔ اس کا صرف ایک سبب تھا کہ وہ ہمیشہ آسیب زدہ شخص کی طرح اپنے کام میں جتا رہا۔ اناطول فرانس نے کہا: 'اس کی ہر کہانی اس قدر منظم ہوتی ہے، جیسے وہ افسانہ نہیں تاریخ لکھ رہا ہو۔' ہمارے ہاں منٹو جس نوع کے اعتراضات کا سامنا کرتا رہا تھا، ان کو سہنے میں اولیت کا سہرا موپاساں کے سر بندھتا ہے۔ موپاساں نے خواہ مخواہ نیکوکاروں کو بدمعاش بنا کر پیش

نہیں کیا۔ اس نے تو معاشرے کے تاریک پہلوؤں کو ان کی اصل حالت میں پیش کر دیا ہے اور بس۔

نصیر حیدر نے موپاساں کے ایسے ہی افسانے منتخب کر کے ترجمہ کر دیئے ہیں۔ ان افسانوں میں موپاساں کی نجی زندگی کے المناک سانحات اپنی چہرہ نمائی کرواتے ہیں۔ اس نوع کی المناک کہانیوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے فرانسیسی ناقد طین (Taine) نے اسے قدیم یونانی ڈرامہ نگار سکائی لس کے مماثل قرار دیا تھا۔

موپاساں کے ان افسانوں پر اور اس کے سسکتے ہوئے کرداروں کی زندگی پر تقدیر کا المناک سایہ بہت گہرا ہے۔

131۔ موپاساں، گائے ڈی: سحر فرانس

ترجمہ: طاہر قریشی

لاہور: کتب خانہ ادبی دنیا، 1940ء

افسانے: فرانسیسی افسانوں کے مجموعے کا ترجمہ۔ دیباچہ شاہد احمد دہلوی اور تعارفیہ عاشق حسین بٹالوی نے لکھا ہے۔

(حوالہ: 2، 10، 11)

132۔ موپاساں، گائے ڈی: موپاساں کے افسانے

ترجمہ: نصیر حیدر، سیّد

لاہور: دارالادب پنجاب، س۔ن

افسانے: فرانسیسی افسانوں کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ حال ہی میں موپاساں کے افسانوں کا ایک مجموعہ ''نیکلس'' کے عنوان سے دوست پبلی کیشنز اسلام آباد نے شائع کیا ہے۔ (حوالہ 2، 7، 10، 11)

133۔ نظارۂ لندن

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: کتابستان اردو، 1943ء

افسانے: انگریزی سے ترجمہ۔ تیرتھ رام نے ''فسانہ بنگال'' کے عنوان سے بھی افسانوں کی ایک انتھالوجی مرتب کی تھی، جو گیلانی الیکٹرک پریس بک ڈپو، ہسپتال روڈ، لاہور سے شائع ہوئی تھی۔ (حوالہ: 7)

134۔ نئے بنگالی افسانے

انتخاب و ترجمہ: الطاف گوہر

کراچی: مطبوعات پاکستان، 1955ء

افسانے: (انتھالوجی) بیشتر افسانے انگریزی کی معرفت ترجمہ ہوئے۔ (حوالہ: 2، 11)

135۔ ہارڈی، ٹامس وغیرہ: ہتیا اور دوسرے افسانے

ترجمہ: مجنوں گورکھپوری

گورکھپور: ایوان پریس، س۔ن

افسانے: ٹامس ہارڈی، ہاتھارن، ٹالسٹائے، موپاساں اور چیخوف کے افسانوں سے ماخوذ و ترجمہ۔ افسانہ، جتیا، ہارڈی کے ناول 'Tess'، 'حسنین کا انجام' ہاتھارن کے ایک افسانے: 'مراد' ٹالسٹائی، 'بڑھاپا' چیخوف اور 'کلثوم' موپاساں کے افسانوں سے ماخوذ و ترجمہ ہیں۔ (حوالہ 5،2)

136۔ ہسپانوی افسانے

ترجمہ: رحیم

لاہور: پیپلز پبلشنگ ہاؤس

افسانے: انگریزی کی معرفت ہسپانوی افسانوں کا ترجمہ (حوالہ 11،2)

137۔ ہنری، او: لاکھوں کا شہر

ترجمہ: ابن انشاء

کراچی: لارک پبلشرز،

افسانے: 'The Four Million' کا ترجمہ (حوالہ: 16،13)

138۔ ہیمنگوے، ارنسٹ: ہیمنگوے کے افسانے

ترجمہ: مظفر احمد

لاہور: لاہور پبلشرز یونائٹڈ، 1960ء

افسانے: نوبیل ادبی انعام یافتہ مصنف کے افسانوں کا انتخاب و ترجمہ (حوالہ: 11،10،2)

O O O

تاریخِ ادب

139۔ براؤن، ایڈورڈ۔ جی: تاریخ ادبیات ایران

ترجمہ: سجاد حسین، سیّد

اورنگ آباد: انجمن ترقی اردو (ہند)، 1932ء

تنقیدی تاریخ ادب۔ انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ دوسرے حصے کا ترجمہ سید وہاج الدین نے کیا تھا جسے انجمن نے 1939ء میں دہلی سے شائع کیا 'Literary History of Persia' کا ترجمہ (حوالہ: 7،2)

140۔ براؤن، ایڈورڈ۔ جی: تاریخ ادبیاتِ ایران (عہد جدید)

ترجمہ: سیّد وہاج الدین

دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، 1939ء

تاریخ ادب۔ انگریزی سے ترجمہ، پہلے حصّے کا ترجمہ سجاد حسین نے کیا تھا، جو انجمن نے 1932ء میں اورنگ آباد دکن سے شائع کیا۔ (حوالہ: 7)

141۔ براؤن، ایڈورڈ۔ جی: آثارِ عجم

ترجمہ: رشید احمد

دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)

تاریخ ادبیات کا خلاصہ۔ ایران کی ادبی تاریخ (حوالہ: 14)

142۔ براؤن، ایڈورڈ۔ جی: تاریخ ادبیات ایران بعہد مغولان

ترجمہ: محمد داؤد رہبر

حیدرآباد دکن۔ انجمن ترقی اردو (ہند) 1949ء

ایران کی ادبی تاریخ (حوالہ: 7)

143۔ بیلی، گراہم: ہسٹری آف اردو لٹریچر

ترجمہ: حمیدہ ملک

لاہور: قلمی: پنجاب یونیورسٹی لائبریری، اردو سیکشن

تنقیدی تاریخ۔ انگریزی سے ترجمہ برائے ایم۔(اے اردو) (حوالہ: 2،10)

144۔ چیز، رچرڈ: امریکی ناول اوراس کی روایت

ترجمہ: وقار عظیم، (پروفیسر) سیّد

لاہور: آئینہ ادب بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، 1961ء

تنقیدی تاریخ۔ امریکی ناول کی تاریخ (حوالہ: 2،17)

145۔ دتاسی، گارساں: ہندوستانی مصنفین اوران کی تصنیفات

ترجمہ: ذکاء اللہ دہلوی، مولوی

طبع اوّل: 1856ء

تحقیق وتنقید۔ اصل کتاب فرانس سے 1855ء میں شائع ہوئی۔ دتاسی کو ہندوستانی کتب سے متعلق مواد مولوی کریم الدین

اور دتاسی کے دیگر احباب فراہم کرتے تھے۔ (حوالہ: 2، 5)

146۔ دتاسی، گارساں: طبقات الشعراء

ترجمہ: فیلن، ڈاکٹر و مولوی کریم الدین

نام مطبع و سنہ ندارد

تنقیدی تاریخ 'History of Urdu Literature' کا ترجمہ مع اضافہ جات۔

اصل کتاب فرانسیسی زبان میں ہے۔ یہ ترجمہ 1876ء سے قبل شائع ہوا۔ خود دتاسی نے بھی اپنے ایک لیکچر میں بتایا کہ کریم الدین نے اس میں اضافے کیے۔ (حوالہ: 2، 5)

147۔ دتاسی، گارساں: خطباتِ گارساں دتاسی

ترجمہ: یوسف حسین خان، ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری و عزیز احمد

اورنگ آباد: انجمن ترقی اردو (ہند) جلد اوّل طبع اوّل: 1935ء جلد دوم طبع اوّل: 1943ء

تنقید: فرانسیسی زبان سے 'La Langue Etla Litterature Hindustanies En 1871- 1877' کا ترجمہ۔ نظرثانی: ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے کی۔ پہلی جلد: ہندوستانی زبان پر لیکچرز 1850ء تا 1849ء کا ترجمہ یوسف حسین خان نے کیا جبکہ دوسری جلد: ہندوستانی زبان پر لیکچرز 1874ء تا 1877ء کا ترجمہ اختر حسین رائے پوری اور عزیز احمد نے کیا۔ بعض مقامات پر مولوی عبدالحق نے بھی نظرثانی کی۔ کچھ حواشی بھی لکھے۔ یہ کتاب دوسری بار انجمن نے کراچی سے 1977ء میں شائع کی۔ دتاسی ایک بار بھی ہندوستان نہیں آئے۔ اُن کے لیکچرز کے لئے یہ مواد دیگر احباب کے علاوہ مولوی کریم الدین فراہم کرتے تھے۔

(حوالہ: 2، 7، 8، 14)

148۔ گلکرسٹ، ڈاکٹر جان بارتھوک: اوریجن آف ماڈرن ہندوستانی لٹریچر

ترجمہ: محمد عتیق صدیقی

کراچی: نام مطبع ندارد

تنقیدی تاریخ۔ انگریزی سے ترجمہ۔ یہ کتاب بھی محمد عتیق صدیقی نے دریافت کی تھی۔ (حوالہ: 2)

149۔ ڈیمز، لانگ ورتھ: قدیم بلوچی شاعری

ترجمہ: خدا بخش بجارانی

کوئٹہ: بزم ثقافت، 1963ء

تحقیق و تنقید۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

150۔ سکسینہ، رام بابو: تاریخ ادب اردو

ترجمہ: مرزا محمد عسکری

لکھنؤ:　　نگار بک ایجنسی، 1929ء

تنقیدی تاریخ۔ انگریزی سے ترجمہ۔ متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ ایک ترجمہ بک ہوم، لاہور نے شائع کیا ہے۔

آزادی سے قبل بہ زبان انگریزی لکھی جانے والی اردو ادب کی پہلی تاریخ۔ کلیم الدین احمد کے مطابق: ''جناب رام بابو سکسینہ نے اپنی تاریخ میں انگریزی کا اتباع کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی کتاب کی ترتیب میں اُسی روش کا خیال رکھا ہے، جو ادب انگریزی کے مشہور مورخین سیٹس بری اور گاس وغیرہ نے اپنی تصانیف میں اختیار کیا ہے۔''

(اردو تنقید پر ایک نظر)

سر تیج، بہادر سپرو، سکسینہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''مصنف اپنی رائے قائم کرنے میں آزاد اور اپنے اظہار خیال میں بے باک ہے۔''　　(حوالہ: 2، 4، 10)

OOO

تنقید

151۔　ارسطو: فن شاعری (بوطیقا)

ترجمہ:　عزیز احمد

دہلی:　انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی، 1977ء

ص:　126

بوطیقا کا ترجمہ۔ آخر میں بطور ضمیمہ مترجم کی طرف سے اشارات وتلمیحات کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ ایڈیشن نمبر اور تعداد اشاعت درج نہیں۔ اسی کتاب کا 'شعریات' کے نام سے شمس الرحمٰن فاروقی نے بھی ترجمہ کیا ہے۔ عزیز احمد کا یہ ترجمہ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی نے 1941ء میں پہلی بار شائع کیا۔　　(حوالہ: 2، 14)

'بوطیقا' ارسطو کا ایک مختصر رسالہ ہے جس کی آج بھی وہی اہمیت ہے جو تین سو سال قبل مسیح میں تھی۔ ارسطو نے اس کتاب میں شاعری کے فن کے اصول مرتب کئے اور فصاحت و بلاغت کی حدود مقرر کیں۔ اس کتاب کا اصل نام 'Poetica' ہے جو عربی میں 'بوطیقا' کے نام سے مشہور ہوئی۔ ارسطو اس کتاب کے لکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے 'تمہید' میں رقم طراز ہے:

> اس کتاب کو تحریر کرنے کا مقصد شاعری اور اس کی مختلف قسموں کے متعلق یہ تحقیق کرنا ہے کہ تمام شاعری کل کتنے حصّوں میں تقسیم ہے اور ہر حصّے کا خاص حاصل کیا ہے، اور ایک بہترین نظم کے لئے خیالات واقعات یا روداد کی ترکیب وترتیب کس طرح ضروری ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ مغرب کی تنقید یا تو ارسطو سے اختلاف کے نتیجہ میں پیدا ہوئی یا اختلاف میں۔ نقد ونظر خواہ کوئی راستہ اختیار کر لے، ارسطو کے حلقۂ اثر سے باہر نہیں۔

'بوطیقا' کا کامیڈی سے متعلق حصّہ تا حال دریافت نہیں ہو سکا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سریانی زبان سے عربی میں

منتقل کرتے وقت مترجمین نے 'المیہ' کو تو خاص اہمیت دی لیکن 'کامیڈی' کو ترجمہ تک نہ کیا۔

'بوطیقا' میں ارسطو نے شاعری کی تعریف کرتے ہوئے اس کے عناصر ترکیبی پر تبصرہ کیا ہے، جبکہ 'المیہ' کے باب میں طب کی ایک اصطلاح 'کیتھارسس' (جس کے معنی ہیں، صحت و اصلاح) کو شاعری میں تزکیہ بنا دیا۔ تب سے یہ اصطلاح اپنے حقیقی معنوں سے کہیں زیادہ 'کیتھارسس بمعنی تزکیہ' کے حوالے سے مشہور ہے۔

کتاب میں اپنے عہد کے جن نقادوں پر ارسطو نے گرفت کی ہے انہوں نے ارسطو کو بھی نہیں بخشا۔ اس نے 'المیہ' یا 'ڈرامے' میں واضح الفاظ میں وحدت عمل کا ذکر کیا تھا، معاصر ناقدین نے اس کے الفاظ کو نئے معانی پہنا کر 'وحدتِ زماں' کہا۔ لیکن ارسطو کی 'بوطیقا' خود اس بات کا ثبوت ہے کہ ارسطو نے کہیں ایک جگہ بھی 'وحدت مکان' کا ذکر نہیں کیا۔ یہ نظریہ ارسطو سے چپک کر رہ گیا ہے اور اس کی واحد وجہ قدیم یونان کی معاصرانہ چشمک ہے۔

المیہ کے باب میں ترجمہ سے ایک ٹکڑا ملاحظہ ہو:

> زبان کی خوبی یہ ہے کہ اس میں صفائی ہو مگر سوقیانہ پن نہ ہو، سب سے زیادہ صاف زبان تو وہ ہوگی جس میں صرف روزمرہ کی بول چال کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔ لیکن ایسی زبان میں سوقیانہ پن ضرور ہوتا ہے۔ اس کے برعکس شاعری کی زبان فصیح اور اعلیٰ ہوتی ہے اور عامیانہ محاورات سے احتراز کرتی ہے۔

کتاب میں حرف، حرف عطف، رکن تہجی، اسم، فعل، گردان غرضیکہ پوری قواعد کا تذکرہ موجود ہے اور تمام شاعرانہ اصطلاحات کی تعریف بھی۔ اب اگر اس کتاب کو مغرب والے 'شاعری کی بائبل' قرار دیتے ہیں تو کچھ غلط نہیں کہتے۔

واضح رہے کہ ارسطو (پ: 383 ق م) افلاطون کا شاگرد اور سکندر اعظم کا استاد تھا۔ ڈاکٹر محمود الرحمٰن نے ارسطو کی ایک اور تصنیف ''رطوریقا'' کی نشاندہی کی ہے۔ جسے دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد نے ''رطوریقا'' کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب کی صورت شائع کر دیا ہے۔ یاد رہے کہ ارسطو کے دونوں رسائل ''بوطیقا'' اور ''رطوریقا'' سکندر اعظم کے نام معنون کئے گئے تھے۔ ان رسائل کے عربی تراجم ہشام بن عبدالملک (سال خلافت: 723ء) نے اپنے میر منشی سالم سے کروائے تھے۔

152۔ ارسطو: شعریات

ترجمہ: شمس الرحمٰن فاروقی

نئی دہلی: ترقی اردو بورڈ، 1978ء

ص: 100

ارسطو کی کتاب ''بوطیقا'' کا ترجمہ۔ فاروقی کے مقدمہ اور ایک مبسوط تعارف کے ساتھ۔ تعداد اشاعت ایک ہزار، طباعت آفسٹ، اس کتاب کا پہلا ترجمہ عزیز احمد نے 'فن شاعری یا بوطیقا' کے عنوان سے 1941ء میں کیا تھا۔

(حوالہ: 2، 15)

153۔ ارسطو: بوطیقا

ترجمہ: بدر منیر ڈار

لاہور: لاہور اکیڈمی

تنقید: اس کتاب کا پہلا ترجمہ عزیز احمد نے کیا تھا۔ ایک اور ترجمہ ''شعریات'' کے عنوان سے شمس الرحمٰن فاروقی نے کیا۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

154۔ ارسطو و دیگر ناقدین: ارسطو سے ایلیٹ تک

ترجمہ: جمیل جالبی، ڈاکٹر

لاہور: نیشنل بک فاؤنڈیشن، طبع اوّل 1976ء

تنقید: مضامین کی انتھالوجی، ارسطو سے ایلیٹ تک اہم ناقدین کے مضامین کا ترجمہ۔ کتاب میں ہر ناقد پر مختصر نوٹ خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن نے دوسرا ایڈیشن 1977ء میں شائع کیا۔ تیسری بار یہ ترجمہ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی نے 1981ء میں شائع کیا۔

مغرب میں تنقید کی تاریخ ارسطو سے نہیں افلاطون سے شروع ہوتی ہے جو ارسطو کا استاد تھا۔ ارسطو کی کتاب ''بوطیقا'' افلاطون کے نظریۂ شعر کے ردِعمل کے طور پر وجود میں آئی، جو بعد کی تمام تر مغربی تنقید کی بنیاد بنی۔ افلاطون اور ارسطو کے بعد مغرب کی ادبی تنقید میں جو عظیم نقاد پیدا ہوئے وہ ہیں ہوریس، لونجائنس، دانتے، سر فلپ سڈنی، بولو، لیسنگ، گوئٹے، شلر، ہرڈر، شلیگل، ہیگل، بن جونسن، ڈرائڈن، ڈاکٹر جانسن، ورڈز ورتھ، کولرج، طین، شیلی، میتھیو آرنلڈ، والٹر پلیٹر، لیوٹالسٹائی، ہنری جیمز، کروچے، آئی اے رچرڈز، ایبرو کرمبی، ڈیوڈ ڈائشز، کرسٹوفر کوڈویل، ٹی ایس ایلیٹ، ڈی ایچ لارنس، ایف آر لیوس، جارج لوکاچ، ماڈباڈکن، ژاں پال سارتر، البیر کامیو، ولیم ایمسن، ایلن ٹیٹ اور ایڈمنڈ ولسن۔

ان میں سے ٹی ایس ایلیٹ اور ڈی ایچ لارنس دو ایسے نقاد ہیں جن کے اہم ترین مضامین کے تراجم بالترتیب ڈاکٹر جمیل جالبی اور مظفر علی سید نے کر دیئے۔ کرومبی کو عبدالمجید شیخ، ڈیوڈ ڈائشز کو مبارکہ انجم جب کہ آئی اے رچرڈز، ایف آر لیوس، ماڈباڈکن، ولیم ایمپسن، ایلن ٹیٹ اور ایڈمنڈ ولسن کے اہم تنقیدی مضامین کے تراجم ڈاکٹر صدیق کلیم کی مرتب کردہ تراجم کی انتھالوجی ''نئی تنقید'' مطبوعہ 1969ء میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

1968ء میں ہادی حسین نے ''مغربی شعریات'' کے عنوان سے جو کتاب شائع کروائی تھی، وہ مغرب کے متعدد عظیم ناقدین کے ایک ایک مضمون یا مضمون کے اہم اقتباس کے ترجمے پر مشتمل ہے۔

'ارسطو سے ایلیٹ تک' میں ڈاکٹر جمیل جالبی نے مغرب کے بیشتر بڑے ناقدین کے نمائندہ مضامین کے ترجمے ہی نہیں کئے بلکہ ان نقادوں کا تعارف بھی کرایا اور تاریخی ترتیب کا لحاظ بھی رکھا۔ اس کتاب میں ارسطو کی کتاب 'بوطیقا'، ہوریس کی 'فن شاعری' لونجائنس کی ''علویت کے بارے میں'' سر فلپ سڈنی کی ''شاعری کا جواز'' بولو کی ''فنِ شاعری'' اور لیسنگ کی ''لاؤکون'' کا مکمل ترجمہ

موجود ہے۔ گوئٹے کے تین مضامین کولرج کے چار آرنلڈز کے دو اور ایلیٹ کے دو مضامین کے ترجمے شامل کتاب ہیں۔ دیگر نقادوں کا ایک ایک نمائندہ مضمون لے لیا گیا ہے۔ مثلاً فرانسیسی نقاد سانت بیو کا مشہور مضمون ہے' کلاسیک کیا ہے' یا امریکی نقاد ہنری جیمز کا ''فکشن کا فن'' یا آئی اے رچرڈز کا ''سائنس اور شاعری''۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے کتاب کے مقدمے میں مغربی تنقید کے ارتقاء کا ایک جائزہ بھی پیش کر دیا ہے۔ اس جائزے میں مغربی تنقید کی تاریخ بھی آ گئی ہے اور اُن ناقدین کا تعارف بھی، جن کے تنقیدی مضامین کے ترجمے پیش کیے گئے ہیں نیز ان لوگوں کا ذکر بھی جن کے مختلف النوع نظریے مغربی تنقید پر اثر انداز ہوئے اور تنقید کے ان مختلف مکاتب کا بیان بھی جو 1975ء تک وجود میں آ چکے تھے۔

کتاب کے مقدمے میں بعض ایسی شخصیتوں کا ذکر بھی ہے جو بنیادی طور پر ادبی نقاد نہ ہونے کے باوجود مغربی تنقید پر اثرانداز ہوئی ہیں۔ جیسے کارل مارکس اور سگمنڈ فرائڈ جو بیسویں صدی کی تشکیل میں بڑے اثرات کے حامل رہے ہیں۔

یہ الگ بات کہ اردو میں مغربی تنقید کے بہت سے شاہکاروں کے ترجمے کی ضرورت باقی ہے۔ پھر بھی ہم ڈاکٹر جمیل جالبی کی کتاب ''ارسطو سے ایلیٹ تک'' کی بدولت بڑی حد تک مغربی تنقید کے شناسا ہو گئے۔

ارسطو کی ''بوطیقا'' سے جالبی کا ایک ترجمہ شدہ اقتباس ملاحظہ ہو:

> شاعر اور مؤرخ میں یہ فرق نہیں ہے کہ ایک نظم میں لکھتا ہے اور دوسرا نثر میں۔ ہیروڈوٹس کی تصنیف کو نظم کیا جا سکتا ہے اور ایسا کرنے پر بھی وہ تاریخ ہی رہے گی۔ فرق یہ ہے کہ تاریخ اس چیز کو بیان کرتی ہے جو ہو چکی ہے جبکہ شاعری اس قسم کی چیزوں کو سامنے لاتی ہے جو ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے شاعری بمقابلہ تاریخ کے زیادہ فلسفیانہ اور زیادہ توجہ کے قابل ہے۔ شاعری آفاقی صداقتوں سے سروکار رکھتی ہے۔(بوطیقا)

آئی اے رچرڈز کے مضمون ''سائنس اور شاعری'' کے چوتھے باب کے پہلے پیراگراف کا ترجمہ دیکھیے:

> شاعری کی اہم ترین صفت الفاظ پر ان کی قدرت حیرت انگیز ہے۔ یہ محض ذخیرۂ الفاظ یا لغت کا معاملہ نہیں ہے حالانکہ یہ بات معنی خیز ہے کہ شیکسپیئر کا ذخیرہ الفاظ ہر انگریز سے زیادہ وسیع اور متنوع ہے۔ یہ الفاظ کی تعداد کا مسئلہ نہیں ہے جو کسی مصنف کے پاس ہیں بلکہ اصل میں وہ طریقہ ہے جس سے وہ انہیں استعمال کرتا ہے اور جو اسے شاعر کی حیثیت سے ایک مقام عطا کرتا ہے۔

''روایت اور انفرادی صلاحیت'' ٹی ایس ایلیٹ کا عہد آفریں مضمون ہے۔ اُس کے ایک حصے کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

> شاعری کی تخلیق میں بہت بڑا ہاتھ شعوری فکر اور غور و خوض کا بھی ہوتا ہے۔ اصل میں خراب شاعر وہاں بے خبر ہوتا ہے جہاں اسے باخبر ہونا چاہیے اور وہاں باخبر رہتا ہے جہاں اسے بے خبر ہونا چاہیے۔ یہ دونوں غلطیاں اسے بالکل ذاتی بنا دیتی ہیں۔ شاعری جذبات کے آزادانہ اظہار کا نام نہیں بلکہ شخصیت سے فرار کا نام ہے لیکن درحقیقت فرار کی اس نوعیت کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کے پاس شخصیت بھی ہے اور جذبات بھی۔ (حوالہ: 2، 10، 11، 16)

155۔ **ارنسٹ ہم، تھامس: کلاسیکیت اور رومانیت**

ترجمہ: انجم حفیظ

لاہور: غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم۔اے اردو، 1975ء

تنقید: مقالہ برائے پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور۔ (حوالہ: 11)

156۔ افلاطون، ارسطو وغیرہ: مغربی شعریات

ترجمہ: ہادی حسین، محمد

لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اوّل: مارچ 1968ء

تنقید۔ افلاطون سے ٹی۔ایس ایلیٹ تک نامور مغربی ناقدین کی تنقیدیں (حوالہ: 2،3،11)

یہ کتاب ورڈز ورتھ اور شیلے کی تنقیدی آراء (شاعری کے بارے میں) سے آغاز ہوتی ہے اور 20ویں صدی عیسوی کے نمایاں ناقدین کی تنقید تک آتی ہے۔ ناقدین کے چناؤ میں انگریزی اور فرانسیسی ناقدین کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی۔ کتاب انگریزی اور فرانسیسی کی کتابوں اور مقالوں کے اہم اقتباسات کے ترجموں پر مشتمل ہے۔ تنقیدی کتب کے تراجم کو ملخص کہنا چاہیے۔ اس کام میں جو عرق ریزی ہادی حسین صاحب کو کرنا پڑی ہوگی وہ اس نوع کے کام کرنے والے ہی جانتے ہیں۔

'مغربی شعریات' افلاطون اور ارسطو سے دورِ حاضر تک کے مغربی تنقید شعر کی مختلف النوع کروٹوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

کتاب کے اوّلین مضمون کا عنوان ہے 'مغربی شعریات کے اہم سنگ ہائے میل'... یہ مضمون ڈیوڈ ڈیشز کا ہے جس میں افلاطون، ارسطو، لانجائنس، فلپ سڈنی، ڈرائیڈن، پوپ، جانسن، ورڈز ورتھ، کولرج، شیلے، میتھو آرنلڈ، آئی۔اے رچرڈز، ٹی۔ایس ایلیٹ وغیرہ ناقدین کے اہم تنقیدی کارناموں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ گو ڈیوڈ ڈیشز نے اپنے مضمون میں دیگر مغربی ناقدین (خصوصاً جرمنی، اٹلی اور فرانس) کی تنقیدی آراء کو شامل نہیں کیا لیکن جہاں تک ممکن ہوا متذکرہ بالا اہم ناقدین کے تنقید شعر سے متعلق نظریات وتصورات کو سمیٹنے کی کوشش ضرور کی گئی ہے جو اپنی جگہ اہم ہے۔

یوں یہ کتاب تنقید شعر سے متعلق اہم سوالوں کی تشریح کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ خصوصاً شاعری کیا ہے؟ آخر شاعری ہی کیوں؟ اور شاعری کیوں کر؟

یہ بحث جیسے جیسے جدید ناقدین ادب تک آتی ہے اپنی فکری گہرائی میں عمیق سے عمیق تر ہوتی جاتی ہے۔

کتاب میں فرانسیسی ناقد اور فلسفی جیکس ماری طین (Jacques Maritain) کی معرکۃ الآرا کتاب "The Creative intuition in Art and Poetry" کے تصنیف کے باب کا ملخص ترجمہ خاصے کی چیز ہے۔ 'شاعرانہ وجدان' کے ذیلی عنوان کے تحت طین کہتا ہے کہ:

شاعری میں علم کی دو اقسام سے کام لیا جاتا ہے۔

(1) اکتسابی۔ یعنی خارجی وسائل کے ذریعے حاصل کردہ معلومات، روایتی پس منظر اور سابقہ معلومات وغیرہ۔

(2) وہبی۔ یعنی روح انسانی میں ودیعت کردہ علم کے ذریعے، جو تمام انسانی معلومات کا اصل جوہر ہے۔

اس کتاب میں شیلے کا مضمون 'شاعری کا جواز' اور سی۔ڈے لیوس کی کتاب: 'A Hope For Poetry' کا ملخص ترجمہ دیگر

اہم چیزیں ہیں۔

پروفیسر نظیر صدیقی لکھتے ہیں:

اصل کتاب یا مقالہ نفس موضوع کے اعتبار سے کتنا ہی دقیق کیوں نہ ہو ہادی حسین اپنے ترجمے میں ابہام یا الجھاؤ پیدا نہیں ہونے دیتے۔ اچھے ترجمے کی ایک بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اسے پڑھتے وقت ترجمے کا احساس نہ ہو، سو یہ خوبی ہادی حسین کے ترجموں میں موجود ہے۔ ترجمے کے معاملے میں انہیں دوسروں پر ایک برتری یہ حاصل تھی کہ وہ انگریزی کے علاوہ فرانسیسی بھی جانتے تھے اور انہوں نے کئی چیزوں کے ترجمے براہ راست فرانسیسی سے کئے ہیں۔

''مغربی شعریات'' پڑھتے وقت مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہادی حسین نے شعریات سے متعلق مغربی شاہکاروں کا انتخاب کرتے وقت شاعری سے متعلق تین بنیادی مسئلوں کو سامنے رکھا۔ یعنی شاعری کیا ہے؟ شاعری کیوں ہے اور شاعری کیونکر رہے گی؟ چنانچہ اس کتاب میں شیلے کا مضمون ''شاعری کا جواز'' بھی شامل ہے اور سی ڈے لیوس C Day Lewis کی کتاب A Hope for Poetry کا مُلخّص ترجمہ بھی۔ مغرب میں شاعری کے جواز کی بحث بہت پرانی ہے۔ شاعر اور شاعری کے خلاف سب سے پہلا فتویٰ تو افلاطون ہی نے دیا تھا۔ شاعری کی ضرورت، اہمیت اور قدر و قیمت کا سب سے پہلا اعلان افلاطون ہی کے شاگرد ارسطو نے کیا۔ ارسطو کے بعد سر فلپ سڈنی دوسرا نقاد ہے جس نے شاعری کے جواز پر کتاب لکھی۔ اس کے بعد انیسویں صدی میں شیلے نے شاعری کی حمایت میں مضمون لکھا۔ بیسویں صدی میں سائنس، شاعری کی حریف بننے لگی تو آئی اے رچرڈس نے ''سائنس اور شاعری'' کے عنوان سے معرکتہ الآرا مضمون لکھا۔ ہادی حسین کی اس کتاب میں رچرڈس کے اس کارنامے کا ذکر بھی ہے اور ''سائنس اور انگریزی شاعری'' کے عنوان سے ڈگلس بش (Douglas Bush) کے مضمون کا ترجمہ بھی۔ اسی طرح ''خالص شاعری'' سے متعلق جو بحث فرانسیسی ادب میں جاری ہے، اُس سے متعلق مضامین بھی ''مغربی شعریات'' میں شامل ہیں۔

(اردو میں عالمی ادب کے تراجم: 1986ء)

157۔ افلاطون، لانجائنس وغیرہ: تنقیدی نظریے

ترجمہ: ملک حسن اختر

لاہور: جدید بک ڈپو، اردو بازار، 1966ء

تنقید۔ تنقیدی افکار کے بیان میں کئی پیراگراف ترجمہ ملتے ہیں۔ مغربی تنقید کی تاریخ (حوالہ: 2، 10، 11) افلاطون، لانجائنس، ڈرائیڈن، ورڈز ورتھ، کولرج، میتھیو آرنلڈ، آئی اے رچرڈز، ٹی۔ ایس ایلیٹ وغیرہ کے افکار اردو میں منتقل کرتے وقت مختلف پیراگراف کے تراجم بھی شامل کتاب کر لئے گئے ہیں۔ مثال دیکھیے:

جیسا کہ Ribot نے بتایا ہے کہ 'مسرت کی تلاش' مسرت کی خاطر ایک مریضانہ شکل ہے اور اپنی ذات کے لئے تباہ کن ہے۔ اس لحاظ سے مسرت ایک ایسا انجام ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ کچھ منفی یا مثبت خواہشات نے فطری طور پر حصولِ مقصد کے بعد تسکین پالی ہے۔

(ص: 162 سے اقتباس)

158۔ اوکنر، ولیم وان: ولیم فاکنر

ترجمہ: محمد سلیم الرحمٰن

لاہور: میری لائبریری بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، 1965ء

شخصیت اور فن۔ تعارفی کتابچے کا ترجمہ (حوالہ: 2، 17)

159۔ ایبرو کرومبی، لیسل: اصول تنقید

ترجمہ: عبدالسلام و جلیل احمد

کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، بندر روڈ، 1964ء

تنقید: انگریزی سے "Principles of Criticism' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 13)

160۔ ایبرو کرومبی، لیسل: ادبی تنقید کے اصول

ترجمہ: عبدالحمید شیخ

لاہور: قلمی۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، اردو سیکشن

تنقید: مقالہ برائے ایم۔اے اردو (حوالہ: 2، 11)

161۔ ایڈمن، ارون: فنون لطیفہ اور انسان

ترجمہ: عابد علی عابد، سیّد

لاہور: موسسہ فرینکلن، طبع اوّل: 1964ء

تنقید: اس کتاب میں مشہور شعراء، فلسفیوں اور مصوّروں کی فنونِ لطیفہ سے متعلق آراء کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

"Art and the Man" کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 12)

162۔ ایلیٹ، ٹی۔ایس: ایلیٹ کے مضامین

ترجمہ: جمیل جالبی، ڈاکٹر

دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، 1978ء

ص: 320

یہ کتاب پہلی بار پاکستان سے 1960ء میں، دوسری بار لکھنؤ سے 1966ء میں تیسری بار پاکستان سے 1971ء میں طبع ہوئی۔
یہ چوتھا ایڈیشن نظر ثانی و اضافے کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ مختلف مضامین کا مجموعہ ہے۔ (حوالہ: 2، 9، 15)

کتاب، ایلیٹ کے چیدہ تنقیدی مضامین کے ترجموں پر مشتمل ہے۔

کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ابن فرید رقم طراز ہیں:

مجھ جیسا ہر قاری یہ جاننا چاہتا ہے کہ ایلیٹ کون ہے؟ کیا لکھتا ہے؟ کیسا لکھتا ہے؟ یہ ترجمہ ایسے ہی قاریوں کے لئے ہے۔
جالبی کے ذہن میں بھی شاید ان قاریوں کا لحاظ تھا چنانچہ یہ کتاب صرف ایلیٹ کے مضامین کا ہی ترجمہ نہیں ہے بلکہ
ایلیٹ پر عمدہ تعارفی کتاب بھی ہے۔ دو دیباچوں کے بعد کتاب کا پہلا حصہ ایلیٹ کا ہمہ پہلو مطالعہ ہے۔ ہونا تو یہ

چاہیے تھا کہ جالبی نے جب تنقیدی مضامین کا ترجمہ کیا ہے تو وہ ایلیٹ کو صرف بحیثیت ناقد متعارف کراتے لیکن اس طرح ایلیٹ کا مطالعہ نامکمل رہتا۔ اس لئے انہوں نے اسے ہر پہلو سے متعارف کرایا ہے جس سے وہ انگریزی ادب میں اپنا مقام رکھتا ہے۔ یعنی بحیثیت شاعر، ڈرامہ نگار اور ادیب بھی۔ ان مطالعوں میں جالبی نے اس کا اہتمام بھی کیا ہے کہ ایلیٹ کی تحریروں کا مختصر اور جامع تعارف بھی ہو جائے۔ دوسرے حصہ میں جالبی نے ایلیٹ کے اہم مضامین کے ترجمے پیش کئے ہیں۔ ان مضامین کو انہوں نے شعوری طور پر تین ضمنی حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ پہلا حصہ شاعری سے، دوسرا حصہ نظریہ وفکر سے اور تیسرا حصہ تنقید سے متعلق ہے۔

('الفاظ' علی گڑھ بابت: جنوری، فروری : 1979ء، ص: 121)

ڈاکٹر جمیل جالبی نے ان ترجموں میں فکر محض کی زبان برتنے پر جس دسترس کا مظاہرہ کیا وہ بہت کم دیکھنے میں آیا۔ ترجمہ کرتے وقت انہوں نے مضمون کے ہر اہم اور قابل مطالعہ (اردو دان طبقے کے لئے) حصوں کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا ہے کہ ترجمہ پن کا احساس نہیں ہوتا۔

ٹی ایس ایلیٹ کے تنقیدی افکار اور اُس کی شاعری اور ڈراما اردو دنیا میں توجہ کی نظر سے دیکھے گئے۔ ایلیٹ کا تصور روایت ہمارے ہاں کئی مکالموں اور مباحثوں کا موضوع رہا۔ ہماری یونیورسٹیوں میں ایلیٹ بطور نقاد 1968ء سے شامل نصاب ہے۔ ایلیٹ کی تنقید، شاعری اور ڈراما سے کماحقہ واقفیت کیلئے ''ایلیٹ کے مضامین'' کے ساتھ ''ٹی۔ ایس ایلیٹ: اردو دنیا میں خیر مقدم'' از مرزا حامد بیگ کا مطالعہ بھی سود مند ثابت ہوسکتا ہے۔ یہ ضخیم کتاب دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد نے 1999ء میں شائع کی ہے۔

163۔ تھورو، ہنری ڈیوڈ: انگریزی ادب

ترجمہ: علی عباس حسینی

نئی دہلی: ساہتیہ اکیڈمی، 1960ء

تنقیدی مقالات۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 15)

164۔ ٹالسٹائی، کاؤنٹ لیو: خیالاتِ ٹالسٹائی

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: نام مطبع ندارد۔ س۔ن

تنقیدی نظریات۔ ٹالسٹائی فکر و فلسفہ (حوالہ: 2، 10، 12)

165۔ چیز، رچرڈ: والٹ وہٹمین

ترجمہ: سجاد حارث

لاہور: مکتبہ میری لائبریری بہ اشتراک موسسہ فرینکلن،

فن و شخصیت۔ تنقیدی کتاب انگریزی سے ترجمہ۔ مترجم سجاد حارث ایف۔سی کالج، لاہور میں اردو کے استاد تھے۔

(حوالہ: 2، 17)

166۔ ڈائشز، ڈیوڈ: ادب: اور تنقیدی نظریے

ترجمہ: مبارکہ انجم

لاہور: قلمی۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری اردو سیکشن

تنقید: مقالہ برائے ایم۔اے اردو (حوالہ: 11،2)

167۔ ڈاؤلر، ایلن: موجودہ ڈراما

ترجمہ: عابد علی عابد، سیّد

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسہ فرینکلن،

تنقید: امریکن ڈرامے سے متعلق تحقیق و تنقید۔ اصل کتاب امریکہ سے شائع ہوئی۔ (حوالہ. 17،2)

168۔ راس، ڈینفرتھ: مختصر افسانہ

ترجمہ: عابد علی عابد، سیّد

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

تنقید: اصل کتاب امریکہ سے شائع ہوئی۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 17،2)

169۔ رچرڈز، آئی۔اے وغیرہ: نئی تنقید

مرتبہ: صدیق کلیم وظہور الحق شیخ

لاہور: سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی، گورنمنٹ کالج، 1969ء

تنقید: آئی۔اے رچرڈز، ایف۔آر لیوس، کرسٹوفر کارڈویل، ماڈ باڈکن، ولیم ایمپسن، ایلن ٹیٹ، ایڈمنڈ ولسن وغیرہ متعدد ناقدین کے مضامین کا ترجمہ۔ آخر میں اصطلاحات دی گئی ہیں۔ (حوالہ:2،11)

مرتب: صدیق کلیم۔ معاون: ظہور الحق شیخ

کتاب میں شامل ترجمہ شدہ مضامین کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ادبی قدروں کا نفسیاتی تجزیہ۔ آئی اے رچرڈز/ صبیح الدین احمد۔ رچرڈز، انگریزی تنقید کا معتبر نام ہے۔ جس نے نفسیاتی تنقید کو ایک قدر کا درجہ بخشا اور عملی تنقید کا سائنسی طریق اپنایا۔

2۔روایت اور نئی تخلیق ٹی۔ایس ایلیٹ/ صدیق کلیم۔ ایلیٹ، امریکی ادب خصوصاً شاعری اور تنقید کا نمایاں نام ہے۔ جس کے 'حسی ادراک کے انقطاع' اور 'معروضی ارتباط' کے نظریات نے جدید دور کی ادبیات پر نہ صرف گہرے اثرات مرتّب کئے بلکہ روایت کا وہ شعور بھی بخشا جو زمانی بُعد کی دوریوں کو سمیٹتا ہے۔

3۔ شاعری اور جدید دنیا۔ ایف۔آر لیوس/ ظہور الحق شیخ۔تنقید میں ایلیٹ کے کام کو آگے بڑھانے والا نام۔ جس نے نئے ناقد کو 'شارح' کی اضافی ذمہ داری بھی سونپی۔

4۔ شاعری کی ابتداء۔ کرسٹوفر کارڈویل/ محمد تاثیر علی۔ مارکسی تنقید کا ایک نام۔ جس نے ترقی پسند تنقید کو بنیادیں فراہم کیں۔

5۔ المیہ شاعری میں انسانی کردار کے بنیادی پیکر۔ ماڈ باڈکن/ صادق ندیم۔ شاعری میں 'بنیادی کرداری پیکر' کی نظریہ ساز خاتون ناقد۔ اس کی تنقید میں اجتماعی لاشعور کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

6۔ ابہام کی ایک صورت۔ ولیم ایمسن/ خالد، ناقد۔ جس نے آئی۔ اے رچرڈ کی اصول تنقید کو عملی تنقید میں ڈھالا۔ بالخصوص اسالیب بیان پر خصوصی مطالعے پیش کئے۔

7۔ شاعری کی تین قسمیں۔ ایلن ٹیٹ/ عبدالرؤف انجم۔ امریکی شاعر اور ناقد 'نئے ادب' کے معماروں میں سے ایک۔

8۔ علامتی اظہار۔ ایڈمنڈ ولسن/ ظہور الحق شیخ و سہیل صفدر۔

9۔ ادب اور مارکیسٹ۔ ایضاً/ ضیاء الرحمٰن خان ایڈمنڈ ولسن۔ جدید امریکی ناقد، جس نے شعری اسالیب کا بھرپور جائزہ لیا۔

10۔ادب اور فرائڈ۔ لائنل ٹرلنگ/ عبدالعزیز بٹ۔ فرائڈین مکتب فکر کا جدید امریکی ناقد

11۔حسی ادراک کا انقطاع۔ فرینک کرموڈ/ سہیل صفدر۔ رومانی ادب کو نئی کروٹ دینے والا جدید برطانوی ناقد

12۔ادب کیا ہے؟ ژاں پال سارتر/ ڈاکٹر لئیق بابری۔ فرانس کا فلسفی اور ناقد، جس نے مارکسیت اور وجودیت میں رابطے تلاش کئے۔ 'وجودی اسکول' کا بانی۔

13۔ادب اور فن۔ ماؤزے تنگ/ رفیق محمود۔ ظہور الحق شیخ۔ نئے چین کا معمار اعظم، شاعر، فلسفی اور جرنیل

14۔ادب کیا ہے؟ طٰہٰ حسین/ محمد منور۔ جدید مصر کا مفکر اور ناقد

اس کتاب میں ادبی تنقید کے علاوہ فلسفیانہ مسائل پر بھی تراجم شامل کئے گئے ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

15۔قرونِ وسطیٰ کے انسان کا منتہائے مقصود۔ جان ہرمن رینڈل/ صدیق کلیم

16۔وجودیت اور انسان دوستی۔ ژاں پال سارتر/ ظہور الحق شیخ

17۔وجودیت اور سارتر۔ میری وارناک/ بختیار حسین صدیقی۔ وجودی خاتون ناقد۔ اپنی ذات میں اخلاقیات کا مکتب فکر

18۔ارسطو سسی فس۔ البیر کامیو/ بشیر احمد چشتی۔ فرانسیسی ناول نگار اور ناقد۔ جس کے لئے وجودی فلسفہ ایمان کا درجہ رکھتا تھا۔ وہ جب تک جیا ''لایعنیت'' کا پرچار کرتا رہا۔

کتاب ''نئی تنقید'' کے آخر میں اصطلاحات کی ایک فہرست شامل کی گئی ہے جس کی وجہ سے مضامین کی فلسفیانہ اور ناقدانہ بصیرت کے قاری تک پہنچانے میں آسانی ہوتی ہے۔

170۔ ژید، آندرے وغیرہ: باقی ماندہ خواب

ترجمہ: کشور ناہید

لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، سرکلر روڈ، 1982ء

تنقید: 21 مضامین کا مجموعہ جس میں نئے کلاسیک کو نمائندگی دی گئی ہے۔ (حوالہ: 10،2)

کتاب میں ادب، فنونِ لطیفہ اور نظریۂ فن سے متعلق مضامین اور مکالمے شامل ہیں۔ حروف تہجی کے اعتبار سے مندرجہ ذیل اہم شخصیات کی تحریروں کے تراجم شاملِ کتاب ہیں:۔

1۔ آندرے ژید۔ مضمون: 'ادب میں متاثر ہونے سے کیا مراد ہے۔'

2۔ آندرے مالرو: 'فن اور تہذیبی ارتقا'

3۔ آرکیبالڈ میکلیش: 'شاعر اور زمانہ'

4۔ ایزرا پاؤنڈ: 'شعر میں نثر کی روایت'

5۔ اینا سیکسٹن 'ذاتی واردات۔ تسلیماتی شاعری'

6۔ اکتاویو پاز: 'شاعری اور تاریخ'

7۔ البیر کامیو: 'تین آوازیں'

8۔ انائس نن: 'خواب اور تخلیق کا رشتہ'

9۔ ایڈرن رچ: 'جب ہم مردے زندہ ہوتے ہیں'

10۔ ایریکا یونگ: 'تخلیقی فعالیت'

11۔ اینا اخماتووا: 'اور یہ میں ہوں'

12۔ برنارڈ ملاموڈ: 'افسانے کا فن'

13۔ پاسترناک: 'شاعری میرا پیشہ ہے'

14۔ پابلو نرودا: 'شاعری میرا پیشہ ہے'

15۔ ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ: 'روایت اور انفرادی ذہانت'

16۔ لارنس ڈریل: 'ادبی شخصیات اور مناظر فطرت'

17۔ جارج خورخے لوئس بورخس: 'میں اور میرا فن'

18۔ جین کوکتو: 'فکشن کا فن'

19۔ ولیم فاکنر: 'ادیب کی ذمہ داری'

20۔ یوتے شنکو: 'ضیافتِ انصاف'

21۔ یوجین آئنسکو: 'ڈائری کے چند اوراق' کے علاوہ سال بیلو، کارل یونگ، ڈی۔ ایچ لارنس، ہرمن ہیسے، ہنری ملر وغیرہ کے مضامین شامل کتاب ہیں۔ ترجمہ سے نمونہ ملاحظہ ہو:

> مسلسل غصہ، میرا گلا بند کر دیتا ہے۔ میں بھلا اب بھی موت سے کیسے ڈر سکتا ہوں۔ بلکہ میں موت کی خواہش کیوں نہیں کرتا؟ میں نے ہمیشہ خدا میں یقین رکھنے کی کوشش کی ہے، مگر وہ خلیج جو میرے اور اس کے درمیان ہے وہ پُر نہیں ہوتی۔

171۔ فورسٹر، ای۔ایم: ناول کا فن

ترجمہ: ابوالکلام قاسمی: ڈاکٹر

علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، پہلا ایڈیشن 1978ء

صفحات: 140

قصہ، کردار، پلاٹ، فنتسی، پیش گوئی، پیٹرن اور آہنگ وغیرہ موضوعات پر۔ پیش لفظ میں مترجم نے کتاب کی اہمیت واضح کی ہے۔ طباعت لیتھو، تعداد اشاعت ایک ہزار۔ (حوالہ: 2، 9، 16)

172۔ کامیو، البیر، سیسیفس کی کہانی

ترجمہ: انیس ناگی

لاہور: ص۔ن پبلیکیشنز پوسٹ بکس 1429ء۔ 1980ء

تنقید: لایعنیت پر ایک مقالہ۔ انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ دعوئ فرانسیسی زبان سے براہ راست ترجمے کا کیا گیا ہے۔

(حوالہ: 2، 11)

نقاد، افسانہ نگار، ناول نگار، ڈراما نگار اور فلاسفر البیر کامیو (1913ء۔1960ء) کے تین بڑے موضوعات (1) ایک لایعنی استدلال (2) لایعنی فرد اور (3) لایعنی تخلیق پر نوٹس کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں 'لایعنیت اور خودکشی'، 'لایعنی دیواریں'، 'فلسفیانہ خودکشی'، 'لایعنی آزادی' (ایک لایعنی استدلال)، 'ڈان جانزم'، 'ڈرامہ' اور تسخیر (لایعنی آدمی) 'فلسفہ اور فسانہ'، 'کری لوف'، 'فانی تخلیق'، 'سیسیفس کی کہانی' (لایعنی تخلیق) شامل ہیں۔

کتاب کے ضمیمہ کے طور پر 'کافکا کی تخلیقات میں امید اور لایعنیت' نامی مضمون شامل ہے۔ کتاب کا دیباچہ کامیو نے 1955ء میں لکھا۔ انیس ناگی کا چھ صفحات پر مشتمل دوسرا دیباچہ کامیو کی زندگی اور اس کے فکر و فن کا تعارفیہ ہے۔

ترجمہ کا نمونہ ملاحظہ ہو:

> 'بہرکیف ہم دیکھتے ہیں کہ کافکا کی تخلیقات تصور کی کس روایت میں اپنا مقام بناتی ہے۔ 'مقدمہ' سے 'قلعہ' کو ناگزیر پیش قدمی سے تعبیر کرنا ذہانت پر دلالت کرتا ہے۔ جوزف 'K' اور 'زمین پیا' دو قطب (یہاں لفظ قطبین' برتا جانا چاہیے تھا۔ جملے کی بنت بھی جمع کے صیغے کی متقاضی تھی) ہیں جو کافکا کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ میں اس کے لہجے میں بات کرتا ہوا یہ کہوں گا کہ اس کی تخلیق غالباً لایعنیت کی حامل نہیں ہے۔ لیکن یہ ہمیں اس کی شان و شوکت اور اس کی آفاقیت کے مشاہدے سے محروم نہیں کرتی۔ (جملے کے آخر میں 'ہے' کا لفظ زائد ہے۔ اس جملے سے پہلے کا اختتامیہ بھی 'ہے' سے ہوتا ہے۔) وہ امید سے غم اور بے جگر ('بے جگری' بے خوفی کے معنوں میں آیا ہے، 'بے جگر' کی ترکیب کم از کم اردو میں نہ دیکھی نہ سنی۔) سے ارادی نابینے پن (یہاں 'نابینا پن' برتا جانا چاہیے تھا) کے روزمرہ راستہ کو بھرپور طریقے سے پیش کرنے سے جنم لیتی ہے۔

(ص 157 سے اقتباس)

ترجمے کی یہ خامیاں البیر کامیو کی فکر تک رسائی کو ناممکن بنادیتی ہیں۔ کاش یہ کتاب واقعتاً فرانسیسی زبان سے براہ راست اردو میں منتقل ہوتی (جس کا محض دعویٰ انیس ناگی نے کیا ہے) اور فرانسیسی زبان سے کلی واقفیت رکھنے والا مترجم اس کتاب کا حق ادا کرتا۔ انیس ناگی، بہ زُعمِ خود عظیم افسانہ نگار، شاعر، ناول نگار، نقاد اور مترجم تھے۔ اُن کی نثری نظم بعض اوقات ردّم میں چلتی، آزاد نظم نثری نظم میں ڈھل جاتی اور نثر میں عدالتی زبان در آتی۔ مرزا غالب کو شاعر نہیں، اداکار مانتے تھے۔ تمام عمر عجب مشکل میں رہے۔

173۔ کرانسکی، سگمنڈ: ہلاکِ فریب

ترجمہ: جعفر علی خاں اثر

دہلی: کتابی دنیا لمیٹڈ،

تنقید: آن ڈیوائن کامیڈی، کا ترجمہ۔ یہی ترجمہ لاہور سے 'آن ڈیوائن کامیڈی' کے نام سے شائع ہوا۔(حوالہ: 14، 16)

174۔ کرانسکی، سگمنڈ: آن ڈیوائن کامیڈی

ترجمہ: جعفر علی خاں اثر

لاہور: نام مطبع ندارد

تنقید: 'آن ڈیوائن کامیڈی' کا ترجمہ یہی ترجمہ دہلی سے 'ہلاک فریب' کے نام سے شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

175۔ کیمبسن، گلاکو: حالیہ شاعری امریکہ میں

ترجمہ: قیوم نظر

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، س۔ن

تنقید: امریکی شاعری سے متعلق کتاب کا انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 17)

176۔ گریبانیئر: تھارنٹن وائلڈر

ترجمہ: کمال احمد رضوی

لاہور: مکتبہ میری لائبریری بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

شخصیت وفن۔ کتابچہ۔ امریکی ادیب سے متعلق (حوالہ: 2، 17)

177۔ گلیسن (جونیئر)، ایچ۔ ایس: توضیحی لسانیات۔ ایک تعارف:

ترجمہ: عتیق احمد صدیقی

دہلی: ترقی اردو بورڈ: جے۔ کے آفسٹ پرنٹرز۔ دہلی، 1979ء

صفحات: 589

لسانیات/تنقید: اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن 1982ء میں شائع ہوا جب کہ اشاعتی ادارے کا نام تبدیل ہو کر اب ''قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان'' ہو گیا ہے۔ (حوالہ: 2، 9، 15)

178۔ لانجائنس: ارفع ادب

ترجمہ: عبدالحمید چودھری

لاہور: قلمی، پنجاب یونیورسٹی، اردو سیکشن

تنقید: مقالہ برائے ایم۔اے اردو نمبر T888، I75J۔ (حوالہ: 2، 11)

179۔ لڈوگ، جیک: جدید ناول نگار

ترجمہ: سجاد باقر رضوی

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

تنقید: امریکہ کے جدید ناول نگاروں سے متعلق کتابچہ (حوالہ: 2، 14)

180۔ لوئس، میری: واشنگٹن ارونگ

ترجمہ: میرزا ادیب

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

شخصیت اور فن۔ انگریزی سے ترجمہ۔ اصل کتاب امریکہ سے شائع ہوئی۔ (حوالہ: 2، 17)

181۔ لوئیس، میری: مارک ٹوین

ترجمہ: سجاد حارث

لاہور: میری لائبریری بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

شخصیت اور فن۔ مشہور مزاح نگار سے متعلق انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 17)

182۔ ماؤزے تنگ: فن اور ادب کے مسائل

ترجمہ: عبدالرؤف خاں

لاہور: مکتبہ میری لائبریری، س۔ن

تنقید: ادبی مسائل پر عظیم چینی راہنما کے افکار (حوالہ: 2، 10، 11)

183۔ مجتبیٰ مینوی: اقبال

ترجمہ: غلام مصطفیٰ تبسم، صوفی

لاہور: بزم اقبال، 1955ء

شخصیات اور فن۔ (حوالہ: 2، 10، 11، 16)

184۔ موردا، آندرے: آرٹ آف یونگ

ترجمہ: محمد اسلم

حیدرآباد سندھ: ایجوکیشنل بک ڈپو، 1956ء

تنقید: نفسیات دان کارل یونگ کے فن سے متعلق کتاب کا ترجمہ۔ کارل یونگ نے اجتماعی حافظے کا تصور پیش کیا تھا۔

(حوالہ: 2، 10، 11)

185۔ ونگر، لیونارڈ: ٹی۔ ایس ایلیٹ

ترجمہ: قیوم نظر

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

شخصیت اور فن۔ اصل کتابچہ امریکہ سے شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 17)

186۔ ورڈز ورتھ، ولیم: ورڈز ورتھ اور اس کی شاعری

انتخاب و ترجمہ: میر حسن، مولوی

حیدرآباد دکن: ادارۂ ادبیات اردو: مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس، س۔ن

تنقید مع ترجمہ: اس کتاب میں مولوی میر حسن نے ورڈز ورتھ کی تقریباً تمام اہم نظموں کا نثری ترجمہ پیش کر دیا ہے۔ (حوالہ: 2)

187۔ ویگز، ہائی ایٹ۔ ایچ: نتھینیل ہاتھارن

ترجمہ: عابد علی عابد، سید

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

شخصیت اور فن۔ امریکی مصنف سے متعلق معلوماتی کتابچہ (حوالہ: 2، 17)

188۔ ہاورڈ، لی آن: ہرمن میلول

ترجمہ: محمد عثمان، پروفیسر

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

شخصیت اور فن۔ انگریزی سے ترجمہ۔ اصل کتاب امریکہ سے شائع ہوئی۔ پروفیسر محمد عثمان، اقبالیات پر اتھارٹی کا درجہ رکھتے تھے۔ 47-1946ء میں گورنمنٹ کالج کیمبل پور (حال: اٹک) میں رہے۔ دیوندر اسر اُن کے شاگرد ہیں۔ (حوالہ: 2، 17)

189۔ ہڈسن، ولیم ہنری: مقدمہ مطالعۂ ادب

ترجمہ: محمد رفیع الدین (ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی)

لاہور: غیر مطبوعہ

تنقید: مقالہ برائے ایم۔ اے (اردو) پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور (حوالہ: 2)

190۔ ہڈسن، ولیم ہنری: ادبی تنقید
ترجمہ: عصمت جاوید
الہ آباد: اردو رائٹرس گلڈ، 1977ء
ص: 112
تنقید اور ادب کی قدر و قیمت کا تعین، تنقید کے وظائف، مطالعہ تنقید، تنقید کے تاریخی پہلو، ادب کی قدر شناسی وغیرہ موضوعات پر۔ تعداد اشاعت 200، طباعت آفسٹ۔ (حوالہ:9، 15)

191۔ ینگ، فلپ: ارنسٹ ہیمنگوے
ترجمہ: محمد سلیم الرحمٰن
لاہور: میری لائبریری بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، 1965ء
شخصیت اور فن۔ اصل کتابچہ امریکہ سے شائع ہوا، انگریزی سے ترجمہ ہوا۔ (حوالہ:2، 17)

ooo

داستان / حکایت / لوک کہانی

192۔ ٹمپل، آر۔سی: حکایات پنجاب (تین جلدیں)
ترجمہ: عبدالرشید، میاں
لاہور: مجلس ترقی ادب، 1962ء۔ پنجاب کی لوک کہانیوں کی پہلی مستند کتاب۔
ص: 387 (حوالہ:2، 5، 11)

193۔ ڈفرن، لارڈ: حکایتِ ڈفرینہ
ترجمہ: رتن ناتھ سرشار، پنڈت
نام مطبع و سنہ اشاعت نامعلوم
حکایت: رام بابو سکسینہ نے اس ترجمے کو 'Letter From High Latitude' کا ترجمہ بتایا ہے، چکبست کے مضامین، نولکشور پریس کی فہرستیں اور جوبلی پرنٹنگ ورکس سے متعلق معلومات اس ترجمے کے باب میں خاموش ہیں۔ (حوالہ:2)

194۔ گاندھی، مہاتما: حکایاتِ گاندھی
ترجمہ: حامد اللہ افسر

دہلی: سنگم کتاب گھر، 1954ء

حکایات: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

195۔ لقمان، حکیم: حکایات لقمان

ترجمہ: نظام الدین

بمبئی: نام مطبع ندارد، 1844ء

حکایات: یونانی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 1، 2)

196۔ لقمان، حکیم: حکایات لقمان

ترجمہ: محبوب عالم

لاہور: پیسہ اخبار، 1893ء

حکایات: یونانی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 1، 2)

197۔ لقمان، حکیم: جوہر لقمان

ترجمہ: جیمز فرانس کارکرن

لاہور: مجلس ترقی ادب، 1960ء

حکایات: یونانی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ

نظر ثانی: شاہ الفت حسین موسوی (حوالہ: 2، 3، 16)

جیمز فرانس کارکرن اپنی تالیف و ترجمہ 'تاریخ ممالک چین' کے باعث مشہور ہیں۔ وہ عدالت دیوانی صدر کلکتہ میں ایک زمانے تک مترجم کی حیثیت سے رہے، وفات: کلکتہ 1864ء۔ انہیں اردو، عربی اور فارسی پر کامل عبور حاصل تھا اس کے باوجود انہوں نے اس ترجمہ کو اغلاط سے پاک رکھنے کے لئے شاہ الفت حسین مُوسوی صاحب کی نظر سے گزارا۔

یہ کتاب مشہور نصیحت آمیز تمثیل نگار ایسپ کی بعض حکایات کا اردو ترجمہ ہے۔ تاحال یہ طے نہیں ہو سکا کہ ایسپ ایک تاریخی شخصیت ہے یا نہیں۔ مشرق میں اس کی حکایات 'حکایاتِ لقمان' کے نام سے مشہور ہیں۔ لقمان سے متعلق معلومات کے لئے 'قصص القرآن' تالیف حفظ الرحمٰن سے رجوع کرنا چاہیے۔ تاحال یہ طے نہیں ہو پایا کہ مشرق میں جو حکیم لقمان مشہور ہے آیا وہی مغرب میں ایسپ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یا نہیں۔

198۔ داستان سرائے

ترجمہ: صادق الخیری

لاہور: شہناز بک ڈپو کلب

داستان/ ناول/ افسانہ/ ڈراما/ کہانی/ خطوط/ آپ بیتی کا انتخاب، انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 16)

199۔ دانتے: داستانِ جہنم

ترجمہ: عنایت اللہ دہلوی

دہلی: ساقی بک ڈپو

داستان/ ڈراما: 'Inferno: Divine Commedia' کا ترجمہ۔ ایک ترجمہ عزیز احمد کا 'طربیہ خداوندی' کے نام سے ملتا ہے۔ محمد حسین غازی نے 'دوزخ کی سیر' کے نام سے Divine commedia کے ایک منظر کا ترجمہ کیا جو رسالہ 'ہمایوں' اپریل 1936ء کے صفحہ 283 تا 295 پر مولانا حامد علی خان کے ابتدائیے کے ساتھ شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

200۔ دانتے: طربیہ خداوندی (دو جلدیں)

ترجمہ: عزیز احمد

دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، طبع اوّل 1943ء

طربیہ/ داستان: 'Inferno: Divine Commedia' کا جرمن زبان سے براہِ راست ترجمہ مع مقدمہ وحواشی۔ انجمن نے دوسری بار کراچی سے 1960ء میں شائع کیا۔ (حوالہ: 2، 10، 11، 14)

201۔ ہملس، مس: دخترِ وزیر

ترجمہ: ن۔ن

گجرات: ''صوفی''، پنڈی بہاؤالدین، س۔ن

داستان: انگریزی سے ترجمہ 1923ء سے قبل شائع ہوا۔ بعدازاں پنڈی بہاؤالدین کا نام منڈی بہاؤالدین کر دیا گیا۔

(حوالہ: 1، 2)

OOO

ڈراما

202۔ آسکر وائلڈ: جمیل (ارنسٹ)

ترجمہ: تمکین کاظمی

لاہور: طبع اوّل: 1928ء

ڈراما: 'The Importance of Being Earnest' کا ترجمہ۔ اس ڈرامے کا ایک ترجمہ مجنوں گورکھپوری نے بھی کیا تھا۔ ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے 'مخزن' افسانہ نمبر اگست ستمبر 1929ء میں اس ترجمے پر اظہارِ خیال کیا تھا۔ آئینہ ادب لاہور نے دوسری بار

1957ء میں 112 صفحات کی ضخامت میں شائع کیا۔ (حوالہ 2، 4، 10، 11)

ڈاکٹر محمد دین تاثیر اپنے تبصرہ مطبوعہ 'مخزن' اگست ستمبر 1929ء میں لکھتے ہیں:

ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ لانا عیب نہیں۔ لیکن سیاق وسباق سے ظاہر ہوگا کہ ان تراجم سے اصل مطلب بالکل خبط ہو جاتا ہے اور کوئی نئی بات بھی پیدا نہیں ہوتی۔

القصہ جتنی خوشی سے میں نے اس کتاب کو مطالعہ کے لئے اٹھایا اتنی ہی مایوسی سے اسے ختم کر کے پھینک دیا۔ ترجمہ میں نہ صحت لفظی ہے نہ معنوی۔ اصل کے 'اسلوب بیان' کا شائبہ بھی نہیں ہوتا اور خوانخواہ 'نامانوس زبان' استعمال کی ہے۔ قریبا ہر صفحہ پر کوئی نہ کوئی غلطی ہے۔ میری رائے میں ایسے تراجم کرنے سے نہ کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ اس طرح اردو دان پبلک میں وائلڈ کے متعلق غلط 'تاثرات' پیدا ہونے لازمی ہیں۔ میں تو حیران ہوں کہ جس شخص نے انگریزی میں ڈرامہ نہ پڑھا ہو وہ اس اردو عبارت سے کس طرح لطف تو درکنار کوئی مطلب بھی اخذ کر سکتا ہے! اور سب سے زیادہ حیرت مجھے اس ترجمے کے متعلق دارالترجمہ حیدرآباد کے رکن جوش ملیح آبادی کی اس رائے پر ہے کہ: 'انگریزی طرز بیان کی تمام خصوصیتوں کا حامل ہے۔' مگر شاید اس کی وجہ جوش صاحب کا اردو شاعر ہونا ہے۔

شاید چند سطور اردو ترجمے میں غیر زبانوں کے اسمائے معرفہ کے استعمال کے متعلق بے محل نہ ہوں۔ کسی تصنیف کے اخذ نہ کرنے اور اردو ترجمہ کرنے میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اسمائے معرفہ جو ضرب المثل ہو چکے ہوتے ہیں، جوں کے توں رہتے ہیں۔ شیکسپیئر کی مخلوق ہیملٹ، میکبتھ، لیئر، اوتھیلو وغیرہ کے نام بدلنا ایسا ہی واہیات ہے جیسے کوئی، اکبر، شیر شاہ، صلاح الدین اور اشوک کے ناموں کی جگہ اور نام رکھ دیئے جائیں۔ مگر انگریزی اور فرانسیسی زبان میں تلفظ بہت بے اصولی سے کیا جاتا ہے۔ لکھتے کچھ ہیں اور پڑھتے کچھ ہیں۔ اردو، فارسی، عربی کی طرح مقررہ قاعدے نہیں۔ گو اردو میں بھی معدودے چند بے قاعدگیاں موجود ہیں۔

انگریزی اور فرانسیسی سے ترجمہ کرتے ہوئی اسمائے معرفہ کے تلفظ کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے۔ اس بارے میں ہمارے مترجمین نے (یہاں دونوں کا نام اس لئے لیتا ہوں کہ دوسرے صاحب بی۔اے ہیں) زیادہ احتیاط نہیں فرمائی۔ چنانچہ ایک شخص کا نام الگرنان رکھا ہے۔ (میں نے لفظی ترجمے دیتے ہوئے یکسانیت کے خیال سے اس کو یونہی رہنے دیا ہے)۔ حالانکہ اس نام کا کوئی فرد ڈرامے میں نہیں۔ منقولہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ Algernon کی مسخ شدہ صورت ہے جس کا تلفظ الجنن ہوسکتا ہے۔ الجر نان بھی ناقابل معافی نہ ہوتا کیونکہ ہم جا و بے جا راء کی آواز کو استعمال کرنے کے عادی ہیں۔ R کی آواز محض Vowel آوازوں کے پہلے نکلتی ہے، اور کسی جگہ نہیں۔ مثلاً انگریز Robert کو روبٹ کہے گا، روبرٹ نہیں۔ بہرحال Algernon کو الگرنان کہنا بالکل غلط ہے۔''

(''مخزن ''لاہور''، اگست، ستمبر 1929ء'')

"The Importance of Being Earnest" پر دو فیچر فلمیں ہالی وڈ، امریکہ سے تیار ہوئیں۔ پہلی فلم مشہور ہدایت کار Anthony Asquith نے 1952ء میں بنائی تھی جبکہ دوسری فلم اسی عنوان سے 2002ء میں اولیور پارکر (Oliver Parker) نے تیار کی۔

203۔ آسکر وائلڈ: ارنسٹ

ترجمہ: مجنوں گورکھپوری

لاہور: آئینہ ادب، س۔ن

ڈراما: 'The Importance of Being Earnest" کا ترجمہ۔ گورکھ پور سے پہلی بار 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ ایک ترجمہ تمکین کاظمی کا بھی ملتا ہے۔ (حوالہ:2، 11)

204۔ آسکر وائلڈ: ڈورین گرے کی تصویر

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: بک لینڈ

ڈراما: "The Portrait of Dorian Gray" کا ترجمہ۔ اس ڈراما کو بنیاد بنا کر ہالی وڈ، امریکہ کے ہدایت کار Ablert Lwein نے 1945ء میں فیچر فلم بنائی تھی۔

204۔ آسکر وائلڈ: سالومی

ترجمہ: مجنوں گورکھپوری

الہ آباد: کتابستان: طبع اوّل: 1925ء

ڈراما: انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ ایک ترجمہ شاہد احمد دہلوی نے بھی کیا تھا۔ (حوالہ:2، 10، 11)

205۔ آسکر وائلڈ: سالومی

ترجمہ: شاہد احمد دہلوی

دہلی: ساقی بک ڈپو

یہ شہرۂ آفاق ڈراما پہلے پہل 1896ء میں پیرس (فرانس) میں اسٹیج کیا گیا۔ نیو اسٹیج لندن 1905ء اور برلن (جرمنی) میں 1951ء میں کھیلا گیا۔ پلے ہاؤس لاہور (پاکستان) والوں نے مارچ 1961ء میں اسٹیج کیا۔ یہ ترجمہ دوسری بار پیپلز پبلشنگ ہاؤس لاہور نے شائع کیا۔ (حوالہ:2، 10، 11)

206۔ آسکر وائلڈ: ویرا

ترجمہ: سعادت حسن منٹو و حسن عباس

امرتسر: دارالاحمر، طبع اوّل: 1934ء

ڈراما: دوسری بار مکتبہ شعر و ادب سمن آباد لاہور نے 1975ء میں شائع کیا۔ چار ایکٹ میں المیہ ڈراما۔ انقلاب روس کی خونچکاں داستان۔ مقام: روس، زمانہ: 1795ء۔ افرادِ تمثیل پٹیر یبوروف: سرائے کا مالک۔ ویرا یبوروف: اس کی بیٹی۔ مچل: ایک دہقان (حوالہ:2، 16)

207۔ آندریف: انسان کی زندگی

ترجمہ: ابوسعید قریشی

لاہور: مکتبہ اردو، 1944ء

ص: 135

ڈراما: دوسری بار چودھری اکیڈمی لاہور نے شائع کیا۔ (حوالہ:2،10،11)

208۔ ابسن، ہنرک: گڑیا گھر

ترجمہ: عبدالشکور

علی گڑھ: نام مطبع ندارد، 1928ء

ڈراما: ڈالس ہاؤس کا ترجمہ۔ ڈراما نگار کا تعلق ناروے سے تھا۔ وہ نارویجن زبان میں لکھتے تھے۔ انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ:2،5)

209۔ ابسن، ہنرک: دریائی خاتون

ترجمہ: شیدا محمد

حیدر آباد دکن: تاج پریس

ڈراما: تلخیص و ترجمہ۔ نارویجن زبان سے، انگریزی کی معرفت (حوالہ:1،8)

210 ابسن، ہنرک: گڑیا گھر

ترجمہ: قدسیہ انصاری

دہلی: آزاد کتاب گھر، 1957ء

ڈراما: ''ڈالس ہاؤس''، کا نارویجن زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ:2)

211۔ ابسن، ہنرک: معمارِ اعظم

ترجمہ: عزیز احمد

دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند) طبع اوّل:1940ء

ص: 320

ڈراما: نارویجن زبان سے 'The Master Builder' کا ترجمہ انگریزی زبان کی معرفت۔ پہلے انجمن کے رسالہ 'اردو' دہلی 1938ء میں طبع ہوا۔ (حوالہ:2،14)

212۔ ابسن، ہنرک: حشرات الارض

ترجمہ: فضل الرحمٰن

ڈراما: اردو ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2،5)

213۔ ابسن، ہنرک: جمہور دشمن

ترجمہ: محمد صفدر

لاہور: ویسٹ پاک پبلشنگ کمپنی، س۔ن

ڈراما: 'The Enemy of The People' کا ترجمہ (حوالہ: 2)

214۔ اسکاٹ، سروالٹر: شہیدِ وفا

ترجمہ: عبدالحلیم شرر، مولانا

ڈراما: انگریزی سے ترجمہ، 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2،5)

215۔ انصاری، ظ (مؤلف، مرتب و مترجم): جارج برنارڈ شا ایک نظر میں

دہلی: مکتبہ بُرہان، اردو بازار، طبع اوّل 1951ء

ڈراما: برنارڈ شا کی سوانح مع چار ڈراموں کا ترجمہ (حوالہ: 12، 13، 16)

216۔ انگریزی ڈرامے

ترجمہ: مترجمین دہلی کالج

دہلی: دہلی کالج، س۔ن

ڈرامے: انگریزی کے منتخب ڈرامے برائے نصاب دہلی کالج۔ ترجمہ 1957ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 1،2)

217۔ بائرن، لارڈ: قابیل

ترجمہ: مجنوں گورکھپوری

گورکھپور: ایوان اشاعت، س۔ن

ص: 198

ڈراما: انگریزی سے ترجمہ، آدم کے بیٹوں کی ازلی آویزش ڈرامے کا موضوع ہے۔ (حوالہ: 2،9،11)

218۔ برانڈن، تھامس: ہنسی ہنسی میں

ترجمہ: عشرت رحمانی

لاہور: آئینہ ادب، س۔ن

صفحات: 150

ڈراما: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2،10،11)

219۔ پتوار

ترجمہ: پریمی، ہری کرشن

لاہور: گیلانی الیکٹرک پریس، 1943ء

ڈراما: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ 7)

220۔ پرسیٹلے، جے۔بی: آئینہ ایام

ترجمہ: محمد خلیق

نئی دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ، 1957ء

ڈراما: انگریزی سے ترجمہ۔ تین ڈراموں کا ترجمہ، ایک ہی جلد میں (حوالہ:2،9)

221۔ پرسیٹلے، جے۔بی: مجرم کون؟

ترجمہ: اظہار کاظمی

مرتب: نعیم طاہر

لاہور: مجلس ترقی ادب، 1966ء

ص: 156

ڈراما: 'An Inspector Calls' کا ترجمہ (حوالہ:2،3،10،11)

222۔ تاج

ترجمہ: ن۔ل

لکھنؤ: مکتبہ اردو، 1955ء

ص: 144

ڈراما: فرانسیسی ڈرامے کا عربی کی معرفت ترجمہ (حوالہ:9)

223۔ تارکنگٹن، بوتھ: ایک حمام میں

ترجمہ: عشرت رحمانی

لاہور: مکتبہ جدید بہ اشتراک موسسہ، فرینکلن، 1961ء

ص: 174

ڈراما: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2،10،11،17)

224۔ ٹالسٹائی، کاؤنٹ لیو: ابوالخمر

ترجمہ: مجنوں گورکھپوری

لکھنؤ: یونائیٹڈ انڈیا پریس، س۔ن

ڈراما: روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ 1944ء سے قبل شائع ہوا۔ یہ ترجمہ پہلی بار 'نگار' دسمبر 1927ء میں شائع ہوا، نگار کے 38 صفحات (حوالہ:2،7)

225۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: چترا

ترجمہ: عبدالمجید سالک، مولانا

حیدر آباد دکن: شمس المطابع، 1926ء

ڈراما: بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ طبع دوم: دارالاشاعت پنجاب لاہور 1926ء۔ اس ڈرامے کا ایک ترجمہ اس ترجمے سے پہلے شائع ہو چکا تھا مترجم تھے آصف علی۔ (حوالہ.2،8)

226۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: چترا

ترجمہ: آصف علی

دہلی: مطبوعہ رسالہ، تمدن، دہلی، 1926ء

ڈراما: انگریزی سے اس ڈرامے کا اوّلین ترجمہ۔ دوسرا ترجمہ مولانا عبدالمجید سالک نے اسی نام سے کیا تھا جو 1926ء میں ہی شائع ہوا۔ بقول سالک آصف علی کا ترجمہ عربی آمیز، ٹھوس اور بے جان ہے، بحوالہ 'سرگزشت' مطبوعہ قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور 1966ء ص 63 (حوالہ.2)

227۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: منزل عشق

ترجمہ: یزدانی جالندھری

لاہور: کتابستان، س۔ن

ڈراما: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2،10،11)

228۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: سچی پوجا

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: اردو اکیڈمی (سندھ)، س۔ن

ڈراما: بنگلہ ڈرامے کا انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2،10،11)

229۔ جمنا

ترجمہ: کیشرورد چٹرجی

نام مطبع ندارد، 1933ء

ڈراما: (حوالہ:7)

230۔ چیک، کیرل: جاہ وجلال

ترجمہ: غلام مصطفیٰ تبسم، صوفی

لاہور: گورنمنٹ کالج ڈرامیٹک کلب، 1940ء

ص: 159

ڈراما: انگریزی سے 'Power And Glory' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

231۔ چیک، کیرل: آر۔یو۔آر

ترجمہ: امتیاز علی تاج و پطرس بخاری

لاہور: مجلس ترقی ادب، 1967ء

ڈراما: انگریزی سے ترجمہ 1933ء میں سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی، گورنمنٹ کالج، لاہور کے لئے کیا گیا تھا۔

(حوالہ: 2، 3، 16)

232۔ چیخوف: پھول بن

ترجمہ: مخدوم محی الدین

نام مطبع و سنہ ندارد

ڈراما 'The Cherry Orchard' کا روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 2، 5)

233۔ چیخوف: تین بہنیں

ترجمہ: محمد سلیم الرحمٰن

لاہور: مجلس ترقی ادب، 1976ء

ڈراما: انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 2، 3، 10، 11)

234۔ چیخوف: وارڈ نمبر 6

ترجمہ: شاہینہ بدر انصاری

لاہور: مکتبہ شاہکار پوسٹ بکس نمبر 1754ء

ڈراما: روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 2)

235۔ خوش حال نگر

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: قومی کتب خانہ، 1938ء

ڈراما: (حوالہ: 7)

236۔ ڈور، شیری: سویرا

ترجمہ: پریمی، ہری کرشن

لاہور: ادارۂ مصنفین، اردو محل، 1945ء

ڈراما: انگریزی سے ترجمہ۔ ایک ترجمہ کمال احمد رضوی نے کیا، جو بہت عمدہ ہے۔ (حوالہ: 7)

237۔ ڈور، شیری: طلوع

ترجمہ: کمال احمد رضوی

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

ص: 144

ڈراما: انگریزی سے ترجمہ۔ تین ایکٹ کا ڈراما (حوالہ: 2، 17)

238۔ ڈور، شیری: راکھی

ترجمہ: پریمی، ہری کرشن

لاہور: ادارۂ مصنفین اردو محل، 1943ء

ڈراما: (حوالہ: 7)

239۔ سرویان، ولیم: زندگی کی مہلت

ترجمہ: رضی ترمزی، سیّد

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

ص: 204

ڈراما: امریکی ڈرامے کا ترجمہ (حوالہ: 17,2)

240۔ سماج کے ستون

ترجمہ: قیسی رامپوری

بمبئی: کتابستان، 1943ء

ڈراما: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

241۔ سموتوف: اخبار نویس

ترجمہ: عبداللہ ملک

لاہور: قومی دارالاشاعت پنجاب

ڈراما: روسی ڈراما کا انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

242۔ سوفو کلیز: ایڈی پس

ترجمہ: شاہدہ حمید خان

لاہور: شاہکار کتاب نمبر 8 جیبی سلسلہ پوسٹ بکس 1754۔

ڈراما: 495 قبل مسیح کے یونانی ڈراما نگار کی عظیم تخلیق کا انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ:2)

یونان کے عظیم ڈرامہ نگار سوفو کلیز کی مستند تاریخ پیدائش 495 قبل مسیح ہے اور پیدائش ایتھنز سے ایک میل کے فاصلہ پر قصبہ کولونس کی۔ عجیب بات ہے کہ سوفو کلیز کے اوّلین ڈرامے نے ہی اپنے وقت کے دوسرے عظیم ڈرامہ نگار ایس کائی لس (Aeschylus) کے مقابل اوّل انعام حاصل کیا۔ اس وقت اُس کی عمر ستائیس برس کی تھی۔

'ایڈی پس' المیہ ڈراما ہے۔ اس کا مرکزی کردار ایک ایسی ذہنی الجھن کا شکار رہا ہے جو جدید نفسیات میں 'ایڈپس کمپلکس' کے نام سے زندہ ہے۔ وہ عظیم سلطنت ایتھنز کا حکمران تھا اور اپنے فیصلوں میں اٹل، لیکن قدرت کے فیصلوں کے سامنے بے بس ہو گیا۔ اس نے حکم جاری کیا تھا کہ اس سے پہلے بادشاہ کے قاتلوں کو تلاش کیا جائے لیکن تحقیق سے ثابت ہوا کہ سابق حاکم لیوس کو قتل کرنے والا تو وہ خود تھا۔ اور لیوس کی بیوہ اب اس کی بیوی ہے جو دراصل اُس کی سگی ماں ہے۔ آخرکار وہ اس سزا پر عمل درآمد کرنے کا حکم دیتا ہے، جو ایک بادشاہ کی حیثیت سے اُس نے لیوس کے قاتل کے لئے تجویز کی تھی۔

سوفو کلیز، اپنے کرداروں کی تشکیل بعینہ ویسی کرتا ہے، جو اُن کی ہونی چاہیے نہ کہ جیسے وہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سوفو کلیز کے ہمیشہ زندہ کرداروں میں 'ایڈی پس' کے کردار سرفہرست ہیں۔

ترجمے سے نمونہ ملاحظہ ہو:

'چرواہا': خدا کے نام پر آقا! اور سوالات مت کرو۔

ایڈی پس: اگر مجھے دوبارہ سوال کرنا پڑا تو تم اس وقت تک مر چکے ہو گے۔

چرواہا: اس بچے کی پیدائش لیوس کے گھر میں ہوئی تھی۔

ایڈی پس: کیا وہ غلام تھا؟ بادشاہی خاندان کا فرد؟

چرواہا: اوہ خدایا، یہ بھیانک سچائی ہے لیکن مجھے بتانا پڑے گا۔

ایڈی پس: اور مجھے سننا پڑے گا، لیکن میں سنوں گا۔

چرواھا: جیسا کہ مجھے بتایا گیا تھا وہ لیوس کا بیٹا تھا، لیکن جو خاتون، تمہاری بیوی اندر ہے، وہ زیادہ بہتر بتا سکتی ہے۔

ایڈی پس: کیا اس نے وہ بچہ تمہیں دیا تھا؟

چرواھا: ہاں میرے آقا، اس نے ہی دیا تھا۔

ایڈی پس: کس مقصد کے لئے؟

چرواھا: ہلاک کرنے کے لئے۔

ایڈی پس: خود اپنے بچے کو؟

چرواہا: وہ خوفناک پیشین گوئیوں سے خوفزدہ تھی۔

ایڈی پس: وہ پیشین گوئیاں کیا تھیں؟

چرواہا: بچہ اپنے والدین کو ہلاک کر دے گا۔ یہی کہانی تھی۔

(ص 67، 68 سے اقتباس)

243۔ سوفر کلیز: انٹی گونی

ترجمہ: قیصر زیدی

نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، 1984ء

ڈراما: قدیم یونان کے عظیم ادب پارے کا انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 9)

243۔ شا، جارج برنارڈ: آغاز ہستی

ترجمہ: مجنوں گورکھپوری

گورکھپور: ایوان اشاعت، س۔ن

ص: 74

ڈراما: یہ ترجمہ اوّل اوّل رسالہ نگار، جنوری۔فروری 1927ء میں طبع ہوا۔ یہ Back to Mathew cilla کا ترجمہ ہے۔

(حوالہ: 2، 10، 11)

244۔ شا، جارج برنارڈ: ہوش کے ناخن

ترجمہ: مخدوم محی الدین و مولوی میر حسن

حیدرآباد دکن: نام مطبع و سنہ ندارد

ڈراما: انگریزی سے اسٹیج کے لئے دکنی زبان میں ترجمہ (حوالہ 2، 5)

245۔ شا، جارج برنارڈ: بھید

ترجمہ: نورالحسن ہاشمی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، 1954ء

ڈراما: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

246۔ شا، جارج برنارڈ: مالن

ترجمہ: محمد اکبر وفاقانی

لاہور: مطبع و سنہ ندارد

ڈراما: انگریزی سے ترجمہ، 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 5)

247۔ شا، جارج برنارڈ: محبت اور جنگ

ترجمہ: خورشید نکہت، لاہور

حامد برادرز، طبع دوم: 1966ء

ص: 160

ڈراما: پہلی بار مکتبہ کائنات لاہور سے شائع ہوا۔ 'Arms and the man' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

248۔ شا، جارج برنارڈ: اسلحہ اور انسان

ترجمہ: ابو یوسف

گیا: اثر پبلی کیشنز، 1981ء

ص: 144

ڈراما: 'Arms and the man' کا ترجمہ (حوالہ: 2)

یہ کتاب 'Arms and the man' کا ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ کو اعلیٰ درجہ کے تراجم میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا سبب وہ اتار چڑھاؤ، ماحول کی وہ شدت اور جذبوں کی وہ فراوانی کم دیکھنے میں آتی ہے جو اصل ڈرامے کا لازمہ ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے لغت کے بل بوتے پر ترجمہ کیا گیا۔ اس ڈرامے کا ایک اچھا ترجمہ امتیاز علی تاج نے سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی، گورنمنٹ کالج، لاہور کے لیے پطرس بخاری کی زیرِ نگرانی کیا تھا، جو لاجواب ترجمہ ہے۔

ابو یوسف نے کتاب کے صفحہ چھ پر کرداروں کی فہرست دی ہے، جہاں دو نام یوں لکھے گئے ہیں: (1) بلنٹشلی اور (2) رائنا۔ جبکہ ڈرامہ میں ان کے نام یوں ملتے ہیں۔ (1) بلنشلی اور (2) راہنا۔

ظاہر ہے کہ بلنشلی میں 'T' آواز نہیں دیتا اور یہ درست ہے۔ بعینہٖ اسی طرح 'راھنا' کی بجائے 'رائنا' ہونا چاہیے تھا مترجم کو رائنا کے نام کے سلسلے میں غلط فہمی اُس وقت پیدا ہوئی جب یہ رائنا کی ماں اسے 'راہنا' کے نام سے پکارتی ہے۔ ظاہر ہے ماں نے اسے بلاتے وقت پیار سے پکارا ہے اور نام بگڑ گیا ہے لیکن اس سے کردار کا نام ہی بگاڑ دینا ترجمہ کے ساتھ انصاف نہیں۔ مترجم نے جگہ جگہ ٹھوکریں کھائی ہیں مثلاً 'Pail' کا ترجمہ 'مٹکا' کیا گیا ہے جبکہ اس سے 'بالٹی' مراد ہے، یورپ میں مٹکے کا تصوّر نہیں ملتا۔ 'Shrine' کا ترجمہ عبادت گاہ ہونا چاہیے تھا، نہ کہ 'مندر' جبکہ ڈراما میں برنارڈ شا نے اس لفظ کے معنی 'خانہ' یا 'Case' کے لئے ہیں۔ اور اسی لئے 'Shrine' کے ساتھ رنگوں کی وضاحت بھی کی ہے۔

ص: 49 پر درج ہے:

'رائنا۔ اس کی تصویر مجھے لوٹا دیجئے'

جبکہ برنارڈ شا نے یہاں 'Sternly' کا لفظ بھی لکھا تھا۔ یہ جملہ اس طرح ہونا چاہیے تھا:

'رائنا۔ (سختی سے) اِس کی تصویر مجھے لوٹا دیجئے۔'

یوں 'رانا' کے موڈ کی خبر بھی قاری کو مل جاتی ہے۔ ص: 53 کے آخر میں درج ہے:

'آدمی: خدارا مجھے برا بھلا نہ کہیے، اس لئے کہ حالات نے مجھے بالکل پراگندہ خاطر کردیا ہے۔'

جبکہ ترجمہ کچھ یوں ہونا چاہیے تھا:

آدمی: مجھے معاف کردیجئے۔ میں اتنا تھک گیا ہوں کہ مجھ میں سوچنے کی صلاحیت نہیں رہی۔ دراصل موضوع کی تبدیلی میرے لئے بھاری پڑ رہی تھی۔ خدارا مجھے ڈانٹئے مت۔

'اسلحہ اور انسان' اس نوع کی غلطیوں سے پٹی پڑی ہے۔ تفصیلات کے لئے کئی صفحات درکار ہیں۔

249۔ شلر، فریڈرک: قزاق

ترجمہ: نورالٰہی محمد عمر

نام مطبع و سنہ ندارد۔

ڈراما: جرمن ڈرامے کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ ڈراما ہندوستان کا منظر نامہ لئے ہوئے ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیے 'ناٹک ساگر' از نورالٰہی محمد عمر۔ ترجمہ 1935ء سے قبل شائع ہوا۔ واضح رہے کہ نورالٰہی اور محمد عمر، دو الگ الگ شخصیات ہیں۔ دونوں مل کر ڈرامے ترجمہ کرتے اور تحقیقی کام سرانجام دیتے تھے۔ (حوالہ: 2)

250۔ شیروڈ، رابرٹ: روح سیاست

ترجمہ: نورالٰہی محمد عمر

لاہور: اردو بک سٹال، 1932ء

ص: 104

ڈراما: انگریزی سے 'ابراہام لنکن' کا ترجمہ اردو کا اوّلین ایپی سوڈ ڈراما۔ ایک ترجمہ خلیل صحافی نے بھی کیا ہے، 'ابراہام لنکن' کے نام سے۔ (حوالہ: 2، 10، 12)

251۔ شیروڈ، رابرٹ: ابراہام لنکن

ترجمہ: خلیل صحافی

کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، 1957ء

ڈراما: تین ایکٹ کا ڈراما۔ انگریزی سے ترجمہ، اس ڈرامے کا اوّلین ترجمہ نورالٰہی محمد عمر نے مل کر کیا تھا۔ (حوالہ: 2، 11، 16)

252۔ شیریڈن، رچرڈ: ظاہر و باطن

ترجمہ: فضل الرحمٰن، محمد

نام مطبع و سنہ ندارد

ڈراما: ''اسکول فار اسکینڈل'' سے ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 2، 4، 5)

253۔ شیریڈن، رچرڈ: نئی روشنی

ترجمہ: فضل الرحمٰن، محمد

نام مطبع و سنہ ندارد

ڈراما: 'The Rivals' کا ترجمہ (حوالہ: 1، 2)

254۔ شیریڈن، رچرڈ: رقیب

ترجمہ: شمیم قریشی، محمد

پشاور: عظیم پبلشنگ ہاؤس، س۔ن

ص: 132

ڈراما: انگریزی کی معرفت The Rivals کا ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

255۔ شیکسپیئر، ولیم: میکبتھ

ترجمہ: سیّد غلام احمد رضوی تسخیر

لاہور: مکتبہ جدید پریس، 1979ء

ڈراما: 'Macbeth' کا منظوم ترجمہ۔ اس ڈراما کا ایک ترجمہ دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد نے بھی حال ہی میں شائع کیا ہے۔ (حوالہ: 16)

256۔ شیکسپیئر، ولیم: میکبتھ

ترجمہ: محمد یونس سیٹھی فدا

پشاور: یونیورسٹی بک ایجنسی

ڈراما: 'Macbeth' کا ترجمہ ٹیلی ویژن اور فلم کے اداکار سیٹھی نے کیا ہے۔ (حوالہ: 16)

257۔ شیکسپیئر، ولیم: تلاطم ایران

ترجمہ: سہراب جی پستن جی کانگا

حیدر آباد دکن: انوار الاسلام پریس، طبع اوّل: 1931ء

ص: 103

ڈراما: 'Macbeth' کا ترجمہ

(حوالہ: 2، 8)

258۔ شیکسپیئر، ولیم: میکبتھ

ترجمہ: قمر جمیل

کراچی: غیر مطبوعہ برائے ریڈیو پاکستان، جنوری 1963ء

ڈراما: جشن تمثیل، ریڈیو پاکستان کراچی کے لئے 'Maceth' کا ترجمہ (حوالہ.2)

259۔ شیکسپیئر، ولیم: میکبتھ

ترجمہ: محمد شمیم قریشی

پشاور: ندیم پبلشنگ ہاؤس خیبر بازار، س۔ن

ص: 152

ڈراما: 'Macbeth' کا ترجمہ پشاور ریڈیو کے لئے کیا گیا۔ (حوالہ.2)

260۔ شیکسپیئر، ولیم: میکبتھ

ترجمہ: قاسم محمود، سیّد

لاہور: کلاسیک دی مال لاہور، س۔ن

ڈراما: 'Macbeth' کا ترجمہ (حوالہ:2)

261۔ شیکسپیئر، ولیم: وہم و گمان

ترجمہ: مرزا تقی حسین تقی

حیدرآباد دکن: اختر دکن پریس 1934ء

ص: 45

ڈراما: 'Macbeth' کا ترجمہ (حوالہ:2)

262۔ شیکسپیئر، ولیم: میکبتھ

ترجمہ: عنایت اللہ دہلوی

دہلی: مشمولہ 'ساقی' دہلی سالنامہ، 1938ء

ڈراما: 'Macbeth' کا ترجمہ (حوالہ:2)

263۔ شیکسپیئر، ولیم: فریب ہستی

ترجمہ: آغا حشر کاشمیری

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1908ء

ڈراما: 'Macbeth' کا ترجمہ۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ اب سنگِ میل، لاہور یکے بعد دیگرے آغا حشر کے تراجم شائع کررہا ہے۔ (حوالہ:2)

264۔ شیکسپیئر، ولیم: شاہ لیئر

ترجمہ: بابو شیام سندر لال برق وکیل سیتاپوری

نام مطبع ندارد، طبع اوّل: 1921ء

ڈراما: 'King Lear' کا منظوم ترجمہ (حوالہ: 2، 4)

265۔ شیکسپیئر، ولیم: سفید خون

ترجمہ: آغا حشر کاشمیری

کراچی: اردو اکیڈمی سندھ س۔ن

ڈراما: 'King Lear' کا ترجمہ پہلی بار 1906ء میں طبع ہوا۔ (حوالہ: 2)

266۔ شیکسپیئر، ولیم: ہارا جیتا (یا ہار جیت)

ترجمہ: مراد علی لکھنوی

نام مطبع ندارد، 1905ء

ڈراما: 'King Lear' کا ترجمہ (حوالہ: 2)

267۔ شیکسپیئر، ولیم: سفید خون

ترجمہ: سردار محمد

بمبئی: غیر مطبوعہ

ڈراما: 'King Lear' کا ترجمہ، ماضی کے مشہور اداکار سردار محمد نے البرٹ کمپنی بمبئی کے لئے کیا تھا۔ حوالہ 2)

268۔ شیکسپیئر، ولیم: سفید خون

ترجمہ: عبدالغنی خلیل بدایونی

نام مطبع و سنہ ندارد

ڈراما: 'King Lear' کا ترجمہ (حوالہ: 2)

269۔ شیکسپیئر، ولیم: کنگ لیئر ترجمہ: عنایت اللہ دہلوی

دہلی: ماہنامہ 'ساقی' دہلی کا سالنامہ 1939ء

ڈراما: 'King Lear' کا ترجمہ۔ یہ ترجمہ بک ہوم، لاہور نے 2007ء میں شائع کرتے ہوئے عنوان: ''کنگ لیئر'' کر دیا ہے۔ (حوالہ: 13، 14)

270۔ شیکسپیئر، ولیم: کنگ لیئر

ترجمہ: لالہ سیتا رام

لکھنؤ: نولکشور پریس، س۔ن

ڈراما: 'King Lear' کا ترجمہ (حوالہ:2)

271۔ شیکسپیئر، ولیم: کنگ لیئر

ترجمہ: مجنوں گورکھ پوری

دہلی: انڈین اکیڈمی، س۔ن

ڈراما: 'King Lear' کا ترجمہ (حوالہ:2)

272۔ شیکسپیئر، ولیم: دی ونٹرز ٹیل

ترجمہ: محمد شاہ

نام مطبع ندارد

ڈراما: 'The Winter's Tale' کا ترجمہ 1901ء سے قبل شائع ہوا۔ اب اس کا ایک ترجمہ ارشد رازی نے کیا ہے جو بک ہوم، لاہور نے 2007ء میں شائع کیا (حوالہ:1،2)

273۔ شیکسپیئر، ولیم: مرید شک

ترجمہ: آغا حشر کاشمیری

دہلی: نام مطبع ندارد، طبع اوّل: 1900ء

ڈراما: 'The Winter's Tale' کا ترجمہ (حوالہ:2)

274۔ شیکسپیئر، ولیم: زہری ناگن عرف داغ جگر

ترجمہ: عبدالغنی خلیل بدایونی

نام مطبع وسنہ ندارد

ڈراما: 'The Winter's Tale' کا ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا (حوالہ:4،12)

275۔ شیکسپیئر، ولیم: اوتھیلو

ترجمہ: مفتی اشتیاق حسن عثمانی

پشاور: نام مطبع ندارد

ڈراما: 'Othelo' کا ترجمہ (حوالہ:2)

276۔ شیکسپیئر، ولیم: اوتھیلو

ترجمہ: قاسم محمود، سیّد

لاہور: کلاسیک دی مال لاہور، س۔ن

ص: 172

ڈراما: 'Othelo' کا ترجمہ۔ اس سے قبل اس ڈرامے کا ترجمہ عنایت اللہ دہلوی کر چکے تھے جو بک ہوم، لاہور نے 2007ء میں بارِ دگر شائع کیا ہے۔ (حوالہ:2)

277۔ شیکسپیئر، ولیم: اوتھیلو

ترجمہ: عزیز حامد مدنی

پشاور: غیر مطبوعہ

ڈراما: 'Othelo' کا ترجمہ برائے ایڈورڈ کالج، پشاور (حوالہ:2)

نظم آزاد میں یہ ترجمہ ایڈورڈ کالج پشاور شہر کے لئے کیا گیا تھا۔ ترجمے سے نمونہ ملاحظہ ہو:

اس منظر میں اوتھیلو پر ایاگو کی سازش کا اثر ہو چکا ہے۔ اوتھیلو کے جذبات کی عکاسی دیکھئے:

''الوداع اسپ تازی تری تند خیزی کے اوقات آخر ہوئے

الوداع طبل و قرنا کے اے روح پرور سرور

الوداع میرے دمامۂ جنگ

رخصت اے پرچم کامرانی

الوداع اے مبارز طلب زندگی

الوداع بابِ جاہ و حشم

الوداع اے تفنگو

رعد کے دیوتا کی حریفو

خاک بر سر ہوئے حوصلے

زندگی تیری بازی گری دیکھ لی

الوداع میری تیغ دو دم

اے مصافِ حیات الوداع۔''

278۔ شیکسپیئر، ولیم: مارِ آستین

ترجمہ: دینا ناتھ فتح آبادی

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1903ء

ڈراما: 'Othelo' کا ترجمہ۔ دوسری بار 1903ء اور تیسری بار 1904ء میں طبع ہوا۔ (حوالہ 2)

دینا ناتھ فتح آبادی نے مقفّیٰ نثر میں ترجمہ کیا ہے۔

ڈرامے کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے

بھر دیں عجب ادائیں، اس شوخ سیم تن میں
اِک ٹیڑھ سادگی میں، اک سیدھ بانکپن میں

اختتام اس مصرعہ پر ہوتا ہے:

کیا اعتبار ہستی ناپائیدار کا

279۔ شیکسپیئر، ولیم: اوتھیلو عرف چغل خور آئینہ

ترجمہ: سجاد حسین جوہر بناری

ڈراما: 'Othelo' کا ترجمہ (حوالہ: 2)

280۔ شیکسپیئر، ولیم: وہمی جنگی

ترجمہ: نازاں دہلوی

نام مطبع ندارد، س۔ن

ڈراما: 'Othelo' کا ترجمہ (حوالہ: 2)

281۔ شیکسپیئر، ولیم: شیر دل

ترجمہ: نظر دہلوی

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1918ء

ڈراما: 'Othelo' کا ترجمہ (حوالہ: 2)

282۔ شیکسپیئر، ولیم: اوتھیلو

ترجمہ: گوپال گوئل

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1911ء

ڈراما: 'Othelo' کا ترجمہ (حوالہ: 2)

283۔ شیکسپیئر، ولیم: شہید وفا

ترجمہ: مہدی حسن خان احسن لکھنوی

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1898ء

ڈراما: 'Othelo' کا ترجمہ (حوالہ: 2)

284۔ شیکسپیئر، ولیم: اوتھیلو

ترجمہ: منشی جوالا پرشاد برق سیتاپوری

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1896ء

ڈراما: 'Othelo' کا ترجمہ۔ مترجم نے وکٹوریئن عہد کی خصوصیات بتاتے ہوئے ڈرامے کا تاریخی پس منظر بھی بیان کیا ہے۔ (حوالہ:2)

285۔ شیکسپیئر، ولیم: جعفر

ترجمہ: احمد حسین خان

لاہور: پیسہ اخبار لاہور، طبع اوّل 1896ء

ڈراما: 'Othelo' کا ترجمہ (حوالہ.2)

یہ ترجمہ احمد حسین خاں صاحب نے 1894ء میں مکمل کیا تھا۔ اشاعت اوّل کے دیباچہ میں احمد حسین خان لکھتے ہیں:

''اس کتاب میں' میں نے اوتھیلو کا من وعن ترجمہ نہیں کیا۔ بلکہ ایک انگریزی قصّے کو ایشیائی پیرائے میں بیان کیا ہے، یا یوں کہو کہ انگریزی متن کو'نون مرچ' لگا کر ہندوستانیوں کے مذاق کا بنایا ہے۔اس میں کچھ کلام نہیں کہ اس میں وہ خوبیاں اور عظمت نہیں جو شیکسپیئر کے اصل کلام میں پائی جاتی ہے مگر پھر بھی میں نے حتی الوسع اس کو دلچسپ بنانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ میں نے ان دوستوں کی سہولت کیلئے جو انگریزی زبان سے بالکل ناواقف ہیں اور انگریزی زبان کے کرخت اور دندان شکن ناموں کا تلفظ بہ آسانی ان کی زبان پر نہیں چڑھ سکتا، اشخاص ناٹک کے نام بھی ویسے ہی آسان رکھ لیے ہیں۔ غرض انگلستان کا ایک مشہور ایکٹر ہے جس کو ہندوستانی لباس پہنا کر آپ سے ملاقات کراتا ہوں، مصافحہ کیجئے۔''

286۔ شیکسپیئر، ولیم: اوتھیلو

ترجمہ: احسان اللہ

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1890ء

ڈراما: 'Othelo' کا اوّلین اردو ترجمہ (حوالہ:2)

287۔ شیکسپیئر، ولیم: آتھیلو

ترجمہ: سجّاد ظہیر

دہلی: ساہتیہ اکیڈمی، 1968ء

ڈراما: 'Othelo' کا نہایت عمدہ ترجمہ (حوالہ:9، 15)

288۔ شیکسپیئر، ولیم: انطونی اور کلوپٹرا

ترجمہ: شان الحق حقی

دہلی: ''ساقی'' دہلی، بابت 1943ء

ڈراما: 'AntonyAndCleopatra' کا ترجمہ، پابند نظم میں کیا گیا ہے۔ مشمولہ شعری مجموعہ: 'تارِ پیراہن' از شان الحق حقی۔ (حوالہ.2)

یہ ترجمہ منظوم ہے۔ پابند نظم میں اس ڈرامے کے کچھ ایکٹ حقی صاحب نے ترجمہ کئے تھے جن میں ایک ایکٹ سالنامہ 'ساقی' دہلی بابت: 1943ء میں شائع ہوا تھا۔ بعد میں دیگر حصّوں کے ساتھ یہ حصہ بھی حقی صاحب کے مجموعہ کلام 'تار پیراہن' میں شائع کیا گیا ہے۔ کتابی شکل میں یہ ترجمہ انجمن ترقی اردو (پاکستان)، کراچی سے 1984ء میں شائع ہوا۔

ترجمے سے دو بند ملاحظہ ہوں:

('کلوپٹرا کے آخری لحات' سے اقتباسات)

دلہن بناؤ مجھ کو سجاؤ، پہناؤ تاج
سکھیو! میں اپنے پی کے نگر جا رہی ہوں آج
پینی تھی جتنی پی چکی اس چمن کی مے
ہونٹوں کو آج آبِ بقا کی اُمنگ ہے

(افعی سے مخاطب ہو کر)

آ! اے حریفِ جان، ذرا دندان تیز سے
یہ زندگی کا عقدۂ پیچیدہ کھول دے!
اے بے شعور رینگتے، زہریلے جانور
ہاں پیچ و تاب کھا کے ذرا جلد وار کر

289۔ شیکسپیئر، ولیم: انٹنی اور کلوپٹرا

ترجمہ: منیب الرحمٰن، ڈاکٹر

دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ

ڈراما: 'Antony and Cleopatra' کا ترجمہ 1980ء سے قبل شائع ہوا۔ منیب الرحمٰن، نظم کے عمدہ شاعر ہیں۔ انہوں نے ترجمہ بھی عمدہ کیا۔ (حوالہ:2)

290۔ شیکسپیئر، ولیم: انطونی وکلوپطرہ

ترجمہ: عنایت اللہ دہلوی

لاہور: ساقی بک ڈپو

ڈراما: 'Antony and Cleopatra' کا ترجمہ (حوالہ:2)

291۔ شیکسپیئر، ولیم: کرشمۂ شباب عرف مارِ آستین

ترجمہ: حیران شکوہ آبادی، ایم۔ اے

نام مطبع ندارد

ڈراما: 'Antony and Cleopatra' کا ترجمہ (حوالہ:2)

292۔ شیکسپیئر، ولیم: کالی ناگن عرف زن مرید

ترجمہ: منشی انور الدین مخلص و منشی محشر

نام مطبع ندارد

ڈراما: 'Antony and Cleopatra' کا ترجمہ پروفیسر بجنک نے اسے دو الگ الگ تراجم بتایا ہے۔حوالہ 2)

293۔ شیکسپیئر، ولیم: قہر عشق

ترجمہ: شان الحق حقی

کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، طبع اوّل 1984ء

ص: 189

ڈراما: 'انطنی کلوپیٹرا کا منظوم و مقفیٰ ترجمہ' (حوالہ:6)

294۔ شیکسپیئر، ولیم: سمبلین

ترجمہ: محمد عبدالعزیز

ڈراما: 'Cymbeline' کا ترجمہ (حوالہ:2)

295۔ شیکسپیئر، ولیم: میٹھا زہر

ترجمہ: مصطفیٰ سید علی

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1901ء

ڈراما: 'Cymbeline' کا ترجمہ (حوالہ:2)

296۔ شیکسپیئر، ولیم: میٹھا زہر عرف زیب محبت

ترجمہ: پنڈت نرائن پرشاد بیتاب

نام مطبع ندارد

ڈراما: 'Cymbeline' کا ترجمہ (حوالہ:2)

297۔ شیکسپیئر، ولیم: ظلم ناروا

ترجمہ: ن۔ن

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1899ء

مطبع: ن۔ن

ڈراما: 'Cymbeline' کا پہلا اردو ترجمہ (حوالہ:1،2)

298۔ شیکسپیئر، ولیم: آئینہ عصمت

ترجمہ: لالہ دینا ناتھ

لاہور: حکیم رام کرشن، 1914ء

ص: 37

ڈراما: 'Cymbeline' کا ترجمہ (حوالہ: 12، 13)

299۔ شیکسپیئر، ولیم: تیر نگاہ

ترجمہ: شفیع الدین خان مراد آبادی

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1897ء

ڈراما: 'The Tempest' کا ترجمہ (حوالہ: 2)

300۔ شیکسپیئر، ولیم: خداداد

ترجمہ: پنڈت نرائن پرشاد بیتاب

نام مطبع ندارد

ڈراما: 'The Tempest' کا پہلا اردو ترجمہ 1891ء سے قبل کیا گیا۔ اس ترجمے پر مبنی ڈراما پارسی کمپنی بمبئی نے 1891ء میں اسٹیج کیا تھا لیکن کہانی میں بیتاب نے اس قدر تبدیلیاں کر دی ہیں کہ The Tempest کا ترجمہ معلوم نہیں ہوتا۔

(حوالہ: 2)

301۔ شیکسپیئر، ولیم: خداداد

ترجمہ: کریم الدین کریم بریلوی

نام مطبع و سنہ ندارد

ڈراما: 'Pericles' کا ترجمہ 1923ء سے قبل شائع ہوا۔ پہلا ترجمہ ''داد دریا'' کے نام سے نوشیرواں جی مہربان جی آرام کا ملتا ہے۔ (حوالہ: 1، 2)

302۔ شیکسپیئر، ولیم: داد دریا

ترجمہ: نوشیرواں جی مہربان جی آرام

نام مطبع ندارد، 1871ء

ڈراما: 'Pericles' کا پہلا اردو ترجمہ۔ ایک ترجمہ 'خداداد' کے نام سے کریم الدین کریم بریلوی کا بھی ملتا ہے۔ آرام کا یہ ترجمہ کتابی صورت میں شائع ہونے والا شیکسپیئر کا اوّلین ترجمہ ہے۔ یوں بھی اِس سے قبل ولیم شیکسپیئر کو اردو میں صرف ڈاکٹر گلکرسٹ نے ہی ترجمہ کیا تھا۔ (حوالہ: 1، 2)

303۔ شیکسپیئر، ولیم: شہید ناز عرف اچھوتا دامن

ترجمہ: آغا حشر کاشمیری

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1902ء

ڈراما: 'Measure for Measure' کا ترجمہ (حوالہ:2)

304۔ شیکسپیئر، ولیم: جیسے کو تیسا

ترجمہ: احسان اللہ

نام مطبع ندارد، طبع اوّل: 1890ء

ڈراما: 'Measure for Measure' کا ترجمہ (حوالہ:1،2)

305۔ شیکسپیئر، ولیم: سردیوں کی ایک رات

ترجمہ: آغا بابر

راولپنڈی: غیر مطبوعہ

ڈراما: 'A Mid Summer Night's Dream' کا ترجمہ۔ ترجمہ پر مبنی ڈراما اوپن ائر تھیٹر راول پنڈی صدر میں سال 1965ء میں کھیلا گیا۔ (حوالہ:2)

306۔ شیکسپیئر، ولیم: موسم گرما کا خواب

ترجمہ: احسان اللہ

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1890ء

ڈراما: 'A Mid Summer Nitht's Dream کا اوّلین اردو ترجمہ (حوالہ:1،2،5)

307۔ شیکسپیئر، ولیم: خواب پریشان

ترجمہ: امیر احمد علوی

لکھنؤ: اودھ پنچ اخبار پریس، 1934ء

ڈراما: 'A Mid Summer Night's Dream' کا ترجمہ پہلی بار ''اودھ پنچ'' اخبار لکھنؤ میں 16 اگست 1900ء تا 22 نومبر 1900ء قسط وار شائع ہوا۔ (حوالہ:2،5)

308۔ شیکسپیئر، ولیم: جام الفت

ترجمہ: محمد اظہر علی آزاد کاکوروی

علی گڑھ: بک ڈپو مدرسۃ العلوم، 1903ء

ص: 128

ڈراما: 'A Mid Summer Night's Dream کا ترجمہ (حوالہ:2)

309۔ شیکسپیئر، ولیم: ساون رین کا سپنا

ترجمہ: غلام مصطفیٰ تبسم، صوفی

لاہور: گورنمنٹ کالج ڈرامیٹک کلب، س۔ن

ڈراما: 'A Mid Summer Night's Dream' کا ترجمہ (حوالہ:2)

310۔ شیکسپیئر، ولیم: بارھویں رات

ترجمہ: مسعود پرویز

لاہور: غیر مطبوعہ

ڈراما: 'Twelfth Night' کا ترجمہ۔ مسز نجم الدین کی فرمائش پر فلمساز، اداکار، ہدایت کار مسعود پرویز نے کینرڈ کالج لاہور کے اسٹیج کے لئے کیا۔ (حوالہ:2)

311۔ شیکسپیئر، ولیم: بارھویں رات یا جو آپ چاہیں

ترجمہ: شریف الدین شہاب

کراچی: طبع اوّل 1955ء

ڈراما: 'Twelfth Night' کا ترجمہ (حوالہ 2)

یہ ترجمہ انگریزی ادب کے طلبہ کے لئے تعلیمی ضرورتوں کے پیش نظر کیا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں امتحانی سوالات اور فرہنگ بھی دی گئی ہے۔ نیز مترجم نے تدریسی ضرورتوں کے پیش نظر وضاحتی نوٹ/ حواشی لکھ کر اس ترجمے کی افادیت کو اور بڑھا دیا ہے۔

یہ ترجمہ سعید الحق عاشق دسنوی کے ترجمے (جس میں نام و مقام کی تبدیلیاں نہیں کی گئی تھیں) کے بعد اس ڈرامے Twelfth Night کا سب سے اہم ترجمہ ہے۔ شیکسپیئر کا یہ ڈراما 1623ء سے پہلے دستیاب نہیں ہوا۔ اس لئے مترجم نے 1623ء کے انگریزی ایڈیشن کو بنیاد بنایا ہے۔

مغربی محققین کے خیال میں 'Twelfth Night' ستمبر 1598ء تک شیکسپیئر نے مکمل نہیں کیا تھا۔ 'Palladis Tamila' کی شائع کردہ فہرست (مطبوعہ: ستمبر 1598ء) میں اس ڈرامے کا حوالہ موجود نہیں ہے۔

برطانیہ کے ایک وکیل John Mannigham کی ڈائری (بابت: جنوری 1602ء تا اپریل 1603ء) میں لکھا ہے کہ 2 فروری 1602ء کو یہ ڈرامہ اس نے اسٹیج پر خود ملاحظہ کیا۔ یوں اس ڈرامے کی تصنیف کی بابت تحقیق 1602ء سے پیچھے نہیں گئی۔

ڈرامے کے عنوان 'Twelfth Night' کا ڈرامے کا بنیادی خیال سے کوئی تعلق نہیں، کہا جاتا ہے کہ شیکسپیئر نے یہ ڈراما 'بارھویں شب' کی مخصوص تقریب (جو باہمی میل ملاپ اور خوش دلی کی باتوں سے متعلق ہوا کرتی تھی) کے لئے لکھا۔ ضمنی عنوان 'What you will' یعنی جو آپ چاہیں بھی اس بات کا غماز ہے کہ ڈراما نگار عنوان کے بارے میں سنجیدہ نہیں۔

یہ ڈراما محبت کی داستان ہے ڈرامے کا سب سے اہم کردار وائیلا ہیجو محبت اور معاشرے کے باہمی الجھیڑوں کی شکار ہے۔
اس ڈرامے میں رومان اور کامیڈی کا باہمی امتزاج حیران کن ہے۔

312۔ شیکسپیئر، ولیم: خوش انجام

ترجمہ: سعید الحق عاشق دسنوی

ڈراما: 'Twelfth Night' کا پہلا اردو ترجمہ (حوالہ:2)

313۔ شیکسپیئر، ولیم: ہنری چہارم

ترجمہ: خلیل

لاہور: پنجاب بک ڈپو، س۔ن

ڈراما: (بچوں کے لئے) بچوں کا شیکسپیئر، سلسلے کا ڈراما۔ Henry IV کا ترجمہ (حوالہ:2)

314۔ شیکسپیئر، ولیم: ہنری چہارم

ترجمہ: وقار احمد سیّد

ڈراما: ڈراما Henry IV کا ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 2،5)

315۔ شیکسپیئر، ولیم: جولیس سیزر

ترجمہ: شمشاد حسین صدیقی

نام مطبع وسنہ ندارد

ڈراما: 'Julius Caesar' کا ترجمہ۔ (حوالہ:9،13)

316۔ شیکسپیئر، ولیم: جولیس سیزر

ترجمہ: سیّد تفضل حسین

حیدر آباد دکن: اختر دکن پریس افضل گنج، 1923ء

ڈراما: یہ ترجمہ نواب دکن کی فرمائش اور سرپرستی کے تحت شائع ہوا۔ کتاب میں علی حیدر نظم طباطبائی اور مولانا وحید الدین سلیم کے دیباچے شامل ہیں۔ 'Julius Caesar' کا ترجمہ۔ (حوالہ:2)

دونوں مشاہیر نے ترجمے کی سلاست اور روانی کی تعریف کی ہے۔ سید تفضل حسین دیباچے میں لکھتے ہیں:

''اس ترجمے سے میری غرض اپنی زبان کی خدمت ادا کرنے کے علاوہ یہ بھی ہے کہ طلاب اور ایسے اہل ذوق اور سخن پرور حضرات کے لئے ملک الشعرائے انگلستان کے کمال سے بہرہ اندوز ہونے کا ذریعہ مہیا کروں جو انگریزی زبان سے واقف نہیں ہیں۔ اس کے مطالعے اور عام اشاعت سے اردو خواں پبلک کو فن ڈراما کی حقیقی عظمت اور اس کے صحیح احوال سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ کیا عجب ہے کہ

آئندہ ہمارے تھیٹروں میں مخرب اخلاق کھیلوں اور ناقص ترجموں کے بجائے تاریخی اور اخلاقی کھیل دکھائے جانے لگیں جو ملک کی ترقی اور معاشرے کی اصلاح و ترقی کا بہت بڑا ذریعہ بن جائے۔"

317۔ شیکسپیئر، ولیم: جولیس سیزر

ترجمہ: غلام مصطفیٰ

پشاور: یونیورسٹی بک ایجنسی

ڈراما: 'Julius Caesar' کا ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

318۔ شیکسپیئر، ولیم: جولیس سیزر ترجمہ

ترجمہ: سیّد فیضی

لاہور: مکتبہ کارواں

ڈراما: 'Julius Caesar' کا منظوم و منثور ترجمہ (حوالہ: 12, 10, 11)

شیکسپیئر کا ڈرامہ 'Julius Ceasar' رومن تاریخ سے تراشا گیا ہے۔ شیکسپیئر کے اس ڈرامے سے پہلے متعدد زبانوں، فرانسیسی اور لاطینی وغیرہ میں اس موضوع پر کئی ڈرامے لکھے گئے لیکن اس ڈرامے میں جس نوع کا شان و شکوہ شیکسپیئر نے پیدا کیا ہے وہ اِس سے پہلے کبھی ممکن نہ ہو سکا۔

شیکسپیئر کا یہ کھیل 1599ء میں مکمل ہوا اور اُسی سال اسٹیج بھی ہو گیا۔ یہ ڈراما پہلی بار 1601ء میں طبع ہوا۔ اس کا پلاٹ پلوٹارک کی تصنیف 'Parallel Lines' سے ماخوذ ہے، جو ولادت مسیح سے کئی سال قبل لکھی گئی اور دنیا کی اوّلین سوانح عمری شمار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیکسپیئر پر سرقہ کا الزام آیا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ڈرامے کی تعریف نکتہ چینی پر غالب آتی گئی۔

'جولیس سیزر' اُس تاریخی فضا میں جنم لیتا ہے جب پامپئی کو شکست دے کر رومن فاتح جولیس سیزر روم پہنچا اور اس کا تاریخی استقبال کیا گیا۔ کیسیس اور بروٹس کو یہ استقبال ناگوار ہوا۔ ان دونوں کے خیال میں یہ آمریت اور شخصیت پرستی کی نشانی تھی۔ اس نظریاتی اختلاف کا ہی نتیجہ ہے کہ جولیس سیزر کے قریبی دوست بروٹس نے عظیم فاتح پر آخری وار خود کیا۔ قتل کے بعد جولیس سیزر کو انطونی نے جن الفاظ میں یاد کیا وہ سیزر کو ابدی زندگی سے ہمکنار کر گئے۔

سیّد فیضی نے اس ڈرامے کا منظوم و منثور ترجمہ کیا ہے۔ شیکسپیئر کی تقلید میں بعض مقامات کی تفصیل نثر میں پیش کی گئی ہے۔ سیّد فیضی کی کوشش رہی ہے کہ وہ شیکسپیئر کے لہجے کو من وعن اردو میں منتقل کرنے میں کامیاب ہوں۔ یہی سبب ہے کہ شیکسپیئر کی ڈرامائی گھن گرج کو کافی حد تک اردو میں منتقل کر پائے ہیں۔

ایک موقع پر بروٹس، سیزر سے ہم خیالی محسوس کر کے کہتا ہے:

کیسیس اُس کی حکومت تو مجھے/ کیوں پسند آئے گی لیکن یہ ہے کہ اک بات عجیب/ جاگزیں پاتا ہوں اُس شخص کی اُلفت دل میں/ ہاں اگر ایسی کوئی بات ہے جس کا مفہوم/ عام لوگوں کی بھلائی ہے برومندی ہے/ تو مجھے دیکھو گے تم اُس کے

لئے/ موت اور زیست مری آنکھوں میں یکساں ہو گی/ عزت نفس ہے دراصل حیات/ میں سمجھتا ہوں کہ اس جینے سے/
عزت نفس پہ کٹ مرنا کہیں بہتر ہے۔

اس ڈرامے کا نقطۂ عروج وہ گھڑی ہے جب بروٹس کی اجازت سے انطونی، سیزر کی میت پر الوداعی کلمات ادا کرتا ہے۔ وہ دشمنوں میں گھرا ہوا ہے اور اسے دوست کی تعریف بھی کرنا ہے، اور وہ بھی اس خوش اسلوبی سے کہ سیزر زندہ ہو جائے اور دشمنوں کی زندگی کا چراغ گل ہو جائے۔ اس موقع پر انطونی کی تقریر جوشِ خطابت اور معاملہ فہمی کا شاہکار ہے۔

'میں یہاں ماتم سیزر کے لئے آیا ہوں
اُس کی تعریف و ستائش مجھے منظور نہیں
مرنے والوں کی بداعمالیاں رہ جاتی ہیں
نیکیاں، موت کے سیلاب میں بہ جاتی ہیں
یہی سیزر کا مقدر بھی ہوا
آبروکیش بروٹس نے بتایا ہے تمہیں
خواہشِ نفس کا سیزر تھا غلام
یہ اگر سچ ہے تو فی الواقعہ ہے جرم عظیم
اور سیزر نے بھی تلخ اس کا مزا چکھا ہے
وہ مرا دوست تھا، ساتھی تھا، وفا پرور تھا

اور کہتا ہے بروٹس کہ وہ تھا بندۂ نفس
یاد ہے جنگ سے کتنے وہ اسیر
اپنے ہمراہ یہاں لایا تھا
کہ زرِ فدیہ سے
اس حکومت کے خزانے بھر جائیں
کیا یہ سیزر کی ہوس کاری تھی؟

اس نوع کے رواں اور پُر جوش ترجمے کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ اس ڈرامے کا سیّد فیضی سے بہتر ترجمہ تا حال نہیں ہوا۔

319۔ شیکسپیئر، ولیم: جولیس سیزر
ترجمہ: باسط سلیم صدیقی
راولپنڈی: قلمی/ غیر مطبوعہ برائے ریڈیو پاکستان، راول پنڈی
ڈراما: 'Julius Caesar' کا ترجمہ راولپنڈی ریڈیو کے لئے کیا گیا ہے۔ یہ نثری ترجمہ ہے جس میں ڈرامے کی

تلخیص کر دی گئی ہے۔ (حوالہ:2)

320۔ شیکسپیئر، ولیم: جولیس سیزر

ترجمہ: حفیظ جاوید

راولپنڈی: قلمی/ غیر مطبوعہ برائے ریڈیو پاکستان، راول پنڈی

ڈراما: 'julius Caesar' کا ترجمہ نثری ترجمہ جس میں ڈرامے کی تلخیص کر دی گئی ہے۔ (حوالہ:2)

321۔ شیکسپیئر، ولیم: جولیس سیزر

ترجمہ: عنایت اللہ دہلوی

ڈراما: 'Julius Caesar' کا نثری ترجمہ۔ اس ڈرامے کا ایک ترجمہ ذیشان ملک نے بھی کیا ہے جسے بک ہوم، لاہور نے 2007ء میں شائع کیا۔ (حوالہ:2)

322۔ شیکسپیئر، ولیم: عالمِ محبت

ترجمہ: راجہ رشید احمد

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1928ء

ڈراما: 'As you like it' کا ترجمہ۔

323۔ شیکسپیئر، ولیم: جو آپ پسند کریں

ترجمہ: نرائن پرشاد، بیتاب

بمبئی: ماہنامہ 'شیکسپیئر' جون تا اکتوبر 1906ء

ڈراما: 'As you like it' کا ترجمہ۔ یہ ترجمہ پنڈت نرائن پرشاد بیتاب کے مُرتب کردہ رسالہ: ''شیکسپیئر'' بمبئی میں شائع ہُوا تھا۔ اس ڈرامے کا احسان اللہ، ولایت حسین، چرن داس، عبدالعزیز خالد اور سعید الحق عاشق دسنوی نے بھی ترجمہ کیا ہے۔

(حوالہ:2)

324۔ شیکسپیئر، ولیم: دل پذیر

ترجمہ: چرن داس

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1901ء

ڈراما: 'As you like it' کا ترجمہ۔ اس ڈرامے کا اوّلین ترجمہ احسان اللہ نے 'قصہ مرغوب الطبع'، کے نام سے 1890ء میں کیا تھا۔ دیگر تراجم میں ولایت حسین، بیتاب، عبدالعزیز خالد اور سعید الحق عاشق دسنوی کے ترجمے ملتے ہیں۔

(حوالہ:2)

325۔ شیکسپیئر، ولیم: قصۂ مرغوب الطبع

ترجمہ: احسان اللہ، مولوی

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1890ء

ڈراما: 'As you like it' کا اردو میں اوّلین ترجمہ۔ دیگر ترجمے چرن داس، بیتاب، ولایت حسین، عبدالعزیز خالد اور سعید الحق عاشق دسنوی کے ملتے ہیں۔ (حوالہ:2)

326۔ شیکسپیئر، ولیم: من کی چاہ

ترجمہ: سعید الحق عاشق دسنوی

نام مطبع و سنہ ندارد

ڈراما: 'As you like it' کا ترجمہ۔ دیگر کئی ترجمے اس ڈرامے کے ملتے ہیں۔ (حوالہ 2)

327۔ شیکسپیئر، ولیم: پسند خاطر

ترجمہ: ولایت حسین

لکھنؤ: اشاعت العلوم، 1947ء

ص: 140۔

ڈراما: 'As you like it' کا ترجمہ۔ اس ڈرامے کے دیگر ترجموں میں احسان اللہ، بیتاب، چرن داس، سعید الحق اور عبدالعزیز خالد کے تراجم ملتے ہیں۔ (حوالہ:4،2)

شیکسپیئر کے تراجم کے سلسلے میں یہ اوّلین سنجیدہ کوشش ہے۔ ولایت حسین صاحب نے خصوصی طور پر شیکسپیئر کے اسلوبیاتی نظام کو سمجھنے کی کوشش کی اور تراجم کی ضرورت پر غور و خوض کیا۔ اپنے ترجمے کے ساتھ ولایت حسین نے 18 صفحات پر مشتمل ایک خوبصورت مضمون بھی شائع کروایا۔ یہ الگ بات ہے کہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے اس ترجمے کو 'من بھائے کا سودا' کہا۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی رہی ہو کہ ولایت حسین نے کرداروں کے نام بدل دیئے تھے۔

ڈراما 'As you like it' کا منظوم ترجمہ کرنے کی ایک کوشش معروف شاعر عبدالعزیز خالد نے بھی کی تھی، جو صرف 'As you like it' کی ایک مشہور تقریر 'This world is a stage' کا ترجمہ ہے۔ لیکن اس ترجمے کا عربی اور فارسی آمیز لفظیاتی نظام ایک بھاری پردے کی طرح محسوس ہوتا ہے جس کے نتیجے میں شیکسپیئر دب کر رہ گیا ہے۔ ایک لائن سے مثال ملاحظہ ہو:

''ہر اک انسان رکھتا ہے ایاب اپنا ذہاب اپنا''

328۔ شیکسپیئر، ولیم: حسن آرا

ترجمہ: ن۔ن

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1900ء

329۔ شیکسپیئر، ولیم: انجام بخیر تو سب کچھ بخیر

ترجمہ: احسان اللہ

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1890ء

ڈراما: "All's well that ends well" کا اردو میں اوّلین ترجمہ۔ (حوالہ: 1، 2)

330۔ شیکسپیئر، ولیم: تسخیر فرانس

ترجمہ: تفضّل حسین اثر، سیّد

لکھنؤ: الناظر پریس امین آباد، طبع اوّل 1914ء

ص: 96

ڈراما: یہ ڈراما 'Henery V' کا ترجمہ ہے، جو رسالہ 'الناظر' لکھنؤ بابت جولائی 1913ء تا دسمبر 1913ء میں بطور ضمیمہ کے قسط وار شائع ہوتا رہا۔ اس ڈرامے کا یہ ترجمہ دیگر تمام تراجم پر اس اعتبار سے فوقیت رکھتا ہے کہ اس میں کہانی جوں کی توں پیش کی گئی ہے اور فقروں میں ردو بدل محض اس لئے کیا گیا کہ بیان کی خوبیوں میں اضافہ ہو۔

1989ء میں کینتھ بیراناگھ (Kenneth Branagh) نے اس ڈراما کو بنیاد بنا کر اسی نام سے فیچر فلم بنائی ہے۔ (حوالہ 2، 4)

331۔ شیکسپیئر، ولیم: ہنری پنجم

ترجمہ: سعید الحق عاشق دسنوی ایم۔ اے

نام مطبع و سنہ ندارد

ڈراما: 'Henry.V' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 5)

332۔ شیکسپیئر، ولیم: رچرڈ سوم

ترجمہ: محمد شاہ

نام مطبع و سنہ ندارد

ڈراما: 'Richard.III' کا ترجمہ۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے۔ 'اردو نامہ' کراچی شمارہ 17 (حوالہ: 2)

333۔ شیکسپیئر، ولیم: رچرڈ سوم

ترجمہ: آغا محمد

نام مطبع و سنہ ندارد

ڈراما: 'Richard.III' کا ترجمہ، تفصیلات کے لئے دیکھئے: شیکسپیئر کے 'اردو تراجم' از خاطر غزنوی مطبوعہ ''اردو نامہ'' کراچی شمارہ 17۔ (حوالہ: 2)

334۔ شیکسپیئر، ولیم: رچرڈ سوم

ترجمہ: نرائن پرشاد بیتاب، پنڈت طبع اوّل 1906ء

بمبئی: ماہنامہ ''شیکسپیئر'' اکتوبر 1906ء تا جون 1907ء

ڈراما: 'Richard.III' کا ترجمہ۔ اس ڈرامے کے دیگر ترجمے آغا محمد، محمد شاہ، آغا حشر کاشمیری اور کیقباد پستن جی نے کیئے۔ کتابی صورت میں برقی پریس بمبئی سے 1907ء میں طبع ہوا۔ ص 150 تھے۔ پہلے پہل یہ ترجمہ پنڈت نرائن پرشاد بیتاب کے مُرتب کردہ رسالہ ''شیکسپیئر'' بمبئی میں شائع ہُوا تھا۔ (حوالہ:2)

335۔ شیکسپیئر، ولیم: صیدِ ہوس

ترجمہ: آغا حشر کاشمیری

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1906ء

ڈراما: 'Richard III' کا ترجمہ جس میں ڈراما 'King John' کے بھی کچھ عناصر شامل کر دیئے ہیں۔ اس ڈرامے کے دیگر مترجمین میں بیتاب، آغا محمد، محمد شاہ اور کیقباد پُستن جی منشی کے نام ملتے ہیں۔ اتفاق سے یہ تمام تراجم 1906ء یا اس کے لگ بھگ ہوئے۔ آغا حشر نے ترجمہ کرتے ہوئے ڈرامے کا المیہ پہلو بالکل دبا دیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالعلیم نامی کے مطابق اس ترجمے میں آغا حشر نے 'کنگ جان' اور 'رچرڈ سوم' کو باہم ایک کر دیا ہے۔ آغا حشر کے اس ترجمے میں انجام المیہ نہیں طربیہ ہے۔ (حوالہ:2)

336۔ شیکسپیئر، ولیم: کنگ رچرڈ سوم

ترجمہ: کیقباد پستن جی منشی

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1906ء

ڈراما: 'Richard.III' کا ترجمہ۔ اس ترجمے کے دیگر تراجم آغا حشر کاشمیری، بیتاب، آغا محمد اور محمد شاہ کے ملتے ہیں طبع دوم 1907ء کی ہے۔ (حوالہ:2،4)

337۔ شیکسپیئر، ولیم: خونِ ناحق عرف مارِ آستین

ترجمہ: مہدی حسن خاں احسن لکھنوی

ڈراما: 'Hamlet' کا ترجمہ 1934ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:2)

338۔ شیکسپیئر، ولیم: ہندوستانی زبان کے قواعد (ہیملٹ اور ہنری ہشتم)

ترجمہ: گلکرسٹ، ڈاکٹر جان

کلکتہ: نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1796ء

ص: 314

ڈرامے: ولیم شیکسپیئر کے دو ڈراموں کے ٹکڑوں کا اردو میں اوّلین ترجمہ شامل کتاب ہے۔ دوسری بار کرانیکل پریس،

کلکتہ سے (338 صفحات)1809ء میں طبع ہوئی۔ اس کتاب کو تیسری بار مجلس ترقی ادب لاہور نے 'قواعد زبان اردو' کے نام سے شائع کیا ہے۔ (حوالہ:2،16)

ولیم شیکسپیئر کا اوّلین اردو ترجمہ اس کتاب میں پیش کیا گیا۔ شیکسپیئر کے باب میں یہ اوّلیت ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی ہے۔ 'ہندوستانی زبان کے قواعد' یا 'A grammar of a Hindustani Language' بنیادی طور پر اردو قواعد کی کتاب ہے لیکن اس میں شیکسپیئر کے دو مختلف ڈراموں 'ہنری ہشتم' اور 'ہیملٹ' سے دو اقتباسات ترجمہ کر کے شامل کئے گئے۔

یہ دو ترجمہ شدہ اقتباسات ادبیات میں انگریزی سے اردو ترجمے کی اوّلین مثال ہیں۔ اس سے پہلے اناجیل اور بائبل کے اردو تراجم تو یقیناً سامنے آئے تھے لیکن ادبیات کے میدان میں ترجمے کا یہ پہلا قدم ہے۔

ڈاکٹر گلکرسٹ نے ترجمہ شدہ اقتباسات کے ساتھ ایک تعارفیہ بھی لکھا تھا۔ اس تحریر کی اہمیت کے پیش نظر 'ہندوستانی زبان کے قواعد' سے وہ تعارفیہ نقل کیا جاتا ہے۔

''یہ امر طالب علم کو غالباً گراں نہ گزرے گا کہ اس کی زبان کے ایک ٹکڑے کا ہندوستانی نثر میں ترجمہ بطور نمونے کے پیش کیا جائے تاکہ اس کا اندازہ ہو سکے کہ دونوں زبانوں کے محاورات ان حسین مکالمات کی ادائیگی میں کس حد تک ایک دوسرے سے مختلف ہیں جو لافانی شیکسپیئر نے کارڈی نل ولزے 'Cardinal Wilsey' اور شہزادہ ہیملٹ 'Hamlet' کی زباں سے عالمِ خیال میں ادا کرائے ہیں۔ ان دونوں مکالمات کا بول چال کی مہذب زبان میں زیادہ سے زیادہ لغوی ترجمہ کرنے کی میں نے کوشش بھی کی ہے تاکہ سلاست کے ساتھ ساتھ ہندوستانیوں کا وہ اندازِ بیان بھی قائم رہے جو ایسے مسائل میں وہ اختیار کرتے ہیں۔ میں نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ جہاں تک ہو سکے مشکل الفاظ استعمال نہ کروں جس سے فہم سے زیادہ منشی گری کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس ترجمے کا گھٹیا پن اور اس کی بے نمکی سے ناظرین کو اس کا اندازہ بھی ہو سکے گا کہ ترجمے میں اصل کی روح اور اس کے حسن کو برقرار رکھنا بسا اوقات کس درجہ مشکل ہو جاتا ہے اور اس سے یہ راز بھی کھل جائے گا کہ ہندوستانی زبان میں حد درجہ لطافت و صلاحیت ہونے کے باوجود اس زبان (ہندوستانی زبان) کے ان ترجموں میں جو جا بجا اس کتاب میں درج کئے گئے ہیں کیوں بے لطفی محسوس ہوتی ہے۔''

جان گلکرسٹ کے اس ترجمے کی اصل اہمیت تاریخی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ سلاست اور روانی ہے جو آگے چل کر 'باغ و بہار' کے حوالے سے میر امّن کی پہچان بنی۔

شیکسپیئر کے اوّلین اردو ترجمے (از جان گلکرسٹ) کا نمونہ ملاحظہ ہو:

To be, or not to be,- that is the question:
Whether 'its nobler in the mind to suffer
The slings and arrows of outrageous fortune,
Or to take arms against a sea of troubles,
And by opposing end them.- To die?- to sleep,-
No more; and by a sleep to say we end

The heart-ache and the thousand natural shocks
That flesh is heir to,-'its a consummation
Devoutly to be wish'd. To die,- to sleep;-
To sleep! perchance to dream: ay, ther's the rub;-
For in that sleep of death what dreams may come,
When we have shuffled off this mortal coil,
Must give us pause: ther's the respect
That makes calamity of so long life;
For who would bear the whips and scorns of time.
The oppressor's wrong, the proud man's contumely,
The pangs of despis'd Love, the law's delay.
The insolence of office and the spurns
That patient merit of the unworthy takes.
When he himself might his quietus make
With a bare bodkin? Who would- friendless bear.
To grunt and sweat under a weary life,
But that the dread of something after deat
The undiscover'd country, from whose bourn
No traveller returns,- Puzzles the will,
And makes us rather bear those ills we have
Than fly to others that we know not of.
Thus conscience does make cowards of us all;
And thus the native hue of resolution
Is sicklied o'er with the pale cast of thought.

"جینا، خواہ نہ جینا، سوال یہی ہے کہ/ بہتر ہے دل میں برداشت کرنا/ قہر آلود قسمت کے فلاخن و تیرِ باراں کو/ یا سن کھ دست بہ شمشیر ہونا دریا مصیبتوں کے/ و تمام کرنا اون کو۔ مرنا کیا ہے؟ سونا ہے،/ کچھ اور نہیں، یہ کہنا کہ ایک نیند سے ہم مل میٹ کرتے ہیں/ دردِ دل اور ہزار صدماتِ فلکی/ جن کا متحمل ہر ایک متنفس ہے/ یہ مراد ایک ہے/ جس کو یہ آرزو چاہا چاہیے، مرنا، درست، سونا ہے/ ہاں سونا ہے، شاید سپنا دیکھنا، فی الواقعہ سدراہ یہی ہے کہ/ جب ہم نے اس کش مکش دُنیوی سے نجات پائی تب اس موت کی نیند میں/

کیسے خواب نظر آویں گے/ یہی تشویش ہم کو خوف و رجا میں رکھتی ہے، امتیاز یہی ہے/ جو اذیت کو انتہا تک عمر دراز کرتی ہے/ ورنہ کون سہتا زمانے کی کوئنک و اہانت/ ظالم کے ظلم، مغرور کی حقارت/ جگر سوزی عشق خام کی، قید عدالت کی/ غرور عہدے پادشاہی کا، اور لات پیزار/ مبتذلوں کی، جو صابر قدر انگیز کرتا ہے/، ہر گاہ وہ آپ اپنی مخلصی کر سکتا ہے/ خالی ایک چھوری سے۔ کون بوجھ اٹھاتا دکھ بھرنے اور لہو پانی کرنے کے لئے بیچ مکدر زندگی کے/، جو بعد مرگ کسی چیز کی دہشت نہ ہوتی۔ وہ ملک اَن دیکھا، جس کی منزل سے/ کوئی مسافر پھرتا نہیں، بے اختیار انسان گھبراتا ہے وہم کو سہاتا ہے وے خرابیاں جو موجود ہیں۔/ پہلے اس کے کہ بھاگیں اوروں کی طرف کہ وے نامعلوم ہیں/ یوں ہی عبرت ہم سب کو بُودلا بناتی ہے۔/ اور اسی طرح اصل رنگ استقلال کا پیلا ہو جاتا ہے فکر کے زرد عکس سے۔''

('ہندوستانی زبان کے قواعد' سے اقتباس)

Farewell, a long farewell, to all! my greatness
This is the state of man: today he puts forth
The tender leaves of hope, tomorrow blossoms.
And bears his blushing honours thick upon him:
The third day comes a frost, a killing frost,
And,-when he thinks, good easy man, full surely
His greatness is aripening, -nips his root,
And,-then he falls, as I do. I have ventur'd,
Like little wanton boys that swim on blades,
This many summers in a sea of glory;
But far beyond my depth: my high-blown pride
At length broke under me; and now has left me
Weary and old with service, to the mercy
Of a rude stream, that must for ever hide me.
Vain pomp and glory of this world, I hate ye:
I feel my heart new opened. O.how wretched
Is that poor man that hangs on princes' favours
There is, betwixt that smile we would aspire to
That sweet aspect of princes, and their ruin,
More pangs and fears than wars or women have:

And when he falls, he falls like Lucifer,

Never to hope again.

"خوشا اے عمدگی! لے اب تُو ایک مدّت خوش رہیو/
یہی انسان کی حالت ہے، جیوں درخت آج ملائم پاتوں/
کے سے سرسبز ہوا، وگل مراد کے سرخ غنچوں سے شگفتہ رُو ہوا/
اور رنگ برنگ ترقی کی، پھولوں پر آیا۔/
تیسرے دن ایسا ایک جاڑا آتا ہے، ہائے کیسا سخت جاڑا!!/
کہ جس وقت اُوس نادان بے چارہ انسان نے یقین جانا کہ/
اب میری زندگی کا پھل پکتا ہے، بت اُوس کو سکھاتا ہے جڑ تک/
تب کرتا ہے میری طرح۔ میں نے دریائے شان مین، کئی ایک/
موسم گرما کے جیسے شوخ لڑکے، جو گھوڑوں پر تیرتے ہیں/
پی تھا کہ حد سے بہت پرے آزمایا ہے/
آخر میرے نیچے پھولا ہوا بلند غرور کا گھڑا مانجھ دار میں پھوٹا
وضعیف پیر مرد، خدمت رسیدہ کو خون خوار دھارے کی موج،
پر کیہہ وقت مجھے ڈبوئے رکھے گی، چھوڑا ہے۔
کیونکہ میں نے اپنا دل فی الحال منور پایا بھی ہے/ وہ کیا کمبخت آدمی ہے جو کہ آسرا رکھتا ہے بادشاہوں کی توجہات کا/
جس شیریں تبسم اور خوش نظر کو لاطینوں کی ہم بخواہش تاکتے ہیں۔
ان دونوں کو اپنے ذلت کے عرصہ میں زیادہ جانکندن وتشویش ہے/ عورتوں کے دل ولڑائیوں کے میدان سے، غرض وہ بے کس اپنے درجے سے گرتا ہے۔
ابلیس کی طرح گرتا ہے "پھر اُٹھنے کا نہیں"۔

('ہندوستانی زبان کے قواعد' سے اقتباس)

1861ء کے بمبئی میں 19 ناٹک مینڈلیاں موجود تھیں۔ خاطر غزنوی لکھتے ہیں:

> گلکرسٹ کے ترجمے کے کوئی پینسٹھ برس بعد بمبئی میں بے شمار ناٹک منڈلیوں میں سے کئی ایک نے خصوصی طور پر شیکسپیئر کے ڈراموں کے ترجمے کرا کے اُنہیں کھیلا۔ منڈلیوں میں جنٹلمین امیچورس کلب، اور یجنل زورو آسٹرین کلب، وکٹوریا ناٹک منڈلی اور سب سے زیادہ شیکسپیئر ناٹک منڈلی قابل ذکر ہے۔ ان میں سے اکثر منڈلیوں نے شیکسپیئر کے گجراتی ترجمے کئے، اور بعد میں بعض ڈراموں کی زیادہ کامیابی کے پیش نظر اردو ترجمے بھی کئے گئے۔
>
> ('شیکسپیئر کے اردو تراجم' مطبوعہ: "اردو نامہ" کراچی)

خاطر غزنوی صاحب کی تحقیق کے مطابق شیکسپیئر کے مکمل ڈرامے کا اوّلین ترجمہ 'داد دریا' (Pericles) 1871ء میں دادا بھائی پٹیل نے خانصاحب نوشیرواں جی مہربان جی آرام سے کروایا۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر نامی نے 'اُردو تھیٹر' میں اس ترجمے نا کام 'وادی دریا' لکھا تھا جو درست نہیں۔ بقول خاطر غزنوی 'موجودہ معلوم ڈراموں کی فہرست کے مدنظر آرام کو 'داد دریا' کے ترجمے کا حق نہ بھی دیا جائے تب بھی آرام ہی کو 'جواں بخت' 'Merchant of Venice' کے ترجمے ہی کے سبب شیکسپیئر کے پہلے مترجم کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔'

(بحوالہ: 'شیکسپیئر کے اردو تراجم ص:23')

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ڈاکٹر نامی نے پیرکلیس (Pericles) کے 1870ء کے ایک ترجمے 'وادی دریا' کو دوسا بھائی فرام جی رانڈھلیا کے نام سے منسوب کیا تھا اور پروفیسر یحجیک نے اپنی تصنیف 'دی انڈین تھیٹر' میں لکھا تھا کہ 1891ء سے پہلے شیکسپیئر کا کوئی ترجمہ نہیں کیا گیا۔ جبکہ محمد عمر نور الٰہی صاحبان کی تصنیف 'ناٹک ساگر' میں یہ کہا گیا تھا کہ شیکسپیئر کو ہندوستانی اسٹیج سے آشنا کرنے کا فخر مہدی حسن خان احسن لکھنوی کو حاصل ہے۔

جس طرح یہ تمام آرا آج کی جدید تحقیق نے غلط ثابت کر دی ہیں بعینہٖ شیکسپیئر کے تراجم کی تعداد کا معاملہ بھی ہے۔ پروفیسر یحجیک نے تراجم کی کل تعداد اکتالیس بتائی تھی اور ڈاکٹر نامی کی 'اردو تھیٹر' کے بعد کی تحقیق کے مطابق تراجم کی تعداد ایک سو انتیس بتائی گئی۔ ڈاکٹر نامی نے شیکسپیئر کے 37 ڈراموں میں سے 22 ڈراموں کے انسٹھ اردو ترجموں کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ سال 2012ء تک کتابی شکل میں مطبوعہ، اسٹیج، کالج کے اسٹیج اور ریڈیائی ڈراموں کی صورت میں کیے گئے تراجم کی تعداد دو سو کے لگ بھگ بنتی ہے، اور اس کی تفصیل کے لئے ایک الگ دفتر درکار ہے۔ صرف احسان اللہ نے ہی 1890ء تک شیکسپیئر کے 19 ڈرامے ترجمہ کر لیے تھے۔ شیکسپیئر کی ہمارے اسٹیج پر مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ " شیکسپیئر" کے نام سے تھیٹر سے متعلق ایک ماہنامہ (مرتب: پنڈت نرائن پرشاد بیتاب) بہت پہلے جاری کیا گیا اور اسی پرچے میں بیتاب کے تراجم ('ایز یُو لائک اِٹ' اور 'کنگ رچرڈ سوم') قسطوں میں شائع ہوئے۔ شیکسپیئر کے 141 تراجم کے تو خود میں نے اس کتاب میں کوائف فراہم کر دیے ہیں۔ جو کتابی صورت میں شائع ہوئے، جو شائع نہ ہو سکے وہ الگ ہیں۔

بقول خاطر غزنوی:

> 'تھیٹر کا زمانہ گیا تو اردو فلم میں بھی شیکسپیئر نے بار پایا، لیکن فلم سے زیادہ موجودہ دور میں بجا طور پر ریڈیو نے شیکسپیئر کی قدر افزائی کی اور سینکڑوں اردو ترجمے ریڈیو پاکستان، بی بی سی اور آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوتے رہے اور ہو رہے ہیں۔
> ("شیکسپیئر کے اردو تراجم" ص:23، 24)

یہ حقیقت ہے کہ ولیم شیکسپیئر ہمارے اسٹیج اور ریڈیو پر 1871ء سے تا حال راج کر رہا ہے اور اُس کا کوئی مدمقابل نہیں۔

1991ء میں فلمی ہدایت کار Franco Zeffirelli نے 'ہیملٹ' کو بنیاد بنا کر فیچر فلم بنائی تھی۔ جب کہ "Prospero's Books" کے عنوان سے 1991ء میں ہدایت کار Peter Greenaway نے بھی شیکسپیئر کے ڈراما کو بنیاد بنا کر فلم تیار کی۔

339۔ شیکسپیئر، ولیم: ہملٹ

ترجمہ: مصطفیٰ زیدی

لاہور: مشمولہ: ''موج مری صدف صدف''، لاہور اکیڈمی: 1960ء

ڈراما: 'Hamlet' کے ایک حصے کا منظوم ترجمہ۔ یاد رہے کہ "Hamlet" کا ایک منظوم ترجمہ عزیز احمد نے بھی کیا تھا۔ عزیز احمد کے شاعر ہونے کا ثبوت انہوں نے عمر کے آخری حصے میں غزلیں کہہ کر فراہم کیا تھا۔ (حوالہ: 10، 11، 16)

340۔ شیکسپیئر، ولیم: ہملٹ

ترجمہ: سیّد عبدالباقیؔ، پروفیسر

قلمی: غیر مطبوعہ

ڈراما: 'Hamlet' منظوم ترجمہ۔ سیّد عبدالباقی، گورنمنٹ کالج کوہ مری سے بطور پرنسپل ریٹائر ہوئے تھے۔ انہوں نے شیکسپیئر کے دیگر ترجمے بھی کیے تھے جو بقول اُن کے، انہوں نے اشفاق احمد کو اشاعت کی غرض سے دیئے۔ اور اب ان تراجم کا نام و نشان نہیں ملتا۔ چونکہ یہ ڈراما 1975ء میں میں نے خود پروفیسر صاحب کے پاس غیر مطبوعہ صورت میں دیکھا، اس لئے صرف اسی ایک ترجمے کا حوالہ دے رہا ہوں۔ (مرزا حامد بیگ)

341۔ شیکسپیئر، ولیم: ہیملٹ

ترجمہ: امتیاز علی، مولوی

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1888ء

ڈراما: 'Hamlet' ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 4)

342۔ شیکسپیئر، ولیم: شہزادہ ہیملٹ

ترجمہ: احسان اللہ، مولوی

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1890ء

ڈراما: "Hamlet' کا ترجمہ (حوالہ: 1، 6، 5)

343۔ شیکسپیئر، ولیم: خونِ ناحق عرف ہیملٹ

ترجمہ: تلسی داس دت شیدا

لاہور: دیا سنگھ پبلشرز، طبع اوّل 1912ء

ص: 22

ڈراما: 'Hamlet' کا ترجمہ (حوالہ: 10، 12)

344۔ شیکسپیئر، ولیم: ہیملٹ

ترجمہ: فراق گورکھپوری

نئی دہلی: ساہتیہ اکیڈمی، طبع اوّل 1976ء

ڈراما: 'Hamlet' کا ترجمہ۔ اس ترجمے کا تازہ ایڈیشن بک ہوم، لاہور نے 2007ء میں شائع کیا ہے۔ (حوالہ 2، 9)

345۔ شیکسپیئر، ولیم: ہیملٹ

ترجمہ: عابد نواز جنگ

دہلی: سہ ماہی 'اردو' بابت جنوری 1939ء

ڈراما: سہ ماہی 'اردو' دہلی میں 'شیکسپیئر کے چند بند کا ترجمہ' کے عنوان سے 'Hamlet' کے چند اقتباسات کا ترجمہ نظم معریٰ میں۔ عزیز احمد نے اسی ترجمے سے متاثر ہو کر 'ہیملٹ' کا منظوم ترجمہ کیا۔ (حوالہ 14)

346۔ شیکسپیئر، ولیم: یوں رام کریں

ترجمہ: اکرام بریلوی

راولپنڈی: غیر مطبوعہ برائے ریڈیو پاکستان راولپنڈی

ڈراما: 'The taming of the shrew' کی تلخیص و ترجمہ۔ (حوالہ 2)

347۔ شیکسپیئر، ولیم: ہٹیلی دلہن

ترجمہ: ن۔ن

نام مطبع و سنہ ندارد

ڈراما: 'The taming of the shrew' کا ترجمہ غالباً 1920ء کے لگ بھگ ہوا۔ (حوالہ 2)

یہ ترجمہ (بقول سیّد بادشاہ حسین) مختلف ناٹک منڈلیوں نے اسٹیج کیا۔ اپنے وقت کا مقبول ترین کھیل تصور کیا گیا۔ بعد میں مدن تھیٹر کلکتہ نے اسی ترجمے کو بنیاد بنا کر فلم بھی تیار کی۔ سیّد بادشاہ حسین کا خیال ہے کہ مدن تھیٹر والوں نے مشہور فلم ساز اور اداکار Douglas Fairbanks کی بنائی فیچر فلم "The Taming of the Shrew" کی باکس آفس پر کامیابی کو مدنظر رکھا۔ سید بادشاہ حسین صاحب کا یہ قیاس کرنا اس لئے درست ثابت نہیں ہوتا کہ مدن تھیٹرز والوں نے سال 1920ء اور 1929ء کے درمیانی عرصے میں فلم مکمل کی جبکہ اُس وقت تک ڈگلس نے نہ تو بطور فلمساز اس ڈرامے پر مبنی فلم بنائی تھی اور نہ ہی 1929ء تک وہ بطور اداکار اس ڈرامے پر مبنی کسی فلم میں اُس نے کام کیا تھا۔ ڈگلس کی پیدائش 1883ء کی ہے جبکہ وہ 1939ء میں وفات پا گیا۔ اس کی آخری فلم 'The Iron Mask' (1929ء) تھی۔ اس کی ذاتی فلم کمپنی کا نام: 'Douglas Fairbanks pictures corporation' تھا اور اُس نے 'D Artagnam' کا مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ اس طرح یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مدن تھیٹر کلکتہ والوں نے 'ہٹیلی دُلہن' نامی ترجمے کی مقبولیت کے پیش نظر فلم بنانے کا فیصلہ کیا۔

348۔ شیکسپیئر، ولیم: بدمزاج کا سفر کرنا

ترجمہ: احسان اللہ، مولوی

نام مطبع ندارد، 1890ء

ڈراما: 'The Taming of the shrew' کا اوّلین اردو ترجمہ۔ شیکسپیئر کے اس ڈراما پر مبنی ہالی وڈ کی ایک یادگار کاسٹیوم فلم بنی تھی۔ جس میں ایلزبتھ ٹیلر اور رچرڈ برٹن نے مرکزی کردار ادا کیے تھے۔ 1970ء کے اوائل میں یہ فلم پاکستانی سینماؤں میں بھی ریلیز ہوئی۔ (حوالہ:2)

349۔ شیکسپیئر، ولیم: تاجرِ وینس

ترجمہ: نذر محمد ابن فتح علی

بمبئی: نام مطبع ندارد، 1884ء

ڈراما: 'The Merchant of Venice' کا ترجمہ جسے بمبئی کے گورنر سر جیمز فرگوسن کے نام معنون کیا گیا ہے۔ نذر محمد صاحب دیباچے میں لکھتے ہیں:

ایک روز اس حقیر نے وقتِ فرصت اپنے اہل خانہ کو شیکسپیئر کے اس کھیل کا انگریزی سے ترجمہ کر کے سنایا، از بسکہ دلچسپ و خیالات نادر ہیں، اُن کو حد سے زیادہ پسند آیا، مجھ سے کہا کہ اگر اس شاہد انگلیسی کو پیرایۂ ہندی میں سنوارا جائے تو شک نہیں کہ مرغوب اہل ہند ہو جاوے۔ (حوالہ:2)

350۔ شیکسپیئر، ولیم: وینس کا سوداگر

ترجمہ: بابو بالیشو پرشاد بی۔اے

لکھنؤ: جے۔پی ورما اینڈ برادرز، طبع اوّل 1887ء

ڈراما: 'The Merchant of Venice' کا ترجمہ۔ دوسری بار 1888ء میں طبع ہوا۔ ترجمے پر نظرِ ثانی حافظ محمد حنیف ایف۔اے کی ہے۔ (حوالہ:2)

اس کتاب کے سرورق پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے:

جو اولاً بسعی و کوشش جناب بابو بالیشو پرشاد صاحب بی۔اے حال ڈپٹی کلکٹر بنارس و سابق ہیڈ ماسٹر نارمل سکول بنارس، شیکسپیئر کے مشہور ناٹک 'مرچنٹ آف وینس' سے ترجمہ ہو کر شائع ہوئی۔

اب از سرِ نو بعد از نظرِ ثانی و ترمیمات ضروری حافظ محمد حنیف ایف۔اے سابق مدرس نارمل سکول بنارس و حال کلرک دفتر جناب لیفٹیننٹ جنرل صاحب ممالک مغربی و شمالی و اودھ مطبع نامی جے پی ورما اینڈ برادرس لکھنؤ سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔

اس ڈراما کا ایک ترجمہ حال ہی میں دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد نے بھی شائع کیا ہے۔

351۔ شیکسپیئر، ولیم: چاند شاہ سُود خور

ترجمہ: ن۔ن

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1895ء

ڈراما: 'The Merchant of Venice' کا ترجمہ (حوالہ:1،2)

352۔ شیکسپیئر، ولیم: دلفروش

ترجمہ: مہدی حسن خاں احسن لکھنوی

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1900ء

ڈراما: 'Merchant of Venice' کا ترجمہ جس میں مغربی فضا کو مشرقی اور کرداروں کو مسلمان ظاہر کیا گیا ہے۔

(حوالہ:2)

353۔ شیکسپیئر، ولیم: وینس کا سوداگر

ترجمہ: عاشق حسین، سیّد

دہلی: مشہور بک ڈپو، طبع اوّل 1896ء

ص: 148

ڈراما: 'The Merchant of Venice' کا ترجمہ۔ دوسری بار لکھنؤ سے 1898ء میں شائع ہوا۔ (حوالہ 2، 10، 11)

354۔ شیکسپیئر، ولیم: دلفروش عرف یہودی سوداگر

ترجمہ: افسوں شاہجہانپوری، اکبر علی خاں

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1898ء

ڈراما: 'The Merchant of Venice' کا ترجمہ (حوالہ:2، 9، 12، 13)

355۔ شیکسپیئر، ولیم: آئینہ دلفروش

ترجمہ: مرزا نظیر بیگ نظیر اکبر آبادی

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1898ء

ڈراما: 'The Merchant of Venice' کا ترجمہ۔ (حوالہ:2)

356۔ شیکسپیئر، ولیم: مرچنٹ آف وینس یعنی دلفروش

ترجمہ: سہراب جی پسّتن جی کانگا

نام مطبع ندارد

ڈراما: 'The Merchant of Venice' کا ترجمہ 1930ء کے لگ بھگ شائع ہوا۔ (حوالہ:2،5)

357۔ شیکسپیئر، ولیم: جواں بخت

ترجمہ: نوشیرواں جی مہربان جی آرام

ڈراما: 'The Merchant of Venice' کا پہلا اُردو ترجمہ خان صاحب نوشیرواں جی مہربان جی آرام کو خاطر غزنوی نے ولیم شیکسپیئر کا پہلا مُترجم قرار دیا ہے۔ (حوالہ.2)

358۔ شیکسپیئر، ولیم: عشق قاسم وشیریں عرف اصلی دلفروش

ترجمہ: گوہر رامپوری

ڈراما: 'The Merchant of Venice' کا ترجمہ۔ (حوالہ 2)

359۔ شیکسپیئر، ولیم: بُھول بُھلیاں

ترجمہ: غنی بدایونی

ڈراما: 'The Comedy of errors' کا ترجمہ (حوالہ:2)

360۔ شیکسپیئر، ولیم: بُھول بُھلیاں

ترجمہ: محمد افضل خان ہمدم

لاہور: چمن داس، 1910ء

ص: 28

ڈراما: 'The Comedy of erros' کا ترجمہ۔ دوسری بار 1921ء میں طبع ہوا۔ (حوالہ:2،12،16)

361۔ شیکسپیئر، ولیم: بُھول بُھلیاں

ترجمہ: عبدالکریم

نام مطبع ندارد، 1913ء

ڈراما: 'The Comedy of errors' کا ترجمہ۔ (حوالہ:9،12)

362۔ شیکسپیئر، ولیم: ربط وضبط عرف بُھول بُھلیاں

ترجمہ: افسوں شاہجہانپوری، علی اکبر خان

نام مطبع ندارد

ڈراما: 'The comedy of errors' کا ترجمہ (حوالہ.9،12)

363۔ شیکسپیئر، ولیم: بھول چوک

ترجمہ: احسان اللہ، مولوی

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1890ء

ڈراما: 'The comedy of errors' کا اوّلین اردو ترجمہ (حوالہ: 1، 2، 5)

364۔ شیکسپیئر، ولیم: بھول بھلیاں

ترجمہ: مرزا نظیر بیگ نظیر اکبر آبادی

نام مطبع ندارد، 1896ء

ڈراما: 'The comedy of errors' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 1، 2، 5)

365۔ شیکسپیئر، ولیم: بھول بھلیاں

ترجمہ: فیروز شاہ خاں

گورکھ پور: نام مطبع ندارد، 1896ء

ڈراما: 'The comedy of errors' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 1، 2، 5)

366۔ شیکسپیئر، ولیم: گورکھ دھندا

ترجمہ: نرائن پرشاد بیتاب

نام مطبع ندارد، 1901ء

ڈراما: 'The comedy of errors' اور 'Twelfth Night' کو باہم ایک کر دیا گیا ہے۔ اس ترجمے پر مبنی ڈراما الفرڈ ناٹک منڈلی نے پہلی بار لاہور کے بریڈلے ہال میں پیش کیا تھا۔ (حوالہ 2)

367۔ شیکسپیئر، ولیم: گورکھ دھندا

ترجمہ: گینشر داس گوہر

نام مطبع ندارد، 1921ء

ڈراما: 'The comedy of errors' کا ترجمہ (حوالہ: 2، 12)

368۔ شیکسپیئر، ولیم: بھول بھلیاں

ترجمہ: لالہ سیتارام الہ آبادی

مراد آباد: نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1906ء

ڈراما: 'The comedy of errors' کا ترجمہ لالہ سیتارام، اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس الہ آباد نے کیا۔ یہ ترجمہ زبان و بیان پر قدرت نہ ہونے کے سبب شیکسپیئر کا اچھا تاثر پیش نہیں کرتا۔ دوسری بار الہ آباد سے طبع ہوا۔ (حوالہ: 2، 5)

369۔ شیکسپیئر، ولیم: رومیو جولیٹ

ترجمہ: احسان اللہ، مولوی

مینیجر کریمی لائبریری، 1890ء

ڈراما: 'Romeo and Juliet' کا اوّلین اردو ترجمہ

احسان اللہ کے اس ترجمے کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر پروفیسر نظیر صدیقی کے خیالات نذر قارئین کر رہا ہوں:

'دنیا کی شاید ہی کوئی ترقی یافتہ زبان ایسی ہو گی جس میں شیکسپیئر کے ڈراموں یا نظموں کے ترجمے نہ ہوئے ہوں۔ شیکسپیئر نہ صرف دنیا کے عظیم ترین ڈرامانگاروں اور شاعروں میں سے ہے بلکہ دنیا کے عظیم ترین ڈراما نگاروں اور شاعروں میں غالبًا سب سے زیادہ مقبول اور دلچسپ ڈراما نگار اور شاعر ہے۔ اسے پڑھنا اور سمجھنا بھی نسبتًا آسان ہے۔ اس بات کو مثالوں کے ذریعے یوں سمجھئے کہ اگرچہ ہومر اور دانتے بھی دنیا کے عظیم ترین شاعروں میں سے ہیں لیکن ان دونوں کو پڑھنا اور سمجھنا اتنا آسان نہیں جتنا کہ شیکسپیئر کو پڑھنا آسان ہے۔ لیکن یہ آسانی کسی سطحیت کی بنا پر نہیں، شیکسپیئر کی شاعری اور اس کے ڈرامے انسانی زندگی اور انسانی فطرت کے سربستہ رازوں کے خزانے ہیں جبھی تو علامہ اقبال نے شیکسپیئر کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ

حفظِ اسرار کا فطرت کو ہے سودا ایسا
رازداں پھر نہ کرے گی کبھی پیدا ایسا

اردو میں شیکسپیئر کے اہم ترین ڈراموں کے علاوہ نسبتًا کم اہم ڈراموں کے ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔ مثلاً ہیملٹ، کنگ لیئر، میکبتھ اور اوتھیلو، شیکسپیئر کے اہم ترین ڈرامے مانے جاتے ہیں۔ عنایت اللہ دہلوی ان ڈراموں کو اردو میں منتقل کر چکے ہیں۔ اسی طرح Twelfth Night اور 'رومیو جیولیٹ' کے ترجمے بھی ہو چکے ہیں، جو شیکسپیئر کے ''بہترین'' میں شمار نہیں کیے جا سکتے۔ اردو میں شیکسپیئر کے بعض ڈراموں کے ایک سے زیادہ ترجمے بھی موجود ہیں مثلاً رومیو جولیٹ کا ایک ترجمہ عنایت اللہ دہلوی نے کیا تھا۔ دوسرا، اردو کے مشہور ناول نگار افسانہ نگار اور تنقید نگار عزیز احمد نے کیا ہے۔ اس وقت میں عزیز احمد ہی کے ترجمے کو سامنے رکھ کر گفتگو کر رہا ہوں۔

''رومیو جولیٹ'' شیکسپیئر کے نہایت کامیاب اور مقبول ڈراموں میں سے ہے گو، اس کے اندر وہ فنکارانہ پختگی نہیں پائی جاتی جو ہیملٹ، کنگ لیئر، میکبتھ اور اوتھیلو جیسے ڈراموں میں ملتی ہے۔ اس ڈرامے کی کامیابی اور مقبولیت کا راز اس بات میں پوشیدہ ہے کہ یہ ڈراما دو عاشقوں کی داستان ہے اور ساری دنیا عاشقوں کی عاشق ہے۔

حسب معمول شیکسپیئر نے اس ڈرامے کا پلاٹ بھی پرانی کہانیوں سے لیا ہے خصوصًا آرتھر بروک کی ایک انگریزی نظم سے جو اس نے 1562ء میں شائع کی تھی۔ لیکن شیکسپیئر نے اس کہانی میں تبدیلیاں کر کے اسے کچھ سے کچھ بنا دیا۔ اس نے ڈرامے کے پورے عمل کو مہینوں سے دنوں میں تبدیل کر دیا۔ اب یہ ڈراما اپنی موجودہ شکل میں چار دن کے اندر ختم ہو جاتا ہے۔ شیکسپیئر نے اپنے تخیل کی مدد سے ڈرامے کے کرداروں کو زندہ کر دیا ہے اور ڈرامے میں غضب کی ڈرامائیت پیدا کر دی ہے۔

یہ ڈراما اٹلی کے شہر ویرونا میں عمل پذیر ہوتا ہے۔ زمانہ غالباً چودھویں صدی کا ہے۔ ویرونا کے دو گھرانے کیپولٹ اور مانٹیگو خاندانی طور پر ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں جبکہ رومیو مانٹیگو کا بیٹا ہے اور جولیٹ، کیپولٹ کی بیٹی۔

(اردو میں عالمی ادب کے تراجم، 1986ء)

(حوالہ: 1، 2)

370۔ شیکسپیئر، ولیم: معشوقۂ فرنگ عُرف گلنار فیروز

ترجمہ: جوالا پرشاد برق سیتاپوری

لکھنؤ: نولکشور، طبع اوّل: 1896ء

ڈراما: 'Romeo and Juliet' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2)

371۔ شیکسپیئر، ولیم: گلنار فیروز

ترجمہ: شیر خان

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1896ء

ڈراما: 'Romeo and Juliet' (حوالہ: 1، 2)

372۔ شیکسپیئر، ولیم: بزم فانی عرف گلنار فیروز

ترجمہ: مہدی حسن خاں احسن لکھنوی

لاہور: نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1898ء

ڈراما: 'Romeo and Juliet' کا ترجمہ دوسری بار لاہور ہی سے 1902ء میں طبع ہوا۔ 'ہمایوں'، لاہور جولائی 1934ء کے ص 525 پر تبصرہ موجود ہے۔ (حوالہ: 2)

373۔ شیکسپیئر، ولیم: بزم فانی عرف دھوکا دھڑی

ترجمہ: عبدالغنی خلیل بدایونی

نام مطبع و سنہ ندارد

ڈراما: 'رومیو جولیٹ' کا ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 1، 2، 4)

374۔ شیکسپیئر، ولیم: بزم فانی

ترجمہ: آغا حشر کاشمیری

دہلی: نام مطبع ندارد، 1900ء

ڈراما: 'Romeo and Juliet' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2)

375۔ شیکسپیئر، ولیم: رومیو جولیٹ معروف بہ عشق فیروز لقا گلنار سیر

ترجمہ: مرزا نظیر بیگ نظیر اکبر آبادی

نام مطبع ندارد، طبع اوّل: 13 فروری 1904ء

ڈراما: 'Romeo and Juliet' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2)

مرزا نظیر بیگ اس ڈرامے کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں:

اس ناٹک کا قصہ میں نے خاص ایک تصنیف شدہ کتاب جناب مسٹر شیکسپیئر صاحب مرحوم کے نامی گرامی ڈرامے 'رومیو اینڈ جولیٹ' سے لے کر ترتیب دیا ہے۔ اور اس کا نام رومیو جولیٹ آف شیکسپیئر معروف بہ 'عشق فیروز لقا گلنار سیر' موسوم کیا۔ اگر چہ یہ ناٹک بظاہر کھیل تماشے کی کتاب ہے مگر حقیقتاً پند نامہ لاجواب ہے، اور اس میں حسن و عشق کی سیر ہے۔ اس وجہ سے عاشق و معشوق کا حال غیر ہے۔

376۔ شیکسپیئر، ولیم: رومیو جولیٹ و میکبتھ

ترجمہ: ستار طاہر

لاہور: مکتبۂ شاہکار، 1975ء

ڈراما: دو ڈرامے ایک جلد میں۔ (حوالہ: 5، 11)

377۔ شیکسپیئر، ولیم: بزم فانی عرف گلنار فیروز

ترجمہ: محمد افضل ہمدم

نام مطبع ندارد، 1907ء

ڈراما: 'Romeo and Juliet' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 1، 2)

378۔ شیکسپیئر، ولیم: گلنار فیروز

ترجمہ: سیٹھی، جی۔ ایل

نام مطبع ندارد، 1909ء

ڈراما: 'Romeo and Juliet' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 1، 2)

379۔ شیکسپیئر، ولیم: تاجدار جوگن

ترجمہ: عبداللطیف شاد

نام مطبع ندارد، 1922ء

ڈراما: 'Romeo and Juliet' کا ترجمہ (حوالہ: 1، 2)

380۔ شیکسپیئر، ولیم:

ترجمہ: رومیو جولیٹ

لاہور: عنایت اللہ دہلوی۔ مطبوعہ: 1941ء سے قبل۔

ڈراما: 'Romeo and Juliet' کا ترجمہ

اس ترجمے سے متعلق عزیز احمد لکھتے ہیں:

''عیب جوئی میرا مقصد نہیں لیکن شیکسپیئر کا ترجمہ بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ سب سے دقیق مسئلہ تو زبان کا ہے۔ شیکسپیئر کے زمانے میں ایک لفظ کے ایک معنی تھے تو اب اسی لفظ کے معنی بدل کر کچھ اور ہو گئے ہیں، محاورات کے معنی بدل گئے ہیں۔ زندہ زبانوں میں تعمیر و ترمیم کا یہ قدرتی سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ اس باعث مترجم کو اگر صحیح ترجمہ کرنا ہے تو سب سے پہلے اسے چاہیے کہ اس زمانے کی زبان کو اچھی طرح سمجھے۔ اس کے بعد ڈرامے کے پورے پس منظر سے، شیکسپیئر کے عہد کی تاریخ اور ادب سے واقفیت ہونا بھی ضروری ہے۔ بہت سے ٹکڑے جو یوں سمجھ میں نہیں آتے اگر ان تمام باتوں کا لحاظ رکھا جائے تو واضح ہو جاتے ہیں۔''

یعنی عزیز احمد کے نزدیک مولوی عنایت اللہ دہلوی صاحب نے ان تمام باتوں کا خیال نہیں رکھا۔ (حوالہ: 2)

381۔ شیکسپیئر، ولیم: رومیو جولیٹ

ترجمہ: ن۔ن

دہلی: مشورہ بک ڈپو، س۔ن

ڈراما: 'Romeo and Juliet' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 1، 2)

382۔ شیکسپیئر، ولیم: رومیو جولیٹ

ترجمہ: امراؤ سنگھ

آگرہ: مطبع الٰہی، 1912ء

ص: 32

ڈراما: 'Romeo and Juliet' کا ترجمہ (حوالہ: 9، 12)

383۔ شیکسپیئر، ولیم: رومیو جولیٹ

ترجمہ: عزیز احمد

دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند) طبع اوّل: 1941ء

ص: 285

ڈراما: 'Romeo and Juliet' کا ترجمہ مع مقدمہ و حواشی اس ترجمے کو انجمن نے کراچی سے 1961ء میں دوبارہ شائع کیا۔ (حوالہ: 2، 8، 14)

اس منثور و منظوم ترجمے سے متعلق عزیز احمد صاحب لکھتے ہیں:

اس ترجمے کے پڑھنے میں کہیں کہیں اور بھی دقتیں ہوں گی۔ کہیں کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک کردار نظم میں بات کرتا ہے اور دوسرا نثر میں جواب دیتا ہے، لیکن میں نے شیکسپیئر کی پیروی کی ہے، اور ترجمے میں بھی اس گفتگو کو اسی طرح رہنے دیا۔ اس طرح کوئی شخص نظم میں باتیں کرتے کرتے نثر بولنے لگتا ہے لیکن یہ سب ضمنی باتیں ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ ناظرین اس کے عادی ہو جائیں گے۔ (دیباچہ سے اقتباس)

عزیز احمد صاحب کا ترجمہ انجمن ترقی اردو (ہند) نے اوّل اوّل 1941ء میں شائع کیا تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ عزیز احمد نے جو اعتراضات مولوی عنایت اللہ دہلوی کے ترجمے پر کئے تھے بعد میں خود انہیں اسی نوع کے اعتراضات کا سامنا کرنا پڑا۔

اس ترجمے پر تبصرہ کرتے ہوئے جیلانی کامران لکھتے ہیں:

عزیز احمد نے 'رومیو جولیٹ' سے متعارف کرانے کی جو کوشش کی ہے، وہ قابل قدر ضرور ہے مگر غیر معمولی نہیں ہے۔ کیوں کہ نرگس آرٹ، کنسرن کے 'رومیو جولیٹ' کے بعد اردو زبان میں اس ڈرامے کی پیشکش کسی نئے باب کا اضافہ نہیں کرتی اور کمال امروہوی کے مکالموں کے بعد عزیز احمد کے مکالمے اس عشقیہ ڈرامے کی عظمت میں کوئی قابل قدر اضافہ نہیں کرتے۔ اگر عزیز احمد کا ترجمہ لندن اسکول آف افریکن اینڈ اورینٹل سٹڈیز کے کسی پروگرام کا حصہ ہے تو نہایت افسوس کی بات ہے کہ عزیز احمد کی نظر سے وہ نئی تنقیدی کتابیں نہیں گزریں جو شیکسپیئر کے فن پر غیر روایتی روشنی ڈالتی ہیں۔ مؤلف کی حیثیت سے عزیز احمد کا کام 'رومیو جولیٹ' کی ایسی تنقید کا بھی تھا جو بتاتی کہ یہ ڈرامہ کس طرح بنیادی انسانی صورت حال کی عیسائی مذہبی طرزِ فکر کے مطابق شرح اور تفسیر کرتا ہے۔ کیا عشق کی قوت ایک ایسے معاشرے میں اس لئے کامیاب نہیں ہوتی کیوں کہ معاشرہ، انسان کو انسان کے قریب لانے کے بجائے انسان اور انسان کے درمیان منافرت کے جذبات کو ہوا دیتا ہے، اور اس فضا میں اپنے مصنوعی استحکام کو ڈھونڈتا ہے؟ یہ اندھی تلاش دراصل رومیو جولیٹ کے المیے کو پیدا کرتی ہے، اور شاید یہی وہ 'اندھی تلاش' تھی جس نے رُومیوں کے زمانے میں 'ابن آدم' کو مصلوب کیا تھا۔

عزیز احمد نے 'رومیو جولیٹ' کے مقدمے میں کوئی نئی بات نہیں کہی۔ ساری باتیں پرانی ہیں۔ مثلاً عزیز احمد نے 'رومیو جولیٹ' کو رومان ڈی لازور' کی روایت کے پس منظر میں نہیں پرکھا: علاوہ ازیں 'فلورس اور بلانشے فلور' کو مشرقی اصل کی داستان کہا ہے، حالاں کہ اس داستان کا تمام سلسلہ شمالی افریقہ اور اسلامی ہسپانیہ سے تعلق رکھتا ہے۔

عزیز احمد اگر اس ڈرامے کا نثر میں ترجمہ کرتے تو شاید یہ ڈرامہ پڑھا جا سکتا اور اسے اسٹیج پر کھیلا بھی جا سکتا، مگر جس نوع کا بلینک ورس استعمال کیا گیا ہے، وہ نہایت بے جان ہے۔

("صحیفہ" لاہور، اپریل 1963ء، ص 86)

واضح رہے کہ شیکسپیئر نے 'رومیو جیولیٹ' کا پلاٹ بھی پرانی حکایات اور داستانوں سے اخذ کیا ہے خصوصاً آرتھر بروک کی 1562ء میں شائع ہونے والی ایک نظم کو بنیاد بنا کر اس کی کہانی میں چند تبدیلیاں کر لی ہیں۔ مثلاً یہ کہ عشق کی کئی مہینوں پر پھیلی ہوئی داستان کو صرف چار دنوں تک سمیٹ لیا ہے۔ گو اس ڈرامے میں شیکسپیئر وہ نہیں ہے جو ہیملٹ، میکبتھ اور 'اوتھیلو' میں دکھائی دیتا ہے لیکن شیکسپیئر کا تخیل یہاں بھی اپنے عروج پر ہے اور ڈرامائیت میں ذرا برابر کمی نہیں۔

اس ڈرامے کا ایک کردار مرکوشیو ہے، جسے اس ڈرامے میں شیکسپیئر کا شاہکار کہا گیا ہے۔ اس کے بارے میں عزیز احمد لکھتے ہیں:

''شیکسپیر نے یہ عجیب و غریب کردار بڑے کمال سے تخلیق کیا ہے مرکوشیو، عہد الیزبتھ کے جری اور بذلہ سنج شریف نوجوانوں کا مجموعہ ہے۔ زندگی تک کو وہ کھیل سمجھتا ہے۔ مرتے مرتے بھی مذاق کرتا ہے۔ اس کا خلوص سچا ہے۔ اس کے مذاق میں پھکڑ پن کا عنصر غالب سہی لیکن اس کا مقصد کسی کو دکھ پہنچانا نہیں۔
مرکوشیو سے کچھ ہی کم انا کا کردار بھی اس ڈرامے میں شیکسپیر کا شاہکار ہے۔ اس کا کردار براہ راست زندگی سے مستعار لیا گیا ہے۔
عزیز احمد نے اس ڈرامے کے تمام کرداروں پر فرداً فرداً اظہار خیال کیا ہے اور ہر ایک کی خصوصیات بیان کر دی ہیں جن کی بنا پر اس ڈرامے سے قاری کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ انہوں نے 'رومیو اور جولیٹ' کے کرداروں کے بارے میں یہ بھی بتایا ہے کہ ان میں نشاۃ ثانیہ کی یورپی زندگی اور شخصیت کا بہت کچھ رنگ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک امریکی نقاد نے اس ڈرامے کے کرداروں کو نشاۃ ثانیہ کے تصویر خانے کی تصویروں سے تشبیہ دی ہے۔ عزیز احمد کہتے ہیں کہ ''جتنے کرداروں کی تخلیق شیکسپیر نے کی ہے دنیا کے کسی اور مصنف نے نہیں کی۔ کاغذ، روشنائی اور قلم سے اس نے بکثرت انسان بنائے ہیں جو ہمیشہ زندہ رہیں گے اور 'رومیو اور جولیٹ' کے ہر کردار میں زندگی شروع سے آخر تک جھلکتی ہے۔''

(دیباچہ از عزیز احمد)

پروفیسر نظیر صدیقی لکھتے ہیں:

''جہاں تک اس ڈرامے کے نفس موضوع کا تعلق ہے شیکسپیر کے ایک شارح نے کہا ہے کہ محبت اور نفرت، معاشقہ اور انتقام کا باہمی عمل اس ڈرامے کا موضوع ہے۔ ایک اور موضوع جوانی اور بڑھاپے کا باہمی عمل ہے۔ بہر حال جو چیز شیکسپیر کے اس ڈرامے کو نہایت دلچسپ بناتی ہے وہ یہ ہے کہ اس ڈرامے کے موضوعات اس کی ساخت میں شامل ہیں اور وہ خاص کرداروں سے برآمد ہوتے ہیں۔
اس ڈرامے کے مترجم عزیز احمد کئی حیثیتوں سے اردو ادب میں بڑے اونچے مقام کے مالک ہیں۔ وہ انگریزی ادب کے عالم اور استاد تھے اور اردو کے ادیب۔ اردو میں ''رومیو اور جولیٹ'' کے ترجمے کی موجودگی کے باوجود انہوں نے اس کا ترجمہ کیا، جس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ موجودہ ترجمے سے مطمئن نہ تھے حالانکہ موجودہ ترجمہ عنایت اللہ دہلوی جیسے مترجم کا ترجمہ تھا۔ اس طرح کی بے اطمینانی بہتر ترجمے کی ضمانت ہوتی ہے۔ عزیز احمد نے شیکسپیر کے اس شعری ڈرامے کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ جہاں خود شیکسپیر نے نثر سے کام لیا ہے، وہاں عزیز احمد نے بھی نثر میں ترجمہ کیا ہے۔

(''اردو میں عالمی ادب کے تراجم'' 1986ء)

یہ ڈراما اٹلی کے شہر ویرونا میں عمل پذیر ہوا۔ زمانہ چودھویں صدی عیسوی کا ہے۔ رومیو (ہیرو) مانٹیگو گھرانے کا لڑکا ہے اور جولیٹ، کیپولٹ گھرانے کی لڑکی۔ یہ دونوں خاندان ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں۔ رومیو جولیٹ ایک دوسرے کو چاہتے ہیں لیکن اُن کے ستارے آپس میں نہیں ملتے۔ آخر کار دونوں چاہنے والے ایک دوسرے کی خاطر جان دے دیتے ہیں۔
جولیٹ، نوخیز نسوانیت کی دھڑکتی ہوئی تصویر ہے اور رومیو کا مزاج انتہا کا عاشقانہ۔ بقول عزیز احمد، رومیو کے کردار میں نرمی

اور شگفتگی عاشقانہ مزاجی پر اضافی چیزیں ہیں۔ اکثر رومیو اور ہیملٹ میں نسبت ڈھونڈی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رومیو کا کردار ''ہیملٹ'' کا ابتدائی خاکہ ہے۔

عزیز احمد صاحب کے مطابق: 'اس ڈرامے میں موت اور محبت میں بڑا تعلق ہے۔ موت اور عشق کا باہمی تعلق'۔ عزیز احمد نے دیباچہ میں برطانوی شاعر مارول کی ایک نظم 'شرمیلی معشوقہ' کا حوالہ دیتے ہوئے 'نظم کی ایک لائن نقل کی ہے:

''دنیا دو دن کی ہے۔ پھر موت آ جائے گی، پھر قبر کے کیڑے تمہارے مدت سے محفوظ کنوار پن کو چھین لیں گے۔''

دراصل رومیو جولیٹ کا مضمون اس زمانے کے مافوق الفطرت پسند شاعروں کے گروہ کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ ترجمے سے ایک نمونہ دیکھتے چلئے:

'محبت وہ دھواں ہے، جو دُودِ آہ سے پیدا
دھواں کم ہو تو بن کر آگ یہ آنکھوں میں ہے جاتا
انہیں تکلیف ہو تو آنسوؤں کا بحر بن جائے
محبت اور کیا ہے؟ وہ جنوں ہے، جس میں ہشیاری
وہ زہر تلخ، جس سے دم گھٹے اور پھر ہے شیرینی'

برادر اب خدا حافظ۔

384۔ شیکسپیئر، ولیم: داؤ پیچ

ترجمہ: ن۔ن

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1902ء

ڈراما: 'King John' کا ترجمہ (حوالہ: 1، 2)

385۔ شیکسپیئر، ولیم: ذرا سے کام کا اتنا طومار

ترجمہ: احسان اللہ، مولوی

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1890ء

ڈراما: 'Much ado about nothing' کا اوّلین اردو ترجمہ۔ اس ڈراما کو بنیاد بنا کر 1993ء میں ہدایت کار Kenneth Branaghy نے فیچر فلم تیار کی۔ (حوالہ: 2)

386۔ شیکسپیئر، ولیم: جامِ الفت

ترجمہ: لالہ سیتا رام

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1906ء

ڈراما: 'Much ado about nothing' کا ترجمہ (حوالہ:2)

387۔ شیکسپیئر، ولیم: جامِ الفت

ترجمہ: فانی بدایونی

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1931ء

ڈراما: 'Much ado about nothing' کا ترجمہ (حوالہ:2)

388۔ شیکسپیئر، ولیم: جنونِ وفا

ترجمہ: عبداللطیف شاد، بی۔اے

نام مطبع ندارد، 1900ء

ڈراما: 'Titus and Ronicus' اور 'Romeo and Juliet' دونوں کو ملا دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر نامی نے اسے اوّل الذکر ڈرامے کا ترجمہ بتایا ہے، جو درست نہیں۔ (حوالہ 2، 9، 12، 13)

389۔ شیکسپیئر، ولیم: یاروں کی محنت برباد

ترجمہ: محمد سلیمان

گورکھ پور: نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1899ء

ڈراما: 'Love's labour's lost' کا ترجمہ (حوالہ:2)

390۔ شیکسپیئر، ولیم: آبشار

ترجمہ: خان احمد حسین خاں

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ پاکستان، س۔ن

افسانے: شیکسپیئر کے 16 ڈراموں کا افسانوی روپ (حوالہ 2، 16)

391۔ شیکسپیئر، ولیم: شیکسپیئر کی کہانیاں

ترجمہ: علی سردار جعفری

بمبئی: کتب پبلشرز

ڈراما: مشہور انشائیہ نگار چارلس لیمب اور اس کی بہن میری نے یہ کہانیاں شیکسپیئر کے ڈراموں کو بنیاد بنا کر لکھی تھیں۔ یعنی مکالموں کو افسانوں میں ڈھالا۔ (حوالہ:2)

392۔ شیکسپیئر کی کہانیاں

ترجمہ و تلخیص: ڈی، اے، ہریسن قربان

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوس روڈ، طبع دوم: 1978ء

ص: 158

ڈراما: کتاب میں بارھویں شب، وینس کا سوداگر، شاہ لیئر، رومیو جولیٹ، پیریکلس، میکبتھ، سملین، طوفان اور اوتھیلو وغیرہ ڈراموں کی تلخیص شامل کی گئی ہے۔

393۔ شیکسپیئر، ولیم: شیکسپیئر کے افسانے

ترجمہ: خان احمد حسین خاں

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ (پاکستان)، س۔ن

ص: 446

ڈراما: 14 ڈراموں کی تلخیص (حوالہ: 2، 16)

394۔ شیکسپیئر، ولیم: بچّوں کا شیکسپیئر

ترجمہ: مترجمین، پنجاب بک ڈپو

لاہور: پنجاب بک ڈپو، س۔ن

ڈرامے: شیکسپیئر کے اہم ڈراموں پر کتابچے (بچّوں کے لئے) (حوالہ: 10، 11)

395۔ شیکسپیئر، ولیم: نکاتِ شیکسپیئر

ترجمہ: تلوک چند محروم

ڈرامے: یہ کتاب شیکسپیئر کے ڈراموں کے بعض اہم حصوں کے منظوم تراجم پر مشتمل ہے۔ (حوالہ: 2)

یہ کتاب شیکسپیئر کے ڈراموں کے بعض اہم حصوں کے منظوم تراجم پر مشتمل ہے۔ کتاب میں 'ایز یو لائک اِٹ' کے دوسرے ایکٹ کا چوتھا منظر 'میکبتھ' کے دوسرے ایکٹ کے پانچویں منظر اور 'ہنری ہشتم' کے تیسرے ایکٹ کے دوسرے منظر کے علاوہ 'ہیملٹ' کے پہلے ایکٹ کے پانچویں منظر کے منظوم تراجم خاصے کی چیزیں۔

نمونہ ملاحظہ ہو:

الوداع! اے عظمت و جاہ و جلال
آدمی کا ہے یہی دنیا میں حال
آج اس کے بوتۂ اُمید میں
پھوٹتی ہیں نرم و نازک کونپلیں
کل دکھاتا ہے وہ پھولوں کی بہار
شرگیں اعذار کا رنگیں نکھار

بہر طور شیکسپیئر کے ڈرامے انسانی فطرت کے سربستہ رازوں کے ایسے خزائن ہیں جنھیں اپنے اپنے طور پر ہمارے مترجمین

ہمیشہ کھوجتے رہیں گے۔ ڈاکٹر محمد اقبال نے شیکسپیئر کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔

حفظِ اسرار کا فطرت کو ہے سودا ایسا
راز داں پھر نہ کرے گی کبھی پیدا ایسا

396۔ شیکسپیئر، ولیم: تیغ ستم

ترجمہ: جیشور پرشاد، پنڈت

لاہور: نرائن دت سہگل، س۔ن

ڈراما: (حوالہ:7)

397۔ گالزوردی، جان: سیب کا درخت

ترجمہ: قاضی عبدالغفار

لاہور: آئینہ ادب، طبع دوم: س۔ن

ڈراما: 'The Apple tree' کا ترجمہ۔ ایک ترجمہ وشوامتر عادل کا بھی ملتا ہے۔ اس ڈرامے کا ایک ترجمہ پطرس بخاری نے بھی کیا تھا جو رسالہ 'کارواں' لاہور میں شائع ہوا۔ (حوالہ:2، 10، 1)

398۔ گالزوردی، جان: سیب کا درخت

ترجمہ: وشوامتر عادل

بمبئی: کتب پبلشرز

ڈراما: 'The Apple tree' کا ترجمہ۔ ایک ترجمہ قاضی عبدالغفار کا بھی ملتا ہے۔ پطرس بخاری کا ترجمہ رسالہ 'کارواں' لاہور میں شائع ہوا تھا۔ (حوالہ:10، 16)

399۔ گالزوردی، جان: فریب عمل

ترجمہ: جگت موہن لال رواں، منشی

الہ آباد: ہندوستانی اکیڈمی طبع اول: 1930ء

ڈراما: انگریزی سے 'Skin - Game' کا ترجمہ۔ (حوالہ:2، 4، 7، 10، 11)

400۔ گالزوردی، جان: پیکار

ترجمہ: باری علیگ،

ڈراما: 'اسٹرائک' کا ترجمہ۔ جس میں سرمایہ داری کے فسادات کو افشا کیا گیا ہے۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:4)

401۔ گالزوردی، جان: انصاف

ترجمہ: دیانرائن نگم، منشی

الہ آباد: ہندوستانی اکیڈمی، 1939ء

ڈراما: 'Justice' کا ترجمہ۔ ایک ترجمہ قاسم محمود کا بھی ملتا ہے جو 1959ء میں لاہور سے شائع ہوا، قاسم محمود نے لفظوں کے الٹ پھیر سے ترجمہ اپنا بنانے کی کوشش کی ہے۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

402۔ گالزوردی، جان: انصاف

ترجمہ: قاسم محمود، سید

لاہور: مکتبہ کائنات، 1959ء

ڈراما: 'Justice' کا ترجمہ۔ اصل ترجمہ منشی دیانرائن نگم کا ہے جو 1939ء میں ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد نے شائع کیا۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

403۔ گوگول: انسپکٹر جنرل

ترجمہ: ڈاکٹر محمد صادق

اسلام آباد: ادارۂ ثقافت پاکستان، 1982ء

ڈراما: انگریزی زبان کی معرفت ترجمہ۔ یہ اس ڈرامے کا اوّلین ترجمہ ہے جو گورنمنٹ کالج لاہور کی سوندھی 'ٹرانسلیشن سوسائٹی' کے لیے 1930ء میں کیا گیا تھا۔ (حوالہ: 2، 16)

404۔ گولدونی، کارلو: دغا باز

ترجمہ: کمال احمد رضوی

لاہور: مکتبہ میری لائبریری بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

ص: 112

ڈراما: 'The Liar' کا ترجمہ۔ اصل کتاب امریکہ میں شائع ہوئی۔ (حوالہ: 2، 10، 11، 17)

405۔ گولڈسمتھ، اولیور: غلط در غلط

ترجمہ: عصمت اللہ بیگ

نام مطبع ندارد، 1936ء

ڈراما: 'She stops to conquer' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

406۔ گوئٹے، جوہن وولف گینگ فان: فریب حسن

ترجمہ: ن۔ن

لکھنؤ: مینیجر منروا کمپنی، س۔ن

ڈراما: 'فاؤسٹ' کا اردو میں اوّلین ترجمہ، 1923ء سے قبل شائع ہوا۔ اس ڈرامے کے دیگر مترجمین میں ڈاکٹر سید

عابد حسین، شاہد احمد دہلوی، منشی جوالا پرشاد، عبدالقیوم باقی، فضل حمید، اور منور لکھنوی کے نام ملتے ہیں (حوالہ 1، 2)

جوہن وولف گینگ فان گوئٹے 14 اگست 1749ء میں جرمنی میں پیدا ہوئے۔ 47 برس کی عمر میں قانون کی ڈگری لی۔ لائپزگ یونیورسٹی کا یہ گریجویٹ، کیمسٹری، تشریح اعضاء اور فن تعمیر کا ماہر تھا۔ 1792ء میں فرانس کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ 1828ء میں سیاست اور عام معاشرتی زندگی سے کٹ کر صرف تصنیف و تالیف کا ہو رہا۔ 22 مارچ 1832ء میں انتقال کیا۔

'فاؤسٹ' ایک قدیم داستانوی قصے کی بنیاد پر بار بار لکھا گیا اور قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں مقبولیت کا معیار بن گیا۔ اس کی جڑوں کی تلاش محققین کو عہد نامۂ جدید کے ایک جادوگر سیمون میگس کی سرگزشت تک کھینچ لے گئی ہے۔ جبکہ اس فرضی قصے پر مبنی 16ویں صدی عیسوی کے انگریز ڈرامہ نگار کرسٹوفر مارلو کا ڈرامہ:

'Tragical history of Doctor Foustus' 1588ء میں سامنے آیا اور تقریباً ایک سو برس تک جرمنی اور برطانیہ میں یکساں مقبول رہا۔ اسی فرضی قصے پر مبنی گوئٹے کا عظیم کارنامہ 'فاؤسٹ' 'Foust' جرمن زبان میں ظہور پذیر ہوا۔ 'فاؤسٹ' قدرت کی دو متضاد قوتوں کی کشمکش کا دوسرا نام ہے۔ اس کی ایک حد انسان ہے تو دوسری حد شیطان۔ اِن دو انتہاؤں کے بیچ عشق ہے۔ انسان اور شیطان کے درمیان اس جدل کا فیصلہ مختلف نکتہ ہائے نظر کے ساتھ کیا گیا ہے۔ کچھ نے انسان کو یا خیر کو فتح مند قرار دیا ہے تو کچھ کے نزدیک شیطان یا بدی کی طاقتیں کامیاب دکھائی دیتی ہیں۔

اس عظیم ڈرامے کے تین نمایاں کردار ہیں یعنی فاؤسٹ، شیطان اور مارگریٹ۔ 'فاؤسٹ' لکھتے وقت گوئٹے نے ان تینوں کرداروں کو علم انسانی کے تین مختلف شعبوں کی روح قرار دیا ہے۔ فاؤسٹ جذبہ ناکامی کی پیداوار ہے اور شدید ردعمل، جبکہ شیطان ہی درحقیقت جذبہ ناکامی کا دوسرا نام ہے اور قدرت کے بندھے ٹکے اصولوں کے خلاف باغیانہ لحن۔ مارگریٹ، عشق اور محبت کی علامت ہے اور دو عظیم قوتوں کے درمیان 'خیر' کی واحد آواز۔

اس اعتبار سے گوئٹے کا 'فاؤسٹ' کرسٹوفر مارلو کے 'فاوسٹس' سے مختلف ہے کہ وہ اپنی ذات پر ایقان کا متلاشی یا طالب ہے جبکہ مارلو کا فاوسٹس خدا پر یقین مستحکم کر رہا ہے۔ مارلو کے ہاں روایتی (عیسائیت کی) اخلاقیات اور الٰہیات کا ایک مربوط نظام ہے جبکہ گوئٹے محض تمثالوں کے ذریعے روایتی مذہبی حوالوں کو سامنے لاتا ہے۔ گوئٹے اپنے اعتقادات کے اعتبار سے وجودی ہے اور اس کا اخلاقی نظام بھی اپنے اندر ایک خاص نوع کی لچک رکھتا ہے۔ گوئٹے نے 143 تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں لیکن اُس کی عالمی شہرت کا باعث 'فاؤسٹ' ہی کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کی دیگر دو نمایاں کتب: 'The sorrows of young Werther' (ناول) اور 'Wilhelm meister's apprenticeship' کے علاوہ خودنوشت، سفرنامے، سائنسی، علمی و تنقیدی مقالات کے مجموعے، اور شعری مجموعے غرضیکہ بہت کچھ ہے۔ لیکن ہمارے ہاں 'فاؤسٹ' نے ہی مقبولیت حاصل کی یا دوسرے درجہ پر 'نوجوان ورتھر کی داستانِ غم' ہے۔

'فاؤسٹ' کے دو حصے ہیں اور بنیادی موضوع انسانی امکانات پر فطرت کی طرف سے عائد کردہ جکڑ بندیوں سے پیدا ہونے والی شدید بے اطمینانی ہے۔ 'فاؤسٹ' کا مرکزی کردار (ایک عظیم دانشور) وجود کے معنی اور انسانی امکانات کی جستجو میں مگن ہے اور حقیقت اُولیٰ کی درست پہچان کا آرزومند۔ اس روحانی سفر میں وہ شیطان سے ایک عجیب و غریب معاہدہ کرتا ہے کہ وہ اس تجربے کا ایک قیمتی لمحہ عطا کرے گا اور اس کے بدلے میں فاؤسٹ اپنی روح شیطان کے ہاتھ گروی رکھتا ہے۔ اب ایک نئے سفر کی ابتداء ہوتی

ہے جس کے پہلے مرحلے میں ہی فاؤسٹ فطرت کے ہاتھوں بے بس ہو جاتا ہے۔ وہ گریچن سے محبت کرتا ہے اور گریچن ہار جاتی ہے۔ یہ ہار دراصل فاؤسٹ کی ہے یا فطرت کے مقابل انسان کی۔

دوسرے حصے میں فاؤسٹ اپنے آپ کو دنیوی جاہ و جلال کی طرف لے جاتا ہے اور خارجی لذتوں سے ہمکنار ہوتا ہے۔ وہ ہیلن آف ٹرائے سے معاشقہ لڑاتا ہے اور عظیم فتوحات حاصل کرتا ہے۔ لیکن وہ ذہنی طور پر مطمئن نہیں۔ سکون تو کسی اور شے کا نام ہے۔

آخر کار وہ تمام انسانی ناآسودگیوں کے ساتھ اس جہان سے رخصت ہوتا ہے۔ لیکن موت کے بعد اس شیطان خصلت پر جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ یہ اس بات کا انعام ہے کہ اس نے خیر طلبی میں عمر گزاری اور صداقت کی پہچان کا طالب رہا۔

گوئٹے کا ایمان تھا کہ انسان اس عظیم کائناتی نظام میں ایک متحرک قوت ہے اور اسے زندگی کی مثبت اقدار کی جستجو کرتے رہنا چاہیے۔

اس ڈرامے کے نثری ترجمے ڈاکٹر عابد حسین، شاہد احمد دہلوی اور منشی جوالا پرشاد برق نے کیے۔ نثری ترجموں میں ڈاکٹر عابد حسین کا ترجمہ محض اوّلین ترجمہ ہی نہیں منثور ترجمے کا معیار بھی قائم کرتا ہے۔ جبکہ شاہد احمد دہلوی نے پیٹر پرسٹن اور ہنری لے کوج کے انگریزی ترجمہ کو بنیاد بنایا۔ یہ انگریزی ترجمہ 'فاؤسٹ' کے کچھ حصوں کا انتخاب تھا۔ انگریز مترجمین نے 'فاؤسٹ' کو اصل حالت میں نہیں رہنے دیا۔ انہوں نے ڈرامے کے بعض بہت نمایاں اور اہم حصوں کو حذف ہی نہیں کیا بلکہ مناظر کی ترتیب بھی بدل دی ہے۔ یوں شاہد صاحب کا ترجمہ اپنے بنیاد سے ہی کمزور پڑ جاتا ہے۔ کچھ یہی کیفیت منشی جوالا پرشاد کے ترجمے کی ہے۔ اسے منثور ترجمہ بھی نہیں کہا جا سکتا، بیشتر حصے منظوم یا خاص 'روم' میں ہیں۔

منظوم تراجم میں منور لکھنوی اور عبدالقیوم خان باقی کے نام نمایاں ہیں۔ منور لکھنوی کے ہاں روانی اور بے ساختگی ہے۔ انہوں نے مختلف مواقع سے مناسبت رکھنے والی بحروں کا انتخاب خوب کیا ہے مثال دیکھیے۔

عالم بھی بنا فاضل بھی بنا
ماہر بھی بنا کامل بھی بنا
جو عقل و فراست تھی پہلے
جتنی بھی ذکاوت تھی پہلے
کچھ بھی نہ اضافہ اس میں ہوا
میں جیسا تھا ویسا ہی رہا
میں کامل بھی کہلاتا ہوں
میں فاضل بھی کہلاتا ہوں
پھر یہی عقل میں آتا ہے
دل مجھ کو یہی سمجھاتا ہے
لاعلمی بس تقدیر میں ہے
اک رنگ یہی تصویر میں ہے

اب روحوں کا ترانہ بھی سنتے چلئے:

منتشر ہو جاؤ تاریکی بھرے اے بادلو
راہ لو ہاں راہ لو اپنی اے کالے بادلو
روشنی تاروں کی رقصاں ہو نظر کے سامنے
یہ نظارہ کیف ساماں ہو نظر کے سامنے

مولوی عبدالقیوم خاں باقی کا ترجمہ Bayard taylor کے انگریزی ترجمہ کو بنیاد بنائے ہوئے ہے، اور یہ 'فاؤسٹ' کے اوّلین حصے کا مکمل منظوم ترجمہ ہے۔ بیارڈ ٹیلر کا ترجمہ 'فاؤسٹ' 1870ء میں شائع ہوا تھا۔ یہی ایڈیشن باقی صاحب نے بنیاد بنایا نیز ڈاکٹر عابد حسین کے اردو ترجمے سے مدد لی گئی ہے۔

407۔ گوئٹے، جوہن وولف گینگ فان: شیطان کا غلام

ترجمہ: جوالا پرشاد برق، منشی

ڈراما: 'Foust' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 5)

408۔ گوئٹے، جوہن وولف گینگ فان: فاؤسٹ

ترجمہ: سیّد عابد حسین، ڈاکٹر

اورنگ آباد دکن: انجمن ترقی اردو (ہند)، 1931ء

ڈراما: فاؤسٹ کا ترجمہ۔ یہ ترجمہ بک ہوم، لاہور نے بھی 2007ء میں شائع کر دیا ہے۔ (حوالہ 2، 14)

409۔ گوئٹے، جوہن وولف گینگ فان: فاؤسٹ

ترجمہ: شاہد احمد دہلوی

لاہور: ساقی بک ڈپو، س۔ن

ڈراما: فاؤسٹ کا ترجمہ (حوالہ: 2، 7، 10، 11)

410۔ گوئٹے، جوہن وولف گینگ فان: فاؤسٹ

ترجمہ: عبدالقیوم خان باقی

کراچی: انجمن ترقی اردو (پاکستان)، طبع اوّل 1961ء

ڈراما: فاؤسٹ کا منظوم ترجمہ (حوالہ 2، 14)

411۔ گوئٹے، جوہنَ وولف گینگ فان: فاؤسٹ

ترجمہ: منور لکھنوی

کراچی: پاکستان جرمن فورم، طبع اوّل 1965ء

ڈراما: فاؤسٹ کا منظوم ترجمہ (حوالہ:2،13،16)

412۔ گوئٹے، جوہن وولف گینگ فان: فاؤسٹ

ترجمہ: فضل حمید

بہاولپور: اردو اکیڈمی، 1964ء

ڈراما: فاؤسٹ کا ترجمہ (حوالہ:13،16)

413۔ لفنگے کی ڈائری

ترجمہ: کمال احمد رضوی

لاہور: میری لائبریری، س۔ن

ڈراما: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:13،16)

414۔ لورا، کلی فورڈ بارنے: حشر بداماں

ترجمہ: صادق الخیری

کراچی: شہناز بک ڈپو کلب، طبع اوّل 1986ء

ص: 153

ڈراما: قرۃ العین طاہرہ کے عروج وزوال کی المیہ تمثیل کا فرانسیسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ 16)

415۔ لونے، ڈرو: ایک لڑکی چار تابوت

ترجمہ: طارق علی صابر

لاہور: المحراب، س۔ن

ڈراما: انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ:2،10،11)

416۔ لیسنگ: ناتن

ترجمہ: محمد نعیم الرحمان، منشی فاضل

الہ آباد: ہندوستانی اکیڈمی، 1930ء

ڈراما: جرمن زبان سے 'Nathan der weise' کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ ایک ترجمہ منشی جگت موہن لال رواں نے بھی کیا ہے۔ (حوالہ:2،4،7،16)

417۔ لیسنگ: ناتن

ترجمہ: جگت موہن لال رواں، منشی

الہ آباد: ہندوستانی اکیڈمی، 1930ء

ڈراما: 'Nathan der weise' کا ترجمہ۔ ایک ترجمہ محمد نعیم الرحمٰن کا بھی ملتا ہے۔ (حوالہ: 2، 9، 16)

418۔ ماہام، سمرسٹ: زندگی

ترجمہ: محمد اکبر وفا قانی

نام مطبع ندارد

ڈراما: انگریزی سے آزاد ترجمہ (حوالہ: 2، 5)

419۔ مولیئر: بخیل

ترجمہ: نورالٰہی محمد عمر

نام مطبع ندارد، 1909ء

ڈراما: طربیہ ڈراما ترجمہ ہو کر 1909ء میں اسٹیج ہوا۔ یہ پہلا ترجمہ ہے جو نورالٰہی اور محمد عمر نے مل کر کیا تھا۔ تفصیلات کے لئے دیکھیے ماہنامہ 'اردو' انجمن ترقی اردو، کراچی، بابت اکتوبر 1956ء (حوالہ۔ 2، 5)

420۔ مولیئر: جان ظرافت

ترجمہ: نورالٰہی محمد عمر

نام مطبع وسنہ ندارد

ڈراما: فرانسیسی کے طربیہ ڈرامے سے ماخوذ و ترجمہ، 1934ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 5)

421۔ مولیئر: نکاح بالجبر

ترجمہ: وہاج الدین

نام مطبع وسنہ ندارد،

ڈراما: فرانسیسی ڈرامے 'Forced marriage' کا ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 2، 5)

422۔ مولیئر: بگڑے دِل

ترجمہ: نورالٰہی محمد عمر

نام مطبع وسنہ ندارد

ڈراما فرانسیسی ڈرامے کا ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ فرانسیسی ڈرامے کا نام ہے: 'Le Misanthrope' (حوالہ۔ 2، 5)

423۔ مولیئر: کلیات مولیئر (جلد اوّل)

انتخاب و ترجمہ: محمد عمر

نام مطبع وسنہ ندارد

ڈرامے: فرانسیسی سے چار طربیہ ڈراموں بالترتیب 'شوہروں کا مکتب'

بیویوں کا مکتب۔ بیویوں کے مکتب کا تجزیہ اور 'گنبد صدا کا ترجمہ' (حوالہ 2.)

1۔ شوہروں کا مکتب۔ طربیہ ڈراما

2۔ بیویوں کا مکتب۔ طربیہ ڈراما

3۔ بیویوں کے مکتب کا تجزیہ۔ طربیہ ڈراما

4۔ گنبد صدا۔ طربیہ ڈراما

یہ چاروں تراجم 'کلیات مولیئر' سلسلے کی پہلی جلد میں شامل تھے۔ مولیئر کے ان تراجم کے بارے میں منشی محمد عمر لکھتے ہیں:

> ''میرا اور منشی نور الٰہی مرحوم کے ادبی اشتراک کار کا آغاز مولیئر کی کومیڈی 'بخیل' سے ہوا۔ جسے ہم نے 1909ء میں اردو میں منتقل اور اسٹیج کیا۔ یہ ایک کھیل تھا جس نے ہوتے ہوتے ہمارے مقصد حیات کی شکل اختیار کی اور ہم نے مولیئر کے چند ایک اور ڈرامے خالص ہندوستانی سانچے میں ڈھالے۔''

(ماہنامہ 'اردو' کراچی، اکتوبر 1956ء)

محولہ بالا ڈرامہ 'شوہروں کا مکتب' میں یہ دکھایا گیا ہے کہ عورتوں پر ناروا پابندیاں عائد کرنے سے کیا ردعمل جنم لیتا ہے۔ اس ڈرامے میں مولیئر، کومیڈی کو تفریح طبع کے علاوہ اصلاح اخلاق کے لئے کام میں لایا ہے۔ ترجمہ دیکھ کر پتا چلتا ہے کہ ڈرامے میں طنز، ہجو ملیح اور ضلع جگت کو مولیئر نے بطور ہتھیار برتا ہے۔

ڈرامہ 'بیویوں کا مکتب' شوہروں کے مکتب کی تصویر کا دوسرا رخ ہے۔ اس ڈرامے میں بے جوڑ شادیوں کے خلاف آواز اٹھائی گئی ہے۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ اس وقت کے سماجی نظام کے خلاف تھا۔ اس لئے مولیئر کو شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ مولیئر کے ہمعصر فرانسیسی اسٹیج ڈرامہ کے ناقد ماؤنٹ فلوری نے اپنے تنقیدی مضامین میں اسے گالیاں تک دیں۔ بومانٹ جیسا بزرگ ادیب اس کی مخالفت میں یوں اترا کہ اس نے 'تصویر مصوّر' کے نام سے ایک کامیڈی فوری طور پر لکھی اور 'اسٹیج بھی کر دی۔ 'تصویر مصوّر' میں مولیئر کی ذاتی زندگی کو موضوع بحث بنایا گیا تھا۔ واضح رہے کہ مولیئر نے اُدھیڑ عمری میں ایک نوخیز لڑکی سے کچھ ہی عرصے پہلے بیاہ رچایا تھا۔

یہ معاملہ اِس حد تک بڑھا کہ ماؤنٹ فلوری، شاہِ فرانس کے دربار میں عرض گزار ہوا کہ مولیئر کھلے بندوں پھرتا ہے اسے بے جوڑ شادی کرنے کے جرم میں سزا دی جائے۔ لیکن اس کا اثر الٹا ہوا اور شاہِ فرانس نے مولیئر کے نوزائیدہ بچے کا گاڈ فادر بننا منظور کر لیا۔ اُس کے بعد مخالفت ختم گئی۔ لیکن یہ مخالفت مولیئر کو عالمگیر شہرت عطا کر گئی۔

ڈرامہ ''بیویوں کے مکتب کا تجزیہ' اپنے نوع کی اوّلین تحریر ہے۔ اس میں اٹھائے گئے تمام اعتراضات کا جواب دینے کے لئے مولیئر نے ڈرامہ ہی کو اپنا وسیلہ بنایا۔

ڈرامہ 'گنبد کی صدا' بھی ناقدانہ تجزیہ طرز کا ڈرامہ تھا۔ اس میں مولیئر نے اپنی ڈرامہ کمپنی پر اور اس کی اداکاری پر جو اعتراضات کئے جاتے تھے ان کا جواب دیا ہے۔ واضح رہے کہ اس کی ڈرامہ کمپنی پر فحش ہونے کا سب سے بڑا اعتراض عائد کیا گیا تھا۔

424۔ میترلنک، مارس: شب تار

ترجمہ: پریم چند، منشی

نام مطبع و سنہ ندارد

ڈراما: بلجیم کے ڈراما نگار کے ایک ڈرامے کا ترجمہ۔ 1911ء میں شائع ہوا۔ (حوالہ 1، 2)

حال ہی میں ہنگری کے آئمرے کرتیس (پ: 9 نومبر 1929ء) کو نوبیل ادبی انعام سے نوازے جانے کے موقع پر نوبیل کمیٹی، سویڈن کے اعلامیے میں کہا گیا ہے کہ:

For writing that upholds the fragile experience of the individual again.

اِس اعلامیے سے یاد آیا کہ بلجیم کے مارس میترلنک(Maurice Maeterlinck) کی ڈراما نگاری پر ایک صدی بیت گئی اور یہ اعلامیہ نثر نگاری پر عالمگیر اثرات کے حوالے سے مارس میترلنک کے بارے میں بھی اتنا ہی درست ہے۔

مارس میترلنک کو 1911ء میں نوبیل ادبی انعام ملا تھا اور اس کے فوراً بعد ہمارے ہاں پریم چند نے اس کے ایک ڈرامے کا اردو ترجمہ 'شبِ تار' کے عنوان سے کر کے اسے اردو دنیا سے متعارف کروا دیا تھا۔ نور الٰہی و محمد عمر نے 1923ء میں اس کے ایک ڈرامے کا ترجمہ 'ظفر کی موت' کے عنوان سے کیا جو بیک وقت کریمی پریس، لاہور اور رام نگر، جموں سے شائع ہوا۔ شاہد احمد دہلوی نے دو ڈراموں کا ترجمہ 'پروین و ثریا' (Agledun and Celiset) اور ''نرگس جمال'' (Jaisley) کے عنوانات سے کیا، جو ساقی بک ڈپو، دہلی سے 1934ء میں شائع ہوئے۔ ایک حزنیہ ڈرامے کا ترجمہ ''پیلی یاس و میلی سانڈ'' کے عنوان سے تمنائی نے 1936ء سے قبل پنجاب بک ڈپو، لاہور سے شائع کروایا تھا۔ جبکہ ''مریم مجدلانی'' کے عنوان سے میترلنک کے ایک ہی ڈرامے کے دو تراجم دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ترجمہ نگار ایک ہی ہیں، یعنی مجنوں گورکھ پوری، جنہوں نے اپنے مرتب کردہ ادبی مجلہ ماہنامہ ''ایوان'' گورکھ پور کے شمارہ بابت: اکتوبر 1934ء تا دسمبر 1934ء میں بالاقساط یہ ترجمہ شائع کرنے کے بعد مکمل ترجمہ کتابی صورت میں ایوان اشاعت، گورکھپور سے 1947ء میں شائع کیا تھا۔ اردو اکیڈمی سندھ، کراچی سے شائع ہونے والا ترجمہ ''مریم مجدلانی'' از وحشی محمود آبادی، مجنوں کے ترجمے کا چربہ ہے۔ یہی صورت ڈراما 'مونا وانا' کے اردو تراجم کے سلسلے میں بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ جلیل احمد قدوائی کا کیا ہوا ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہو چکا تھا جس کا چربہ اے۔ این سپرو نے اتر پردیش اردو اکیڈمی، لکھنؤ سے 1979ء میں شائع کروا دیا۔

واضح رہے کہ مارس میترلنک کے بیشتر ڈرامہ اسٹیج کی چیز نہیں، پڑھنے کی چیز ہیں۔ میترلنک کا پسندیدہ موضوع جملہ قہر آشامیوں کے ساتھ خدا اور انسان ہیں۔

سب سے اہم بات یہ کہ مارس میترلنک مزاجاً مشرقی تھا اور اُس کے ڈرامے محبت، روحانیات اور معاشرتی الجھیڑوں سے متعلق ہیں۔ موضوعی سطح پر اس کا ڈراما ''نرگس جمال'' (Jaisley) ولیم شیکسپیئر کے ڈراما "Tempest" سے قریب ہے اور اس میں میترلنک نے انسان کی خون آشامیوں اور دہشت گردی کو موضوع بنایا ہے۔ ڈراما 'مونا وانا' میں پیسا کے محاصرے کے دوران ایک تنہا خاتون انسانی دہشت گردی کے مقابل ڈٹ کر کھڑی دکھائی دیتی ہے۔

ہمارے دو اہم افسانہ نگاروں غلام عباس اور سیّد فیاض محمود کے اسلوب کی نرم و لطیف، مرتی اور باہم الجھتی راہداریوں کی سپلائی لائن مارس میترلنک ہی کے ڈراموں سے جڑی ہوئی ہے۔

425۔ میترلنک، مارس: ظفر کی موت

ترجمہ: نور الٰہی محمد عمر

لاہور: کریمی پریس، 1923ء

ص: 47

ڈراما: بلجیم کے ڈراما نگار کا مکمل ڈراما۔ 1923ء میں اس ترجمے کا دوسرا ایڈیشن رام نگر، جموں سے بھی شائع ہوا۔

(حوالہ: 1، 2، 5، 10)

426۔ میترلنک، مارس: پروین وثریا

ترجمہ: شاہد احمد دہلوی

دہلی: ساقی بک ڈپو

ڈراما: 'Agledun and Celiset' کا ترجمہ 1934ء کے لگ بھگ شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 5)

یہ Agledun and Celiset کا ترجمہ ہے۔ اس ڈرامے میں میترلنک نے اپنے پسندیدہ موضوع 'خدا کی ذات اور اس کی بہترین مخلوق' میں سے ہی ایک انوکھا پہلو ڈھونڈ نکالا ہے۔ میترلنک مزاجاً مشرقی تھا اور شاہد احمد دہلوی نے اس ڈرامے کے ترجمہ کے ذریعے مشرق والوں کو اُن کی پسندیدہ چیز سے نوازا ہے۔

427۔ میترلنک، مارس: نرگسِ جمال

ترجمہ: شاہد احمد دہلوی

دہلی: ساقی بک ڈپو، 1934ء

ص: 169

ڈراما: 'Jaisley' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 7)

یہ بلجیم کے ڈرامہ نگار میترلنک کا ایک ایسا ڈرامہ ہے جو ولیم شیکسپیئر کے 'Tempest' سے ملتا جلتا ہے۔ میترلنک کے ڈرامے کا نام 'Jeisley' ہے۔ یہ روحانی اور معاشرتی عقدہ کشائی ہے۔ میترلنک کا یہ ڈرامہ بھی اس کے دیگر ڈراموں کی طرح اسٹیج کی چیز نہیں ہے۔ اس میں میترلنک کی روحانیت سے دلچسپی اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ اس ڈرامے میں بھی میترلنک نے انسان کی خون آشامیوں اور دہشت گردی کو اپنا موضوع نہیں بنایا، اس کا مرکزی محور یہاں بھی محبت کا جذبہ ہی ہے۔

428۔ میترلنک، مارس: پیلی یاس و میلی ساند

ترجمہ: تمنائی

دہلی: پنجاب بک ڈپو، س۔ن

ڈراما: بلجیم کے ڈراما نگار کی خزینہ تمثیل کا ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 4، 7)

429۔ میٹرلنک، مارس: مریم مجدلانی

ترجمہ: مجنوں گورکھ پوری

گورکھپور: ایوان اشاعت، 1947ء

ڈراما: اس ڈرامے میں تمثیل کی ایک نئی جمالیات پیش کی گئی ہے۔ یہ ترجمہ پہلے رسالہ ماہنامہ 'ایوان' گورکھ پور ماہ اکتوبر 1934ء تا دسمبر 1943ء قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ اس ڈرامے کا ایک ترجمہ وحشی محمود آبادی کا بھی ملتا ہے جسے مجنوں کے ترجمے کا چربہ کہا جا سکتا ہے۔ (حوالہ:2، 10، 11)

430۔ میٹرلنک، مارس: مریم مجدلانی

ترجمہ: وحشی محمود آبادی

کراچی: اردو اکیڈمی سندھ

ص: 132

ڈراما: اس ڈرامے کا اوّلین ترجمہ اسی نام سے مجنوں گورکھپوری نے 1934ء میں کیا تھا۔ (حوالہ:2، 11، 16)

431۔ میٹرلنک، مارس: مونا وانا

ترجمہ: جلیل احمد قدوائی

ڈراما: بلجیم کے ڈراما نگار کا شاہکار، انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ ڈرامے میں محاصرہ بیسا کے دوران ایک خاتون کی شجاعت اور وطن پرستی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:4)

432۔ میٹرلنک، مارس: مونا وانا

ترجمہ: اے۔این سپرو

لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکیڈمی، طبع اوّل 1978ء

ص: 96

ڈراما: بلجیم کے ڈرامہ نگار کا شہرہ آفاق ڈرامہ مصنف کو نوبیل ادبی انعام مل چکا ہے۔ (حوالہ: 9، 15)

433۔ میری چیز: پیارا پالتو

ترجمہ: کمال احمد رضوی

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

ص: 136

ڈراما: امریکی ڈرامے کا انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 17)

434۔ وائلڈر، تھارنٹن: ہماری بستی

ترجمہ: انتظار حسین

کراچی اردو اکیڈمی سندھ، 1967ء

ص: 166

ڈراما: امریکی ڈراما، انگریزی سے 'Our town' کا ترجمہ۔ (حوالہ:2، 10، 11)

تھارنٹن وائلڈر، امریکہ کے شہر وسکونسن میں پیدا ہوا۔ اُس کی ابتدائی تعلیم چین کے تبلیغی اسکولوں میں ہوئی کیونکہ اس کا باپ ہونگ کونگ میں امریکہ کا قونصل جنرل تھا۔ بی اے کرنے کے بعد اس نے ایک سال روم، اطالیہ میں تعلیم حاصل کی۔ وہ امریکہ واپس آ کر ادب کی تخلیق اور تدریس میں لگ گیا۔ سات سال تک تدریسی فرائض انجام دینے کے بعد وہ اس قابل ہو سکا کہ اپنی تحریروں کی آمدنی پر زندگی بسر کر سکے۔ 1930ء اور 1951ء کے درمیان اس نے ہارورڈ یونیورسٹی میں 'چارلس ایلیٹ نورٹن لیکچرز' دیئے لیکن دراصل اس نے اپنی زیادہ تر زندگی لکھنے اور دنیا کا سفر کرنے میں گزاری۔

وائلڈر کا تخلیقی سرمایہ بہت کم ہے۔ اس کی شہرت اور اہمیت کا دارومدار صرف دو ناولوں اور تین ڈراموں پر ہے۔ اُن تین ڈراموں میں سے دو'Our Town' اور 'The Match Maker' اردو میں ترجمہ ہو گئے۔ اس کے ڈراموں کی دلکشی انسانی اقدار کی پیش کش کے سبب ہے۔

وائلڈر کا ڈراما ''ہماری بستی'' 'Our Town' دنیا کے مقبول ترین ڈراموں میں سے ہے۔

یہ ڈراما دنیا کی کئی زبانوں میں منتقل ہو چکا ہے اور اسٹیج پر بھی پیش کیا جا چکا ہے۔ اس ڈرامے پر 1938ء میں وائلڈر کو امریکہ کا اہم ادبی انعام ''پولٹزر پرائز'' مل چکا ہے۔ وائلڈر کے ایک ڈراما 'The Match Maker' کا اردو ترجمہ عشرت رحمانی نے 'مشاطہ' کے نام سے کیا تھا۔ پروفیسر نظیر صدیقی کہتے ہیں:

> ''ایک ایسے دور میں جبکہ لکھنے والوں کی زیادہ تر توجہ انسانی زندگی کے غیر معمولی واقعات و معاملات کی طرف رہتی ہے، وائلڈر نے عام آدمی کی صفات و خصوصیات کی طرف توجہ دی ہے اور اس نے ایک عام آدمی کو ایک آفاقی آدمی بنا دیا ہے۔

''ہماری بستی'' تین ایکٹ کا ڈراما ہے۔ ہر ایک ایکٹ کی بنیاد اس مرکزی خیال پر ہے جسے ہر ایکٹ میں پیش کرتا ہے۔ پہلے ایکٹ کا عنوان ہے ''روزمرہ زندگی'' دوسرے ایکٹ کا عنوان ہے ''محبت اور شادی'' تیسرے ایکٹ کا عنوان ہے ''موت''۔ آخری ایکٹ میں ڈرامے کا منظر بدل جاتا ہے۔ ہم لوگ ''ہماری بستی'' کی سڑکوں پر نہیں ہوتے۔ ڈرامے کے بعض کردار جن سے ڈرامے میں ہماری ملاقات ہو چکی ہے وہ بستی سے باہر پہاڑی پر قبرستان میں ابدی نیند سو رہے ہوتے ہیں۔

وائلڈر کوئی منظر استعمال نہیں کرتا۔ اس کی اصل دلچسپی زندگی کی سچی تصویر پیش کرنے سے ہے۔ ڈرامے کا آغاز اسٹیج منیجر کے اسٹیج پر رونما ہونے سے ہوتا ہے۔ اسٹیج منیجر سامعین سے براہ راست باتیں کرتا ہے۔ یہ تکنیک وائلڈر کی اپنی ایجاد ہے۔

اسٹیج منیجر پہلے ایکٹ میں بتاتا ہے کہ بستی کی خاص عمارتیں کہاں کہاں واقع ہیں۔ وہ بستی سے متعلق تمام حقائق پیش کر دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ ویبز اور گبسیز کا تعارف کراتا ہے جو بستی کے دو خاص خاندانوں میں سے ہیں۔ اس تعارف کے بعد دودھ والا اور اخبار والا اسٹیج پر آتا ہے جس سے ڈرامے کے باقاعدہ آغاز کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ پھر اس بستی کے نمائندہ خاندان نمودار ہوتے ہیں۔ پہلے ہر خاندان کی ماں آتی ہے جو بچوں کو جگاتی ہے' کپڑے پہناتی ہے اور اسکول بھیجتی ہے۔ بچوں کے اسکول جانے کے بعد دو مائیں مسز ویب اور مسز گبس ملتی ہیں اور گپ شپ کرتی ہیں' پھر اسٹیج منیجر اسٹیج پر آتا ہے اور بستی کے بارے میں کچھ اور باتیں بتاتا ہے۔ دن گزر جاتا ہے تو ہم نوجوان ایملی ویب اور جارج گبس کو اسکول سے واپس آتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ ایملی کلاس کی بہترین طالبہ ہے۔ جارج لکھنے پڑھنے میں کمزور ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا راستہ نکالتے ہیں۔ اسی طرح کے چھوٹے موٹے کاموں میں دونوں خاندانوں کا دن گزر جاتا ہے۔

دوسرا ایکٹ چند سال بعد واقع ہوتا ہے۔ مسز گبس اور مسز ویب ایک شادی کی تیاریاں کر رہی ہیں۔ دونوں ایک ہی گوالے سے دودھ لیتی ہیں اور اسے شادی میں شریک ہونے کی تاکید کرتی ہیں۔

جارج گبس اپنی محبوبہ ایملی کو دیکھنے اس کے گھر جاتا ہے۔ اسی دن دونوں کی شادی ہونے والی ہے۔ جب جارج ایملی کے گھر پہنچتا ہے تو ایملی کی ماں اسے یاد دلاتی ہے کہ شادی کے دن دولہا دلہن کو نہیں دیکھ سکتا۔

اسٹیج منیجر پھر اسٹیج پر آتا ہے اور ناظرین کو اس دن کا قصہ بتاتا ہے جب جارج اور ایملی کو پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ دونوں کی بڑھتی ہوئی محبت کے واقعات بھی سادہ ہیں۔

بہرحال دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ تیسرا ایکٹ قبرستان میں واقع ہوتا ہے۔ ایملی گبس دوسرے بچے کی ولادت کے دوران مر جاتی ہے۔ اس کا پہلا بچہ چار سال کا ہے۔ مردوں کے درمیان اپنے آپ کو پا کر ایملی گبس کو عجیب سا لگتا ہے۔ جب لوگ اسے دفن کر کے قبرستان سے چلے جاتے ہیں تو وہ سوچتی ہے کہ کیا صرف ایک دن کے لئے اس کا دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہوگا۔ وہ اپنی بارھویں سالگرہ کے دن کو تخلیق کر لیتی ہے لیکن جب زمین پر دوبارہ آتی ہے تو محسوس کرتی ہے کہ لوگ اپنی زندگی کے لمحات کی قدر و قیمت کو محسوس کئے بغیر اپنی زندگی بسر کئے جا رہے ہیں۔ وہ اس عظمت کو نہیں سمجھتے جو صرف زندہ رہنے کے عمل میں پوشیدہ ہے۔ جذباتی طور پر وہ اپنے آپ کو اس قابل نہیں پاتی کہ وہ سارا دن دیکھ سکے۔ نتیجتاً وہ اپنی قبر میں واپس آ جاتی ہے۔ وہاں وہ اپنے شوہر کو اپنے دکھ کے اظہار کے لئے آتے دیکھتی ہے۔ وہ محسوس کرتی ہے کہ جو لوگ زندہ ہیں وہ موت کو بہت کم سمجھتے ہیں اور زندگی کو اس سے بھی کم۔

اردو کے ممتاز افسانہ نگار اور ٹی وی ڈراما نگار انتظار حسین جنہوں نے وائلڈر کے اس ڈرامے کا ترجمہ کیا ہے کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اس ترجمے کے بارے میں یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس سے بہتر ترجمہ شاید ہی ہو سکے۔ ایک مکالمہ سنئے:

بکس میں بیٹھی ہوئی عورت:

''دیکھئے ویب صاحب! ویب صاحب آخر یہ بتایئے کہ گرد ورز کورنرز میں کوئی کلچر پایا جاتا ہے یا حسن سے کوئی شیفتگی پائی جاتی ہے''؟

ویب صاحب:

''دیکھئے محترمہ، کلچر تو یہاں ایسا نہیں پایا جاتا یعنی ان معنوں میں نہیں پایا جاتا جو آپ کی مراد ہے۔ یوں سوچئے کہ یہاں کچھ لڑکیاں ہیں جو اسکول میں پیانو بجانا سیکھتی ہیں۔ مگر وہ اس مشغلے سے کچھ زیادہ خوش نہیں ہیں۔ نہیں محترمہ یہاں کچھ ایسا کلچر نہیں ہے۔ ہاں یہاں میں ایک بات عرض کروں گا کہ اور دلچسپ نظارے یہاں بہت ہیں۔ جس طرح یہاں صبح کے وقت پہاڑوں کے پیچھے سے سورج طلوع ہوتا ہے اس پر ہم بہت فریفتہ ہیں۔ چڑیوں کے بھی ہم سب لوگ بہت گرویدہ ہیں۔ ان میں ہم بہت دلچسپی لیتے ہیں اور موسموں کے آنے جانے میں ہماری بہت دلچسپی ہے۔ ہر شخص موسموں کے متعلق بہت کچھ جانتا ہے۔۔۔''

وائلڈر کا یہ ڈراما اپنی تمام سادگی کے باوجود اپنے اندر بڑی معنویت لیے ہوئے ہے۔ اس کا مرکزی موضوع وہ رشتہ ہے جو روزمرہ زندگی کے غیر اہم واقعات اور ابدیت کے درمیان پایا جاتا ہے۔ وائلڈر یہ بتانا چاہتا ہے کہ آدمی کبھی اس حال میں نہیں ہوتا کہ وہ اپنے گزرتے ہوئے لمحات کی اہمیت اور عظمت کو محسوس کر سکے۔''

ایک نشریہ: ریڈیو پاکستان، اسلام آباد، مشمولہ: ''اردو میں عالمی ادب کے تراجم'' مطبوعہ: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، طبع اوّل: جولائی 1986ء، ص: 16 تا 20

435۔ وائلڈر، تھارنٹن: مشاطہ

ترجمہ: عشرت رحمانی

کراچی: اردو اکیڈمی (سندھ)، س۔ن

ڈراما: 'The Match Maker' کا ترجمہ دوسری بار مکتبہ اشاعت ادب عنایت اللہ بلڈنگ، لاہور نے شائع کیا۔

(حوالہ: 2، 10، 11)

436۔ ہارٹ، ماس و کافمین، جارج۔ ایس: میں تیرا مہمان

ترجمہ: رضی ترمذی، سیّد

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسۂ فرینکلن

ص: 180

ڈراما: تین ایکٹ کا طربیہ ڈراما۔ اصل کتاب امریکہ سے شائع ہوئی۔ (حوالہ: 2، 17)

437۔ ہارٹ، ماس و کافمین، جارج۔ ایس: سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا

ترجمہ: کمال احمد رضوی

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسۂ فرینکلن

ڈراما: تین ایکٹ کا طربیہ ڈراما۔ مارٹن وینڈر ہوف کے متوسط درجے کے گھرانے کا احوال اور اُن کے جینے کا جتن۔

(حوالہ: 2، 17)

438۔ ہٹن، رچرڈ: آہنی پردہ

ترجمہ: بدر جہاں آراء

نام مطبع و سنہ ندارد

ڈراما: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 10، 11)

439۔ یوری پیڈیز: میڈیا

ترجمہ: ن۔ن

نئی دہلی: ساہتیہ اکیڈمی، طبع اوّل: 1977ء

ص: 92

ڈراما: 480 قبل مسیح کے ڈراما نگار، جس کی تصانیف کی تعداد 92 تک بتائی جاتی ہے کا المیہ ڈرامہ۔ مقدمہ نثار احمد فاروقی نے لکھا ہے۔

ooo

روزنامچہ

440۔ گورکی، میکسم: میکسم گورکی کی ڈائری

ترجمہ: حسن عباس

لاہور: مکتبہ اردو سرکلر روڈ، 1941ء

ڈائری: روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ:2، 7)

441۔ گویرا، چے: ڈائری چے گویرا

ترجمہ: رحیم

لاہور: نیشنل پبلشنگ ہاؤس، 7 فروری 1969ء

روزنامچہ: اصل کتاب کا دیباچہ فیڈرل کاسترو نے لکھا ہے۔ اس ترجمے کے ساتھ معراج خالد کا دیباچہ بھی شامل کتاب ہے۔ (حوالہ:2، 10، 11)

دنیا بھر کی عوامی طاقتوں کو عالمی سامراج کے خلاف جنگ میں چی گویرا کا انقلابی کردار مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ فطری طور پر جبر و استحصال کا دشمن اور آزادی اور انصاف کا پرستار تھا۔ وہ فیدرل کاسترو کے ساتھ مل کر کیوبا میں سالہا سال تک گوریلا جنگ لڑتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ 1969ء میں کیوبا کو آمریت اور سامراج سے نجات دلانے میں فتح یاب ہو گئے۔

چے گویرا کی ڈائری کے ان اوراق پر مبنی ہالی وڈ کی فیچر فلم 'Che' یادگار ہے۔ جس میں عمر شریف (مصری اداکار) اور جیک پیلنس نے مثالی اداکاری کی تھی۔

442۔ وجے لکشمی پنڈت: میری ڈائری

ترجمہ: راجندر

لاہور: جے ہند پبلشرز، سنہ ندارد

ص: 141

روزنامچہ: نظر بندی 1942ء کے زمانے کا روزنامچہ۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

000

رزمیہ

443۔ ملٹن: شمسون مبارز

ترجمہ: مجنوں گورکھپوری

گورکھپور: ایوان اشاعت، رزمیہ۔ انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

444۔ ملٹن: فردوسِ گم گشتہ

ترجمہ: شوکت واسطی

پشاور: مارچ 1979ء

رزمیہ: 'Paradise Lost' کا اوّلین منظوم ترجمہ۔ انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 11، 13)

یہ 'Paradise Lost' کا منظوم ترجمہ ہے البتہ مترجم نے ہر باب کے آغاز میں اس کی تلخیص/ ترجمہ نثر میں پیش کر دیا ہے۔
'فردوس گم گشتہ' کو انگریزی زبان کا سب سے عظیم رزمیہ شمار کیا جاتا ہے۔ ملٹن نے اس میں عہد نامۂ عتیق کی کتاب پیدائش کے قصہ کو بنیاد بنایا ہے لیکن جوں کا توں نظم نہیں کر دیا۔ ملٹن دراصل زوالِ آدم کی روداد رقم کر کے انسان کے سامنے خدا کی مشیت برحق ثابت کرنا چاہتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ پیدائش کے باب میں شیطان کے کردار کو اپنی طرف سے شامل کر کے ملٹن دنیا کی نظروں میں ایک باغی بن کر اُبھرا اور یوں محسوس ہوا جیسے وہ انسان کے گناہ کو فطری مطالبہ تسلیم کرتا تھا اور انسان کو اپنے اعمال میں برحق جانتا تھا۔

ملٹن کے ناقدین میں سے بیشتر کے خیال میں 'فردوس گم گشتہ' کا شیطان اس قدر قوی و جلیل ہے کہ اسے اس رزمیہ کا ہیرو

تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ ولیم بلیک نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ملٹن خود شیطان کی جماعت کا ایک اہم رکن تھا اگر چہ اس کو خود اس بات کا علم نہیں تھا۔ اس کے مخالفین میں ڈاکٹر سیموئل جانسن پیش پیش رہے اور انہوں نے اسے 'اُول جلوُل' اور 'دُرشت' تک کہہ دیا۔

فردوس گم گشتہ کا موضوع مذہبیات کے باب میں ہمیشہ سے اہم رہا ہے، گو اس موضوع پر مبنی ادب تخلیق کرنے کے سلسلے میں اوّلیت ایک قدیم اطالوی شاعر اور ڈرامہ نگار کو ہی حاصل ہے۔ اس اطالوی ڈرامے کی اولیت کے سبب ملٹن پر سرقہ کا الزام بھی عائد کیا جاتا رہا ہے۔

'فردوس گم گشتہ' کے بارہ ابواب ہیں جبکہ باب اوّل میں (رزمیہ میں زیر بحث آنے والے) تقریباً سبھی اہم موضوعات کی صراحت کر دی گئی ہے۔

ملٹن کا یہ رزمیہ۔ مذہبیات، شاعرانہ تخیل اور دیو مالا کا ایک ایسا مرکب ہے جس میں ملٹن کے عہد کی سیاست تک در آئی ہے۔

قہر خداوندی کے خوف سے جب سب کو چپ سی لگ جاتی ہے تو شیطان اپنے تمام تر باغیانہ لحن کے ساتھ پکارتا ہے:

''اس نظریہ پہ میں تو پہنچا ہوں:

راج نیتی امنگ لیلا ہے چاہے دوزخ ہی کے اندر ہے۔ حکم دوزخ میں گر چلے میرا، دست بستہ نہ جاؤں جنت میں ہے جہنم میں پاس جو اپنے وہ اگر ہم نے ہار بھی ڈالا تو بھی ہم لوگ کیا گنوائیں گے۔''

ملٹن کے عہد کا انگلستان اپنی واضح پہچان کے ساتھ اس رزمیہ میں موجود ہے۔ اسی طرح چارلس اوّل کے خلاف انقلابی تحریک (ملٹن اس تحریک کا حامی تھا) اور چارلس اوّل کو موت کے گھاٹ اتارنے کی فضا اس رزمیہ کی عصریت ہے جو اس شاہکار کے ریشہ ریشہ سے پھوٹی پڑتی ہے۔

445۔ ہومر: الیڈ

ترجمہ: باسط علی خاں

آگرہ: مفید عام پریس، طبع اوّل 1900ء

رزمیہ: یونانی رزمیہ کا اوّلین اردو نثری ترجمہ ہے۔ یاد رہے کہ ہومر کے رزمیہ 'ایلیڈ' کا ایک اہم انگریزی ترجمہ چپ مین نے کیا تھا۔ اُس نے ہومر کے بیانیہ کو "The free grace of his natural dilect" قرار دیا تھا۔

(حوالہ 1، 2)

446۔ ہومر: الیڈ و اُڈسے

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: پنجاب ریلیجینس سوسائٹی۔ انار کلی، 1922ء

رزمیہ: یونانی فن پارہ (لگ بھگ 1000 قبل مسیح) کا اوّلین اردو نثری ترجمہ، تلخیص۔ آخری ترجمہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ڈاکٹر اطہر پرویز نے کیا، جو تا حال غیر مطبوعہ ہے۔ (حوالہ: 2)

447۔ ہومر: جہاں گرد کی واپسی

ترجمہ: محمد سلیم الرحمٰن

لاہور: مکتبہ جدید، 1964ء

ص: 484

رزمیہ: 'Odyssey' کا نثری ترجمہ یوں تو اسے 'رزمیہ' شمار کیا جاتا ہے، لیکن ہے دراصل داستان اور سفرنامے کا ملغوبہ۔ پچاس سال بعد اب اس کا تیسرا ایڈیشن القا پبلی کیشنز، لاہور سے شائع کیا ہے۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

کتاب کے اختتامیہ میں محمد سلیم الرحمٰن لکھتے ہیں:

> یہ ترجمہ میں نے اس وقت کیا تھا جب میں اس کا پوری طرح اہل نہیں تھا۔ میرے مدنظر یہ خیال تھا کہ 'اودسی' کو یورپ کا پہلا ناول بھی کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کا نثر میں ترجمہ جائز ہے۔ اگلا سوال یہ تھا کہ کس طرح کی نثر میں ترجمہ کیا جائے؟ میں نے سیدھی سادی نثر کو ترجیح دی، مگر اس میں عیب یہ ہے کہ اِدھر آدمی چوکا، اُدھر نثر سیدھی سادی کے بجائے محض سپاٹ ہو کر رہ گئی۔ سچ تو یہ کہ 'اودسی' اور 'ایلیاڈ' جیسی تصانیف کا ترجمہ، نظم میں یا نثر میں، انیسویں صدی میں ہو جانا چاہیے تھا۔
>
> (جہاں گرد کی واپسی: ص نمبر 483، 484)

محمد سلیم الرحمٰن تو یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے کہ اس کا ترجمہ 19 ویں صدی میں ہو جانا چاہیے تھا لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس وقت اس کام کا کوئی اہل بھی تھا؟ یہ یقیناً مولوی احسان اللہ اور مہدی حسن خاں احسن لکھنوی کے بس کی بات نہیں تھی۔ یہ کام محمد سلیم الرحمٰن ہی نے کرنا تھا۔ جس طرح لارڈ کرزن کی تصنیف 'Persia and the Persian question' رائیڈر ہیگرڈ کی 'سیر ظلمات' اور ایڈگر ایلن پو کے 'سنہری گھونگھا'، نیز 'ستارۂ صبح' کے ترجمے دیکھ کر صرف اور صرف مولانا ظفر علی خان کا نام ذہن میں آتا ہے اور بس۔ باسط علی خان 'الیڈ' کے ترجمے (1900ء) میں بری طرح ناکام رہے۔ یہ سوال اپنی جگہ کہ محمد سلیم الرحمٰن نے شاعری کا ترجمہ شاعری میں کیوں نا کیا؟ اگر ممکن ہوتا تو کیا بات تھی۔ یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ وہ نظم کے عمدہ شاعر بھی ہیں۔

سیموئل بٹلر نے 1898ء میں ہومر کی 'اوڈیسی' انگریزی میں ترجمہ کی اور کتاب کے پیش لفظ میں لکھا کہ شاعری کا ترجمہ شاعری ہی میں پسندیدہ ہے، اگر ممکن ہو تو۔

ہومر کی 'اوڈیسی' (Odessey) مسافرت اور جلاوطنی کا ایک جہان ہے، جسے گرفت میں لینا ناممکن نہیں تو انتہائی پِتّہ ماری کا کام ضرور ہے۔ اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ یونانی ایک مردہ زبان ہے اور اس کے حروف اور بالخصوص حروف علّت کی صحیح اصوات کے متعلق کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہ کہ اصل قصہ منظوم ہے۔

محمد سلیم الرحمٰن کے نثری ترجمے کا آہنگ رُک رُک کر آگے بڑھتا ہے اور ہر ہر قدم پر اپنا دائرہ مکمل کرتا ہے۔ اس میں وہ 'بے ساختگی' اور 'روانی' دیکھنے کو نہیں ملتی جس کی نذر اُتارتے اُتارتے ہمارے مترجمین ہلکان ہو گئے لیکن یہ ترجمہ، اُن تمام تراجم سے اچھا ہے۔ محمد سلیم الرحمٰن کے اس 'بنائے ہوئے' ترجمے کا جواز ہومر کے ہاں 'اسمائے صفت' کا استعمال ہے اور دوسری چیز ہے ان اسمائے صفت کی ساخت۔ 'بلند آواز نقیب'، 'گلابی انگلیوں والی صبح' اور 'گیسو دراز ہم وطن' وغیرہ قسم کی ترکیبیں اردو زبان میں یقیناً نئی ہیں۔

اس ترجمے پر رائے دیتے ہوئے اعجاز احمد سوال اٹھاتے ہیں:

> اگر آپ بنی بنائی نثر میں اضافے کے روادار نہیں یا لفظوں کو نئے سانچوں میں ڈھالنا پسند نہیں کرتے تو ترجمے کا فائدہ کیا ہے؟ اگر بلاغت کے مروجہ اصولوں سے انحراف جائز نہیں تو آدمی ترجمہ کیوں کرے۔
>
> (''سویرا'' لاہور، شمارہ: 35، ص: 203)

اعجاز احمد، طویل مدّت دیارِ غیر میں گزار کر جب پلٹے تو پاکستان نہیں آئے اور اب جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، دہلی میں بطور پروفیسر کام کر رہے ہیں۔ رسالہ 'ہنس' دہلی کے صد سالہ جشن پریم چند (2006ء) میں اُن سے ملاقات ہوئی تو اُن کا یہی تبصرہ میں نے اُنہیں یاد دلایا اور ہم تادیر تراجم کے حوالے سے بات کرتے رہے۔

بلاشبہ محمد سلیم الرحمٰن نے انتہائی نیک دلی کے ساتھ محض اس ترجمے کا حق ہی ادا نہیں کیا بلکہ بڑی خوش اسلوبی سے ترجمے کا جواز بھی فراہم کیا ہے۔ ترجمے سے نمونہ ملاحظہ ہو:

> ادھر تیلیما خوس نیزہ لے کر دالان پار کر کے باہر نکلا۔ دو چست و چالاک کتے اس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ اتھینہ نے اسے ایسا مسحور کن حسن عطا کیا کہ جب وہ چوک میں پہنچا تو لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگے۔ دل کے برے، زبان کے میٹھے، عالی نسب خواستگاروں نے اسے گھیر لیا اور باتیں بنانے لگے۔
>
> (ص نمبر: 333 سے اقتباس)

یہ ترجمہ چوبیس ابواب (یا کتابوں) پر مشتمل ہے جبکہ کتاب کے آخر میں 'اختتامیہ' کے عنوان سے مترجم نے اس دریا صفت تمثیل کی معنوی تفسیر لکھی ہے۔ ہومر سے منسوب رزمیہ 'ایلیڈ' میں ہونے والی دس سالہ 'ٹرائے کی جنگ' کا ایک زندہ رہ جانے والا جنگجو 'اوڈیسیس' جب گھر کو پلٹتا ہے تو رستے میں کیا کچھ پیش آتا ہے، اوڈیسی، اُنہیں واقعات پر مشتمل ہے۔

ooo

سفر نامہ

448۔ آسٹن، (مسز) اورل: مشرقی ترکستان

ترجمہ: محمود اعظم فہمی ترمذی، سید

لکھنؤ: دائرہ ادبیہ، س۔ن

سفر نامہ: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

449۔ ابن بطوطہ: سفر نامہ ابن بطوطہ (2 جلدیں)

ترجمہ: حیات الحسن، محمد

لاہور: نام مطبع ندارد، جلد اوّل: 1871ء، جلد دوم: 1898ء

سفرنامہ: دوسری بار امرت سر سے 1901ء میں شائع ہوا۔ (حوالہ: 1، 2)

450۔ ابن بطوطہ: سفر نامہ ابن بطوطہ

ترجمہ: رئیس احمد جعفری

لاہور:

سفرنامہ: اس کا ایک ترجمہ محمد حیات الحسن (جلد اوّل) اور محمد حسین (جلد دوم) نے بھی کیا تھا جو بالترتیب لاہور سے 1871ء اور 1898ء میں شائع ہوا۔ (حوالہ: 2)

مستشرقینِ فرنگ نے بڑی تلاش وجستجو کے بعد اس سفرنامے کو یکجا کیا اور مختلف نسخوں کے تقابلی جائزے کے بعد تصحیح کا فریضہ انجام دیا۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ابن بطوطہ کا اصل سفرنامہ اب ناپید ہے۔ یہ تصحیح شدہ نسخہ دنیا کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ رئیس احمد جعفری کے سامنے انگریزی نسخہ تھا۔ اب اگر محمد حیات الحسن اور محمد حسین کے ترجمہ کردہ نسخوں سے رئیس احمد جعفری کے ترجمے کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو پہلے کے ترجموں میں زبان و بیان کی خامیاں جا بجا دکھائی دیں گی۔ پہلے کے ترجموں میں تفصیلی حواشی بھی دیکھنے کو نہیں ملتے۔ رئیس احمد جعفری نے متن کے مبہم مقامات کے تفصیلی اور توضیحی حواشی لکھے ہیں۔

یہ سفرنامہ ابن بطوطہ کے 25 سالہ سفر مصر، بغداد، شام، عراق، ایران، ترکستان، بلخ، بخارا، بدخشاں، افغانستان، چین، لنکا (یا سیلون) سرالدیپ اور آذربائیجان کے علاوہ متعدد ممالک کی سیاحت سے متعلق ہے۔

ابن بطوطہ کا یہ سفرنامہ صرف اس کی آپ بیتی ہی نہیں جگ بیتی بھی ہے اور یوں یہ سفرنامہ ایک ایسی تاریخی دستاویز ہے جس میں سفرنامہ نگار نے اپنے طویل سفر اور مشاہدے کا سرمایہ یکجا کر دیا ہے۔ ملک یمن کے شہر زبید کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

> ''یہ یمن کا ایک شہر ہے۔ اس کے اور صغا کے مابین چالیس فرسخ کی مسافت ہے۔ یمن میں صفا کے بعد اس سے بڑا کوئی شہر نہیں۔ یہاں کے اہل ثروت اپنی مثال آپ ہیں۔ اس میں باغات بہت ہیں، پانی کی کثرت ہے۔ پھل پھلواریاں بہت کثرت سے ہوتی ہیں۔ یہ شہر صحرائی ہے، ساحلی نہیں۔ جو شہر یمن کے پایہ تخت رہ چکے ہیں، ان میں سے ایک ہے۔''

اس سفرنامے کا کمال یہ ہے کہ ابن بطوطہ نے ہر ہر مقام کا باریک بینی سے مطالعہ پیش کیا ہے مکہ معظمہ میں ماہِ رمضان کے عقیدت مندانہ استقبالیہ کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے:

> ''جب رمضان کا چاند دیکھا جاتا ہے تو امیر مکہ کے یہاں نقارے بجائے جاتے ہیں اور مسجدِ حرام میں فرش بچھا کر بکثرت شمعیں اور مشعلیں روشن کر کے زیبائش کر دی جاتی ہے۔ جس سے تمام حرم نور اور جگمگاہٹ کا منظر بن جاتا ہے۔ تمام مساجد قاریوں کی آواز سے گونج اٹھتی ہے۔ دل بھر آتے ہیں۔ حضور قلب حاصل ہو جاتا ہے اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔''

ابن بطوطہ کو اہل اللہ سے خاص اُنس تھا۔ اپنے قیامِ اسکندریہ کا ایک واقعہ لکھتا ہے، وہاں وہ ایک صوفی بزرگ شیخ ابی عبداللہ مرشدی کا مہمان ہے:

''رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑے پرندے پر سوار ہوں۔ وہ پرندہ پہلے تو مجھے قبلے کی سمت اُڑا لے گیا۔ پھر دائیں طرف یعنی جانب مشرق، پھر بائیں جانب اور اس کے بعد ایک اندھیرے سبزہ زار میں اتار کر چھوڑ دیا۔ اس خواب سے میں بہت متحیر ہوا اور دل میں سوچا کہ اگر شیخ نے میرے خواب کا مکاشفہ کیا تو بے شک وہ ویسے ہی ہیں، جیسے مشہور ہیں۔''

451۔ احمد شاہ: سیر تبت

ترجمہ: انیس شاہ

دہلی: مخزن پریس، 1909ء

سفرنامہ: انگریزی۔ترجمہ (حوالہ:2،10)

452۔ اسٹینلے، ہنری۔ایم: اسٹینلے سیاحِ افریقہ

ترجمہ: ن۔ن

فیروز پور: مطبع فیض بخش اسٹیم پریس، 1908ء

ص: 83

سفرنامہ: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:1،2)

453۔ البرٹ، پرنس: تزکِ جرمنی

ترجمہ: پنڈت بشمبر ناتھ

لکھنؤ: نولکشور، 1876ء

ص: 76

سفرنامہ: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:1،2)

454۔ اووڈ، مسز ہنری: آئینۂ عبرت

ترجمہ: خجستہ اختر بانو مہرورد یہ بیگم

کلکتہ: حبل المتین پریس، 1910ء

سفرنامہ: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:1،2)

455۔ اوون، رسل: قطبی برفستان

ترجمہ: مرتضیٰ احمد خاں میکش

لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع دوم: 1962ء

سفرنامہ: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2،3،10)

یہ کتاب بہت پہلے چھپ کر مقبول ہو چکی ہے۔ مجلس کے ایڈیشن میں متعدد تصاویر اور نقشہ جات شامل ہیں۔

اس تالیف میں شمالی اور جنوبی برفستانوں کی دریافت اور سیاحت کا احوال درج ہے۔ مشہور امریکی مفتش پیری اور برڈ نے جو کارنامے سرانجام دیے ہیں، وہ پڑھئے تو دل میں ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ انسان کی سعی و کاوش کی داستان کا یہ حصّہ تسخیر کائنات کی مہم کا ایک ضروری جزو ہے۔

456۔ ایڈمنڈ، اسٹیونس: یہ روس ہے

ترجمہ: ن۔ن

دہلی: پروگریسو پبلشرز: نعمانی پریس، س۔ن

ص: 383

سفرنامہ: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

457۔ ایلجن، لارڈ: تاریخِ چین و جاپان

ترجمہ: فریڈرک نندی

لکھنؤ: اودھ اخبار: نولکشور، پریس، 1817ء

ص: 213

سفرنامہ: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 14)

458۔ برٹن، کپتان رچرڈ فریڈرک: سفر دار المصطفیٰ

ترجمہ: محمد انشاء اللہ، مولوی

لاہور: منیجر اخبار وطن حمیدیہ پریس، س۔ن

ص: 256

سفرنامہ: 'پلگریمج ٹو المدینہ اینڈ مکہ' کا ترجمہ، 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ۔ 2، 4)

459۔ برکھارٹ، جان لوئس: سفرنامۂ حجاز

ترجمہ: علی شبیر

حیدر آباد دکن: تاج پریس، 1324ھ

ص: 180

سفرنامہ: انگریزی سے ترجمہ، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ نے کروایا۔ (حوالہ: 2، 5، 8)

460۔ برنیئر، ڈاکٹر: وقائع سیر و سیاحت (دو جلدیں)۔

ترجمہ: خلیفہ سیّد محمد حسین و (کرنل) ہنری مور

آگرہ: مفید عام پریس: ناشر سید محمد حسن خان، 1321ھ

ص: 829

سفرنامہ: جلد اوّل مراد آباد سے 1888ء میں شائع ہوئی۔ فرانسیسی زبان سے براہِ راست ترجمہ۔ عہد شاہجہانی اور عہد عالمگیری کے حالات کا بیان ہے۔ (حوالہ: 1، 2، 10، 11، 14)

461۔ برنیر، ڈاکٹر: سفرنامہ برنیئر (کامل)

ترجمہ: خلیفہ محمد حسین و (کرنل) ہنری مور

سفرنامہ: شاہجہاں تا اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے کا سفرنامہ۔ فرانسیسی زبان سے براہِ راست کیا گیا اردو ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ مکمل سفرنامہ دو جلدوں میں ''شاہجہان کے ایام اسیری اور عہد اورنگزیب'' کے نام سے نفیس اکیڈمی، کراچی نے 1960ء میں شائع کیا۔ (حوالہ: 2، 4)

462۔ بنین، جان: پلگرمس پروگرس

ترجمہ: ن۔ن

نام مطبع ندارد، 1838ء

روحانی سفرنامہ: مذہبی واردات عیسائیت سے متعلق۔ ایک ترجمہ ٹی ہیری ویونس سنگھ کا بھی ملتا ہے۔ یہ جسمانی سفر سے متعلق ہرگز نہیں۔ مذہبیات سے متعلق روحانی سفر ہے۔ (حوالہ 1، 2، 5)

463۔ بنین، جان: مسیحی کا سفر

ترجمہ: ٹی ہیری ویونس سنگھ

لاہور: پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی، 1920ء

روحانی سفر: عیسائی مذہبی واردات 'پلگرمس پروگرس' کا ترجمہ۔ (حوالہ 2)

464۔ پارک، منگو: سفرنامہ منگو پارک صاحب

ترجمہ: ن۔ن

کلکتہ: نام مطبع ندارد، طبع اوّل: 1950ء

سفرنامہ: انگریزی سے 'Mungo park travels' کا ترجمہ۔ (حوالہ۔ خ، 2)

465۔ پرنس آف ویلز: سفرنامہ پرنس آف ویلز صاحب بہادر

ترجمہ: صاحبزادہ محمد مصطفیٰ علی خاں

لکھنؤ: نول کشور، س۔ن

ص: 298

سفرنامہ: ترجمہ 1923ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2،1)

466۔ پیارے لعل: گاندھی جی بادشاہ خاں کے دیس میں

ترجمہ: عابد حسین، ڈاکٹر

نئی دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ، 1950ء

سفرنامہ: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

467۔ تھیوتیو، موسیو: سیاحت موسیو تھیونیو (دو جلدیں)

ترجمہ: سیّد علی بگرامی

آگرہ: سلسلہ آصفیہ: مفید عام پریس، 1896ء

ص جلد اول: 166

ص جلد دوم: 128

سفرنامہ: فرانسیسی سیاح کا سفر دکن (1655ء تا 1668ء) کا بیان۔ اردو ترجمہ میں اے۔ لیول کے انگریزی ترجے مطبوعہ 1687ء کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ ترجے کی دوسری جلد 1897ء میں شائع ہوئی۔ (حوالہ: 1، 2، 14)

468۔ ٹاؤن شنڈ، میجر جنرل: کمال ترکی

ترجمہ: معین الدین، مولوی

سفرنامہ: جنگ عظیم میں ترکی فوج نے میجر جنرل ٹاؤن شنڈ کو گرفتار کر لیا اور پھر بلاشرط رہا بھی کر دیا۔ یہ مختصر سفرنامہ ایک طویل یادداشت کے طور پر لکھا گیا تھا۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔

469۔ ٹیونیر، جے۔ بی: سیاحت ٹیونیر

ترجمہ: سررشتہ علوم وفنون جامعہ عثمانیہ

آگرہ: مفید عام پریس، 1896ء

ص: 166

سفرنامہ: فرانسیسی تاجر کی سیاحت 1645ء کی روداد۔ ترجمہ پر نظرثانی سیّد علی بلگرامی کی ہے۔ (حوالہ: 2)

یہ کتاب دارالترجمہ، سررشتہ علوم وفنون جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے مترجمین نے ترجمہ کی۔ علاقہ دکن میں ایک فرانسیسی تاجر کی سیاحت 1654ء سے متعلق کتاب ترجمہ پر نظرثانی سیّد علی بلگرامی کی ہے۔

فرانسیسی تاجر، ٹیونیر نے 1653ء سے 1654ء تک کا وقت دکن کی سیاحت میں گزارا تھا۔ ذیل میں ترجمہ کے دیباچے سے عبارت نقل کی جاتی ہے: ''اس سفرنامے کے ترجمے تمام یورپی زبانوں میں ہوئے یعنی ڈچ، جرمنی اور اطالیہ، انگریزی زبان میں اس

کا پہلا ترجمہ 1677ء میں چھپا اور 1811ء تک انگریزی میں نو مرتبہ ترجمے ہوئے اور چھپے۔ اب حال میں مسٹر وی پال ڈائریکٹر سائنس اینڈ آرٹ ڈبلن مصنف کتاب 'طبقات الارض ہند' نے انگریزی میں صرف اسی سیاحت کا ترجمہ 1886ء میں بہت سے حواشی اور تشریحات کے ساتھ چھاپا جو ہندوستان سے متعلق ہے۔ اگر چہ اس اردو ترجمے کی اصل پال صاحب کی کتاب ہے لیکن اس کا مقابلہ اس انگریزی ترجمہ سے بھی کر لیا گیا ہے جو 1678ء میں طبع ہوا۔ اور اب نہایت درجہ کمیاب ہے۔''

اب ترجمہ سے نمونۂ عبارت ملاحظہ ہو:

پچاس برس ہوئے کہ جب سے یہاں ایک عظیم الشان معبد بن رہا ہے۔ اگر یہ پورا بن گیا تو تمام ہندوستان کے معبد سے بڑا ہو گا۔ اس میں ایسے بڑے بڑے پتھر لگائے گئے ہیں کہ دیکھنے سے ایک حیرت ہوتی ہے۔ خاص کر وہ محراب جہاں وہ نماز پڑھتے ہیں، سب سے زیادہ تعجب انگیز ہے۔ وہ ایک ہی عظیم الشان پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ جس کو پانچ چھ سو آدمیوں نے علی التواتر پانچ برس کام کر کے کان سے بنا کر نکالا ہے، اور اس کو اس معبد تک لانے میں اس سے بھی زیادہ مدت لگی ہے۔ وہ لوگ بیان کرتے تھے کہ اسے ایک ہزار چار سو میل کھینچ کر لائے ہیں۔ میں آئندہ بیان کروں گا کہ یہ عمارت ابھی تک نامکمل پڑی ہوئی ہے۔ اگر یہ بن گئی تو یقیناً تمام ایشیا کی عمارات سے بہتر ہو گی۔

(''سیاحت ٹیونیر'' ص: 24، 25 سے اقتباس)

470۔ جاپان

ترجمہ: چمن لال

دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ، 1935ء

سفرنامہ: (حوالہ: 7)

471۔ میلکم، (سر) جان: تاریخِ ایران (4 جلدیں)

ترجمہ: سائنٹیفک سوسائٹی غازی پور

غازی پور: سائنٹیفک سوسائٹی، 1872ء

سفرنامہ: 'History of Persia' کا ترجمہ۔ مترجمین میں سرسیّد احمد خاں بھی تھے۔ پہلی جلد 1872ء، دوسری 1874ء، تیسری اور چوتھی 1875ء میں طبع ہوئیں۔ اس کتاب کا ایک ترجمہ محبوب عالم نے 'حالات ایرانِ قدیم' کے نام سے 1905ء میں ترجمہ کر کے شائع کیا تھا۔ (حوالہ: 2، 5)

یہ 'History of Persia' کا ترجمہ ہے۔

میجر جنرل سر جان میلکم (سابق گورنر بمبئی) نے اس تاریخ اور ثقافت سے متعلق کتاب میں قدیم ایران کے مذاہب، رسوم و رواج، عادات و خصائل اور سیاسیات سے متعلق معلومات فراہم کی ہیں۔

اقتباس ملاحظہ ہو:

آخر کار ان میں سے ایک کوہستان کے حاکم کے نام اس شہزادے نے اس مضمون کا فرمان ارسال کیا کہ بمجرد پہونچنے،

اس فرمان کے، حکیم ناصر الدین فلسفی کو بھیجدو۔' اس حاکم نے موافق حکم نامے کے حکیم فلسفی کو طلب کیا۔ اتفاقاً اس روز حکیم ناصر الدین بخارا کے باغوں کی سیر کر رہا تھا کہ دفعتاً چند سواروں نے وہاں پہنچ کر اس کو محصور کر لیا اور ایک گھوڑا پیش کیا کہ آپ کو کوہستان کے حاکم نے طلب فرمایا ہے، اس پر سوار ہو کر تشریف لے چلیے۔ اگر آپ چلنے میں حجت نہ کریں گے اور بے تکلف چلے چلیں گے تو ہم آپ سے کچھ تعرض نہ کریں گے اور اچھی طرح سے پیش آویں گے۔ اس نے ہر چند اپنے نہ جانے کی بہت دلیلیں پیش کیں مگر ان لوگوں نے کچھ التفات نہ کیا اور اس کے لیجانے پر آمادہ رہے۔ جس وقت کوہستان کے روانہ ہونے کا اس نے قصد کیا اس وقت اس کے دوستوں میں سے کسی کو اس کیجانے کی اطلاع نہ ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ جب کوہستان آدھی دور رہ گیا۔ اس وقت ان لوگوں کو اطلاع ہوئی۔ جب یہ کوہستان میں پہنچا اور وہاں کے حاکم ناصر الدین عبدالرحیم کو اس کی تشریف آوری کی اطلاع ہوئی تو وہ بڑی تعظیم وتکریم سے پیش آیا اور جو تشدد اور تحکم اس کے لانے میں اس کی جانب سے ظہور میں آیا تو اس کی نسبت اس نے ہزار ہا عذر پیش کئے اور عفو تقصیر چاہا۔ بعد اسکے عرصے تک اس نے اس حکیم کو کوہستان میں قید رکھا۔

472۔ میلکم، سرجان: حالات ایران قدیم (دو جلدیں)

ترجمہ: محبوب عالم

لاہور: کارخانہ پیسہ اخبار: مطبع خادم التعلیم، 1905ء

ص: 367

سفرنامہ: 'History of Persia' کا ترجمہ۔ دوسری بار 1906ء میں شائع ہوا۔ یہی ترجمہ الناظر بک ڈپو لکھنؤ نے 1923ء سے قبل شائع کیا۔ اس سفرنامے کا قدیم ترین ترجمہ مترجمین غازی پور سائنٹیفک سوسائٹی نے کیا تھا جو 1872ء میں طبع ہوا۔ یقیناً سرسید شامل ہوں گے۔ (حوالہ: 2، 5، 10، 11)

473۔ خالدہ ادیب خانم: اندرون حیدرآباد

ترجمہ: ہاشمی فرید آبادی، سیّد

حیدرآباد دکن: انجمن اشاعت اردو: احمدیہ پریس، 1939ء

ص: 24

سفرنامہ: 'Inside India' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 5، 14)

474۔ ڈفرن، لیڈی: لیڈی ڈفرن کی چند روزہ سیرِ حیدرآباد

ترجمہ: محمد مظہر

حیدرآباد دکن: انجمن ثمرہ العلوم: تاج پریس، 1886ء

ص: 24

سفرنامہ: حیدرآباد دکن کا سفرنامہ بابت سال 1886ء کا انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 1، 2، 5)

475۔ ڈی ویرا: محشرستانِ آئرلینڈ

ترجمہ: احمد سعید خاں شوق

نام مطبع و سنہ ندارد

سفرنامہ: (حوالہ: 2، 10، 11)

476۔ سائیگو، کارلو: ماؤزے تنگ کے دیس میں

ترجمہ: جیلانی

لاہور: مکتبہ چراغ راہ،

سفرنامہ: 'In the land of Mao-tse-tung' کا ترجمہ (حوالہ: 13، 16)

477۔ سفرنامہ انگورہ

ترجمہ: آغا رفیق بلند شہری

سفرنامہ: ایک فرانسیسی خاتون کا سفرنامہ۔ جنگِ ترکی و یونان کے چشم دید حالات۔ ترک مشاہیر کا ذکر۔ فرانسیسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ کتاب 1939ء سے قبل شائع ہوئی۔ (حوالہ: 4)

478۔ سفرنامہ بلوقیا

ترجمہ: عبدالاوّل، مولوی

لکھنؤ: صدیق بک ڈپو

سفرنامہ: (حوالہ: 4)

479۔ سفرنامہ شہنشاہ جرمن

ترجمہ: احمد علی خاں شوق

رام پور: مطبع احمدی، 1900ء

ص: 338

سفرنامہ: جرمن زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 1، 2)

480۔ سیاحوں کی کہانیاں

ترجمہ: عبدالمجید سالک، مولانا

لاہور: 1926ء

مختصر سفرنامے۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 5، 11)

481۔ شاہ بیگ، کرنل: سفرنامۂ حجاز

ترجمہ: محمد فاضل

لاہور: اسلامیہ پریس، س۔ن

سفرنامہ: انگریزی سے ترجمہ دیکھیے ذخیرۂ محبوب عالم پنجاب یونیورسٹی (اردو سیکشن) لاہور۔ (حوالہ 11،2)

482۔ شیرنگ: مغربی تبت

ترجمہ: ن۔ن

لکھنؤ: نول کشور، س۔ن

ص: 514

سفرنامہ/تحقیق: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2،1)

483۔ فتح نواز جنگ، نواب: گلگشتِ فرنگ یعنی میرے روزنامچہ یورپ کے چند صفحے

ترجمہ: عزیز مرزا، (مولوی) محمد

آگرہ: مفید عام پریس، طبع اوّل: 1889ء

سفرنامہ: انگریزی سے ترجمہ، 1888ء تا 1889ء کی رُوداد (حوالہ 14،2)

ترجمہ سے نمونہ:

''10 فروری، آخرکار میری روانگی کا دن آ پہنچا، اسباب صبح ہی سے درست کر لیا تھا، دو بجے کوک کے لوگوں نے جہاز پر رکھ دیا۔ شام کے تین بجے دوستوں کے ساتھ ہوٹل سے روانہ ہوئے اور سوا تین بجے دخانی کشتی پر سوار ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عالی شان جہاز پر کھڑے ہوئے ہیں۔ مجھ کو حیرت ہوتی ہے کہ مہذب قوموں میں علم کو کس قدر ترقی ہوئی ہے۔ فن جہاز رانی تو خصوصاً ترقی کے درجہ کمال پر پہنچ گیا ہے۔ سمندر میں جہاز کا ٹھیک مقام اس آسانی اور صحت سے دریافت کر لیتے ہیں جیسے کسی گھوڑا گاڑی کا کرۂ زمین پر۔ کپتان نے مجھ سے بیان کیا کہ اگر اس ساحل کے پاس کوئی چیز پھینک دی جائے اور عدن میں جا کر کسی جہاز کے کپتان سے کہوں تو وہ اُسے نہایت آسانی سے نکال لے گا۔ جب کہ برقی تار سمندر کی تہ میں ٹوٹ جاتا ہے تو تار والے تسلسل برقی کے امتحان سے فوراً دریافت کر لیتے ہیں کہ کہاں ٹوٹا ہے، اور جہاز بھیج کر جوڑ دیتے ہیں۔

24 اکتوبر، آج ہم نیپلز کی خوشنما مضافات کو دیکھنے گئے۔ شہر سے دو میل چل کر ایک لمبے تہ زمین کے پل میں داخل ہوئے جس کا نام 'گروٹو ڈی پاس لیپوٗ' ہے۔

اس پُل کا نصف میل طول ہے اور پہاڑ کاٹ کر بنایا ہے۔ قدیم رومیوں کی صناعی کا ایک عمدہ ثبوت ہے۔ پل سے نکل کر ہم نے بہت سے رومی مکانات دیکھے، وہاں سے لاگو ڈی اگین نو کی طرف گئے جو پہلے ایک پرفضا جھیل تھی مگر اب خشک پڑی ہے۔ یہاں بھی ایک کھوہ ہے جس کا نام گروٹو ڈوکان ہے، اس کے اندر زمین سے کوئی دو فٹ اونچا ایک نشان ہے

جس کی نسبت یہ مشہور ہے کہ اُس سے نیچے ہوا میں سمیت ہے۔ ہمارے رہبر کے ہاتھ میں ایک مشعل تھی اس نے امتحاناً اس کو نشان سے نیچے کیا، فوراً گل ہوگئی۔ مجھ سے بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ ہم ایک کتے پر اس کا تجربہ کر کے آپ کو دکھاتے ہیں وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے گا لیکن میں نے ایسے ظالمانہ اور بے فائدہ تجربے کی اجازت نہ دی۔''

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ نواب صاحب کو 10 فروری سے 24اکتوبر 1888ء تک سفرنامہ کے لئے ڈائری لکھنے کی مہلت نہ مل سکی۔ نواب صاحب 9 جنوری 1889ء کو یورپ کے سفر سے ہندوستان واپس لوٹے تھے۔

484۔ فورسیاتھ، ٹی۔ڈی: سفر یاقند

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: نام مطبع ندارد، 1871ء

سفرنامہ: انگریزی میں ترجمہ۔ (حوالہ: 1، 2)

485۔ قسطنطنیہ

ترجمہ: انشاء اللہ

سفرنامہ: اسلامی دارالخلافت کا تاریخی تذکرہ اور نوازشات سلطانی کا تذکرہ انگریزی سے ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔

(حوالہ: 4)

486۔ کرزن، (لارڈ) جارج نتھینیل: خیابانِ فارس (چار جلدیں)

ترجمہ: ظفرعلی خاں، مولانا

حیدرآباد دکن: مطبع شمسی جلد اوّل: 1902ء

ص جلد اوّل: 612

سفرنامہ: 'Persia and the Persian question' کا ترجمہ سابق وائسرائے ہند کے سفرنامے کا ترجمہ ہے۔

(حوالہ: 2، 5، 10)

انگریزی سے ترجمے کا نمونہ ملاحظہ ہو:

مشرق کے اس قسم کے سفر کی، جو بہت سی غیر معمولی یادگاریں مسافر اپنے ساتھ لے جاتا ہے ان میں شاید سب سے زیادہ وحشت خیز اور پراثر یاد اُن اونٹوں کے قافلوں کی ہے جن سے وہ رستے میں رات کے وقت دوچار ہوتے ہیں۔ شب تاریک میں دور سے فریادِ جرس سنائی دیتی ہے۔

('خیابانِ فارس' ص: 560)

Perhaps the weirdest and most impreseeive of the many unwanted memories that the traveller carries away with him from such-like travel in the east in recollection of the camel carvans which he has encountered at night. Out of the darkness is heard the distant boom of a heavy bell.

P. 275 "PERSIA" by G.N. CURZON- 1892

لارڈ کرزن، وائسرائے ہند کا یہ سفرنامہ مولانا نے چار جلدوں میں ترجمہ کیا تھا۔ مطبوعہ جلد 612 صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے بارے میں مولانا ظفر علی خان دیباچہ میں لکھتے ہیں:

قلمرو ایران کے حالات کے متعلق متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں اور اس موضوع کی مسلسل وعمیق دلچسپی اور وسیع اہمیت نے ایک عرصہ دراز سے اس کو ان ذی رتبہ سیاحوں اور مقیم ملک مصنفوں کا مبحث بنا رکھا ہے جنہیں اپنے شوق سفر یا تعلقات سفارت کی وجہ سے اس مسئلے پر رائے زنی کرنے کے مواقع حاصل ہوئے، چنانچہ اس سرزمین کے مختلف پہلوؤں کو عالم و فاضل و تجربہ کار لوگوں نے وقتاً فوقتاً اپنے زور قلم کا تختہ مشق بنایا۔ کسی نے اس کی تاریخ لکھی، اور کسی نے اس کی اقوام اور اس کے آثار قدیمہ پر خامہ فرسائی کی۔ بعض مصنفین نے دولتِ ایران کے ان تعلقاتِ سیاسی کو جو اسے دولِ خارجہ سے ہیں اور نیز اس کے اندرونی طرزِ نظم ونسق اور اس کی تدبیر مملکت کے مالہ و ماعلیہ کی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا۔ لیکن آج تک کسی ایک کتاب میں ان تمام امور پر اس وضاحت، سلاست اور امعانِ نظر سے بحث نہیں کی گئی جو لارڈ کرزن کی جامع تصنیف کی حقیقی خصوصیات ہیں۔''

ترجمے سے نمونۂ عبارت ملاحظہ ہو:

'ڈاک کی سڑک'

''قدیم ڈاک کی سڑک جس پر 'چاپار' کا شیدائی جانا پسند کرے گا، گاڑی سڑک کے جنوب کو جاتی ہے اور 'چاپار خانوں' کے نام عبداللہ آباد سفر خوجہ (جسے سفر خواجو بھی کہتے ہیں) اور شنگر آباد اور میاں جب اس راہ پر مقام کریج میں، جو دو موخر الذکر منزلوں کے مابین طہران سے 25 میل کے فاصلے پر ہے، ایک محل یا شکار منزل سلیمانیہ نامی، جو شاہ کی۔ ملک سے ہے اور جسے اُس کے پردادا فتح علی شاہ نے 1812ء میں تعمیر کیا تھا واقع ہے۔ سلیمانیہ نہر کریج کے کنارے پر جو کوہستان سے نکلتی ہے اور جس کا مصفیٰ اور پاکیزہ پانی فتح علی شاہ مشکوں میں بھروا کر ہر روز طہران منگوایا کرتا تھا، واقع ہے اور اس میں دو بڑی تصویریں آغا محمد علی شاہ اور اس کے بھتیجے فتح علی شاہ کے درباروں کی عبداللہ خاں کے ہاتھ کی کھچی ہوئی ہیں جو ابتدائے شاہانِ قاچار کے دربار کا مشہور نقاش تھا۔

سفر ایران کے لئے بہترین موسم کے انتخاب کے دو اختیاری پہلو ہو سکتے ہیں، یا تو موسم خزاں کا آخر اور یا فصل بہار۔''

487۔ گارڈن، (جنرل) سرٹامس ایڈورڈ: سفرنامۂ ایران

ترجمہ: محمد انشاء اللہ

لاہور: وطن اخبار: حمیدیہ مشین پریس، 1906ء

سفرنامہ: معہ حالات مظفر الدین شاہ قاچار د کوائفِ ایران۔ مینیجر قریشی بک ڈپو لاہور نے یہی ترجمہ 1923ء سے قبل شائع کیا۔ (حوالہ: 1، 2، 4)

488۔ گبسن، ہنری: ہلال کے سائے میں

ترجمہ: عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر

راولپنڈی: تعمیر پرنٹنگ پریس، 1953ء

سفرنامہ: مشرق وسطیٰ کے اسلامی ممالک کی سیاحت سے متعلق (حوالہ 2، 10، 11)

489۔ گفرڈ، ولیم: حالات نجد والحساء

ترجمہ: انشاءاللہ

لاہور: وطن اخبار: حمیدیہ پریس، 1905ء

سفرنامہ: وسط وشرق عرب میں ایک انگریز کی ایک سالہ سیاحت کی روداد۔ (حوالہ 2، 4)

490۔ لوسکناں، شہزادی این۔ڈی: عہد حکومت السلطان عبدالحمید خاں ثانی الغازی ٹرکی

ترجمہ: محمد انشاءاللہ، مولوی

لاہور: اخبار وطن: حمیدیہ پریس، طبع اوّل 1893ء

ص: 224

سفرنامہ/تاریخ: 1910ء تک اس ترجمے کے پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے تھے۔ 5ویں ایڈیشن کے 256 صفحات ہیں مترجم نے اس ایڈیشن میں حواشی اور حوالہ جات کا اضافہ کیا ہے۔ (حوالہ: 2، 4)

یہ کتاب شہزادی این۔ڈی۔لوسکناں کی 1888ء میں برطانیہ سے شائع ہونے والی کتاب کا ترجمہ ہے۔شہزادی نے ترکی میں کئی برس قیام کر کے یہ تاریخ رقم کی تھی۔ اس کتاب کے مترجم 'اخبار وطن' لاہور کے مالک و ایڈیٹر تھے۔ واضح رہے کہ اس ترجمے کے 1910ء تک پانچ ایڈیشن طبع ہوئے تھے۔ اس ترجمے اور کتاب کی مقبولیت کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے۔ کتاب کا اوّلین ایڈیشن 224 صفحات پر مشتمل ہے جبکہ پانچویں ایڈیشن کے صفحات 256 ہیں۔ پانچویں ایڈیشن تک آتے آتے مترجم نے حواشی اور حوالہ جات میں مسلسل اضافہ کیا۔

یہ کتاب سلطان عبدالحمید خان ثانی کے دورِ حکومت کے ابتدائی بارہ برسوں کا احاطہ کرتی ہے۔ ترجمہ شدہ کتاب میں شہزادی لوسکنان کا دیباچہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ محض چند سطریں ملاحظہ ہوں۔:

> میں نے اپنا یہ فرض جانا ہے کہ نوجوان نسل کو وہ حالات اور سچے واقعات بتاؤں جو میں نے ٹرکی میں بہت سال رہ کر حاصل کئے ہیں اور ساتھ ہی ان الفاظ کریمانہ اور عنایات خسروانہ اور اس عزت و امتیاز کے شکر و امتنان کے خیالات ظاہر کروں جو مجھے اس ملک میں نصیب ہوئے۔ خاص کر اس نامور شہنشاہ کے ہاتھوں، جو اس وقت استنبول کے تخت قیصری پر جلوہ افروز تھے۔

کتاب کا آغاز سلطان عبدالحمید خان ثانی کے والد سلطان عبدالعزیز خاں کے ڈرامائی واقعہ سے ہوتا ہے اور تخت کے لئے

رسہ کشی کی تفصیلات کو سمیٹتے ہوئے ہے۔ مصنفہ نے سلطان عبدالعزیز خاں کے قتل، روس اور ترکی کے درمیان ہونے والی جنگ اور ترک ثقافت کو بھی اپنا موضوع بنایا ہے۔

491۔ ماری تان، ژاک: یہ امریکہ ہے

ترجمہ: محمود مسعود

کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، س۔ن

ص: 188

سفرنامہ: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

492۔ مانوچی، نکولائی: فسانہ سلطنت مغلیہ

ترجمہ: مظفر علی خاں، سیّد

لکھنؤ: آگرہ اخبار اودھ لکھنو، س۔ن

ص: 376

سفرنامہ: اطالوی، سیاح کا تہلکہ خیز سفرنامہ۔ انگریزی کی معرفت ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ مانوچی 1656ء میں ہندوستان آیا تھا۔ ''اسٹور یادی موگور'' نامی اس سفرنامے کے دو دیگر ترجمے ملک راج شرما اور سجاد باقر رضوی نے کئے ہیں۔

(حوالہ: 1، 2، 4)

493۔ مانوچی، نکولائی: ہندوستان عہد مغلیہ میں

ترجمہ: ملک راج شرما

لاہور: ناولسٹ ایجنسی، س۔ن

سفرنامہ: اطالوی سیاح کی سیاحت ہند 1656ء کی روداد۔ اس کتاب کے دیگر ترجمے سیّد مظفر علی خاں اور سجاد باقر رضوی نے کئے ہیں۔ (حوالہ: 1، 2)

494۔ مانوچی، نکولائی: داستانِ مغلیہ

ترجمہ: سجاد باقر رضوی، پروفیسر

لاہور: نگارشات، انارکلی، طبع اوّل: اپریل 1968ء

سفرنامہ: چیدہ حصّوں کا ترجمہ وتلخیص۔ اس کتاب کے دیگر دو ترجمے ملک راج شرما اور سیّد مظفر علی خاں نے کئے تھے۔

(حوالہ: 2)

مذکورہ بالا تینوں تراجم مشہور اطالوی مؤرخ نکولائی مانوچی کے ہندوستان میں قیام کی روداد ہے۔ مانوچی 1656ء میں ہندوستان آیا۔ اس کا انتقال 1717ء میں ہوا۔

مانوچی کی یہ کتاب ''اسٹوریا دی موگور'' عہد عالمگیری کا سب سے اہم اور سب سے متنازعہ روزنامچہ/سفرنامہ کئی جلدوں میں ہے۔ اسے مغلیہ عہد کی معاشرتی، درباری اور محلاتی ماحول کی مستند دستاویز کہنا چاہیے، جس پر ہندوستان کے سُنّی طبقہ نے سخت غم و غصہ کا اظہار کیا ہے۔ اس کتاب کے تاحال آخری مترجم سجّاد باقر رضوی صاحب ایک زمانے تک 'نوائے وقت' گروپ کے خلاف عدالتی چارہ جوئی میں مصروف رہے۔ جس کا سبب یہ تھا کہ 'نوائے وقت' گروپ کے اخبارات نے اس ترجمے کو گمراہ کن کہا تھا۔ ترجمے کے باب میں سجّاد باقر رضوی صاحب کا یہ ترجمہ ہمیشہ یادر ہے گا۔ پندرہ ابواب پر مشتمل یہ کتاب دو سو سولہ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہندوستانی لباس میں مانوچی کی ایک تصویر بھی شامل کتاب کی گئی ہے۔

495۔ مولر، مسز میکس: سیاحت قسطنطنیہ

ترجمہ: رشید الدین، سیّد

آگرہ: نام مطبع ندارد، 1903ء

سفرنامہ: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:4،2)

496۔ میکنزی، (ڈاکٹر) والس: اعمال نامۂ روس

ترجمہ: رتن ناتھ سرشار: پنڈت

لکھنؤ: نولکشور پریس، طبع اوّل: 1887ء

ص: 1282

سفرنامہ: انگریزی سے ترجمہ 1923ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:1،2)

497۔ میو، مس کیتھرائن: بھارت ماتا معہ جواب

ترجمہ: مرزا محمد عبدالحمید

لاہور: انڈین سوشل بک سوسائٹی، 1928ء

ص: 328

سفرنامہ: 'Mother India' کا ترجمہ معہ جواب۔ اس کتاب میں مرزا صاحب نے مس میو کے خیالات کی تردید کی ہے۔ اس کتاب کے دیگر ترجمے بھی 'مدر انڈیا' اور 'مادر ہند' کے نام سے ہو چکے ہیں۔ (حوالہ 2،22)

498۔ میو، مس کیتھرائن: مدر انڈیا

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: سول ایجنٹ 'نیرنگ خیال' بکڈپو، شاہی محلہ، 1933ء

ص: 632

سفرنامہ: 'Mother India' کا ترجمہ۔ اس کتاب کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ 17ویں اور 18ویں صدی عیسوی کے زمانے میں مغرب والے ہندوستان کو کن کن عیوب کا مرقع سمجھتے تھے۔ اس کتاب کے دو ترجمے اس کے علاوہ ہیں ایک محبوب عالم کا اور دوسرا خالد۔ کے بیگ کا۔ (حوالہ:2)

499۔ میو، مس کیتھرائن: مادر انڈیا

ترجمہ: محبوب عالم

لاہور: 'Mother India' کا ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ خالد۔ کے بیگ کے علاوہ ایک تیسرا ترجمہ بھی 1933ء میں شائع ہو چکا ہے۔ (حوالہ:4)

500۔ میو، مس کیتھرائن: مادرِ ہند

ترجمہ: خالد۔ کے بیگ

سفرنامہ: مس کیتھرائن میو نے ہندوستان کا سفر 1926ء میں کیا تھا۔ اندرون ملک کی سماجی حالت کا نقشہ کشی قابل داد ہے۔ اس کتاب کے دیگر تراجم بھی ملتے ہیں۔ اس کتاب کا نام 'Mother India' ہے۔ یہ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 4)

501۔ نہرو، جواہر لال: سوویٹ روس

ترجمہ: ن۔ن

سفرنامہ: روس کی معاشرتی اور تمدنی حالت پر رواں تبصرہ۔ نہرو کے سفر روس کی یادگار۔ انگریزی سے ترجمہ، 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 4)

502۔ ویمبری، پروفیسر: پروفیسر ویمبری کا سفرنامہ

ترجمہ: محبوب عالم، منشی

لاہور: منشی عبدالعزیز: خادم التعلیم پریس، 1903ء

ص: 295

سفرنامہ: انگریزی سے ترجمہ۔ دوسری بار پیسہ اخبار، لاہور نے 300 صفحات کی ضخامت میں شائع کیا۔ (حوالہ: 1، 2، 11)

503۔ ویول: انوکھا حاجی

ترجمہ: مرزا حسین احمد بیگ

حیدرآباد دکن: اعظم اسٹیم پریس، 1923ء

ص: 212

سفرنامہ: انگریزی سے ترجمہ۔ ایک انگریز نے خود کو مسلمان ظاہر کر کے حجاز اور اسلامی ممالک کا سفر کیا۔ (حوالہ: 8، 14)

504۔ ہمبولٹ، الگزینڈر: سیاحِ جرمنی

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: پیسہ اخبار: خادم التعلیم پریس لاہور، 1895ء

سفرنامہ: جرمن زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 7)

505۔ ہیون ٹی سنگ: ایک چینی سیاح کا سفرنامہ

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی، 1909ء

سفرنامہ: 'Travels of Hiuentsiang' کا ترجمہ۔ یہ ترجمہ لاہور ہی سے مینجر مترو بک کمپنی نے بھی 1923ء سے قبل شائع کیا۔ (حوالہ: 1،2)

OOO

سوانح

506۔ آرگسٹ: حیات پال

ترجمہ: اجودھیا پرشاد و پنڈت سورج بھان

نام مطبع ندارد: 1861ء

سوانح: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 1،2،13،16)

507۔ آرنلڈ، (سر) ایڈون: نورِ مشرق

ترجمہ: گوربخش سنگھ، سردار

لاہور: گیلانی الیکٹرک پریس، 1942ء

ص: 264

سوانح و تعلیمات۔ گوتم بدھ سے متعلق۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ 12، 14، 16)

508۔ آلرج، الفرڈ اوون: ایک انقلابی مفکر

ترجمہ: مرتضےٰ شفیع و سراج ادیب

کراچی: اردو اکیڈمی سندھ

ص: 140

سوانح: امریکی مفکر، صحافی اور ادیب ٹامس پین کی سوانح عمری (حوالہ 2، 10، 11)

509۔ آننا اولیا نوواوایلزا اروڈا: لینن گھر والوں کی نظر میں

ترجمہ: نوح فاروقی

ماسکو: بدیسی زبانوں کا اشاعت گھر

سوانح: لینن سے متعلق معلومات۔ رُوسی زبان سے براہ راست ترجمہ۔ (حوالہ 13، 16)

510۔ ارسکن، ولیم: ظہیر الدین بابر اور ان کا عہد

ترجمہ: حسین انور

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، س۔ن

ص: 568

سوانح و تاریخ۔ امریکی کتاب کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 17)

511۔ اسٹینفلڈ، سارجنٹ: عظیم علمائے نفسیات

ترجمہ: ن۔ن

کراچی: آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، 1962ء

ص: 560

سوانح و کارنامے۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 13، 16)

512۔ الانا، غلام علی: قائداعظم جناح: ایک قوم کی سرگزشت

ترجمہ: رئیس احمد جعفری

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ (پاکستان)، 1967ء

ص: 632

سوانح: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

513۔ المیر اویٹ، ہیلن: بینا نابینا

ترجمہ: سیّد ابوالخیر کشفی

کراچی: اردو اکیڈمی سندھ

ص: 168

سوانح: ہیلن کیلر سے متعلق۔ انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11، 16)

514۔ اونز پیر، کیتھرائن: میری میکلوڈ بیتھون

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: ہول لائبریری: سویرا آرٹ پریس، 1951ء
ص: 145
سوانح: مشہور زمانہ نابینا موسیقار کی سرگزشت کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

515۔ ایبٹ، ای: نپولین بونا پارٹ (5 جلدیں)
ترجمہ: معین الدین شاہجہانپوری
دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)
سوانح: انگریزی ترجمہ۔ کتاب کا ترجمہ 1913ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 1، 2، 14)

516۔ ایچ، بی: عیسیٰ کی سیرت
ترجمہ: پادری ویکیفلڈ
لدھیانہ: انگریزی سے ترجمہ
سوانح: (حوالہ: 1، 2)

517۔ ایچیسن، چارلس اسٹرٹسن: کارنامہ لارڈ لارنس
ترجمہ: گنج بہاری تھاپر
لاہور: اسلامیہ پریس، 1894ء
ص: 275
سوانح و کارنامے۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ 13، 14)

518۔ ایڈورڈ، ہربرٹ: سوانح عمری لارڈ لارنس
ترجمہ: محمد حنیف دہلوی
لکھنؤ: نولکشور پریس، س۔ن
سوانح: انگریزی سے ترجمہ 1923ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 1، 2)

519۔ ایڈورڈ، ہربرٹ: سوانح عمری لارڈ لارنس
ترجمہ: سورتھ صاحب
علی گڑھ: ڈیوٹی پریس، س۔ن
سوانح: انگریزی سے ترجمہ 1923ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 1، 2)

520۔ ایسٹ مین، ایسٹ: رفقائے عظیم
ترجمہ: محمد حامی الدین خان
کراچی: آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس ریسرچ اکیڈمی
سوانح و معلومات: انگریزی میں 'Great Companions' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 13، 16)

521۔ ایک ادیب کے حالات زندگی

ترجمہ: مرزا حامد بیگ

حیدرآباد دکن: رحیم پریس، 1924ء

سوانح: انگریزی سے ترجمہ، مترجم کا تعلق حیدرآباد دکن سے تھا۔ ان کا کوئی اور ترجمہ دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس کتاب ''اردو ترجمے کی روایت'' کے مصنف کے ساتھ نام کی مطابقت محض اتفاق ہے۔ یہ ترجمہ میرا نہیں۔ (حوالہ 8)

522۔ ایلز روز ویلٹ: بیتے دن

ترجمہ: خلیل احمد

لاہور: ویسٹ پاک پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ، س۔ن

سوانح: فرینکلن کی سوانح عمری ہے جس میں روس اور امریکہ کے تعلقات کی نوعیت، چرچل سے ملاقات۔ مصنفہ کی انگلستان روانگی اور جنگ عظیم دوم کے دوران میں مصروفیات وغیرہ ابواب دلچسپ ہی نہیں حیرت انگیز بھی ہیں۔

(حوالہ:2، 17)

523۔ ایسٹ، جے۔ای: بہاء اللہ وعصر جدید

ترجمہ: عباس علی بٹ

دہلی: کمال پرنٹنگ ورکس، 1954ء

ص: 383

سوانح وتعلیمات۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:14، 16)

524۔ بارٹلٹ، رابرٹ میرل: استقلال کے پیکر

ترجمہ: حبیب اشعر دہلوی

لاہور: آئینہ ادب بہ اشتراک موسسہ فرینکلن۔

سوانحی خاکے۔ امریکی کتاب کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2، 17)

525۔ برگر، تھیوڈور ہارن: بنجمین فرینکلن

ترجمہ: احسان بی۔اے

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، س۔ن

سوانح: مختصر کتاب امریکہ میں طبع ہوئی۔ موسسہ فرینکلن کے بانی سے متعلق معلومات۔ (حوالہ 2، 17)

526۔ برنیئر، ڈاکٹر: شاہجہان کے ایام اسیری اور عہدِ اورنگزیب

ترجمہ: خلیفہ سیّد محمد حسین

کراچی: نفیس اکیڈمی طبع دوم: 1960ء

سوانح/تاریخ: فرانسیسی زبان سے ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

527۔ برجیندر ناتھ بنرجی: بیگماتِ اودھ

ترجمہ: ذی النورین، (مولوی) سیّد

لکھنؤ: نولکشور پریس، 1919ء

ص: 56

سوانح: (حوالہ: 9، 14)

528۔ بنارسی داس چترویدی و مارجوری سائکس: سی۔ایف۔ اینڈریوز

ترجمہ: ضیاء الدین احمد برنی

کراچی: مشہور آفسٹ پریس، 1952ء

ص: 254

سوانح: دہلی کے مشہور پادری، استاد اور مصنف کے حالات زندگی۔ (حوالہ 13، 16)

529۔ بولائتھو، ہیکٹر: محمد علی جناح

ترجمہ: زبیر صدیقی

لاہور: مجلس ترقی اردو، کلب روڈ، 1965ء

ص: 353

سوانح: حکومت پاکستان کے ایما پر لکھی گئی کتاب 'Jinnah' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11، 16)

530۔ بولٹن، سارہ۔ کے: لڑکیاں جو نامور ہوئیں

ترجمہ: اختر عزیز احمد

لاہور: بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

سوانحی خاکے۔ امریکی کتاب کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 2، 17)

531۔ بیچکسین، گ۔ او و دیگر: لینن

ترجمہ: ن۔ن

ماسکو: دار اشاعت ترقی، 1969ء

ص: 276

سوانح: لینن کے حالات زندگی۔ رُوسی زبان سے براہ راست ترجمہ۔ (حوالہ: 13، 16)

532۔ بیڈلی بی۔ایچ: سرگزشت ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند

ترجمہ: ن۔ن

لکھنؤ: میتھوڈسٹ پبلشنگ ہاؤس، 1889ء

ص: 50

سوانح: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2، 10، 11)

533۔ پاڈور، سال۔کے: دستور ساز مدبر

ترجمہ: ذاکر اعجاز، سید

کراچی: اردو اکیڈمی سندھ

ص: 352

سوانح: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 16)

534۔ پاول، بیڈن: سکاؤٹوں کا بادشاہ

ترجمہ: عبدالکریم

لاہور: گلاب سنگھ اینڈ سنز، 1936ء

سوانح: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 10، 11)

535۔ پستالوزی وجوہان ہنرج: لیونارڈوگرٹروڈ

ترجمہ: غلام حسین

دہلی: جید پریس، 1936ء

سوانح: ا نگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ:2، 10، 11)

536۔ پلوٹارک: سوانح سکندر اعظم

ترجمہ: سیّد ہاشمی فرید آبادی

دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، 1949ء

سوانح: مشاہیر یونان وروما کے ایک باب کا ترجمہ۔ (حوالہ:1، 2، 14)

537۔ پلوٹارک: مشاہیر یونان وروما (4 جلدیں)

ترجمہ: ہاشمی فرید آبادی، سیّد

لاہور: مفید عام پریس، جلد اوّل طبع دوم: 1943ء

ص: 448

علی گڑھ: انسٹی ٹیوٹ پریس، جلد دوم طبع اوّل: 1919ء

ص: 378

دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند) جلد سوم: طبع اوّل: 1945ء

ص: 434

دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند) جلد چہارم: طبع اوّل: 1946ء

ص: 468

سوانحی خاکے۔ 'Lives of Eminent Greeks And Romans' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 1،2،14)

538۔ پیٹی، ڈونالڈ کلراس: شناسائے منزل

ترجمہ: محمد حبیب اللہ اوچ

لاہور: یونائیٹڈ بک ڈپو بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

سوانح: 'Lives of Destiny' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2،17)

539۔ تھیئر، میری وان: جیکولین کینڈی

ترجمہ: بانو قدسیہ

لاہور: آئینہ ادب، استقلال پریس، 1962ء

ص: 158

سوانح: امریکہ کی 31ویں خاتون اوّل کے روزنامچوں، نجی خطوط، تصاویر اور اخباری تراشوں سے مرتب کردہ کتاب۔

(حوالہ: 2،17)

540۔ ٹامس، ہنری: دنیا کا سب سے بڑا موجد

ترجمہ: محمد سعید

لاہور: معین الادب: نفیس پرنٹنگ پریس، 1960ء

ص: 188

سوانح: ٹامس ایلوا ایڈیسن کے حالات زندگی۔ (حوالہ: 13،16)

541۔ ٹامس، ہنری: ایڈیسن

ترجمہ: محمد سعید

سوانح: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 2)

542۔ ٹیلر، میڈوز: سوانح امیر علی ٹھگ

ترجمہ: محبّ حسن

حیدرآباد دکن: نام مطبع ندارد

سوانح: ہندوستان کے معروف ٹھگ امیر علی کی سوانح حیات۔ میڈوز ٹیلر نے اسی پر ناول بھی لکھا۔ (حوالہ 8)

543۔ جان وائی: پودوں کا جادوگر

ترجمہ: آر۔ایس بھاردواج

دہلی: حالی پبلشنگ ہاؤس، س۔ن

ص: 160

سوانح: ماہر نباتیات لوتھر بنک کے حالات زندگی اور اس کے تجربات کی داستان۔ (حوالہ: 9، 13)

544۔ جوفے: غازیان تہذیب

ترجمہ: ہاشمی فرید آبادی، سیّد

لاہور: اردو پریس، 1959ء

ص: 650

سوانح: ہیروز آف سویلائزیشن، کا ترجمہ۔ (حوالہ: 13، 16)

545۔ چیمبرلین

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل، س۔ن

سوانح: (حوالہ: 7)

546۔ چوپڑہ، بی۔این: شہیدانِ آزادی (حصہ دوم)

ترجمہ: تفضل حسین، سید

نئی دہلی: ترقی اردو بورڈ، طبع اوّل 1978ء

ص: 480

سوانح: 'Who's who of Indian Martyrs' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 15)

547۔ خادماتِ خلق

ترجمہ: سیّدہ خاتون بنت خواجہ غلام الثقلین

دہلی: جامعہ برقی پریس، 1932ء

ص: 121

سوانحی معلومات۔ امریکہ کی دس نامور خواتین کے حالات۔ (حوالہ 16،9)

548۔ خود آموز شخصیات

ترجمہ: فیض

لاہور: پیسہ اخبار: خادم التعلیم اسٹیم پریس، 1909ء

ص: 144

سوانحی معلومات: یورپ کے 18 موجدوں کا تذکرہ۔ (حوالہ: 13، 14، 16)

549۔ ڈرائیڈان، جان: کلوپٹرا

ترجمہ: محسن احسان

پشاور: یونیورسٹی بک ایجنسی، س۔ن

افسانوی سوانح۔ 'All for love' کا ترجمہ۔ (حوالہ 2، 10، 11)

550۔ ڈیوٹ، ولیم: سو بڑے آدمی

ترجمہ: عبدالمجید سالک، مولانا

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ پاکستان، طبع اوّل 1959ء

ص: 18

سوانحی خاکے۔ ابتداء سے دورِ حاضر تک کی اہم شخصیات کے سوانحی خاکے۔ کتاب کا نصف آخر مولانا نے خود تصنیف کیا۔

(حوالہ 2، 10، 11)

551۔ ڈیوڈ تھورو، ہنری: والڈن

ترجمہ: علی عباس حسینی

دہلی: ساہتیہ اکیڈمی، 1960ء

سوانح: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ 2، 9)

552۔ ڈیوڈ لانگ سٹون

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: خادم التعلیم پریس، 1895ء

ص: 31

سوانح: مشہور سیاح لانگ سٹون کے حالات زندگی اور وسط افریقہ میں عیسائیت کی اشاعت کا بیان۔ (حوالہ 1، 2، 11)

553۔ ڈی ویرا

ترجمہ: جے۔ایم۔ہیچل

لاہور: نرائن دت سہگل، 1940ء

سوانح: (حوالہ 7)

554۔ رابنسن، ایڈورڈ: کرنل لارنس

ترجمہ: مشیرالدین

حیدر آباد دکن: نفیس اکیڈمی، 1945ء

سوانح: انگریزی سے ترجمہ۔ حیات اور کارنامے۔ کرنل لارنس کی حیات پر مشہور زمانہ فیچر فلم 'لارنس آف عربیہ' بن چکی ہے۔ جس میں لارنس کا کردار چارلٹن ہسٹن نے ادا کیا۔ (حوالہ:2، 10، 11)

555۔ رائٹ، جے: فیدرس لائلیبیس اور برطاغورس

ترجمہ: محمد ہادی حسین، مرزا

حیدر آباد دکن: دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ، 1934ء

سوانح وافکار۔انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:14)

556۔ رش بروک ولیمز، ایل۔ایف: ظہیرالدین محمد بابر

ترجمہ: رفعت بلگرامی

نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، 1980ء

ص: 223

سوانح: مغل بادشاہ کے مفصل حالات (حوالہ:2، 15)

557۔ راہنمایانِ ہند

ترجمہ: نرائن پرشاد مہر

دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، 1932ء

سوانح: 'پرافٹس آف انڈیا' کا ترجمہ نرائن پرشاد مہر انسپکٹر جنرل تعلیم ریاست گوالیار نے کیا ہے۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ یہ زمانہ سلف کے رہنمایانِ ہند کا تذکرہ ہے۔ (حوالہ:2، 4، 8)

558۔ زٹکن کلارا: لینن بحیثیت انسان

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: مکتبہ اردو سرکلر روڈ، س۔ن

سوانح: مختصر کتاب 1947ء سے قبل شائع ہوئی۔ (حوالہ:2)

559۔ غریب لڑکے جو نامور ہوئے: سالک، عبدالجید (مرتب)

ترجمہ: شاہد احمد دہلوی

لاہور: اردو پریس، 1948ء

صفحات: 256

سوانح: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 13، 14، 16)

560۔ سائم، (ڈاکٹر) جے: ملکہ معظمہ وکٹوریہ

ترجمہ: تیج رام، لالہ

لکھنؤ: مفید عام پریس، 1907ء

ص: 427

سوانح: برطانیہ کی ملکہ کے حالات زندگی (حوالہ: 14)

561۔ شاکر، جیمز: حیات پولوس

ترجمہ: علی بخش، جے

لاہور: ام مطبع ندارد، 1909ء

سوانح: حیات پال (پولوس) سے متعلق، انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 5)

562۔ سکو، ایڈورڈ: ابوریحان البیرونی

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: پیسہ اخبار پریس، س۔ن

سوانح: انگریزی سے ترجمہ۔ مشہور مسلمان دانشور کی حیات اور کارنامے (حوالہ 2، 10، 11)

563۔ سیاہ کارانِ اعظم

ترجمہ: تیرتھ رام فیروزپوری

لاہور: لکشمی اسٹیم پریس

سوانح خاکے۔ (حوالہ: 7)

564۔ شائیرز، ولیم۔ایل: ہٹلر کا عروج و زوال (3 جلدیں)

ترجمہ: غلام رسول مہر، مولانا

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، جون 1968ء

ص جلد اوّل: 496

ص جلد دوم: 604

ص جلد سوم: 619

سوانحی تاریخ۔ انگریزی سے امریکن کتاب کا ترجمہ (حوالہ:2، 17)

565۔ شریم، سٹیورٹ: ماؤزے تنگ

ترجمہ: انتظار حسین

لاہور: نگارشات، طبع اوّل 1966ء

سوانح/افکار: انگریزی سے ترجمہ۔ دوسری بار پیپلز پبلشنگ ہاؤس لاہور نے شائع کیا۔ (حوالہ.2، 10، 11)

566۔ شیکسپیئر

ترجمہ: صدیق کلیم، ڈاکٹر

لاہور: سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی گورنمنٹ کالج 1969ء

سوانح: ولیم شیکسپیئر کے حالات زندگی مع فہرست اصطلاحات (حوالہ.11، 13، 16)

567۔ عطیہ بیگم: اقبال

ترجمہ: ضیاء الدین احمد برنی

کراچی: اقبال اکیڈمی، 1956ء

شخص اور شاعر۔ عطیہ فیضی، ڈاکٹر محمد اقبال کی ہمعصر اور دوست تھیں نیز ہندوستان کے عالمی شہرت یافتہ مصور فیضی رحمٰن کی شریک حیات۔ اقبال کی شخصیت اور فن سے متعلق انگریزی سے ترجمہ۔ اقبال کی نظم '' کی گود میں بلّی دیکھ کر'' عطیہ فیضی سے متعلق ہے۔ شبلی نعمانی بھی عطیہ بیگم کو پسند کرتے تھے۔ (حوالہ.2، 13)

568۔ فریزیئر، جیمز: نادر شاہ

ترجمہ: حسن عابدی جعفری

کراچی: کراچی کتابخانہ، 1951ء

سوانح: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 10، 11)

569۔ فورسٹر، جین: ابراہام لنکن

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: ویسٹ پاک پبلشنگ کمپنی، 1950ء

سوانح: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ.2، 10، 11)

570۔ کارک، جی۔ گلین وڈ: تھامس الوا ایڈیسن

ترجمہ: مکین احسن کلیم

لاہور: یونائیٹڈ بک ڈپو لمیٹڈ بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

سوانح: 'T.A Edison' کا ترجمہ۔ اصل کتاب امریکہ سے شائع ہوئی تھی۔

571۔ کارنیگی، ڈیل: اُنتالیس بڑے آدمی

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: مکتبہ میری لائبریری

سوانح: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

572۔ کارنیگی، ڈیل: ابراہم لنکن

ترجمہ: سی۔ ایف رحمان

لاہور: میری لائبریری، 1984ء

ص: 292

سوانح: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 6)

573۔ کراسمین، رچرڈ: مایوس پجاری

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: ہوم لائبریری پبلی کیشنز، اردو بازار، س۔ن

سوانحی خاکے۔ آرتھر کوئسلر، رچرڈ رائیٹ، اگنا یستوں سیون، آندرے ژید اور اسٹیفن اسپنڈر کے سوانحی خاکے۔ (حوالہ 2)

مصنف نے کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ جب وہ شمالی ویلز میں آرتھر کوئسلر کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا تو ایک شام کوئسلر سے ہلکی پھلکی گفتگو کے بعد اس کتاب کو لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔

اس کتاب میں (1) آرتھر کوئسلر (مصنف: "Arrival and Departure"، "Scum of the earth"، "Darkness at Noon"،

"Insight and outlook" اور "The Yogi and the Commissar"

(2) اگنا یستوں سیون، مصنف: ناول "Fontamara" 1930ء

ناول "Bread and Wine" 1927ء، مکالمے:

"The School for Dictators" ناول 1938ء: ناول

"The Seed Beneath the Snow" 1940ء ڈرامہ:

"He did hide himself" اور "Native Son")

(3) رچرڈ رائیٹ، مصنف: "Black Boys, 'Uncle Toms children'، 'How Begger was Born' اور

'Native son'

(4) آندرے ژید۔ نوبل انعام یافتہ ادیب، مصنف: "Journal Less Nourritures terrestre."

(5) اسٹیفن اسپنڈر۔ جس کی نظمیں 1933ء میں شائع ہوئیں، ادبی تنقید کی اوّلین کتاب 1935ء میں چھپی جبکہ 'یورپ کی گواہی' نامی کتاب 1946ء میں شائع ہوئی۔ 'Collected Poetry' نظموں کا مجموعہ 1946ء کے بعد شائع ہوا۔

کتاب محولہ بالا اہم ناموں کی سوانح عمریوں پر مشتمل ہے۔

574۔ کرائف، پال۔ڈی: چند عظیم علمائے جراثیم

ترجمہ: عبدالحمید قریشی

کراچی: ایجوکیشنل ریسرچ اکیڈمی، 1960ء

ص: 436

سوانحی معلومات۔ انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 13، 16)

575۔ کسٹ، رابرٹ: وقائع رام چندر

ترجمہ: سورج بھان اجودھیا پرشاد

لاہور: نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1880ء

ص: 33

سوانحی وتعلیمات۔ رام چندر جی کے حالات وتعلیمات۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ. 14)

576۔ کسٹ، رابرٹ: وقائع بابا نانک

ترجمہ: سورج بھان، اجودھیا پرشاد

لاہور: نام مطبع ندارد، طبع اوّل: 1880ء

ص: 24

سوانح وتعلیمات۔ بھگتی تحریک کے اہم رکن بابا گرونانک کے حالات وتعلیمات۔ انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ. 14)

577۔ کورا، میسن: سقراط:

ترجمہ: صبیحہ حسن، آنسہ،

لاہور: اردو پریس، س-ن

ص: 2.8

سوانح وفلسفہ۔ انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

578۔ کین، ایچ۔بی: مہادیو جی سندھیا

ترجمہ: ایس۔اے سلام

حیدر آباد دکن: دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ

سوانح: انگریزی سے ترجمہ 1923ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 1، 2، 14)

579۔ کینڈی، جان: جرأت کے پیکر

ترجمہ: محمد مسعود

لاہور: آئینہ ادب، چوک انار کلی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

خاکے۔ امریکی سیاست دانوں کے شخصی خاکوں کا مجموعہ (حوالہ: 2، 12، 16، 17)

580۔ کیوری، ای: مادام کیوری

ترجمہ: ابوالحسن نغمی

لاہور: مجلس ترقی ادب: الائیڈ پریس: 1959ء

سوانح: مادام کیوری کی سب سے چھوٹی بیٹی کی تصنیف۔ پولینڈ کی سائنس دان مادام کیوری کے حالات اور سائنسی خدمات۔ (حوالہ: 2، 3، 10، 11)

581۔ گابا، کے۔ ایل: پروفٹ آف دی ڈیزرٹ

ترجمہ: محمد علی جعفری

لاہور: نواب پیلس، 1934ء

ص: 8

سیرۃ: انگریزی سے ترجمہ۔ یہ اس کتب کا اوّلین ترجمہ ہے۔ دوسرا ترجمہ احمد الدّین کا مکتبہ شاہکار لاہور نے 1976ء میں شائع کیا تھا جسے واضح طور پر اس ترجمے کا چربہ کہنا چاہیے۔ (حوالہ: 2، 5)

582۔ گابا، کے۔ ایل: پیغمبرِ صحرا

ترجمہ: احمد الدّین

لاہور: مکتبہ شاہکار، 1976ء

ص: 74

سیرۃ: انگریزی سے ترجمہ۔ اس کتاب کا اہم ترجمہ محمد علی جعفری کا ہے جو 1934ء میں شائع ہوا۔ اس ترجمے کو اس کا چربہ کہا جا سکتا ہے۔ (حوالہ: 2)

583۔ گالٹ، ٹام: آئینِ جواں مردی

ترجمہ: آفتاب احمد

کراچی: اردو اکیڈمی سندھ

سوانح: پیٹر رینجر کی داستانِ حیات۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 16)

584۔ گراہم، سٹیفن: سٹالن

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل

سوانح: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:7)

585۔ گراہم، سٹیفن: سٹالن

ترجمہ: محمد آصف علی

دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ

سوانح: انگریزی سے ترجمہ۔ لاہور سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس کتاب کا اوّلین ترجمہ تیرتھ رام فیروز پوری نے کیا تھا۔ روس کے مردِ آہن کی سوانح ہے۔ (حوالہ:2،7)

586۔ گیری بالڈی

ترجمہ: لاجپت رائے

لاہور: لاجپت رائے، س۔ن

سوانح: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:7)

587۔ گریفن، (سر) ایل: سوانح عمری رنجیت سنگھ

ترجمہ: مولوی فاروق

حیدرآباد دکن: دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ

سوانح: انگریزی سے ترجمہ 1923ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:1،2)

588۔ گریفن، (سر) ایل: رنجیت سنگھ

ترجمہ: لطیف احمد

سوانح: پنجاب کے سکھ حکمران کے حالات۔ انگریزی سے ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ.4)

589۔ گریفن، (سر) ایل: رنجیت سنگھ

ترجمہ: مظفر حسین فاروقی

حیدرآباد دکن: دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ: دارالطبع سرکار عالی،

سوانح: 'رنجیت سنگھ' کا انگریزی سے ترجمہ، تاریخ وسوانح (حوالہ·9)

590۔ لاجپت رائے، لالہ: آریہ سماج کی تاریخ

ترجمہ: کشور سلطان

نئی دہلی: ترقی اردو بورڈ، طبع اوّل 1977ء

ص: 252

سوانح و تعلیمات۔ 'اے ہسٹری آف آریہ سماج' کا ترجمہ۔ سوامی دیانند کی سوانح اور تعلیمات سے متعلق۔ کتاب پر نظر ثانی سری رام شرما نے کی ہے۔ ضمیمے بھی شامل کئے گئے ہیں۔ سماجی مقاصد اور نصب العین، آریہ سماج کی ''شدھی تحریک'' اور آریہ سماج کی تنظیم وغیرہ موضوعات۔ (حوالہ:15)

591۔ لارسن: وہ لوگ جنہوں نے دنیا بدل ڈالی

ترجمہ: غلام رسول مہر، مولانا

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

ص: 269

سوانحو کام۔ موجدین اور ان کی ایجادات سے متعلق۔ (حوالہ:17)

592۔ لنڈن بی جانسن

ترجمہ: مکین احسن کلیم

لاہور: آئینہ ادب

سوانح: امریکی صدر کے حالات زندگی۔ انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ۔13، 16)

593۔ لوڈوگ، ایمائل: ابراہیم لنکن

ترجمہ: بدرالاسلام فاضلی، محمد

لاہور: یونائیٹڈ بک ڈپو لمیٹڈ

سوانح: انگریزی سے ترجمہ۔ دوسری بار میری لائبریری لاہور نے شائع کیا۔ (حوالہ۔2، 17)

594۔ لیڈوف، پی: تانیا

ترجمہ: ساحر لدھیانوی

لاہور: مکتبہ اردو سرکلر روڈ۔1942ء

سوانحی خاکہ/تقریر/روداد (حوالہ:2)

یہ ترجمہ مشہور ترقی پسند شاعر اور مجلّہ ''سویرا''، لاہور کے مدیر ساحر لدھیانوی کا ہے۔ کتاب میں 'لینن کے پرچم تلے' کے عنوان سے پی۔لیڈوف کے دیباچہ کے ساتھ تانیا (ایک سوانحی خاکہ)، ایک ریڈیائی تقریر اور محاذِ جنگ سے ایک خط شامل کتاب ہیں۔

'تانیا' اس کتاب کی خاص تحریر ہے۔ افسانوی انداز میں لکھی گئی، ایک اٹھارہ سالہ انقلابی لڑکی کی کہانی، جسے دسمبر 1941ء کے ابتدائی ایام میں جرمنوں نے گاؤں پیٹرو شکوف میں پھانسی دے دی۔ 'تانیا' سے اقتباس ملاحظہ ہو:

''تانیا بغیر کسی جھجک کے بلند اور واضح آواز میں افسر کے سوالوں کا جواب دے رہی تھی۔
'تم کون ہو؟'
'میں نہیں بتاؤں گی۔'
'کل تم نے ہمارے اصطبلوں میں آگ لگائی تھی؟'
'ہاں'
'تم نے ایسا کیوں کیا؟'
'تمہارے ذخائر برباد کرنے کے لئے۔'
ایک لمحہ کے لئے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔''
(ص:15، 16 سے اقتباس)

595۔ لین پول، اسٹینلے: اورنگ زیب
ترجمہ: لطیف احمد، محمد
لکھنؤ: نولکشور، 1900ء
سوانح: عالمگیر کے دور کے جائزے کے ساتھ۔ اس کتاب کا ایک اور ترجمہ محمد معین الدین نے کیا تھا۔
(حوالہ 2، 4، 10، 11)

596۔ لین پول، اسٹینلے: اورنگ زیب
ترجمہ: معین الدین، محمد
لکھنؤ: تاجرِ کتب 1902ء
سوانح وتاریخ۔ اس کتاب کا اوّلین ترجمہ محمد لطیف احمد نے نولکشور لکھنؤ کے لئے 1900ء میں کیا تھا۔(حوالہ 1، 2، 10، 11)

597۔ لین پول، اسٹینلے: مسلمان شاہی خاندان اور ان کے سلسلے
ترجمہ: محمد عبدالرحمٰن
حیدر آباد دکن: رفیق مشین پریس
ص: 364
سوانحی معلومات وکارنامے۔ انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 10، 11)

598۔ لینن کے بارے میں
ترجمہ: حبیب الرحمٰن
ماسکو: دارالاشاعت ترقی،
ص: 229

سوانح: لینن سے متعلق سوانحی معلومات (حوالہ: 13، 16)

599۔ مآثر النساء

ترجمہ: تفضل حسین، منشی سیّد

آگرہ: آگرہ اخبار، س۔ن

ص: 247

سوانح: مشہور عالم خواتین کے حالات۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 9، 14)

600۔ محمد توفیق: کمال اتاترک

ترجمہ: کرم الٰہی خاموش

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

ص: 368

سوانح: اصل کتاب امریکہ سے شائع ہوئی۔ (حوالہ: 2، 17)

601۔ مرسکی: لینن

ترجمہ: محمد اشرف، ڈاکٹر

لاہور: مکتبہ اردو سرکلر روڈ، 1946ء

سوانح: انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ اصل کتاب روسی زبان میں ہے۔ (حوالہ 2)

602۔ مزدوروں کا پیغمبر

ترجمہ: ہردیال

لاہور: لاجپت رائے، 1939ء

سوانح: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

603۔ مشاہیر عالم

ترجمہ: کے۔اے حمید

لاہور: جوبلی کتب خانہ، 1939ء

سوانح: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

604۔ مشاہیر عالم کی داستان مصیبت

ترجمہ: آتش گوجرانوالیہ

لاہور: پنجاب آرٹ پریس،

سوانح: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

605۔ مغرب کی عیش پرست عورتیں

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: کتاب محل، س۔ن

سوانح/ خاکے، انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:7)

606۔ مکے، ایم۔اے: نٹشے

ترجمہ: مظفر الدین ندوی، سیّد

اعظم گڑھ: نام مطبع ندارد

سوانح و فلسفہ۔ اس جرمن فلاسفر کا نام ڈاکٹر محمد اقبال نے سب سے پہلے اپنی تحریروں میں لیا اور وہیں سے اردو میں نام کا غلط تلفظ عام ہوا۔ اس نام کا درست تلفظ 'نیچے'' ہے۔ (حوالہ:2)

607۔ مورلینڈ، ڈبلیو۔ایچ: شیر شاہ سُوری اور اس کا عہد

ترجمہ: رام آسرے شرما

نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، 1981ء

ص: 704

سوانحی تاریخ۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 15)

608۔ مون، ای۔پی: وارن ہیسٹنگز اور انگریزی راج

ترجمہ: اولاد علی گیلانی، سیّد محمد

لاہور: کتاب منزل

ص: 386

سوانحی تعارف اور پالیسی سے متعلق تفصیلات (حوالہ:5)

609۔ میلی سن، (کرنل) جی۔بی: لارڈ کلائیو

ترجمہ: لطیف احمد، محمد

سوانح: ہندوستان میں انگریزی حکومت کے بانی کے حالات۔ انگریزی سے ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:4)

610۔ میلی سن، (کرنل) جی۔بی: اکبر

ترجمہ: لطیف احمد، محمد

سوانح: انگریزی سے ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:4)

611۔ میمنتھ ناتھ دت: راہنمایانِ ہند

ترجمہ: نارائن پرشاد مہر

علی گڑھ: علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس، 1918ء
سوانحی خاکے۔ انگریزی سے ترجمہ۔ دوسری بار انجمن نے 1933ء میں شائع کیا۔ شری کرشن، شنکر اچاریہ، رامانند اور بھگت کبیر کے حالات وتعلیمات پر۔ (حوالہ:2، 10)

612۔ نارتھ، سٹرلنگ: ابراہام لنکن
ترجمہ: حامد حسن قادری
کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، س۔ن
ص: 220
سوانح: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 16)

613۔ ٹلسن ترجمہ: امجد حسین خاں
دہلی: کمال ہند برقی پریس
سوانح: (حوالہ:7)

614۔ وارشلوف، مارشل: سٹالن
ترجمہ: ن۔ن
لاہور: مکتبہ اردو سرکلر روڈ، س۔ن
سوانحی خاکہ۔ ترجمہ 1947ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:2)

615۔ وان تروئی، نگوین: مقتل کو چلا
ترجمہ: بدرالسلام بٹ
لاہور: پیپلز پبلشنگ ہاؤس، انارکلی، س۔ن
سوانح: جنوبی چین کے ایک جری نوجوان کی کہانی جسے امریکی سامراج نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جنوبی ویت نام کی نجی اور اجتماعی زندگی اور نفسیات پر امریکی اثرات کا مطالعہ۔ (حوالہ 2، 10، 11)

616۔ وِل ڈیوراں: داستانِ فلسفہ
ترجمہ: عابد علی عابد، سیّد
لاہور: مکتبہ اردو
سوانح وافکار۔ دنیا کے پانچ جلیل القدر فلسفیوں سے متعلق۔ (حوالہ:13، 16)

617۔ وویکانند: میرا رہبر
ترجمہ: بشیر احمد صدیقی
لاہور: آزاد ہند پریس، س۔ن

سوانح: 'My Master' کا ترجمہ۔ (حوالہ:2)

618۔ ہٹلر اعظم

ترجمہ: چندر شیکھر شاستری

دہلی: سیاسی لٹریچر کمپنی، 1938ء

سوانح و سیاسیات۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:7)

619۔ ہٹن، ڈبلیو۔ ایچ: سوانح عمری ولزلی

ترجمہ: شوکت، ایم

حیدر آباد دکن: دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ

سوانح: لارڈ ولزلی کی سوانح کا انگریزی سے ترجمہ (حوالہ 1، 2)

620۔ ہرش، ایڈورڈ: ہنری ویڈز ورتھ لانگ فیلو

ترجمہ: نجمہ فاروقی

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

سوانح: تعارفی کتابچہ۔ شخصیت اور فن سے متعلق۔ (حوالہ:2، 10، 11، 17)

621۔ ہنٹر، ڈبلیو۔ آر: سوانح عمری ڈلہوزی

ترجمہ: احمد، ایس۔ ایم

حیدر آباد دکن: دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ (حوالہ:1، 2)

622۔ ہجنگ، اندولال۔ کے: پیر سابرمتی

ترجمہ: ظفر احمد انصاری، مولانا

دہلی: دانش محل، 1943ء

سوانح/تبصرہ۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 10، 11)

ooo

623۔ آرویل، جارج: گدھا، گھوڑا اور لیڈر

ترجمہ: وزیر علی

لاہور: وین گارڈ دی مال، 1984ء

تمثیلی قصہ: ناول ''اینیمل فارم'' سے ماخوذ و ترجمہ۔ اس تمثیلی قصہ/ ناول کا بہت عمدہ ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ''جانورستان'' کے عنوان سے کیا تھا۔ (حوالہ:6)

624۔ از عالم بالا

ترجمہ: سرشار، رتن ناتھ

نام مطبع ندارد، 1889ء

قصہ: (حوالہ:1،2)

625۔ امتحانِ وفا

ترجمہ: مسعود حسن رضوی ادیب، پروفیسر

تمثیلی قصہ: انگریزی سے ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:4)

626۔ ڈے، ٹامس: ہسٹری آف سینڈفورڈ اور مرٹن

ترجمہ: بابو شو پرشاد

بنارس: نام مطبع ندارد، 1855ء

تمثیلی قصہ: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ 1،2)

627۔ ڈیفو، ڈینیئل: بزرگ رابنسن کروسو

ترجمہ: ن۔ن

بنارس: نام مطبع ندارد، 1862ء

قصہ: 'Robinson Crusoe' کا پہلا اردو ترجمہ۔ (حوالہ:1،2)

628۔ ڈیفو، ڈینیئل: واقعاتِ رابنسن کروسو

ترجمہ: ن۔ن

بنارس: نام مطبع ندارد، 1877ء

قصہ: 'Robinson Crusoe' کا ترجمہ۔ اس کتاب کے 'بزرگ رابنسن کروسو' اور 'رابنسن کروسو' کے نام سے دو دیگر ترجمے بھی ملتے ہیں۔ (حوالہ:2،1)

629۔ ڈیفو، ڈینیئل: رابنسن کروسو

ترجمہ: ن۔ن

قصہ: انگریزی سے ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:4)

630۔ ڈیفو، ڈینیئل: رابنسن کروسو

ترجمہ: ندیم،م

نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، س۔ن

ص: 80

قصہ: 'Robinson Crusoe' کا ترجمہ۔ اس کتاب کا قدیم ترین اردو ترجمہ 1862ء کا ہے 'بزرگ رابنسن کروسو' کے عنوان سے بنارس سے شائع ہوا۔ (حوالہ:2،15)

631۔ رسکن، جان: مجسمۂ وفا

ترجمہ: شوکت حسین، سیّد

نام مطبع و سنہ ندارد،

قصہ: رومانی قصے کا انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2،5)

632۔ سوئفٹ، جوناتھن: بالشتیوں کی دنیا

ترجمہ: سیّد فخرالدین

کلکتہ: مطبع ہند 17 ساگردت لین، 1938ء

تمثیلی قصہ/فینٹسی۔ 'Gulliver's Travels' کا اوّلین اردو ترجمہ۔ م۔ندیم کا ایک ترجمہ اس کے علاوہ ہے۔(حوالہ.2،5)

633۔ سوئفٹ، جوناتھن: للی پٹ کا سفر

ترجمہ: م۔ندیم

نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، طبع دوم: 1983ء

تمثیلی قصہ/فینٹسی۔ 'Gulliver's Travels' کا ترجمہ۔ (حوالہ.15)

634۔ لقمان، حکیم: قصص مشرقی

ترجمہ: جان گلکرسٹ، ڈاکٹر

کلکتہ: فورٹ ولیم کالج، 1803ء

تمثیلی قصّے: یونانی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ 1،2)

635۔ گے: فیبلس

ترجمہ: راجہ کالی کرشنا بہادر

کلکتہ: نام مطبع ندارد، 1836ء

تمثیلی قصّے: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 1،2)

636۔ مُور، تھامس: لالہ رخ

ترجمہ: ل۔احمد اکبر آبادی، (لطیف الدین احمد)

لکھنؤ: نگار بک ایجنسی طبع اوّل: 1922ء

منظوم قصّہ: یہ ترجمہ نثر میں ہے اور بالاقساط 'نگار' 1922ء میں شائع ہو چکا۔ طبع دوم: کتب خانہ علم و ادب دہلی اور طبع سوم: آئینہ ادب لاہور 1967ء۔ 'Lalla Rookh: An Oriental Romance' کا ترجمہ۔ (حوالہ 2،10،11)

آئرش شاعر لارڈ بائرن کا معاصر اور قریبی دوست تھامس مُور (پ: ڈبلن آئرلینڈ 1779ء م: لندن 1852ء) رومانی تحریک کے اہم شاعروں میں سے ایک تھا۔ سوائے اِس کے کہ 1803ء میں اُس نے شمالی امریکہ کا سفر کیا یا 1817ء میں پیرس، فرانس میں چند دن گزارے۔ وہ مستقل طور پر لندن، برطانیہ میں ہی رہا لیکن اُس کی جنوبی ایشیا سے محبت کی یادگار مثنوی ''لالہ رُخ'' (Lalla Rookh: 1817) ہے۔

یوں تو تھامس مُور نے 1800ء میں یونانی شاعر انکریون کی غنائی نظموں کا انگریزی ترجمہ کیا، 34-1807ء میں 'Insh Melodies' کے عنوان سے آئرستان کی 130 نظموں کو انگریزی قالب عطا کیا جن میں: 'The Harp that Once Through Tara's Halls'، 'TheMinstrel Boy' اور 'Epicurean' نمایاں ہیں، 1818ء میں ایک طنزیہ 'The Fudge Family In Paris' تحریر کیا، 1827ء میں آئرلینڈ کی تاریخ رقم کی اور 1830ء میں لارڈ بائرن کی سوانح لکھی لیکن اسے سب سے زیادہ شہرت مثنوی ''لالہ رُخ'' لکھنے سے ملی۔ جسے پہلی بار تین ہزار گنی کی رائلٹی ادا کر کے لانگ مین گرین اینڈ کمپنی برطانیہ نے 1817ء میں شائع کیا تھا۔

ل۔احمد اکبر آبادی کے اس ترجمہ سے پہلے نادر کاکوروی 'لالہ رُخ' کی آخری مثنوی 'لائف آف دی حرم' کا ترجمہ نظم میں پیش کر چکے ہیں، جبکہ ضامن کنتوری نے مکمل ترجمہ نظم میں کیا تھا۔ 'لالہ رُخ' (ترجمہ: ل۔احمد اکبر آبادی) کے دیباچہ میں نیاز فتح پوری لکھتے ہیں:

> ''لالہ رُخ چونکہ اس کی انتہائی عروج ذہنیت کی پیداوار تھی اس لئے وہ اس کی قوت شاعری کی ایک مرموز صورت (Symbol) بن گئی۔ یہاں تک کہ اب جب ''لالہ رُخ'' کا نام لیا جاتا ہے تو فوراً مُور کا نام بھی زبان پر آ جاتا ہے۔''

مُور نے اس مثنوی میں فرامرز کی زبان سے چار کہانیاں کہلوائی ہیں جنھیں ایک حد تک تاریخی پس منظر کا حامل کہا جا سکتا ہے۔ ان میں 'مقنع' اور 'نورمحل' بہت نمایاں ہیں۔ 'آتش پرستانِ فارس' محض ایک رومان ہے جبکہ مثنوی 'پری دروازۂ بہشت' یکسر تخیلی چیز ہے۔

نیاز فتح پوری کی رائے میں:

''مُور کی یہ تصنیف اگر نثر میں ہوتی تو شاید اس کے ترجمے میں اتنی زحمت نہ ہوتی لیکن چونکہ نظم ہے، اس لئے تخیل کی نزاکتیں اس میں ازحد دقیق و پیچیدہ ہو گئی ہیں۔''

تھامس مُور کی اس مثنوی کی شہرت کا باعث کہانی کا ایشیاء کی سرزمین سے متعلق ہونا ہے۔مشرق کی رومان پرور فضا نے اہل مغرب کے دل موہ لئے۔مثنوی کا آغاز وادئ کشمیر کی ایک گہری جھیل کے بارے میں معلومات مہیا کرنے سے ہوتا ہے۔یکلخت تھامس مور کا طلسم بولنے لگتا ہے:

ویران کھنڈر سے نکل کر ایک نحیف و نزار درویش یہ بتاتا ہے کہ یہ سامنے 'لالہ رُخ' کا باغ ہے۔

اُس وقت فضا میں فرامرز (مثنوی کا ہیرو) کے نغموں کی گونج ابھرتی ہے۔قاری یوں محسوس کرتا ہے جیسے لالہ رخ یہیں کہیں موجود ہے اور اپنے خوبصورت چہرے پر نقاب ڈالے، باغ کے کسی گوشے میں ان نغموں کو سن کر بیتاب ہوئی جا رہی ہے۔

اس کہانی کا آغاز عہدِ عالمگیری، گیارہویں سالِ جلوس سے ہوتا ہے جب خاندانِ زنج کا بادشاہ ملک عبداللہ ایشیائے کوچک سے ہوتا ہوا کشمیر کی وادیوں کی سیر کرتا دہلی پہنچتا ہے۔ہندوستان میں اس چند روزہ قیام کے نتیجہ میں ملک عبداللہ کے بیٹے کی نسبت اورنگزیب عالمگیر کی صاحبزادی لالہ رُخ سے ٹھہر جاتی ہے۔نیز یہ بھی طے پایا کہ مراسم عروسی کشمیر جنت نظیر میں ادا ہوں گی، پھر دولہا بخارا کی طرف سفر کر جائیں گے۔شاہِ بخارا نے جو خدام اور کنیزیں عروس کی معیت کے لئے روانہ کیں ان میں کشمیری مغنی فرامرز بھی تھا۔وہ ہر منزل پر لالہ رخ کو گا کر کہانیاں سناتا جاتا تھا۔

لالہ رُخ اس سے دل ہی دل میں محبت کرنے لگی اور بعد میں یہ راز کھلا کہ لالہ رُخ، جسے کشمیری مغنی سمجھ رہی تھی وہی دراصل اس کا شوہر اور بخارا کا والی ہے۔

مثنوی کی رومان پرور فضا بندی تھامس مور کے رومانی جوہر کو ظاہر کرتی ہے۔مثنوی کا ایک اہم کردار فضل الدین ناظر اعظم ہے جس کے حد درجہ خشک فلسفیانہ بیانات رومانوی فضا بندی کو توازن بخشتے ہیں۔

یہ کردار واشنگٹن اروِنگ کے افسانے 'Pilgrim of Love' کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔اس افسانے میں بھی بعینہٖ یہی صورت حال سامنے آتی ہے جب شہزادہ احمد کا بوڑھا اتالیق اسے عشق سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن شہزادہ بچ نہیں سکتا اور اسی عشقِ ناہنجار کے سبب 'مجنوں' کہلاتا ہے۔ترجمہ سے نمونہ ملاحظہ ہو:

> شاہزادی کی نہایت محبوب کنیز ایک ایرانی خادمہ تھی جو اکثر شاہزادی کو بسترِ خواب پر اپنے لطیف گیتوں سے سلانے کی کوشش کیا کرتی تھی۔یہ کنیز اپنے نشہ آور لحن میں کبھی تو وامق و عذرا کا فسانۂ عشق سنایا کرتی تھی اور کبھی شیریں و فرہاد کی داستانِ محبت۔مگر اب لالہ رخ کو اس کے افسانوں میں بھی کوئی لطف نہ آتا تھا۔دورانِ سفر بعض اوقات کرشن کے پجاریوں نے شوالوں کی مغنیہ مُرلیوں کو بھی شاہزادی کا جی بہلانے کے لئے بھیجا، مگر لالہ رخ کے تکدر کو یہ بھی دور نہ کر سکیں اور قیام کی گھڑیاں تو خصوصیت کے ساتھ بے مزہ گزرنے لگیں۔

تھامس مُور نے مثنوی کا آغاز علامتی انداز سے کیا ہے۔وادی کشمیر کی ایک گہری جھیل کے کنارے ویران کھنڈر سے نکل کر

ایک نحیف و نزار درویش یہ بتاتا ہے کہ یہ سامنے لالہ رُخ کا باغ ہے۔ تب فضا میں مُغنی فرامرز کے نغموں کی گونج اُبھرتی ہے اور قاری یوں محسوس کرتا ہے جیسے یہیں کہیں لالہ رُخ چہرے پر نقاب ڈالے باغ کے کسی گوشے میں بے قراری سے گھوم رہی ہے۔

اس محبت کا یہ المیہ انجام کیسے اور کیوں کر ہوا؟ اس موضوع پر کبھی کسی نے قلم نہیں اُٹھایا۔ کسی مؤرخ نے کچھ نہیں لکھا۔ دور جدید میں بھی کسی محقق یا نقاد نے یہ نہیں بتایا کہ آخر ہوا کیا؟ تھامس مُور کی 'انگریزی مثنوی ''لالہ رخ'' کے اردو مترجمین میں نادر کاکوروی، ضامن کنتوری اور لطیف الدین احمد (ل احمد اکبر آبادی) کے نام ملتے ہیں، وہ بھی اس ضمن میں خاموش ہیں جب کہ نیاز فتح پوری جیسا بے باک محقق اور نقاد بھی ل۔ احمد اکبر آبادی کے اردو ترجمے کو ''نگار'' لکھنؤ بابت: 1922ء میں بالاقساط شائع کرتے ہوئے اِس حوالے سے کچھ نہیں لکھتا۔ یہاں تک کہ ''لالہ رخ'' (اردو ترجمہ) مطبوعہ نگار بک ایجنسی لکھنؤ طبع اول: 1922ء کا دیباچہ از نیاز فتح پوری بھی اِس ضمن میں خاموش ہے۔ شاید اِس کی یہ وجہ ہو کہ انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ شہزادی لالہ رخ کہاں مدفون ہے اور مدفن سے متعلق قدیم علاقائی روایات کیا ہیں۔

مغلیہ عہد سے متعلق لالہ رخ کا مزار حسن ابدال میں ہے۔ شیر شاہ سوری روڈ (حال جی ٹی روڈ) پر واقع ایک قدیمی بستی حسن ابدال کے عین وسط میں ایک وسیع چبوترہ لالہ رخ کا مدفن ہے جس کے گرد کبھی ایک وسیع و عریض باغ ہوا کرتا تھا۔ سکھوں کے روحانی پیشوا اور ''گرنتھ صاحب'' کے خالق بابا گورونانک کی بیٹھک اُسی باغ میں تھی۔

اب لالہ رُخ سے منسوب چبوترے پر قبر کے کوئی آثار نہیں۔ چبوترہ قدِ آدم کے برابر ہے۔ قدیم علاقائی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ لالہ رخ نامی ایک لڑکی مغل شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کے غضب کا شکار ہو کر اس چبوترے میں زندہ درگور ہوئی۔ یہ انجام اس سے قبل مغل شہنشاہ اکبر اعظم کی ایک کنیز انارکلی دیکھ چکی تھی۔ مغلیہ دور کے مورخین تو اس ضمن میں خاموش ہیں لیکن اگر حسن ابدال میں سینہ در سینہ چلتی ہوئی اس روایت کو تھامس مور کی مثنوی ''لالہ رخ'' سے ملا کر کوئی نتیجہ نکالنا چاہیں تو یہی معلوم ہو گا کہ مغنی فرامرز کو لالہ رخ کی طرح شہنشاہ اورنگ زیب بھی محض ایک مغنی ہی سمجھا جب کہ وہ بخارا کے حکمران ملک عبداللہ کا بیٹا تھا جس سے شہزادی لالہ رخ کا بیاہ کشمیر میں ہونا تھا۔ یعنی ایک ادنیٰ مغنی سے محبت کرنے کی پاداش میں شہزادی لالہ رخ زندہ درگور ہوئی۔

637۔ واشنگٹن، اورنگ: الحمرا

ترجمہ: غلام عباس

لاہور: دارالاشاعت پنجاب، 1839ء

قصے: اس کتاب کے دیگر دو ترجمے سیّد وقار عظیم اور سردار علی علوی نے کیے۔ (حوالہ: 7)

638۔ واشنگٹن، اروِنگ: قصص الحمراء

ترجمہ: وقار عظیم، سیّد

لاہور: آئینہ ادب،

قصے: ان قصوں کے مزید دو ترجمے دستیاب ہیں جنہیں غلام عباس اور سردار علی علوی نے ترجمہ کیا۔

(حوالہ: 2، 10، 11)

639۔ واشنگٹن، اورنگ: الحمرا کی داستانیں

ترجمہ: سردار علی علوی

لاہور: ویسٹ پاک پبلشنگ کمپنی، س۔ن

قصے: دیگر دو ترجمے غلام عباس اور سیّد وقار عظیم نے کیے۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

640۔ ویلز، ایچ۔ جی: بے بس سائنسدان

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: ویسٹ پاک پبلشنگ کمپنی گلبرگ، س۔ن

تمثیلی قصہ/سائنس فکشن: 'Invisible Man' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

O O O

کہانی

641۔ اسٹیونسن، رابرٹ لوئی: قصرِ ساحل

ترجمہ: عبدالمجید سالک، مولانا

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسۂ فرینکلن،

کہانیاں. (بچوں کے لئے) امریکی کہانیاں، انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 17)

642۔ اسٹیونسن، رابرٹ لوئی: راجا کا ہیرا

ترجمہ: عبدالمجید سالک، مولانا

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسۂ فرینکلن

کہانیاں: (بچوں کے لئے) انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 17)

643۔ اسٹیونسن، رابرٹ لوئی: خودکشی کی انجمن

ترجمہ: عبدالمجید سالک، مولانا

لاہور: نام مطبع ندارد بہ اشتراک موسسۂ فرینکلن

کہانیاں: انگریزی سے ترجمہ۔ بچوں کے لئے (حوالہ: 2، 17)

644۔ اشرف صدیقی و میریلین سرچ: پاکستان کی لوک کہانیاں

ترجمہ: احمد ندیم قاسمی

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسۂ فرینکلن

ص: 232

کہانیاں و تمثیلی قصے۔ بیشتر کہانیاں مزاحیہ ہیں۔ ندیم نے ترجمہ کرتے ہوئے نظموں کا ترجمہ نظم میں کیا ہے۔ مصور ایڈیشن ہے۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

645۔ اکیس کہانیاں

ترجمہ: عبدالحیات بدایونی

دہلی: ساہتیہ اکیڈمی، 1962ء

ص: 447

کہانیاں: 21 کہانیوں کی انتھالوجی (حوالہ: 2، 9)

646۔ ایلین، جے۔ سی: ہندوستان کی تاریخی کہانیاں

ترجمہ: لالہ موہن لال

بمبئی: لانگ مین گرین اینڈ کو، 1916ء

کہانیاں: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 1، 2)

647۔ اینڈرسن: اینڈرسن کی کہانیاں

ترجمہ: ریاض جاوید

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسۂ فرینکلن

کہانیاں/ حکایات۔ انگریزی سے ترجمہ۔ اصل کتاب امریکہ سے شائع ہوئی۔ (حوالہ: 2، 17)

648۔ بنگالی کہانیاں

ترجمہ: راجیشور ناتھ زیبا

لاہور

کہانیاں: بنگلہ زبان سے ترجمہ بیشتر کہانیاں انگریزی کی معرفت ترجمہ ہوئیں۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

649۔ پوشکن، الگزینڈر: چند ہم عصر

ترجمہ: ابوالقاسم

ماسکو: ادارۂ نشریا بزبانہائے خارجی، 1947ء

کہانیاں/ مضامین۔ روسی زبان سے براہِ راست ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

650۔ پوشکن، الگزینڈر: تابوت ساز اور دوسری کہانیاں

ترجمہ: مجتبائی عباس

لاہور: ادارۂ ادبیاتِ نو، 1958ء

افسانے/ کہانیاں۔ روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

651۔ پوشکن، الگزینڈر: منتخب تصانیف نظم و نثر

ترجمہ: ظ۔انصاری

ماسکو: دارالاشاعت ترقی، س۔ن

ص 352

کہانیاں/نظمیں۔ روسی زبان سے براہِ راست ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

652۔ پوشکن، الگزینڈر: حکم کی بیگم

ترجمہ: ظ۔ انصاری

لاہور: ادارۂ ادبیات نو، 1963ء

افسانے/ کہانیاں۔ یہ ترجمہ دوسری بار سندھ ساگر اکیڈمی لاہور نے شائع کیا۔ روسی زبان سے براہ راست ترجمہ، ظ۔انصاری نے پوشکن کی کہانیوں کا ایک مجموعہ ''ایوان بیکن کی کہانیاں'' کے عنوان سے بھی ترجمہ کیا۔(حوالہ: 2، 10، 11)

653۔ پورٹر، ایلینز۔ ایچ: پولیانا

ترجمہ: فہمیدہ نیاز احمد

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، 1964ء

ص: 328

کہانی: انگریزی سے ترجمہ اصل کتاب امریکہ سے شائع ہوئی۔ (حوالہ: 2، 17)

654۔ ٹالسٹائی، کاؤنٹ۔ لیو: کہانیاں

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: ویسٹ پاک پبلشنگ کمپنی گلبرگ 2، س۔ن

کہانیاں: انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

655۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: ٹیگور کی دلچسپ کہانیاں

ترجمہ: عشرت رحمانی

لاہور: فیروز پرنٹنگ ورکس، 1940ء

کہانیاں: (بچوں کے لیے) اصل کہانیاں بنگلہ زبان میں ہیں، انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ 7)

656۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: ٹیگور کی کہانیاں

ترجمہ: ن۔ن

امرتسر: کنول بک ڈپو، 1942ء

کہانیاں: بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ:7)

657۔ چین کی بہترین کہانیاں

ترجمہ: انصاری، ظ

دہلی: مکتبہ شاہراہ، 1954ء

کہانیاں: چینی کہانیوں کا انتخاب و ترجمہ۔ انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ 2، 10، 11)

658۔ چینی کہانیاں

ترجمہ: محمد یونس حسرت

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسۂ فرینکلن

ص: 72

کہانیاں: اصل کتاب امریکہ سے شائع ہوئی۔ انگریزی سے ترجمہ ہے۔ (حوالہ 2، 17)

659۔ دیس دیس کی کہانیاں

ترجمہ: اطہر پرویز، ڈاکٹر

نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، 1980ء

ص: 35

کہانیاں: بچوں کے لئے، انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 15)

660۔ راسپ، روڈلف اریک: کارنامے تیس مار خان کے

ترجمہ: ابن انشاء

کراچی: نام مطبع ندارد

کہانیاں: امریکی کتاب کا انگریزی سے ترجمہ (بچوں کے لئے) (حوالہ 2، 10، 11)

661۔ رینالڈز، ولیم۔ایم: رینالڈس کی کہانیاں

ترجمہ: گردھاری لال، پنڈت

لاہور: قدیمی کتب خانہ،س۔ن

جاسوسی کہانیاں: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:7)

662۔ سچا خواب اور دوسری کہانیاں

ترجمہ: سیّدہ نسیم ہمدانی

لاہور: بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

ص: 84

کہانیاں: (بچوں کے لئے) یہ کتاب ممبران چائلڈ سٹڈی ایسوسی ایشن، امریکہ نے مرتب کی ہے۔(حوالہ:2، 17)

663۔ جاپانی لوک کہانیاں

انتخاب وترجمہ:شفیع عقیل

کراچی: انجمن ترقی اردو (پاکستان)

کہانیاں: جاپانی کہانیوں سے انتخاب وترجمہ (حوالہ:14)

664۔ فرض شناس بیٹی اور دوسری کہانیاں

ترجمہ: سیّدہ نسیم ہمدانی

لاہور: بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

ص: 81

کہانیاں: (بچوں کے لئے) کتاب چائلڈ سٹڈی ایسوسی ایشن امریکہ نے مرتب کی ہے۔انگریزی سے ترجمہ۔ سیّدہ نسیم ہمدانی، محمد حسن عسکری کی شاگردہ تھیں۔ ترجمہ انتہائی عمدہ ہے۔ یقیناً ترجمے پر عسکری صاحب کا قلم بھی لگا ہوگا۔ (حوالہ 2، 17)

665۔ فریڈرک، ایوی ایلن: تغیرِ عظیم

ترجمہ: خالد لطیف

لاہور: آئینہ ادب، چوک مینار

کہانیاں: امریکی کہانیوں کے مجموعے 'The Big Change' کا ترجمہ۔ (حوالہ:13، 16)

666۔ فیرس، ہیلن: پھول کی پتی، ہیرے کا جگر

ترجمہ: بلال احمد زبیری

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسۂ فرینکلن، 1961ء

ص: 336

کہانیاں: پاکباز اور بہادر دوشیزاؤں کی جانبازی کے قصے (حوالہ 2، 16، 17)

667۔ قصور کس کا ہے؟ اور دوسری کہانیاں

مرتب: چائلڈ سٹڈی ایسوسی ایشن، امریکہ

ترجمہ: سیّدہ نسیم ہمدانی

لاہور: بہ اشتراک موسسۂ فرینکلن

کہانیاں: (بچّوں کے لئے) انسانی رسوم و رواج سے متعلق چھ سبق آموز امریکی کہانیوں کا مجموعہ۔ اصل کتاب امریکہ سے شائع ہوئی۔ (حوالہ:2، 16، 17)

668۔ کوٹس ورتھ، الزبتھ: بوڑھا بگولا

ترجمہ: عبدالمجید سالک، مولانا

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسۂ فرینکلن

ص: 40

کہانیاں: (باتصویر) بچوں کے لئے بارہ سالہ ڈیوی کراکٹ کی کہانی جو ایک اکھڑ اور بے رحم گلہ بان کے ہاں ملازم تھا۔ (حوالہ:2)

669۔ کورلینڈر، ہیرلڈ: سورج کے ساتھ ساتھ

ترجمہ: عشرت رحمانی

لاہور: گوشۂ ادب، بہ اشتراک موسسۂ فرینکلن

ص: 310

لوک کہانیاں: اقوام متحدہ کے ساٹھ ممالک کی لوک کہانیوں کا انتخاب۔ (حوالہ 2، 17)

670۔ کولوری، کارلو: پنّاکو کے کارنامے

ترجمہ: سعید لخت

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ (پاکستان)، س۔ن

کہانیاں: (بچوں کے لئے) انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2، 10، 11)

671۔ لاسن، رابرٹ: ناشکرا خرگوش

ترجمہ: اشرف صبوحی

لاہور: مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ: بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، س۔ن

ص: 88

کہانیاں: (بچوں کے لئے) امریکی کہانیوں کا مجموعہ۔ (حوالہ: 2، 17)

672۔ لوہشون: ایہہ کیو کی سچی کہانیاں

ترجمہ: ہنس راج رہبر

دہلی: مکتبہ شاہراہ، 1953ء

کہانیاں: چینی افسانہ نگار کی کہانیوں کا ترجمہ (حوالہ: 2، 9)

673۔ لوہشون: آج چاند روشن ہے

ترجمہ: نصریٰ فاطمہ

راولپنڈی: آئی شو پبلشرز، طبع اوّل 1984ء

ص: 608

کہانیاں: چینی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ: 6)

674۔ ملک ملک کی لوک کہانیاں

ترجمہ: ریاض جاوید

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن،

ص: 232

لوک کہانیاں: مختلف ممالک کے لوک ادب سے انتخاب و ترجمہ۔ اصل کتاب امریکہ سے شائع ہوئی۔ (حوالہ 2، 17)

675۔ وارڈ، لینڈ: بڑا ریچھ

ترجمہ: اشرف صبوحی دہلوی

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

کہانیاں: باتصویر کہانی (بچوں کے لئے) اصل کتاب امریکہ سے شائع ہوئی۔ (حوالہ 2، 17)

676۔ وائس گارڈ، لیونارڈ: نٹ کھٹ ہاتھی بچہ

ترجمہ: سیّدہ نسیم ہمدانی

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

ص: 40

کہانیاں: باتصویر کہانی (بچوں کے لئے) اصل کتاب امریکہ سے شائع ہوئی۔ (حوالہ 2، 17)

677۔ ہارتھارن، نتھینئل: حیرتناک کہانیاں

ترجمہ: شاہد احمد دہلوی

کراچی: ساقی بکڈپو، طبع اوّل: مئی 1955ء

ص: 368

کہانیاں: 'A wonder Book' مطبوعہ 1852ء امریکہ کا ترجمہ۔ کہانیاں نفرت انگیز دیومالائی عناصر لئے ہوئے ہیں۔

(حوالہ: 2، 10، 11)

678۔ ہاتھارن، نتھینئل: انوکھی کہانیاں

ترجمہ: شاہد احمد دہلوی

لاہور: آئینہ ادب طبع اوّل 1957ء

ص: 169

کہانیاں: 'Tangle Wood Tales' مطبوعہ 1853ء امریکہ کا ترجمہ۔ غمناک، تکلیف دہ اور نفرت انگیز واقعات پر مشتمل دیومالائی عناصر لئے ہوئے کہانیاں۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

ooo

مضمون (انشا/ مزاح/ انشائیہ)

679۔ اروِنگ، واشنگٹن: خیالاتِ اروِنگ

ترجمہ: محمد یحییٰ تنہا، مولوی

دہلی: جامعہ ملیہ پریس، 1928ء

مضامین: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 2،5،9،16)

680۔ افلاطون: مقالاتِ افلاطون

ترجمہ: محمد حسن، سیّد

نام مطبع ندارد

مضامین: یہ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 1،2)

681۔ ایمرسن: ایمرسن کے مضامین

ترجمہ: وقار عظیم، سیّد

لاہور: آئینہ ادب بہ اشتراک موسسۂ فرینکلن

تنقید/ فلسفہ/ مذہب/ الٰہیات اور تصوّف پر مضامین (حوالہ: 2،17)

682۔ برگساں: نفسیاتِ خواب

ترجمہ: ولی الرحمٰن

تنقید/ تقریر۔ مسئلہ خواب کی فلسفیانہ تشریح۔ جرمن زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ اس کتاب کا ایک ترجمہ عبدالمالک آروی نے بھی کیا ہے۔ (حوالہ: 4)

683۔ بیکن، فرانسس: مضامینِ بیکن

ترجمہ: سائیں داس

راولپنڈی: نام مطبع ندارد، 1891ء

مضامین: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 1،2)

684۔ تانگ، لن۔یو: جینے کی اہمیت

ترجمہ: مختار صدیقی

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسۂ فرینکلن، طبع اوّل: 1956ء

انشا پردازی: چینی فلسفی کی کتاب 1937ء میں طبع ہوئی تھی۔ انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 17)

چینی فلسفی ڈاکٹر لن۔ یو۔ تانگ کی یہ تصنیف زندگی کے الجھاووں کا نفسیاتی تجزیہ پیش کرتی ہے۔ پہلی بار کتاب چینی زبان میں 1937ء میں شائع ہوئی۔ دوسری جنگ عظیم اس کتاب کے ٹھیک دو برس بعد چھڑ گئی۔ یعنی ڈاکٹر لن جب زندگی کا مفہوم بیان کر رہے تھے تو عالمی سطح پر اسلحہ کے کارخانے دن رات اسلحہ سازی میں مصروف تھے۔ جنگ کے دوران میں بزدلی اور شجاعت کی ایسی ایسی محیر العقول مثالیں سامنے آئیں کہ جینے کا مفہوم ہی بدل گیا۔ لن۔ یو۔ تانگ اس تمام عرصے میں بیکار نہیں رہے بلکہ انہوں نے جنگ کے ہنگامہ خیز چھ برسوں میں جینے کے عملی فلسفے کو اپنا موضوع بنایا اور حقیقی زندگی کے معنی متعین کرنے کی کوشش کی۔ اس ضمن میں ان کی دیگر تصانیف یادگار ہیں۔

'جینے کی اہمیت' میں زندگی سے متعلق جن اہم پہلوؤں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

انسان کیا ہے؟ ہمارا حیوانی ورثہ، انسانیت پرستی، زندگی سے کون زیادہ حظ اٹھا سکتا ہے؟ زندگی کی نعمتیں، فراغت کے مزے، گھر گرہست کے مزے، خدا سے ناتا، جینے کے مزے، فطرت کے مزے، سفر کے مزے، ثقافت کے مزے، سوچنے کا فن اور زندگی کا مقصد...... جینا۔

کتاب میں لن۔ یو۔ تانگ کا اچھوتا طرز تحریر ایک خاص طرح کا نشاطیہ آہنگ لئے ہوئے ہے، جسے مختار صدیقی نے بڑی محنت کے ساتھ اردو میں منتقل کرنے کی سعی کی ہے۔

ترجمہ کرتے وقت مختار صدیقی نے حواشی بھی لکھے ہیں اور دیگر چینی شاعروں اور مفکروں (خصوصاً یوآن، چنگ لان اور یوآن ست سائی وغیرہ) کے حوالوں کے ساتھ ورڈز ورتھ، ہربرٹ سپنسر، آسکر وائلڈ اور چارلس لیمب جیسے یورپی اور امریکی اُدباء اور یونان کے ارسطو اور افلاطون کے نظریات بھی شامل کتاب کر دیئے ہیں۔ منثور ترجمے سے ایک مثال دیکھئے۔

''ایک شخص دوزخ میں تھا۔ اس کے آواگون کا وقت آ چکا تھا۔ اس نے خدائے تناسخ سے کہا: ''اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں ایک بار پھر آدمی کی شکل میں دنیا کو جاؤں تو میری چند شرطیں ہیں۔''

خدائے تناسخ نے پوچھا، وہ کیا شرطیں ہیں بھائی؟ اس نے جواب دیا، شرط یہ ہے کہ اب کے میں ایک وزیر کے یہاں جنم لوں اور میرے یہاں جو بیٹا پیدا ہو وہ ایک 'ادبی دھوکا' ہو۔ یعنی وہ ایسا ہو کہ قومی امتحانات میں اوّل نمبر پر آئے۔ میرے گھر کے اردگرد دس ہزار ایکڑ زرخیز زمین ہو۔ گھر کے پہلو میں مچھلیوں کا تالاب ہو، پائیں باغ میں ہر قسم کے پھلوں کے درخت ہوں، مجھے ایک نہایت خوبصورت بیوی دی جائے اور میرے لئے ماہ پیکر کنیزیں ہوں جو سب کی سب مجھ سے والہانہ محبت کرتی ہوں۔ یہ شرائط سننے کے بعد خدائے تناسخ نے جواب دیا: ''بھائی اگر زمین پر ایسی زندگی ممکن ہو تو خود جا کر یہ زندگی اختیار کروں۔ تمہیں بھلا ایسی زندگی میں کیوں دینے لگا؟''

کتاب میں شامل نظموں اور اشعار کا ترجمہ مختار صدیقی صاحب نے نظم میں ہی کیا ہے جس کی دو ایک مثالیں دیکھئے:

(1) عمر آدمی سے زیادہ گزری!

'نصف' کا لفظ بھی کیا چیز ہے
معنی کے طلسماتِ نہاں ہیں اس میں

(ص:306 سے اقتباس)

(2) اب سُوئے وطن جاتا ہوں میں...... میری کھیتی ہے اجاڑ،
میری پھلواری بھی ہے ویران، کیوں نہ اپنے وطن جاؤں؟
میں نے خود اپنی روح کو اپنے جسم کا چاکر بنایا تھا،
اب پشیمانی ہو کیوں؟

اور ماتم ہو تو کیسا؟

(ص:216 سے اقتباس)

لن۔یو۔تانگ کی اس تصنیف میں چائے اور تمباکو نوشی کے باب میں انشائیہ کا رنگ نمایاں ہے۔ چائے کی کشید کے بارے میں مصنف کی نازک خیالیاں ملاحظہ ہوں، یہاں مصنف نے چائے کی خصوصیات کو صنفِ نازک کی نازک مزاجیوں سے باہم ایک کر دیا ہے۔

> پہلی کشیدگی کو سیزدہ (13) سالہ لڑکی سے تشبیہ دی جاتی ہے مگر دوسری کشید کو سولہ (16) برس کی میٹھی عمر کی دوشیزہ کہا جاتا ہے اور تیسری کشید کو پوری عورت کے مشابہ قرار دیا جاتا ہے۔ ویسے اہل ذوق اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ انہیں پتیوں سے تیسری بار بھی چائی کشید کی جائے، مگر آخر 'عورت' (تیسری کشید) کے ساتھ بھی تو لوگ زندگی بسر کرتے ہیں۔

لن۔یو۔تانگ شراب نوشی اور منشیات کے باب میں سٹالن، ہٹلر اور مسولینی کو مثالی انسان کہتے ہیں، محض اس لئے کہ وہ نشہ آور اشیاء کا استعمال نہیں کرتے تھے۔ لیکن انشائیہ کی ترنگ جب غلبہ پاتی ہے تو وہ لکھتے ہیں:

> پی کر جو اعتماد اور آزادی کا احساس پیدا ہوتا ہے وہ تخلیق کیلئے بہت معاون اور ضروری ہوتا ہے۔

(ص: 425 سے اقتباس)

685۔ ٹوئن، مارک: حواء، آدم اور شیطان
ترجمہ: منظور ممتاز
لاہور: ممتاز پبلی کیشنز، 1923ء
مزاح: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2، 10، 11)

686۔ ٹوئن، مارک: ٹام سائر کی مہمات
ترجمہ: انصار ناصری
لاہور: مکتبہ میری لائبریری، س۔ن
مزاح: مزاحیہ ناول کا انگریزی سے ترجمہ

مارک ٹوئین امریکہ کے اہم ادیبوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کی رسمی تعلیم پانچویں جماعت سے زیادہ نہ تھی لیکن اسے مطالعے کا بہت شوق تھا۔ اس کے گھر میں کتابیں ہر جگہ بکھری رہتی تھیں۔ کتابوں کے انبار دیکھ کر اس کے ایک دوست نے کہا: ''جب تم اتنی کتابیں رکھتے ہو تو ایک شیلف بھی رکھ لو۔ مارک نے اپنے دوست کو جواب دیا:

''کسی سے کتابوں سمیت شیلف بھی مانگ لینا اتنا آسان تو نہیں۔''

مارک ٹوئین ناول نگار، مضمون نگار اور سفرنگار کی حیثیتوں سے جانا جاتا ہے لیکن وہ سب سے زیادہ ایک مزاح نگار کی حیثیت سے اہم ہے۔ اُس کے مزاح کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اُس کا مزاح قہقہہ آفریں نہیں تبسم انگیز ہوتا ہے۔ اس کا مزاح ہنسانے سے زیادہ چونکاتا ہے۔

مارک ٹوئین کے بارے میں نظیر صدیقی نے بہت عمدہ مضمون لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مارک ٹوئین کو ساری دنیا جانتی ہے اور سیموئل لینگ ہورن کلیمنز (Samuel Langhorn Clemens) کو شاید ہی کوئی جانتا ہو حالانکہ یہ ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔

کلیمنز تند و مزاج، لامذہب، کھیلوں کا گرویدہ فضول خرچ، جذباتی، توہم پرست، مضحکہ خیز ہونے کی حد تک جانباز اور بہادر تھا۔ اس کی مشہور و مقبول کتاب "The Adventures of Tom Sawyer" میں ٹام سائر نام کا لڑکا یہی سیموئل کلیمنز تھا۔ اس کی ذات میں کئی طرح کے تضادات موجود تھے۔ ایک ایسا آزاد خیال جس نے بیک وقت ایک نہایت رجعت پسند کروڑ پتی سرمایہ دار اور ایک پادری سے ساری زندگی دوستی نبھائی۔

اس سیموئل کلیمنز کے بالمقابل مارک ٹوئین ایک باشعور فنکار تھا۔ اپنی شہرت سے بیزار، باتونی اور کبھی بالکل کم سخن اور حد درجہ قنوطی ہونے کے علاوہ مشہور طنز نگار سوئفٹ کی طرح تنک چڑھا اور ناامید تھا۔

اپنی شخصیت کے اس پہلو کے زیر اثر اس نے جو کچھ لکھا وہ اُس وقت تک دنیا کے سامنے نہ آیا جب تک کہ وہ اپنی موت سے قریب نہ آ گیا۔

سیموئل کلیمنز اور مارک ٹوئین کے درمیان ہمیشہ ایک کشمکش رہی۔ اسی اندرونی اُلجھاوے نے اُس سے "Life on the Mississippi"، "Adventures of Huckleberry Fin"، "The Adventure of Tom Sawyer" جیسی عظیم کتابیں لکھوائیں۔ تو خیر ہے ہی اہم کتاب لیکن "Huckleberry Fin" بھی مارک ٹوئین کی سب سے عظیم ناول مانی جاتی ہے۔

نوبل پرائز پانے والے امریکی ناول نگار ہیمنگوے کا یہ قول بہت مشہور ہے کہ ''تمام جدید امریکی ادب مارک ٹوئین کی ایک کتاب 'ہکل بری فن' سے پیدا ہوا ہے۔''

ٹی۔ ایس ایلیٹ نے کہا ہے کہ ہکل بری فن' لکھتے وقت مارک ٹوئین کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی عظیم کتاب لکھ رہا تھا۔

جبکہ ایف آر لیوس نے کہا ہے کہ 'ہکل بری فن' مارک ٹوئین کا عظیم کارنامہ ہے۔ یہ ایک عظیم امریکی کلاسیک ہے۔

ایف۔ آر لیوس امریکی نقاد ''برنارڈ ڈی ووٹو'' کو، مارک ٹوئین کا سب سے اہم نقاد تسلیم کرتا ہے۔ 'برنارڈ ڈی ووٹو' کا کہنا ہے کہ ''ہکل بری فن' میں ایک عظیم فنکار کا اظہار ملتا ہے۔ اس عظیم فن کار کے لئے زندگی جو معنی رکھتی تھی اس کا کامل بیان اس کتاب میں موجود ہے۔

الیف۔ آر لیوس کے نزدیک 'ہکل بری فن'، مہذب انسان کا ایک گہرا مطالعہ ہے۔' امریکی نقاد رچرڈ چیز (Richard Chase) کا خیال ہے کہ اس کتاب میں پڑھنے والوں کے لئے جو چیز سب سے زیادہ دلچسپی کا باعث ہے وہ اِس کتاب کی زبان ہے۔

ناقابل بیان تشدد اور بے رحمی، دھوکے بازی اور تصنع، کمینگی اور شرافت، غرور اور خاکساری، لطاف اور مضحکہ خیزی، یہ تمام چیزیں دریا کا سفر کرتے ہوئے ناول کے ہیرو 'ہک' پر نمائندہ واقعات کے ذریعے منکشف ہوتی ہیں۔ یہ وہی دریا دریائے مسی سی پی ہے جس کا مارک ٹوئین کے تخیل پر گہرا اثر رہا ہے۔ یہ دریا اس کے یہاں فطرت اور فطرت کے اندر خدا کی علامت بن گیا ہے۔ مارک ٹوئین کے اس شہکار یعنی 'ہکل بری فن' میں حقیقت نگاری بھی ہے، فینٹیسی بھی، طنز بھی، دیومالا بھی اور انسان کے بارے میں المناک علم بھی۔

مارک ٹوئین کے ناول 'ہکل بری فن' کے بعد اس کی سب سے اہم کتاب "The Adventures of Tom Saywer" ہے۔ اردو میں اس کتاب کا ترجمہ انصار ناصری نے کیا۔

''ٹام سائر'' کے بعد مارک ٹوئین کی سب سے اہم کتاب 'دریائے مسی سی پی' سے متعلق "Life on the Missisippe" مانی جاتی تھی لیکن دنیا میں دو نقاد ایسے بھی ہیں جو 'ہکل بری فن'' کے بعد مارک ٹوئین کے ناول "Puddenhead Wilson" کو اہمیت دیتے ہیں ان میں سے ایک تو انگریز نقاد الیف۔ آر لیوس ہے اور دوسرا امریکی نقاد لیزلی فیڈلر (Lesli Feidler) ہے۔

اس کے علاوہ مارک ٹوئین کی کتاب "A Connecticut Yanki Arthar's Court" بھی اس کی اہم کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔

مارک ٹوئین 30 نومبر 1835ء کو پیدا ہوا تھا۔ اس نے 21 اپریل 1910ء کو وفات پائی۔ جب وہ بارہ سال کا تھا تو باپ کی وفات کے باعث اس کی رسمی تعلیم کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ زندگی کے آخری پندرہ سولہ سال کو چھوڑ کر اس کی تمام زندگی سخت جدوجہد میں گزری۔ 1895ء اور 1896ء میں قرض سے نجات حاصل کرنے کے لئے وہ عالمی دورے پر نکلا۔ اسے اپنے مقصد میں کامیابی ضرور ہوئی لیکن اس کی غیر حاضری میں اس کی سب سے چہیتی اولاد، اس کی بیٹی سوسائی (Susai) کا انتقال ہوگیا۔ اس زمانے سے لے کر آخر تک مارک ٹوئین کی زندگی عالمی سطح پر شہرت اور ذاتی الیے کا ایک عجیب وغریب مجموعہ رہی۔ اس دوران میں اس کی بیوی اور ایک اور بیٹی کا انتقال ہوگیا۔ لیکن یہی وہ زمانہ بھی ہے جب اُس پر اعزازات کی بارش ہونے لگی۔ ییل یونیورسٹی نے اسے 1888ء میں ایم اے اور 1901ء میں ایل ایل ڈی کی ڈگری عطا کی۔ 1902ء میں اوکسفرڈ یونیورسٹی نے اسے دوبارہ اس اعزاز سے نوازا جس پر اسے بے حد فخر رہا۔

مارک ٹوئین کی ظاہری شہرت اس کی باطنی کیفیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ دنیا کے اس عظیم مزاح نگار کو دنیا کی چیزیں ہنسانے والی نہیں، رلانے والی معلوم ہوتی تھیں۔ ایک جگہ مارک ٹوئین نے کہا ہے کہ ''ہر انسانی چیز رقت انگیز ہے، خود مزاح کا پوشیدہ سرچشمہ خوشی نہیں غم ہے۔ جنت میں کوئی مزاح نہیں ہے۔''

اس کی دو مشہور تحریریں ''آدمی کیا ہے؟'' اور ''وہ آدمی جس نے ہیڈل برگ کو خراب کیا'' اس کی مردم بیزاری اور نسل انسانی پر اس کی برہمی کا اظہار ہیں۔ ٹوئین کا خیال ہے کہ ''ذاتی مفاد اور ذاتی پسندیدگی انسانی کردار کے بنیادی سرچشمے ہیں خواہ وہ کتنی ہی ہوشیاری کے ساتھ اپنے آپ کو عزت، انسانی ہمدردی، ایثار اور محبت کے پردے میں کیوں نہ چھپائیں۔

مارک ٹوئین کے مزاح میں سوئفٹ کی سی تلخی تھی۔ اس کی کہانی "A Connecticut Yanki in King Arthur's Court" جمہوریت

کا مطالعہ اور انسانی حماقت پر شدید حملہ ہے۔ اسی کہانی میں مارک ٹوئین نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ تمام نسلِ انسانی اس قابل ہے کہ اسے تختہ دار پر لٹکا دیا جائے۔

بقول نظیر صدیقی:

''اپنے اِن شدید خیالات کے باوجود مارک ٹوئین ادب کے قارئین میں ہمیشہ مقبول رہے گا خصوصاً اپنے ناول 'ہکل بری فن' کی وجہ سے جو بظاہر شیخ سعدی کی ''گلستان'' اور سوئفٹ کی "Gulliver's Travels" کی طرح بچوں کی کتاب ہے، لیکن فی الحقیقت بڑوں اور ذہنی بالغوں کے لئے لکھی گئی ہے۔''

سیّد انصار ناصری کے ترجمہ کردہ ناول: "The Adventures of Tom Sawyer" کے بارے میں مارک ٹوئین نے مختصر سے دیباچے میں لکھا ہے کہ

''گو یہ کتاب خاص طور پر لڑکے لڑکیوں کو خوش کرنے کے لئے لکھی گئی ہے لیکن مجھے امید ہے کہ عورتیں اور مرد بھی محض اس بنا پر اس سے پرہیز نہیں کریں گے۔''

اس کتاب میں چار خاص کہانیاں ہیں۔ پہلی کہانی ٹام اور بیکی کی ہے۔ دوسری اہم کہانی جیکسن کے ان کارناموں کی ہے جو وہ ایک جزیرے میں انجام دیتا ہے۔ تیسری کہانی ''ٹام'' ہک اور لف پورٹر کی ہے۔ چوتھی کہانی مدفون خزانے اور اجن جو کی ہے۔ یہ چاروں کہانیاں مارک ٹوئین کے بچپن اور اُس کے دوستوں سے متعلق ہیں۔

یہ ناول دراصل بچپن کی دنیا کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ ٹام، اس دنیا کی تخلیق کرتے ہوئے یہ دکھاتا ہے کہ لڑکا ہونے کے معنی کیا ہیں، لڑکا کس طرح عمل کرتا ہے، وہ کن کاموں کے خواب دیکھتا ہے اور اس کے اندیشے کیا ہوتے ہیں۔ شرارت بچپن کا لازمی جزو ہے اور اس ناول میں بچپن کی شرارت کے دلچسپ واقعات ہیں۔ اسی طرح بچے کے من پسند تصورات اور ڈراؤنے توہمات بھی بچپن کی دنیا کا خاص حصّہ ہیں۔

مارک ٹوئین کا یہ ناول اس کے دیگر ناولوں کی طرح زبان و بیان کے اعتبار سے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

مارک ٹوئین کا مزاح اور طنز تو اس ناول کا ایک نہایت اہم پہلو ہے۔ مارک ٹوئین نے مزاح پیدا کرنے کے لئے مختلف طریقوں سے کام لیا ہے۔ مثلاً کہیں مبالغے سے اور کہیں اچانک انکشاف سے۔ اشخاص اور اقدار پر تنقید کرنے کے لئے ٹوئین نے طنز کا استعمال کیا ہے۔ انصار ناصری کے اِس ترجمے کی خوبیوں کا اندازہ ایک مختصر سے اقتباس سے کر لیجئے۔

جج تھیچر نے ٹام کے بارے میں بڑی اچھی رائے قائم کی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ کوئی معمولی ذہنیت کا لڑکا ان کی بیٹی کو غار سے نہیں نکال سکتا تھا۔ جب بیکی نے اپنے والد کو بتایا کہ ٹام نے اس کے بدلے کیسے مار کھائی تو وہ بہت خوش ہوئے اور پھر جب اس نے بتایا کہ ٹام نے جھوٹ بول کر الزام اپنے اوپر لے لیا تھا تو جج نے کہا کہ یہ جھوٹ واشنگٹن کے کلہاڑی والے سچ کے شانہ بشانہ دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ سربلند رہے گا۔ بیکی نے اپنی زندگی میں اپنے والد کو اتنا باوقار اور عظیم نہیں دیکھا جتنا وہ ٹہل ٹہل کر اپنے پیر جما جما کر یہ باتیں کہتے وقت نظر آتے تھے۔ وہ سیدھی ٹام کے پاس پہنچی اور ساری باتیں اسے بتادیں۔

(حوالہ: 2، 10، 11)

687۔ جانسن، ڈاکٹر و دیگر: نیرنگِ خیال (حصہ اوّل و دوم)

ترجمہ: آزاد، محمد حسین

لاہور: مفیدِ عام پریس، جلد اوّل، طبع اوّل: 1880ء

طبع دوم: 1883ء

انشائی ادب/ انشائیے۔ جلد دوم وکٹوریہ پریس لاہور، طبع اوّل: 1923ء

حصہ دوم آغا محمد باقر کے دیباچے اور اضافے کے ساتھ شائع ہوئی۔ یہ کتاب نایاب ہوگئی تھی۔ مجلس ترقی ادب، لاہور نے اب شائع کر دی ہے۔

ڈاکٹر محمد صادق کی تحقیق کے مطابق اس کتاب کی دونوں جلدوں میں ڈاکٹر جانسن، ایڈیسن، پارنل وغیرہ کے مضامین کا بغیر نام لئے ترجمہ کیا گیا ہے۔ (حوالہ: 2، 11)

''نیرنگ خیال'' (حصہ اوّل اور حصہ دوم) دونوں بڑی تقطیع 22× 18 /8 پر چھپی ہیں۔ حصہ اوّل میں محمد حسین آزاد کا لکھا دیباچہ 18 صفحات پر مشتمل ہے جبکہ بقیہ مواد کل 98 صفحات پر محیط ہے۔ طبع دوم، کل 104 صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسرے ایڈیشن میں 'ہائے مخلوط' کے علاوہ 'ہائے لٹکن' کا استعمال کیا گیا ہے۔ ترمیم شدہ 'نیرنگ خیال' کے مسودہ کو سیّد محمد سالم مینیجر آزاد بک ڈپو کی فرمائش پر رفاہ عام سٹیم پریس لاہور نے شائع کیا تھا۔ اس پر سنہ طباعت 1913ء درج ہے جبکہ اسے کاٹ کر 1914ء کی مہر ثبت کی گئی ہے۔ 20ویں صدی میں چھپنے والے دیگر ایڈیشنوں پر سنہ طباعت درج نہیں۔ بعد میں چھپنے والے چھوٹی تقطیع کے ایڈیشن زیادہ تر جمال پریس دہلی، کریمی پریس لاہور اور خواجہ باقی پریس دہلی سے شائع ہوئے ہیں۔ ان نسخوں کے سرورق پر ناشر کے طور پر آزاد بکڈپو کوچہ چیلاں، دہلی یا آزاد بک ڈپو اکبری منڈی، لاہور درج ہے۔

'بیان مافی الضمیر' کے عنوان کے تحت محمد حسین آزاد لکھتے ہیں:

> اللہ اللہ عجب عالم ہے۔ علوم وفنون کی فصل بہار پر ہے۔ لیپل گریفن صاحب بہادر کشور پنجاب کے سکرتر اعظم ہیں۔ کرنیل ہالرائڈ صاحب بہادر تعلیم پنجاب کے ڈائریکٹر ہیں۔ میں نے ڈائریکٹر صاحب کی قدردانی سے بہت کتابیں لکھیں کہ ہزاروں چھپ گئی ہیں اور ہندوستان کے گھر گھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ مگر یہی پہلی کتاب ہے کہ اپنے دل کے ذوق سے لکھتا ہوں اور شوق سے چھپواتا ہوں۔

'نیرنگ خیال' میں سوائے 'شہرت عام اور بقائے دوام کا دربار' کے تمام مضامین انگریزی مضامین سے ترجمہ ہیں۔ جن کی تفصیل ڈاکٹر محمد صادق کی تحقیق کے مطابق درج ذیل ہے، جبکہ 'شہرت عالم اور بقائے دوام کا دربار' ایڈیسن کے مضمون سے ماخوذ کہا جاسکتا ہے۔

حصہ اوّل

1۔ 'آغاز آفرینش میں باغ عالم کا کیا رنگ تھا اور رفتہ رفتہ کیا ہو گیا۔'

'An Allegorical History of rest and Labour.' Dr. Johnson.

2۔ 'سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ'

'Truth, Falsehood and Fiction, and Allegory.' Dr. Johnson.

3۔ 'گلشنِ امید کی بہار'

The Garden of Hope ' Dr. Johnson.

4۔ 'انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا۔'

'The Endeavour of Mankind to get rid of their burdens.' Addison.

5۔ 'سیر زندگی'

'The Voyage of Life.' Dr. Johnson.

6۔ 'علوم کی بدنصیبی'

The Conduct of Patronage.' Dr. Johnson.

7۔ 'علمیت اور ذکاوت کے مقابلے'

'An Allegory of Wit and Learning.' Dr. Johnson.

8۔ 'شہرتِ عام اور بقائے دوام کا دربار'

'The Vision of the Table of Fame.' Addison.

حصہ دوم

9۔ 'جنت الحمقا'

'Paradise of Fools'

10۔ 'خوش طبعی'۔

'On True and False Humour.' Addison.

11۔ 'نکتہ چینی'۔

'An Allegory of Criticism.' Dr. Johnson.

12۔ 'مرقع خوش بیانی'

'Allegory of Several Schemes of Wit.' Addison ۔

13۔ 'سیرِ عدم' ایک مضمون جو 'The Spectator' میں چھپا۔

(آزاد: حیات و کارنامے''، (قلمی)، ص: 69، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، نیو کیمپس، لاہور)

688۔ کینڈی، جان: ایک صدر کی میراث

ترجمہ: حبیب اشعر دہلوی

لاہور: آئینہ ادب چوک انارکلی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

مزاج: مشہور امریکی شگفتہ نگار کی تحریر کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 17)

689۔ مجموعہ مضامین اسپکٹیٹر

ترجمہ: محمد مرتضیٰ علی

حیدرآباد دکن: تاج پریس، 1893ء

انگریزی مضامین کی انتھالوجی، (حوالہ: 8)

690۔ میریاین: کیسا باغ کیسی بہار

ترجمہ: جمیلہ ہاشمی وسعیدہ عروج

لاہور: اردو اکیڈمی سندھ، س۔ن

ص: 626

مضامین/ انشائیے۔ فرض اور محبت کی کشمکش کے علاوہ جذبۂ حب الوطنی اور رسوم و رواج کے بندھن مضامین کا موضوع خاص ہیں۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

ناول

691۔ آپنز، برونو: پھول اور سموم

ترجمہ: رضیہ سجاد ظہیر

لاہور: آئینہ ادب، 1965ء

ص: 444

ناول: جنگ کی نفسیات سے متعلق (حوالہ: 2، 9)

692۔ آپنہم، ای۔ فلپس: حورِ ظلمات

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل، طبع دوم: 1943ء

ناول: 'اے ڈالر آف آسٹریا' کا ترجمہ۔ آسٹریا کے ستارہ شناسوں سے متعلق۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 4، 7)

693۔ آپنہم، ای۔ فلپس: کرنی کا پھل

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

دہلی: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ص: 376

ناول: 'دی پیٹر اینڈ دی وومن' کا ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 4، 9)

694۔ آپنہم، ای۔ فلپس: سرائے والی

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

جالندھر: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

جاسوسی ناول: اسراری ناول کا ترجمہ 1944ء کے بعد شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

695۔ آرتھر، ولسن: آدم خور

ترجمہ: مظہر الحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، 1961ء

ص: 381

ناول: آدم خور شیروں سے متعلق۔ (حوالہ: 9، 10)

696۔ آرونز، ایڈورڈ۔ ایس: غدار جاسوس

ترجمہ: صدیق احمد

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Assignment To Treason' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

697۔ آرونز، ایڈورڈ۔ ایس: گھر کا بھیدی

ترجمہ: صدیق احمد

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Assignment White Rajah' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

698۔ آرونز، ایڈورڈ۔ ایس: ستاروں کی چوری

ترجمہ: صدیق احمد

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Stars Stealers' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

699۔ آرونز، ایڈورڈ۔ ایس: زہریلی گیس

ترجمہ: صدیق احمد

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Assignment Angelina' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

700۔ آرونز، ایڈورڈ۔ ایس: انقرہ کی مہم

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ، جولائی 1980ء

ص: 160

جاسوسی ناول: 'Assignment Ankara' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

701۔ آرونز، ایڈورڈ۔ ایس: بھیانک انتقام

ترجمہ: صدیق احمد

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Assignment Sorento Siren' کا ترجمہ۔ (حوالہ۔ 18)

702۔ آرویل، جارج: انیس سو چوراسی

ترجمہ: ابوالفضل صدیقی

کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، س۔ن

ص: 462

ناول: (فینٹسی) 1984 کا ترجمہ۔ ناول کا ایک اور ترجمہ سہیل واسطی نے کیا ہے۔ ایک ترجمہ گوپال متل نے بھی کیا ہے۔ سال 1984ء چڑھا تو پوری دنیا میں جارج آرویل کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ مضامین لکھے گئے اور سیمینارز کا انعقاد کیا گیا۔ نیز ہالی وڈ کے ہدایت کار مائیکل ریڈفورڈ نے اس ناول پر ایک فلم بھی بنائی: 1984ء میں۔ (حوالہ 12)

703۔ آرویل، جارج: انیس سو چوراسی

ترجمہ: سہیل واسطی

دہلی: نیشنل اکاڈمی۔ انصاری مارکیٹ دریا گنج، س۔ن

ص: 340

ناول: 1984ء کا باتصویر ترجمہ۔ ناول میں کیمونزم اور اشتراکیت کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اس ناول کا ایک عمدہ ترجمہ گوپال متل نے بھی کیا تھا۔ (حوالہ: 9)

704۔ آرویل، جارج: جانورستان

ترجمہ: جمیل جالبی

کراچی: مشتاق بک ڈپو، س۔ن

ص: 144

ناول: فینٹسی 'The Animal Farm' کا ترجمہ۔ دوسری بار مکتبہ نیا دور کراچی نے 300 صفحات میں شائع کیا۔
(حوالہ: 2، 10، 11)

705۔ آسکر وائلڈ: ڈورین گرے کی تصویر

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: بک لینڈ (حوالہ: 2، 10، 11)

706۔ آسکر وائلڈ: سلمٰی

ترجمہ: انصار ناصری

ناول: تخونیہ ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ 4)

707۔ آگی، جیمز: ایک مرگِ ناگہانی

ترجمہ: ابوضیاء اقبال

لاہور: تخلیق مرکز، 1968ء

ص: 356

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

708۔ آندریف، ل: پھانسی

ترجمہ: شاہد احمد دہلوی

دہلی: ساقی بک ڈپو، س۔ن

ناول: 'The Seven, Who Hanged' کا ترجمہ۔ ناول میں سات دہشت گردوں کی زندگی کی آخری رات کا احوال اہم ہے۔ ترجمہ کرتے وقت شاہد احمد دہلوی نے آندریف کے لہجے اور تکنیکی مہارت کو خوبی کے ساتھ اردو میں منتقل کیا ہے۔ ایک ایڈیشن فکشن ہاؤس، لاہور نے بھی شائع کیا ہے۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

ناول کے ترجمے سے نمونہ ملاحظہ ہو: ''وہ پردہ جس نے ابدیت میں رازِ زندگی اور رازِ موت چھپا رکھا تھا کسی گستاخ و بے ادب ہاتھ نے ایک دم سے ہٹا دیا تھا۔ اور راز راز نہیں رہے تھے۔ پھر بھی ناقابل فہم تھے جیسے کسی غیر زبان میں حقیقت لکھی ہو۔''

709۔ آندھی

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نیشنل لٹریچر کمپنی، 1943ء

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:7)

710۔ آنند، (ڈاکٹر) ملک راج: سات سال

ترجمہ: رضیہ سجاد ظہیر

نئی دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ، طبع اوّل 1962ء

ص: 366

ناول: ترقی پسند بھارتی ادیب ڈاکٹر ملک راج آنند کے مشہور انگریزی ناول 'Seven Summers' کا ترجمہ۔

(حوالہ 2،9)

711۔ آئینۂ عبرت

ترجمہ: محمود علی خاں

دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ، 1934ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:7)

712۔ اجالے کے دشمن

ترجمہ: ن۔ن

کراچی: ماہنامہ 'سی۔آئی۔اے' پرویز پبلی کیشنز، جمشید روڈ، کراچی۔5

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2)

713۔ احمد علی: دلّی کی شام

ترجمہ: بلقیس جہاں

کراچی: آکاش پریس، 1964ء

ناولٹ: 'Twilight In Delhi' کا ترجمہ۔ یہ ناول ہمارے ہاں ایم۔اے انگریزی کے نصاب میں بھی شامل رہا ہے۔

(حوالہ:2)

714۔ اسپلین، مکی: مگرمچھ کی تلاش

ترجمہ: ایف۔ایم۔صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز، کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The Big Kill' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

715۔ اسپلین، مکی: خوفناک سانپ

ترجمہ: ایف۔ایم۔صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز، کتاب گھر، اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'The Snake' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

716۔ اسٹوکر، بیرام: ڈراکیولا

ترجمہ: مظہرالحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو1923ء

ص: 551

ناول: عجیب وغریب واقعات سے معمور ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 9،10،11)

717۔ اسٹوو، لی لینڈ: یورپ لال شکنجہ میں

ترجمہ: ن۔ن

نئی دہلی: آدھنک ساہتیہ پرکاشن،1952ء

ص: 139

ناول: روسی اقتدار کے شکنجہ میں یورپی ممالک کی حالتِ زار کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ (حوالہ 9،0)

718۔ اسٹیونسن، آر۔ایل: خودکشی کی انجمن

ترجمہ: عبدالمجید سالک، مولانا

لاہور: 1926ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ 2)

719۔ اسٹیونسن، آر۔ایل: قصرِ ساحل

ترجمہ: عبدالمجید سالک، مولانا

لاہور: 1926ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2)

720۔ اسٹیونسن، آر۔ایل: راجا کا ہیرا

ترجمہ: عبدالمجید سالک، مولانا

لاہور: 1926ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ 2)

721۔ اسد مختار: بہنیں

ترجمہ: ن۔ن

دہلی: آزاد کتاب گھر، کلاں محل، 1963ء

ص: 638

ناول: ازبک ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ ناول میں 1917ء کے انقلاب میں ازبکستان کی عورتوں کی حالت بیان کی گئی ہے۔ (حوالہ:9)

722۔ اسکاٹ، (سر) والٹر: طلسمات

ترجمہ: عبدالحلیم شرر، مولانا

ناول: انگریزی سے 'The Talisman' کا ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:2، 5)

723۔ اسکاٹ، (سر) والٹر: ڈاکٹر کی بیٹی

ترجمہ: جے نرائن ورما

ناول: 'سرجنس ڈائز' کا ترجمہ۔ ناول میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور ٹیپو سلطان کے زمانے کے تاریخی حالات توجہ طلب ہیں۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:4)

724۔ اسکاٹ، (سر) والٹر: اوبینہ

ترجمہ: شاہدہ بیگم

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ پاکستان، س۔ن

ص: 214

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2، 10، 11، 16)

725۔ اسکاٹ، (سر) والٹر: بنتِ کلیسا

ترجمہ: مقصود رضا

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، پاکستان، س۔ن

ص: 230

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ اسکاٹ کے ردّ میں ہمارے ہاں عبدالحلیم شرر نے تاریخی ناول لکھے۔ (حوالہ.2، 10، 11)

726۔ اسمتھ، بھیٹی: صبح نشاط

ترجمہ: بی۔ایم بھلّہ

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی، نریندر پیلس، 1963ء

ص: 398

ناول: جس میں 20ویں صدی کی تیسری اور چوتھی دہائی میں امریکی زندگی کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

(حوالہ:9، 16)

727۔ اسمتھ، ولبر: سورج کا لہو

ترجمہ: مظہر الحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، 1978ء

ص: 598

جاسوسی ناول: انگریزی ناول کا ترجمہ۔ (حوالہ: 9، 16)

728۔ اسیرِ تقدیر

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: دائرہ ادبیہ، 1943ء

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 7)

729۔ اسیرِ ہوس

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

کراچی: ماہنامہ 'آتش' کچہری روڈ، اپریل 1954ء

ناول: یہ اسراری ناول تیرتھ رام فیروز پوری کی زندگی میں شائع نہ ہو سکا تھا بعد میں 'آتش' کراچی کے خصوصی شمارے میں شائع ہوا۔ (حوالہ: 6)

730۔ افسانۂ بنگال

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، 1913ء

افسانے: بنگال کے آٹھ افسانہ نگاروں کے آٹھ منتخب افسانوں کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ 4، 4)

731۔ افشائے راز

ترجمہ: غلام حسین خان

دہلی: محبوب المطابع، س۔ن

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ کتاب 1944ء سے قبل شائع ہوئی۔ (حوالہ 7)

732۔ الف لیلیٰ

ترجمہ: منشی عبدالکریم

کراچی: اردو اکیڈمی سندھ

داستان: انگریزی سے عربی داستان کا ترجمہ۔ (حوالہ: 13، 16)

733۔ الکاٹ، لوئز: ننھی بیبیاں

ترجمہ: حجاب امتیاز علی

لاہور: دارالاشاعت پنجاب، س۔ن

ناول: 'Little Women' کا ترجمہ۔ سنگ میل لاہور نے اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا ہے۔ (حوالہ: 2، 11)

734۔ الکاٹ، لوئیز: دھوپ چھاؤں

ترجمہ: اشرف صبوحی دہلوی

لاہور: دارالاشاعت پنجاب، 1959ء

ص: 512

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

735۔ الماس یعنی ہیروں کا بادشاہ

ترجمہ: غلام حسین پشاوری

جاسوسی ناول: ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 5)

736۔ امریکہ کی نازنین

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: کتب خانہ پیسہ اخبار، 1935ء

ناول: (حوالہ: 7)

737۔ انقلابِ زندگی

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل، س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ کتاب 1944ء سے قبل شائع ہوئی۔ (حوالہ: 7)

738۔ انقلابِ سمرنا

ترجمہ: ایم۔ جہانگیر

لاہور: جہانگیر بک ڈپو، 1940ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

739۔ انکل سام

ترجمہ: کنہیالال

لاہور: مرکنٹائل پریس، س۔ن

ناول: (حوالہ: 7)

740۔ انوکھی سازش

ترجمہ: ن۔ن

کراچی: ماہنامہ 'سی۔آئی۔اے پرویز پبلی کیشنز، جمشید روڈ۔ کراچی ۔5

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2)

741۔ انتھونی، لیوئس: آواز دو انصاف کو

ترجمہ: حبیب اللہ

اوج: بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 17)

742۔ اندور، ایس۔گائی: بھیڑیا

ترجمہ: مظہر الحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، 1963ء

ص: 458

جاسوسی ناول: انگریزی ناول جو ہیبت ناک درندگی کے واقعات سے معمور ہے، 'The Ware-Wolf of Paris' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 9، 10)

743۔ اونسٹوٹ، کیلے وہارنر، لانس: دامِ ہر موج

ترجمہ: مظہر الحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، 1977ء

ص: 758

ناول: عرب کے منظر نامے سے متعلق انگریزی ناول کا ترجمہ۔ کتاب میں نورالحسن ہاشمی، نسیم انہونوی، وارث علوی، اور معصوم بزودوی کے تاثرات بھی شامل اشاعت کئے گئے ہیں۔ (حوالہ 2، 9)

744۔ اوون، والٹر: رات گئی، دن نکلا

ترجمہ: بال کرشن

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی۔ تریندرا پیلس، س۔ن

ص: 532

ناول: امریکی زندگی کے بارے میں ایک معاشرتی ناول (حوالہ:9)

745۔ ایپروڈ، ایلن: لعلِ مقدس

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل، س۔ن

ناول: 'The Accused Prince' کا ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ دوسری بار یہ کتاب خالد بک ڈپو لاہور نے شائع کی۔ (حوالہ:2، 4، 7، 10، 11)

746۔ ایلن

ترجمہ: برکات حمد

ناول: انگریزی ناول 'ایلن' کا ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:4)

747۔ ایلن چیز، میری: بوسٹن کا سفر

ترجمہ: محمود نظامی

دہلی: شہزاد بک ہاؤس۔ ترکمان گیٹ دہلی 6، 1967ء

ص: 112

ناولٹ: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:9)

748۔ ایلیٹ، جارج: سائلاس مارنر

ترجمہ: محمد سعید

لاہور: معین الادب، 1961ء

ناول: 'Silas Marner' کا ترجمہ۔ مصنفہ کا اصل نام میری این ایونز ہے اور قلمی نام جارج ایلیٹ۔ (حوالہ:2، 10، 11)

749۔ اینا کسیانوفا: نئی صبح

ترجمہ: ل۔احمد اکبر آبادی

ماسکو: ترقی دارالاشاعت، 1946ء

ص: 184

ناول: روسی زبان سے براہ راست ترجمہ۔ (حوالہ:2، 10، 11)

750۔ اینڈرسن، اشروڈ: آخری سلام

ترجمہ: محمد حسن عسکری

لاہور: مکتبہ جدید: سویرا آرٹ پریس، 1948ء

ناول: 'Good Bye To Berlin' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

اس ترجمہ کی بابت خود محمد حسن عسکری لکھتے ہیں:

میرے بعض کرم فرما مجھ سے کہتے ہیں کہ میرا سب سے اچھا ترجمہ ''آخری سلام'' ہے۔ اس رائے سے میری ہمت افزائی تو بہت ہوتی ہے لیکن میں اسے اپنا کوئی کارنامہ نہیں سمجھتا۔ اشروڈ کی یہ کتاب حقیقت نگاری کی روایت سے متعلق ہے، لیکن اس کی نثر بس کام چلاؤ قسم کی ہے۔ ایسی عبارت کو کس طرح اردو میں منتقل کیا جائے، اس کا طریقہ منٹو نے 36ء کے قریب اپنے ترجموں میں بتا دیا تھا۔

(پیش لفظ ص۔9 سے اقتباس)

اشروڈ اینڈرسن کی نثر سے متعلق عسکری کی رائے آپ نے سُن لی اور منٹو کی ترجمہ نگاری پر طنز ملیح بھی ملاحظہ کر لیا۔ پھر یہ ترجمہ عسکری صاحب نے کیا کیوں؟ یہ سوال اہم ہے اور اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ 'Good Bye to Berlin' اشروڈ اینڈرسن کا ایک ایسا ناول ہے، جسے مختلف افسانوں کے تال میل سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس ناول کا ہر باب اپنی جگہ مکمل افسانہ ہے اور ان افسانوی کرداروں کی نفسی کیفیات عسکری کے طبع زاد افسانوں کے کرداروں سے مماثل ہیں۔ بس یہی سبب ہے اس ناول کو اردو میں منتقل کرنے کا۔ بہ صورت دیگر اینڈرسن کے ناول کا معاشرتی بکھراؤ اور سیاسی ابتری کا نقشہ عسکری صاحب کے لئے چنداں اہمیت کا حامل نہ تھا۔ یوں گستاؤ فلا بیئر، ہرمن میلول اور ستاں دال جیسے صاحبانِ اسالیب کو ہاتھ ڈالنے سے قبل شیلا کزنس، بالزاک اور اشروڈ اینڈرسن کے ضخیم ناولوں کو ترجمہ کرنے کا spadework عسکری صاحب نے ضروری سمجھا۔

اس ناول کا سب سے بڑا وصف بقول محمد حسن عسکری کے 'کردار نگاری' ہے۔ اشروڈ نے انسانی طبائع کا مختلف حالات میں ردِعمل پیش کرنے کی سعی کی ہے۔

ایک اعتبار سے یہ ناول اور اس کے افسانہ نما ٹکڑے اپنے عہد کے معاشرتی بکھراؤ اور سیاسی بدحالی کا نقشہ پیش کرتے ہیں، لیکن شاید اشروڈ کا منشا یہ نہیں تھا۔ اس نے تو اس شکست و ریخت میں شخصی رویّوں، جذباتی کوائف اور متنوع ذہنی حالتوں کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اشروڈ کا یہی وہ انوکھا طریقۂ واردات ہے جس نے اس ناول کو صحافت کے درجہ پر گرنے سے بچا لیا ہے۔ اور شاید اسی میں اس کتاب کی اہمیت مضمر ہے۔ یوں بھی 'آخری سلام' میں اسلوبیاتی مہارت پر داد نہیں چاہی گئی۔ اشروڈ اپنے عہد کے لکھنے والوں کو یہ باور کرواتا ہے کہ فنکار کے لئے سیاسی اور معاشرتی حالات کی رستخیزی میں بھی مطالعہ اور توجہ کا موضوع فرد ہی رہتا ہے (جس کی سب سے خوبصورت مثال بورژس پیسترناک کا ناول 'ڈاکٹر ژواگو' ہے) محمد حسن عسکری کے کہے کے مطابق:

''جیمز جوائس، ورجینا وولف اور ڈی۔ ایچ لارنس کی نسل کے بعد نوجوان نسل کے جس ناول نگار نے نام پیدا کیا ہے۔ اس میں اشروڈ کی حیثیت سب سے ممتاز ہے۔''

(ص: 9 سے اقتباس)

دو ایک اقتباس دیکھتے چلیے:

''اس کے کردار میں ایک بڑا ناعاقبت اندیشانہ اور مہلک عنصر تھا۔ اس میں یہ عجیب صلاحیت تھی کہ اپنی زندگی کی

ناامیدی اور مایوسی کے خلاف بیٹھے بیٹھے یکا یک بھڑک اٹھتا تھا۔ جرمن لوگ اسے جنوں کہتے ہیں۔ وہ اپنے کونے میں چپ چاپ بیٹھا جلدی جلدی شراب پیتا رہتا، اور مکوں سے میز بجاتا رہتا۔ اس کے انداز میں بڑا تحکم اور ساتھ ہی اضمحلال ہوتا۔ پھر وہ یکا یک اُچھل کے کھڑا ہو جاتا اور کہتا 'آخ تھو، لعنت۔''

(ص: 199 سے اقتباس)

''چیزوں کا عکس اتار رہا ہوں۔ سوچ نہیں رہا ہوں۔ سامنے والی کھڑکی میں ایک آدمی حجامت بنا رہا ہے۔ ایک عورت جاپانی کمونو پہنے ہوئے بال دھو رہی ہے۔ میں ان دونوں کا عکس اتار رہا ہوں۔ کسی دن ان سب تصویروں کو دھو کر احتیاط سے کاغذ پر چھاپا جائے گا۔''

(ص: 14 سے اقتباس)

یہاں ایک بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ محمد حسن عسکری نے 'آخری سلام' کے متعدد حصّوں میں اصل متن کی انگریزی ساخت اور جملوں میں لفظوں کی نشست بدل کر ترجمے کا ایک مخصوص مزاج وضع کرنے کی کوشش کی ہے جو اینڈرسن سے مخصوص خیال کیا جاتا ہے۔

751۔ ایوالون، مچل: موت کی وادی

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'The Brutal Cook' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

752۔ بالزاک: بڈھا گوریو

ترجمہ: نسیم ہمدانی، سیّدہ

لاہور: مکتبہ جدید، جولائی 1953ء

ناول۔ 'Old Gorio' کا ترجمہ انگریزی کی معرفت۔ محمد حسن عسکری نے ترجمہ کرنے میں مدد کی یا 46-1945ء میں خود ہی کیا ہوا ترجمہ اپنی شاگردہ کے نام سے شائع کروا دیا۔ تفصیل کے لئے دیکھیے: اشروڈ اینڈرسن کے ناول ''آخری سلام'' پر تبصرہ۔ اِس کتاب کا دیباچہ عسکری صاحب کا تحریر کردہ ہے۔ دوسرا ایڈیشن البیان، لاہور نے شائع کیا۔

(حوالہ: 2، 10، 11)

753۔ بالزاک: سرد ویران اندھیرا گھر

ترجمہ: نسیم ہمدانی، سیّدہ

لاہور: مکتبہ جدید، 1956ء

ناول: فرانسیسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ ترجمہ کے عمل میں محمد حسین عسکری کا خاصا عمل دخل رہا ہوگا۔ نسیم اُن کی شاگردہ تھیں۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

754۔ بالزاک: لامیرینا

ترجمہ: یوسف عباسی

لاہور: آئینہ ادب، 1960ء

ناول: فرانسیسی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ نام تبدیل کر کے اس ناول کا ایک ترجمہ فکشن ہاؤس، لاہور نے بھی شائع کیا ہے۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

755۔ بائیسویں صدی

ترجمہ: ن۔ن

الہ آباد: کتاب محل، س۔ن

ص: 137

ناول: سائنس فکشن۔ سنہ 2124ء سے متعلق تخیلاتی ناول۔ (حوالہ 9)

756۔ بائیکوف، واسل: آلپس کے گیت

ترجمہ: قرۃ العین حیدر

نئی دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ، س۔ن

ناولٹ: روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 2، 9)

757۔ بحری لاش

ترجمہ: مرزا فدا علی خنجر

لاہور: بھارگو اسکول، س۔ن

جاسوسی ناول: (حوالہ: 7)

758۔ بخیل کی دولت

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: ماہوار ناول ''ہوس''، س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ: 7)

759۔ بدبخت لیڈی (تین جلدوں میں)

ترجمہ: نوازش علی خاں لاہوری

لاہور: جے۔ایس۔ست سنگھ، س۔ن

جاسوسی ناول: 'East Lady' کا ترجمہ، 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 4، 7)

760۔ بدلہ
تلخیص و ترجمہ: مخمور جالندھری
نئی دہلی: آہلووالیہ بکڈپو، قرول باغ، س۔ن
ص: 375
ناول: انگریزی ناول کی تلخیص و ترجمہ۔ (حوالہ: 9)

761۔ براؤن، کارٹر: بزدل قاتل
ترجمہ: سراج الدین شیدا
راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،
جاسوسی ناول: 'Lament For Lousy Lover' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

762۔ براؤن، کارٹر: ریشمی جال
ترجمہ: سراج الدین شیدا،
راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ،
جاسوسی ناول: 'The Silken Nightmare' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

763۔ براؤن، کارٹر: دس لاکھ کی حسینہ
ترجمہ: سراج الدین شیدا
راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،
جاسوسی ناول: 'One Million Babe' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

764۔ براؤن، کارٹر: خونی وصیت
ترجمہ: اثر نعمانی
راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،
جاسوسی ناول: 'Grieves Idic' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

765۔ براؤن، کارٹر: اغوا کا فریب
ترجمہ: سراج الدین شیدا
راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،
جاسوسی ناول: 'Long Tine, No Leola' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

766۔ براؤن، کارٹر: ہمدرد دشمن
ترجمہ: سراج الدین شیدا
راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،
جاسوسی ناول: 'So Move The Body' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

767۔ براؤن، کارٹر: ہرجائی جاسوس
ترجمہ: سراج الدین شیدا
راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،
جاسوسی ناول: 'Catch me A Phoenix' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

768۔ براؤن، کارٹر: گھر کا چراغ
ترجمہ: سراج الدین شیدا
راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،
جاسوسی ناول: 'Terror comes creeping' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

769۔ براؤن، کارٹر: کھوجی لڑکی
ترجمہ: الیف۔ایم۔صدیقی
راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،
ص: 150
جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

770۔ براؤن، کارٹر: قدیم زیورات
ترجمہ: سراج الدین شیدا
راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،
جاسوسی ناول: 'Only The Very Rich' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

771۔ برک، جان: دہشت کا جہنم
ترجمہ: نسیم سحر
راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،
جاسوسی ناول: 'Dr. Terrors House of Horrors' کا ترجمہ۔

772۔ برمنگھم، جارج۔اے: قسمت کا شکار
ترجمہ: تیرتھ رام فریوز پوری
لاہور: نرائن دت سہگل، طبع اوّل: 1943ء
جاسوسی ناول: 'کنگ ٹائی' کا ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ. 7،4)

773۔ برمنگھم، جارج۔اے: آزادی
ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری،
جالندھر: نرائن دت سہگل، س۔ن

ص: 283

ناول: 'دی لاسٹ لائز' کا انگریزی سے ترجمہ۔ ناول میں آئرلینڈ کی تحریک آزادی کو پس منظر بنایا گیا ہے۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 4، 9)

774۔ بروز، ایڈگر رائس: مریخی دیوتا

ترجمہ: ایم۔ جے عالم

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو 1964ء

ص: 331

ناول: سائنس فکشن۔ زمین اور مریخ کی مخلوقات کی باہمی دوستی اور دشمنی سے متعلق 'A Prince of Mars' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 9، 10، 11)

775۔ بروز، ایڈگر رائس: خونخوار مریخی

ترجمہ: ایم۔ جے عالم

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، 1965ء

ص: 259

ناول: ایک خیالی مریخی مخلوق جان کارٹر کی تخیلی داستان، جو دوبارہ زمین پر آتا ہے۔ سائنس فکشن ہے۔ (حوالہ 9)

776۔ بروز، ایڈگر رائس: مریخی حسینہ

ترجمہ: ایم۔ جے عالم

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، س۔ن

ص: 191

ناول: سائنس فکشن۔ ناول میں مریخی حسینہ کی مہمات اور معاشقوں کا بیان ہے۔ (حوالہ: 9)

777۔ بروز، ایڈگر رائس: مریخی جانباز

ترجمہ: ایم۔ جے عالم

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، 1965ء

ص: 240

ناول: سائنس فکشن، مریخ کی دنیا میں پہنچنے والے انسان کی داستان۔ (حوالہ 9)

778۔ بروز، ایڈرگر رائس: مریخ کی شہزادی

ترجمہ: ایم۔ جے عالم،

لکھنؤ: مکتبہ کلیان، س۔ن

ص: 244

ناول: سائنس فکشن۔ایک مریخی انسان کی رُودادِ حیات خود اس کی زبانی۔خوفناک جنگوں میں اس کی شرکت کی داستان۔

(حوالہ:9)

779۔ بروز، ایڈگر رائس: پراسرار دنیا

ترجمہ: ایم۔ جے عالم،

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، 1967ء

ص: 238

ناول: افریقہ کے صحراؤں میں مہم جوئی کی داستان۔سائنس فکشن ہے۔ (حوالہ:9)

780۔ بروس، جین: خونی مائیکروفون

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز، کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Hot Line' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

781۔ بروم فیلڈ، لوئیس: بمبئی کی شام

ترجمہ: عنایت اللہ دہلوی

لاہور: ادارۂ ادبیات نو، س۔ن

ص: 238

ناول: امریکی ناول، جس میں بمبئی کی زندگی کو پیش کیا گیا ہے۔ (حوالہ:2،9،12)

782۔ برونٹی، ایملی: محبت کا انتقام

ترجمہ: رئیس احمد جعفری

ناول: 'Wuthering Heights' کا ترجمہ۔

خاطر غزنوی، قاسم محمود اور سیف الدین حسام نے بھی اس مشہور ناول کے ترجمے کئے ہیں۔ (حوالہ:2،10،12)

783۔ برونٹی، ایملی: ودرنگ ہائیٹس

ترجمہ: سیف الدین حسام

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن نیویارک

ناول: 'Wuthering Heights' کا ترجمہ۔

ناول کے دیگر تراجم میں خاطر غزنوی، رئیس احمد جعفری اور قاسم محمود کے تراجم ملتے ہیں۔ (حوالہ:2،17)

784۔ برونٹی، ایملی: وودرنگ ہائیٹس

ترجمہ: خاطر غزنوی

شاور: یونیورسٹی بک ایجنسی، بک لینڈ لاہور

ناول: 'Wuthering Heights' کا ترجمہ۔ اس ناول کے چار تراجم ملتے ہیں یعنی خاطر غزنوی کے علاوہ رئیس احمد جعفری، قاسم محمود، اور سیف الدین حسام کے تراجم۔ اس ناول کو بنیاد بنا کر ہالی وڈ کے عظیم ہدایت کار William Wyler نے اسی نام سے 1939ء میں فیچر فلم تیار کی تھی۔ (حوالہ:2،10،11)

785۔ برونٹی، ایملی: عشق بلاخیز

ترجمہ: قاسم محمود، سیّد

لاہور: مکتبہ کائنات

ص: 512

ناول: 'Wuthering Heights' کا ترجمہ۔ اس ناول کے دیگر مترجمین میں خاطر غزنوی، سیف الدین حسام اور رئیس احمد جعفری کے نام ملتے ہیں۔ یہ ترجمہ شمع بک ڈپو دہلی سے 1963ء میں شائع ہوا۔ (حوالہ:2،9،10،11)

786۔ برونٹی، شارلٹ: جین آئر

ترجمہ: حسام سیف الدین

لاہور: مکتبہ شاہکار، 1975ء

ص: 82

ناول: انگریزی زبان کی اہم ناولوں میں سے ایک 'Jane Eyer' کا ترجمہ۔ (حوالہ:2،5)

اس ناول کا شمار ہمیشہ زندہ رہنے والے ناولوں میں ہوتا ہے۔ یہی ناول شارلٹ برونٹی کی شہرت کا باعث ہے۔ یارک شائر (برطانیہ) کی اس ناول نگار خاتون نے اپنے ناول میں ان آرزوؤں اور حسرتوں کو لفظی پیکر عطا کئے ہیں جو انسان کی ذاتی محرومیوں، اقتصادی ناہمواریوں اور معاشرتی گھٹن کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ شارلٹ برانٹے کی نجی زندگی کا تجربہ اس ناول کی ایک ایک سطر سے بولتا ہے۔

'جین آئر' انگریزی کا پہلا ناول ہے جس نے جنس کا حسن و جوانی سے روایتی تعلق توڑ دیا اور یوں رومان اور جنس پر لکھنے کی ایک نئی روایت کی بنا ڈالی گئی۔

ناول کا ہیرو روچسٹر جوانی کی حدود سے اُدھیڑ عمری کی سرحد تک پہنچ آیا ہے اور ہیروئین جین آئر کا ناک نقشہ روایتی حسن کے معیارات پر پورا نہیں اترتا۔ اس پر طرہ یہ کہ ناول کا 'برا آدمی' (ولن) انتہائی شریف اور خوبصورت نوجوان ہے۔

اس ناول میں محبت کے نئے معیارات وضع کئے گئے ہیں اور ناول کی روایتی پراسراریت ایک نئے روپ میں ڈھل کر سامنے

آئی ہے۔ 'تھارن فیلڈ' کی بالائی منزل سے اٹھنے والے انسانی قہقہے مافوق کی گپھاؤں سے نکل کر انسانی بڑبڑاہٹ اور جھلاہٹ میں ڈھلتے ہیں اور بالآخر ایک عام عورت کی شبیہ سامنے لاتے ہیں۔

ناول کا علامتی انداز علامت نگاری کی تحریک تو نہ بن سکا لیکن ناولوں کے روایتی پس منظر کو اسلوبیاتی سطح پر ایک نیا لحن دے گیا۔ اس کی ایک خوبصورت مثال اس وقت سامنے آتی ہے جب اس شاہ بلوط پر آسمانی بجلی گرتی ہے، جس کے نیچے جین اور روچسٹر نے اقرار محبت کیا تھا۔ ترجمے سے ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

> 'ہوا ساکن تھی اور راستہ تنہا تنہا سا۔ پہلے میں تیز چلی کہ جسم ذرا گرم ہو جائے، پھر رفتار کم کر دی اور ماحول کا لطف اٹھانے لگی۔ یہ راستہ گرمیوں میں اپنے پھولوں کی خوبصورتی اور خزاں میں پردار جھاڑیوں کے لئے مشہور تھا۔ لیکن سردیوں میں بھی اس میں ایک خاص حسن تھا۔ شام ہونے کو تھی۔ میں ڈوبتے سورج کو دیکھنے لگی، جو آہستہ آہستہ مغرب میں غائب ہو گیا اور اپنے پیچھے سرخ و قرمزی رنگوں کی لہر چھوڑ گیا۔'
>
> اس داخلی خود کلامی کے بعد مکالمے کی ایک صورت ملاحظہ ہو: روچسٹر نجومی کے بھیس میں گفتگو کرتا ہے: 'تمہاری آنکھ میں چمک ہے' شبنم کے قطرے جیسی چمک۔ اس چمک میں ایسی خاموشی بھی ہے جو تنہائی پر دلالت کرتی ہے۔
>
> تمہارا منہ ایسا ہے جو صرف خاموش رہنے کے لئے نہیں بنا۔

واضح رہے کہ اس کہانی پر مبنی بھارتی فلم 'سنگدل' (دلیپ کمار۔ مدھو بالا) کے علاوہ عالمی شہرت کی حامل ہالی وڈ کی چھ فلمیں یادگار ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہیں:

رابرٹ اسٹیونسن کی ہدایت کاری میں آرسن ویلز اور جان فاؤنٹین کے مرکزی کرداروں کے ساتھ 1944ء کی "Jane Eyer" اور جارج سی۔ سکاٹ اور سوسنا یارک کے مرکزی کرداروں کے ساتھ بھی اسی نام کی فلم۔ لیکن یاد رہے کہ ارونگ کمنگز اور اتھل گرینڈائن جیسے اداکاروں کے ساتھ 1914ء، ایلن ہال اور لوئیس والی کے ساتھ 1915ء، نارمن ٹریوز اور مابل بالائین کے ساتھ 1921ء میں بھی اسی نام کی شاہکار فلمیں تخلیق کی جا چکی ہیں۔ نیز 1918ء میں اسی کہانی پر مبنی ایک فیچر فلم 'Woman And Wife' کے نام سے بنی تھی۔

787۔ بریٹ، مائک: دشمن دوست

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The Screaming Street' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

788۔ بک، پرل۔ ایس: دھرتی ماتا

ترجمہ: ابو سعید قریشی

لاہور: ہاشمی بک ڈپو انارکلی، 1940ء

ناول: مشہور امریکی ناول ''Good Earth'' کا ترجمہ، مصنفہ کو اسی کتاب پر 1938ء میں نوبل ادبی انعام ملا۔ اس ترجمے پر تبصرہ کرتے ہوئے دیا نرائن نگم نے رسالہ 'زمانہ' کانپور میں اسے چین کے کسانوں کی زمین سے محبت، ان کی غربت اور مظلومیت کی

جیتی جاگتی تصویر قرار دیا تھا۔ اس ناول کا دوسرا ترجمہ اختر حسین رائے پوری نے کیا تھا۔ (حوالہ 2، 10، 11)

789۔ بک، پرل۔ایس: ۔پیاری زمین

ترجمہ: اختر حسین رائے پوری

دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند) طبع اوّل: 1941ء

ص: 332

امریکی ناول نگار پرل ایس بک کو اِسی ناول: ''Good Earth'' پر 1938ء میں نوبیل ادبی انعام ملا تھا۔ ارنسٹ ہیمنگوے اور جان سٹین بک کی موجودگی کے باوجود، جنہیں بالترتیب 1954ء اور 1962ء میں اسی اعزاز سے نوازا گیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس کے جواب میں صرف اور صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ پرل ایس بک مشرق اور مغرب کی دو تہذیبوں اور دو طرح کے عقیدی رویوں کے بیچ ایک پُل کے مانند تھی۔ اپنی پیدائش 6 جون 1892ء کے کچھ ہی عرصے بعد وہ اپنے پادری باپ اور دیگر گھر والوں کے ہمراہ چین آ گئی۔ اُن کا فیملی ڈاکٹر ایک ہندوستانی طبیب تھا اور اُن کے قرب و جوار میں انڈونیشی، جاپانی، سری لنکن اور برمی خاندان آباد تھے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب مشرقی روایات، لوک ورثے اور دیومالا نے اُس کے اندر ایک مشرقی علاقہ آباد کر دیا۔ شاید اسی لئے پال اے بوئیل کو انٹرویو دیتے ہوئے اُس نے کہا تھا: ''میں اتنی ہی ایشیاء کی وفادار ہوں، جتنی کہ اپنے ملک کی۔'' اس کی ابتدائی تربیت میں اس کے چینی استاد کونگ (Kung) کو خاصا دخل رہا، جو کنفیوشس کا پیروکار تھا۔ 1910ء میں جب وہ ورجینیا، امریکہ پلٹی تو اُس نے بے شک شیکسپیئر، سر والٹر سکاٹ، تھیکرے اور ڈکنز پڑھ رکھا تھا لیکن اسے شمالی چین کے باغی باکسر اور غلام لڑکیاں بار بار یاد آتی تھیں۔ اس لئے اس نے اپنا پہلا ناول 'East Wind, West Wind' (1930ء) لکھا اور اُس کے فوراً بعد 'The Good Earth' (1931ء) جس کے منظر نامے چین سے متعلق تھے۔ ناول 'Exile' (1936ء) میں اس نے اپنی ہجرتوں کی ماری ماں اور 'In Memoriam' میں اپنے باپ کی اذیت ناک مشنری زندگی کو پیش کیا ہے۔ جبکہ ناول 'Patriot' (1939ء) اور 'Dragon Seed' (1942ء) بھی چین سے ہی متعلق ہیں۔ 1963ء میں پرل ایس بک کو اپنے بچپن کا ہندوستانی طبیب بڑی شدت سے یاد آیا تو اس نے بھارت کے مشہور انگریزی ناول نگار اور افسانہ نگار آر۔کے نارائن کو پڑھنا شروع کیا۔ ناول 'Swami And Friends' (1935ء)، 'The English Teacher' (1945ء)، 'Mr.Sampath' (1949ء) اور 'The Guide' (1958ء) میں سے اُس نے 'The Guide' کا ہندوستانی فلمی منظر نامہ لکھا اور امریکہ کے مشہور فلمی ہدایتکار کارٹیڈ ڈینلیوسکی کو انگریزی اور اردو زبانوں میں ''گائیڈ'' کی ہدایت کاری پر راضی کر لیا۔ اس فلم میں دیو آنند اور وحیدہ رحمان نے مرکزی کردار ادا کیے تھے۔ ناگ رقص کی ماہر روزی، ہندوستان دیکھنے آئی اور آ کر چلی گئی۔ اپنے سجیلے ہندوستانی گائیڈ کو سادھو بنا کر۔ 1965ء میں ''گائیڈ'' ریلیز ہوئی تو 'Time' امریکہ نے اُس فلم پر ''مذہب سے بیگانہ'' کے عنوان سے تبصرہ شائع کیا اور مشرق کی جانب پرل ایس بک کے جھکاؤ کا تمسخر اُڑایا، لیکن پرل ایس بک خوش تھی کہ اُس نے دو تہذیبوں اور دو عقیدی رویوں کو چند دنوں کے لئے ہی سہی اِک دوجے کے قریب تو کر دیا۔

ناول: مشہور امریکی ناول 'Good Earth' کا ترجمہ۔ جس میں چین کی دیہاتی زندگی پیش کی گئی ہے۔ ایک ترجمہ ابوسعید قریشی نے بھی کیا تھا۔ (حوالہ: 2، 9، 10، 11)

790۔ بک، پرل۔ایس: بیٹے

ترجمہ: احسان علی، سیّد

لاہور: آئینہ ادب، 1960ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ 2، 10، 12، 13)

791۔ بک، پرل۔ایس: نئے پرانے

ترجمہ: یوسف عباسی

لاہور: آئینہ ادب، طبع اوّل 1958ء

ناول: امریکن ناول کا ترجمہ۔ طبع دوم 1967ء 'West Wind The East Wind' کا ترجمہ۔ (حوالہ 2، 10، 11)

792۔ بک، پرل۔ایس: صنم اندر صنم

ترجمہ: علوی

لاہور: اردو اکیڈمی سندھ گیٹ روڈ، س۔ن

ص: 188

ناول: امریکی ناول 'Our gods' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

793۔ بک، پرل۔ایس: شمع فروزاں

ترجمہ: صادق الخیری

کراچی: شہباز بک ڈپو کلب

ناول: المیہ ناول کا انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 17)

794۔ بک، پرل۔ایس: زندگی

ترجمہ: محمود ظفر

دہلی: ہندوستانی اکیڈمی، س۔ن

ناول: امریکی ناول کا ترجمہ۔ (حوالہ: 4، 7)

795۔ بیک، جان سٹین: درِ شہوار

ترجمہ: ممتاز شیریں

کراچی: مکتبہ شعور بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، 1958ء

ناول: نوبیل ادبی انعام 1962ء کے امریکی ناول نگار کے ناول 'The Pearl' کا ترجمہ۔ ممتاز شیریں نے ستر صفحات کا دیباچہ شامل کتاب کیا ہے۔ اس شاہکار ناول کا اردو ترجمہ بھی اس کے شایان شان ہے۔ (حوالہ 2، 10، 11، 16)

796۔ بیک، جان سٹین: شکست ناتمام

ترجمہ: زہرہ سیدین

نئی دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ، 1958ء

ص: 176

ناول: 'The Moon is Down' کا ترجمہ۔ دوسرا ترجمہ ابن انشاء نے 'شہر پناہ' کے نام سے کیا ہے۔ (حوالہ: 2، 9)

797۔ بیک، جان سٹین: شہر پناہ

ترجمہ: ابن انشاء

لاہور: مکتبہ معین الادب بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، 1958ء

ناول: 'The Moon is Down' کا ترجمہ۔ اس ناول کا ایک ترجمہ زہرہ سیّدین نے مکتبہ جامعہ دہلی کے لئے کیا ہے۔

(حوالہ: 2، 10، 11)

یہ 'The Moon is Down' کا ترجمہ ہے۔ اس ناول کا منظر نامہ حالتِ جنگ میں یورپ کا ایک شہر ہے۔ کوئی سا شہر۔ جس کی وضاحت نہیں کی گئی۔ اس بے نام شہر پر غنیم قابض ہو چکا ہے لیکن اسے اہل شہر کے دلوں پر فتح حاصل نہیں ہوئی، وہ محض در و دیوار پر قابض ہے۔ اہل شہر کے دلوں میں آزاد رہنے کی جو بے پناہ تڑپ ہے وہی دراصل شہر پناہ ہے۔ ایک ایسی سیسہ پلائی ہوئی دیوار، جسے کبھی کسی نے محض طاقت کے بل پر سر نہیں کیا۔

انسانی دِلوں میں موجیں مارتی آزادی کی اُمنگ اس ناول کا خاص موضوع ہے۔

ابتدائیہ سے نمونہ ملاحظہ ہو:

> پونے گیارہ بجے تک سارا قصہ تمام ہو چکا تھا۔ شہر پر غنیم قابض ہو گیا تھا۔ مدافعین مفتوح ہو چکے تھے اور جنگ ختم۔ حملہ آوروں نے اس چھوٹی سی مہم کے لئے بھی اسی حزم و احتیاط سے تیاری کی تھی جو وہ بڑے معرکوں کے لئے روا رکھتے تھے۔ اتوار کا دن تھا اور قصبے کا ڈاکیا اور پولیس مین علی الصباح قصبے کے ہر دلعزیز دکاندار مسٹر کوریل کی کشتی میں مچھلیاں پکڑنے نکل گئے تھے۔

جان سٹین بک کو 1962ء میں ادب کا نوبیل انعام دیا گیا۔

798۔ بیک، جان سٹین: آرزو کی کلیاں

ترجمہ: مخمور جالندھری

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی 6/بی ایگل بلڈنگ، س۔ن

ص: 159

ناول: ناول کا آغاز 1911ء سے ہوتا ہے، مرکزی کردار ایک کلرک ہے۔ جنگ عظیم کے اثرات مرتب ہوتے ہوئے

دکھائے گئے ہیں۔ یہ جان سٹین بیک کے ناول "The Grapes of Wrath" کا ترجمہ ہے۔ اس ناول پر ہالی ووڈ کے ہدایت کار جان فورڈ نے 1940ء میں شاندار فلم بنائی تھی۔ جان سٹین بیک کے دو دیگر ناولوں "Of Mice And Man" اور "East of Eden" پر بھی بالترتیب گیرے سائنس نے 1992ء اور ایلیا کازاں نے 1955ء میں فلمیں بنائیں۔ (حوالہ۔9)

799۔ بیک، جان سٹین: تارتیلا فلیٹ

ترجمہ: مظہر انصاری

لاہور: کتاب محل

ناول: انگریزی سے امریکن ناول کا ترجمہ (حوالہ:2، 10، 11)

800۔ بل، لوئی: مغربی دوشیزہ

ترجمہ: وجیہہ ملک

لکھنؤ: ناول پبلشنگ ہاؤس۔ گوتم بدھ مارگ، 1954ء

ص: 205

ناول: امریکی ناول 'براڈوے اربن' کا ترجمہ۔ (حوالہ:9)

801۔ بلوری آنکھیں

ترجمہ: رحمت بی۔اے

ناول: انگریزی زبان کے ناول 'تھری گلاس آرز' کا ترجمہ۔ ایک کروڑ پتی اور پادری کی چالبازیوں کے قصے۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:4)

802۔ بلو، لیٹن: قاتل روح

ترجمہ: غلام محمد انجام فیروز پوری

لاہور: بہار بک ڈپو۔ اندرون لوہاری گیٹ، س۔ن

جاسوسی ناول: مترجم، تیرتھ رام فیروز پوری کی شاگردی کے دعوے دار ہیں۔ (حوالہ 2، 19)

803۔ بلیک، نکولس: مقتولہ کی سرگزشت

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'End of Chapter' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

804۔ بنتِ فرعون

ترجمہ: محمد یعقوب خاں

نام مطبع و سنہ ندارد

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:7)

805۔ بنجارے

ترجمہ: نذیر مرزا برلاس

پشاور: یونیورسٹی بک ایجنسی

ناول: روسی ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ پروفیسر نذیر مرزا برلاس پشاور کے قابل ذکر قلم کار تھے۔(حوالہ 13، 16)

806۔ بنین، ایوان: ہلاکو خان

ترجمہ: نذر صدیقی

لاہور: انارکلی کتاب گھر

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2، 10، 11)

807۔ بوتھبی، گئی: ڈاکٹر نکولا

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل، س۔ن

جاسوسی ناول: 'اے بڈ فور فور چون' کا ترجمہ۔ نکولا جادوگر کے کارنامے۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ ایک ایڈیشن ادارہ عروج اردو کراچی نے بھی شائع کیا اور 2007ء میں یہی ترجمہ فکشن ہاؤس، لاہور نے شائع کیا۔

(حوالہ:2، 4، 7، 10، 11)

808۔ بوتھبی، گئی: سنہری ناگن

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: فرنٹیئر بک ڈپو، س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ کتاب 1944ء سے قبل شائع ہوئی۔ ایک ایڈیشن مکتبہ عظمت لاہور کا بھی ملتا ہے 'دی کوئنس لونڈا' کا ترجمہ ہے۔ (حوالہ:2، 7)

809۔ بوتھبی، گئی: لعل شب چراغ

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل، 1928ء

جاسوسی ناول: انگریزی سے 'مائی اسٹرینجسٹ کیس' کا ترجمہ۔ ایک نوجوان کے قتل کے بارے میں۔ یہ ترجمہ مکتبہ آغوش لاہور نے بھی شائع کیا ہے۔ (حوالہ:2، 4، 7، 10، 11)

810۔ بوتھبی، گئی: مصری جادوگر

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: لال برادرس، 1930ء

ص: 398

جاسوسی ناول: انگریزی سے 'فیروز دی اجپشین' کا ترجمہ۔ ایک ایڈیشن مکتبہ عظمت لاہور نے بھی شائع کیا تھا۔

(حوالہ:4، 9)

811۔ بوتھبی، گئی: تلاش اکسیر

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل، س۔ن

جاسوسی ناول: 1944ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:2، 7، 10، 11)

812۔ بوسۂ صنم

ترجمہ: رام نرائن،

لکھنؤ: نولکشور، س۔ن

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:7)

813۔ بونوں کی شہزادی

ترجمہ: سراج الدین احمد

لاہور: گیلانی بک ڈپو، س۔ن

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ کتاب 1944ء سے قبل شائع ہوئی۔ (حوالہ 7)

814۔ بھابی

ترجمہ: رام سروپ کوشل

لاہور: نرائن دت سہگل، س۔ن

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 7)

815۔ بہار دانش

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س۔ن
ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:7)

816۔ بیل، تھیلما: ساحل اور پہاڑ
ترجمہ: کے۔ چندرا
دہلی: انڈین اکیڈمی نمبر 29، نریندرا پیلس، س۔ن
ص: 207
ناول: معاشرتی ناول 'The Two World of Davy Blount' کا ترجمہ۔ اصل ناول کے مطابق یہ ترجمہ بھی ابواب پر مشتمل ہے۔ (حوالہ:9، 11)

817۔ بیس عظیم ناول
ترجمہ: ن۔ن
لاہور: مکتبہء جدید، 1961ء
ناولوں کی انتھالوجی۔ مختلف زبانوں کے عظیم ناولوں کا انتخاب و ترجمہ۔ (حوالہ 2، 10، 11)

818۔ بیلانی، ڈان: وادیٔ مہمات
ترجمہ: قدیر احمد
دہلی: ناز پبلشنگ ہاؤس، پہاڑی بھوجلہ دہلی 6، س۔ن
ص: 288
جاسوسی ناول: پراسرار ناول کا انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:9)

819۔ بیلانی، ڈان: خونی گھڑی
ترجمہ: سراج الدین شیدا
راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ،
جاسوسی ناول: 'The Opera House Murders' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

820۔ پاسبان
ترجمہ: ن۔ن
کراچی: ماہنامہ 'سی۔آئی۔اے' پرویز پبلی کیشنز، جمشید روڈ۔ کراچی 5
جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:6)

821۔ پچکوڈی ڈے: خونی طوفان

ترجمہ: شانتی نرائن

لاہور: نام مطبع ندارد، س۔ن

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 1، 4)

822۔ پراسرار اجنبی

ترجمہ: ابن صفی

لاہور: اسرار پبلی کیشنز میکلورڈ روڈ، (حال: الکریم مارکیٹ، اردو بازار، س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی سے کہانی کا پلاٹ مستعار ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ابن صفی (پ: اپریل 1928-م: 26 جولائی 1980ء) کا دیباچہ ناول: ''زمین کے بادل'' از ابن صفی۔ ابن صفی نے 'جاسوسی دنیا' کے بینر تلے 125 اور عمران سیریز کے تحت 120 جاسوسی ناول شائع کروائے۔ یعنی کُل 245 جاسوسی ناول لکھے۔ (حوالہ 2)

823۔ پراسرار جواری

ترجمہ: صدیق حسن لکھنوی، مولوی

کراچی: جنرل پبلشنگ ہاؤس

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 13، 16)

824۔ پراسرار شادی

ترجمہ: رحمت بی۔اے

ناول: لندن کے ایک جعلی لارڈ کی عیاری سے متعلق۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 4)

825۔ پراسرار قتل

ترجمہ: صابر علی

جاسوسی ناول: جاسوسی ناول انگریزی سے ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 4)

826۔ پریوس، ایبے: راہیں شباب کی

ترجمہ: مخمور جالندھری

دہلی: دفتر رسالہ 'بیسویں صدی'، 1959ء

ص: 152

ناول: رومانی ناول جس میں ایک فرانسیسی لڑکی کے معاشقوں کی داستان ہے۔ (حوالہ 9)

827۔ پستالوزی، جوہان ہنرج: لیونارڈ وگرٹروڈ

ترجمہ: غلام حسین

حیدرآباد دکن: حیدرآباد بک ڈپو، 1937ء

ناول: جرمن اصلاحی ناول۔ کہا جاتا ہے کہ جرمن قوم کو فکری سطح پر فرانس کے پنجے سے چھڑانے میں اس ناول کا بڑا حصہ ہے۔ (حوالہ:2،5)

828۔ پسترناک، بورژس: ڈاکٹر ژواگو

ترجمہ: یوسف صدیقی

کراچی: ٹرانس لکس پبلی کیشنز، 1958ء

ص: 604

ناول: روسی ناول نگار کا اجتماعی زندگی پر طنز۔ انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ:2، 10، 11)

انقلاب روس کے پس منظر میں لکھی گئی انفرادی زندگی سے متعلق فکر انگیز کہانی۔ ڈاکٹر ژواگو اور لارا کے ملنے اور بچھڑنے کے دوران وقت چپکے سے گزر جاتا ہے۔ ہالی وڈ کی متعدد ایوارڈ جیتنے والی فلم 'Doctor Zhivago' اسی عظیم ناول پر مبنی ہے۔ فلم کے لئے سکرپٹ رابرٹ بالٹ نے لکھا تھا۔ فلم 1965ء میں پردۂ سیمیں پر پیش ہوئی۔ مرکزی اداکاروں میں عمر شریف (مصری اداکار) نے Yuri Zhivago جولی کرسٹی (امریکن اداکارہ) نے Lara، ٹام کورٹنی نے Pasha، راڈ سٹیگر نے Komarovsky کے کردار ادا کئے جبکہ دیگر اداکاروں میں ایلک گنس، گیرالڈائن چیپلن اور ریٹا ٹوشنگھم نمایاں تھے۔ فکشن ہاؤس، لاہور نے 2007ء میں شائع کیا۔

829۔ پوشکن، الگزینڈر: کپتان کی بیٹی

ترجمہ: خدیجہ عظیم

ماسکو: بدیشی زبانوں کا اشاعت گھر، س۔ن

ص: 264

ناول: رُوس کے قومی شاعر Pushkin کے رومانی ناول کا ترجمہ۔ دوسری بار الجدید المینار مارکیٹ چوک انارکلی لاہور نے شائع کیا۔ تیسری بار پیپلز پبلشنگ ہاؤس لاہور نے شائع کیا۔ The Captains Daughter کا ترجمہ ہے۔ پوشکن کے ایک اور ناول ''دوبرووسکی'' کا بھی اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ''کپتان کی بیٹی'' فکشن ہاؤس، لاہور نے شائع کر دیا ہے۔ (حوالہ:2، 9، 10، 11، 13)

830۔ پکتھال، محمد مارماڈیوک: صبح ترکی یا ترکی دوشیزہ

ترجمہ: اشتیاق حسین قریشی

دہلی: دائرہ علمیہ ادبیہ، طبع اوّل: 1944ء

ناول: پکتھال سابق ایڈیٹر ''بمبئی کرانیکل' کا ترک معاشرت سے متعلق ناول۔ 1939ء سے قبل شائع ہوئی۔

(حوالہ:4، 7)

831۔ پکتھال، محمد مارماڈیوک: جہادِ ترکی

ترجمہ: آغا رفیق بلند شہری

دہلی: کارکن مشائخ، طبع اوّل: 1923ء

ناول: ترک مجاہدین کے سرفروشانہ کارناموں سے پر انگریزی سے ترجمہ۔ اسی ناول کا ایک ترجمہ اشتیاق حسین قریشی نے 'صبح ترکی' کے نام سے کیا۔ یادر ہے کہ پکتھال نے قرآن مجید کا انگریزی میں ترجمہ کر کے عالمی سطح پر شہرت پائی۔

(حوالہ 4، 7)

832۔ پو، چاؤلی: طوفان

ترجمہ: مخمور جالندھری

دہلی: ملک اینڈ کو پبلشرز، اردو بازار، 1961ء

ص: 464

ناول: 1946ء کے شمال مشرقی چین کے کسانوں اور جاگیرداروں کے تصادم کی نقشہ کشی۔ چینی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

(حوالہ 9)

833۔ پورٹر، ایلیز۔ ایچ: پولیانا

ترجمہ: فہمیدہ نیاز احمد

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

ناول: 'Pollyaanna' کا ترجمہ۔

(حوالہ:13، 16)

834۔ پول، آر۔ ایچ: مصنوعی بیوی

ترجمہ: عباس حسین لطفی، مولوی

اورنگ آباد دکن: انجمن ترقی اردو (ہند)، طبع اوّل: 1927ء

ناول: انگریزی سے 'His Make - Believe Wife' کا ترجمہ۔

(حوالہ 2، 8)

835۔ پولیوائے، بورژس: چراغ جلتا رہا

ترجمہ: خدیجہ عظیم و انور عظیم

ماسکو: دارالاشاعت ترقی، س۔ن

ناول: روسی زبان کے ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ

(حوالہ 2، 10، 11)

836۔ پھانسی

ترجمہ: تسکین

لاہور: کتابستان اردو، س۔ن

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ کتاب 1944ء سے قبل شائع ہوئی۔ (حوالہ 7)

837۔ پہاڑوں کی ملکہ

اخذ و ترجمہ: ابنِ صفی

لاہور: اسرار پبلی کیشنز میکلوڈ روڈ، (حال: الکریم مارکیٹ، اردو بازار، س۔ن

جاسوسی ناول: صرف ایک کردار، بن مانس، انگریزی سے مستعار ہے۔ کہانی ابن صفی کی ہے۔ (حوالہ 2)

838۔ پیرس کا غنڈہ

ترجمہ: احمد رضا

ناول: انگریزی ناول کا ترجمہ جس میں پیرس کے ایک امیر زادے کی عیاشی کے انجام کو دکھایا گیا ہے۔ نیز لندن کی ملکہ الزبتھ کے دربار کی شان وشوکت دکھائی گئی ہے۔ کتاب 1939ء سے قبل شائع ہوئی۔ (حوالہ 4)

839۔ پیرس کے اسرار

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: دارالاشاعت پنجاب، 1933ء

ناول: فرانسیسی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ 7)

840۔ پیلا ہیرا

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

جاسوسی ناول: 'The Orange-Blue Diamond' کا ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 2، 4، 7)

841۔ تاج شاہی حسن کے قدموں پر

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: عالمگیر بک ڈپو، 1940ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 7)

842۔ تارِ عنکبوت

ترجمہ: مظہر الحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، 1962ء

ص: 632

جاسوسی ناول: 40 ابواب پر مشتمل ایک اسراری ناول۔ (حوالہ:9)

843۔ تگڑم

ترجمہ: دوارکا پرشاد افق

جاسوسی ناول: اردو ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:2،5)

844۔ تورگنیف، ایوان: نئی پود

ترجمہ: انتظار حسین

لاہور: مکتبہ اردو سرکلر روڈ، 1952ء

ناول: روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ اس ناول کا ایک ترجمہ انور عظیم نے 'باپ بیٹے' کے نام سے کیا ہے۔

(حوالہ:2،10، 11)

845۔ تورگنیف، ایوان: باپ بیٹے

ترجمہ: انور عظیم

دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ لمیٹڈ، 1953ء

ص: 399

ناول: 1860ء کے بعد روس میں ابھرنے والی نوجوانوں کی تحریک 'نیل ازم' کے حوالے سے۔ اس ناول کا اوّلین اردو ترجمہ انتظار حسین نے 'نئی پود' کے نام سے کیا۔ فکشن ہاؤس، لاہور نے یہ ترجمہ 2006ء میں ''باپ اور بیٹے'' کے عنوان سے شائع کر دیا ہے۔ (حوالہ:2،9،10، 11)

846۔ تورگنیف، ایوان: سوادِ شام

ترجمہ: کمال احمد رضوی

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

ص: 378

ناول: 'On The Eve' کا ترجمہ۔ حال ہی میں تورگنیف کے ایک ناولا کا ترجمہ ''سرائے'' کے عنوان سے دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد نے شائع کیا ہے۔

847۔ توسوف، نکولائی: ویتامالیف کی کہانی

ترجمہ: ن۔ن

ماسکو: بدیسی زبانوں کا اشاعت گھر، س۔ن

ص: 261

ناول: 21 ابواب پر مشتمل روسی ناول کا براہ راست ترجمہ۔ (حوالہ 9، 16)

848۔ تمین حسن: چینی گاؤں

ترجمہ: ظ۔انصاری

بمبئی: کتب پبلشرز لمیٹڈ، 1950ء

ص: 364

ناول: چینی ناول کے انگریزی ترجمے 'Village In Rigus' کا ترجمہ۔ (حوالہ 9)

849۔ ٹارزن

ترجمہ: انور کمال حسینی

دہلی: پنجابی پستک بھنڈار، دریبہ کلاں، 1956ء

ص: 238

ناول: مہماتی ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 9، 11)

850۔ ٹالسٹائی، کاؤنٹ لیو: محبت

ترجمہ: عبدالرزاق ملیح آبادی

کلکتہ: ہند بک ایجنسی، 1922ء

ص: 40

ناول: روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ فکشن ہاؤس، لاہور نے یہ ترجمہ شائع کرتے ہوئے عنوان بدل کر ''وفا کیسی، کہاں کا عشق'' کر دیا۔ یہ روش قابل مذمت ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ (حوالہ 2، 10، 11)

851۔ ٹالسٹائی، کاؤنٹ لیو: آخری راستہ

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: ہندی پستک مندر، س۔ن

ناول: روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ، 1944ء سے قبل شائع ہوئی۔ (حوالہ 7)

852۔ ٹالسٹائی، کاؤنٹ لیو: حاجی مراد

ترجمہ: قیسی رام پوری

نام مطبع و سنہ ندارد

ص: 300

ناول: روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ اس ناول کا اوّلین اردو ترجمہ۔ یہی ترجمہ فکشن ہاؤس، لاہور نے بھی شائع کر دیا ہے۔ (حوالہ:9)

853۔ ٹالسٹائی، کاؤنٹ لیو: حاجی مراد

ترجمہ: مظفر کاظمی

لاہور: مکتبہ شاہکار، 1975ء

ص: 82

ناول: روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ اس ناول کا اوّلین اردو ترجمہ اسی نام سے قیسی رام پوری نے کیا تھا۔ (حوالہ:5، 11)

854۔ ٹالسٹائی، کاؤنٹ لیو: اینا کرنینا

تلخیص و ترجمہ: ن۔ن

الہ آباد: مکتبہ پروین، س۔ن

ص: 208

ناول: مشہور زمانہ روسی ناول کی تلخیص و ترجمہ۔ 1975ء سے قبل شائع ہوا۔ اس ناول کا اہم ترجمہ انعام الحق نے کیا ہے جو لاہور سے 1966ء میں شائع ہوا۔ (حوالہ:9)

855۔ ٹالسٹائی، کاؤنٹ لیو: اینا کرنینا

ترجمہ: انعام الحق

لاہور: چوہدری فضل حق: 42 کمرشل بلڈنگ دی مال، 1966ء

ص: 874

ناول: 1877ء میں مکمل ہونے والے اس عظیم روسی ناول کی ایک تلخیص و ترجمہ مکتبہ پروین الہ آباد سے شائع ہوا ہے۔ انعام الحق کا ترجمہ دوسری بار فرنٹیئر ایکسچینج پریس راولپنڈی (ص 783) سے شائع ہوا۔ (حوالہ 2، 10، 11)

روسی ادیب ٹالسٹائی کی اس عالمگیر شہرت کی حامل ناول پر متعدد فلمیں بن چکی ہیں اور لاتعداد ڈراموں میں اس کی کہانی کو بنیاد بنایا گیا ہے۔

ناول آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ انعام الحق نے اس ناول کے لکھنے کا سبب بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ:

5 جنوری 1872ء وسطی روس میں یاسنکی کے ریلوے اسٹیشن پر اینا نامی ایک جوان عورت نے اپنے تئیں مال گاڑی کے نیچے گرا دیا۔ اس کی خودکشی کا سبب اس کے عاشق کی بے وفائی تھی۔ اس روز ارباب اختیار نے اس چھوٹے اسٹیشن سے ملحقہ جھونپڑے میں اینا کا پوسٹ مارٹم کروایا۔ اس دھوئیں سے بھرے، نیچی چھت والے جھونپڑے میں پولیس اور ڈاکٹر کے علاوہ

ایک گٹھے ہوئے جسم کا آدمی بھی تھا۔اس کی بھنویں گھنی، لمبی داڑھی اور ناک چپٹا تھا اور ڈاکٹر کے معائنہ کی ایک ایک تفصیل کو بغور دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں شیشے کی چمک کی مانند روشن ہو رہی تھیں یہ شخص کاؤنٹ لیو ٹالسٹائی تھا۔

لیو ٹالسٹائی 1875ء سے 1877ء تک ''اینا کرنینا'' لکھنے میں مشغول رہا۔ ناول میں ہیروئن کا انجام خودکشی کرنے والی اینا سٹیپا نووِنا سے بہت حد تک ملتا جلتا ہے۔

ٹالسٹائی اس ناول سے پہلے اپنا عظیم کارنامہ 'War and Peace' مکمل کر چکا تھا۔'اینا کرنینا' کا ابتدائیہ اسے ایک زمانے تک پریشان کرتا رہا حتیٰ کہ 19 مارچ 1873ء کی ایک شام اس نے اپنے بیٹے کے کمرے میں الگزینڈر پوشکن کا ایک ناول پڑا دیکھا۔ حصہ دوم کے اوّلین صفحہ پر اس کی نظریں ٹھہر گئیں۔لکھا تھا:

''جشن کے موقع پر مہمان آنا شروع ہو گئے.''

اور پھر یوں بغیر تمہید کے ٹالسٹائی نے اس ناول کا ابتدائی لکھا:

''ایلونسکی کے گھر میں طوفان بپا تھا......''

1877ء میں جب یہ ناول مکمل ہو گیا تو ٹالسٹائی نے اپنی ڈائری میں لکھا:

میں نے محبت کی اور کسی نے مجھ سے محبت کی۔ میرے بچے بہت اچھے ہیں۔ بڑی جاگیر کا مالک ہوں۔شہرت، صحت، جسمانی اور اخلاقی قوت سے سرفراز ہوں۔ بلاناغہ دس گھنٹے مسلسل کام کرسکتا ہوں۔لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یکا یک زندگی کی رَو جیسے تھم گئی ہے۔ مجھے کوئی خواہش نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی بالکل فضول ہے۔ میں ایک گہرے کھڈ کے کنارے آ کر کھڑا ہو گیا ہوں۔ میرے سامنے موت ہے۔ میں صحتمند، دولت مند ضرور ہوں مگر مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں اور زندہ نہیں رہوں گا۔

(ترجمہ: انعام الحق)

856۔ ٹالسٹائی، کاؤنٹ لیو: کزاک

ترجمہ: ن۔ن

ماسکو: بدیسی زبانوں کا اشاعت گھر، س۔ن

ص: 277

ناول: قفقاز کی زندگی کے بارے میں روسی ناول کا براہ راست ترجمہ۔ (حوالہ 9)

857۔ ٹرانسوال

ترجمہ: بہاری لال شفق

لاہور: نام مطبع ندارد، 1900ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 1، 2)

858۔ ٹوین، مارک: ایک دریا ایک کہانی

ترجمہ: آر۔ کے سکینہ

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی نمبر 29 نریندرا پیلس، 1967ء

ص: 528

ناول: امریکن ناول 'Life of The Mississippi' کا ترجمہ طنزیہ مزاحیہ و رومانی ناول، دریا کے حوالے سے۔ مارک ٹوین کے ناول "Adventures of Tom Sawyer" کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ''متفرق کتب'' (حوالہ 9)

859۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: الجھن

ترجمہ: یزدانی

دہلی: پنجاب پبلشرز، س۔ن

ص: 240

ناول: 'The Wreck' کا ترجمہ۔ (حوالہ 9)

860۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: اندھیرے میں

ترجمہ: ن۔ن

دہلی: نرائن دت سہگل اینڈ سنز تاجران کتب چوک فتح پوری، س۔ن۔ 2006ء میں یہی ترجمہ فکشن ہاؤس، لاہور نے بھی شائع کیا ہے۔

ص: 184

ناول: 'ٹھاکرانی کی ہاٹ' کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ 2، 9)

861۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: باغبان

ترجمہ: عبدالمجید سالک

لاہور: دارالاشاعت، 1926ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ اس کتاب کا اوّلین ترجمہ شیام سندر منور نے اسی نام سے کیا تھا۔ (حوالہ 2، 10، 11)

862۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: باغبان

ترجمہ: شیام سندر منور

نام مطبع ندارد،

863۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: بغاوت

ترجمہ: ن۔ن

امرتسر: بھارت پستک بھنڈار، 1943ء

ناول: بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ:7)

874۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: پتھریلے راستے

ترجمہ: ن۔ن

نئی دہلی: آہلو والیہ بک ڈپو 4/3 سی نیو روہتک روڈ، س۔ن

ص: 204

ناول: بنگلہ معاشرتی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ:9، 16)

865۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: پریم پجاری

ترجمہ: ن۔ن

دہلی: خاتون کتاب گھر، 1944ء

ناول: بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ:7)

866۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: جیون پربھات

ترجمہ: پریم چند

امرتسر: بھارت پستک بھنڈار، س۔ن

ص: 246

ناول: ٹیگور کے بنگلہ ناول 'جوکھیر والی' کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ یہ ترجمہ مشہور افسانہ نگار پریم چند نے نہیں کیا۔ یہ ایک غیر معروف پنجابی ادیب ہیں۔ (حوالہ:9)

867۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: دنیا سے دور

ترجمہ: ن۔ن

نئی دہلی: آہلو والیہ بک ڈپو۔ نیو روہتک روڈ، س۔ن

ص: 278

ناول: ٹیگور کے سماجی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ:9)

868۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: راج رشی

ترجمہ: بالک رام جونڈی دیوی

امرتسر: مکتبہ لال دھرما تھر ٹرسٹ، س۔ن

ص: 208

ناول: ٹیگور کے تاریخی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ 9)

869۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: سنجوگ

ترجمہ: ن۔ن

نئی دہلی: ساہتیہ اکیڈمی، 1962ء

ص: 275

ناول: ٹیگور کے مشہور بنگلہ ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ 16،9)

870۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: شیاما

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: ہندوستانی کتاب گھر، 1941ء

ناول: بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ:7)

871۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: طوفانِ زندگی

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: کتابستان اردو، 1943ء

ناول: بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ:7)

872۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: گورا

ترجمہ: ن۔ن

نئی دہلی: ساہتیہ اکیڈمی، 1962ء

ص: 662

ناول: بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ ٹیگور کے اس طویل ناول میں ذات پات کی تفریق کی مذمت کی گئی ہے۔ (حوالہ:9،2)

873۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: کانٹوں کا تاج

ترجمہ: ایشور چندر دیال

لاہور: نام مطبع ندارد، 1919ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2)

874۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: ماسٹر جی

ترجمہ: ن۔ن

امرتسر: کنول بک ڈپو چوک گھنٹہ گھر، س۔ن

ص: 63

ناولٹ: ٹیگور کے بنگلہ ناولٹ کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ 16،9)

875۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: ماہِ نو

ترجمہ: حامد اللہ افسر

دہلی: کتاب خانہ عزیزیہ، 1923ء

ناول: بنگلہ ناول ''ششو'' کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 2،1)

876۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: منزلِ عشق

ترجمہ: ن۔ن

دہلی: حالی پبلشنگ ہاؤس، س۔ن

ص: 95

ناولٹ: ٹیگور کے 'Four Chapters' کا ترجمہ۔ (حوالہ:9)

877۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: میرا بچپن

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: نرائن دت سہگل، س۔ن

سوانحی ناول: بنگلہ زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ:7)

878۔ ٹیگور، رابندر ناتھ: نیا چاند

ترجمہ: عبدالمجید سالک، مولانا

لاہور: دارالاشاعت، 1926ء

ناول: بنگلہ زبان کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ:2، 10، 11)

879۔ ٹیلر، (کرنل) میڈوز: اقبال ٹھگ

ترجمہ: پرشوتم لال، پنڈت

متھرا: مطبع شیام کاشی، 1893ء

ناول: 'The Confession of A Thug' کا ترجمہ۔ (حوالہ:1، 2)

880۔ ٹیلر، (کرنل) میڈوز: امیر علی ٹھگ کے کارنامے

ترجمہ: حسن عابدی جعفری

کراچی: کراچی کتابخانہ، 1950ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ یہ ترجمہ فکشن ہاؤس، لاہور نے بھی شائع کر دیا ہے لیکن نئے عنوان ''امیر علی ٹھگ کے تاریخی کارنامے'' سے۔ (حوالہ 2، 10، 11)

881۔ ٹیلر، (کرنل) میڈوز: سیتا

ترجمہ: رئیس الزماں خاں، محمد

لکھنؤ: نولکشور، طبع اوّل: 1901ء

ص: 460

ناول: 1857ء کی جنگ آزادی کے پس منظر میں۔ رئیس الزماں کا دیباچہ 1901ء کا لکھا ہوا ہے۔ دوسری بار 1902ء، تیسری بار 1911ء اور چوتھی بار 1956ء میں طبع ہوا۔ بعض حوالوں میں 1904ء کے ایڈیشن کا ذکر بھی ملتا ہے۔

(حوالہ: 2، 9، 10، 11)

882۔ ٹیلر، (کرنل) میڈوز: سیتا

ترجمہ: پرشوتم لال

لاہور: کتب خانہ، پیسہ اخبار، س۔ن

ناول: ترجمے کے چار ایڈیشن طبع ہوئے۔ کرنل میڈوز ٹیلر نے عموماً بھارت میں جرائم سے متعلق لکھا ہے۔ (حوالہ 7)

883۔ ٹینی سن، الفرڈ: سوگوار یاد

ترجمہ: رحم علی الہاشمی

علی گڑھ: انجمن ترقی اردو (ہند)

ص: 111

ناول: 'In Memoriam' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 1، 2، 14)

884۔ جائرس، لیسلی: سرفروش

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

جالندھر: نرائن دت سہگل

جاسوسی ناول: انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ: 14)

885۔ جانسن، ڈاکٹر: قصہ راسلس ولایت حبش کے شہزادے کا

ترجمہ: سیّد محمد میر لکھنوی

آگرہ: اسکول بک سوسائٹی، 1839ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ یہ اردو میں فکشن کا پہلا ترجمہ ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیے: ''اردو کا پہلا مترجم کون؟'' توضیحی کتابیات سے پہلے شامل کتاب ہے۔ صفحہ 275 (حوالہ:2،5)

886۔ جفا وفا

ترجمہ: دوارکا پرکاش افق

ناول: 1773ء کے ایک سچے واقعہ پر مبنی انگریزی ناول کا ترجمہ۔ ناول میں ایک باوفا حسینہ اپنا قول نباہتی ہے۔ انگریزی سے ترجمہ، 1939ء سے قبل طبع ہوا۔ (حوالہ:4)

887۔ جلوہ

ترجمہ: آغا شاعر قزلباش

کراچی: س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی سے آزاد ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 2،5)

888۔ جوانی کے دن

ترجمہ: تسکین

لاہور: کتابستان اردو، 1944ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:7)

889۔ جورِ فلک

ترجمہ: انعام اللہ خاں

لاہور: کارلائل اور مس کارنیلیا سے متعلق حزینہ ناول 'ایسٹ لن' کا ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 4)

890۔ جوزف، ہنری: مفرور

ترجمہ: رئیس احمد جعفری

لاہور: مکتبہ خاور چوک مینار بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، 1959ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ اصل ناول 'The Desperate Hours' امریکہ سے شائع ہوا۔ (حوالہ:2،17)

891۔ جولیس، فیوچک: پھانسی کے پھندے

ترجمہ: ن۔ن

بمبئی: کتب پبلشرز، 1949ء

ناول: انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ:2،10،11)

892۔ جھیل کے کنارے

ترجمہ: اشوک پجاری

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی۔ نریندرا پیلس، س۔ن

ص: 222

ناول: رومانی ناول جس میں امریکی دیہات اور مضافات کی رنگین زندگی پیش کی گئی ہے۔ (حوالہ 9)

893۔ جیمز، ہنری: ہمیں چراغ، ہمیں پروانے

ترجمہ: قرۃ العین حیدر

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، طبع دوم 1967ء

ص: 600

ناول: 'Portrait of A Lady' کا ترجمہ۔ ایک ترجمہ منوہر سہائے نے 'خون تمنا' کے نام سے دو جلدوں میں کیا ہے۔

(حوالہ: 2، 17)

یہ ناول اپنی تکنیک (شعور کی رو) کے سبب اہمیت رکھتا ہے لیکن یہ ترجمہ قرۃ العین حیدر کے ادبی مرتبے سے کمتر درجے کا ہے۔ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ ہنری جیمز کا نثری اسلوب انتہائی پیچیدہ ہے اور ترجمہ کرتے وقت اردو زبان کے نثری اسالیب ساتھ نہیں دیتے۔ یہ ترجمہ کرنے کی ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ مترجم محمد حسن عسکری صاحب کی طرح نیا نثری اسلوب وضع کرنے کا جتن کرے۔ قرۃ العین حیدر کو یہ ناول ترجمہ کرنے کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ انہوں نے اُسی تکنیک میں اپنا ناول ''آگ کا دریا'' لکھ لیا۔ ہنری جیمز کے ناول "Portrait of A Lady" کی کہانی کو بنیاد بنا کر ہالی ووڈ کے ہدایت کار جین کیمپئین نے 1996ء میں فیچر فلم بنائی۔ اردو میں جیمز کا یہی صرف ایک ناول ترجمہ ہوا۔ اس کے دیگر ناولوں کو بھی فلمایا جا چکا ہے۔ فلمی ہدایت کار جیمز آئیوری نے 1984ء میں ہنری جیمز کے ناول 'The Bostonians' پر فلم بنائی۔ اس سے قبل یہی ہدایت کار 1979ء میں ہنری جیمز کا ناول 'The Europeans' فلما چکا تھا۔ 1997ء میں آئین سوفٹلی نے ہنری جیمز کا ایک اور ناول "The Wings of The Dove" بھی فلما لیا۔ لیکن اُس کے ناولوں کو پہلی بار سکرین پر پیش کرنے کا سہرا ہدایت کار ڈان کرٹس کے سر ہے، جس نے 1974ء میں ہنری جیمز کے ایک اہم ناول "The Turn of The Screw" پر فلم بنائی۔

894۔ جیمز، ہنری: خونِ تمنا (دو جلدیں)

ترجمہ: منوہر سہائے

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی نمبر 29۔ نریندرا پیلس، س۔ن

ص جلد اوّل: 480

ص جلد دوم: 480

ناول: اٹھائیس ابواب پر مشتمل انگریزی ناول 'The Portrait of A Lady' کا ترجمہ۔ اس ناول کا ایک ترجمہ قرۃ العین حیدر نے 'ہمیں چراغ، ہمیں پروانے' کے نام سے کیا ہے۔ (حوالہ 9)

895۔ کارلیٹن: چندر مکھی کی بیل

ترجمہ: کیول سوری

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی۔ نریندرا پیلس، 1962ء

ص: 494

ناول: اس انگریزی ناول میں مذہب اور توہم پرستی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ (حوالہ 9)

896۔ 420

ترجمہ: شوکت تھانوی

لاہور: س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2)

897۔ چانگ، (مس) آئی لن: دھان کا کھیت

ترجمہ: شاہد احمد دہلوی

کراچی: مکتبہ نیا دور، 1957ء

ص: 272

ناول: چینی ناول 'Rice Sprout Song' کا ترجمہ۔ اس ترجمے کا ایک ایڈیشن توکیتن نئی دہلی نے 228 ص میں شائع کیا۔ پاکستان سے ایک اور ایڈیشن مشتاق بک ڈپو کراچی نے شائع کیا۔ (حوالہ:2، 9، 10، 11)

اس چینی ناول کا اوّلین انگریزی ترجمہ 1955ء میں نیویارک سے شائع ہوا۔ ناول میں چینی انقلاب اور معاشرتی زندگی پر اس کے اثرات خصوصی طور پر توجہ چاہتے ہیں۔ اس ترجمہ کے ذریعہ شاہد احمد دہلوی نے 1957ء میں کرداری سطح پر الجھی ہوئی نفسیات کو پہلی بار اردو میں متعارف کروایا۔ شاہد احمد دہلوی نے کرداروں کے نام تک ترجمہ کر دیئے مثلاً زربیخ، عطر چاندی اور زرگل چند اہم کرداروں کے نام ہیں۔

898۔ چانگ، (مس) آئی لن: ننگی دنیا

ترجمہ: اشرف صبوحی دہلوی

کراچی: کتاب خانہ علم وادب

ناول: چینی زبان سے بامحاورہ دہلوی انگ میں ترجمہ۔ دوسری بار مکتبہ میری لائبریری لاہور نے ''ننگی دھرتی'' کے نام سے شائع کیا۔ (حوالہ:2، 10، 11)

899۔ چٹان

ترجمہ: مسعود جاوید

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، س۔ن

ص: 428

ناول: چین سے متعلق انگریزی ناول 'ڈریگن سیڈ' کا ترجمہ۔ (حوالہ 9)

900۔ چرخوف، یوجین: سحر ہونے تک

ترجمہ: ابن انشاء

لاہور: لاہور اکیڈمی۔ طبع اوّل: 1958ء سے قبل شائع ہوا۔

ناول: دوسرا ایڈیشن لاہور اکیڈمی نے 1958ء میں 'مجبور' کے نام سے شائع کیا۔ (حوالہ 2)

901۔ چرخوف، یوجین: مجبور

ترجمہ: ابن انشاء

لاہور: لاہور اکیڈمی، طبع دوم 1958ء

ص: 128

ناول: آپ بیتی کے انداز میں ایک بے قرار روح کی کہانی۔ 1958ء سے قبل یہی ترجمہ 'سحر ہونے تک' کے نام سے شائع ہوا تھا۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

902۔ چشم نم

ترجمہ: اکرام جاوید

حیدرآباد دکن: پیکر پبلی کیشنز ریڈ ہلز، س۔ن

ص: 175

ناول: فرانسیسی سماجی ناول 'A Love Affair' کا ترجمہ۔ (حوالہ 9)

903۔ چکنے چکنے پات

ترجمہ: بال کرشن

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی 29۔ نریندرا پیلس، س۔ن

ص: 318

ناول: ایک جرأت مند، مبہم جولڑکے کی حکایت جو امریکی جوان نسل کا نمائندہ کردار ہے۔ (حوالہ 9، 12)

904۔ چمکتا ستارہ

ترجمہ: جمنا داس

امرتسر: پریم کتیا، س۔ن

ناول: (حوالہ:7)

905۔ چنگیز، اعتماتوف: ماں کی کھیتی

ترجمہ: قرۃ العین حیدر

دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ، 1966ء

ص: 132

ناول: روسی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ کھیتی ایک ایسی باہمت عورت ہے جو ساری مشکلات کا تن تنہا مقابلہ کرتی ہے۔ (حوالہ:9)

906۔ چور سینہ زور

ترجمہ: خالی احمد حسین خاں

لاہور: گلاب چند کپور چند، 1943ء

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:7)

907۔ چینی، پیٹر: کالے چہرے

ترجمہ: مظہر انصاری

لاہور: کتاب نما۔ چوک انارکلی، س۔ن

جاسوسی ناول: 'Black Faces' کا ترجمہ۔ قدم قدم پر گولیوں کی بوچھاڑ، مار پیٹ اور لاشوں کے ڈھیر۔ ایسے میں ایجنٹ لیمی کاشن اپنے مشن پر دکھائی دیتا ہے۔ حسین، حرافہ عورتیں پیٹر چینی کی عمدہ کردار نگاری کا ثبوت ہیں۔ (حوالہ،2، 19)

908۔ حسن کا جادو

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

دہلی: کتابستان۔ کوئنز روڈ، س۔ن

ص: 175

ناول: اسراری ناول جس میں ایک عورت کے معاشقے بیان کئے گئے ہیں۔ (حوالہ 9، 11)

909۔ حق بحقدار

ترجمہ: عبدالغفور

دہلی: خادم التعلیم پریس، 1923ء

ناول: (حوالہ:7)

910۔ حیرت انگیز ڈاکے

ترجمہ: میر بسمل، سید

نام مطبع ندارد، 1913ء

جاسوسی ناول: (حوالہ:7)

911۔ خالدہ ادیب خانم: ربیعہ

ترجمہ: شبلی ایم۔ کام

لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز

ص: 400

ناول: انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ اس ترجمے کے سبب خالدہ ادیب خانم کا ہمارے ہاں خاصا چرچا رہا۔
(حوالہ:2، 10، 11)

912۔ خوفناک قبیلہ

ترجمہ: ایم۔ جے عالم

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، 1961ء

ص: 350

ناول: افریقہ کے بعض قبائل کی زندگی کے حوالے سے اسراری ناول۔ (حوالہ9)

913۔ خوفناک ہنگامہ

اخذ و ترجمہ: ابن صفی

لاہور: اسرار پبلی کیشنز میکلوڈ روڈ (حال: اردو بازار)، س۔ن

جاسوسی ناول: اس ناول کا صرف ایک کردار پروفیسر درانی انگریزی سے مستعار ہے۔ کہانی ابن صفی کی ہے۔ یہ بات خود ابن صفی نے ایک انٹرویو میں بتائی تھی۔ (حوالہ:2)

914۔ خواب فراموش

ترجمہ: رزم اناوی

ناول: انگریزی ناول کا ترجمہ، 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 4)

915۔ خونی انتقام

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

دہلی: کتابستان۔ کوئنز روڈ، س۔ن

ص: 176

ناول: اسراری ناول۔ انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 9)

916۔ خونی پتھر

اخذ و ترجمہ: ابن صفی

لاہور: اسرار پبلی کیشنز، میکلوڈ روڈ (حال: اردو بازار)، س۔ن

جاسوسی ناول۔ انگریزی سے پلاٹ مستعار ہے۔ یہ بات ابن صفی نے بھی تسلیم کی ہے۔ (حوالہ 2)

917۔ خونی وکیل

ترجمہ: وحید الحق

ناول: انگریزی سے ''ہینڈ اینڈ نگ'' کا ترجمہ، 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 4)

918۔ خیالی پلاؤ

ترجمہ: قرۃ العین حیدر

دہلی: مکتبہ جامعہ، 1967ء

ص: 141 (حوالہ 9)

919۔ دوستوفسکی: جرم و سزا

ترجمہ: کمال احمد رضوی

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسہ فرینکلن،

ص: 232

ناول: روسی ناول 'Crime and Punishment' کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ 2، 17)

920۔ دالیسی، لیو: ابن حور

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، لوہاری گیٹ، س۔ن

ناول: اس ناول پر مبنی ہالی وڈ کی فیچر فلم میں ایمن نویرو نے ''ابن حور'' اور فرانسس ایکس بشن مین نے مرکزی کردار ادا کئے۔ (حوالہ 2)

921۔ درسِ عشق

ترجمہ: مرزا خاں دہلوی

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 2،5)

922۔ دوستوفسکی، فیودر: ذلتوں کے مارے لوگ

ترجمہ: ظ۔انصاری

ماسکو: دارالاشاعت ترقی

ناول: روسی زبان سے براہ راست ترجمہ۔ یہ ترجمہ اب فکشن ہاؤس، لاہور نے بھی شائع کر دیا ہے۔(حوالہ 2،10،11)

923۔ دوستوفسکی، فیودر: بے چارے لوگ

ترجمہ: ظ۔انصاری

ماسکو: بدیسی زبانوں کا اشاعت گھر، س۔ن

ص: 34چ

ناول: روسی زبان سے براہ راست ترجمہ۔ مفلوک الحال لوگوں کی کہانی۔ ظ۔انصاری نے اسی مصنف کا ضخیم ناول ''Idiot'' (لگ بھگ بارہ سو صفحات) بھی روسی زبان سے اردو میں منتقل کیا۔ (حوالہ 9،12)

924۔ دوستوفسکی، فیودر: جواری

ترجمہ: قاسم محمود، سیّد

لاہور: مکتبہ جدید، طبع اوّل: 1857ء

ص: 2238

ناول: روسی ناول کا ترجمہ۔ اس سے قبل ''جواری'' ہی کے عنوان سے ظ۔انصاری کا ترجمہ چھپ چکا تھا۔ قاسم محمود نے اسی ترجمے کو سامنے رکھا اور الفاظ کے الٹ پھیر سے کام لیا۔ قاسم محمود کو روسی زبان نہیں آتی۔(حوالہ 2،10،11)

ترجمہ سے نمونہ ملاحظہ ہو:

> مجھے یاد ہے کہ وہ اپنی نشست سے معمولی بھی جنبش کیے یا وضع تبدیل کئے بغیر میرے چہرے کو برابر تک رہی تھی۔
> نوٹوں کی آخری گڈی میز پر ڈالتے ہوئے میں نے ذرا زور سے کہا۔'پورے دو لاکھ فرانک جیتے ہیں میں نے'۔
> نوٹوں کی گڈیوں اور طلائی سکوں کا ایک ڈھیر میز پر پڑا تھا۔ میں کوشش کے باوجود اپنی نگاہیں اس ڈھیر سے نہ ہٹا سکا۔
> اپنی جیتی ہوئی دولت دیکھنے میں اس قدر محو تھا کہ چند لمحات کے لئے تو میں پالینا کو بھی بھول گیا۔ اچانک پتا نہیں مجھے کیا ہوا، میں بنک کے نوٹ ترتیب سے رکھنے لگا اور سکے ایک جگہ جمع کر کے چھوٹی چھوٹی ڈھیریوں میں جمانے لگا۔
> (باب: 15 کا ابتدائیہ)

925۔ دوستوفسکی، فیودر: ریت کا محل

ترجمہ: ن۔ن

نئی دہلی: آہلووالیہ بک ڈپو۔ قرول باغ، س۔ن

ص: 224

ناول: روسی ناول 'جرم وسزا' کی تلخیص وترجمہ۔ کرداروں کو ہندوستانی ماحول میں ڈھال دیا گیا ہے۔ (حوالہ 9)

926۔ دوستوفسکی، فیودر: جرم وسزا

ترجمہ: کمال احمد رضوی

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

ناول: روسی ناول 'Crime & Punishment' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 10، 11)

927۔ دلیر مجرم

اخذ وترجمہ: ابن صفی

لاہور: اسرار پبلی کیشنز میکلوڈ روڈ (حال: اردو بازار)، طبع اوّل 1952ء

جاسوسی ناول: جرمن زبان کے جاسوسی ناول کا آزاد ترجمہ۔ مقامات اور تفصیل میں ردو بدل کر دیا گیا ہے۔ اس کہانی کو انگریزی میں پیٹر شینی اور وکٹر گن نے الگ الگ لکھا تھا۔ ہندی ناول 'قیامت کی رات' بھی اسی کہانی پر مبنی ہے۔ ابن صفی نے اس ترجمے کے ذریعے پہلی بار حمید اور فریدی کے کردار متعارف کروائے۔ (حوالہ 2)

928۔ دو بجلیاں

ترجمہ: عبدالجبار

دہلی: نوبہار بک ڈپو، س۔ن

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ کتاب 1944ء سے قبل شائع ہوئی۔ (حوالہ 7)

929۔ دورنگی چال

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نامی پریس، س۔ن

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ کتاب 1944ء سے قبل شائع ہوئی۔ (حوالہ 7)

930۔ ڈرائیڈن، جان: کلیوپیٹرا

ترجمہ: محسن احسان

پشاور: یونیورسٹی بک ایجنسی

ناول: 'All for Love' کا ترجمہ۔ معروف غزل گو محسن احسان، اسلامیہ کالج پشاور کے صدر شعبہ انگریزی تھے۔ (حوالہ 13)

931۔ ڈکنز، چارلس: دوشہروں کی کہانی

ترجمہ: فضل الرحمٰن

دہلی: پبلی کیشنز ڈویژن۔ منسٹری آف انفارمیشن حکومت ہند، 1961ء

ص: 647

ناول: مشہور زمانہ ناول 'A Tale of Tw' کا ترجمہ۔ اب حال ہی میں اس ناول کا ایک ترجمہ اسی نام سے دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد نے بھی شائع کیا ہے۔ (حوالہ 2، 9)

932۔ ڈکنز، چارلس: شعلہ زار

ترجمہ: خان احمد حسین خاں

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، س۔ن

ص: 209

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 16)

933۔ ڈنگ، کلفورڈ: جنگل میں لاش

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: مکتبہ آغوش

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 13، 16)

934۔ ڈوما، الگزینڈر: تیغ زن (دو جلدیں)

ترجمہ: مظہر الحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، 1966ء

ص جلد اوّل: 592

ص جلد دوم: 644

ناول: 67 ابواب پر مشتمل ناول ''کاؤنٹ آف مونٹی کرسٹو'' کا ترجمہ۔ ناول کے اصلی نام کے ساتھ ایک ملخص ترجمہ حال ہی میں دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد نے بھی شائع کیا ہے۔ اس ناول کا ایک ترجمہ ''سیاہ چادر'' کے عنوان سے ریاض الدین دہلوی نے بھی کیا، جو 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 9)

935۔ ڈوما، الگزینڈر: وطن پرست

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: لال برادرس، 1922ء

ناول: ''ایجنٹس ڈاٹر'' کا ترجمہ۔   (حوالہ:2، 4، 7، 10، 11)

936۔ ڈونل، پیٹر۔ او: شیطانی منصوبہ

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Sabre Tooth' کا ترجمہ۔   (حوالہ 18)

937۔ ڈے، بریٹ ہال: خونی ڈائری

ترجمہ: اختر رحمانی

کراچی: انور پبلشرز۔ نکل روڈ

جاسوسی ناول: اردو ترجمہ، 1962ء سے قبل شائع ہوا۔   (حوالہ:2)

938۔ ڈیفو، ڈینیئل: ترجمہ رابن سن کروسو

ترجمہ: حمید احمد انصاری

لاہور: ریلیجینس بُک سوسائٹی، انارکلی

ناول: بچّوں کے لئے ملخص ترجمہ۔ مختصر پمفلٹ۔ یہ ڈیفو کا اردو میں پہلا ترجمہ ہے۔ کرچیئن بچوں کے لئے۔ یہ ایک مہماتی کہانی ہے جو دنیا بھر کے بچّوں میں مقبول رہی۔ حال ہی میں ایک ترجمہ و تلخیص دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد نے بھی شائع کی ہے۔   (حوالہ:2، 10، 11)

939۔ ڈے، کلیرنس: ذاتِ گرامی

ترجمہ: جاوید شاہین

لاہور: انونیکو پبلشرز 26 مال روڈ، 1958ء

ص: 224

ناول: مزاحیہ ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔   (حوالہ:2، 16)

اس ناول کا مرکزی کردار 'والد صاحب' ایک بین الاقوامی شہری ہے جو ہر زمانے اور ہر عہد میں موجود رہا ہے۔ اس نوع کے کردار کا اولین تعارف منشی سجّاد حسین نے حاجی بغلول کی صورت کروایا تھا اور اس نوع کا آخری کردار امتیاز علی تاج نے ''چچا چھکن'' کے نام سے تخلیق کیا۔

اس ناول کے مرکزی کردار 'والد صاحب' ایٹمی دور کے نیویارک، ماسکو یا شکاگو میں ہی نہیں رہتے، ہمارے ہاں کے پچیس فیصد گھرانوں کا لازمہ ہیں۔ اس ناول میں وہ اونچی فیلٹ کیپ پہنتے ہیں۔ پیدل چلتے ہیں اور چھڑی ہاتھ میں سجاتے ہیں۔ جدید آلاتِ

تشخیص سے انہیں چڑ ہے۔ بے فکر، بے باک، بدمزاج اور ضدی ہونے کے ساتھ ساتھ دل کے بڑے سادہ، مہربان اور شفیق بھی ہیں۔ ان کی مضحکہ خیز حرکات سے نہ تو کسی کی تضحیک ہوتی ہے اور نہ خود ان کی۔ جاوید شاہین نے ''ذات گرامی'' کو ترجمہ کر کے ہمارے مزاح نگاروں کے لئے ایک ایسے میدان کی نشاندہی کی ہے جہاں پاسِ ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے ہوئے بے ضرر مزاح کے خزینے ہم اپنے ہاں سے دریافت کر سکتے ہیں۔

940۔ ڈیلگلیش، ایلس: سارہ کی بہادری

ترجمہ: انتظار حسین

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسۂ فرینکلن، نیویارک، ص:64

ناول: باتصویر، بچوں کے لئے۔ آٹھ سالہ لڑکی جو ریڈ انڈین وحشیوں کے ہتھے چڑھ گئی۔ (حوالہ: 2، 17)

941۔ ڈیویز، ارنسٹ: نولکھا ہار

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ناول: 'The Windows Necklace' کا ترجمہ، 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ یہ ترجمہ نیشنل لٹریچر کمپنی دہلی نے بھی شائع کیا ہے۔ (حوالہ: 2، 4، 11)

942۔ رابرٹس، کینتھ: بادبان

ترجمہ: قاسم محمود، سیّد

لاہور: مکتبہ اردو سرکلر روڈ، 1960ء۔

ص: 372

ناول. انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11، 13)

943۔ راتھر، رچرڈ۔ ایس: غبن کا کیس

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Dead Heat' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

944۔ راتھر، رچرڈ۔ ایس: قیدی حسینہ

ترجمہ: مسلم رحمانی

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The Case of The Vanishing Beauty' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

945۔ راتھر، رچرڈ۔ ایس: قاتل کا اغوا

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Slab Happy' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

946۔ راتھر، رچرڈ۔ ایس: مصنوعی خودکشی

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'The Cockeyed Corpse' کا ترجمہ۔ اِسی مترجم نے رچرڈ۔ ایس راتھر کے ناول: 'Find the women' کا 'گمشدہ عورت' کے عنوان سے کامران سیریز کے لیے ترجمہ کیا تھا۔ (حوالہ 18)

947۔ راتھر، رچرڈ۔ ایس: مجرم قانون

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ۔

جاسوسی ناول: 'Too Many Crooks' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

948 راتھر، رچرڈ۔ ایس: نشے کا دھندا

ترجمہ سراج الدین [illegible]

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Dig That Crazy Grave' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

949۔ راتھر، رچرڈ۔ ایس: وطن کے غدار

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'The Trojen Horse' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

950۔ راتھر، رچرڈ۔ ایس: سنگدل مجرم

ترجمہ: مسلم رحمانی

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Over Her Dead Body' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

951۔ راتھر، رچرڈ۔ ایس: حادثوں کا چکر

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'The Scrambled Yeggs' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

952۔ راتھر، رچرڈ۔ ایس: بوتل کا جن

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Patron For Panic' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

953۔ راتھر، رچرڈ۔ ایس: بے باک قاتل

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Lie Down Killer' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

954۔ راتھر، رچرڈ۔ ایس: پراسرار جزیرہ

ترجمہ: مسلم رحمانی

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Dead Man's Walk' کا ترجمہ۔ اسی مترجم نے ایس۔ رچرڈ راتھر کی جاسوسی ناول 'Darling it is death' کا ترجمہ: ''خونی دستاویز'' کے عنوان سے کیا تھا۔ جو اسی ادارے نے شائع کیا۔ (حوالہ: 18)

955۔ راتھر، رچرڈ۔ ایس: تالاب میں لاش

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Way of a Wanton' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

956۔ راتھر، رچرڈ۔ ایس: جنت میں شیطان

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Kill Me Tomorrow' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

957۔ راتھر، رچرڈ۔ ایس: جوکر
ترجمہ: اثر نعمانی
راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،
جاسوسی ناول: 'Kill The Clown' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

958۔ راتھر، رچرڈ۔ ایس: جاسوس جج
ترجمہ: سراج الدین شیدا
راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،
جاسوسی ناول: 'The Kubla Khan Caper' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

959۔ رازِ عشق
ترجمہ: ایڈیٹر اودھ ریویو، لکھنؤ
لکھنؤ: نولکشور پریس، طبع اول: 1917ء
ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 14)

960۔ راسکو، مائک: موت کی نیند
ترجمہ: سراج الدین شیدا
راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،
جاسوسی ناول: 'One Tear For' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

961۔ رافگو، مارجوری کنن: بروا
ترجمہ: محمد صادق، ڈاکٹر
لاہور: تخلیق مرکز، س۔ن
ص: 416
ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

962۔ رائس، کریگ: ڈھائی لاکھ
ترجمہ: ایم۔ جے عالم
لکھنؤ: نسیم بک ڈپو لاٹوش روڈ، 1961ء
ص: 288
جاسوسی ناول: 'The Sunday Pigeon Murders' کا ترجمہ۔ اسراری ناول۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

963۔ رچی، ریٹا: چنگیز خاں کے سنہری شاہین

ترجمہ: اشفاق احمد

لاہور: مکتبہ معین الادب بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، 1960ء

ناول: 'The Golden Hawks of Genghis' کا ترجمہ۔ (حوالہ 2، 17)

964۔ رسل، ڈبلیو کلارک: ستمِ ہوشربا

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل، س۔ن

جاسوسی ناول: 'از ہی وی مین'، 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 4، 7)

965۔ رسل، ہیرلڈ و روزن، وکٹر: عزمِ جواں

ترجمہ: راج نرائن

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی۔ ریگل بلڈنگ، 1957ء

ص: 115

ناولٹ: دو مصنفین کی مشترکہ پیشکش کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 9، 12)

966۔ رشیدوف: جیالے

ترجمہ: ن۔ن

ماسکو: بدیسی زبانوں کا اشاعت گھر، 1949ء

ص: 355

ناول: ازبکستان کے نئے اشتراکی معاشرے سے متعلق روسی ناول۔ (حوالہ 9)

967۔ رقاصہ کا قتل

اخذ و ترجمہ: ابنِ صفی

لاہور: اسرار پبلی کیشنز میکلوڈ روڈ (حال: اردو بازار)، س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی ناول سے مستعار۔ (حوالہ:2)

968۔ رکٹر، کونرڈ: گھاس کا سمندر

ترجمہ: قاسم محمود، سیّد

لاہور: شیش محل کتاب گھر بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، 1960ء

ناول: 'The Sea of Grass' کا ترجمہ۔ (حوالہ:2، 17)

969۔ رکٹر، کونرڈ: شجر

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: ہوم لائبریری پبلی کیشنز اردو بازار، س۔ن

ناول: امریکی ناول کا ترجمہ (حوالہ:2، 10، 11)

کونرڈ رکٹر پینسلوانیا امریکہ کے مشہور ناول نگار جو صحافی سے ناول نگار بنے۔ وہ ایک زمانے تک ایک ایسے اخبار سے متعلق رہے جو جانسن ٹاؤن، پنسلوانیا (امریکہ) سے شائع ہوتا تھا۔ اس اخبار سے متعلق رہنے کا تجربہ ان کے ناولوں میں بولتا ہے۔

'شجر' کونرڈ رکٹر کا اوّلین ناول تھا جبکہ اس کے بعد انہوں نے 'کھیت' اور 'شہر' کے ناموں سے دو عظیم ناول لکھے۔

'شجر' میں شمال اور وسطی پنسلوانیا کے پہاڑی لہجے کو انہوں نے جوں کا توں گرفت میں لینے کا جتن کیا ہے۔ یہ ناول ان ابتدائی آباد کاروں کی طرزِ معاشرت اور عادات و اطوار سے متعارف کرواتا ہے جو پنسلوانیا کی ریاست میں سب سے پہلے وارد ہوئے۔ ابتدائیہ سے ایک سطر ملاحظہ ہو:

''وہ جھومتے جھامتے جا رہے تھے۔ یہ کنبہ یوں جنگل میں چلا جا رہا تھا جیسے لوگ سمندر عبور کرتے ہیں۔''

970۔ روز، انا پیرٹ: شریف گھر

ترجمہ: ن۔ن

نئی دہلی: سنیچہ بک سینٹر، 1950ء

ص: 208

ناول: امریکی ناول 'The Gentle House' کا ترجمہ۔ ناول کا موضوع و مقصد کمیونزم اور اشتراکیت کی مذمت اور امریکی پالیسی کی حمایت ہے۔ (حوالہ:9)

971۔ روز، سی۔ ایف: جوشِ محبت

ترجمہ: مظہر الحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، 1961ء

جاسوسی ناول: فرانسیسی ناول کا ترجمہ۔ اس ناول میں کوہ آلپس کے گرد و نواح میں رہنے والے بھولے بھالے لوگوں کی کہانی پیش کی گئی ہے۔ (حوالہ:9، 16)

972۔ روہمر، سیکس: فو مانچو کی تلاش

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

جاسوسی ناول: اسراری ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2)

973۔ روہمر، سیکس: سنہری بچھو

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ناول: ''دی گولڈن اسکورپین'' کا ترجمہ۔ ایک ایسے شخص کی داستان جو اس دنیا کے نظام کو ناکارہ تصور کر کے تبدیلی لانا چاہتا ہے۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ اب یہ ترجمہ 2007ء میں فکشن ہاؤس لاہور نے شائع کر دیا ہے۔ (حوالہ 2،4)

974۔ روہمر، سیکس: ڈاکٹر فومانچو

ترجمہ: کشن چند ماتھر

دہلی: رتن اینڈ کو بک سیلرز۔ دریبہ کلاں، س۔ن

ص: 317

جاسوسی ناول: اسراری ناول کا انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:9)

975۔ روہمر، سیکس: ڈاکٹر فومانچو

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: دین محمد پریس، 1944ء

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ ایک ترجمہ کشن چند ماتھر کا بھی ملتا ہے۔ (حوالہ:7)

976۔ روہمر، سیکس: گوریلا انسان

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ۔

جاسوسی ناول: 'The Moon is Red' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

977۔ روہمر، سیکس: ہائی لیڈی

ترجمہ: ایف۔ ایم۔ صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ۔

جاسوسی ناول: 'Nude in Mink' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

978۔ رہزنِ ہوشربا

ترجمہ: خنجر، مرزا فدا علی

لاہور: جے۔ ایس۔ سنت سنگھ، س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:7)

979۔ ریمارک، ایرک میریا: محاذ خاموش ہے

ترجمہ: احسن طاہر

لاہور: مکتبہ اردو، سرکلر روڈ، س۔ن

ناول: 'All Quite on The Western Front' کا ترجمہ۔ (حوالہ 2، 10، 11)

اس ناول کا شمار 20ویں صدی کے مقبول ترین ناولوں میں ہوتا ہے۔ ریمارک فرانسیسی نژاد تھا لیکن اس کے اجداد انقلاب فرانس کے دوران میں جرمنی میں آباد ہو گئے تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران اس کی عمر بہ مشکل اٹھارہ برس کی ہو گی جب اس نے اسکول کی تعلیم چھوڑ کر مغرب کے محاذ پر لڑنے کو ترجیح دی۔ اس کی متلون مزاجی نے اسے نہ تو پوری طرح موسیقار بننے دیا اور نہ ہی ڈرامہ نگار اور صحافی۔ یہاں تک کہ اس نے 'All Quite on The Western Front' کے نام سے ناول لکھ مارا۔

اس ناول میں ناول کی صنف کے تکنیکی تقاضے پورے نہیں کئے گئے اور صرف یادداشتوں کے سہارے مختلف ابواب کو ایک تسلسل میں جوڑا گیا ہے پھر بھی یہ ناول اپنے تاثر کی شدت کے اعتبار سے صفِ اوّل میں شمار ہوا۔

اس ناول میں جنگ کی ہولناکیوں کے مناظر محسوس کرنے کی چیز بن گئے ہیں۔ انسانیت کی پسپائی اور جذباتی رشتوں کی شکست و ریخت ناول کا موضوع ہیں۔

اجڑے ہوئے شہر اور تباہ شدہ صنعتی مراکز تو تعمیر ہو ہی جاتے ہیں لیکن وہ خلا مدتوں پُر نہیں ہوتا جو روح پر گھاؤ لگنے سے پیدا ہوا تھا۔

اس ناول پر ہالی وڈ، امریکہ سے فلم بھی بن چکی ہے۔

980۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: اسرار (2 جلدیں)

ترجمہ: صدیق احمد

لکھنؤ: نگار بک ایجنسی، 1921ء

جاسوسی ناول: ''نیکر و مینسر'' کا انگریزی سے ترجمہ۔ اس ترجمے کو لال برادرس لاہور نے بھی شائع کیا تھا۔ ایک ایڈیشن منروا کمپنی لکھنؤ کا بھی ملتا ہے جو 1923ء سے قبل شائع ہوا۔ رینالڈس کے 'Gothic Thrillers' نے ایک زمانے تک لوگوں کو اپنا دیوانہ بنائے رکھا۔ اس کے اردو میں ترجمے بھی بہت ہوئے۔ (حوالہ 1، 2)

981۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: اسرارِ حرم

ترجمہ: منشی احمد الدین

لاہور: لال برادرس

اسراری ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 10، 11)

982۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: باپ کا قاتل

ترجمہ: شمیم بلہوری

نام مطبع ندارد،

جاسوسی ناول: ایک نوجوان کی گناہ آلود زندگی کی کہانی، ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ 'پیرا سائیٹ' کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 1، 2، 4)

983۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: پاداش عمل (5 جلدیں)

ترجمہ: صدیق حسن لکھنوی، مولوی

لاہور: لال برادرس،

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ صدیق حسن صاحب مولانا عبدالحلیم شرر کے فرزند ہیں۔ (حوالہ 11، 13، 16)

984۔ رینالڈس، جارج ایم۔ ڈبلیو: پراسرار مکان

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

انبالہ چھاؤنی: لکشمی دیوناگہ اینڈ سنز۔ سبزی منڈی، 1949ء

ص: 115

ناول: نیم اسراری سماجی ناول (حوالہ: 9)

985۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: جنت الفردوس

ترجمہ: جے نرائن ورما

جاسوسی ناول: تاریخی حوالوں کے ساتھ عشق اور جانبازی کے قصّے۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 4)

986۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: جھیل کی معشوقہ

ترجمہ: لالہ دینا ناتھ

نام مطبع ندارد،

جاسوسی ناول: 'Fisher Man' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 1، 2)

987۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: چاک گریباں

ترجمہ: بابو پرشاد، منشی

مراد آباد: ناول بک ایجنسی، 1896ء

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 1، 2)

988۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: حرم سرا (دو جلدیں)

ترجمہ: ریاض خیر آبادی

جاسوسی ناول: 'لائٹ آف دی حرم' کا ترجمہ سلاطین قسطنطنیہ کے حرم سرا کے حالات ہیں۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 4)

989۔ رینالڈس، چارج ولیم۔ ایم: حسرتِ وصل

ترجمہ: خورشید حسن بجنوری، شیخ

لاہور: لال برادرس

ص: 114

ناول: رومانی و اسراری ناول کا انگریزی سے ترجمہ، 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 4، 13، 16)

990۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: خوبیٔ قسمت

ترجمہ: عبدالحلیم شرر

لاہور: گیلانی الیکٹرک پریس، س۔ن

ناول: 'May Madilton' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 1، 3)

991۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: خونی تلوار (دو جلدیں)

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: لال برادرس، 1923ء

جاسوسی ناول: 'میسیکر آف گلینکو' کا ترجمہ۔ ایک ایڈیشن مکتبۂ عظمت لاہور نے بھی شائع کیا۔ (حوالہ: 4، 7)

992۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: دربارِ پیرس کے اسرار

ترجمہ: غلام قادر فصیح

لاہور: لالہ رام داس

جاسوسی ناول: 'مسٹریز آف دی کورٹ آف پیرس' کا ترجمہ، 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 4، 7)

993۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: دھوکہ یا طلسمی فانوس

ترجمہ: سجاد حسین، منشی

لاہور: لال برادرس

اسراری ناول: 'ماسٹر تھوتھیز بک کیس' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 13، 16)

994۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: روز المبرٹ

ترجمہ: امیر حسن کاکوروی

لکھنؤ: نولکشور، س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 9، 14)

995۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: روز البرٹ

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: بہارگواسکول، 1933ء

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:7)

996۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: روز البرٹ (خورد)

تلخیص وترجمہ: جے نرائن ورما واثر لکھنوی

لکھنؤ: نولکشور، 1920ء

جاسوسی ناول: ایک پادری کی بدطینت بیٹی کی داستانِ حیات جسے مجبوراً حسن فروشی کرنا پڑی۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ اس ناول کا ایک ترجمہ مرزا حیرت دہلوی نے بھی کیا تھا، وہ ترجمہ بھی 1939ء سے قبل شائع ہو چکا۔ اس ترجمے کا ایک ایڈیشن لال برادرس لاہور نے بھی شائع کیا۔ (حوالہ:1، 2، 4)

997۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: روز البرٹ (کلاں)

ترجمہ: جے نرائن ورما واثر لکھنوی

لکھنؤ: نولکشور، 1920ء

جاسوسی ناول: ایک پادری کی بدطینت لڑکی کی داستان حیات۔ یہ ترجمہ مکمل ناول کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کتاب کی تلخیص بھی شائع ہوئی ہے۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ اس ترجمے کا ایک ایڈیشن لال برادرس لاہور نے بھی شائع کیا۔ (حوالہ:1، 2، 4)

998۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: روز البرٹ (دو جلدیں)

ترجمہ: مرزا حیرت دہلوی

لکھنؤ: مطبع نولکشور، س۔ن

جاسوسی ناول: پادری کی حسن فروش لڑکی کے سیاہ کارنامے۔ عبرت آمیز کہانی۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ اس ناول کا ایک ترجمہ جے نرائن ورما نے بھی کیا تھا۔ (حوالہ:4)

999۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: سپاہی کی دلہن

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: لال برادرس

اسراری ناول: 'Soldiers Wife' کا ترجمہ۔ (حوالہ:14)

1000۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: سرگزشت (چار جلدیں)

ترجمہ: نوازش علی خاں لاہوری، منشی

لاہور: لال برادرس

جاسوسی ناول: 'میری پرائس' کا ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ.4)

1001۔ رینالڈس، جارج ولیم۔شادکام

ترجمہ: امجد حسین، منشی

لاہور: لال برادرس

اسراری ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:13، 16)

1002۔ رینالڈس، جارج ولیم۔شامِ جوانی (2 جلدیں)

ترجمہ: نوبت رائے نظر لکھنوی

لکھنؤ: نولکشور، 1926ء

ناول: اسراری و رومانی ناول کا ترجمہ۔طبع دوم: 1938ء ایک ایڈیشن لال برادرس لاہور کا بھی ملتا ہے۔ 'The Young Witches' کا ترجمہ۔ (حوالہ:1، 2، 4، 7)

1003۔ رینالڈس، جارج ولیم۔شامِ غربت

ترجمہ: انبالداس

لاہور: جے۔ایس سنت سنگھ، س۔ن

جاسوسی ناول. انگریزی سے ترجمہ۔کتاب 1944ء سے قبل شائع ہوئی۔ (حوالہ.7)

1004۔ رینالڈس، جارج ولیم۔شامِ غربت

ترجمہ: کرامت اللہ امرتسری

لاہور: لال برادرس

ص: 439

اسراری ناول: 'پوپ جان' کا ترجمہ۔ (حوالہ:13، 14، 17)

1005۔ رینالڈس، جارج ولیم۔شکستہ دل

ترجمہ: کمار، پی۔ایم

لاہور: لال برادرس، پارسنز روڈ، نولکھا،

ص: 136

اسراری ناول: 'مے مڈلٹن' کا ترجمہ۔ (حوالہ:13، 14)

1006۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ طلسمی فانون یا دھوکہ

ترجمہ: سجاد حسین، منشی

لکھنؤ: نولکشور پریس، طبع اوّل: 1925ء

ناول: ایڈیٹر 'اودھ پنچ' لکھنؤ کا ترجمہ۔ (حوالہ: 4، 7، 8)

1007۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: عمر پاشا فاتح کریمیا (چار جلدیں)

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: حمیدیہ پریس، 1902ء

تاریخی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ غالبًا یہ ترجمہ انشاء اللہ خاں کا ہے۔ لال برادرس لاہور نے ایک نامکمل ترجمہ احمد الدین کا بھی شائع کیا تھا۔ (حوالہ: 1، 2، 4، 7)

1008۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: عمر پاشا فاتح کریمیا (چار جلدیں)

ترجمہ: انشاء اللہ خاں

لاہور: ایشیاء بک ڈپو خاک خانہ وطن، 1942ء

ناول: جنگ دریائے ڈینوب و محاربہ کریمیا کی تاریخی داستان۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 1، 2، 4)

1009۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: عمر پاشا

ترجمہ: احمد الدین، منشی

لاہور: لال برادرس، س۔ن

ص: 288

تاریخی ناول: غالبًا مکمل ناول کا ترجمہ نہیں ہے۔ (حوالہ: 10، 11، 16)

1010۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: عذرا

ترجمہ: محمد خلیل الرحمٰن، منشی

لاہور: دارالاشاعت پنجاب، طبع اوّل: 1938ء

ناول: اسراری ناول 'She' کا ترجمہ دراصل ناول کی پہلی جلد کا ترجمہ ہے۔

دوسری جلد ظاہر حسن نے ترجمہ کی تھی۔ ہر دو ترجمے 1939ء سے قبل شائع ہو چکے تھے۔ اس ناول کے دونوں حصوں کا ایک ترجمہ ذوالفقار احمد تابش نے بھی کیا ہے جسے فیروز سنز لاہور نے 'سلمٰی' اور 'سلمٰی کی واپسی' کے ناموں سے شائع کیا۔ (حوالہ 4، 7)

1011۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم:عذرا کی واپسی

ترجمہ: محمد ظاہر حسن، منشی

لاہور: دارالاشاعت پنجاب، طبع اوّل: 1938ء

ناول: اسراری ناول ایک ایسی عورت کی کہانی جو ہزارہا برس سے زندہ تھی۔ یہ ترجمہ کتاب کی دوسری جلد کا ہے پہلی جلد کا ترجمہ خلیل الرحمٰن نے کیا۔ ہر دو ترجمے 1939ء سے قبل شائع ہو چکے تھے۔ یہ ترجمہ 'The Return of She' کا ہے۔ (حوالہ 7،4)

1012۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم:غرورِ حسن (جلد ایک تا 128)

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: لال برادرس، س۔ن

جاسوسی ناول:14 جلدوں میں ہے۔ فی جلد دو ابواب پر مشتمل ہے۔ 'Beauty And Pleasure' کا ترجمہ۔ اس ترجمے کو ایشیا بک ڈپو لاہور نے 1942ء میں شائع کیا تھا۔ لال برادرس والا ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 2،4،7)

1013۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم:فسانہ الہ دین ولیلیٰ

ترجمہ: امیر حسین کاکوروی، منشی

لکھنؤ: نولکشور، طبع اوّل 1915ء

ص: 662

ناول: 'Star of Magrelia' کا ترجمہ۔ دوسری بار نولکشور نے 1925ء میں شائع کیا۔ یہی ترجمہ لال برادرس لاہور نے 637 صفحات میں شائع کیا۔ ایک اور ایڈیشن نگار بک ایجنسی لکھنؤ نے 1929ء میں شائع کیا۔ ناول میں دوزخ اور بہشت کی نقشہ کشی کی گئی ہے جو مقبولیت کا سبب بنی۔ (حوالہ 1،2)

1014۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم:فسانہ حسرت ووصل

ترجمہ: امیر حسین کاکوروی، منشی

لکھنؤ: نولکشور پریس،

اسراری ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:14)

1015۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم:فسانہ سوزن عشق

ترجمہ: امیر حسین کاکوروی، منشی

لکھنؤ: نولکشور پریس،

اسراری ناول: 'مسٹمر س' کا ترجمہ۔ (حوالہ:14، 16)

1016۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: فسانہ سوزن عشق

ترجمہ: پنڈت بشمبر ناتھ

ناول: ہوس پرستوں کی دست درازیوں اور فریب کاریوں سے متعلق۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 4)

1017۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: فسانہ لارنس ورتھ (2 جلدیں)

ترجمہ: امیر حسن کاکوروی، منشی

لکھنؤ: نولکشور، 1927ء

ص: 1220

ناول: اسراری ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 1، 2)

1018۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: فسانہ لندن (جلد اول)

ترجمہ: ظفر علی خاں، مولانا

علی گڑھ: بک ڈپو مدرسۃ العلوم، س۔ن

ص: 434

ناول: مشہور زمانہ اسراری ناول کی جلد اوّل کا ترجمہ پہلی بار ''دکن ریویو'' حیدر آباد دکن میں شائع ہوا۔ 'Mysteries of London' کا ترجمہ۔ اس ناول کا ترجمہ تیرتھ رام فیروز پوری نے بھی کیا تھا۔ دونوں ترجمے 1925ء سے قبل شائع ہوئے۔ (1، 2)

1019۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: فسانہ لندن (8 جلدوں میں)

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: لال برادرس، جلد اوّل: 1924ء

جاسوسی ناول: جلد اوّل 1924ء میں شائع ہوئی جبکہ دیگر 7 جلدیں 1925ء میں طبع ہوئیں۔ 'Mysteries of London' کا یہ ترجمہ نرائن دت سہگل لاہور نے بھی شائع کیا۔ اس کا تیسرا ایڈیشن ایشیاء بک ڈپو لاہور نے 1927ء میں شائع کیا۔

(حوالہ: 2، 7، 10، 11)

1020۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: فسانہ لندن (10 جلدیں)

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ص: 1700

ناول: سلسلۂ اول: 17 حصے، چار جلدوں میں۔ سلسلۂ ثانی: 25 حصے، چھ جلدوں میں 'Mysteries of London' کا ترجمہ۔ یہی ترجمہ 13 جلدوں میں بھی دستیاب تھا۔ (حوالہ: 1، 2)

1021۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: فریبِ حسن

ترجمہ: امیر حسن کاکوروی، منشی

لکھنؤ: نگار بک ایجنسی، 1929ء

ناول: بدکاری کے زبوں نتائج پر مبنی ناول 'فاسٹ' کا ترجمہ۔ (حوالہ 1، 2)

1022۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: فریبِ حسن

ترجمہ: اکبر حسین، خواجہ

ناول: آٹو اور یوکریزا کی محبت کی داستان 'فاسٹ' کا ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ اس ناول کا ایک ترجمہ امیر حسین کاکوروی نے بھی کیا تھا جو ''رسالہ نگار'' نے 1929ء میں شائع کیا۔ (حوالہ: 2، 4)

1023۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: قدیم لندن کے اسرار (دو جلدیں)

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: پیسہ اخبار، 1923ء

ناول: (حوالہ: 7)

1024۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: گردشِ آفاق (سات جلدیں)

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ص جلد اول: 506

ص جلد سوم: 491

ص جلد چہارم: 476

ص جلد پنجم: 432

ص جلد ششم: 438

ص جلد ہفتم: 472

ناول: 'جوزف ویلمٹ' کا ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ پہلی بار لال برادرس لاہور نے شائع کیا۔ (حوالہ 2، 11)

1025۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: لعبتِ فرنگ

ترجمہ: رام نرائن

لاہور: لال برادرس

ص: 724

ناول: 'برونزا سٹیچو' کا ترجمہ، 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 4، 14)

1026۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ایم: مارگریٹ

ترجمہ: گرجا سہائے، منشی

لاہور: لال برادرس،

ص: 148

اسراری ناول: انگریزی سے اسی نام کے ناول کا ترجمہ۔امیر حسین اور جے نرائن ورما کے دیگر دو تراجم بھی ملتے ہیں۔

(حوالہ: 14)

1027۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ایم: مارگریٹ

ترجمہ: امیر حسین کاکوروی، منشی

لکھنؤ: نولکشور پریس،

اسراری ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ جے نرائن ورما اور گرجا سہائے کے دو ترجمے بھی ملتے ہیں۔

1028۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ایم: مارگریٹ

ترجمہ: جے نرائن ورما،

ناول: اسکاٹ لینڈ کے بادشاہ کی دھوکہ دہی۔ پوپ کا آخری فیصلہ اور حق کا انجام۔ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔
منشی امیر حسین اور منشی گرجا سہائے کے دیگر دو تراجم بھی ملتے ہیں جو اسی نام سے کئے گئے تھے۔ (حوالہ 4)

1029۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ایم: محبوب محترم یا پوپ جان

ترجمہ: نظیر حسین فاروقی

حیدر آباد دکن: نام مطبع ندارد

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 8)

1030۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ایم: مسٹریز آف لندن

ترجمہ: کندن لال شرر، منشی

نام مطبع ندارد

ناول: 'Mysteries of London' کا مکمل ترجمہ۔شرر کے علاوہ مکمل ترجمہ صرف تیرتھ رام فیروز پوری نے کیا تھا۔

(حوالہ: 1، 2)

1031۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ایم: نظارۂ پرستان (12 جلدوں میں)

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: لال برادرس، 1924ء

ناول: 25 ابواب پر مشتمل ناول 12 جلدوں میں شائع ہوا۔ پہلی چھے جلدیں 1924ء اور آخری چھے جلدیں 1925ء میں شائع ہوئیں۔ 'مسٹریز آف دی کورٹ آف لندن' کا ترجمہ۔ ایشیا بک ڈپو لاہور نے 1940ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن 3 جلدوں میں شائع کیا۔ (حوالہ: 2، 4، 7، 11)

1032۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: نیرنگ

ترجمہ: احمد شاہ لکھنوی، سیّد

لاہور: لال برادرس

اسراری ناول: 'فشرمین' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 13، 16)

1033۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: ولایتی پرستان (دوسرا حصّہ)

ترجمہ: فہم لکھنوی

ناول: 'مسٹریز آف دی کورٹ آف لندن' کے دوسرے حصّے کا ترجمہ، 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 4)

1034۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: ولایتی پرستان (تیسرا حصّہ)

ترجمہ: عظمت علی حسرت

ناول: 'مسٹریز آف دی کورٹ آف لندن' کے تیسرے حصے کا ترجمہ، 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 4)

1035۔ رینالڈس، جارج ولیم۔ ایم: ویگز ونسیڈا

ترجمہ: امیر حسین کاکوروی، منشی

لاہور: لال برادرس

اسراری ناول: 'ویگز دی وہرولف' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 13، 16)

1036۔ ریہنارٹ، میری رابرٹس: خونی چکر

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل، س۔ن

جاسوسی ناول: 'دے سرکلر کیس' کا ترجمہ۔ پراسرار مکان کا بیان۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ ایک ترجمہ نیشنل لٹریچر کمپنی، دہلی نے بھی شائع کیا۔ (حوالہ: 2، 4، 7)

1037۔ زرتشت اعظم کا رومان

ترجمہ: احمد علی شاہ، سیّد

لاہور: عالمگیر بک ڈپو، 1941ء

ناول: (حوالہ: 7)

1038۔ زرد دیوتا

ترجمہ: ایم۔ جے عالم

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ، 1965ء

ص: 368

ناول: افریقہ کے عجائبات سے متعلق 20 ابواب پر مشتمل اسراری ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔(حوالہ 9)

1039۔ زلزلہ

ترجمہ: ایم۔ جے عالم

الہ آباد: تیر براورز پبلشرز، نخاس کہنہ، س۔ن

ص: 287

ناول: تحیر خیز امریکی ناول کا ترجمہ۔ (حوالہ:9، 11)

1040۔ زولا، ایمائل: بھیگی راتیں

ترجمہ: مخمور جالندھری

دہلی: رسالہ بیسویں صدی، 1961ء

ص: 168

ناول: فرانسیسی ناول کا ترجمہ۔ (حوالہ:9)

1041۔ زولا، ایمائل: نانا

ترجمہ: محبوب اللہ مجیب

الہ آباد: نیا ادارہ، س۔ن

ص: 224

ناول: مشہور زمانہ ناول۔ ایک طوائف کی داستانِ حیات۔ ایمائل زولا کے اہم ناولوں میں شمار ہوتا ہے۔ ادب میں ''زولائیت'' کی اصطلاح اِسی ناول سے چلی۔ ناول، فطرت نگاری کا شاہکار ہے۔ (حوالہ 9)

1042۔ زولا، ایمائل: ناناں

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: شیخ عدنان: ایم شمس الدین تاجر کتب چوک مینار، لاہور 1958ء

ناول: فرانسیسی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ اس ناول کا ایک ترجمہ محبوب اللہ مجیب نے نیا ادارہ الہ آباد کے لئے کیا ہے۔ (حوالہ:2، 10، 11)

ایمائل زولا/ ن۔ن، ناشر: شیخ عدنان۔ 12 گلبرگ روڈ لاہور۔ 1958ء ناناں۔ ناول سول ایجنٹ: ایم شمس الدین تاجر کتب۔

چوک مینار لاہور۔ اس کتاب پر مترجم کا نام نہیں دیا گیا۔ استقلال پریس لاہور سے شائع ہونے والی یہ کتاب 'ناناں' کا انتہائی بھدا ترجمہ ہے۔ مترجم نے ترجمہ کرتے وقت آغا حشر کے عہد کی یاد تازہ کر دی ہے۔ کتاب میں اپنی طرف سے شامل کردہ روایتی اشعار نے اس ترجمے کو اور زیادہ پوچ اور لچر بنا دیا ہے۔ اس نوع کی ایک مثال صفحہ 24 پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ دوسرے ایکٹ کی ابتداء اس مصرع سے ہوتی ہے۔

صورت وہ رُوبرو ہے کہ دیکھا کرے کوئی

کتاب میں مترجم اردو زبان سے اپنی ناواقفیت کا اعلان جگہ جگہ کرتا ہے مثلاً صفحہ 43 پر 'خواتین' کی جگہ 'خاتونوں' لکھا گیا ہے اور یہی صورت صفحہ 44 پر بھی دیکھنے میں آتی ہے۔

ناول کے پہلے باب میں ناناں پہلی بار اسٹیج پر آتی ہے۔ عمر اٹھارہ برس کی 'قد لامبا' جسم کسا ہوا۔ بال کھولے، سفید براق لباس زیب تن کئے وہ ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی آواز سپاٹ اور مہین تھی اور گاتے ہوئے وہ اپنے بدن کو مستانہ وار جنبش دیتی تھی۔ پہلی نظر میں تو لوگوں نے اسے اپنی توقعات کے مطابق نہیں پایا اور بعض ناشائستہ افراد نے فقرے بھی کسے، لیکن عین اسی لمحے وہ لوگوں کے دل میں گھر بھی کر گئی۔ پھر اس نے یکلخت سر کو پیچھے کی طرف جھکا کر اپنی چھاتیوں کی نمائش کی اور اپنے گھیرے دار لباس کو ایک لمحے کے لئے اوپر اچھا دیا، جس سے اس کی سڈول سفید اور گول تنی ہوئی رانوں کی نمائش بھی ہوگئی۔ لوگ پاگل ہو گئے اور ناناں کا جادو چل گیا۔

اس وقت تک پال (ناناں کا محبوب) گھبرایا گھبرایا پھر رہا تھا کہ نہ جانے ناناں کامیاب ہو یا ناکام۔ اب سینہ پھلا کر لوگوں سے مبارک باد وصول کرنے لگا۔

تیسرے باب کے شروع میں ناناں اپنے بدن پر صرف مہین ململ کا ٹکڑا لپیٹے (جو اس کی رانوں اور ابھری ہوئی چھاتیوں اور چوڑے کولہوں کی نمائش میں معاون بنتا ہے) اسٹیج پر ظاہر ہوتی ہے اور لوگ تالیاں بجانا بھی بھول جاتے ہیں۔

یہاں سے ''ناناں'' کی کامیابی کا آغاز ہوتا ہے۔

یہ کامیابی ''ناناں'' نے نہ صرف ناول میں کرداری سطح پر حاصل کی بلکہ مغربی مصوروں کو نیوڈ پینٹنگ کی ایک نئی راہ بھی سجھا گئی۔ یہ ترجمہ فکشن ہاؤس، لاہور نے بھی 2006ء میں شائع کر دیا ہے۔

1043۔ زولا، ایمائل: دل ہی تو ہے

ترجمہ: مخمور جالندھری

دہلی: مکتبہ شاہراہ، س۔ن

ص: 125

ناول: 'تھریسا' کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ ناول میں زوال پذیر فرانسیسی معاشرے کی عکاسی کی گئی ہے۔ (حوالہ:9)

1044۔ زولا، ایمائل: تھریسا

ترجمہ: حسن رضوی، سید

کراچی: سیّد اینڈ سیّد ٹمپل روڈ کراچی، 1، 1960ء

ناول: 19ویں صدی کے فرانسیسی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ 2، 10، 11)

ایمائل زولا کی شہرت کا آغاز 'تھریسا' کے انگریزی ترجموں کے ساتھ ہوا جبکہ اس کے اوّلین مترجم اور پبلشر پر لندن میں فحش کتابیں ترجمہ کرنے اور چھاپنے کے الزام میں مقدمہ چلا۔ اس سے زولا کو عالمگیر شہرت تو مل گئی لیکن اس ناول کو دیگر زبانوں میں ترجمہ کرنے کی ہمت ایک زمانے تک کسی نے نہ کی۔ 20ویں صدی میں 19ویں صدی کا یہ ناول نگار چند عظیم ناموں میں سے ایک ہے۔ زولا نے فرانس کے ایک چھوٹے سے قصبے میں آنکھ کھولی، اس کا باپ پولینڈ کا تھا اور ماں فرانسیسی۔ پیرس کے ایک اشاعتی ادارے میں ملازمت کے بعد زوال نے بیس ناول لکھے، جن میں 'تھریسا' سب سے نمایاں ہے۔ اسے فطرت نگاری کا شاہکار کہنا چاہیے۔

ناول کی ہیروئن تھریسا، ایک بساط خانے کی مالکن مادام راکوئین کی بہو ہے اور اس کا شوہر کیلس سدا کا بیمار۔ تھریسا، مادام راکوئین کے بھائی کپتان ڈیکنس کی نشانی تھی۔ بچپن میں اس کی ماں مرگئی اور باپ اسے مادام راکوئین کے سپرد کر کے کہیں کھو یا گیا۔ کیلس اور تھریسا ایک ہی گھر میں، ایک ہی بستر پر سو کر جوان ہوئے تھے لیکن کیلس سدا کا بیمار تھا۔ وہ اسے بوسہ دیتا جس طرح اپنی ماں کو دیتا تھا۔ ترجمے سے نمونہ ملاحظہ ہو:

''تین سال اسی یکسانیت سے گزر گئے۔ کیلس اپنے دفتر سے کبھی غیر حاضر نہیں ہوا، اس کی ماں اور تھریسا نے مشکل ہی سے دُکان کو چھوڑا اور سیلن، تاریکی اور غمناک سکوت میں گھری ہوئی تھریسا نے سوچا کہ زندگی اس کے لئے ایک سنسان صحرا کی طرح پھیلی ہوئی ہے، جس کی ہر صبح اُس کے لئے ایک بے کیف اور سنسان دن اور ہر رات ایک سرد بستر لے کر آتی ہے۔''

اس کے بعد کہانی اس گھٹے گھٹے ماحول میں رنگینیاں لاتی ہے۔ تھریسا کی زندگی میں لارنٹ، بہار کا ایک جھونکا بن کر آتا ہے۔ ظاہر ہے ان حالات میں ان کا ناجائز تعلق ناگزیر اور فطری امر تھا۔

تھریسا نے لارنٹ کے ساتھ وحشیانہ محبت کی اور اس محبت میں اپنے شوہر کو کھو بیٹھی۔ لیکن لارنٹ کے جرم نے محبت کو دہشت میں بدل دیا اور کیلس کے قتل کے بعد وہ دونوں خطرناک دشمنوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیئے گئے۔

ناول میں کیلس کے قتل کے ساتھ ہی تھریسا اور لارنٹ کی بیتاب اور بھیانک خواہشات کا خاتمہ ہوگیا۔

اس کتاب کے مترجم کا تعلق کراچی سے تھا۔ لاہور کے حسن رضوی سے محض نام کی مشابہت ہے۔ عمدہ ترجمہ ہے۔

1045۔ زویگ، سٹیفن: وداعِ آخر

ترجمہ: محمد جمیل احمد

دہلی: رائل ایجوکیشن بک ڈپو، اردو بازار، 1950ء

ص: 94

ناول: جرمن ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ ایک خاتون کا طویل خط اپنے محبوب کے نام جس کے سامنے اس کا اکلوتا بچہ مردہ حالت میں پڑا ہے۔ (حوالہ:9)

1046۔ زہرہ الخلا

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل، 1943ء

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:7)

1047۔ سادھو کی کٹیا

ترجمہ: رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری

الہ آباد: ساہتیہ کلابھون۔ مہاتما گاندھی مارگ، 1966ء

ص: 229

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ اکثر لوگوں کو نہیں معلوم کہ مشہور غزل گو شاعر فراق گورکھپوری نے اس ناول کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ (حوالہ:9)

1048۔ ساقی:

ترجمہ: آتش گوجرانوالیہ

لاہور: نرائن دت سہگل، 1941ء

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:7)

1049۔ ساگاں، فرانسوا: رنگ بھرے بادل

ترجمہ: ستار طاہر

لاہور: خاتون سیریز: رائٹرز بک کلب سینٹ جونز پارک، 1975ء

ناولٹ۔ فرانسیسی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ:2)

1050۔ ساگاں، فرانسوا: رنگ بھرے بادل (ناولٹ) خاتون سیریز 15، دسمبر 1974ء

مرتبہ: عائشہ احمد، ترجمہ: جمیلہ ہاشمی

ترجمہ سے نمونہ:

جب دوسرے لوگ واپس آئے تو انہوں نے ان دونوں کو ریت پر لیٹے ہوئے پایا۔ جوی کا سر ایلین کے کندھے پر تھا اور وہ بڑے جوش و جذبے سے کتابوں کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ کتنے ہی خالی گلاس ان کے آس پاس بکھرے ہوئے تھے۔ براڈن کینل نے خاموش نگاہوں کے ساتھ اپنی بیوی کو ان بکھرے ہوئے گلاسوں کی طرف متوجہ کیا۔

ایو کینل بیک وقت ذہین اور بدصورت عورت تھی، جو جوسی کو پسند کرتی تھی۔ جب کہ اس کے شوہر کو ایلن پسند تھا۔ حالانکہ ایو اپنی ذہانت کے بل بوتے پر جانتی تھی کہ اس کا شوہر کینل دل ہی دل میں جوسی سے خفیہ محبت کرتا ہے۔
(دوسرے باب کا ابتدائیہ ص:5 سے اقتباس)

1051۔ سالٹن، فیلکن: بامبی

ترجمہ: ظہور الحسن ڈار

لاہور: مکتبہ اردو سرکلر روڈ، 1952ء

ناول: انگریزی سے 'Bombi' کا ترجمہ۔ (حوالہ:2، 10، 11)

1052۔ ساؤمنگ: زندگی کی لہر

ترجمہ: محمد خلیق

دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ، 1952ء

ص: 242

ناول: چینی ناول کے انگریزی روپ 'Moving Force' کا ترجمہ جو دس ابواب پر مشتمل ہے۔ ناول میں شمال مشرقی منچوریا کے مزدوروں کی زندگی پیش کی گئی ہے۔ (حوالہ۔2، 9، 16)

ساؤمنگ کا سماج اس طاقتور اور ہمہ گیر روح کی بیداری کا مظہر ہے جو آج کل مشرق میں ہر جگہ بروئے کار ہے۔ یہ روح بیداری زندگی کی نئی لہر ہے۔

ساؤمنگ کا یہ ناول شمال مشرقی منچوریا کے مزدوروں کی اس جدوجہد کے گرد گھومتا ہے جو وہ گرول جھیل کے بجلی گھر کی یخ بستہ مشینوں کو صحیح حالت میں لانے کے لئے کرتے ہیں۔ ان مشینوں کو پہلے جاپانیوں نے تباہ کیا تھا پھر کامن تانگ کی حکومت نے بگاڑا لیکن آزادی کے بعد انہیں دوبارہ حرکت میں لانے کی جدوجہد جاری تھی۔

1053۔ سپلین، مکی: پانچواں قتل

ترجمہ: ایف۔ایم۔صدیقی

راولپنڈی: 'کامران سیریز' کتاب گھر، اقبال روڈ، جنوری 1981ء

ص: 168

جاسوسی ناول: 'The Jury' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1054۔ ستاں دال: سرخ و سیاہ

ترجمہ: محمد حسن عسکری

لاہور: البیان چوک انارکلی: سویرا آرٹ پریس، 1962ء

ناول: فرانسیسی زبان کے ناول 'The Scarlet & Black' کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ فرانسیسی ناول نگار De Stendhal دنیا کے عظیم ناول نگاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ (حوالہ: 2، 11، 16)

انیسویں صدی میں فرانس نے تین عظیم ناول نگار پیدا کیے: (1) ستاں دال (2) بالزاک اور (3) گستاو فلابیئر

ستاں دال کے ناول ''سرخ و سیاہ'' بالزاک کے ناول ''بڈھا گوریو'' اور فلابیئر کے ناول ''مادام بواری'' کی عظمت میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہ اردو زبان و ادب کی خوش نصیبی ہے کہ اردو میں تینوں ناولوں کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ ''سرخ و سیاہ'' اور ''مادام بواری'' کے ترجمے اردو کے ممتاز نقاد اور فرانسیسی ادب کے رسیا محمد حسن عسکری نے کیے، جبکہ ''بڈھا گوریو'' کا ترجمہ بھی انہی کے ایما پر اور انہی کی نگرانی میں ان کی ایک شاگردہ نسیم ہمدانی نے کیا ہے۔ نیز محمد حسن عسکری کی بدولت اردو میں امریکہ کے عظیم ناول نگار ہرمن میلول کے ناول ''موبی ڈک'' اور انگلستان کے ممتاز ناول نگار اشروڈ اینڈرسن کے ناول "Good Bye to Berlin' کا ترجمہ بھی اردو میں ہو چکا ہے، ''آخری سلام'' کے عنوان سے۔

پروفیسر نظیر صدیقی لکھتے ہیں:

> اردو تنقید، خصوصاً حسن عسکری کی تنقیدوں میں استاں دال کے ذکر خیر کے باوجود اردو ادب کے قارئین نہ تو استاں دال سے مانوس ہو سکے ہیں اور نہ اس کے ناول ''سرخ و سیاہ'' سے جس کا ایک اہم سبب غالباً یہ ہے کہ اردو ادب میں استاں دال کو ٹھیک سے متعارف کرانے کی کوئی سنجیدہ کوشش آج تک نہیں ہوئی۔ اردو ادب کے قارئین کو ''سرخ و سیاہ'' جیسا عظیم ناول تو فراہم کر دیا گیا لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ اس ناول کی اہمیت اور عظمت کا راز کیا ہے۔ ناول اور ناول نگار کے درمیان تعلق کی نوعیت کیا ہے اور انیسویں صدی کا یہ ناول بیسویں صدی کے لئے کیا معنویت رکھتا ہے۔
>
> استاں دال کو سمرسٹ مائم نے دنیا کے دس بڑے ناول نگاروں میں شمار کیا ہے۔ اس کا اصل نام ہنری بیلے (Henri Beyle) تھا مگر وہ استاں دال کے قلمی نام سے مشہور ہوا۔ وہ 1783ء میں گرینوبل (Grenoble) میں پیدا ہوا تھا۔ وہ ایک خوش حال باپ کا بیٹا تھا جو اپنے شہر کا وکیل اور ممتاز آدمی تھا۔ استاں دال ابھی سات سال کا تھا کہ اس کی ماں جو ایک ممتاز اور مہذب ڈاکٹر کی بیٹی تھی مرگئی۔ ماں کی وفات کے بعد اس کی پرورش اور پرداخت اس کے باپ اور اس کی خالہ نے کی۔ باپ ایک متین اور متدین آدمی تھا۔ خالہ سخت گیر اور عبادت گزار عورت تھی۔ استاں دال دونوں سے نفرت کرتا تھا، لڑکپن میں جو تعصبات اس کے دل میں پیدا ہو گئے وہ زندگی بھر قائم رہے۔ اسے اپنے اتالیق سے بھی نفرت تھی جو ایک پادری تھا۔ وہ کبھی اس بات پر یقین نہ کر سکا کہ مذہبی آدمی مخلص بھی ہو سکتا ہے۔ اسے عوام سے محبت تھی، اور عوام پر ظلم کرنے والوں سے وہ متنفر تھا لیکن عوام کے ساتھ زندگی بسر کرنا اس کے لئے نہایت اذیت ناک تھا۔ اس نے ایک جگہ لکھا ہے کہ میں عوام کی خوشی کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں لیکن میں دکانداروں کے ساتھ رہنے پر اس بات کو ترجیح دوں گا کہ میں ہر مہینے دو ہفتے جیل میں گزار لوں۔ اس کے حالات اور خصوصیات دلچسپی سے خالی نہیں لیکن وقت کی کمی کے باعث ان کا بیان ممکن نہیں۔
>
> سمرٹ مائم نے کہا ہے کہ استاں دال پیشہ ور ادیب نہیں تھا۔ اُسے ادبی آدمی بھی کہنا مشکل ہے لیکن وہ مسلسل لکھتا رہتا تھا۔ اس نے 43 سال کی عمر میں اپنا پہلا ناول لکھا۔ زندگی کے نشیب و فراز کے ہاتھوں اس نے طرح طرح کے

تجربات کا سامنا کیا۔ وہ بڑے تغیرات کے زمانے میں پیدا ہوا تھا۔ اسے ہر طرح اور ہر قسم کے لوگوں سے ملنے کے مواقع میسر آئے۔

نتیجتاً انسانی فطرت کے بارے میں اس کا علم بہت وسیع تھا۔ وہ خود بڑی خوبیوں اور خامیوں کا انسان تھا۔ اس کی شخصیت کا مطالعہ کرتے وقت حیرت ہوتی ہے کہ اتنی متضاد خصوصیتیں ایک شخص کے اندر کیونکر جمع ہو گئیں۔ 1842ء میں جب پیرس میں اس کا انتقال ہوا تو پیرس کے صرف دو اخباروں میں اس کے مرنے کی خبر شائع ہوئی۔ ایسا لگتا تھا کہ اسے بالکل بھلا دیا جائے گا۔ لیکن خود استاں دال کو اس بات میں کبھی شبہ نہیں رہا کہ اس کی تصانیف زندہ رہیں گی البتہ اُسے یہ گمان ضرور تھا کہ اس کے قدرداں دیر میں پیدا ہوں گے۔ وہ 1880ء بلکہ 1900ء تک اپنے قدردانوں کے انتظار کے لئے تیار تھا۔ استاں دال نے دو ناول لکھے۔ دونوں میں ''سرخ و سیاہ'' برتر ہے۔ ''سرخ و سیاہ'' کو پیش نظر رکھتے ہوئے ژولا نے استاں دال کو فطرت نگاری Naturalism کے اسکول کا بانی قرار دیا ہے۔

سمرسٹ ماہم کہتا ہے کہ استاں دال کو دوسروں سے اتنی دلچسپی نہ تھی جتنی کہ اپنے آپ سے تھی۔ اسی لئے وہ اپنے ناولوں کا ہیرو خود ہے۔ ''سرخ و سیاہ'' کا ہیرو ژولیاں سورل اس قسم کا آدمی ہے جیسا کہ استاں دال خود بنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ژولیاں کو عورتوں کے لئے باعث کشش بنایا اور اسے ان کی محبت حاصل کرنے میں کامیاب ظاہر کیا جیسا کہ وہ خود اس کامیابی کے لئے سب کچھ کر سکتا تھا مگر وہ شاذ و نادر ہی کامیاب رہا۔ اس نے ژولیاں کو ان طریقوں سے اپنے مقاصد حاصل کرتے ہوئے دکھایا جو اس نے خود اپنے معاملے میں اختیار کئے تھے اور جو طریقے ہمیشہ ناکام رہے۔ اس نے ژولیاں کو اپنے جیسا خوش گفتار اور ظریف الطبع دکھایا۔ اسے اپنے جیسا حیرت انگیز حافظہ، اپنی سی ہمت، اپنی سی بزدلی، اپنی سی حساسیت، اپنی سی خودغرضانہ ذہنیت، اپنی سی اخلاقی بے لحاظی، اپنی سی احسان فراموشی کا پیکر بنا دیا۔ سب سے خوشگوار صفت جو استاں دال نے ژولیاں کو دی اور جو خود اس میں پائی جاتی تھی وہ یہ ہے کہ جب ژولیاں کسی کو بے غرض اور مہربان پاتا ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اس کی زندگی کے حالات مختلف ہوتے تو وہ اتنا کمینہ اور گھٹیا نہ ہوتا۔

کہا جاتا ہے کہ استاں دال کے اندر اپنے ذہن سے کہانی ایجاد کرنے کی صلاحیت نہ تھی۔ چنانچہ اس نے ''سرخ و سیاہ'' کا پلاٹ ایک ایسے مقدمے کی اخباری رپورٹ سے اخذ کر لیا تھا جو اس کے زمانے میں بڑی دلچسپی کا باعث بنا ہوا تھا۔ یہ ناول 1829ء میں لکھا گیا اور 1830ء میں شائع ہوا۔ استاں دال نے اس ناول کا ایک ذیلی عنوان ''1830ء کا روزنامچہ'' رکھا تھا۔ یہ ناول سیاسی اور معاشرتی جہتوں کا بھی حامل ہے۔ یورپ میں رومانیت اور حقیقت نگاری کی جو تحریکیں چل رہی تھیں استاں دال کی ذات ان دونوں دھاروں کا سنگم تھی۔ ''سرخ و سیاہ'' فرانسیسی رومانیت کے دور عروج میں شائع ہوا تھا۔ استاں دال کے رومانی میلانات یہ ہیں: معاشرے اور اس کے نصب العین سے بغاوت کرنے والے برتر فرد کا مسلکِ انفرادیت، ہیرو کی ذات میں اپنی مثالی تصویر پیش کرنا جس میں ایک بنیادی داخلیت موجود ہو، ان حساس اور پرجوش روحوں کی مصوری جو مسرت کی تلاش میں ہیں۔ یہ تو ہوئی انیسویں صدی کی رومانیت۔ اسی کے ساتھ آپ اس ناول میں سترہویں صدی کی عقلیت، اٹھارھویں صدی کی تجربیت اور انیسویں صدی کی حقیقت نگاری اور فطرت نگاری بھی دیکھیں گے۔

(''اردو ادب میں عالمی ادب کے تراجم''، 1986ء، ص: 62 تا 66)

ایزرا پاؤنڈ نے کہا تھا کہ 'سرخ و سیاہ میں نثر نگاری کا مرتبہ شاعری سے بلند ہے۔' جبکہ بقول مظفر علی سید: ''یورپی ادب کا تعارف کرانے کے لئے اس پائے کا اس سے بہتر ناول موجود نہیں۔''

ایسا کیوں ہے؟ اس کا جواب ڈاکٹر عبادت بریلوی نے یوں دیا تھا: ''سرخ و سیاہ ایک چلتا پھرتا آئینہ ہے جس میں استاں دال اور فرانس پوری تفصیل کے ساتھ بے نقاب ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ 'Stendhal' ایک قصبے کا نام تھا، جسے اُس نے قلمی نام کے طور پر برتا۔

استاں دال کے نام اور کام سے اردو طبقہ اِسی ترجمہ کی معرفت متعارف ہوا ہے۔ جب کہ سمرسٹ ماہام نے استاں دال کا شمار دنیا کے دس عظیم ناول نگاروں میں کیا تھا۔ اُس کی ساری شہرت انتقال کے بعد ہوئی جب زولا نے اسے فطرت نگاری کے اسکول کا بانی اور آندرے ژید نے نفسیاتی ناول کا موجد قرار دیا۔ اس پر اولین اہم مضمون فرانسیسی ناقد طین (Taine) نے لکھا۔

سرخ و سیاہ میں رواں سماجی شعور اور کردار نگاری کا دھارا روسی کلاسیکی ادب کی یاد تازہ کرتا ہے۔ جبکہ اسلوبیاتی سطح پر بقول محمد حسن عسکری:

''استاں دال جذبات کا تجزیہ فکر محض کی زبان میں کرتا ہے۔''

(بحوالہ مضمون: 'گر ترجمے سے فائدہ اخفائے حال ہے' مشمولہ ستارہ یا بادبان ص: 177)

اس کے معنی یہ ہوئے کہ جذبات کے بیان میں بھی جذباتی زبان استعمال نہیں ہوتی اور فکر محض کی زبان برتی جاتی ہے۔ البتہ اس نوع کے مواقع پر ضروری ہو جاتا ہے کہ مترجم بھی وہی لحن برقرار رکھے، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اردو میں ایسا ممکن ہے؟ یقیناً بہت مشکل، اس لئے کہ اسکاٹ مونکریفی جیسا بڑا مترجم بھی انگریزی زبان کی بڑی اسلوبیاتی روایت سے مسلح ہونے کے باوجود استاں دال کے معاملے میں ناکام دکھائی دیتا ہے۔

'سرخ و سیاہ' کو ترجمہ کرتے وقت محمد حسن عسکری نے اسکاٹ مونکریفی کے انگریزی ترجمہ کو ساتھ رکھا، لیکن مشکل ویسی کی ویسی رہی۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کیلئے ضروری تھا کہ محمد حسن عسکری نیا اسلوب بیان وضع کرنے کی کوشش کرتے لیکن اس کا جواب محمد حسن عسکری نے یہ دیا کہ:

> ''اگر میں اس کے لئے کوئی نیا اسلوب بنانے کی کوشش کرتا تو ڈر یہ تھا کہ اردو کے نقاد پوچھیں گے، یہ ناول ہے یا مقالہ۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ ستاں دال کی روح سے معافی مانگ کر اس کی خشک عبارت کو تھوڑا سا جذباتی رنگ دے دیا۔'' لیکن یہ کام بھی محمد حسن عسکری ہی کر سکتے تھے کہ فکر محض کی زبان کو جذباتی رنگ دیا جائے، اور ترجمہ مضحکہ خیزی کی حدود میں داخل نہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں عسکری صاحب کی فرانسیسی اسالیب سے براہ راست واقفیت نے انہیں فائدہ پہنچایا۔

ایک مثال دیکھتے چلئے:

> ''اس نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے مادام دال نو کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف بخشا جائے۔ وہ سنگھار کر رہی تھی۔ اس

لئے ژولیاں کو اپنے کمرے میں نہ بلا سکی۔ اس کے عوض ژولیاں کو محتاج خانے کے مہتمم کا سنگھار دیکھنے کا اعزاز حاصل ہوا۔
پھر دونوں مادام وال نو کے پاس پہنچے، جس نے آنکھوں میں آنسو لا کر اپنے بچوں کو ژولیاں کے سامنے پیش کیا۔''

(ص 240 سے اقتباس)

سنا گیا ہے کہ استاں دال اپنے ذہن سے کہانی ایجاد کرنے کی صلاحیت سے یکسر محروم تھا، چنانچہ اس نے ''سرخ و سیاہ'' کا پلاٹ ایک مقدمے کی اخباری رپورٹ سے اخذ کر لیا تھا۔ اس ناول میں استاں دال کی ذات رومان اور حقیقت نگاری کا سنگم دکھائی دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول کے مرکزی کردار انفرادیت پسند، انتہائی حساس اور پرجوش روحیں ہیں۔ یہ تو ہوئی رومانی میلانات کی بات، لیکن 'سرخ و سیاہ' میں 17ویں صدی عیسوی کی عقلیت پسندی اور 19ویں صدی کی حقیقت نگاری کا چلن ساتھ ساتھ ہے۔

ترجمہ سے دو ایک اقتباسات ملاحظہ ہوں:

1۔ میں بڑا خود پسند ہوں اور مجھے اکثر اس بات پر فخر ہوا ہے کہ میں ان نوجوان دیہاتیوں سے مختلف ہوں لیکن اپنے تجربات سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ فرق ہی سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

(ص: 324 سے اقتباس)

2۔ پیسے کی ذلیل محبت کے سب سے گھناؤنے اور کراہت انگیز عناصر سے دست و گریباں ہونے کے بعد پندار نے کبھی کسی کی ایسی بری گت نہیں بنائی ہو گی، جیسی ریسٹورنٹ میں داخل ہوتے وقت موسیو درنیال کی تھی۔
اس کے برخلاف اس کے بچے کبھی اس سے زیادہ مسرور اور دل شاد نہ ہوئے ہوں گے۔ یہ تضاد دیکھ کر موسیو درنیال بھڑک اٹھا: 'جہاں تک میں سمجھ سکتا ہوں خود اپنے خاندان میں میری حالت تو مدفاضل کی سی ہے' اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

(ص: 254 سے اقتباس)

اختر حسین رائے پوری کے مطابق عسکری صاحب کو فرانسیسی زبان پر عبور حاصل نہ تھا۔ شُدبُد ضرور تھی۔

یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ عسکری صاحب نے ستاں دال (De Stendhal) کے ناول ''سرخ و سیاہ'' کا ترجمہ انگریزی سے کیا تھا، براہ راست فرانسیسی زبان سے نہیں۔ ''سرخ و سیاہ'' کو ترجمہ کرتے ہوئے انہوں نے C.K Scott Moncrieff کے انگریزی ترجمے "The Red And The Black" مطبوعہ: The Modern Library نیویارک، امریکہ طبع اوّل: 1953ء (کل صفحات 350) کو بنیاد بنایا۔ جبکہ اسی زمانے میں درج ذیل انگریزی تراجم بھی شائع ہو چکے تھے۔ کچھ بعید نہیں کہ موازنے کے لئے عسکری صاحب نے ان تراجم کو بھی دیکھا ہو:

1۔ "The Red And The Black" انگریزی ترجمہ از Charles Turgie
نظرثانی: Phyllis La Forge، لگ بھگ 53-1952ء

2۔ "Scarlet And Black" انگریزی ترجمہ از Margaret R.B Shaw
مطبوعہ: پینگوئن، برطانیہ طبع اوّل: 1953ء (کل صفحات 511)

امریکی ناول نگار اور شاعر ہرمن میلول (Herman Melville) کے ناول "Moby Dick" (طبع اوّل: 1851ء) کو عسکری کے اردو میں ترجمہ کرنے کا سبب میلول کی نثر نہ تھی، ناول کا موضوع اور کردار نگاری تھی۔ کارل یونگ نے اپنے مضمون ''ادب اور نفسیات'' میں ''موبی ڈک'' کو اس کی موضوعاتی رفعت اور کرداری سطح پر عمیق تجزیہ نگاری کے سبب نیو کلاسیک کا درجہ دیا ہے۔

بہرطور اب اِس بحث کا خاتمہ ہو جانا چاہیے کہ عسکری صاحب نے ''مادام بواری'' اور ''سرخ و سیاہ'' کے تراجم براہِ راست فرانسیسی سے کیے یا انگریزی سے۔ البتہ یہ مشہور تھا کہ عسکری صاحب کو فرانسیسی زبان پر عبور حاصل ہے۔

1055۔ سٹورٹ، جارج۔ آر: جنگل کی آگ

ترجمہ: چندرا

دہلی: انڈین یونیورسٹی پبلشرز۔ کشمیری گیٹ، 1956ء

ص: 206

ناول: امریکی ناول 'Fire' کا ترجمہ۔ بجلی گرنے سے جنگل میں جو آگ لگی اور بالآخر اس پر قابو پالیا گیا، اس کہانی کی بنیاد بنی۔ (حوالہ:9)

1056۔ سٹوکر، برام: ڈریکولا

ترجمہ: غلام محمد انجام فیروز پوری

کراچی: اعوان پبلی کیشنز، اردو بازار

ڈراؤنا ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ ایک ایڈیشن سلیم پبلشنگ ایجنسی کراچی نے بھی شائع کیا ہے۔ (حوالہ:2، 18، 19)

ہالی وڈ، امریکہ کی فلموں میں ڈریکولا طرز کے خون آشام بھوتوں کی کردار نگاری کی ازسرِنو مقبولیت کے سبب اِن دنوں مغربی میڈیا اور ادبی حلقوں میں آئرلینڈ کا ناول نگار برام سٹوکر (Bram Stoker) اور اس کا ناول "Dracula" (طبع اوّل 26 مئی 1897ء) زیرِ بحث ہے۔

اکثر ناقدین اس بات پر متفق ہیں کہ برام سٹوکر نے کاؤنٹ ڈریکولا کی کردار نگاری میں رومانیہ (15ویں صدی عیسوی) کے ایک حکمران ولیڈ امپالر سے اثر قبول کیا، جو ظلم اور بربریت میں لاثانی تھا۔ لیکن ڈریکولا کی تخلیق میں جان پولی ڈوری کی تحریر کردہ کہانی "The Vampyre" (1819ء)، شیریڈن لی فینیو کی تحریر کردہ ناولٹ "Carmilla" (1872ء) اور ایملی جیرارڈ کے سفرنامہ "The Land Beyond The Forest" (لگ بھگ 95-1890ء) کے حصے سے بھی انکار ممکن نہیں۔

میموریَل یونیورسٹی، نیو فاؤنڈ لینڈ کی پروفیسر الزبتھ ملر کو برام سٹوکر اور ڈریکولا پر تحقیقی کتاب "Reflections On Dracula" (1997ء) لکھنے کے حوالے سے اہمیت حاصل ہے۔ الزبتھ ملر نے چمگادڑوں کے تحفظاتی ادارے فلوریڈا سے شائع ہونے والے خبرنامے بابت 1998ء میں لکھا ہے کہ: ''خونخوار چمگادڑ صرف میکسیکو یا امریکہ کے وسطی اور جنوبی علاقہ جات میں ہی پائے جاتے ہیں۔ یہ خون آشام چمگادڑ جیتے جاگتے اجسام کی شہ رگ پر اپنے تیز دھار دانتوں سے وار کرتے ہیں اور بہتا ہوا خون یوں پیتے ہیں جیسے بلی دودھ چاٹتی ہے۔ شاید اسی لئے دیومالائی کہانیوں اور لوک داستانوں میں ایسے چمگادڑوں کا حوالہ ملتا ہے۔ وسطی اور جنوبی امریکہ کے ان خون

آشام چمگادڑوں کو کئی سو برس قبل اسپین کے سیاحوں نے "Vampire" کا نام دیا تھا۔'' دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ خون آشام چمگادڑ جنوبی ایشیاء میں پائے جانے والے بے ضرر چمگادڑوں سے جسامت کے اعتبار سے بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔

ناول ''ڈریکولا'' (1897ء) کی اشاعت کے بعد برام سٹوکر کا یہ عجیب الخلقت چمگادڑ نما کردار اُس وقت شہرت کی بلندیوں کو چھونے لگا جب اس ناول پر بنائی جانے والی جرمن زبان کی ایک فلم "Nosferatu" 1922ء میں ریلیز ہوئی۔ لیکن اُس فلم میں چمگادڑوں کی بجائے خون آشام چوہوں کو دکھایا گیا تھا۔ 1931ء میں 20th Century Fox ہالی وڈ نے فلم ''ڈریکولا'' بنائی جس میں بیلالوگوسی نے ڈریکولا کا مرکزی کردار ادا کرتے ہوئے پہلی بار خونخوار چمگادڑ کا بہروپ بھرا۔ اس کردار کا انوکھا پن یہ ہے کہ جب چاہے خون آشام بھوت بن جائے اور جب چاہے خونخوار چمگادڑ۔ یوں ڈریکولا کا کردار انسانی ذہن کے قدیمی واہموں کی تجسیمی صورت ہے۔

1931ء میں بننے والی فلم ''ڈریکولا'' کے بعد سے ڈریکولائی کردار فلموں میں خاصے مقبول رہے ہیں اور حال ہی میں اِس نوع کی کردار سازی دوبارہ دیکھنے کو مل رہی ہے۔ خاص طور پر جب سے ورلڈ ہیوی ویٹ ریسلنگ چیمپئن، ٹرپل ایچ نے ڈریکولائی کردار ادا کیا ہے تو نوجوان نسل ڈریکولا سلسلے کی پرانی فلموں کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی ہے۔ واضح رہے کہ برام سٹوکر کا ناول ''ڈریکولا'' بیسٹ سیلر کی لسٹ سے کبھی باہر نہیں رہا۔

بہت پہلے ہمارے ہاں غلام محمد انجام فیروزپوری نے برام سٹوکر کے ناول ''ڈریکولا'' اور ''کفن پوش نازنین'' کے عنوانات سے اردو میں ترجمہ کیے تھے۔ ڈریکولا کا خالق برام سٹوکر 8 نومبر 1847ء کو کلونٹرف، ڈبلن میں پیدا ہوا اور ایک نہ سمجھ میں آنے والی بیماری کے سبب لگ بھگ سات برس بستر ہی پر پڑا رہا۔ جب تندرست ہوا تو ایک ازحد شرمیلا اور خود اعتمادی سے عاری بچہ تھا۔ 1860ء میں اس نے ٹرینٹی کالج، ڈبلن، آئرلینڈ میں داخلہ لیا تو اس کی دروں بینی کو دیکھتے ہوئے اُسے فلاسفیکل سوسائٹی کا صدر بنا دیا گیا جس سے نہ صرف اس کا شرمیلا پن جاتا رہا بلکہ وہ کیمبرج یونیورسٹی کا نمایاں ایتھلیٹ بھی بن گیا۔

1871ء میں بی۔اے آنرز کا امتحان ریاضی جیسے خشک مضمون کے ساتھ پاس کرنے کے بعد اُس نے آٹھ برس ڈبلن کے شاہی قلعہ میں ملازمت کی۔ اس انتہائی محتاط اور مؤدبانہ خدمت گزاری کے دوران وہ افسانہ نگاری کے ساتھ ساتھ شاہی قلعہ میں ملازمت کے طریق پر نوٹس لیتا رہا جو 1879ء میں "Duties of Clerks of Petty Sessions In Ireland" کے عنوان سے شائع ہوئے۔ 1872ء میں اُس کا پہلا افسانہ "The Crystal Cup" لندن سوسائٹی نے شائع کیا۔ 1875ء میں "The Chain of Destiny" کے عنوان سے اُس نے چار اقساط میں ایک ڈراؤنا قصہ لکھا۔ اس کے بعد وہ پانچ برس تک "Evening Mail"، ڈبلن میں تھیٹر کے نقاد کے طور پر قلم کاری کرتا رہا۔

1878ء میں لندن منتقل ہونے سے قبل کچھ مدت تک وہ مجلّہ "Irish Echo"، ڈبلن کا مدیر بھی رہا۔ تھیٹر سے متعلق کالم نگاری کے طفیل اُس کی ملاقات "Lyceum Theatre" لندن کے مالک ہنری اروِنگ سے ہوئی، جس نے اُسے ''ایکٹر منیجر'' کے طور پر 1878ء میں اپنے ہاں لندن بلا لیا۔ لندن سے شائع ہونے والی اس کی پہلی کتاب "Under The Sunset" (1882ء) بچوں کے لئے لکھی گئی آٹھ طلسماتی کہانیوں پر مشتمل تھی۔ دوسری کتاب "The Snake's Pass" (1890ء) ایک طویل ناول تھا۔ اس کے بعد اس نے ناول ''ڈریکولا'' لکھنے کا منصوبہ بنایا اور لگ بھگ سات برس تک اس مشہورِ زمانہ کردار پر تحقیقی کام کرتا رہا۔ 26 مئی 1897ء میں ناول ''ڈریکولا'' شائع ہوا تو متعدد افسانوں، طلسماتی کہانیوں، ناولوں اور لاتعداد مضامین کا خالق برام سٹوکر محض ایک عجیب الخلقت کردار

''ڈریکولا'' کے حوالے سے پہچانا گیا۔

اُس کی دیگر کتب میں "The Jewel of Seven Stars" (1903)، "Death of Henry Irving" (1905ء)، "Personal Reminiscences of Henry Irving" (1906ء) اور آخری ناول "The Lair of The White Worm" (1911ء) یادگار ہیں۔ سٹوکر کی وفات 20 اپریل 1912ء میں ہوئی۔

1057۔ سٹوکر، برام: کفن پوش نازنین

ترجمہ: غلام محمد، انجام فیروز پوری

کراچی: اعوان پبلی کیشنز، اردو بازار

ڈراؤنا ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2، 19)

اس ناول کی ابتداء راجر ملٹن کی وصیت سے ہوتی ہے۔ جبکہ ارنسٹ راجر لاء سٹوڈنٹ کی یادداشتوں کے سہارے کہانی آگے بڑھتی ہے: ابتدائیہ ملاحظہ ہو:

> قبل ازیں کہ میں ان واقعات کا تذکرہ شروع کروں جنہوں نے براعظم یورپ کو ایک خوفناک جنگ کے کنارے لا کھڑا کیا تھا، میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنے چند ایک خاندانی حالات بیان کر دوں۔

1058۔ سٹون، ارونگ: جینے کی ہوس

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: بک لینڈ،

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2، 10، 11)

1059۔ سٹون، ارونگ: روپ سروپ

ترجمہ: قاسم محمود، سیّد

سیالکوٹ: ملک سنز،

ناول:

ص: 596 (حوالہ:2، 10، 11)

1060۔ سٹیونسن، آر۔ایل: ڈاکٹر جیکل اور مسٹر ہائیڈ

ترجمہ: محمد حسن

بمبئی: کتب پبلشرز لمیٹڈ بمبئی نمبر 1، 1940ء

ناول: مشہور زمانہ پراسرار ناول 'Dr. Jakyil & Mr. Hyde' کا ترجمہ۔ (حوالہ:9)

1061۔ سرگزشت عروس

ترجمہ: شاہد احمد دہلوی

دہلی: ساقی بک ڈپو، 1936ء

ناول: انگریزی ناول جو محسوسات کے اعتبار سے مشرقی معلوم ہوتا ہے۔ (حوالہ 2، 7)

1062۔ سروانتیس: خدائی فوجدار

ترجمہ: رتن ناتھ سرشار لکھنوی، پنڈت

لکھنؤ: نولکشور، طبع اوّل 1903ء

ناول: 'ڈان کیخوتے ڈی لامانشا' کا ترجمہ و تلخیص۔ اسپینش زبان سے انگریزی کی معرفت اردو ترجمہ۔ آخری بار 1934ء میں طبع ہوا۔ (حوالہ: 2، 4)

یہ 'ڈان کیخوتے' کا ترجمہ و تلخیص ہے۔ انگریزی ترجمے کا یہ اردو ترجمہ آگے چل کر 'فسانۂ آزاد' کی تخلیق کا سبب بنا۔ آزاد اور خوجی کی سیرتوں میں ڈان کیو اور سنیکو پنزا کی جھلکیاں ملتی ہیں۔

'ڈان کیخوتے' کے ترجمے میں سرشار نے مقامی رنگ بھرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی سبب ہے کہ کردار نگاری کی سطح پر بھی سرشار نے 'ڈان کیو' کا نام 'خدائی فوجدار' اور 'سنیکو پنزا' کا نام 'بدھونفر' رکھا ہے۔ مکالمات میں لکھنؤ کے محاورے اور زبان برتی ہے جبکہ بیانات میں لکھنؤ کی سماجی خصوصیات ملتی ہیں۔ اردو ادب میں 'ڈان کیخوتے' کا غلط تلفظ 'ڈان کہوٹے' عام سننے کو ملتا ہے۔

تا حال یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ سرشار نے ترجمہ کرتے وقت 'ڈان کیخوتے' کے کس انگریزی ترجمہ کو بنیاد بنایا تھا۔

ترجمہ سے ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ خدائی فوجدار بھیڑوں کے گلے پر حملہ کرتا ہے: ''بائیں بائیں کی آواز بلند ہوئی۔ بھگدڑ گلے بھر میں مچ گئی۔ کوئی اِدھر بھاگی کوئی اُدھر بھاگی۔ تتر بتر۔ اب گلے بان اور رہرو مسافر سمجھاتے ہیں کہ ہائیں ہائیں اجی صاحب یہ کیا کر رہے ہو۔ کوئی ان کی انوکھی وضع پر ہنستا ہے کوئی اِس پرلے سرے کی دحشت پر حیرت میں ہے اور یہ نیزے کو عنائے ہوئے آزادی سے کام میں لا رہے ہیں۔ ایک دفعہ ہی با آواز بلند خوب کڑک کے فرمایا۔ 'او امیر طرح شکن اور پچی قہار نابکار نامعقول آ حضور کے سامنے اور اپنا تاج زرنگار جو تو نے ملک میر نجان گزر گیر والے نامی صاحبقراں گرامی سے بزور تیغ بے دریغ چھینا تھا وہ مجھ یل نامدار و سپہدار نامور کے قدموں پر رکھ کر تجھے نیچا دکھایا۔ دیکھ تیری فوج میں کیسی کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ کوئی ادھر بھاگا کوئی ادھر بھاگا۔ ابے تھڑی ہے تھڑی۔ بڑا مرد ہے تو نبرد کر کے سامنے آ۔ او نابکار۔ میرا نام سن کے روپوش ہو گیا۔ اِدھر آ بھگوڑے۔''

''خدائی فوجدار'' کا اولین ایڈیشن نایاب ہے البتہ 1934ء کا نولکشوری ایڈیشن دیکھنے کو مل جاتا ہے۔

1063۔ سرویاں، ولیم: انسانی تماشا

ترجمہ: شفیق الرحمٰن

لاہور: مکتبہ جدید: سویرا آرٹ پریس، 1956ء

ناول: "The Human Comedy" کا ترجمہ۔ (حوالہ:2، 10، 11، 16)

ولیم سرویاں (نوبیل انعام: 1934ء) کا یہ ناول جنگ کے پس منظر میں لکھی گئی عظیم تصانیف میں شمار ہوتا ہے۔ ترجمے سے مسز میکالے (ماں) کا اپنے سب سے چھوٹے بیٹے ہومر کے ساتھ ایک مکالمہ ملاحظہ ہو:

''تم نوعمر ہو، سُن لو۔ جو غلطیاں تم سے سرزد ہوں اُن کے اعتراف سے کبھی مت ڈرنا۔ اپنے آپ پر بھروسہ رکھو، ہر کام صحیح طریقے سے کرو۔ اگر ناکام رہے یا دوسروں کے جھانسے میں آ گئے تو ہار کبھی مت ماننا۔ گر کر اٹھنا مردوں کا شیوہ ہے۔''

1064۔ سرویاں، ولیم: اپنی منزل اپنی راہیں

ترجمہ: نریندر کمار

دہلی: انڈین اکیڈمی 6 بی۔ ریگل بلڈنگ، 1958ء

ص: 295

ناول: سماجی و سیاسی ناول (حوالہ:9)

1065۔ سرویاں، ولیم: امی میں تمہاری ہوں

ترجمہ: ن۔م۔ راشد کے نام سے شائع ہوا لیکن اصل مترجم یوسف ظفر تھے۔

لاہور: مکتبہ معین الادب: 1939ء

ناول: "Mama I Love You" کا ترجمہ۔ 1974ء میں مکتبہ معین الادب کے پبلشر حزیں کاشمیری نے مجھے بتایا تھا کہ اصل مترجم یوسف ظفر تھے۔ لیکن اُن دنوں وہ غیر معروف تھے۔ خود یوسف ظفر نے ہی ہمیں کہا کہ ن۔م راشد کا بطور مترجم نام دے دیں۔ یوسف ظفر اکثر اپنے دوستوں کو بتایا کرتے تھے کہ ''ان دنوں اُن کی شادی ہونے والی تھی اور رقم کی اشد ضرورت تھی، اس لئے ناول کا ترجمہ کیا تھا۔ پبلشر نے کہا کہ کسی مشہور دوست کا نام دے دو تو کتاب چھپ جائے گی۔ راشد کا نام ادبی حلقوں میں لیا جانے لگا تھا، لہٰذا ن۔م راشد کا نام بطور مترجم دے دیا۔'' اس کی تصدیق یوسف ظفر کے بیٹے نوید ظفر سے بھی ممکن ہے، جو پی ٹی وی اسلام آباد مرکز سے ریٹائر ہوئے۔ ''نیا دور'' کراچی کے ن۔م راشد نمبر (شمارہ: 71، 72) بابت: 1978ء میں یہ ترجمہ راشد کا بتایا گیا ہے جبکہ یہ بات درست نہیں۔

(حوالہ.2)

1066۔ سلمنگ، جان: ذرّہ (دو جلدیں)

ترجمہ: اشوک پجاری

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی 29 نریندرا پیلس، 1962ء

ص: 324

ناول: 37 ابواب پر مشتمل سماجی ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:9)

1067۔ سلیٹ، جان: موت کا نغمہ

ترجمہ: مسعود جاوید

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، 1965ء

ص: 381

ناول: انگریزی کے رومانی، جاسوسی ناول کا اردو روپ۔ (حوالہ:9)

1068۔ اعتمادوف، چنگیز: جمیلہ

ترجمہ: ظ۔انصاری

ماسکو: دارالاشاعت ترقی، س۔ن

ناول: روسی زبان سے براہ راست ترجمہ۔ ناول نگار، روسی زبان کے عظیم الشان جریدہ ''انٹرنیشنل لٹریچر'' کے چیف ایڈیٹر رہے۔ (حوالہ 2، 10، 16)

1069۔ سن، الگزینڈر: بہار کب آئے گی

ترجمہ: ن۔ن

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی 29 نریندرا پیلس، س۔ن

ص: 232

ناول: چینی منظر نامے سے متعلق انگریزی ناول کا ترجمہ۔ (حوالہ.9)

1070۔ سن، الگزینڈر: آٹھواں چاند

ترجمہ: کیول سوری

نئی دہلی: ایس۔آر سیٹھ پبلشرز، 1964ء

ص: 192

ناول: 'Eight Moon' کا ترجمہ۔ ایک کمسن چینی لڑکی کی روداد جو کمیونسٹ چین کے مظالم سہ کر پہلے تائیوان اور پھر امریکہ میں پناہ لیتی ہے۔ (حوالہ:9)

1071۔ سنہری ٹولی

ترجمہ: ریاض الدین

لاہور: گیلانی الیکٹرک پریس، س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ کتاب 1944ء سے قبل شائع ہوئی۔ (حوالہ:7)

1072۔ سوم، جان سین: خوفناک پرچھائیاں

ترجمہ: مخمور جالندھری

دہلی: اہلوو الیہ بک ڈپو۔قرول باغ، س۔ن

ص: 207

ناول: ہمیشہ کی انسانی زندگی کے موضوع پر۔ اس ناول پر امریکہ میں ایک فیچر فلم بھی بن چکی ہے۔ (حوالہ: 9)

1073۔ ڈوما، الگزینڈر: سیاہ چادر

ترجمہ: ریاض الدین دہلوی

ناول: 'کاؤنٹ آف مانٹی کرسٹو' کا ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ الگزینڈر ڈوما کے اس ناول پر کئی فلمیں بن چکی ہیں۔ (حوالہ: 4)

1074۔ سیگل، ایرچ: لوسٹوری

ترجمہ: ستار طاہر

لاہور: مکتبہ شاہکار، 1975ء

ص: 34

ناول: امریکی ناول کو نئی رومانوی کروٹ دینے والا 'بیسٹ سیلر' ناول دنیا بھر کے نوجوانوں میں مقبولیت کے اعتبار سے اوّل درجہ پر شمار کیا جاتا ہے۔ اس کہانی کو مختلف زبانوں میں فلمایا جا چکا ہے انگریزی میں امریکن فلم "Love Story" ، ہندی میں بھارتی فلم 'بوبی' اور اردو میں پاکستانی فلم 'میرا نام ہے محبت' اس ناول پر جی یادگار فلمیں ہیں۔ فلم 'بوبی' میں راج کپور نے اپنے بیٹے رشی کپور اور ڈمپل کپاڈیہ کو متعارف کروایا تھا جبکہ شباب کیرانوی کی پاکستانی فلم میں بابرا شریف اور غلام محی الدین نے مرکزی کردار ادا کیا۔

'نیوز ویک' اور 'ٹائم' جیسے وقیع جرائد میں اس ناول کی تلخیص شائع ہو چکی ہیں۔ ناول کی کہانی کم عمری کی محبت سے متعلق ہے۔ ایرچ سیگل نے اس ناول میں محبت کی ایک نئی تفسیر کی ہے۔ وہ کہتا ہے:

''تم جس سے محبت کرتے ہو، اس سے یہ کبھی نہ کہنا کہ تم اپنے کسی عمل پر شرمندہ ہو۔''

'لوسٹوری' میں رواں اخلاقی قوت پر ایک زمانہ چونکا ہے۔

باپ طبقاتی برتری پر ایمان رکھتا ہے۔ بیٹا نام نمود کی جکڑ بندیوں کو توڑ دینے کا خواہاں ہے، لیکن جینی۔ صرف ایک محبت کرنے والی گھائل روح ہے، جو اپنے کردار میں محبت کی مٹھاس ہے اور اخلاقی قوت کا بے پناہ طاقتور استعارہ۔ ناول کا آخری باب (خصوصاً آخری جملے) اس اخلاقی قوت کو عظیم اور جاوداں فتح میں بدل دیتے ہیں۔ ترجمہ سے نمونہ ملاحظہ کیجئے:

"شدید خنکی تھی۔ ایک طرح سے یہ خنکی میرے لئے ضروری تھی۔ میں شل ہو چکا تھا، اور چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی چیز کو محسوس کر سکوں۔
میرا باپ جو کچھ کہتا رہا، میں وہاں خاموش کھڑا رہا۔ سرد ہوا میرے چہرے پر طمانچے مارتی رہی۔
'مجھے جونہی پتہ چلا۔ میں کار میں سوار ہو کر تمہاری طرف چل پڑا۔' میں اپنا کوٹ کہیں بھول آیا تھا۔ خنکی نے اب میرے جسم کو جکڑ لیا تھا۔ جسم درد کرنے لگا تھا۔
'خوب خوب۔'
'اولیور.....' میرے والد نے تیزی سے کہا: 'میں مدد کرنا چاہتا ہوں۔'
'جینی مر چکی ہے' میں نے اسے بتایا۔
'میں شرمندہ ہوں۔ مجھے افسوس ہے۔' اس نے تعجب سے بھرپور سرگوشی میں کہا۔
میں نہیں جانتا کیسے۔ کہ میں نے وہ بات دوہرادی جو اس خوبصورت لڑکی نے بہت عرصہ پہلے سکھائی تھی، جواب مردہ پڑی تھی۔
'محبت کا مطلب یہ ہے کہ کبھی اپنی زبان پر یہ الفاظ نہ لانا کہ تم شرمندہ ہو' اور پھر جانے کیسے، مجھ سے وہ حرکت سرزد ہوگئی جو اپنے باپ کی موجودگی میں پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔
میں اپنے باپ کے بازوؤں میں سمٹ کر چیخ چیخ کر رونے لگا۔"
آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ ایرچ سیگل کے اس بیسٹ سیلر ناول کو امریکہ اور برطانیہ کا کوئی بھی اشاعتی ادارہ چھاپنے کو تیار نہیں تھا۔ لیکن جب شائع ہو کر مقبول ہوا تو سب حیران رہ گئے۔

1075۔ سیلِ حوادث

ترجمہ: نورالحسن ہاشمی، سیّد
حیدر آباد دکن: مکتبہ ابراہیمیہ، س۔ن
ناول: انگریزی ناول 'ایسٹ لن' کا ترجمہ 1939ء قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 7،4)

1076۔ سینکسٹر، جی: ڈائری کا ہنگامہ

ترجمہ: محمد یعقوب
راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ۔
جاسوسی ناول کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1077۔ سیویج، رچرڈ ہنری: نازک کٹار

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری
لاہور: نرائن دت سہگل، س۔ن
جاسوسی ناول: 'مائی آفیشل لائف' کا ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 2، 4، 7، 11)

1078۔ سیوتج، رچرڈ ہنری: چار خون (سنہری لاش)

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

کراچی: اردو محل، ناظم آباد۔

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 16)

1079۔ شارپ، ہنری: حشیشین

ترجمہ: فاطمہ بیگم

لاہور: دارالاشاعت پنجاب، 1928ء

ناول: ترجمے میں اردو محاورے کا چٹخارہ اور زبان کا چٹیلا پن خاصے کی چیز ہے۔ (حوالہ: 7،2)

1080۔ شاطر ڈاکو

ترجمہ: وحیدالحق

ناول: جاسوسی ناول کا انگریزی سے ترجمہ، 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 4)

1081۔ شاما

ترجمہ: کشن پرشاد کول

الہ آباد: انڈین پریس، س۔ن

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 7)

1082۔ شاہد طراز

ترجمہ: دھرم نرائن

لاہور: فرانسیسی ناول کا انگریزی سے ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ ناول ظریفانہ ہے۔

ناول: (حوالہ: 4)

1083۔ شب حسرت (چھ جلدوں میں)

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: دائرہ ادبیہ، س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

1084۔ شکلسے، رابرٹ: فنا کے بعد

ترجمہ: ایم۔ جے عالم

الہ آباد: نفیس پبلی کیشنز شاہ گنج، س۔ن

ص: 255

ناول: 37 ابواب پر مشتمل روحانی زندگی کے موضوع پر ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 9)

1085۔ شمع سحر

ترجمہ: احمد حسین خاں

ناول: انگریزی ناول کا ترجمہ جسے ایشیائی رنگ میں رنگ دیا گیا ہے۔ یہ کتاب پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی کی فہرست میں شامل رہی ہے۔ کتاب 1939ء سے قبل شائع ہوئی۔ (حوالہ 4)

1086۔ شولوخوف، میخائل: اور ڈان بہتا رہا

ترجمہ: ظ۔ انصاری

ماسکو: دارالاشاعت ترقی

ناول: روسی زبان سے براہ راست ترجمہ (حوالہ: 10،2)

1087۔ شولوخوف، میخائل: کنوارے کھیت

ترجمہ: مخمور جالندھری

لاہور: مکتبہ جدید: سویرا آرٹ پریس،

ص: 520

ناول: روسی انقلاب کے بعد اشتراکی زندگی کی تعمیر پر۔ یہ دراصل اور 'ڈان بہتا رہا' کا دوسرا حصہ ہے۔ یہ ترجمہ 2006ء میں فکشن ہاؤس، لاہور نے شائع کر دیا ہے۔ (حوالہ: 2، 9، 11)

1088۔ شولوخوف، میخائل: آدمی کا مقدر

ترجمہ: قرۃ العین حیدر

دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، 1965ء

ص: 53

ناولٹ: روسی ناولٹ کے انگریزی روپ کا اردو ترجمہ۔ اس سے قبل ظ۔ انصاری اس ناولٹ کا روسی زبان سے براہ راست ترجمہ کر چکے تھے، جو ماسکو سے شائع ہوا تھا۔ (حوالہ: 9)

1089۔ شولوخوف، میخائل: اور ڈان بہتا رہا

ترجمہ: مخمور جالندھری

لاہور: مکتبہ جدید: سویرا آرٹ پریس

ص: 680

ناول: مصنف نے 1965ء میں نوبیل انعام حاصل کیا۔ یہ ترجمہ ناول کے پہلے حصے کا ہے۔ اس کا دوسرا حصہ 'کنوارے کھیت' کے نام سے شائع ہوا۔ اس ناول کاایک ترجمہ سید مطلبی فرید آبادی نے بھی کیا تھا۔ مخمور جالندھری کا یہ ترجمہ پہلی بار مکتبہ پاکستان لاہور سے شائع ہوا تھا۔ یہی ترجمہ 2007ء میں فکشن ہاؤس لاہور نے شائع کیا ہے۔

(حوالہ:2،10،11،16)

1090۔ شولوخوف، میخائل: بہتا دریا

ترجمہ: مطلبی فرید آبادی، سید

لاہور: سنگم پبلشرز لمیٹڈ 13۔نسبت روڈ

ناول: ایک ترجمہ مخمور جالندھری کا بھی ملتا ہے۔ (حوالہ:2،10،11،16)

1091۔ شہر خموشاں

ترجمہ: مظہرالحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ، 1967ء

ص: 280

ناول: انگریزی اسراری ناول کا ترجمہ۔ ایک پادری کے نوجوان بیٹے کی کہانی جس کی بیوی کو اس کا رقیب بلاک کر دیتا ہے۔ نوجوان کو مرحوم بیوی اور رقیب کے ہمزاد پریشان رکھتے ہیں۔ (حوالہ:9)

1092۔ شہناز

ترجمہ: ن۔ن

دہلی: حالی پبلشنگ ہاؤس، 1954ء

ناول: فرانسیسی ناول 'ماجدولین' کا عربی کی معرفت ترجمہ۔ عربی ترجمہ مصری ادیب مصطفیٰ الطفی المفلوطی نے کیا تھا۔

(حوالہ:9)

1093۔ شہیدِ جفا

ترجمہ: رئیس الزماں، چودھری

ناول: انگریزی سے ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ حزنیہ رومانی ناول (حوالہ:4)

1094۔ شہیدین: زلفوں کے سائے میں

ترجمہ: ظ۔انصاری

دہلی: مکتبہ شاہراہ، 1953ء

ص: 82

ناول: چینی ناولٹ کے انگریزی روپ 'لانگ مارچ کے دوران پنپنے والی محبت کی داستان۔'' (حوالہ 9)

1095۔ شیفر، جیک: انجان راہی

ترجمہ: شان الحق حقی

لاہور: مکتبہ معین الادب، 1969ء

ص: 166

ناول: امریکی ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2، 10، 11)

1096۔ شیفر، جیک: پہلا خون

ترجمہ: غلام حسین

لاہور: مکتبہ معین الدب، 1969ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 2، 10، 11)

1097۔ شیلے، مری: فرینکسٹائن

ترجمہ: مظہر الحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، س۔ن

ص: 335

ناول: معاشرتی ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ دوسرا ایڈیشن بانو اکیڈمی کراچی نے شائع کیا۔ ہالی وڈ کے ڈائریکٹر Kenneth Branagh نے اس ناول کو بنیاد بنا کر "Mary Shelley's Frankenstein" فیچر فلم 1994ء میں تیار کی۔
(حوالہ:2، 9، 19)

1098۔ شینکو، وکٹر گراف: آزادی کی طرف

ترجمہ: ستیہ نند شاکر

دہلی: نیشنل اکیڈمی، انصاری مارکیٹ دریا گنج، 1954ء

ص: 486

ناول: ایک روسی افسر کی زندگی کے سچے واقعات کا افسانوی بیان۔ کیمونسٹ معاشرے کے خلاف۔ انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 9)

1099۔ شیوڈ، اے۔ جے: جوالا مکھی

ترجمہ: محمد حسن

دہلی: پبلی کیشنز ڈویژن منسٹری آف انفارمیشن بھارت، 1961ء

ص: 250

ناول: 1942ء کی انقلابی تحریک کے پس منظر میں۔ (حوالہ 9، 15)

1100۔ طاغوت

ترجمہ: مسعود جاوید

لکھنؤ: کتابی دنیا، نظیر آباد، س۔ن

ص: 607

ناول: انگریزی سے ''دی ڈے ول رائٹس آؤٹ'' کا ترجمہ۔ (حوالہ 9)

1101۔ طرحدار بنگالن

ترجمہ: خنجر، مرزا فدا علی

لکھنؤ: بہار گو اسکول: 1933ء

ناول: انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ 7)

1102۔ طلسمی آئینہ

ترجمہ: مظہر الحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، س۔ن،

ص: 191

ناول: اسراری ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ 9)

1103۔ طوفانِ بہار

ترجمہ: مخمور جالندھری

دہلی: رسالہ بیسویں صدی، س۔ن،

ص: 232

ناول: روسی زبان سے معاشرتی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ 9، 12، 16)

1104۔ ظلِ ہما

ترجمہ: ن۔ن

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، س۔ن

ناول: فرانسیسی ناول کے انگریزی روپ ''کوئین آف مانٹے کرسٹو'' کا ترجمہ۔ ناول میں نپولین کی زندگی اور

فتوحات کو پس منظر بنایا گیا ہے۔ (حوالہ:9)

1105۔ عالمِ اسفل

ترجمہ: ن۔ن

لکھنؤ: مکتبہ کلیان، س۔ن

ص: 391

ناول: اسراری ناول کا انگریزی سے تلخیص و ترجمہ۔ (حوالہ:9)

1106۔ عالمِ گم گشتہ

ترجمہ: ن۔ن

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، س۔ن

ص: 295 (حوالہ:9)

1107۔ فاسٹ، ہارورڈ: آزادی کے بعد

ترجمہ: احسن علی خاں

بمبئی: کتاب پبلشرز لمیٹڈ، 1951ء

ص: 324

ناول: امریکی ناول 'Freedom Road' کا ترجمہ جس میں سرمایہ داری کے خلاف جدوجہد دکھائی گئی ہے۔
(حوالہ:2،9)

1108۔ فاسٹ، ہاورڈ: میں واپس آؤں گا

ترجمہ: انیس اعظمی

دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ

ناول: انگریزی سے 'اسپارٹا کس' نامی ناول کا ترجمہ۔ (حوالہ:2)

1109۔ فاسٹ، ہاورڈ: اسپارٹاکس

ترجمہ: انیس اعظمی

نئی دہلی: معیار پبلی کیشنز، 1983ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ اسی ترجمے کو مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی نے ''میں واپس آؤں گا'' کے نام سے شائع کیا۔(حوالہ 2)
یہ ہاورڈ فاسٹ کا مشہور زمانہ ناول ہے۔ اس ناول کو بنیاد بنا کر ہالی وڈ میں ایک فلم بھی بن چکی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ

ہاورڈ فاسٹ کا یہ ناول ہالی وڈ والوں کی گرفت سے باہر رہا۔

انیس اعظمی نے یہ ترجمہ بادل سرکار کے لکھے ہندی ڈرامے کو بنیاد بنا کر کیا ہے۔ بادل سرکار نے اسی ڈرامے کو روپ بخشا ہے جسے ایم۔کے۔ رینا کی ہدایات میں اسٹیج پر زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔

کوئی دو ہزار سال قبل اسپارٹاکس نے سامراج کے خلاف روم میں علم بغاوت بلند کیا تھا۔ اگرچہ یہ کہانی 71 سال قبل از مسیح کے زمانے سے متعلق ہے لیکن بادل سرکار کے وسیلے سے مترجم نے دو ہزار سال قبل کے رومن سماج کو زندہ کر دکھایا۔

1110۔ فانتامارا

ترجمہ: حسن عباس

لاہور: ہاشمی بک ڈپو، س۔ن

ناول:

1111۔ فرانس، اناطول: تائیس

ترجمہ: عنایت اللہ دہلوی

لاہور: نام مطبع ندارد، 1928ء

ناول: فرانسیسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ دوسری بار ہندو بک ایجنسی کلکتہ اور تیسری بار آئینہ ادب لاہور نے 1968ء میں شائع کیا۔ مقدمہ: پروفیسر مرزا محمد سعید نے لکھا ہے۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

اناطول فرانس (پ 1844ء) کا یہ ناول خیر وشر کے موضوع پر ایک رقاصہ کے حوالے سے تحریر کیا گیا ہے۔ یہ ناول ایک ایسے عہد کی دستاویز شمار ہوتا ہے جب فرانسیسی معاشرہ اپنے عروج کو چھو چکنے کے بعد زوال پذیر ہوا۔ ایسے میں فرانسیسی قوم اخلاقی گراوٹ، عیاشی اور مذہبی تنفر کا شکار ہوئی۔ یہ ناول نپولین سوم کے زوال آمادہ عہد کا بہترین عکاس ہے۔

تائیس۔ ایک رقاصہ ہے جسے ایک راہب گناہ آلود زندگی سے باہر لاتا ہے اور وہ تائب ہو کر عظمت انسانی کی معراج کو پا لیتی ہے۔ ناول میں جسم اور روح کے الجھیڑوں کے ساتھ ساتھ خیر وشر کی ازلی آویزش کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ بدی پر خیر کی فتح کا عظیم رزمیہ قدم بہ قدم قاری کو زندگی کے رموز سے آگاہ کرتا جاتا ہے۔

ایک طرف تائیس اپنے حسن و جمال سے لوگوں کو دیوانہ بنائے ہوئے ہے تو دوسری طرف سیکڑوں راہب ترک دنیا کیے، عبادات میں مشغول اپنے گناہوں کی تلافی میں لگے ہوئے ہیں۔ یوں اس دور کا فرانسیسی معاشرہ دو مختلف ڈھروں پر چلتا دکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف دنیا اور اس کی لذتیں تو دوسری طرف ترکِ دنیا اور ترکِ لذات۔

ناول میں اسکندریہ کی رقص گاہیں اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہیں۔ ان رقص گاہوں میں تماش بینوں کی ذہنیت (علمیت اور اخلاقی گراوٹ) کھل کر سامنے آتی ہے۔ علمی محفلوں میں حقیقت اور مجاز کے جھگڑے، ادب کے مقصد کی پوچھ گچھ اور زندگی کا مفہوم اہم موضوعات ہیں۔

یوں تو ناول میں اہم اور چونکا دینے والے کرداروں کا ایک جہان آباد دکھائی دیتا ہے لیکن تائیس کے بعد تائیس کی نجات کا باعث بننے والا راہب، کرداری سطح پر سب سے نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ ابتداء میں وہ ایک نوعمر طالب العلم تھا اور تائیس کا عاشق، یکلخت وہ رہبانیت کی تعلیمات سے متاثر ہو کر ترکِ دنیا کر دیتا ہے اور تائیس سے نہ ملنے کے غم کو بھلانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن یہ سب محض ایک کوشش رہتی ہے۔ اس کے کردار کی تشنگی بڑی حد تک جنسی خواہشات کے سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تائیس کی موت کے بعد وہ سب کچھ کر گزرنے کے درپے ہو گیا جو دراصل وہ تائیس کی زندگی میں چاہتا تھا۔

تائیس جو لڑکپن میں بوڑھے ملاحوں کی گود میں کھیلتی رہی اور شراب کے نشہ میں دُھت ملاحوں کی جیب سے پیسے نکال کر بھاگتی رہی۔ آگے چل کر وہی قحبہ خانوں میں عارضی محبتوں کو پاتی اور کھوتی دکھائی دیتی ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ نجات کی راہ پر چلتی ہے تو مختلف آوازیں سنائی دیتی ہیں:

''ہائے ہائے تائیس چلی گئی تو ... پھر تماشے کون دکھائے گا۔''

'وہ تو اسکندریہ کے آسمان کا تارہ تھی۔ چاند کی ہلکی ہلکی چاندنی تھی۔'

''یہ راہب بڑا کمینہ ہے جو تائیس سے شہر چھڑا رہا ہے۔''

''تائیس ہمارے منہ کا نوالہ ہم سے چھین رہی ہے۔''

مولوی عنایت اللہ دہلوی نے اس ناول کا ترجمہ بامحاورہ دہلوی زبان اور محاورے کی ازلی سچائی کے ساتھ کیا ہے، نیز مستعمل تلمیحات کو بڑی خوبی سے اردو میں منتقل کیا ہے۔ اب 2007ء میں یہی ترجمہ فکشن ہاؤس، لاہور نے بھی شائع کیا ہے۔

1112۔ فرانس، اناطول: سادھو اور بیسوا

اخذ و ترجمہ: کشن پرشاد کول، پنڈت

ناول: 'تائیس' نامی ناول کا آزاد ترجمہ، ماحول و کردار بدل دیئے گئے ہیں۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔

(حوالہ: 4)

1113۔ فرانس، اناطول: بلتا زار اور بلقیس ملکہ سبا

ترجمہ: عبدالرزاق ملیح آبادی

نام مطبع ندارد

ناول: فرانسیسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 2، 4)

1114۔ فریبِ ہستی

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ ایک ایڈیشن نفیس اکیڈمی کراچی نے بھی شائع کیا ہے۔ (حوالہ 13، 14، 16)

1115۔ فریر مین، آر: ڈنگو

ترجمہ: قرۃ العین حیدر

دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ لمیٹڈ، 1966ء

ص: 160

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 9)

1116۔ فری مین، آسٹن: ابلیس تابوت میں

ترجمہ: کامل القادری

نام مطبع و سنہ ندارد

اسراری ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 11)

1117۔ فطرتی قاتل

ترجمہ: شیام بہاری لال

لکھنؤ: ہندوستانی پریس، س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ کتاب 1944ء سے قبل شائع ہوئی۔ (حوالہ 7)

1118۔ فلابیئر، گستاو: مادام بواری

ترجمہ: محمد حسن عسکری

لاہور: البیان چوک انارکلی، 1950ء

ناول: 'Madame Bovary' کا فرانسیسی زبان سے ترجمہ۔ لیکن ایلیئنر مارکس ایویلنگ کے انگریزی ترجمے کو بھی سامنے رکھا جو 1943ء میں پاکٹ بکس، نیویارک سے 371 صفحات کی ضخامت کے ساتھ شائع ہوا تھا۔

(حوالہ۔ 2، 11، 16)

'مادام بواری' محمد حسن عسکری کا انتہائی اہم ترجمہ ہے لیکن عسکری صاحب خود، اپنی اس کوشش کو ناکامی پر محمول کرتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے:

> میرے جس ترجمے کو غور سے پڑھا جانا چاہیے تھا وہ ہے 'مادام بواری' یعنی ایک ناکامیاب ترجمے کی حیثیت سے۔ اوّل تو اس کتاب کا صحیح ترجمہ آج تک ہوا ہی کون سی زبان میں ہے؟ میں دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کتاب میں نثری اسلوب کے جتنے مسائل سامنے آتے ہیں، میں نے ان سب کو سمجھ لیا۔ ایک تو میں نے یہ کوشش کی کہ فلوبیئر نے علامات، اوقاف کے ذریعہ جو معنی پیدا کئے ہیں ویسے ہی میں بھی کروں۔ پھر فلوبیئر نے بار بار مختلف قسم کے خیالات کو تقابل یا تضاد کیلئے ایک ہی جملے میں بند کر دیا ہے۔ میں نے ایسے جملوں کا مطلب لکھنے کی بجائے انہیں ویسے کے

ویسے ہی اردو میں منتقل کر دیا ہے۔ اردو والوں نے شکائت کی کہ ترجمے میں روانی اور سلاست نہیں ہے۔ جملوں کے آہنگ یا پیراگراف کی تصحیح کا معاملہ تو اتنا سخت تھا کہ میں نے بھاری پتھر سمجھا اور چوم کر چھوڑ دیا۔

('گر ترجمے سے فائدہ اخفائے حال ہے' از محمد حسن عسکری مشمولہ 'ستارہ یا بادبان' ص۔176)

'مادام بواری' کو اردو میں ترجمہ کرتے وقت نثری اسلوب کے اتنے زیادہ مسائل مترجم کو گھیرتے ہیں کہ سب مسائل سے عہدہ برآ ہونا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ فلابیئر فنی ریاضت کو عبادت کا درجہ دیتا تھا اور اسلوب کی عظمت کو مانتا تھا۔ اس ناول میں زندگی کے گہرے مشاہدے کو فلابیئر نے ان ہی محسوسات کے زیر اثر لفظوں میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ناول پڑھ کر والٹر پیٹر نے کہا تھا کہ 'فلابیئر شہید ادب' ہے۔ اس ضمن میں ترجمہ کے سب سے بڑے پارکھ ایزرا پاؤنڈ کہتے ہیں:

''میرا خیال ہے کہ اب کوئی شخص حقیقی معنوں میں اچھی شاعری اس وقت ہی کر سکتا ہے، جب وہ فلابیئر کی نثر سے واقف ہو۔''

محمد حسن عسکری نے اپنے تیئں کوشش کر کے فلابیئر کی جزئیات اور باہم متحارب محسوسات اور خیالات کو ایک ہی وحدت میں پرونے والے جملوں کی معرفت اردو میں منتقل کر کے ایک ایسا لافانی کارنامہ سرانجام دیا ہے جس کی مثال اردو ترجمے کی روایت میں خال خال ہی دکھائی دیتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میں نے یہ کوشش کی کہ فلابیر نے علامات اوقاف کے ذریعے جو معنی پیدا کئے ہیں ویسے ہی میں بھی کروں۔''

('گر ترجمے سے فائدہ اخفائے حال ہے' سے اقتباس)۔

مکتبہ جدید۔ لاہور کے اوّل اور تا حال آخری ایڈیشن میں سہو کاتب سے علامات و اوقاف نگاری کا وہ نظام بری طرح مجروح ہوا جو عسکری صاحب نے قائم کرنے کی سعی کی تھی لیکن جہاں کاتب آڑے نہیں آیا وہاں عسکری صاحب کی اوقاف نگاری کا کمال اپنے عروج پر دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً

''یہ پیر اُسی قسم کا تھا، جس میں تھوڑی سی خمیدگی تھی، یا پھر ہلکا سا خمیدہ تھا اور اُس پیر کی طرح بہت زیادہ مائل۔ حالانکہ اس کا پیر گھوڑے کی سُم کی طرح چوڑا، کھال کھردری، رگیں خشک اور انگلیاں بڑی بڑی تھیں۔''

آپ نے محسوس کیا کہ اس نثری ٹکڑے میں 'مائل' اور 'حالانکہ' کے درمیان فُل سٹاپ نے کس نوع کا فریضہ انجام دیا؟ ظاہر ہے، اس کے نہ ہونے سے سارا مطلب خبط ہو جاتا۔

اس نوع کے جتن کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عسکری صاحب کے ترجمے میں فلابیئر کی نثر کو اس کی جملہ صفات کے ساتھ منتقل کیا گیا ہے۔ اردو کے نثری اسالیب میں تنوع کی کمی کے باعث شاید اس نوع کی کامیابی ممکن نہ تھی۔ تاہم یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ محمد حسن عسکری نے اس ترجمے کے ذریعے اُردو کے مروجہ اسالیب کے رہے ہوئے کھانچوں کو بھرنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔ ایک نمونہ عبارت ملاحظہ ہو:

اس کی ٹوپی بھی اچھی خاصی معجون مرکب تھی۔ اس میں ریچھ کی کھال کی ٹوپی، فوجی ٹوپی، نمدے کی سخت ٹوپی اور رات کو اوڑھنے کی سُوتی ٹوپی، سب کے تھوڑے بہت آثار مل سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اُس لڑکے کی ٹوپی ان قابل رحم چیزوں میں سے تھی، جن کی گونگی بدصورتی میں بھی بیان کی بڑی بڑی گہرائیاں ہوتی ہیں۔ جیسے کسی فاتر العقل آدمی کے چہرے

میں۔ ٹوپی بیضوی شکل کی تھی اور اسے سخت کرنے کے لئے وہیل مچھلی کی ہڈی لگائی گئی تھی۔

('مادام بواری' ص: 9 سے اقتباس)

اُردو نثر کے اسلوبیاتی نظام میں جزئیات پر اس قدر توجہ، اسمائے صفت کا فنکارانہ استعمال اور تجرباتی ردِعمل بہت کم سامنے آیا ہے۔ اس ترجمے کی انہی خصوصیات کی بنا پر کتاب کے گرد پوش پر رائے دیتے ہوئے عزیز احمد نے کہا تھا:

گستاؤ فلابیر کو زندگی اور الفاظ دونوں کی نبض شناسی میں کمال حاصل تھا۔ محمد حسن عسکری نے اس بے مثل ناول کو بڑی کاوش اور بڑی خوبی سے اردو میں منتقل کیا ہے۔ شاید ہی کسی اردو ادیب کو فرانسیسی ادب سے ایسا لگاؤ اور اس پر اتنا عبور ہو جتنا عسکری کو ہے۔ الفاظ کی نبض پہچاننے کا انہیں بھی ایسا ہی ملکہ ہے جیسے فلابیر کو تھا۔

اس رائے پر مہر تصدیق ثبت کرنے والا ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

کھلی ہوا اسے چاروں طرف سے لپیٹ لیتی۔ اس کی گردن کے ملائم ملائم روئیں سے کھیلتی یا اس کے پیش بند کی ڈوریوں کو اس کے کولہوں پر ادھر سے اُدھر اُڑاتی اور وہ جھنڈیوں کی طرح پھڑ پھڑانے لگتے۔ برف پگھلنے کے دنوں میں ایک دفعہ احاطے کے درختوں کے چھال سے پانی رس رہا تھا۔ ملازموں کی کوٹھڑیوں کی چھتوں پر برف پگھل پگھل کے بہ رہا تھا اور وہ دہلیز پر کھڑی تھی۔

('مادام بواری' ص 29 سے اقتباس)

اس ترجمے کا ایک ایڈیشن فکشن ہاؤس، لاہور نے 2005ء میں شائع کیا۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ عسکری صاحب 'چلتے چلتے جب قدم ڈولتا ہے' کے مصداق اپنی سمتیں تبدیل کرتے رہے، تو میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ طبع زاد افسانوں سے تراجم کی طرف آنا، عسکری صاحب کے لئے ایک تخلیقی تجربہ ہی تھا، ری کری ایشن کے حوالے سے۔ اب اگر ہماری کچھ بھائی بند، پانو کے انگوٹھے سے قلم باندھ کر ترجمہ کرنے والوں کو بھی عسکری صاحب کے مقابل کھڑا کر دیں تو میں کیا کرسکتا ہوں۔ جب کہ عسکری صاحب کہتے ہیں کہ

''ہمارے ہاں جس قسم کی بھی عظمت ہے، اُس کا کچھ نہ کچھ تعلق ترجموں سے ضرور ہے۔ اردو ادب میں آغاز سے لے کر غالب کے زمانے تک ترجمے چاہے زیادہ نہ ہوئے ہوں، لیکن ہمارے شاعر دو قسم کی کوششیں کر رہے تھے۔ ایک طرف تو وہ فارسی کے اسالیب اور تصورات کو اپنی زبان کے سانچے میں ڈھال رہے تھے، تو دوسری طرف وہ اپنی زبان کا ایک مزاج اور ایک روح متعین کرنا چاہتے تھے۔ یہ بالکل وہی چیز ہے، جو تیرھویں اور چودھویں صدی میں اٹلی اور انگلستان کے شاعروں نے فرانسیسی کے زیرِ اثر اپنی اپنی زبانوں کے لئے کی۔''

(''گر ترجمے سے فائدہ اخفائے حال ہے''، مطبوعہ: ''ماہِ نو'' کراچی، فروری 1954ء)

اس ضمن میں عسکری صاحب کی مساعی یوں قابلِ تقلید ہے کہ ''مادام بواری'' کو ترجمہ کرتے ہوئے انہوں نے گستاؤ فلابیئر کی جزئیات اور علاماتِ اوقاف سے پیدا شدہ تاثر اور باہم متحارب اور آپس میں گتھے ہوئے محسوسات اور خیالات کو بہ زبان اردو ایک

وحدت میں پرونے کا جتن کیا۔ اس عمل کے ذریعے عسکری صاحب نے اردو کے مروجہ اسالیب کے رہے ہوئے کھانچوں کو بھرنے کی سعی کی اور اس دور میں یہ ایک بنیادی اور ضروری کام تھا۔ لیکن یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ عسکری صاحب نے ''مادام بواری'' کا ترجمہ انگریزی سے کیا تھا، براہِ راست فرانسیسی زبان سے نہیں۔ ''مادام بواری'' کو ترجمہ کرتے ہوئے انہوں نے Eleanor Marx Aveling کے انگریزی ترجمہ بہ عنوان: "Madame Bovary" مطبوعہ: پاکٹ بکس، نیویارک طبع اوّل: 1943ء (کل صفحات 371) کو بنیاد بنایا۔ یہ پیپر بیک ایڈیشن تھا۔ بعدازاں اِسی متن کو مجلد صورت میں: Grolier Enterprises Corp Danbury, Connecticut, America نے 1968ء میں شائع کیا۔

ایلینر مارکس ایوینگ کے انگریزی متن اور عسکری صاحب کے اردو متن کا موازنہ یہ حقیقت واضح کر دیتا ہے۔ ''مادام بواری'' کے درج ذیل دو ازحد اہم انگریزی تراجم کی اشاعت بہت بعد کی ہے:

1۔ "Madame Bovary" انگریزی ترجمہ از Lovel Bair مطبوعہ Bantam Books، امریکہ (کل صفحات 419) طبع اوّل: 1959ء

2۔ "Madame Bovary" انگریزی ترجمہ از Steeg Muller مطبوعہ: The Modern Library، نیویارک امریکہ (کل صفحات 396) طبع اوّل: 1957ء

گستاوٗ فلابیئر کی ''مادام بواری'' اور ستاں دال کے ناول ''سرخ و سیاہ'' کی نثر کا معاملہ ایک جیسا ہی ہے بلکہ پاؤنڈ نے استاں دال کی نثر کا مرتبہ شاعری سے بھی بلند بتایا ہے اور اس میں شک نہیں کہ یورپی اسالیب نثر سے شافی تعارف کے لئے ''سرخ و سیاہ'' سے بہتر کوئی نثر پارہ نہیں۔ یہ الگ قصہ ہے کہ ''سرخ و سیاہ'' میں رواں سماجی شعور اور کردار نگاری کا دھارا، روس کے کلاسیکی ادب کی یاد تازہ کرتا ہے لیکن اشروڈ اینڈرسن اور ستاں دال میں نمایاں فرق یہ ہے کہ استاں دال، جذبات کا تجزیہ فکرِ محض کی زبان میں کرتا ہے۔ یعنی جذبات کے بیان میں جذباتی زبان استعمال نہیں کرتا جبکہ عسکری، بطور مترجم اس حقیقت سے نہ صرف آگاہ ہیں بلکہ جوکھم میں پڑ کر ستاں دال کا ترجمہ کرنے پر خود کو تیار پاتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ستاں دال کے بڑے مترجمین اسکاٹ مونکریف اور چارلس ٹرگی انگریزی زبان کی بڑی اسلوبیاتی روایت سے مسلح ہو کر جب ''سرخ وسیاہ'' کا انگریزی ترجمہ کرتے ہیں تو اسلوبیاتی پہلوداری کو ترجمہ کرنے کے معاملے میں اردو جیسی کم مایہ زبان کا مترجم (محمد حسن عسکری) اُن سے کہیں زیادہ کامیاب دکھائی دیتا ہے۔

1119۔ فلابیئر، گستاوٗ: سلامبو (2 جلدیں)

ترجمہ: عنایت اللہ، مولوی

دہلی: ادریس المطابع، س۔ن

ناول: فرانسیسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 4، 7)

1120۔ فلابیئر، گستاوٗ: ہیرودیاس

ترجمہ: عنایت اللہ دہلوی

دہلی: محبوب المطابع،

ناول: فرانسیسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ 13، 16)

1121۔ فلیچر، جے۔ایس: زہری بان

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل، س۔ن

ص: 368

جاسوسی ناول: 'The Ransom For London' کا ترجمہ۔ 7 ابواب پر مشتمل ناول کا ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ یہ ترجمہ نیشنل لٹریچر کمپنی دہلی نے بھی شائع کیا تھا۔ 2007ء میں فکشن ہاؤس، لاہور نے شائع کیا ہے۔ (حوالہ 2، 4، 7)

1122۔ فلیچر، جے۔ایس: کیفرِ کردار

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

امرتسر: آزاد بک ڈپو، س۔ن

ص: 334

ناول: ''دی کانٹھی ریس'' کا ترجمہ۔ یہ ترجمہ دائرہ ادبیہ، لاہور نے 1943ء میں شائع کیا تھا۔ 2007ء میں یہ ترجمہ فکشن ہاؤس، لاہور نے شائع کرتے وقت عنوان تبدیل کر دیا اور ''مکافاتِ عمل'' کے نام سے سامنے لائے۔ یہ روش انتہائی قابلِ مذمت ہے۔ (حوالہ: 7، 9)

1123۔ فلیچر، جے۔ایس: زہریلا ہل

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: خالد بک ڈپو، انارکلی

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 13، 16)

1124۔ فلیچر، جے۔ایس: انمول ہیرا

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل، س۔ن

جاسوسی ناول: 'The Million Dollar Diamond' کا ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ ایک ایڈیشن لال برادرس، لاہور کا بھی ملتا ہے۔ (حوالہ: 2، 4، 7)

1125۔ فلیچر، جے۔ایس: تیسرا ایجنٹ

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

دہلی: کتابستان،

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:16)

1126۔ فلیچر، جے۔ایس: پامال ستم

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ناول: اسراری ناول کا انگریزی سے ترجمہ طبع ثانی: ادبی مرکز حیدر آباد سندھ 1953ء۔ یہ 'دی مڈل ٹیمپل مرڈر' کا ترجمہ ہے۔ (حوالہ:2، 10، 11)

1127۔ فلیچر، جے۔ایس: ساحل کے پاس

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

دہلی: کتابستان

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:14، 16)

1128۔ فلیچر، جے۔ایس: قاتل ہار

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: خالد بک ڈپو،

جاسوسی ناول: 'The Diamonds' کا ترجمہ۔ (حوالہ 13، 16)

1129۔ فلیمنگ، آئن: آگ کا گولہ

ترجمہ: نذیر حسین صدیقی

لاہور: نوبہار بک ڈپو۔لوہاری گیٹ (حوالہ:2، 19)

1130۔ فنٹوما

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: دارالاشاعت پنجاب، 1932ء

ناول: اس سلسلے کی اگلی کڑی کا ترجمہ 'فنٹوما کا انتقام' کے نام سے شائع ہوئی۔ (حوالہ 7)

1131۔ فنٹوما کا انتقام

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: دارالاشاعت پنجاب، 1932ء

ناول: اس سلسلے کی پہلی کڑی 'فنٹوما' کے نام سے ترجمہ ہو کر شائع ہوئی۔ (حوالہ 7)

1132۔ فورمین، کیتھرائن: امی جان کا کھاتہ

ترجمہ: ن۔ن

نئی دہلی: نوکیتن پبلی کیشنز، س۔ن

ص: 144

ناول: 17 ابواب پر مشتمل حقیقت پسندانہ روایت کا ناول (حوالہ:9)

1133۔ فونٹین، پیٹرک: گناہ کے سائے

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز، کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Shadow of Guilt' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1134۔ فورک، لازارلوی: جن حسن عبدالرحمٰن

ترجمہ: قرۃ العین حیدر

نئی دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ، 1962ء

ص: 156

ناول: (بچوں کے لئے) روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ 2،9)

1135۔ فیروزہ

ترجمہ: اخلاق اختر

لکھنؤ: کتابی دنیا، س۔ن

ص: 231

ناول: انگریزی ناول 'شیڈوز ان دی وان' کا ترجمہ و تلخیص (حوالہ 9،10)

1136۔ فیوٹرل، جیکسن: ہیروں کا بادشاہ

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: لال برادرس، 1928ء

جاسوسی ناول: 'دی ڈائمنڈ ماسٹر' کا ترجمہ۔ یہ ترجمہ نرائن دت سہگل لاہور نے بھی 1939ء سے قبل شائع کیا تھا۔

(حوالہ: 2،7،10،11)

1137۔ فیئر، اے۔اے: ٹھگوں کا شکاری

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Traps Need Fresh Bait' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

1138۔ فیئر، اے۔اے: بڑا دروازہ

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Top of The Heap' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1139۔ فیئر، اے۔اے: بناوٹی حادثہ

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Cut Thin Top win' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

1140۔ فیئر، اے۔اے: دولت کی پجارن

ترجمہ: شاہد لطیف قادری

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Crows Can't Count' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1141۔ فیئر، اے۔اے: چالاک جاسوس

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'You Can Die Laughing' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1142۔ فیئر، اے۔اے: چھ سال بعد

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Beware of Curious' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1143۔ فیئر، اے۔اے: حریص ڈاکٹر

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Double or Quits' کا ترجمہ۔ (حوالہ.18)

1144۔ فیئر، اے۔اے: قیمتی خطوط

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Gold Comes In Bricks' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1145۔ فیئر، اے۔اے: قانونی قاتل

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'The Bigger They Come' کا ترجمہ۔ (حوالہ'18)

1146۔ فیئر، اے۔اے: کمرہ نمبر 27

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Try Any Thing Once' کا ترجمہ۔ (حوالہ'18)

1147۔ فیئر، اے۔اے: منشیات کا چکر

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'All Grass is Not Green' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

1148۔ فیئر، اے۔اے: ہرجائی مقتول

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Bachelor Gets Lonely' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1149۔ قفسِ زریں

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: دائرۂ ادبیہ، س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:7)

1150۔ قلی

ترجمہ: ن۔ن

بمبئی: کتب پبلشرز، 1948ء

ص: 464

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ معاشرتی ناول۔ یہ انگریزی ناول ہندوستان کے مشہور کمیونسٹ ناول نگار اور ترقی پسند تحریک کے بانی رُکن ملک راج آنند کا تھا لیکن کتاب پر ان کا نام میں نے نہیں دیکھا۔ از حد اہم ناول۔ (حوالہ۔9)

1151۔ قہر دریا

ترجمہ: عبدالغفور

لاہور: خادم التعلیم اسٹیم پریس، 1914ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ۔7)

1152۔ کار، جان ڈکسن: پراسرار مسافر

ترجمہ: اختر رحمانی

کراچی: انور پبلشرز۔ نکل روڈ،

جاسوسی ناول: اردو ترجمہ 1962ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:2)

1153۔ کار، جان ڈکسن: مغرور مجرم

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز، کتاب گھر، اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'The Seat of The Scornful' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

1154۔ کار، جان ڈکسن: مارِ آستین

ترجمہ: اختر رحمانی

کراچی: انور پبلشرز۔ نکل روڈ

جاسوسی ناول: اردو ترجمہ 1963ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:2)

1155۔ کار، جان ڈکسن: موت کا سایہ

ترجمہ: اختر رحمانی

کراچی: انور پبلشرز۔ نکل روڈ،

جاسوسی ناول: اردو ترجمہ 1962ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:2)

1156۔ کارڈر، ایرک: اندھیرے سویرے

ترجمہ: مظہرالحق علوی

لکھنؤ: نسیم بکڈپو، لاٹوش روڈ، طبع اوّل 1977ء

ص: 392

جاسوسی ناول: بردہ فروشوں سے متعلق لرزہ خیز ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ طباعت لیتھو، تعداد اشاعت درج نہیں۔

(حوالہ.9)

1157۔ کالنز، ولکی: دیوتا کی آنکھ

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

حیدرآباد سندھ: ادبی مرکز

اسراری ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:16)

1158۔ کامیو، البیر: زوال

ترجمہ: محمد عمر میمن

بنگلور: رسالہ ''سوغات'' بنگلور 5 شمارہ 6۔5

ص: 80

ناول: 'The Fall' کا ترجمہ۔ نظر ثانی۔ محمود ایاز (حوالہ:2، 11)

1159۔ کامیو، البیر: اجنبی

ترجمہ: بشیر چشتی

لاہور: مکتبہ جدید، 1959ء

ناول: 'The Outsider' کا اوّلین ترجمہ۔ دوسرا ترجمہ ڈاکٹر افضل اقبال نے 1979ء میں شائع کروایا۔

(حوالہ.2، 10، 11)

1160۔ کامیو، البیر: اجنبی

ترجمہ: افضل اقبال، ڈاکٹر

لاہور: مکتبہ جدید، 1979ء

ناول: فرانسیسی ناول "L' Stranger" کا براہِ راست ترجمہ۔ اس ناول کا اوّلین ترجمہ بشیر چشتی نے انگریزی سے کیا تھا۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

کتاب کا تعارفیہ از محمد حسن عسکری اگست 1975ء۔ دیباچہ از افضل اقبال پر دسمبر 1974ء درج ہے۔ فرانس کے نامور ڈرامہ نگار، نقاد اور ناول نگار البیر کامیو نے 1957ء میں ادب کا نوبیل پرائز حاصل کیا تھا۔ کامیو کو نوبیل انعام اُس کے ناول ''پلیگ'' پر ملا تھا جبکہ 'اجنبی' (The Out Sideer) اس کا اوّلین ناول ہے جو پہلی بار 1942ء میں شائع ہوا۔ فرانسیسی نقادوں کے نزدیک کامیو کا بہترین ناول "The Fall" تھا۔ ڈاکٹر افضل اقبال نے یہ ترجمہ براہ راست فرانسیسی زبان سے کرنا شروع کیا تھا لیکن دو ایک ابواب کے بعد ہی ہمت ہار بیٹھے۔ بعد میں یہ ترجمہ انہوں نے اپنی بیٹی کی مدد سے کیا اور نظر ثانی کے لئے مسودہ محمد حسن عسکری صاحب کے حوالے کر دیا۔ محمد حسن عسکری صاحب کا فرانسیسی سے ترجمہ کا طریقہ کار ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ وہ انگریزی ترجمے بھی ایک نظر دیکھ لیتے تھے۔

محمد حسن عسکری اس کتاب کا تعارفیہ (اگست 1975ء) لکھتے وقت پہلی بار مغرب کو حقارت سے رد کرتے دکھائی دیتے ہیں جبکہ البیر کامیو کا اوّلین تعارف (مغرب پرستی کی حد تک مبالغہ آمیز) بھی اردو ادب کے قارئین سے خود انہی نے کروایا تھا۔ یہ تعارفیہ عین اسی زمانے میں لکھا گیا ہے جب عسکری صاحب اپنی آخری کتاب ''جدیدیت'' پر آخری نظر ڈال رہے تھے۔ یوں 'مغربی گمراہیوں کا خاکہ' اس تعارفیہ میں بھی در آیا ہے۔ اب وہ اسلامی اقدار و معیارات کے تابع ہو کر لکھ رہے تھے اس کے باوجود انہوں نے اس ناول کی تہذیبی سطح پر اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ اس ناول کی اہمیت بھی اسی ضمن میں مسلم ہے۔

پروفیسر نظیر صدیقی لکھتے ہیں:

> یہ حسنِ اتفاق ہے کہ آلبیر کامیو سے اردو ادب کے قارئین کا پہلا تعارف بھی حسن عسکری ہی نے کرایا تھا اور دوسرا تعارف بھی انہی کی بدولت ہوا۔ لیکن دونوں تعارف میں زمین آسمان کا فرق ہے یا وہی فرق ہے جو مغرب پرست عسکری اور مغرب بیزار عسکری میں پایا جاتا ہے۔ انہوں نے جس قدر جوش و جذبے کے ساتھ مغرب کو قبول کیا تھا اسی قدر نفرت اور حقارت کے ساتھ مغرب کو رد بھی کر دیا تھا۔ ''اجنبی'' پر ان کا تعارف دسرے دور کے عسکری کا بھی بہترین تعارف ہے۔ اگرچہ ''اجنبی'' کا تعارف انہوں نے مغرب سے انتہائی برہمی اور بیزاری کے ساتھ لکھا ہے پھر بھی اسے پڑھ کر جی چاہتا ہے کہ کاش عسکری مغربی فکشن کے کچھ اور شاہکاروں پر بھی ایسے مضامین لکھ گئے ہوتے۔ ان کی بدولت اردو ادب میں مغربی اہل قلم کے نام بہت آئے لیکن ان کے کام سے ویسی شناخت کبھی پیدا نہ ہو سکی جیسی ''اجنبی'' کے تعارف کو پڑھ کر کامیو اور بعض دوسرے مغربی اہل قلم سے ہوتی ہے۔ یہ اردو ادب کی بڑی بدنصیبی ہے کہ عسکری نے مغرب کی بڑی کتابوں اور ان کے مصنفوں پر الگ الگ مضامین لکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ یہ اور بات ہے کہ وہ برسبیل تذکرہ بھی جو کچھ لکھ گئے ہیں وہ بھی حددرجہ خیال انگیز اور بصیرت افروز ہے۔
>
> ''اجنبی'' کا تعارف لکھتے وقت اسلامی اقدار و معیار عسکری کے رگ و پے میں سرایت کر چکے تھے۔ اب وہ ادب کو ادبی نقطہ نظر سے نہیں قرآنی نقطۂ نظر سے پڑھنے لگے تھے۔ کامیو کی اخلاقی اقدار سے عسکری کا سارا جھگڑا دراصل مغربی اقدار اور اسلامی اقدار کا جھگڑا ہے۔

مجموعی طور پر ''اجنبی'' کی طرف عسکری کا رویہ انتہائی مذمت کا رویہ ہے۔ اس کے باوجود وہ اس ناول کی اس تہذیبی اہمیت سے انکار نہیں کرتے جو اسے اپنے تہذیبی اور معاشرتی ماحول کی نمائندگی کے اعتبار سے حاصل ہے۔

''اجنبی'' ایک ایسے نوجوان کی کہانی ہے جسے صرف اپنے جسمانی احساسات اور ہیجانات سے دلچسپی ہے اور جو اپنی معاشرتی اور مذہبی اخلاقیات کے معاملے میں بالکل بے حس واقع ہوا ہے لیکن اس نوجوان میں جس کا نام مرسو ہے ایک خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے جذبات کے بارے میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اسے اپنی ماں کے مرنے کی خبر ملتی ہے تو اسے اپنی ماں کے مرنے کا ذرا بھی صدمہ نہیں ہوتا البتہ اس بات پر تھوڑی سی کوفت ہوتی ہے کہ اب اسے دفتر سے دو دن کی چھٹی لے کر ماں کی تجہیز وتکفین میں شریک ہونا پڑے گا۔ ماں کے جنازے میں جاتے وقت اسے نہ کوئی ملال ہے نہ افسوس ہے۔ وہ بڑے معروضی انداز میں ہر اس چیز پر غور کر رہا ہوتا ہے جو اس کی نظر کے دائرے میں آ رہی ہے۔ مثلاً نرسوں کے لباسوں کی سفیدی، ان بوڑھی عورتوں کے لمبے چوڑے پیٹ جو اس کی ماں کے قریب ترین دوستوں میں سے ہیں۔ تجہیز وتکفین کے دوسرے ہی دن وہ تیرنے جاتا ہے، ایک لڑکی سے ملتا ہے، اسے ایک فلم دکھاتا ہے اور رات اس کے ساتھ گزارتا ہے۔ اسے اس لڑکی سے بھی اتنا ہی لگاؤ ہے جتنا اسے اپنی ماں سے تھا۔ واقعات و حادثات کے ایک سلسلے کے نتیجے میں ایک دن وہ اپنے آپ کو ایک سمندر کے کنارے پاتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں پستول ہے۔ سامنے ایک عرب نوجوان ہے، ہاتھ میں ایک چاقو لئے اسے جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دے رہا ہے۔ آنکھوں کو چندھیا دینے والی دھوپ کے اثر سے وہ غیر ارادی طور پر اس عرب کو گولی مار دیتا ہے۔ اس قتل کے بعد بھی اس کے مزاج اور عادات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ ہر خارجی چیز کی طرف اس کی بے حسی قائم رہتی ہے۔ اسے اگر دلچسپی ہے تو صرف اپنے احساسات اور ہیجانات سے۔ جب اس پر عرب کے قتل کا الزام عائد ہوتا ہے تو اسے اپنے بچاؤ کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ وہ اپنے اندر کوئی احساسِ جرم بھی نہیں پاتا۔ اس کا وکیل اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اپنے وکیل کے ساتھ کوئی تعاون نہیں کرتا۔ عدالت میں جرح کے دوران نہ تو وہ اپنی ماں کی موت پر کسی غم کا اظہار کرتا ہے نہ اس آدمی پر کوئی افسوس، جسے اس نے قتل کر ڈالا ہے۔ نتیجتاً اسے پھانسی کی سزا ہو جاتی ہے۔ وہ عرب کو قتل کرنے کی وجہ صرف یہ بتاتا ہے کہ دھوپ بہت تیز تھی۔ پھانسی سے پہلے جب ایک پادری اسے اپنے گناہوں سے توبہ استغفار کرانے کے لئے آتا ہے تو وہ اس پر خفا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ صرف یہی دنیوی زندگی یقینی ہے اور اس زندگی میں موت کا ناگزیر ہونا زندگی کی تمام معنویت کو ختم کر دیتا ہے۔ پادری واپس چلا جاتا ہے۔ مرسو محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں مسرور و مطمئن رہا ہے۔ وہ ایسی زندگی دوبارہ گزارنے پر بھی آمادہ ہو سکتا ہے۔ اسے امید ہے کہ اس کے جنازے میں بہت سے لوگ شریک ہونگے اور وہ نفرت کے نعرے لگائیں گے۔

کسی ناول کے پلاٹ سے اس ناول کی گیرائی اور گہرائی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لئے پورے ناول کو پڑھنا ضروری ہے۔ کامیو کا ناول ''اجنبی'' بیسویں صدی کے ناولوں میں کیا معنی اور کیا اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا اندازہ محمد حسن عسکری کے بعض تنقیدی بیانات سے کیا جا سکتا ہے۔

(اردو میں عالمی ادب کے تراجم)

محمد حسن عسکری نے اس ناول کا جو تعارف لکھا ہے اس کی چند ابتدائی سطریں ملاحظہ ہوں:

''اجنبی'' شائع تو ہوا تھا ناول کی حیثیت سے مگر 1942ء سے اب 1975ء کے عرصے تک یہ ایک تاریخی دستاویز بن گیا ہے۔ اسے نہ تو دوسری جنگ عظیم سے الگ کیا جا سکتا ہے نہ 1968ء کی طالب علموں کی شورش سے، نہ مغرب کے نوجوانوں کی وارفتگی اور ذہنی و اخلاقی پراگندگی سے نہ مغربی شہروں کی لاحاصل اور بے مقصد تشدد پسندی سے۔ مراد یہ نہیں کہ یہ ساری شورشیں اسی کتاب سے پیدا ہوئی ہیں۔ مگر یہ کتاب اس پوری صورت حال کا ایک جزو ضرور ہے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ نہ صرف مغرب میں بلکہ مشرق میں بھی بعض نوجوانوں کی ذہنی ساخت و پرداخت میں اس کتاب کا خاصا دخل ہے۔ چنانچہ فی الحال اس کتاب پر محض ناول کی حیثیت سے غور کرنا کافی نہ ہوگا۔

یہ ناول 1942ء میں طبع ہوا اور 1975ء تک آتے آتے ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت حاصل کر گیا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مغرب میں بے جا تشدد پسندی اور اخلاقی بے راہ روی کا آغاز ہی اس کتاب کی مقبولیت کے سبب دیکھنے میں آیا، لیکن بقول عسکری صاحب مغرب کے نوجوان ذہن پر اس کتاب کا خاصا اثر دکھائی دیتا ہے۔ اس ناول کے مرکزی کردار پر قتل کا مقدمہ قائم کر دیا گیا ہے لیکن اسے کسی چیز کی پروانہیں۔ ماں کے جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے وہ افسردہ اور ملول دکھائی نہیں دیتا۔

ترجمے سے نمونہ ملاحظہ ہو: 'بوڑھوں کی رہائش گاہ' سے مجھے یہ تار موصول ہوا:

''امی انتقال کر گئی۔ جنازہ کل۔ بہترین دعائیں'۔

اس سے تو کچھ واضح نہ ہوا۔ شاید کل ہی کا واقعہ ہے۔

بوڑھوں کی رہائش گاہ مارینگو میں ہے۔ الجیرے 80 کلومیٹر۔ میں دو بجے کی بس پر شام ڈھلنے تک وہاں پہنچ جاؤں گا۔ اس طرح میں جنازے میں شامل ہوسکوں گا اور کل شام آٹھ بجے تک لوٹ آؤں گا۔''

ایک ایڈیشن فکشن ہاؤس لاہور نے 2006ء میں شائع کیا ہے۔

1161۔ کانن ڈائل، (سر) آرتھر: فاتح یورپ یا اسرار دربار نپولین

ترجمہ: رفیع احمد خاں ایم۔اے

لکھنؤ: طبع اوّل 1921ء

ناول: فاتح اعظم نپولین بونا پارٹ کی شخصی زندگی کے حوالے سے نیز ملکہ جوزفائین اور فرانس کے نامور مدبروں کی قلمی تصاویر کے ساتھ۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 2، 4، 5)

1162۔ کانن ڈائل، آرتھر: یادگار سرلک ہومز

ترجمہ: فیروز الدین مراد

لاہور: دارالاشاعت پنجاب، طبع اوّل 1930ء

جاسوسی ناول: ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 5، 7)

1163۔ کانن ڈائل، آرتھر: شرلک ہومز کا پہلا کارنامہ

ترجمہ: فیروز الدین مراد

لاہور:

جاسوسی ناول: ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:2،5)

1164۔ کانن ڈائل، آرتھر: آتشی کتا

ترجمہ: تیرتھ رام۔فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز

ناول: اسراری ناول کا انگریزی سے ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ 'The Hound of The Basker Villas' کا ترجمہ۔ (حوالہ 2،4)

1165۔ کانن ڈائل، سر آرتھر: وادیٔ خوف

ترجمہ: نصیر احمد، پروفیسر

ناول: شرلاک ہومز سلسلے کا جاسوسی ناول۔ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 4)

1166۔ کانن ڈائل، آرتھر: ہوائی بندوق

ترجمہ: عبدالرب، منشی

ناول: جاسوسی ناول، جس میں شرلاک ہومز جاسوس کے کارنامے ہیں۔ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔(حوالہ 4)

1167۔ کانن ڈائل، (سر) آرتھر: حکایاتِ شرلک ہومز

ترجمہ: فیروز الدین مراد

لاہور: س۔ن

جاسوسی ناول: ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ 'The Adventures of Sherlock Holmes and Memoirs of Sherlock Holmes. کا ترجمہ۔ (حوالہ:2،5)

1168۔ کانن ڈائل، (سر) آرتھر: خونابۂ عشق

ترجمہ: فیروز الدین مراد

لاہور: طبع اوّل: 1921ء

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2،5)

1169۔ کانن ڈائل، سر آرتھر: حلقۂ سموم

ترجمہ: نصیر احمد، پروفیسر

ناول: جاسوسی ناول، جس کا مرکزی کردار شرلاک ہومز ہے۔ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔(حوالہ 4)

1170۔ کانن ڈائل، (سر) آرتھر: خانہ آبادی

ترجمہ: افضل خان، محمد

لاہور: مولوی فیروز الدین اینڈ سنز، س۔ن

ص: 220

اسراری ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:16)

1171۔ کانن ڈائل، سر آرتھر: خاندانی آسیب

ترجمہ: نصیر الدین عثمانی

حیدر آباد دکن: شمس المطابع، س۔ن

ناول: اسراری ناول کا ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 4، 8)

1172۔ کانن ڈائل، آرتھر: کارنامہ جات شرلک ہومز

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل، س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ کتاب 1939ء سے قبل شائع ہوئی۔ 'دی ریٹرن آف شرلک ہومز' کا ترجمہ۔

(حوالہ:2، 4، 7)

1173۔ کپرن، الگزینڈر: یاما

ترجمہ: ن۔م راشد

لاہور: ہاشمی بک ڈپو بیرون لوہاری، 1939ء

ناول: کتاب پر مترجم ن۔م راشد کا نام درج نہیں۔ کتاب میں روسی زبان سے براہ راست ترجمہ کا دعویٰ کیا گیا ہے جو درست نہیں۔ (حوالہ:2، 11)

'Yama The Pit' کا ترجمہ انگریزی کی معرفت ہوا۔ اس لئے کہ یہ کتاب 1939ء میں شائع ہوئی اور ن۔م راشد نے روسی زبان 1945ء میں سیکھی (بحوالہ: راشد نمبر نیا دور 71، 72 کراچی)۔ یہ ناول بلاشبہ دنیا کے عظیم ناولوں میں سے ایک ہے لیکن اس کا چرچا ہمارے ہاں بہت کم ہوا۔ یہ ناول جنوبی روس کی بکھری ہوئی آبادی کے ایک محلے ''یام سکایا سلوبودا'' کا عمیق مطالعہ پیش کرتا ہے۔ یہ آبادی قحبہ خانوں پر مشتمل تھی۔ ناول کا پہلا حصہ صرف ایک رات کی داستان بیان کرتا ہے جبکہ دوسرا حصہ پورے دس سال بعد کی تصویر سامنے لاتا ہے جبکہ تیسرے حصہ میں ناول کی ہیروئن لیوبکا اُسی قحبہ خانے میں واپس آتی ہے جہاں سے اس کی زندگی کا سفر شروع ہوا۔

لیوبکا کے شب و روز کی داستان جاننے کے لئے اس کی ڈائری سے ایک اقتباس دیکھئے:

''اشطام کی صورت میں وصول پائے: 15 اپریل 10 روبل + 16، 4 روبل + 17۔12 روبل + 18۔ بیمار + 19، بیمار +

20۔6 روبل + 21 ۔ 24 روبل + 21

لکونین نفرت اور دہشت سے سوچتا ہے۔ ''اوہ خدا۔ بارہ آدمی ایک رات میں۔'' یہ ناول طوائفوں کے شب و روز، اور آتشک کے مریضوں کی حیرتناک تصویر کشی کرتا ہے۔ چلتے چلتے ایک آتشک کے مریض رمزی کا اقرار نامہ ملاحظہ ہو:

میں نے وقتی طور پر حیوانی شہوت کے زیر اثر محبت کے جذبہ کے بغیر محض روپے سے ایک عورت کے جسم کو خریدا۔ یہ میرے اس کئے کا پھل ہے اور میں اس کی سزا بھگت رہا ہوں۔

(ص 423 سے اقتباس)

لاہور کے ایک مشہور ناشر، لیاقت صاحب نے تحقیقات، لاہور سے ن۔م راشد کے نام کے ساتھ یہی ترجمہ ''طوائف'' کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ مترجم کا نام نہ دینا یا کتاب کا عنوان تبدیل کر دینا قابل مذمت ہے۔

1174۔ کپلنگ، رُڈیارڈ: جنگل میں منگل

ترجمہ: ظفر علی خاں، مولانا

لاہور: عالمگیر بک ڈپو

ناول: 'The Jungle Book' کا ترجمہ۔ اس ناول کا ایک ترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی نے بھی 'زلفی' نام سے کیا تھا۔

اس ناول پر Zoltan Korda کی ہدایات میں ہالی وڈ امریکہ سے 1942ء میں فلم بھی بن چکی ہے، جس میں ہندوستانی اداکار صابو نے اداکاری کی تھی۔ والٹ ڈزنی نے 1967ء میں اس کہانی پر کارٹون فلم بنائی۔ کورڈا کی فلم کی موسیقی رفیق غزنوی نے دی تھی۔ کپلنگ کے ناول "The Man Who Would Be King" کا اردو ترجمہ تا حال نہیں ہوا۔ اس ناول پر ہالی وڈ کے ہدایت کار John Huton نے بہت عمدہ فیچر فلم 1975ء میں تیار کی تھی۔ (حوالہ: 2،5،10)

ترجمہ سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''ایک چھوٹا سا جانور جس کی دُم گچھے دار تھی، غار کے منہ پر نمودار ہوا اور عاجزی کے ساتھ پکارا کہ: 'اے بھیڑیوں کے سردار' اقبال حضور کے ساتھ ہو اور حضور کے بچوں کی قسمت یاور اور ان کے دانت تیز ہوں تاکہ وہ اس دنیا میں بھوکوں کو نہ بھولیں، یہ جانور گیدڑ تھا۔''

1175۔ کپلنگ، رُڈیارڈ: زلفی

ترجمہ: عنایت اللہ دہلوی، مولوی

نام مطبع و سنہ ندارد

ناول: انگریزی سے 'The Jungle Book' کا ترجمہ۔ اس ناول کا ایک ترجمہ مولانا ظفر علی خان نے 'جنگل میں منگل' کے نام سے کیا تھا۔ اس کہانی پر کورڈا کی انگریزی فلم (1942ء) 'The Jungle Book' بہت مشہور ہے۔ جس کا مرکزی کردار ننھے بھارتی اداکار صابو نے ادا کیا تھا اور فلم کی موسیقی رفیق غزنوی نے ترتیب دی تھی۔ رفیق غزنوی مشہور ٹیلی ویژن اداکار خیام سرحدی کے نانا تھے۔ منٹو نے ''گنجے فرشتے'' میں رفیق غزنوی کا بہت عمدہ خاکہ تحریر کیا ہے۔

(حوالہ: 2،5)

1176۔ کرافٹس، فری مین ولز: سنہری لاش

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل، س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ، کتاب 1939ء سے قبل شائع ہوئی۔ 'دی کاسک' کا ترجمہ جس میں عورت کے قتل کا بیان ہے۔ ترجمہ دوسری بار اردو محل کراچی نے شائع کیا ہے۔ (حوالہ 2، 4، 7)

1177۔ کراکا: شہر خوباں

ترجمہ: تسکین علیگ

لاہور: سندھ ساگر اکیڈمی، س۔ن

ص: 226

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

1178۔ کرسٹی، اگاتھا: کتب خانے میں لاش

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: مکتبہ جدید، طبع دوم: س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ اگاتھا کرسٹی، برطانوی ناول نگار 15 ستمبر 1890ء میں پیدا ہوئی اور 12 جنوری 1976ء میں فوت ہوئی۔ (حوالہ: 13، 16)

1179۔ کرسٹی، اگاتھا: خوفناک جزیرہ

ترجمہ: تیرتھ رام فیورز پوری

کراچی: شیوجی گنیش بلڈنگ

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 13، 16)

1180۔ کرسٹی، اگاتھا: راجر ایکرائیڈ کا قتل

ترجمہ: کمال احمد رضوی

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

1181۔ کرسٹی، اگاتھا: میسوپوٹامیہ میں قتل

ترجمہ: کمال احمد رضوی

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

1182۔ کرسٹی، اگاتھا: موت سے ملاقات

ترجمہ: کمال احمد رضوی

لاہور: مکتبہ خاور،

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 13، 16)

1183۔ کرسٹی، اگاتھا: ٹیڑھا مکان

ترجمہ: علی ناصر زیدی

لاہور: مکتبہ جدید،

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 13، 16)

1184۔ کرسٹی، اگاتھا: بے نام خطوط

ترجمہ: علی ناصر زیدی

لاہور: مکتبہ جدید، س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

1185۔ کرسٹی، اگاتھا: گمنام منزل

ترجمہ: اختر رحمانی

کراچی: انور پبلشرز۔ نکل روڈ

جاسوسی ناول: اردو ترجمہ 1962ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2)

1186۔ کرسٹی، اگاتھا: فریبی قاتل

ترجمہ: اختر رحمانی

کراچی: انور پبلشرز۔ نکل روڈ۔

جاسوسی ناول: اردو ترجمہ 1963ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 19)

1187۔ کرسٹی اگاتھا: موت کا سایہ

ترجمہ: عبدالجلیل قریشی

کراچی: انور پبلشرز۔ نکل روڈ،

جاسوسی ناول: اردو ترجمہ 1963ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 19)

1188۔ کرسٹی، اگاتھا: خون ہی خون

ترجمہ: اختر رحمانی و خالد جمال

کراچی: انور پبلشرز۔ نکل روڈ،

جاسوسی ناول: اردو ترجمہ 1963ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 19)

1189۔ کرسٹی، اگاتھا: بوڑھا جاسوس

ترجمہ: صدیق احمد

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ۔

جاسوسی ناول: 'The Evil Under The Sun' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1190۔ کرسٹی، اگاتھا: آخری کوٹھی کے اسرار

ترجمہ: ایم۔ اشفاق

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ، س۔ن

ص: 238

ناول: اسراری ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 9)

1191۔ کرشمۂ جہالت

ترجمہ: کنہیا لال سہیل

لاہور: نرائن دت سہگل، 1943ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 7)

1192۔ کرلے، بارکلے: موت کا فریب

ترجمہ: مسعود جاوید

لکھنؤ: اردو پبلشرز، نظیر آباد، 1978ء

ص: 288

ناول: 'کانونسٹ آن دی رَم' کا انگریزی سے ترجمہ۔

1193۔ کروڑ پتی بدمعاش

ترجمہ: نوازش علی خاں لاہوری

ناول: سنسنی خیز ناول کا انگریزی سے ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 4)

1194۔ کریزی، جان: ہٹلر کے قیدی

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'The Legion of The Last' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1195۔ کرین، اسٹیفن: سرخ تمغہ

ترجمہ: انتظار حسین

لاہور: یونائیٹڈ بک ڈپو، 1960ء

ناول: 'Red Badge of Courage' کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

یہ ناول امریکہ سے 1895ء میں پہلی بار شائع ہوا تو ادبی حلقے سٹیفن کرین کے نئی طرزِ نظر پر چونکے اور خصوصاً قوتِ مشاہدہ کی داد دی۔ تھیوڈور ڈریزر کے الفاظ میں اس زمانے کا امریکی ناول 'رومانس اور رقیق القلبی کی دلدل میں بری طرح پھنسا ہوا تھا' ایسے میں فرانسیسی ناولوں کے زیر اثر لکھی گئی کرین کی اس حقیقت نگاری نے شہرت پائی۔

ناول کے ابتدائیہ میں کرین خود اعتراف کرتا ہے:

''ٹالسٹائی وہ ناول نگار ہے، جس کا میں سب سے زیادہ قائل ہوں۔''

یہ ناول جنگِ عظیم کے بارے میں غیر رومانوی اندازِ نظر کی عطا ہے۔ مصنف کا یہی رویہ 'سرخ تمغہ' کو ہیمنگوے کے ناول ''فیرویل ٹو آرمز'' کی روایت سے علیحدہ کرتا ہے اور اس کی الگ شناخت ممکن بناتا ہے۔

نمونہ ملاحظہ ہو:

> ''وہ آرہے ہیں۔ وہ آرہے ہیں۔
>
> بندوقوں کے کندے کھٹا کھٹ کھلنے لگے۔ دھواں دھار میدانوں کے اس طرح سے بھاگتے دوڑتے آدمیوں کا بھورا بھورا سیلاب امنڈا چلا آرہا تھا، وہ تند و تیز آوازوں میں چیختے ہوئے آرہے تھے۔ وہ قریب آتے چلے گئے، اپنی رائفلیں وہ ہر سمت میں تان رہے تھے اور ہر زاویے سے انہیں گھما رہے تھے۔ ان کے آگے آگے ایک آڑا پرچم بھی ہوا میں لہراتا چلا آرہا تھا۔
>
> نوجوان کی نظر جب ان پر پڑی تو دفعتاً اسے چند لمحوں کے لئے ایک خیال آیا کہ شاید اس کی بندوق بھری ہوئی نہیں ہے۔ وہ کھڑے کھڑے اپنے اوسان درست کرنے کی کوشش کرنے لگا۔''
>
> (ص: 80 سے اقتباس)

1196۔ کزاکیوبچ، عمانویل: ڈائری کا راز

ترجمہ: رئیس احمد جعفری

لکھنؤ: آئینہ ادب حضرت گنج، س۔ن

ص: 184

ناولٹ: لینن کی زندگی کے بارے میں 'Blue Notebook' کا ترجمہ۔ اس ناولٹ کا ایک ترجمہ 'نیلی نوٹ بک' کے نام سے آزاد کتاب گھر دہلی نے 1923ء میں شائع کیا تھا بعد میں پاکستان سے 'نیلی نوٹ بک' کے ہی نام سے انور سجاد

کا ایک ترجمہ بھی شائع ہوا۔ (حوالہ:9)

1197۔ کزا کیویچ، عمانویل: نیلی نوٹ بک

ترجمہ: ن۔ن

دہلی: آزاد کتاب گھر۔ کلاں محل دہلی، 1923ء

ص: 184

ناولٹ: لینن کی زندگی سے متعلق 'نیلی نوٹ بک' کے نام سے انور سجاد نے بھی ایک ترجمہ پاکستان سے شائع کروایا ہے۔ اس ناولٹ کا اوّلین ترجمہ 'ڈائری کا راز' کے عنوان سے رئیس احمد جعفری نے کیا تھا۔ (حوالہ 9)

1198۔ کزا کیویچ، عمانویل: نیلی نوٹ بک

ترجمہ: انور سجاد

کراچی: مکتبہ دانیال، 1983ء

ناولٹ: لینن کی زندگی سے متعلق روسی ناولٹ کا یہ تیسرا ترجمہ ہے۔ ''ڈائری کا راز'' اوّلین ترجمہ رئیس احمد جعفری کا تھا۔ ایک ترجمہ دہلی سے 1923ء میں ''نیلی نوٹ بک'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ (حوالہ 2، 16)

یہ روسی مصنف عمانویل کی ناول Blue Diary کا ترجمہ ہے، جو انگریزی کی معرفت کیا گیا ہے۔ انور سجاد ترجمہ کرتے وقت غیر مانوس اصطلاحوں اور محاوروں کے گورکھ دھندے میں نہیں الجھے اور خاصا رواں ترجمہ کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

کتاب کے دیباچہ نگار احمد سلیم نے اس ترجمہ کو ان الفاظ میں سراہا ہے:

'افسوس کہ 'نیلی نوٹ بک'' کا مصنف اس دنیا میں موجود نہیں، ورنہ وہ اردو ترجمے میں پائی جانے والی انور سجادیت پر آپ کو ضرور داد دیتا۔' یہ ترجمہ پہلی بار 'شعور' دہلی (مرتبہ: بلراج مین را، شر ددت) میں شائع ہوا تھا۔

1199۔ کزنس، شیلا: میں کیوں شرماؤں

ترجمہ: محمد حسن عسکری

الہ آباد: کتابستان، 1959ء

ص: 302

ناول: معاشرتی نفسیاتی ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ پاکستان میں بہت کم لوگوں کو اس ترجمے سے متعلق معلومات ہیں۔ محمد حسن عسکری صاحب نے یہ ترجمہ 1947ء سے قبل کیا تھا۔ لگ بھگ 1945ء میں۔ عسکری صاحب کی ترجمہ نگاری اور اُس میں حد درجہ کامیابی پر کوئی ٹھوس بات اُس وقت تک ممکن نہ ہو گی جب تک عسکری صاحب کے 1947ء سے قبل کے کام کو دھیان میں نہ رکھا جائے۔ وہ یوں کہ بطور مترجم جب عسکری صاحب نے اسالیب اور موضوع کے حوالے سے ناقابل ترجمہ ناولوں، یعنی ''مادام بواری'' (اردو ترجمہ: طبع اوّل 1950ء)، ''سرخ و سیاہ'' (اردو ترجمہ: طبع اوّل: 1953ء)

اور ''موبی ڈک'' (اردو ترجمہ: طبع اوّل: 1967ء) کو چنا اور اس میں از حد کامیاب دیکھے گئے، تو ان کی اس کامیابی کا کوئی تو سبب رہا ہوگا؟ کیا انگریزی اور اردو، دونوں زبانوں پر کامل عبور اور فرانسیسی زبان سے قابلِ لحاظ شُد بُد؟

بے شک، یہ بھی تھا۔ لیکن ایک بات اور بھی تھی کہ عسکری صاحب، قیام پاکستان سے قبل شیلا کزنس کا ناول ''میں کیوں شرماؤں'' کے عنوان سے ترجمہ کر چکے تھے، جسے بہت بعد میں کتابستان، الہ آباد (بھارت) نے 1959ء میں شائع کیا اور عسکری صاحب کو تادم مرگ اس ترجمے کی اشاعت کی خبر نہ ہوئی۔ دوسرا یہ کہ بالزاک کے دو ناول ''بڈھا گوریو'' اور ''سرد، ویران اندھیرا گھر'' پر یوں تو عسکری صاحب کی ایک شاگردہ سیّدہ نسیم ہمدانی کا نام بطور ترجمہ نگار درج ہے، لیکن ان ناولوں کے ترجمے میں عسکری صاحب کے گہرے عمل دخل سے انکار ممکن نہیں۔ واقفِ حال، حقیقت جانتے ہیں۔ گمان غالب ہے کہ یہ کام بھی خام حالت میں سہی 46۔1945ء میں ہو چکا تھا۔ جس کا ایک ثبوت اشروڈ اینڈرسن کے ناول ''آخری سلام'' (ترجمہ: محمد حسن عسکری، طبع اوّل: 1948ء) کے بارے میں عسکری صاحب کا یہ بیان بھی ہے۔

''میرے بعض کرم فرما مجھ سے کہتے ہیں کہ میرا سب سے اچھا ترجمہ ''آخری سلام'' ہے۔ (اس کا مطلب یہ ہوا کہ قیام پاکستان سے قبل عسکری صاحب متعدد تراجم کر چکے تھے، جو احباب نے دیکھے اور یہ رائے دی) اس رائے سے میری ہمت افزائی تو بہت ہوتی ہے، لیکن میں اسے اپنا کوئی کارنامہ نہیں سمجھتا۔ اشروڈ کی یہ کتاب حقیقت نگاری کی روایت سے متعلق ہے، لیکن اُس کی نثر موپاساں کی نثر نہیں ہے۔ اس کی نثر، بس کام چلاؤ قسم کی ہے۔ ایسی عبارت کو کس طرح اردو میں منتقل کیا جائے، اُس کا طریقہ منٹو نے 36ء کے قریب اپنے ترجموں میں بنا دیا تھا۔''

(پیش لفظ: ''آخری سلام'' ص:9، طبع اوّل: 1947ء)

اشروڈ اینڈرسن کی نثر سے متعلق عسکری کی رائے آپ نے سُن لی اور منٹو کی ترجمہ نگاری پر طنزِ ملیح بھی ملاحظہ کر لیا۔ پھر یہ ترجمہ عسکری صاحب نے کیا کیوں؟ یہ سوال اہم ہے اور اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ "Good Bye to Berlin" اشروڈ اینڈرسن کا ایک ایسا ناول ہے، جسے مختلف افسانوں کے تال میل سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اِس ناول کا ہر باب اپنی جگہ مکمل افسانہ ہے اور ان افسانوی کرداروں کی نفسی کیفیات عسکری کے طبع زاد افسانوں کے کرداروں سے مماثل ہیں۔ بس یہی سبب ہے، اس ناول کو اردو میں منتقل کرنے کا۔ بہ صورت دیگر اینڈرسن کے ناول کا معاشرتی بکھراؤ اور سیاسی ابتری کا نقشہ عسکری صاحب کے لئے چنداں اہمیت کا حامل نہ تھا۔ یوں گستاؤ فلابیر، ہرمن میلول اور ستاں دال جیسے صاحبان اسالیب کو ہاتھ ڈالنے سے قبل شیلا کزنس، بالزاک اور اشرڈ اینڈرسن کے ضخیم ناولوں کو ترجمہ کرنے کا Spadework عسکری صاحب نے ضروری سمجھا۔ (حوالہ:9)

1200۔ کلموہی

ترجمہ: عابد حسین، ڈاکٹر

نئی دہلی: ساہتیہ اکیڈمی، 1963ء، ص:272

ناول: بنگلہ ناول کے انگریزی ترجمے 'Kulmaunhi' کا اردو روپ۔ ایک نوجوان بیوہ کی کہانی۔ (حوالہ 9)

1201۔ کلیوے، ہیوگ: چار شیطان

ترجمہ: نثار احمد سیٹھی

کراچی: اعجاز پبلی کیشنز، س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 19)

1202۔ کوائری، نک: عیاش حسینہ

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The Girl With No Place To Hide' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1203۔ کولنس ورتھ، ایلزبتھ: بوڑھا بگولا

ترجمہ: عبدالمجید سالک، مولانا

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن نیو یارک،

ص: 40

ناول: (بچوں کے لئے) Old Whirlwind کا ترجمہ۔ (حوالہ 2، 17)

1204۔ کوریلی، میری: خونی عاشق

ترجمہ: مرزا ہادی رسوا

لکھنؤ: 1920ء

جاسوسی ناول: Worm-wood کا ترجمہ۔ ناول: ''اُمراؤ جان ادا'' کے خالق بطور مترجم۔ (حوالہ: 2)

مرزا ہادی رسوا کے ترجموں سے متعلق ڈاکٹر ظہیر فتح پوری لکھتے ہیں: ''رسوا، ایک کامیاب مترجم تھے اور ان کے سب سے بہتر نمونے وہ تراجم ہیں جو انہوں نے دارالترجمہ حیدر آباد دکن میں کیے۔'' (''رسوا کی ناول نگاری''. 1970ء، ص 398) لیکن دوسری طرف ان کے جاسوسی ناولوں کے تراجم دیکھئے:

1۔ خونی مصور۔ اشاعت 1919ء۔ از میری کوریلی۔

2۔ خونی عاشق۔ اشاعت 1920ء۔ از میری کوریلی۔ Worm-wood کا ترجمہ۔

3۔ خونی شہزادہ۔ اشاعت 1921ء۔ از میری کوریلی۔ لیتھوڈسٹ پبلشنگ ہاؤس، لکھنؤ

4۔ خونی بھید۔ اشاعت 1924ء۔ از میری کوریلی۔ لیتھوڈسٹ پبلشنگ ہاؤس، لکھنؤ

5۔ خونی جورو۔ اشاعت 1928ء۔ از میری کوریلی۔ انڈین پریس لکھنؤ

6۔ بہرام کی رہائی۔ (ماخوذ و ترجمہ) از مارس لیبلانک (فرانسیسی سے انگریزی کی معرفت ترجمہ)

ان میں ترجمے کا معیار بہت ہلکا ہے۔ یہ سب معمولی درجے کے فرانسیسی جاسوسی ناولوں کے تراجم ہیں جن کی کوئی ادبی حیثیت نہیں۔ مرزا رسوا نے میری کوریلی کے ناول 'Worm-wood' کو ترجمہ کرتے وقت یہاں تک کیا ہے کہ اکثر فرانسیسی اشعار کی جگہ پوربی گیت شامل کر دیئے ہیں اور بغیر کسی جواز کے کچھ حصے حذف بھی کر دیئے ہیں مثلاً اصل ناول کے باب 14 اور 15 کو حذف کر کے 13 کے بعد 16 شروع کر دیا ہے۔ رسوا نے ترجمہ کرتے وقت حاشیہ آرائی بھی کی ہے مثلاً ایک مقام پر ناول کا ملحد ہیرو کہتا ہے:

''دنیا کے ایجادی خاکے میں کچھ نقص رہ گیا ہے۔ اور شاید وہ عظیم قوت جو کہ مستغنی اور بے نیاز ہے، جس کو نہ کوئی آنکھ سے دیکھتا ہے، نہ ہاتھ سے چھو سکتا ہے، کسی خاص وقت میں جبکہ طبیعت متوجہ نہ تھی۔ ایک سوال حل کیا تھا۔ بہت بڑا مسئلہ، جس کی وسعت زمین و آسمان سے بڑھی ہوئی تھی وہ حل ہو گئی مگر خود فطرت اس کو بھول گئی۔''

('خونی عاشق' ص 319 سے اقتباس)

مرزا رسوا نے سخت ناگواری کے عالم میں اس پر حاشیہ لکھا:

''یہ بیوقوف ہمیشہ خدا پر اعتراض کیا کرتا ہے۔ اس کو یہ نہیں معلوم کہ دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر۔ خود امکان ناقص ہے، جو کچھ خرابیاں ہیں وہ امکاں کی ذات سے ہیں نہ کہ خالق کی ذات سے، جو کچھ امکان میں تھا، ویسا ایجاد ہوا ہے۔ یہ کہ ضدیں ایک جگہ جمع ہو جائیں، یہ امکان میں نہیں لہٰذا اعتراض پوچ اور لچر ہے۔''

میری کوریلی کے ناول 'Worm wood' اور اس کے ترجمے 'خونی عاشق' کا تقابلی مطالعہ خود کر لیجئے۔

And then with an indiscribable slide forward and an impudent bracing of the arms akimbo they started the 'Can-Can.' (Page 311.)	'پھر بڑی بے شرمی سے کہنی کو آگے بڑھا کر اور کولہے پر ہاتھ دھر کے مٹکنا اور تھرکنا شروع کیا۔

مہاراجہ سے بیہہ لگیئے
ہمار کوؤ کا کر یہیئے
تمہری لاگ پہ نہیہ لگیئے
جیا کہ چتن بجھئے ہمار
کوؤ کا کریہے
مہاراجہ سے بیہہ لگیئے
ہمار کوؤ کا کریہے
ص: 236

'Ugh! those blue, swollen contorted limbs' (page 294.)

'اُف نیلے پھولے ہوئے اور
اکڑے ہوئے اعضاء!
عاشق کا بانکپن نہ گیا بعد مرگ بھی
تختے پہ غسل کے جو لٹایا اکڑ گئے
ص221

1205۔ کوریلی، میری: خونی مصوّر
ترجمہ: مرزا ہادی رسوا
لکھنؤ: طبع اوّل 1919ء
فرانسیسی جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2)

1206۔ کوریلی، میری: خونی بھید
ترجمہ: مرزا ہادی رسوا
لکھنؤ: لیتھوڈسٹ پبلشنگ ہاؤس، طبع اوّل: 1924ء
فرانسیسی جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2)

1207۔ کوریلی، میری: خونی جورو
ترجمہ: مرزا ہادی رسوا
لکھنؤ: انڈین پریس، طبع اوّل: 1928ء
فرانسیسی جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2)

1208۔ کوریلی، میری: خونی شہزادہ
ترجمہ: مرزا ہادی رُسوا
لکھنؤ: طبع اوّل: 1921ء
فرانسیسی جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2)

1209۔ کوریلی، میری: روح لیلیٰ
ترجمہ: فیض الحسینی
فیروزپور: فیض الحسینی، 1918ء
فرانسیسی جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2،7)

1210۔ کوریلی، میری: پتنگا

ترجمہ: گورودت،

دہلی: آہلووالیہ بک ڈپو۔ نیو روہتک روڈ، س۔ن

ص: 220

ناول: معاشرتی ناول۔فرانسیسی سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ:9، 16)

1211۔ کوریلی، میری: زسکا

ترجمہ: پنڈت ملک راج شرما آنند

لاہور: طبع اوّل 1918ء

فرانسیسی جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2، 5)

1212۔ کوریلی، میری: تھامیا

ترجمہ: گوہر سلطانہ

لاہور: مکتبہ شاہکار، 1976ء

ص: 70

ناول: فرانسیسی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ:5، 15)

1213۔ کوریلی، میری: جذبۂ انتقام

ترجمہ: حیدری، ایم۔ایچ

راولپنڈی: کتاب گھر

فرانسیسی جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2)

1214۔ کوریلی، میری: دوجہاں کی سیر

ترجمہ: ساغر اکبر آبادی

فیروز پور: طبع اوّل 1908ء

ناول: فلسفیانہ موضوعات، خصوصاً مذہب اور دنیا کی حقیقت کے حوالے سے۔ اپنے وقت کا بیسٹ سیلر۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:2، 4)

1215۔ کوریلی، میری: رموزِ قدرت

ترجمہ: راجہ محمد افضل خاں

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ،

فرانسیسی جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2، 11)

1216۔ کوریلی، میری: کرشمۂ قدرت

ترجمہ: ساغر میرٹھی

کراچی: انور پبلشرز

فرانسیسی جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ اسی ناول کا عمدہ ترجمہ راجہ محمد افضل خاں نے کیا ہے۔ (حوالہ 2، 10، 11)

1217۔ کوریلی، میری: انتقام

ترجمہ: حیدری، ایم۔ایچ

راولپنڈی: کتاب گھر

فرانسیسی جاسوسی ناول: غالباً یہ ''جذبۂ انتقام'' کا جعلی ایڈیشن ہے۔ (حوالہ 2، 11)

1218۔ کوریلی، کارلو: پنا کو کے کارنامے

ترجمہ: سعید لخت

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ (پاکستان)، س۔ن

ناول: (بچوں کے لئے) اٹالین زبان سے ترجمہ۔ (حوالہ:13، 14)

1219۔ کونرڈ، جوزف: راز دان

ترجمہ: احسن فاروقی، ڈاکٹر

لکھنؤ: کتابی دنیا، 1959ء

ص: 159

ناول: 'سیکرٹ ایجنٹ' کو ہندوستانی منظرنامہ دے دیا گیا ہے نیز کردار بھی مشرقی بنا دیے گئے ہیں۔ (حوالہ 9، 16)

1220۔ کون کوسٹ، مس: اے عشق کہیں لے چل

ترجمہ: صادق الخیری

کراچی: شہناز بک کلب، 1971ء

ص: 16ج

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2، 10، 11، 13)

1221۔ کوسلر، آرتھر: ظلمت نیم روز

ترجمہ: گوپال متل

دہلی: سدھارتا پبلی کیشنز 35 فیض بازار، 1953ء

ص: 332

ناول: 'Darkness at Noon' کا ترجمہ جس میں کوئسلر نے کیمونزم کی کمزوریوں کی نشاندہی کی ہے۔ حیران کن بات یہ ہے ترجمہ رسالہ ''تحریک'' دہلی کے مُدیر کا ہے، جو ترقی پسند تھے۔ (حوالہ:9)

1222۔ کیتھر، ولا: ویران ہے دل

ترجمہ: قیسی رام پوری

کراچی: لارک پبلشرز، طبع دوم 1960ء

ناول: 'My Dear Antonia' کا ترجمہ۔ (حوالہ:2، 10، 11، 16)

1223۔ کیتھر، ولا: میری پیاری آنٹونیہ

ترجمہ: منوہر سہائے انور

دہلی.   انڈین اکیڈمی۔ نریندرا پیلس، 1969ء

ص: 288

ناول: 'My Dear Antonia' کا ترجمہ جس میں شمالی امریکہ کی ایک خوددار اور حوصلہ مند لڑکی مرکزی کردار ہے۔

(حوالہ 9)

1224۔ کیتھرائن ٹرنی: روح کا اغوا

ترجمہ: ایم۔ جے عالم

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، 1958ء

ص: 325

ناول: ایک شخص کی بیوی خودکشی کر لیتی ہے۔ چند برس بعد وہ دوسری شادی کر لیتا ہے تو پہلی بیوی کی روح اس کی دوسری بیوی میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اس ناول کا پس منظر اور کرداروں کے نام ہندوستانی ہیں۔ (حوالہ.9)

1225۔ کین، ہال: مہندی

ترجمہ: ایم۔اسلم

لاہور: لاہور اکیڈمی، س۔ن

ص: 564

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2، 11)

1226۔ کیوی، ولیم لی: پراسرار شہزادی

ترجمہ: عبدالحلیم شرر، مولانا

راولپنڈی: ناول ایجنسی طبع دوم۔ س۔ن

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2)

1227۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: بر فیلے ہاتھ

ترجمہ: حسرت ملیح آبادی

کراچی: فرید پبلشرز، 1970ء

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2، 19)

1228۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: بے قرار لڑکی

ترجمہ: پیرزادہ

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 19)

1229۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: پراسرار لفافہ

ترجمہ: پیرزادہ

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 19)

1230۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: پراسرار میزبان

ترجمہ: پیرزادہ

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 19)

1231۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: پراسرار موکل

ترجمہ: نثار احمد سیٹھی

کراچی: انور پبلشرز۔ نکل روڈ،

جاسوسی ناول: اردو ترجمہ 1962ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:2)

1232۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: تیراک لڑکی

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ، اکتوبر 1980ء

ص: 168

جاسوسی ناول: 'The Case of The Neghigent Nymph' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1233۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: جعلی نشان

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز، کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The Mischevious Doll' کا ترجمہ۔ (حوالہ:2، 18)

1234۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: جعلی تصویر

ترجمہ: پیرزادہ

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 19)

1235۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: جواری عورت

ترجمہ: پیرزادہ

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز،

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2، 19)

1236۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: جل پری

ترجمہ: اختر رحمانی

کراچی: انور پبلشرز نکل روڈ

جاسوسی ناول: ترجمہ 1962ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:2)

1237۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: خوابیدہ دلہن

ترجمہ: عبدالجلیل قریشی

کراچی: انور پبلشرز۔ نکل روڈ،

جاسوسی ناول: ترجمہ 1962ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:2)

1238۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: دس ہزار ڈالر

ترجمہ: ابوالحسن جعفری

کراچی: اعجاز پبلشرز، قاضی مینشن فریئر روڈ،

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 19)

1239۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: دفن شدہ گھڑی

ترجمہ: پیرزادہ

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز،

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 19)

1240۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: دام فریب

ترجمہ: اختر رحمانی

کراچی: انور پبلشرز، نکل روڈ

جاسوسی ناول: ترجمہ 1962ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 2)

1241۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: دستِ قضا

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

جالندھر: نرائن دت سہگل

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 16)

1242۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: خوفناک گوریلا

ترجمہ: پیرزادہ

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 19)

1243۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: خونی بیوہ

ترجمہ: پیرزادہ

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ 2، 19)

1244۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: سراغ کی چابی

ترجمہ: نثار احمد سیٹھی

کراچی: بانو اکیڈمی اے۔ایم کراچی 1

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 19)

1245۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: سوگوار کتا

ترجمہ: اختر رحمانی

کراچی: انور پبلشرز، نکل روڈ،

جاسوسی ناول: ترجمہ 1962ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2)

1246۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: سیاہ گواہ

ترجمہ: اختر رحمانی

کراچی: انور پبلشرز۔ نکل روڈ

جاسوسی ناول: اردو ترجمہ 1962ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2)

1247۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: عورتوں کا شکاری

ترجمہ: پیرزادہ

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 19)

1248۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: عیار نرس

ترجمہ: پیرزادہ

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز،

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ۔ 2، 19)

1249۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: عیار قاتل

ترجمہ: اختر رحمانی

کراچی: انور پبلشرز۔ نکل روڈ،

جاسوسی ناول: ترجمہ 1962ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2)

1250۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: آتشی انگلیاں

ترجمہ: پیرزادہ

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 19)

1251۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: انتقام

ترجمہ: پیرزادہ

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز،

جاسوسی ناول: مرکزی کردار پیری میسن جاسوس کا ہے۔ (حوالہ 2، 19)

1252۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: طرار حسینہ

ترجمہ: اختر رحمانی

کراچی: انور پبلشرز۔نکل روڈ،

جاسوسی ناول: ترجمہ 1962ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:2)

1253۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: صبح کا بُھولا

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The Case of The Nervous Accomplice' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

1254۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: شیطان کی خالہ

ترجمہ: ابوالحسن جعفری

کراچی: بانو اکیڈمی، کراچی۔

جاسوسی ناول: پیری میسن جاسوس کے کارنامے۔ (حوالہ:2، 19)

1255۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: وہمی قاتل

ترجمہ: اختر رحمانی

کراچی: انور پبلشرز، نکل روڈ کراچی 2

جاسوسی ناول: ترجمہ 1962ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:2)

1256۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: نیلی آنکھیں

ترجمہ: پیرزادہ

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 19)

1257۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: نقاب پوش عورت

ترجمہ: پیرزادہ

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 19)

1258۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: مفرور لاش

ترجمہ: اختر رحمانی

کراچی: انور پبلشرز۔ نکل روڈ،

جاسوسی ناول: ترجمہ 1962ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 2)

1259۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: کرم خوردہ کوٹ

ترجمہ: پیرزادہ

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 19)

1260۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: کانا قاتل

ترجمہ: اختر رحمانی

کراچی: انور پبلشرز، نکل روڈ۔

جاسوسی ناول: اردو ترجمہ 1962ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:2)

1261۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: گمشدہ ملکہ حُسن

ترجمہ: حسرت ملیح آبادی

کراچی: فرید پبلشرز۔

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 19)

1262۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: مستعار دوشیزہ

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Borrowed Brunette' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1263۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: مُشتبہ شوہر

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ، 1980ء

ص: 157

جاسوسی ناول: 'The Case of The Dubious Bridge Room' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

1264۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: مجرم کا قتل

ترجمہ: پیرزادہ

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 19)

1265۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: مصنوعی آنکھ

ترجمہ: پیرزادہ

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 19)

1266۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: کٹھ پتلی

ترجمہ: اختر رحمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر،

جاسوسی ناول: 'The Case of The Foot Lose Doll' کا ترجمہ۔ (حوالہ:2، 18)

1267۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: قاتل جواری

ترجمہ: اختر رحمانی

کراچی: انور پبلشرز۔ نکل روڈ،

جاسوسی ناول: اردو ترجمہ 1962ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:2)

1268۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: قاتل کی لاش

ترجمہ: پیرزادہ

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2، 19)

1269۔ گارڈنر، ارل اسٹینلے: پیری میسن کے کارنامے

ترجمہ: پیرزادہ

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:12، 13، 16)

1270۔ گاروس، چالیس: سونے کا جزیرہ

ترجمہ: بھٹناگر

ناول: 'دی ہیرٹیج آف ہیٹ' کا ترجمہ جس میں ایک ایسے جزیرے کی کہانی ہے جس میں سے سونا نکلتا ہے۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 4)

1271۔ گالزوردی، جان: سیب کا درخت

ترجمہ: قاضی عبدالغفار

حیدرآباد دکن: اردو اکیڈمی

ناول: 'دی ایپل ٹری' کا ترجمہ مدیر 'پیام' نے کیا ہے۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ دوسری بار کریمی پریس لاہور نے شائع کیا۔ (حوالہ: 4، 7، 8)

1272۔ گالزوردی، جان: سیب کا درخت

ترجمہ: وشوامتر عادل

بمبئی: کتب پبلشرز لمیٹڈ، 1949ء

ص: 104

ناولٹ: 'The Apple Tree' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 9، 10، 11)

1273۔ گاؤں کی کہانی

ترجمہ: شوکت علی خاں

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی۔ تریندرا پیلس، س۔ن

ص: 280

ناول: سماجی ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 9)

1274۔ گڈس، ڈیوس: خاموش انتقام

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Night Squad' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1275۔ گردش ایام

ترجمہ: مظہرالحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ، 1965ء

ص: 436

ناول: اسراری ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:9)

1277۔ گرو چیلے کی چوٹ

ترجمہ: یوتھرا، ایم۔پی

لاہور: نرائن دت سہگل، س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:7)

1277۔ گروزر، کارل ہانز: تامبورس (دو جلدیں)

ترجمہ: مظہرالحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، طبع اوّل: 1978ء

ص (جلد اوّل): 472

ص (جلد دوم): 430

ناول: مہماتی ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ ناول کے ہیرو تامبورس کا کردار بیک وقت دیوتا بھی ہے اور شیطان بھی۔ (حوالہ 9)

1278۔ گرے، برکلے: سیاہ دائرے

ترجمہ: ایف۔ایم۔صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز، کتاب گھر، اقبال روڈ، 1972ء

جاسوسی ناول: 'Conquest Marches On' کا ترجمہ۔ برطانوی اخبار 'لندن ڈیلی ریکارڈ' کے کالم نویس بلیٹ کی کہانی۔ (حوالہ:2، 18، 19)

ابتدائیہ سے نمونہ:

'برطانیہ کے مشہور اخبار 'لندن ڈیلی ریکارڈ' کا کالم نویس بلیٹ بڑی ہی عجیب وغریب طبیعت کا مالک تھا۔ وہ ہر معاملے میں اپنی ٹانگ اڑانا ضروری خیال کرتا تھا۔ چاہے اس معاملے سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہ ہو۔ اپنی اس عجیب وغریب طبیعت کی وجہ سے وہ کافی مشہور تھا۔ شکل وصورت بھی کسی حد تک مضحکہ خیز تھی۔'

1279۔ گرے، برکلے: فاتح جاسوس

ترجمہ: ایف۔ایم۔صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Call Conquest for Danger' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

1280۔ گرین، ایف۔ایل: مفرور

ترجمہ: ابو سعید قریشی

لاہور: مکتبہ اردو سرکلر روڈ،

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 9، 10)

1281۔ گستاپو

ترجمہ: محمد بشیر قریشی

لاہور: ہاشمی بک ڈپو

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

1282۔ گلوٹین

ترجمہ: نذیر مرزا برلاس

پشاور: یونیورسٹی بک ایجنسی

ناول: انقلابِ فرانس کے پس منظر میں لکھے گئے ناول 'Guillotine' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 13، 16)

1283۔ گناہ کی راہ

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نیشنل لٹریچر کمپنی 1943ء

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

1284۔ گوتھری جونیئر: نیلی بستیاں

ترجمہ: محمود نظامی

لاہور: پبلشرز یونائیٹڈ لمیٹڈ۔ 176 انارکلی، طبع اوّل: 1959ء جاسوسی ناول۔

ناول: 15 ابواب پر مشتمل انگریزی ناول کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 19)

ابتدائیہ سے نمونہ:

'مارچ کی ایک روشن صبح تھی۔ رات کی بارش کے باوجود موسم بڑا خوشگوار تھا۔ لیجی ایوانس باورچی خانے میں بیٹھا باہر کا منظر دیکھنے میں مصروف تھا۔ صحن اور سامنے کی زمین دلدل سے بھری ہوئی تھی۔ لیجی یہ دیکھ کر خوش تھا کہ دلدل اور بارش کا بہانہ بنا کر آج وہ کام سے بچ جائے گا۔ ویسے وہ کام چور نہ تھا، مگر آج اس کا جی کام کرنے کو نہ چاہتا تھا'۔

1285۔ گوڈفرے لیاس: عثمان بطور

ترجمہ: شاہد احمد دہلوی

کراچی: اردو اکیڈمی (سندھ) س۔ن

ص: 448

ناول: 'Kazah Exodus' کا ترجمہ دوسری بار مشتاق بک ڈپو کراچی نے شائع کیا۔ (حوالہ 2، 13، 16)

یہ Godfrylias کی ناول 'Kazah Exodus' کا ترجمہ ہے۔ اس ناول کو ہجرت کی داستان کہنا چاہیے۔ قازقوں کی یہ کہانی روس اور چین کے سرحدی علاقے سے متعلق ہے۔ مصنف چونکہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اسکول سیکشن میں ہیڈ ماسٹر رہے تھے، اس لئے مشرقی منظر نامے پر ان کی گہری نظر دکھائی دیتی ہے۔ اس ناول میں اشتراکی دنیا کے ہاتھوں قازقوں کی بربادی کا بیان اور ہجرت کا نوحہ توحہ چاہتا ہے۔ واقعاتی ادب میں یہ ترجمہ ہمیشہ یادگار رہے گا۔

1286۔ گورکی، میکسم: مالو

ترجمہ: نریش کمار شاد

دہلی: مکتبہ رنگین، گنج میر خاں، 1954ء

ص: 127

ناولٹ: روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ: 9، 16)

1287۔ گورکی: میکسم: ماں

ترجمہ: مخمور جالندھری

لاہور: پیپلز پبلشنگ ہاؤس، س۔ن

ص: 528

ناول: گورکی کا شاہکار ناول۔ اس ناول کا ایک ترجمہ دارالاشاعت ترقی ماسکو نے شائع کیا تھا۔ مخمور جالندھری کا ترجمہ پہلی بار آئینہ ادب لاہور نے شائع کیا۔ 'The Mother' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

1288۔ گورکی، میکسم: ماں

ترجمہ: دارالاشاعت ترقی

ماسکو: دارالاشاعت ترقی، س۔ن

ناول: روسی زبان سے براہ راست ترجمہ۔ غالباً یہی ترجمہ بعد میں (1954ء) مکتبہ شاہراہ دہلی نے شائع کیا۔

(حوالہ: 13، 16)

18 جون 1936ء کو ماسکو میں مشہور عالم روسی مصنف میکسم گورکی کا انتقال ہوگیا۔ اس کی ولادت ایسے ماں باپ کے گھر میں ہوئی جو ہندوستان میں اچھوت سمجھے جاتے ہیں۔ خدا جانے ہندوستان میں کتنے میکسم گورکی معاشرہ کے ظلم کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان

کی فطری قابلیتوں کو ابھرنے اور پنپنے کا موقع نہیں ملتا۔ میکسم گورکی اس کا اصلی نام نہ تھا۔ اس کا نام پشکوف (Max-cumovich Peshkov) تھا۔ وہ 1868ء میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک فراش تھا۔ گورکی کی عمر 5 سال کی تھی جب اس کا باپ مر گیا اور اس کی ماں نے دوسری شادی کر لی۔ چنانچہ نانا کے پاس بھیج دیا گیا جو ایک مُفلس انگریز تھا۔

9 سال کی عمر میں گورکی کام پر لگا دیا گیا۔ اس کے بعد 10 سال کی مدت تک وہ مختلف پیشے اختیار کرتا رہا اور روزی کی تلاش میں اس نے روس کے ایک بڑے حصے کا دورہ کر لیا۔ انہی دنوں میں اس کو روس کی زندگی کا نہایت وسیع تجربہ حاصل ہو گیا۔ اس دوران میں وہ پڑھنا لکھنا سیکھتا رہا۔ وہ بڑا زبردست مطالعہ کرنے والا تھا۔ اپنے غیر معمولی مصائب اور موانع کے باوجود اس نے تقدیر کے خلاف جنگ کرنے میں جو کامیابی حاصل کی وہ ہمارے ملک کے نوجوانوں کے لئے سبق آموز ہے۔

جن دنوں وہ طفلس کے ریلوے ورکشاپ میں ملازم تھا اس کا پہلا افسانہ ایک روزانہ اخبار میں اسی فرضی نام سے شائع ہوا جو اب شہرۂ آفاق ہے۔ رفتہ رفتہ گورکی اپنے صوبے کا ایک کامیاب ادیب مشہور ہو گیا۔ 1895ء میں سینٹ پیٹرز برگ کے ایک مشہور رسالے نے اس کا افسانہ ''چلکاش'' شائع کیا اور 1897ء میں اس کے افسانوں کا ایک مجموعہ بھی چھپ گیا۔ یہ مجموعہ اتنا مقبول ہوا کہ روسی رائے عامہ نے گورکی کو ٹالسٹائی کا ہم رتبہ مصنف قرار دیا اور اس کی شہرت عالمگیر ہو گئی چنانچہ برلن کے تھیٹروں میں اس کا ایک ڈراما دو سال تک دکھایا جاتا رہا۔

1899ء میں اس کا تعلق اشتراکی جمہوریت پسندوں سے استوار ہوا اور پولیس پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ گئی۔

جس کا نتیجہ ناول 'ماں' ہے۔ عالمی سطح پر لکھے گئے ناول کی جب جب درجہ بندی ہوئی ہے، گورکی کی ناول 'ماں' کو ہمیشہ سرفہرست ہی شمار کیا گیا ہے۔ گورکی کا ایمان تھا کہ بڑے قلم کار کے لئے اپنے عہد کے سماجی شعور سے آنکھیں چرا کر لکھنا ناممکن ہے۔ اسی نظریہ کے تحت اس نے یہ عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ 'ماں' انقلاب سے پہلے کے روس کی سماجی زندگی اور سیاسیات کی عمومی و اجمالی تصویر کشی ہے۔ یہ ناول روس کے شہر 'سورموؤ' میں پیش آنے والے واقعات کا حیرت انگیز تانا بانا بنتی ہے۔ سورموو کے ایک مزدور پوٹر آندرے وچ زالوموف اور اس کی خانگی زندگی اس ناول کا نکتۂ ارتکاز ہے۔ یہی سبب ہے کہ ولاسوف اور اس کی ماں آنا کیرنلوفنا اس ناول کے ذریعے دو عظیم انقلابی کرداروں میں ڈھل کر دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈالے ہوئے ہیں۔ یہ دونوں کردار ترقی پسند نظریے اور خالصتاً عوامی مقاصد کے لئے سرگرم عمل رہے اور مزدور تحریکوں کے لئے ان کی شدید جدوجہد نشانِ راہ بن گئی۔

گورکی نے اس ناول میں طبقاتی تقسیم کے خلاف اٹھنے والی عوامی تحریکوں کے ظاہر و باطن کو پوری تفصیل اور دیانت داری کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔ ناول میں متضاد اور باہم مُتحارب نظریات کی کشمکش کو اس فنکاری سے پیش کیا گیا ہے کہ زندگی کی ہماہمی اس ناول کا وصفِ خاص بن گئی ہے۔

ولاسوف سرگرم عمل ہے اور اس کی ماں (نلوفنا) اس کی زبان بن گئی ہے۔ یوم مئی کے جلوس کے موقع پر وہ ایک عورت سے کہتی ہے:

> ''ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ ان کا مقصدِ زندگی مقدس ہے۔ ذرا سوچو تو سہی کہ اگر لوگ یسوع کی خاطر اپنی جان نہ دیتے تو حق کا وجود کیسے قائم رہ سکتا تھا۔''

بیٹے کے آہنی سلاخوں کے پیچھے چلے جانے کے بعد وہ بڑے حوصلے سے کہتی ہے:

''یہ دوسری مرتبہ ہے کہ اسے جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اس نے خدا کی سچائی کو لوگوں کے دلوں میں بویا تھا۔ وہی تھا جسے تمہارے لئے اخبار نکالنے کا خیال آیا۔ وہی تھا جس نے لوگوں کو صحیح راستے پر لگایا۔ اس کے جیسے بہت سے آدمی ہیں جو اپنی آخر زندگی تک آزادی اور سچائی کے لئے لڑتے رہیں گے۔''

ماں، اِس ناول میں ہمدردی، مروت، صبر و استقامت اور جہدِ مسلسل کی ایک علامت بن کر ابھری ہے اور اس ایک کردار کی تشکیل کے ساتھ گورکی نے لاکھوں انسانوں کی سوچ کو ایک نئے دھارے پر ڈال دیا ہے۔

انسانی زندگی کی چلت پھرت کو گورکی نے اپنے قلم کے ذریعے لفظوں میں تحرک بخش دیا ہے۔ ترجمہ سے نمونۂ عبارت ملاحظہ ہو:

''انسانی آوازیں ایک طوفانی شور میں بدل گئیں، جس نے مشینوں کی گڑگڑاہٹ، بھاپ کی سنسناہٹ اور بجلی کے تاروں کی بھنبھناہٹ کو غرق کر دیا۔ لوگ ہر طرف دوڑے، ہاتھوں سے اشارے کرتے، ایک دوسرے کو تیز و تند الفاظ سے اکساتے ہوئے آ رہے تھے۔ بے اطمینانی جو ہمیشہ تھکے ہوئے سینوں میں چھپی رہتی ہے جاگ پڑی تھی اور باہر نکلنے کا راستہ مانگ رہی تھی۔ مجمع کے سر پر دھول اور کالک کے بادل چھا رہے تھے۔ پسینے سے شرابور چہروں پر جوش کی تمتماہٹ تھی۔ رخساروں پر سیاہ آنسوؤں کے دھبے پڑے ہوئے تھے اور آنکھیں اور دانت کلونس سے بھرے ہوئے چہروں میں چمک رہے تھے۔''

1289۔ گورکی، میکسم: ماں

ترجمہ: ن۔ ن

دہلی: مکتبہ شاہراہ، 1954ء

ص: 470

ناول: گورکی کا شاہکار جو دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ایک ترجمہ مخمور جالندھری کا بھی ملتا ہے۔ ایک ایڈیشن فکشن ہاؤس، لاہور نے 2005ء میں شائع کیا ہے۔ (حوالہ 9، 16)

1290۔ گورکی، میکسم: دیوانہ ہے دیوانہ

ترجمہ: مخمور جالندھری،

دہلی: مکتبہ شاہراہ۔ اردو بازار 1966ء۔ فکشن ہاؤس لاہور نے اس ترجمے کو عنوان تبدیل کر کے ''تین راہی'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ پبلشرز کی یہ روش حد درجہ قابل مذمت ہے۔

ص: 376

ناول: روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ: 9)

1291۔ گوزینگو، آمگر: سُورما کی ہار

ترجمہ: گوپال متل

دہلی: مکتبہ تحریک۔ 9 انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج، 1959ء

ناول: روسی زبان کا ایک ایسا ناول جس میں آزادی اور انصاف کے حوالے سے کیمونزم کی مخالفت کی گئی ہے۔

(حوالہ: 9، 16)

1292۔ گوگول، نکولائی: تاراس بلبا

ترجمہ: خلیق انجم

دہلی: مکتبہ شاہراہ، 1957ء

ص: 164

ناول: روسی ناول جس میں حب الوطنی اور حریت فکر کو ابھارا گیا ہے۔ اس ناول پر عالمی شہرت کی حامل فیچر فلم بن چکی ہے۔ جس میں تاراس بلبا کا مرکزی کردار یُل برائینر نے ادا کیا تھا۔ ایک ترجمہ دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد نے بھی حال ہی میں شائع کیا ہے۔

(حوالہ: 9)

1293۔ گوگول، نکولائی: تاراس بلبا

اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔

(حوالہ: 9، 16)

1294۔ گوئٹے، جان وولف گانگ: نوجوان ورتھر کی داستان غم

ترجمہ: ریاض الحسن، ڈاکٹر

الہ آباد: لٹریری سنڈیکیٹ: سلیمی پریس، 1933ء

ص: 198

ناول: Die Leiden Des Yungen Werther' کا جرمن زبان سے براہِ راست ترجمہ۔ یہ ترجمہ بعد میں مشفق خواجہ کے اشاعتی ادارے مکتبہ اسلوب، کراچی نے بھی شائع کیا۔

1295۔ گوئٹے، جان وولف گانگ: نوجوان ورتھر کی داستان غم

ترجمہ: محمد افضل، میاں

لاہور: مکتبہ شاہکار، طبع دوم: 1976ء

ص: 42

ناول: جرمن زبان سے براہِ راست ترجمہ۔ اس ناول کا احمد ندیم قاسمی نے 1951ء میں ترجمہ کیا تھا جو تا حال شائع نہیں ہو سکا۔

(حوالہ: 6، 5، 7)

یہ گوئٹے کا اکلوتا ناول ہے۔ جسے بڑی حد تک گوئٹے کی آپ بیتی کہا جا سکتا ہے۔ اس ناول کے مرکزی کردار ورتھر کی شخصیت کے پردے میں عظیم مصنف گوئٹے غم و اندوہ کے ساتھ نڈھال ہے اور مسلسل سسکیاں لے رہا ہے۔ یہ ناول اس زمانے کی یادگار ہے جب گوئٹے پر شدید آئیڈیل پرستی کا دور دورہ تھا۔

یہ ناول اپنے دو مرکزی کرداروں ورتھر اور لوتی کی عالمگیر شہرت کے باعث یادگار رہے گا۔ یہ ایک المناک کہانی ہے اور اسے بیشتر ناقدین نے 'خودکشی کی نفسیات' کا ناول قرار دیا ہے۔ ورتھر وجیہہ مردانہ شخصیت کا حامل کردار ہے۔ مصوری کرتا ہے اور دانشوروں میں نمایاں بھی ہے لیکن اس کی آئیڈیل پسندی اسے ایک شادی شدہ عورت (لوتی) کی محبت میں بہالے جاتی ہے۔ وہ انتہائی سوچ بچار کے بعد خودکشی کر لینے کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنی محبوبہ اور اس کے خاوند کے درمیان حائل ہونا پسند نہیں کرتا۔ دوسری طرف لوتی اپنے خاوند کی اطاعت پر محبت کو بھینٹ چڑھا دیتی ہے۔

اگر اس ناول کو مثبت رویوں کا ناول قرار نہیں دیا جا سکتا تو منفی بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ ورتھر اگر خودکشی کرتا ہے تو اس لئے نہیں کہ موت اسے زندگی سے زیادہ حسین نظر آئی، بلکہ اس لئے کہ اس نے ایک اور زندگی (البرٹ اور لوتی کی گھریلو زندگی) کو مزید خوشگوار بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

گوئٹے نے اس ناول کے ذریعے محبت کے جذبے کی ایک نئی تعبیر پیش کی ہے اور اسے سراسر قربانی اور ایثار قرار دیا ہے۔

ترجمے سے نمونہ عبارت ملاحظہ ہو:

> اُس نے مرنے سے پہلے صرف ایک گلاس شراب کا پیا تھا۔ 'ایمیلیا گیلوتی' (ایک مشہور ڈرامہ) کی ایک کاپی اس کے لکھنے کے ڈیسک پر کھلی پڑی تھی۔
>
> البرٹ کے اضطراب یا لوتی کے غم کو بیان کرنے کے لئے الفاظ موجود نہیں ہیں۔
>
> بوڑھے جج نے جونہی یہ خبر سنی وہ چلاتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اپنے رخساروں پر بہتے ہوئے گرم گرم آنسوؤں کے ساتھ اس نے موت سے ہمکنار ہونے والے شخص کو بوسہ دیا۔ اس کے بڑے بیٹوں نے فوراً اس کی پیروی کی۔ وہ سب بستر کے قریب انتہائی گہرے غم کے عالم میں اپنے گھٹنوں پر جھک گئے اور مرنے والے کے ہاتھوں اور منہ کو چومنے لگے۔
>
> (ص 42 سے اقتباس)

1296۔ گوئٹے، جان وولف گانگ: ولہیلم مائسٹر (دو جلدیں)

ترجمہ: عابد حسین، (ڈاکٹر) سیّد

دہلی: ساہتیہ اکیڈمی، 1958ء

ص: 466

ناول: جرمن ناول 'ولہلم مائسٹر' کا ترجمہ براہ راست اردو زبان میں کیا گیا۔ (حوالہ 9)

1297۔ لال چھتری

ترجمہ: انوار حسین رضوی، سیّد

لکھنؤ: بہار گو اسکول، س۔ن

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:7)

1298۔ لالہ صحرا

ترجمہ: مظہر الحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، س۔ن

ص: 352

ناول: وحشی قبائل کے حوالے سے اسراری ناول (حوالہ:9)

1299۔ لٹن، لارڈ: شہر لانسیس کی بیگم

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: پیسہ اخبار، س۔ن

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔1923ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:1،2)

1300۔ لٹن، لارڈ: لیلیٰ (یا محاصرہ غرناطہ)

ترجمہ: امتیاز علی تاج، سیّد

لاہور: دارالاشاعت پنجاب، طبع اوّل 1924ء

ناول: محاصرۂ غرناطہ سے متعلق انگریزی ناول کا ترجمہ۔ دوسری بار 1936ء میں طبع ہوا۔ (حوالہ:2،4،7)

1301۔ لٹن، لارڈ: زینونی

ترجمہ: ساغر اکبر آبادی

ناول: انقلاب فرانس کے پس منظر میں لکھا گیا فلسفیانہ ناول، ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔(حوالہ:4)

1302۔ لرمنتوف، ایم۔آئی: نیا ہیرو

ترجمہ: غلام سرور

لاہور: مکتبۂ جدید، 1958ء

ص: 232

ناول: 1841ء میں شائع ہونے والا یہ ناول لرمنتوف کی شہرت کا سبب بنا۔ (حوالہ 2،10،11)

1303۔ للتا

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل،

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:7)

1304۔ لوئی، پیئر: کیسی

ترجمہ: عابد علی عابد، سیّد

لاہور: نگارشات، طبع دوم: 2004ء

ناول: فرانسیسی ناول، انگریزی سے ترجمہ (حوالہ 10)

1305۔ لوئی، پیئر: پیار کی دیوی

ترجمہ: شاہد چشتی

لاہور: مکتبۂ جدید،

ناول. فرانسیسی زبان سے ترجمہ۔ اس ناول نگار کے ایک ناول کا ترجمہ ''کسبی'' کے عنوان سے سیّد عابد علی عابد نے کیا تھا جو حال ہی میں نگارشات لاہور نے شائع کیا ہے۔ جب کہ ایک ترجمہ ''حوا کی بیٹی'' کے عنوان سے آغا بابر نے بھی کیا تھا جسے سنگ میل، لاہور نے حال ہی میں شائع کیا ہے۔ (حوالہ 16)

1306۔ لوئی، پیئر: حوا بیٹی

ترجمہ: آغا بابر

لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز

ناول: فرانسیسی سے انگریزی کی معرفت ترجمہ (حوالہ:13)

1307۔ لوئیز، سنفکر: حیاتِ مضطرب

ترجمہ: سوم آنند

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی۔ نریندرا پیلس، س۔ن

ص: 734

ناول: معاشرتی ناول 'Arrow Smith' کا ترجمہ۔ (حوالہ:9)

1308۔ لیبلانک، مارس: آرس لوپن جاسوس

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: لال برادرز، س۔ن

جاسوسی ناول: 'Jim Barnett Intervenes' کا انگریزی سے ترجمہ۔ 1939ء (حوالہ 7،4،2)

1309۔ لیبلانک، مارس: کارنامہ جات آرسن لوپن

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: لال برادرس، س۔ن

جاسوسی ناول: 'دی اکسپلائٹس آف آرسن لوپن' کا ترجمہ۔ (حوالہ 7،4،2)

1310۔ لیبلانک، مارس: آرسن لوپن شریف چور

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: راجپال، سرکلر روڈ، س۔ن

جاسوسی ناول: فرانسیسی زبان سے ترجمہ۔ 1936ء سے قبل شائع ہُوا۔ (حوالہ: 10، 11)

ادارہ راجپال پبلشرز، سرکلر روڈ، لاہور میں جب علم دین نے راجپال کو قتل کر دیا تو ادارہ ٹوٹ گیا۔ علم دین کو میانوالی جیل میں پھانسی دی گئی۔ لاہور میں تدفین کے لئے پنجاب کے سابق گورنر سلمان تاثیر (مقتول) کے والد ڈاکٹر ایم۔ ڈی تاثیر نے انتظامات کئے تھے۔ راجپال کا خاندان دربدر ٹھوکریں کھاتا رہا۔ جب کہ علم دین، ''غازی علم الدین'' کے طور پر شہرت پا گیا اور اب ''غازی علم الدین شہید سوسائٹی'' قبرستان میانی صاحب میں ہر سال 30 اکتوبر کو دو روزہ عُرس کا اہتمام کرتی ہے۔ وقت نے پلٹا کھایا۔ ڈاکٹر ایم۔ ڈی تاثیر کے بیٹے گورنر پنجاب سلمان تاثیر، اسلام آباد میں دن دہاڑے قتل کئے گئے تو اُن کا کیس لڑنے کے لئے کوئی وکیل تیار نہ تھا، جب کہ قاتل (ملک ممتاز قادری) کا مقدمہ لڑنے کے لئے ایک سابق چیف جسٹس تیار تھے۔

1311۔ لیبلانک، مارس: آرسن لوپن کی واپسی (دو جلدیں)

ترجمہ: شمیم بلہوری

حیدرآباد: کتب خانہ دین و دنیا، 1954ء

جاسوسی ناول: فرانسیسی زبان سے ترجمہ۔ انگریزی کی معرفت (حوالہ: 10، 11، 13)

1312۔ لیبلانک، مارس: بحرِ فنا (دو جلدیں)

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: پنجاب لٹریچر کمپنی، س۔ن

ناول: اس جاسوسی ناول کا ترجمہ دو الگ الگ جلدوں میں رام دت مل لاہور سے بھی ہوا۔ سال اشاعت درج نہیں۔ یہ 'The Coffin Island' کا ترجمہ ہے جو 1944ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 7، 11)

1313۔ لیبلانک، مارس: پروانۂ جانباز

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ناول: انگریزی سے اسراری ناول کا ترجمہ۔ 1940ء کے بعد شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 7، 11)

1314۔ لیبلانک، مارس: محبت کا قیدی

ترجمہ: راج نرائن بھٹناگر

لاہور: نام مطبع ندارد، س۔ن

جاسوسی ناول: فرانسیسی ناول کا ترجمہ۔ (حوالہ:2، 18، 19)

1315۔ لیبلانک، مارس: نیلی چھتری

ترجمہ: ظفر عمر

جاسوسی ناول: فرانسیسی زبان کے جاسوسی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ اس ترجمے کو جاسوسی ادب کا اردو میں اوّلین ترجمہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ظفر عمر 1884ء میں تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔محکمہ پولیس میں تھے جہاں سے 1937ء میں ریٹائر ہوئے۔ یہ ترجمہ 1916ء میں شائع ہوا تھا۔حمیدہ اختر حسین رائے پوری، ظفر عمر کی صاحبزادی ہیں۔ (حوالہ:2)

1316۔ لیبلانک، مارس: آتشیں عینک عرف پراسرار لوپن

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: شمونہ بک ڈپو، س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:10، 12)

1317۔ لیبلانک، مارس: انقلابِ یورپ

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ناول: انگریزی سے اسراری ناول کا ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 2، 4)

1318۔ لیبلانک، مارس: نقلی ناول

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: الیکٹرک پریس، س۔ن

ناول: 'آرسن لوپن' کا ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 2، 4، 7، 11)

1319۔ لیبلانک، مارس: چالاک بہرام

ترجمہ: طاہر مخدومی

لاہور: اسلامی کتب خانہ اندرون لوہاری، س۔ن

جاسوسی ناول: فرانسیسی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ 2، 19)

1320۔ لیبلانک، مارس: جاسوس

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ناول: آرسن لوپن سلسلے کی چین۔1944ء کے بعد شائع ہوا۔ (حوالہ:2، 11)

1321۔ لیبلانک، مارس: چلتا پرزہ

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: لال برادرس، س۔ن

جاسوسی ناول: 'کنفیشنز آف آرسن لوپن' کا ترجمہ۔ (حوالہ:2، 74)

1322۔ لیبلانک، مارس: خونی چراغ

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ناول: 'جیوش لیمپ' کا ترجمہ۔ آرسن لوپن اور شرلک ہومز یکجا کر دیے گئے ہیں۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔

(حوالہ:2، 4)

1323۔ لیبلانک، مارس: خونی ہیرا (دو جلدوں میں)

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: جے۔ایس۔سنت سنگھ، س۔ن

جاسوسی ناول: 'دی اریسٹ آف آرسن لوپن' کا ترجمہ۔ شرلک ہومز کا آرسن لوپن سے مقابلہ۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:2، 4، 7)

1324۔ لیبلانک، مارس: دغا کا پتلا

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: لال برادرس

ناول: 'ریٹرن آف آرسن لوپن' کا ترجمہ۔ شرلک ہومز سلسلے کی ناول۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ، 7)

1325۔ لیبلانک، مارس: پراسرار بہرام

ترجمہ: طاہر مخدومی

لاہور: اسلامی کتب خانہ، اندرون لوہاری

جاسوسی ناول: فرانسیسی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ:2، 19)

1326۔ لیبلانک، مارس: بہرام کے کارنامے

ترجمہ: طاہر مخدومی

لاہور: اسلامی کتب خانہ، اندرون لوہاری۔

جاسوسی ناول: فرانسیسی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ 2، 19)

1327۔ لیبلانک، مارس: بہرام کی گرفتاری

ترجمہ: طاہر مخدومی

لاہور: اسلامی کتب خانہ، اندرون لوہاری

جاسوسی ناول: فرانسیسی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 19)

1328۔ لیبلانک، مارس: بہرام کی رہائی

اخذ و ترجمہ: مرزا ہادی رسوا

جاسوسی ناول: فرانسیسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ: 2)

1329۔ لیبلانک، مارس: شاہی خزانہ

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل، س۔ن

جاسوسی ناول: 'دی ہالونیڈل' کا ترجمہ۔ فرانس کے شاہی خزانے پر قبضے کے سلسلہ میں شرلک ہومز، آرسن لوپن اور گینی مارڈ کا مقابلہ۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 4، 7)

1330۔ لیبلانک، مارس: شریف بدمعاش

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ناول: 'کنفیشنز آف آرسن لوپن' کا ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 4)

1331۔ لیبلانک، مارس: شریف چور

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ناول: اسراری ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ 1944ء کے بعد شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 11)

1332۔ لیبلانک، مارس: شیر کے دانت

ترجمہ: کشن چند ماتھر

ناول: جاسوسی ناول 'Teeth of Tiger' کا ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 4)

1333۔ لیڈی ڈاکٹر حلیمہ خانم

ترجمہ: خاموش، حسن الدین

آگرہ: عزیزی پریس، 1939ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

1334۔ لیسنز آف لن وڈ

ترجمہ: عبدالحمید

حیدر آباد دکن: اشرف پریس

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

1335۔ لی کر، جان: وہ جو واپس نہ آ سکا

ترجمہ: طالع یار

لاہور: کتاب ساز، س۔ن

ص: 205

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

1336۔ لیکو، ولیم: تبدیلی قسمت

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

جاسوسی ناول: 'The Man From Downing Street' کا ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ مرکزی کردار جیک جارڈین ہے۔ (حوالہ: 2، 4)

1337۔ لیکو، ولیم: مہرِ خموشی

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: لال برادرس

جاسوسی ناول: 'The Sign of Silence' کا ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ مکتبۂ عظمت لاہور نے 1957ء میں بھی شائع کیا۔ (حوالہ 2، 4، 7، 11)

1338۔ لیکو، ولیم: سہراب زندگی

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

جاسوسی ناول: 'Wiles of the Wicked' کا ترجمہ 1944ء کے بعد شائع ہوا۔ (حوالہ 2، 10، 11)

1339۔ لیکو، ولیم: گمنام مسافر

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ناول: 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ یہ 'The Sign of the Stranger' کا ترجمہ ہے۔ (حوالہ 2، 4، 7، 11)

1340۔ لیکو، ولیم: منزلِ مقصود

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ناول: 'ہینڈز اپ' کا ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2، 4، 11)

1341۔ لیکو، ولیم: کالے چور

ترجمہ: غلام انجام فیروز پوری

ملتان: مکتبہ راہ نو۔ شاہین مارکیٹ۔ حرم گیٹ۔

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 2، 19)

1342۔ لیم، ہیرلڈ: بابر (شیر ببر)

ترجمہ: ہاشمی فرید آبادی، سید

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، طبع دوم س۔ن (ص: 384)

سوانحی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ یہ ترجمہ بھی فکشن ہاؤس، لاہور نے دوبارہ شائع کر دیا ہے۔ (حوالہ 2، 17)

1343۔ لیم، ہیرلڈ: تیمور

ترجمہ: محمد عنایت اللہ دہلوی، مولوی

اعظم گڑھ: معارف پریس

ناول: تاریخ اور فکشن کا ادغام۔ کتاب 'تمر لین' کے دو ترجمے 'تیمور' اور 'امیر تیمور' کے ناموں سے عزیز احمد اور بریگیڈیئر گلزار احمد نے بھی کئے ہیں۔ (حوالہ: 7، 10)

1344۔ لیم، ہیرلڈ: تیمور

ترجمہ: عزیز احمد

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

سوانحی ناول: 'تمبرلین' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

1345۔ لیم، ہیرلڈ: امیر تیمور

ترجمہ: بریگیڈیئر گلزار احمد

لاہور: مکتبۂ جدید، 1956ء

سوانحی ناول: از ہیبت شاہ جہاں لرزد زمین و آسماں، امیر تیمور کی زندگی سے متعلق۔ یہ ترجمہ فکشن ہاؤس، لاہور نے بھی شائع کیا ہے۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

1346۔ لیم، ہیرلڈ: تاتاریوں کی یلغار

ترجمہ: عزیز احمد

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک فرینکلن، طبع دوم 1960ء

ص: 400

ناول: 'The March of Barbarians' کا ترجمہ۔ دیباچہ مولانا غلام رسول مہر کا ہے۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز کو معلوم ہے کہ نہیں، یہ ترجمہ فکشن ہاؤس لاہور نے بھی شائع کر دیا ہے۔ (حوالہ 2، 10، 11)

1347۔ لیم، ہیرلڈ: قسطنطنیہ

ترجمہ: غلام رسول مہر، مولانا

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، 1963ء، (ص: 256) یہ ترجمہ بھی فکشن ہاؤس، لاہور نے شائع کر دیا ہے۔

تاریخی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11، 17)

1348۔ لیم، ہیرلڈ: کورش اعظم ذوالقرنین

ترجمہ: وزیر الحسن عابدی، علامہ

لاہور: مقبول اکیڈمی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، 1968ء

سوانحی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ یہ کتاب بھی نام بدل کر فکشن ہاؤس، لاہور نے شائع کر دی ہے اور نام رکھا ہے ''کورش اعظم'' ظاہر ہے رائیلٹی سے بچنے کیلئے ایسا کیا گیا ہے۔ یوں بھی عابدی صاحب، ایک زمانہ ہوا، دنیا میں نہیں رہے۔ فارسی کے عالم بے بدل تھے۔ شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی نے انہیں ''نشانِ سپاس'' سے نوازا تھا۔ (حوالہ: 2، 17)

1349۔ لیم، ہیرلڈ: خلت قزاق

ترجمہ: محمد ہادی حسین

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ (پاکستان)

ص: 152

تاریخی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 16)

1350۔ لیم، ہیرلڈ: خلت قزاق پراسرار دنیا میں

ترجمہ: محمد ہادی حسین

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ (پاکستان)

ص: 322

تاریخی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 16)

1351۔ لیم، ہیرلڈ: منحوس ستارہ اور خلت قزاق

ترجمہ: محمد ہادی حسین

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ (پاکستان)

ص: 294

تاریخی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 16)

1352۔ لیم، ہیرلڈ: سکندر اعظم

ترجمہ: بریگیڈیئر گلزار احمد

لاہور: مکتبہ جدید بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، 1961ء

ص: 499

سوانحی ناول: یونان کی مضطرب روح اور فاتح اعظم سے متعلق فکشن۔ ایک ترجمہ وزیر الحسن عابدی نے مقبول اکیڈمی کے لئے کیا تھا۔ یہ کتاب بھی فکشن ہاؤس، لاہور نے شائع کر دی ہے۔ (حوالہ: 2، 10، 11، 17)

1353۔ لیم، ہیرلڈ: سلطان صلاح الدین ایوبی

ترجمہ: محمد یوسف عباسی

لاہور: قومی کتب خانہ، 1984ء

ص: 218

ناول/ تاریخ و سوانح۔ دوسرا ایڈیشن آئینہ ادب لاہور نے شائع کیا۔ تیسرا ایڈیشن نگارشات، لاہور نے ''صلیبی جنگیں''

کے عنوان سے شائع کیا ہے اور مترجم کا نام تک نہیں دیا۔ نیز یہ ترجمہ فکشن ہاؤس، لاہور نے بھی نام بدل کر شائع کر دیا ہے "صلاح الدین ایوبی" کے عنوان سے۔ (حوالہ: 2، 6)

1354۔ لیم، ہیرلڈ: سلیمانِ عالیشان

ترجمہ: اختر عزیز اختر

لاہور: داتا پبلشرز بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، طبع دوم: 1962ء

سوانحی ناول: انگریزی سے ترجمہ، حضرت سلیمان سے متعلق سوانحی ناول

1355۔ لیم، ہیرلڈ: عمر خیام

ترجمہ: جمیل نقوی

لاہور: آئینہ ادب، 1963ء

تاریخی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ یہ کتاب بھی فکشن ہاؤس لاہور نے شائع کر دی ہے۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

1356۔ لیم، ہیرلڈ: نور محل

ترجمہ: شبلی ایم کام و حبیب اشعر دہلوی

لاہور: اشرف پریس، 1961ء

ص: 352

تاریخی ناول: مغل ملکہ نور محل سے متعلق انگریزی سے ترجمہ۔ یہ کتاب بھی فکشن ہاؤس، لاہور نے شائع کر دی ہے۔

(حوالہ: 13، 16)

1357۔ لیم، ہیرلڈ: ہنی بال

لاہور: مقبول اکیڈمی

تاریخی ناول: 'Hannibal' کا ترجمہ۔ یہ کتاب بھی فکشن ہاؤس، لاہور نے دوبارہ شائع کر دی ہے۔ (حوالہ: 16)

1358۔ لیم، ہیرلڈ: چنگیز خان

ترجمہ: عنایت اللہ دہلوی، مولوی

اعظم گڑھ: معارف پریس

ناول: تاریخ اور فکشن کا ادغام۔ اس کتاب کے بعد میں دو ترجمے بالترتیب عزیز احمد اور بریگیڈیئر گلزار احمد نے بھی اسی نام سے کئے۔ (حوالہ: 7، 10)

1359۔ لیم، ہیرلڈ: چنگیز خان

ترجمہ: عزیز احمد

لاہور: مکتبہ جدید، طبع اوّل: 1952ء
سوانحی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 2، 10، 11)

1360۔ لیم، ہیرلڈ: چنگیز خان
ترجمہ: بریگیڈیئر گلزار احمد
لاہور: مکتبہ جدید بہ اشتراک موسسہ فرینکلن
سوانحی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ یہ کتاب بھی فکشن ہاؤس، لاہور نے نام تبدیل کر کے دوبارہ شائع کی ہے۔ کتنی قابلِ افسوس بات ہے کہ اب اس کا نام ''منگول اور ان کا سردار'' کر دیا گیا ہے۔ (حوالہ 2، 10، 11، 17)

1361۔ لیلائے کربلا
ترجمہ: آغا رفیق بلند شہری
لکھنؤ: ادبی پریس
ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ 7)

1362۔ بشر ہے کیا کہیے: لیوئس، سنکلیر
ترجمہ: عابد علی عابد، سیّد
لاہور: ملک سراج الدین بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، 1958ء
ناول: 'Dodsworth' کا ترجمہ و تلخیص (حوالہ 2، 17)

یہ ناول ہمارے ہاں کے معاشرتی ناولوں سے بالکل جدا فضا کا حامل ہے۔ اس میں امریکہ کی اس معاشرت کی تصویر کشی کی گئی ہے، جہاں عورت جلد بیاہی جائے تو فن کے بل پر دیر تک جوان رہتی ہے، یا جوان رہنے کا جتن کرتی ہے۔ جوانی کی آخری بھڑک میں وہ غیر مردوں کے ساتھ رنگ رلیاں مناتی ہے۔ بقول عابد علی عابد: ''مغرب میں اس قسم کے واقعات اکثر ہوتے رہتے ہیں لیکن وہ دن دور نہیں جب مشرق بھی زمانے کا بدلتا ہوا مزاج اور اخلاق کی تغیر پذیر اقدار اس قسم کی صورت حالات کو عمومیت کا رنگ بخش دیں کہ یہاں بھی مغربی تعلیم اور تہذیب کے اسلوب و انداز نے بیاہتا زندگی کے مسائل کو پیچیدہ تر بنا دیا ہے۔''
(ص نمبر 7 سے اقتباس)

ترجمہ دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ عابد علی عابد صاحب کو مغربی تہذیب کا گہرا شعور حاصل ہے۔ مختلف کرداروں کی زبان سے نکلے ہوئے مکالمے اردو میں ترجمہ کرتے وقت عابد علی عابد صاحب نے بڑی خوبی سے مغربی تاثر کو برقرار رکھا ہے نیز اشعار کے ترجمہ پر عابد صاحب نے خصوصی توجہ صرف کی ہے۔
کپلنگ کے اشعار کا نثری ترجمہ ملاحظہ ہو:

'The Gipsy Trail'

Follow the Romany pattern.

North where the blue bergs

Sail, and the hows are

Gray with the frozen spray,

And the Masts are shod with mail.

Follow the Romany Pattern,

West to the sinking sun.

Till the Junk-sails lift

through the houseless drift,

and the East and the West are one,

Follow the Romany Pattern,

("Dodsworth") (P-33)

خانہ بدوشوں کی رہگوار: خانہ بدوشوں کے کارواں کے ساتھ چلو، شمال کی طرف چلو، جہاں نیلگوں برف کے تودے تیرتے پھرتے ہیں۔ جہاں جہاں کا ماتھا، جمی ہوئی ہموار پھوار کی وجہ سے تاریک نظر آتا ہے، جہاں مستولوں میں لوہے کی کیلیں نصب کی جاتی ہیں۔ خانہ بدوشوں کے کارواں کے ساتھ چلو، مغرب کی طرف جہاں سورج غروب ہوتا ہے، جہاں تک کہ رسوں کے بنے ہوئے بادبان خانہ بدوش تودہ ہائے برف کے درمیان بلند ہوں اور مشرق و مغرب ایک ہو جائیں خانہ بدوشوں کے کارواں کے ساتھ چلو۔

بشر ہے کیا کہیے، ص 78

کتاب کی تلخیص کرتے وقت عابد صاحب نے اپنے تئیں پوری کوشش کی ہے کہ تمام اہم واقعات اور دلکش منظر نامے اپنے ترجمہ میں سمیٹ سکیں۔ وہ خوبصورت مناظر کو بھی اپنے انتخاب میں شامل کرنے سے نہیں چوکے۔ عابد علی عابد صاحب ترجمہ کرتے وقت اپنی طرف سے اضافے بھی کرتے جاتے ہیں جس کی ایک مثال دیکھتے چلیں۔

The aristocracy of Zenith were dancing at the 'kennepoose canoc club'. They two-stepped on the wide porch, with its pillar or pine trunks, its bobbing Japanese Jantems; and never were there dance frocks with wider sleeves nor hair more sensuously piled on little smiling heads, never on August evening more moon-washed and spacious and proper for respectable romance

("Dodsworth"P-1)

یوں معلوم ہوتا ہے گویا زینتھ کے تمام عزت دار لوگ 'کینی پور کینو کلب' میں ناچ رہے ہیں۔ وسیع ڈیوڑھی میں، جہاں صنوبر

کے درختوں سے ستونوں کا کام لیا گیا تھا۔ ناچنے والوں کے پاؤں گت پر پڑ رہے تھے۔ جاپانی وضع کے فانوس ہوا میں لہرا رہے تھے۔ اگست کی شام تھی، چاند میں نہائی ہوئی، اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے یہ شام وسیع وعریض ان معاشقوں کے لئے مخصوص کر دی گئی ہے۔ جو عزت دار اور شرفاء کو سزاوار ہیں۔ لباس رقص کی آستیں اتنی کشادہ تھیں کہ اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آئی تھیں اور مسکراتی ہوئی نازنینوں کے سروں پر گھنیرے بال یوں بندھے تھے کہ کیا کہیئے۔

'بشر ہے کیا کہیئے' ص نمبر 1)

1363۔ ماتھرز، پووی: ایک دن کا بادشاہ

ترجمہ: اطہر پرویز، ڈاکٹر

نئی دہلی: نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، طبع اوّل 1977ء

ص: 152

ناول: 'دی تھاؤزنڈ نائٹس اینڈ ون نائٹ' سے انتخاب وترجمہ۔ اس میں 'الف لیلیٰ ولیلیٰ' کی تین کہانیاں 'ایک دن کا بادشاہ'، 'علی بابا اور چالیس چور' اور 'حسن بصری اور پریوں کی شہزادی' کا ترجمہ شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ کتاب بچوں کے لئے ہے۔ (حوالہ: نمبر)

1364۔ مارٹر، ایرس جارج: دختر فرعون

ترجمہ: لطافت حسین خان

آگرہ: آگرہ اخبار، س۔ن

ناول: انگریزی سے 'The Gyptian Princess' کا ترجمہ۔ (حوالہ 1، 2، 7، 13، 16)

1365۔ مارش، نگیو: خونی خنجر

ترجمہ: اختر رحمانی

کراچی: انور پبلشرز۔ نکل روڈ

جاسوسی ناول: اردو ترجمہ 1962ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 2)

1366۔ مارکوس، کارل: فولادی تیر

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Cable Adress Roma' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1367۔ مالو، ڈان۔ جے: دوسرا چہرا

ترجمہ: ایف۔ ایم۔ صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ۔

جاسوسی ناول: 'One Endless Hour' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1368۔ ماسٹر، جان: بھوانی جنکشن

ترجمہ: قاسم محمود، سید

لاہور: بک لینڈ، 1956ء

ص: 42

ناول: بھارت کے منظر نامے سے متعلق۔ ناول پر ہالی وڈ امریکہ سے فلم بھی بن چکی ہے۔ یہ ترجمہ دوسری بار مکتبہ شاہکار نے 1975ء میں شائع کیا۔ اس ناول کا ایک ترجمہ شہزاد تبسم نے بھی کیا ہے۔ (حوالہ 2، 11)

1369۔ ماسٹر، جان: بھوانی جنکشن

تلخیص و ترجمہ: شہزاد تبسم

دہلی: نیو تاج آفس پوسٹ بکس نمبر 1749، 1975ء

ص: 230

ناول: بھارتی منظر نامے سے متعلق مشہور ناول کی تلخیص اور ترجمہ۔ اس ناول پر ہالی وڈ کی فلم بن چکی ہے، جس کی شوٹنگ لاہور میں بھی ہوئی۔ فلم کی ہیروئن ایوا گارڈنر تھی۔ (حوالہ 9)

1370۔ ماش، رچرڈ: بھنورا

ترجمہ: مظہر الحق علوی

کراچی: سلیم پبلشنگ ایجنسی۔ 64 فریئر روڈ، طبع دوم: 1963ء

جاسوسی ناول: رابرٹ ہال کے حیرت انگیز بیان سے ناول کا آغاز ہوتا ہے۔ 414 صفحات میں یہ ترجمہ پہلی بار نسیم بک ڈپو لکھنؤ نے شائع کیا تھا۔ مظہر الحق علوی کا تعلق جانپور سعید واڑہ۔ احمد آباد (بھارت) سے ہے۔ یہ ناول 43 ابواب پر مشتمل ہے۔

(حوالہ 2، 9، 19)

1371۔ ماہام، سمرسٹ: چاند اور چاندنی

ترجمہ: مظہر الحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش، روڈ، 1956ء

ص: 409

ناول: ایک فرانسیسی مصور کی زندگی کے حوالے سے۔ یہ ترجمہ، ناول "The Painted Veil" کا ہے۔ جسے بنیاد بنا کر ہالی وڈ کے ہدایت کار John Curran نے اسی نام سے 2006ء میں فلم بنائی۔ ماہام کے ایک اور ناول "Of Human

"Bondage" پر ہالی وڈ، امریکہ سے 1934ء میں ہدایت کار جان کرامویل نے فلم بنائی تھی۔ (حوالہ 9)

1372۔ ماہام، سمرسٹ: پرواز کے بعد

تلخیص و ترجمہ: مظہر الحق علوی

دہلی: ناز پبلشنگ ہاؤس۔ بھوجلہ پہاڑی، 1961ء

ص: 157

ناول: انگریزی سے تلخیص و ترجمہ۔ (حوالہ: 9، 16)

1373۔ ماہام، سمرسٹ: کیک اور شراب

ترجمہ: محمد عقیل، (ڈاکٹر) سید

الہ آباد: ناول پبلشرز، 1963ء

ص: 195

ناول: ہارڈی کی زندگی کے حوالے سے۔ ڈاکٹر سید محمد عقیل کا تعلق الہ آباد سے ہے۔ آپ شاعر مصطفیٰ زیدی کے کلاس فیلو تھے۔ الہ آباد یونیورسٹی سے پروفیسر ریٹائر ہوئے۔ ترقی پسند نقاد ہیں۔ (حوالہ 2، 9)

1374۔ ماہر جاسوس

ترجمہ: عبدالعزیز جعفری

ناول: برطانوی ناول 'شیڈو ڈٹکٹو' کا ترجمہ، 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 4)

1375۔ مجلسِ ہفت ملوک

ترجمہ: غلام مصطفیٰ رسا حیدر آبادی

حیدر آباد دکن:

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ ''برادر ہیڈ آف سیون کنگز'' کا ترجمہ۔ (حوالہ 2، 5)

1376۔ محبوبۂ شام

ترجمہ: آغا رفیق بلند شہری

لکھنؤ: اشاعت العلوم پریس

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

1377۔ محبوبۂ قریش

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: خادم التعلیم اسٹیم پریس،

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

1378۔ محبوبۂ نمرود

ترجمہ: ندیم صہبائی

دہلی: نوبہار بک ڈپو،

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:7)

1379۔ محقق خاتون

ترجمہ: حفیظ الدین

دہلی: شفیع فاروق احمد

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:7)

1380۔ مخفی دنیا

ترجمہ: ایم۔جے عالم

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو۔س۔ن

ناول: سائنس فکشن۔ عجیب وغریب واقعات سے معمور ناول۔ (حوالہ:9، 11)

1381۔ مخمور عشق

ترجمہ: رشید لکھنوی،

ناول: 'مسٹریز آف گلنکو' کا ترجمہ۔ جس میں شراب نوشی اور ناعاقبت اندیشی کا انجام دکھایا گیا ہے۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ:4)

1382۔ مریم کی داستان

ترجمہ: ن۔ن

دہلی: نوبہار بک ڈپو

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:7)

1383۔ مسٹر نکھٹو 55ء

ترجمہ: ن۔ن

کراچی: ماہنامہ 'سی۔آئی۔اے' پرویز، پبلی کیشنز جمشید روڈ کراچی، نمبر5

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2)

1384۔ مارلو، ڈان۔ جے: مصنوعی چہرہ

ترجمہ: ایف۔ایم۔صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Operation Whiplash' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1385۔ میک اوائے، چارلس: مطلبی دنیا

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ناول: 'براس فیسز' کا ترجمہ۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 2، 4، 7، 11)

1386۔ معاشقۂ نپولین

ترجمہ: آزاد

دہلی: کتاب خانہ علم و ادب

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

1387۔ مقدس جوتا

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

جاسوسی ناول: 'دی کوئیسٹ آف دی سیکرڈ سلپرز' کا ترجمہ۔ ہندوستان کے شاہی قبرستان سے ایک جوتے کی کہانی۔ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 4، 7)

1388۔ مکار سرپرست

ترجمہ: بابو امداد حسین

ناول: انگریزی ناول کا ترجمہ جس میں میڈی لائن کی بیکسی اور ڈاکٹر بارتی کی مکاری نمایاں کی گئی ہے۔ کتاب 1939ء سے قبل شائع ہوئی۔ (حوالہ: 4)

1389۔ مکافاتِ عمل

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نیشنل لٹریچر کمپنی، س۔ن

جاسوسی ناول: کتاب 1944ء سے قبل شائع ہوئی۔ (حوالہ: 7)

1390۔ مکنٹاس، جے۔ ٹی: موجِ بلا

ترجمہ: مظہر الحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ م، س۔ ن

ص: 300

ناول: سنسنی خیز ناول۔ (حوالہ: 9، 16)

1391۔ ملک راج آنند: قُلی

ترجمہ: ن۔ ن

بمبئی: کتب پبلشرز 1948ء

ص: 464

ناول: معاشرتی ناول کا انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 9)

1392۔ ملکۂ کہسار

ترجمہ: ایم۔ جے عالم

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ، س۔ ن

ناول: کوہستانی قبائل کی زندگی کے حوالے سے لکھے گئے 'Daughter of Manlezooma' کا اردو ترجمہ۔

(حوالہ: 9)

1393۔ موپاساں، گائے ڈی: آدمی اور انڈے

ترجمہ: نوح فاروقی

دہلی: انڈیا پبلشرز، 1955ء

ناول: Maupassant کی فرانسیسی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

1394۔ موپاساں، گائے ڈی: بل ایمی

ترجمہ: محمد احسن فاروقی، ڈاکٹر

کراچی: سید اینڈ سید ٹمپل روڈ، طبع اوّل: اکتوبر 1960ء

ناول: فرانسیسی ناول 'Bel Ami' کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 16)

بقول ٹالسٹائی:

موپاساں کا مطالعہ اتنا عمیق اور مشاہدہ اس قدر وسیع ہے کہ وہ معمولی معمولی جزئیات کو بعض اوقات اس انداز سے طول دیتا ہے کہ یہ تفصیل بجائے خود ایک کہانی بن جاتی ہے۔

ٹالسٹائی کی اس بات کی صداقت جاننے کے لئے موپاساں کے ناول 'بل ایمی' کا مطالعہ لازم ہے۔ اس ناول کے مترجم ڈاکٹر احسن فاروقی ترجمے کے باب میں لکھتے ہیں:

> ناول کے ترجمہ کے سلسلے میں دو زبانوں کی طرف بطور خاص توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ پہلی یہ کہ اگرچہ ترجمہ آزاد نہیں ہے تاہم میں نے اردو کے مزاج اور موجودہ ادبی رجحانات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ترجمہ میں وہ اکھڑا اکھڑا پن محسوس نہ ہو جو باوجود انتہائی رواں ترجمے کے بھی اکثر ناولوں میں باقی رہ جاتا ہے اور اس کی وجہ محض یہ ہوتی ہے کہ مترجم بدیسی ادب کو اپنی زبان میں منتقل کرتے ہوئے اپنی زبان کے مخصوص مزاج کو یکسر نظرانداز کر دیتے ہیں۔ ... میں نے اس سے احتراز کرنے کی کوشش کی ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں نے اکثر ناموں کو قارئین کی آسانی کے پیش نظر مخفف کر دیا ہے مثال کے طور پر مادام دی ماریلی کو صرف ماریلی، رابرٹ دی دارچین کو صرف رابرٹ اور لادی فرانسائی کو صرف فرانسائی رہنے دیا ہے اور اس سلسلہ میں بھی میرا مقصد یہی تھا کہ عبارت کی روانی بے ہنگم اور غیر مانوس ناموں کی وجہ سے مجروح نہ ہو۔
>
> (ص: 5، 7 سے اقتباس)

ترجمے سے نمونہ عبارت ملاحظہ ہو:

> اُس کا ساتھی خاموش اور متفکر تھا، پھر وہ ایک دم سے بولا ...... 'تم صحافت میں کیوں نہیں آ جاتے؟
> دورائے چونک کر اسے دیکھنے لگا: 'بھئی بات یہ ہے کہ میں نے کبھی کوئی چیز نہیں لکھی؟'
> 'اماں جاؤ بھی... ہر شخص کوشش کر سکتا ہے، میں تمہیں کام دے سکتا ہوں۔ تم میرے بجائے خبروں کی تلاش میں جا سکتے ہو، لوگوں سے ملو اور سوالات کرو۔ شروع شروع میں تمہیں دو سو پچاس فرانک اور گاڑی کا کرایہ ملے گا۔ کہو تو میں ایڈیٹر سے تمہاری بات چیت کروں؟'
> 'ہاں۔ ہاں ضرور۔'
>
> (ص: 17 سے اقتباس)

1395۔ موپاساں، گائے ڈی: شیلا

ترجمہ: نخی حسن نقوی
لکھنؤ: نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ، س۔ن
ص: 299
ناولٹ: فضا اور مقام بدل دیئے گئے ہیں۔ (حوالہ: 9، 16)

1396۔ موپاساں، گائے ڈی: ایک دل

ترجمہ: قاسم محمود، سیّد
لاہور: مکتبہ جدید بہ اشتراک موسسہ فرینکلن
ناول: فرانسیسی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11، 16)

1397۔ موت کا درخت

ترجمہ: غلام محی الدین

لاہور: ہاشمی بک ڈپو،

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:7)

1398۔ موت کی لکیر

ترجمہ: گلزار ناہید

لکھنؤ: کتابی دنیا، س۔ن

ص: 319

ناول: اسراری ناول کا ترجمہ۔ (حوالہ:9)

1399۔ موڈی، رالف: نیا گھر

ترجمہ: بال کرشن

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی۔ نریندرا پیلس، س۔ن

ص: 322

ناول: انگریزی ناول کا ترجمہ۔ (حوالہ:9،12)

1400۔ موراویا، البرتو: گمراہ

ترجمہ: جعفری، ایس۔ اختر

لاہور: مکتبہ القریش، س۔ن

ص: 592

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2،10،11)

1401۔ موریر، ڈافنے۔ ڈی: کوہ ریتا

ترجمہ: عقیل احمد

کراچی: ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی: ایجوکیشنل پریس، 1960ء

ناول: فرانسیسی ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2،16)

1402۔ مون، پنڈرل: اجنبی حکمران

ترجمہ: ن۔ن

کراچی: لارک پبلشرز بندر روڈ، س۔ن

ناول:　انگریزی سے ترجمہ۔　(حوالہ:2،10،11)

1403۔ مہ جبیں جاسوسہ

ترجمہ:　سردار حسین بہزاد

ناول:　جاسوسی ناول 'دی سن رپیٹرائٹ' کا ترجمہ۔ ناول میں ڈاکٹر ملٹن مرکزی کردار ہے۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔　(حوالہ 4)

1404۔ میٹھا زہر

ترجمہ:　تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور:　آفتاب عالم پریس، س۔ن

جاسوسی ناول:　انگریزی سے ترجمہ۔ کتاب 1944ء سے قبل شائع ہوئی۔　(حوالہ:7)

1405۔ میرا پہلا گناہ (6 جلدیں)

ترجمہ:　عزیز الرحمٰن رئیس

مین گنج اوناؤ: ڈاکخانہ میاں گنج اوناؤ، یو۔پی، 1957ء

ص جلد اوّل:　296

ص جلد دوم:　294

ص جلد سوم:　301

ص جلد چہار:　304

ص جلد پنجم:　288

ص جلد ششم:　256

ناول:　انگریزی کی معرفت ترجمہ۔　(حوالہ:9،16)

1406۔ میرائی، تائی بور: دشمن

ترجمہ:　شاہد احمد دہلوی

کراچی:　رسالہ 'ساقی' ناولٹ نمبر 1960ء

ناولٹ:　فرد فرد اشتراکی زندگی کی تصویر کشی۔ روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ شاہد احمد دہلوی نے 'دشمن' کے قبیل کی دو اور تصانیف 'عثمان بطور' اور 'دھان کا گیت' کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ ان تینوں کتابوں میں اشتراکیت کا مضحکہ اڑایا گیا ہے۔　(حوالہ:2،11)

1407۔ میریڈتھ، فلورنس: حیات بعد الموت

ترجمہ: ن۔ن

نام مطبع و سنہ ندارد

ناول: 'There is not Death' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 13، 16)

1408۔ میری عینک

ترجمہ: ظفر علی خاں، مولانا

حیدرآباد دکن: نام مطبع ندارد، 1921ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 8)

1409۔ میکڈانلڈ، جان۔ڈی: خطا کا پتلا

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'Find a Victim' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1410۔ میکڈانلڈ، جان۔ڈی: ہلاکو خنجر

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر۔ اقبال روڈ،

جاسوسی ناول: 'The Dagger Affair' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1411۔ میکڈانلڈ، جان۔ڈی: قاتل مصور

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1412۔ میکڈانلڈ، جان۔ڈی: قاتل دوست

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز، کتاب گھر، اقبال روڈ۔

جاسوسی ناول: 'Soft Touch' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1413۔ میکڈانلڈ، جان۔ڈی: موت کا جال

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز، کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Death Trap' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1414۔ میکڈانلڈ، روز: فریبی حسینہ

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز، کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Meet Me At The Morgue' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1415۔ میکلن، ایسٹر: رات کا کالا کفن (دو جلدیں)

ترجمہ: مظہرالحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، 1965ء

ص: 469

ناول: اسراری ناول بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ انجام طربیہ ہے۔ یہ ترجمہ دوسری بار سلیم پبلشنگ ایجنسی بہادر مارکیٹ۔ ٹمپل روڈ کراچی نے شائع کیا۔

1416۔ میکلن، ایسٹر: جنگی منصوبہ

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'South By Java Head' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1417۔ میکلن، ایسٹر: خوف کی کلید

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Fear is The Key' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1418۔ میکلن، ایسٹر: لٹکتی لاشیں

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز، کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Puppet On A Chain' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1419۔ میکلن، ایسٹر: سونے کی چوری

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز، کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'the Golden Renezueous' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1420۔ میکلن، ایسٹر: گولڈن گیٹ

ترجمہ: طاہر رانا

راولپنڈی: کامران سیریز، کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The Golden Gate' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1421۔ میکلن، ایسٹر: قاتلوں کا قافلہ

ترجمہ: صدیق احمد

راولپنڈی: کامران سیریز، کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Carvan to Uaccares' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1422۔ میلول، ہرمن: موبی ڈک

ترجمہ: چندر موہن لانبہ

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی۔ ریگل بلڈنگ، 1959ء

ص: 432

ناول: اس مشہور زمانہ ناول کا ایک ترجمہ 'موبی ڈک' کے نام سے محمد حسن عسکری نے بھی کیا ہے۔ ناول پر ہالی وڈ امریکہ سے فیچر فلم بھی بن چکی ہے جس کا مرکزی کردار گریگری پیک نے ادا کیا۔ (حوالہ: 9)

1423۔ میلول، ہرمن: مابی ڈک

ترجمہ: محمد حسن عسکری

لاہور: شیخ غلام علی: بہ اشتراک موسسہ، فرینکلن، 1967ء

ص: 512

ناول: 'Moby Dick' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 17)

مشہور نفسیات دان کارل یونگ نے اپنے مضمون 'ادب اور نفسیات' میں اس ناول کو اس کی موضوعاتی رفعت اور کرداری سطح پر عمیق تجزیہ نگاری کے سبب امریکی دنیا کا سب سے بڑا ناول قرار دیا ہے۔

ہرمن میلول نے اس ناول میں وہیل مچھلی کے شکار کے حوالے سے ایک ایسا استعاراتی فلک الافلاک بنا ہے جس میں سمندری

ملاحوں کی طبقاتی نفسیات کے ساتھ ساتھ ازلی انسانی مقدر کی کارفرمائی دکھائی گئی ہے۔ یہ کام میلول نے بیانیہ قصے کے دوران میں اِکا دُکا غیر متعلق جملوں کے ذریعے کیا ہے۔ مثال دیکھیے:

''یا پھر بات یہ ہے کہ سفید رنگ درحقیقت ایک رنگ نہیں بلکہ رنگ کی غیر موجودگی کا نام ہے، اور ساتھ ہی ساتھ سارے رنگوں کا نچوڑ بھی ہے۔ لہٰذا ہمیں برف کے وسیع میدان میں ایک گونگی لیکن معنی خیز خلاء نظر آتی ہے۔ لامذہب کی ہمہ رنگ بے رنگی، جس سے ہم آنکھ چراتے ہیں۔''

(ص 188 سے اقتباس)

میلول کی منظر نگاری اور جزئیات کے تجزیے میں تازہ کاری دوسری بڑی خصوصیت ہے جو اس ناول کو فنی اعتبار سے عظمت بخشتی ہے۔ مثال دیکھیے:

لیکن سب سے زیادہ الجھن میں ڈالنے والی چیز یہ تھی کہ ایک عجیب قسم کے سفید ہریرے میں تین دھندلی نیلے رنگ کی عمودی لکیریں تیر رہی تھیں اور ان کے اوپر تصویر کے بیچوں بیچ کوئی عظیم الجثہ اور چکدار سی کالی کالی چیز منڈلا رہی تھی۔ غرض یہ تصویر کیا تھی ایک گند گھپول تھا، جس میں نہ جانے کیا کیا بلا بتر بھر رکھا تھا، کہ اعصابی مزاج کا آدمی دیکھے تو پاگل ہو جائے۔

(ص 23 سے اقتباس)

میلول نے بعض مقامات پر جذبات کا تجزیہ فکر محض کی زبان میں کیا ہے اور بلاشبہ محمد حسن عسکری نے 'موبی ڈک' کے ایسے حصوں کو کمال خوبی سے اردو میں منتقل کیا ہے۔ چند سطریں ملاحظہ ہوں:

جب کبھی میں اپنا یہ حال دیکھتا ہوں کہ چہرے سے وحشت ٹپک رہی ہے۔ روح پڑے پڑے سیل گئی ہے اور اب پھپھوندی لگنے لگی ہے۔ چلتے چلتے خواہ مخواہ تابوت کی دکانوں کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ جو بھی جنازہ سامنے سے آئے اُس کے ساتھ ہو لیتا ہوں، اور خاص طور سے جب میرے دماغ کو اتنی گرمی چڑھ جاتی ہے کہ میرے اخلاقی اصول مجھے نہ روکیں تو دیدہ دانستہ سڑک پر جا کے بہ اہتمام بلیغ لوگوں کے سر چپاتا شروع کر دوں گا۔

(ص 13 سے اقتباس)

اس نوع کے ترجمے کو دیکھ کر یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اُردو کے تخلیقی اور نثری اسالیب بیان کو بڑھاوا دینے میں محمد حسن عسکری کا نام کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔ یہ عسکری صاحب کی شعوری کوشش تھی۔ وہ خود کہتے ہیں:

مجھے اپنے آپ سے بار بار یہ سوال پوچھنا پڑتا ہے کہ جن ترجموں سے تخلیقی ادب پر کوئی اثر نہ پڑے ان کا جواز کیا ہے۔ ترجمے کا تو مقصد ہی یہی ہونا چاہیے کہ خواہ ترجمہ ناکام ہو مگر ادیبوں اور پڑھنے والوں کے سامنے ذرائع اظہار کے نئے مسائل آئیں۔

(''گر ترجمے سے فائدہ اخفائے حال ہے'' مشمولہ: ستارہ یا بادبان)

ہرمن میلول کی اس ناول کو ہالی وڈ کی فلم کمپنیوں نے تین بار فلمایا ہے۔ پہلی بار 'The Sea Beast' کے نام سے 1942ء میں، دوسری بار بھی 'Moby Dick' کے نام سے (دونوں فلموں میں جان بیری مور نے مرکزی کردار ادا کیا) اور تیسری بار بھی 'Moby

'Dick' ہی کے نام سے 1956ء میں۔ آخرالذکر فلم جان ہسٹن کی ہدایت کاری میں بنی۔ اس فلم میں گریگری پیک نے کیپٹن اہاب کا مرکزی کردار ادا کیا تھا۔

2007ء میں یہی ترجمہ فکشن ہاؤس، لاہور نے شائع کیا ہے۔

1424۔ مینکس، ڈینئل: غلاموں کے سوداگر

ترجمہ: مظہرالحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ، 1961ء

ص: 706

ناول: اسراری ناول طبع دوم: 1962ء۔ 'Kiboko' کا انگریزی سے ترجمہ۔ (ص: 711) (حوالہ: 2، 9)

1425۔ نادرشاہ اور ستارہ

ترجمہ: شبلی بی۔کام

لاہور: عالمگیر بک ڈپو، 1941ء

ناول: (حوالہ: 7)

1426۔ نجم السحر

ترجمہ: عنایت اللہ دہلوی

دہلی: ساقی بک ڈپو

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

1427۔ ندائے روح

ترجمہ: مظہرالحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ، 1976ء

ص: 518

ناول: اسراری ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 9)

1428۔ ندی کنارے

ترجمہ: ن۔ن

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی۔ نریندرا پیلس، س۔ن

ص: 208

ناول: امریکی دیہاتی زندگی سے متعلق معاشرتی ناول (حوالہ: 9)

1429۔ نشیلی وبا

ترجمہ: ن۔ن

کراچی: ماہنامہ ’سی۔آئی۔اے‘ پرویز پبلی کیشنز جمشید روڈ، کراچی نمبر 5

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2)

1430۔ نغمۂ شباب

ترجمہ: سراج الدین احمد

لاہور: کنول بک ڈپو،

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

1431۔ نقاب پوش بہرام

ترجمہ: ندیم صہبائی

دہلی: نوبہار بک ڈپو

ناول: جاسوسی ناول کا انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

1432۔ نقلی رئیس

ترجمہ: ندیم صہبائی

لاہور: نوبہار بک ڈپو

ناول: جاسوسی ناول کا انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

1433۔ نمک حرام سیکرٹری

ترجمہ: نوازش علی

لاہور: جے۔ایس۔سنت سنگھ

ناول: جاسوسی ناول کا انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

1434۔ نون، اے: شامت اعمال

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

دہلی: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ص: 352

ناول: اسراری ناول کا انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 9، 12)

1435۔ نیرنگِ مغرب

ترجمہ: یزدانی جالندھری

لاہور: نیشنل لٹریچر کمپنی

ناول: جاسوسی ناول کا انگریزی سے ترجم (حوالہ: 7)

1436۔ نیل کی ساحرہ

ترجمہ: مظہرالحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ، 1958ء

ص: 428

ناول: مصر کی ملکہ قلوپطرہ کی زندگی کے حوالے سے (حوالہ: 9)

1437۔ نیومین، الفرڈ: محبِ وطن

ترجمہ: خواجہ عبدالکریم

نام مطبع وسنہ ندارد

ناول: جرمن ناول کا ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 2،2)

1438۔ وادیٔ پُرخار

ترجمہ: یزدانی جالندھری

لاہور: کتابستان اردو، 1941ء

ناول: (حوالہ: 7)

1439۔ والٹر، لارڈ: قیامت کی رات

ترجمہ: عابد علی عابد، سیّد

نام مطبع ندارد، طبع اوّل 1959ء

ناول: 'A Night to Remember' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 11، 16)

ناول نگار لارڈ والٹر نے اسے سچا واقع قرار دیا ہے۔ یہ ایک جہاز 'ٹائی ٹینک' کی حیرتناک تباہی کی داستان ہے۔ مصنف دیباچے میں لکھتے ہیں کہ 1898ء میں ایک نوعمر ناول نگار مارگن رابرٹس نے ایک ایسے عظیم الشان بحری جہاز کا تصور پیش کیا تھا جسے دنیا کی کوئی چیز تباہ نہیں کرسکتی لیکن آخرکار وہ جہاز ایک برف کے بڑے تودے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا ہے۔ لارڈ والٹر کے کہنے کے مطابق برطانوی جہاز ساز کمپنی وائٹ سٹار لائین نے اس ناول کے طبع ہونے کے ٹھیک چودہ برس بعد اُسی نوع کا ایک جہاز تیار کیا جس کا وزن طول وعرض حتیٰ کہ رفتار تک مارگن رابرٹس کے خیالی جہاز سے مماثلت رکھتی تھی۔ لیکن اتفاق سے اس برطانوی جہاز کا

بھی وہی انجام ہوا جس کی طرف اشارہ ناول میں کیا گیا تھا۔

عابد علی عابد صاحب کے ترجمے میں لارڈ والٹر کے ناول کی دلچسپی کا عنصر جوں کا توں ملتا ہے۔ ترجمے کی عبارت سے نمونہ ملاحظہ ہو:

Not far away two young stewards idly watched Lightoller,humming and the others at work, In the fading light of the boat deck , their starehed white jackets stood out as they leaned against the rail, debating how long the ship could last- scattered around the boat deck, some 15 first class bell boys were equally at case. They seemed pleased that nobody cared any longer whether they smoked . Nearby, gymnasium instructor T.W Mc Cawley, a spry little man in white flannels, explained why he would not wear a life Jacket. It kept you afloat but it slowed you down. He felt he could swim clear more quickly without it.

ذرا دور جہاز کے دو ملازم کھڑے لائی ٹولر، ہیمنگ اور دوسرے ملازموں کو کام کرتے دیکھ رہے تھے۔ کشتیوں کے عرشے پر روشنی کم تھی۔ لیکن ان لوگوں کی سفید کلفدار قمیصیں صاف نظر آ رہی تھیں۔ یہ لوگ جنگلے کا سہارا لئے بحث کر رہے تھے کہ جہاز کب تک ڈوبے گا۔ یہی درجہ اوّل کے مسافروں پر جو ملازم مامور تھے، وہ بڑے مزے سے ٹہل رہے تھے۔ وہ اسی بات میں مگن تھے کہ انہیں کوئی سگرٹ پینے سے ٹوکتا نہیں۔ ورزش گاہ کا استاد میکالے سفید فلالین کی پتلون پہنے بڑے ٹھسے سے کھڑا تھا اور بتا رہا تھا کہ میں بچاؤ صدری کیوں نہیں پہنتا۔ تیر تو سکتا ہے آدمی لیکن رفتار سست ہو جاتی ہے صدری نہ ہو تو انسان خوب جلدی تیر سکتا ہے۔

(ص: نمبر 132، 131)

20 ویں صدی کے چھٹے دہے میں اس ناول کی کہانی پر ہالی وڈ، امریکہ سے ''ٹائی ٹینک'' نام کی فلم بنی۔ بعدازاں 1997ء میں ہالی وڈ، امریکہ کے مشہور ہدایت کار جیمز کیمرون نے اسی موضوع پر ''ٹائی ٹینک'' نامی ایک لاجواب فلم بنائی، جس نے گیارہ آسکر ایوارڈز حاصل کیے۔ اس سے قبل ایک فلم ''بن حر'' کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس فلم نے بھی گیارہ آسکر حاصل کیے تھے۔

جیمز کیمرون کی عظیم فلم ''ٹائی ٹینک'' میں انتہائی متمول گھرانے کی لڑکی کا کردار کیٹ ونسلٹ نے ادا کیا اور آسکر ایوارڈ پایا۔ مفلس گھرانے کے کھلنڈرے لڑکے کا کردار مشہور اداکار لیونارڈو دی کیپریو نے ادا کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کہانی کی اصل ہیروئن اُس وقت تک زندہ رہی جب فلم ''ٹائی ٹینک'' کی کاغذی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

1440۔ والٹیئر: کاندید

ترجمہ: سجاد ظہیر

نئی دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ، طبع اوّل مارچ 1957ء

ص: 307

ناول: 22 ابواب پر مشتمل فرانسیسی ناول 'کندید' کا ترجمہ۔ ناول کا پیش لفظ سفیر فرانس استانس لاسن اوسترو روگ نے

لکھا ہے۔ فرانسیسی فلاسفر، ڈراما نگار اور ناول نگار والٹیر (اصل نام: فرینکو ماری) نے 1717ء میں حکومت کے خلاف بیان بازی کے نتیجہ میں 23 برس کی عمر میں گیارہ ماہ بیسل جیل میں گزارے۔ اس دوران میں اس نے اپنا پہلا ڈراما 'Oedipe' لکھا۔ 1726ء تا 1729ء میں برطانیہ رہ کر جلاوطنی کی سزا کاٹی۔ فرانس واپسی کے فوراً بعد جان لاک اور نیوٹن کے خیالات سے متاثر ہو کر اُس نے برطانوی سیاسی نظام میں آئینی بادشاہت کے تحت مذہبی رواداری کی تعریف کی تو حکومت فرانس نے اسے ملک دشمن قرار دے کر ملک بدر کر دیا۔ یوں 1734ء تا 1778ء اپنی زندگی کا بیشتر حصہ جلاوطنی میں گزارا۔ اسی دوران میں اُس نے ''کاندیدٗ'' (ناول) لکھا۔ 1778ء میں وہ تراسی برس کا تھا جب اُسے پیرس، فرانس واپس آنے کی اجازت ملی۔ جب پیرس پہنچا تو اپنے جذبات قابو نہ رکھ سکا اور انتقال کر گیا۔

چرچ کے خلاف بیانات دینے کے نتیجہ میں اُسے کسی چرچ کے قبرستان میں دفنانے کی اجازت نہ ملی تو ایک الگ تھلگ جگہ پر اُسے دفنا دیا گیا۔

ایک ترجمہ جسے سجاد ظہیر کے ترجمے کا چربہ کہنا چاہیے 'امید پرست' کے نام سے بشیر ساجد نے شائع کروایا۔ یہ کتاب بک ہوم، لاہور نے بھی 2007ء میں شائع کر دی ہے۔ (حوالہ: 2،9)

1441۔ والٹیر: امید پرست

ترجمہ: بشیر ساجد

لاہور: مکتبہ جدید، طبع اوّل 1967ء

ناول: فرانسیسی ناول کندید، کا ترجمہ۔ ایک ترجمہ سجاد ظہیر نے 'کاندیدٗ' کے نام سے 1957ء میں کیا تھا۔

(حوالہ: 2، 10، 11، 16)

1442۔ والس، الفرڈ: عجیب وغریب صدی

ترجمہ: ن۔ن

لکھنؤ: منروا پبلشنگ کمپنی، س۔ن

ص: 200

ناول: انگریزی کی معرفت۔ (حوالہ: 1، 2)

1443۔ والگا سے گنگا تک

ترجمہ: طفیل احمد

الہ آباد: مطبوعات کتاب محل، س۔ن

ص: 319

ناول: روسی زبان کے ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ تخیلاتی ناول، ہندوستان اور روس دوستی سے متعلق ہے۔

اس ناول کو ترجمہ کرنے میں ظ۔انصاری صاحب کی مدد بھی حاصل رہی۔ (حوالہ 9)

1444۔ وائلڈر، لارا اینگلز: ننھا منا گھر

ترجمہ: اشوک پجاری

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی، نریندرا پیلس، س۔ن

ص: 200

ناول: معاشرتی و سیاسی ناول امریکی زندگی پیش کرتا ہے۔ (حوالہ 8)

1445۔ وائلڈر، لارا، اینگلز: جنگل کی جھونپڑی

ترجمہ: آفتاب احمد صدیقی

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی۔نریندرا پیلس، 1960ء

ص: 199

ناول: امریکی ناول جس میں مرکزی کردار ایک ایسی لڑکی کا ہے جو جنگل میں پروان چڑھی۔ اس کے ماں باپ جنگلی جانوروں کا شکار کرتے اور جنگل کی زندگی سے دلچسپی رکھتے تھے۔ (حوالہ 9)

1446۔ وائلڈر، لارا اینگلز: سنہرے دن

ترجمہ: اشوک پجاری

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی۔نریندرا پیلس، س۔ن

ص: 256

ناول: امریکی زندگی سے متعلق سماجی ناول۔ (حوالہ 9)

1447۔ وائلڈرلن، روز: زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے

ترجمہ: رئیس احمد جعفری

لاہور: بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ امریکی ناول۔ (حوالہ: 2، 17)

1448۔ وڈہاؤس، جے۔بی: بلبل نغمۂ صحرا

ترجمہ: ستار طاہر

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

1449۔ ورن، جولیس: پاتال کی سیر

ترجمہ: ساغر اکبرآبادی

ناول: جغرافیائی معلومات کا حامل ناول جس میں افسانوی انداز اپناتے ہوئے کرۂ زمین کی اندرونی حالت کا بیان کیا گیا ہے۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 4)

1450۔ ورن، جولیس: سمندر میں

ترجمہ: نجم اعزاز

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، 1978ء

ناول: مہماتی سلسلہ۔ انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 4)

1451۔ ورن، جولیس: زمین کے اندر

ترجمہ: نجم اعزاز

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، 1978ء

ص: 84

ناول: انگریزی مہماتی کہانی کا ترجمہ، طباعت لیتھو۔ اس ناول کا ترجمہ 'پاتال کی سیر' کے عنوان سے ساغر اکبرآبادی نے کیا تھا۔

1452۔ ورن، جولیس: سمندر کی سیر

ترجمہ: ساغر اکبرآبادی

ناول: افسانوی انداز میں سمندر کے اندرونی اور بیرونی مظاہر کا بیان۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 4)

1453۔ ورن، جولیس: طواف زمین

ترجمہ: رشید احمد، منشی

لکھنؤ: منروا پبلشنگ کمپنی

ناول: جو صدہا عجیب و غریب معلومات سے پٹا پڑا ہے۔ لندن کے بینک میں چوری۔ ہند، چین و جاپان کے عجائب اور ریل گاڑی سے انجن ٹوٹ کر الگ ہو جانے کا واقعہ وغیرہ۔ کتاب 1939ء میں شائع ہوئی۔ یہ 'Around The World In 80 Days' کا ترجمہ ہے۔ اس کتاب کا ایک ترجمہ 'سیاحتِ زمین' کے نام سے بھی ہو چکا ہے۔ اسی ناول سے آئیڈیا لے کر راج کپور نے ''اراؤنڈ دی ورلڈ'' رنگین فلم بنائی۔ فلم کے ہیرو راج کپور تھے۔ بحری جہاز میں شوٹنگ کی گئی۔ مناظر کو بہت عمدگی سے فلم بند کیا گیا۔ ایک فلم بہت پہلے ہالی وڈ سے بھی بنی تھی۔ حال ہی میں جیکی چن کی ایک فلم آئی ہے۔

1454۔ ورن، جولیس: سیاحتِ زمین

ترجمہ: ن۔ن

ناول: 80 دن میں دنیا کا سفر کیا گیا اس کی روداد، آخر میں جغرافیائی نوٹ اور خط سفر درج ہے۔ اس ناول کا ایک ترجمہ 'طواف زمین' کے نام سے بھی کیا گیا ہے۔ (حوالہ: 4)

1455۔ ورنر، جیرالڈ: دریائی قزاق

ترجمہ: ایف۔ایم۔صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The River Men' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1456۔ ورنر، ہنری: خوفناک سایہ

ترجمہ: مسلم رحمانی

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The Yellow Shadow' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1457۔ وکٹر، کونرڈ: کھیت

ترجمہ: ظفر

نئی دہلی: ایس۔آر ریسرچ پبلی کیشنز، س۔ن

ص: 254

ناول: 'The Field' انیس ابواب پر مشتمل ناول کا ترجمہ۔ امریکہ کی دیہاتی زندگی کی عکاسی۔ (حوالہ: 9)

1458۔ ولفرڈ ایس، برونسن: خزانے کی تلاش

ترجمہ: شبلی ایم۔کام

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز

ص: 56

ناول: مصور ایڈیشن۔ ریڈ انڈین لڑکے کی بہادری کا قصہ۔ فیروزے کی کان کی تلاش۔ (حوالہ 16، 17)

1459۔ ولیم: ولیم ٹیل

ترجمہ: اسمٰعیل نعیم

ناول: سوئٹزر لینڈ کی آزادی کے پس منظر میں حب الوطنی کے جذبات ابھارتے ناول۔ 1939ء سے قبل شائع ہوئی۔

(حوالہ 4)

1460۔ ولیمز، ویلنٹائن: تلافیٔ گناہ

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ناول: اسراری ناول کا انگریزی سے ترجمہ 1944ء کے بعد شائع ہوا۔ یہ 'لنگڑا جاسوس' کا دوسرا حصّہ ہے۔

(حوالہ:2، 10، 11)

1461 ولیمز، ویلنٹائن: چڑیا کی ٹکی

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ناول. 'دی تھری آف کلبز' کا ترجمہ۔ گارڈ فری کا مجبوراً جاسوس بننا اور ورجنا فٹز جیرالڈ کی محبت کا بیان۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ اس ترجمے کا ایک ایڈیشن نیشنل لٹریچر کمپنی دہلی نے بھی شائع کیا۔ (حوالہ:2، 4، 11)

1462۔ ولیمز، ویلنٹائن: خنجرِ بیداد

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ناول: ملکۂ حسن کارمن کرین مور کے قتل کی داستان۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ ایک ایڈیشن مکتبہ آغوش لاہور نے شائع کیا۔ 2007ء میں ایک ایڈیشن فکشن ہاؤس، لاہور نے شائع کیا ہے۔ (حوالہ 2، 4)

1463۔ ولیمز، ویلنٹائن: کلب فٹ کا جاسوس

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ناول: یہ 'تلافیٔ گناہ' کا دوسرا حصّہ ہے۔ اس سلسلے کی پہلی ناول 'لنگڑا جاسوس' تھی۔ ترجمہ 1944ء کے بعدش ائع ہوا۔

(حوالہ:2، 10، 11)

1464۔ ولیمز، ویلنٹائن: کلب فٹ کی واپسی

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

ناول: یہ 'کلب فٹ کا جاسوس' کا دوسرا حصّہ ہے۔ ترجمہ 1944ء کے بعد شائع ہوا۔ یہ سلسلہ 'لنگڑا جاسوس'، 'تلافیٔ گناہ'، 'کلب فٹ کا جاسوس' اور 'کلب فٹ کی واپسی' چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ (حوالہ:2، 10، 11)

1465۔ ولیمز، ویلنٹائن: لنگڑا جاسوس

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل اینڈ سنز، س۔ن

ناول: 'تلافی گناہ' کا پہلا حصہ ہے۔ 1944ء کے بعد شائع ہوا۔ (حوالہ 2، 10، 11)

1466۔ وگ، ہلیری: روڈ بلاک

ترجمہ: ایف۔ایم۔صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Road Block' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1467۔ وہارٹن، ایڈتھ: عہدِ معصومیت

ترجمہ: ایس۔نرولا

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی۔ نریندرا پیلس، س۔ن (حوالہ:9)

1468۔ وہارٹن، ایڈتھ: باید زیستن

ترجمہ: محمود نظامی

لاہور: آئینہ ادب

ص: 312

ناول: دوسری بار مقبول اکیڈمی لاہور نے 1963ء میں شائع کیا۔ ص 205 'Ethan Frome' کا ترجمہ۔

(حوالہ:2، 10، 11)

1469۔ وہیٹلی، ڈینس: گرد باد

ترجمہ: مظہر الحق

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ، 1964ء

ص: 765

ناول: اس میں برطانیہ، افریقہ اور مصر کے مناظر نمایاں ہیں۔ مصر کے ایرانی فاتح کمبوچیہ کے خزانے کی تلاش کی گئی ہے۔

(حوالہ:9)

1470۔ وہیٹلی، ڈینس: گرد باد

ترجمہ: غلام محمد انجام فیروز پوری

ملتان: مکتبہ راہ نو۔ شاہین مارکیٹ، حرم گیٹ، س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی ترجمہ۔ ناول کا ہیرو سیکرٹ ایجنٹ جولین ڈے ہے۔ (حوالہ 2، 19)

1471۔ وہیٹلی، ڈینس: گرد باد کی واپسی

ترجمہ: غلام محمد انجام فیروز پوری

ملتان: مکتبہ راہ نو۔ شاہین مارکیٹ، حرم گیٹ

جاسوسی ناول: افریقہ کے صحراؤں میں ہٹلر کی فوج کشی اور ابوالہول کے سائے میں سیکرٹ ایجنٹ جولین ڈے کا کام۔ اس مشن کا آغاز ناول 'گرد باد' میں ہوا تھا۔ (حوالہ: 2، 19)

1472۔ وہیٹلی، ڈینس: ممنوعہ علاقہ

ترجمہ: ستار طاہر

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز،

ناول: سنسنی خیز مہماتی ناول۔ (حوالہ: 2، 10، 11، 16)

1473۔ وہیٹلی، ڈینس: یوم حشر

ترجمہ: غلام محمد انجام فیروز پوری

ملتان: مکتبہ راہ نو۔ شاہین مارکیٹ، حرم گیٹ

جاسوسی ناول: سائنس فکشن کے انداز میں۔ ایک سیّارہ اپنے مدار سے ہٹ کر زمین سے آ ٹکرایا اور کرۂ ارض پر حشر برپا ہو گیا۔ (حوالہ: 2، 19)

1474۔ وہیٹلی، ڈینس: شیطان کے پجاری

ترجمہ: ایف۔ ایم۔ صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The Devil Rides Out' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1475۔ وہیٹلی، ڈینس: سونا سمندر

ترجمہ: مظہر الحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ، 1924ء

ص: 247

ناول: رومانی ناول جس میں جنس نگاری نمایاں ہے۔ (حوالہ: 9)

1476۔ ویلڈا، گیرازیا: محبت عظیم ہے

ترجمہ: اسرار زیدی

لاہور: عوامی کتاب گھر، س۔ن

ص: 200

ناول: انگریزی کے معرفت ترجمہ۔ ایک ترجمہ قاسم محمود کا بھی ملتا ہے۔ (حوالہ 2، 10، 11)

1477۔ ویلیڈا، گیرازیا: محبت عظیم ہے

ترجمہ: قاسم محمود، سید

لاہور: مکتبہ شاہکار، 1976ء

ص: 41

ناول: انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ ایک ترجمہ اسرار زیدی کا بھی ملتا ہے۔ (حوالہ 5)

1478۔ ویراپانووا: یودوکیہ

ترجمہ: قرۃ العین حیدر

نئی دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ لمیٹڈ، 1965ء

ص: 119

ناول: روس کی افسانہ نگار ویراپانووا نے 1959ء میں اپنے ایک افسانے کو ناول کی صورت دی۔ یہ ایک ایسی باہمت عورت کی کہانی ہے جس نے اپنے پانچ یتیم بچوں کی خاطر زندگی قربان کی۔ (حوالہ 2، 9)

1479۔ ویرانہ ہستی

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری،

لاہور: دائرہ ادبیہ، 1944ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 7)

1480۔ ویگل، آرتھر: قلوپطرہ

ترجمہ: سلمیٰ تصدق

لاہور: ہاشمی بک ڈپو، س۔ن

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 7)

1481۔ ویگل، آرتھر: قلوپطرہ

ترجمہ: ناظر حسن زیدی، ڈاکٹر

لاہور: مکتبہ میری لائبریری، س۔ن

سوانح: قتالہ عالم اور مجسمۂ حسن و جمال کی سوانح کے ساتھ قدیم مصر اور قدیم روم کی تہذیب کی تصویر۔ انگریزی سے ترجمہ۔ مترجم ڈاکٹر ناظر حسین زیدی یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور میں اردو ادب کے استاد رہے۔ (حوالہ: 2، 11)

1482۔ ویلز، ایچ۔جی: چاند میں پہلا آدمی

ترجمہ: مظہر الحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، س۔ن

ص: 256

ناول: سائنس فکشن 'The First Man in The Moon' کا ترجمہ۔ ایچ۔جی ویلز نے سائنس فکشن لکھی۔ اُس کے صرف دو ناول اردو میں ترجمہ ہوئے۔ اُس کے دیگر ناولوں میں سے 'The War of The Worlds' پر مشہور فلمی ہدایت کار Byron Haskin نے ایک فیچر فلم تیار کی ہے 1953ء میں۔ (حوالہ 19)

1483۔ ویلز، ایچ۔جی: پراسرار جزیرہ

ترجمہ: مظہر الحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ، 1959ء

ص: 210

ناول: 'The Island of Dr. Moreao' کا ترجمہ۔ جس میں مترجم نے پلاٹ، ماحول اور کردار بدل دیئے ہیں۔

(حوالہ 9)

1484۔ ویلس، ایڈگر: انصاف

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نرائن دت سہگل، س۔ن

جاسوسی ناول: 'The four Just Men' کا انگریزی سے ترجمہ ہے۔ کتاب 1939ء سے قبل شائع ہوئی۔

(حوالہ 2، 4، 7)

1485۔ ویلس، ایڈگر: خوبصورت انتقام

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز: کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Four Square Jean' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1486۔ وینس کا بانکا

ترجمہ: محمد حنیف

ناول: انگریزی ناول کا ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ 4)

1487۔ ہاتھارن، نتھینئل: داغ رسوائی

ترجمہ: چندر موہن لانبہ

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی۔ ریگل بلڈنگ، 1959ء

ص: 232

ناول: امریکی ناول 'Scarlet Letter' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 9)

1488۔ ہاتھارن، نتھینئل: لال نشان

ترجمہ: سیّدہ نسیم ہمدانی

لاہور: سویرا آرٹ پریس بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

ناول: انگریزی سے امریکی ناول کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 17)

1489۔ کارپلی: نغمے کا قتل

ترجمہ: الطاف فاطمہ

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ (پاکستان)، 1969ء

ص: 262

ناول: انگریزی سے 'To Kill a Mocking Bird' کا ترجمہ ہے۔ اس ناول پر ہالی وڈ سے فلم بن چکی ہے جس میں اداکاری پر گریگری پیک کو آسکر ایوارڈ ملا۔ (حوالہ: 2، 16)

1490۔ ہارڈی، ٹامس: سوداگر شباب

ترجمہ: مجنوں گورکھپوری

گورکھپور: ایوان پریس، 1941ء

ناول: 'Two on a Tower' سے ماخوذ و ترجمہ۔ واقعات و کردار بدل دیئے گئے ہیں۔ ٹامس ہارڈی کے چار ناولوں کو فلمایا جا چکا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اتنے سال بعد کیوں؟ جب کہ ہارڈی کی مقبولیت نصف صدی قبل کی بات ہے۔ ہالی وڈ کے ہدایت کاروں ایچ۔ ڈیوڈ نے 1971ء میں ہارڈی کے ناول "Jude the Obscure"، جان سلسنگر نے 1969ء میں ہارڈی کے ناول "From The Madding Crowd"، رومان پولانسکی نے 1980ء میں ناول "Tess of The D'Urbervilles" اور مائیکل ونٹر بوٹم نے 1996ء میں ناول "Jude" پر انہی ناموں سے فلمیں بنائیں۔
مجنوں گورکھپوری تو ہارڈی کے شیدائی تھے۔ انہوں نے ہارڈی کو ترجمہ کر کے اُس سے ویسے ہی سیکھا، جس طرح قرۃ العین حیدر نے ہنری جیمز کو ترجمہ کر کے سیکھا۔ (حوالہ: 2)

1491۔ ہارڈی، ٹامس: صیدِ زبوں

ترجمہ: مجنوں گورکھپوری

گورکھپور: ایوان پریس، نومبر 1944ء

ص: 140

ناول: 'Wood Lander' کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2، 10، 11)

1492۔ ہارڈی ٹامس: ویرانہ دل

ترجمہ: شفیق بانو منہاج

لاہور: ناشرین، س۔ن

ص: 486

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ.2، 10، 11)

1493۔ ہارڈی، ٹامس: ہچکولے

ترجمہ: رئیس احمد جعفری

نام مطبع وسنہ ندارد،

ناول: 'Magor of Casterbridge' کا ترجمہ۔ (حوالہ 2، 10، 11)

1494۔ ہال، انگس: قصرِ ڈراکیولا

ترجمہ: مظہر الحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، 1977ء

ص: 246

ناول: یہ ڈراکیولا سلسلے کا تیسرا ناول ہے۔ انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ.9)

1495۔ ہال، ریڈکلف: تنہائی کا کنواں

تلخیص و ترجمہ: مخمور جالندھری

جالندھر: شاہین پبلشرز، 1967ء

ص: 192

ناول: 'Well of Long Lines' کی تلخیص و ترجمہ۔ (حوالہ.9)

1496۔ ہالٹ، ہنری: ضرورت ہے ایک قاتل کی

ترجمہ: ن۔ن

دہلی: جاسوسی پنجہ، دریبہ کلاں دہلی نمبر 6، طبع اول 1978ء

ص: 314

ناول: سنسنی خیز انگریزی ناول کا ترجمہ۔ (حوالہ:9)

1497۔ ہالیڈے، برٹ: ڈائری کا راز

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی:

ناول: 'Date With A Dead Man' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1498۔ ہالیڈے، برٹ: سونے کی کان

ترجمہ: ایف ایم۔صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'In a Deadly Vein' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1499۔ ہالیڈے، برٹ: قاتل یا مقتول

ترجمہ: ایف۔ایم۔صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز، کتاب گھر، اقبال روڈ۔

جاسوسی ناول: 'The Uncomplaining' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1500۔ ہربرٹ، ایڈمز: ویران محل

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: فاروقی بک ڈپو

ناول: اسراری ناول انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2،10،11)

1501۔ ہرٹزلڑ، آرتھر۔ای: ڈاکٹر بگھی

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: ہوم لائبریری کا پوسٹ بکس 374

ص: 230

جاسوسی ناول: کتاب کا انتساب پول۔ بی۔ ہور کے نام ہے۔ کاپی رائٹ 1938ء۔ دیباچہ میں مصنف نے اسے اپنے عہد کی تاریخ کہا ہے۔ ناول میں خودنوشت کا انداز اپنایا گیا ہے۔ 'خدایا! ہمیں خناق سے بچانا' سے ناول کی ابتداء ہوتی ہے۔

(حوالہ:2،19)

1502۔ ہرمن، اگنات: بے برگ و گیاہ

ترجمہ: حمید اختر

کراچی: سنگم پبلشنگ ہاؤس، 1954ء

ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2، 10، 11)

1503۔ ہلاسکو: آٹھواں دن

ترجمہ: تسکین علیگ، ایم

لاہور: پبلشرز یونائیٹڈ بہ اشتراک فرینکلن

ناول: امریکہ سے شائع ہونے والے ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 17)

1504۔ ہملٹن، جان: ننگی لاشیں

ترجمہ: ایف۔ایم۔صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال، س۔ن

جاسوسی ناول: 'The Persecuto' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 18، 19)

1505۔ ہملٹن، ڈونالڈ: شب کا مسافر

ترجمہ: سراج الدین شید ا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Night Walker' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1506۔ ہملٹن، لارڈ فیڈرک: روحوں کا اخراج

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: لال برادرز، 1922ء

جاسوسی ناول: 'اے ٹریبوٹ آف سولز' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 74)

1507۔ ہنری، او: لاکھوں کا شہر

ترجمہ: ابن انشاء

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س۔ن

ناول: اس ناول کا ایک ترجمہ سلیم صدیقی نے بھی کیا ہے۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

1508۔ ہنری، او: لاکھوں کا شہر

ترجمہ: سلیم صدیقی

کراچی: لارک پبلشرز، س۔ن

ناول: اس ناول کا ایک ترجمہ ابن انشاء نے بھی کیا ہے۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

1509۔ ہنری، او: حسین دھوکہ

ترجمہ: سلیم صدیقی

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، س۔ن

ص: 516

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

1510۔ ہنری، جان۔ او: طوفان کے بیچ

ترجمہ: ن۔ن

نئی دہلی: دلّی پریس۔ س۔ن

ص: 100

ناول: تاریخی ناول جس میں مغربی اقوام کی ہندوستان میں آمد اور ان کے تدریجی تسلط کی روداد بیان کی گئی ہے۔

(حوالہ: 9)

1511۔ بولٹ، ہنری: بے گناہ قاتل

ترجمہ: ایف۔ ایم۔ صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Calling All Cars' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1512۔ ہیڈلے چیز، جیمز: آخری فیصلہ

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Shock Treatment' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

جرائم اور جاسوسی کہانیوں کے عالم گیر شہرت یافتہ برطانوی ادیب جیمز ہیڈلے چیز 1906ء میں لندن میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے 80 سے زائد ناول تخلیق کیے۔ وہ ساری زندگی گوشہ نشین رہے۔ ان کے کئی ناول برطانیہ، فرانس اور امریکہ میں فلمائے گئے۔ ہیڈلے چیز کا 78 سال کی عمر میں 7 فروری 1985ء کو ان کی قیام گاہ واقع دیوے (سوئٹزر لینڈ) میں انتقال ہوا۔

1513۔ ہیڈلے چیز، جیمز: احمق مجرم

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Just Another Sucker' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1514۔ ہیڈلے چیز، جیمز: انتقام کی آگ

ترجمہ: ایف۔ایم۔صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The Things Mend' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

1515۔ ہیڈلے چیز، جیمز: ایک ہی شاہراہ پر

ترجمہ: مظہر اشفاق

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، 1977ء

ص: 260

ناول: 'اے ہی آن وی وے' (جاسوسی ناول) کا انگریزی ترجمہ۔ (حوالہ: نمبر)

1516۔ ہیڈلے چیز، جیمز: باڈی گارڈ

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز، کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'In a Vain Shadow' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1517۔ ہیڈلے چیز، جیمز: بدنصیب مجرم

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز، کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The Wapy Transgressor' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1518۔ ہیڈلے چیز، جیمز: بونا مجرم

ترجمہ: ایف۔ایم۔صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز، کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The Way The Cokie Crubles' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1519۔ ہیڈلے چیز، جیمز: پتھر کی انگوٹھی

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Why Pick On Me' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

1520۔ ہیڈلے چیز، جیمز: پتھر کی موت

ترجمہ: طاہر رانا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The Dead Stay Dump' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

1521۔ ہیڈلے چیز، جیمز: پراسرار کچھوا

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Mission to Sien' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1522۔ ہیڈلے چیز، جیمز: پوڈر کی ڈبیہ

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'You Never Know Wing Women' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1523۔ ہیڈلے چیز، جیمز: تخت یا تختہ

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'He Won't Need New' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1524۔ ہیڈلے چیز، جیمز: ترپ چال

ترجمہ: طاہر رانا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Like A Hole In the Head' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

1525۔ ہیڈلے چیز، جیمز: ٹوٹ گئی زنجیر

ترجمہ: ایف۔ایم۔صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Lady Heres' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1526۔ ہیڈلے چیز، جیمز: ٹھنڈی موت

ترجمہ: رشید انجم

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، 1977ء

ص: 254

ناول: 'اِن اے وینیشڈ' کا انگریزی سے ترجمہ، قتل کی سنسنی خیز کہانی پر مبنی ناول۔ (حوالہ:9)

1527۔ ہیڈلے چیز، جیمز: جادو کی چابی

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The Joker In The Park' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1528۔ ہیڈلے چیز، جیمز: جاسوس

ترجمہ: انجم نوید

کراچی: سعید پبلی کیشنز، کورومل کھلیانی، روڈ

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ:2)

1529۔ ہیڈلے چیز، جیمز: جلاد

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'What to Stay Alive' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1530۔ ہیڈلے چیز، جیمز: جیب تراش بیوی

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Where But A Short Time to Live' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1531۔ ہیڈلے چیز، جیمز: چالاک قاتل

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'There is a Way, There is Alway a Price Tag' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

1532۔ ہیڈلے چیز، جیمز: چوتھا یکہ

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'An Ace Up My Sleevs' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1533۔ ہیڈلے چیز، جیمز: حسین فتنہ

ترجمہ: ایف۔ایم۔صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Just a Matter of Time' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1534۔ ہیڈلے چیز، جیمز: حوا کی بیٹی

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Eve' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1535۔ ہیڈلے چیز، جیمز: خوبصورت لاش

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'No Orchids for Miss Blandish' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

1536۔ ہیڈلے چیز، جیمز: خوش نصیب چور

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The Fast Buck' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1537۔ ہیڈلے چیز، جیمز: خطرناک فارمولا

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Believed Violent' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1538۔ ہیڈلے چیز، جیمز: خوفناک پاگل

ترجمہ: ایف۔ایم۔صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Lay her among the lilies' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1539۔ ہیڈلے چیز، جیمز: خونی بلیک میلر

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'I'll Bury my dead' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1540۔ ہیڈلے چیز، جیمز: خونی تہذیب

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'There is a hippy on the highway' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1541۔ ہیڈلے چیز، جیمز: خونی ٹرک

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The world in my pocket' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1542۔ ہیڈلے چیز، جیمز: خونی حادثہ

ترجمہ: انجم نوید

کراچی: سعید پبلی کیشنز، کورول کھلیانی روڈ

جاسوسی ناول: راجر اٹیکن (اہم کردار) کے حالات ناول کے ابتدائی حصے میں تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

(حوالہ: 2، 19)

1543۔ ہیڈلے چیز، جیمز: دولت کا غلام

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The whiff of money' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1544۔ ہیڈلے چیز، جیمز: دولت یا موت

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'You are dead without money' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1545۔ ہیڈلے چیز، جیمز: دیوانہ قاتل

ترجمہ: سراج الدین شیداء

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Not safe to be free' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

1546۔ ہیڈلے چیز، جیمز: ذہین جلاد

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'This way for a shroud' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1547۔ ہیڈلے چیز، جیمز: زہر کی پڑیا

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Have a change of scene' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

1548۔ ہیڈلے چیز، جیمز: زہریلی آواز

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'What's better than money' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

1549۔ ہیڈلے چیز، جیمز: زہریلی انگوٹھی

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The vulture is a patient bird' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1550۔ ہیڈلے چیز، جیمز: سائے کا تعاقب

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Cade' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1551۔ ہیڈلے چیز، جیمز: سراغ رساں کتا

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Tigar by the tail' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1552۔ ہیڈلے چیز، جیمز: سرخ ماچس

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The Guilty are afraid' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1553۔ ہیڈلے چیز، جیمز: سرد خون

ترجمہ: رشید انجم

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، 1978ء

ص: 96

ناول: 'آئی وڈ رادر سٹے پور' کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 9)

1554۔ ہیڈلے چیز، جیمز: سمالڈی کا ہار

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'An ear to the ground' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1555۔ ہیڈلے چیز، جیمز: سنہری مچھلی

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Gold-fish have no hiding place' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

1556۔ ہیڈلے چیز، جیمز: شہر میں صحرا

ترجمہ: مظہرالحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، طبع اول 1977ء

اسراری ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 9)

1557۔ ہیڈلے چیز، جیمز: طیارے کا اغوا

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'What happen's to me?' کا ترجمہ۔ (حوالہ 18)

1558۔ ہیڈلے چیز، جیمز: غدار کون؟

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Mallory' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1559۔ ہیڈلے چیز، جیمز: فرضی مجرم

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'I would rathar stay poor' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1560۔ ہیڈلے چیز، جیمز: قاتل کی روح

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Miss Shomway Awand' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1561۔ ہیڈلے چیز، جیمز: قاتل ہیرے

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Aloth us for Miss Quan' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1562۔ ہیڈلے چیز، جیمز: کہانی کا فریب

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Tell it to the birds' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1563۔ ہیڈلے چیز، جیمز: کیمرے کا راز

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'You will find him, I will fix him' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1564۔ ہیڈلے چیز، جیمز: لاش کی چوری

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Make the corpse walk' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 18، 19)

ابتدائیہ سے نمونہ دیکھئے:

گرمیوں کی ایک خوشگوار شام کا ذکر ہے۔ سات بج کر چند منٹ ہوئے تھے کہ ایک چمکدار کالی رولس رائس کار کرزن اسٹریٹ میں داخل ہوئی اور شیپرڈ مارکیٹ جانے والی تنگ گلی کے پاس رک گئی۔ فٹ پاتھ پر اونچی عمارتوں کے تاریک سائے میں کھڑی ہوئی دو عورتوں نے پیشہ ورانہ دلچسپی سے کار کی طرف دیکھا۔ کرزن اسٹریٹ ان دو عورتوں اور اس ایک کار کے سوا بالکل سنسان نظر آ رہی تھی۔

اب ناول کے اختتامیہ سے نمونہ ملاحظہ ہو:

سارجنٹ آدم نے سوسن کو راستہ میں جھجک کر کچھ سوچتے دیکھ کر پھر ہارن بجایا اور سوسن تقریباً بھاگتی ہوئی کار کے پاس آئی اور اس مرتبہ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کے بجائے سارجنٹ کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھ گئی۔

1565۔ ہیڈلے چیز، جیمز: لاشوں کی برسات

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The soft center' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1566۔ ہیڈلے چیز، جیمز: لالچی حسینہ

ترجمہ: صدیق احمد

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The paw in the balk' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1567۔ ہیڈلے چیز، جیمز: مایا کا جال

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

ص: 159

جاسوسی ناول: 'One bright summer morning' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1568۔ ہیڈلے چیز، جیمز: متحرک لاش

ترجمہ: اختر حسین

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، طبع اوّل: 1978ء

ص: 240

ناول: سنسنی خیز ناول کا انگریزی ترجمہ۔ (حوالہ:9)

1569۔ ہیڈلے چیز، جیمز: مجرم رقاصہ

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The double shuffle' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1570۔ ہیڈلے چیز، جیمز: مطلبی دوست

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Come easy, go easy' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1571۔ ہیڈلے چیز، جیمز: معصوم قاتلہ

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The flash of orchid' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1572۔ ہیڈلے چیز، جیمز: مقتول کا اغوا

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Figure it out for yourself' کا ترجمہ۔ (حوالہ.18)

1573۔ ہیڈلے چیز، جیمز: مقتول کا تحفہ

ترجمہ: ایف۔ایم۔صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'You're lonely when you're dead' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1574۔ ہیڈلے چیز، جیمز: مقدّس میڈل

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Knock,knock! who's there?' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1575۔ ہیڈلے چیز، جیمز: مکار عورت

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ.18)

1576۔ ہیڈلے چیز، جیمز: مکافاتِ عمل

ترجمہ: ایف۔ایم۔صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'The Doll's bad news' کا ترجمہ۔ (حوالہ:18)

1577۔ ہیڈلے چیز، جیمز: موت کے منہ میں تیں گھنٹے

ترجمہ: ایس۔اے۔شاہد

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، طبع اول: 1978ء

ص: 349

ناول: سنسنی خیز ناول صرف تیں گھنٹے کی مدت پر پھیلا ہوا ہے۔ (حوالہ:9)

1578۔ ہیڈلے چیز، جیمز: ناکام قاتل

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Sucker Punch' کا ترجمہ۔ حال ہی میں اسی نام سے ہالی ووڈ سے ایک فلم بھی بنی ہے۔ (حوالہ: 18)

1579۔ ہیڈلے چیز، جیمز: نقلی تصویر

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Safer dead' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1580۔ ہیڈلے چیز، جیمز: نقلی لائین

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'A coffin from Hong Kong' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1581۔ ہیڈلے چیز، جیمز: نوٹوں کی بارش

ترجمہ: ایف۔ ایم۔ صدیقی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Strictly for cash' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1582۔ ہیڈلے چیز، جیمز: ہوس کے غلام

ترجمہ: سراج الدین شیدا

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'Well now my Pretty.' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1583۔ ہیڈلے چیز، جیمز: ہیروں کی تلاش

ترجمہ: اثر نعمانی

راولپنڈی: کامران سیریز۔ کتاب گھر، اقبال روڈ

جاسوسی ناول: 'You have got it coming' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 18)

1584۔ ہیرے کی کان

اخذ و ترجمہ: ابن صفی

لاہور: اسرار پبلی کیشنز میکلوڈ روڈ، س۔ن

جاسوسی ناول: انگریزی ناول سے مستعار۔ابنِ صفی نے یہ تسلیم کیا ہے لیکن ناول نہیں بتایا۔ (حوالہ:2)

1585۔ ہیکل بری فن کے کارنامے

ترجمہ: راجکمار

نئی دہلی: انڈین اکیڈمی نریندرا پیلس، 1965ء

ص: 406

ناول: 'Adventure of Hucklebery Finn' کا ترجمہ۔ ناول میں حقیقی واقعات کو تخیلاتی رنگ دے کر پیش کیا گیا ہے۔

(حوالہ:9، 16)

1586۔ ہیگرڈ، رائیڈر: آتشی تحریر

ترجمہ: ایم۔ جے عالم

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ، 1962ء

ص: 352

ناول: جاسوسی، تاریخی ناول، جس میں فرعون کے عہد کی مصری تہذیب پیش کی گئی ہے۔ (حوالہ:9)

1587۔ ہیگرڈ، رائیڈر: انجام

ترجمہ: آغا اقبال

کراچی: ماہنامہ 'ناول' ہال سٹریٹ، 1954ء

اسراری ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:16)

1588۔ ہیگرڈ، رائیڈر: بنی اسرائیل کا چاند

ترجمہ: عبدالمجید حیرت

دہلی: ادبی دنیا، اردو بازار دہلی 6، طبع دوم 1977ء

ص: 396

ناول: مصر کے منظر نامے سے متعلق انگریزی ناول کا ترجمہ۔ طباعت لیتھو، تعداد اشاعت پانچ سو، یہ ترجمہ پہلی بار مکتبۂ پنجاب لاہور سے شائع ہوا۔ (حوالہ:7)

1589۔ ہیگرڈ، رائیڈر: خونریز

ترجمہ: ن۔ن

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ۔ 1963ء

ص: 524

ناول: رومانی واسراری ناول (حوالہ: 9)

1590۔ ہیگرڈ، (سر) ہنری رائیڈر: داستان قلوپطرہ

ترجمہ: بشیر محمود اختر

لاہور: الحمرا اکیڈمی

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ اس ناول کا ایک ترجمہ مظہر الحق علوی نے بھی کیا تھا جسے دوسری بار نگارشات، لاہور نے شائع کرتے وقت ''فرعون کی آپ بیتی'' کے عنوان سے شائع کیا۔ یہ ایک قابل افسوس رویہ ہے۔ ناشر کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے پہچان مٹ جاتی ہے۔ (حوالہ: 13، 16)

1591۔ ہیگرڈ، رائیڈر: دیوتا اور داسی

ترجمہ: مظہر الحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، 1978ء

ص: 412

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 9)

1592۔ ہیگرڈ، رائیڈر: راہیں پیار کی

ترجمہ: ایم۔ جے عالم

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، 1965ء

ص: 279

ناول: نیم اسراری ناول۔ (حوالہ: 9)

1593۔ ہیگرڈ، رائیڈر: روح بیابان

ترجمہ: ایم۔ جے۔ عالم

لکھنؤ: مکتبہ کلیان، س۔ن

ص: 327

ناول: اسراری ناول۔ (حوالہ: 9)

1594۔ ہیگرڈ، رائیڈر: سلمیٰ

ترجمہ: ذوالفقار احمد تابش

لاہور: البیان،

اسراری ناول: بچوں کے لئے ناول 'She' کا ترجمہ۔ اس ناول کا ایک ملخص ترجمہ ''عذرا' کے نام سے دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد نے حال ہی میں شائع کیا ہے۔ (حوالہ: 13، 16)

1595۔ ہیگرڈ، رائیڈر: سلمیٰ کی واپسی

ترجمہ: ذوالفقار احمد تابش

لاہور: البیان

اسراری ناول: بچوں کے لئے 'The return of She' کا ترجمہ۔ اس ناول کا ایک ملخص ترجمہ حال ہی میں دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد نے شائع کیا ہے۔ (حوالہ: 13، 16)

1596۔ ہیگرڈ، رائیڈر: سلیمانی خزانہ

ترجمہ: محمد سلیم الرحمٰن

لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ (پاکستان)

اسراری ناول: 'King Solomon's mine' اس سے قبل ایک ترجمہ مظہر الحق علوی نے بھی کیا تھا جو لکھنؤ سے شائع ہوا۔ بہت پہلے اس ناول پر ہالی ووڈ سے فلم بن چکی ہے۔ جاسوسی مہم کو مزاحیہ رنگ دیا گیا ہے۔ (حوالہ: 13، 16)

1597۔ ہیگرڈ، ہنری۔ رائیڈر: سیر ظلمات

ترجمہ: ظفر علی خاں، مولانا

لاہور: مکتبہ میری لائبریری، طبع دوم۔ س۔ن

ص: 424

ناول: ترجمے کا تعارفیہ مولوی محمد عزیز مرزا نے لکھا ہے۔ مفصل تبصرہ 'دکن ریویو' حیدرآباد دکن میں شائع ہوا کتاب پہلی بار دکن سے شائع ہوئی۔ (حوالہ: 2، 8)

اس کتاب کے مترجم مولانا ظفر علی خان سے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے مولانا عبدالمجید سالک نے کہا تھا:

''انگریزی زبان کے صدہا محاورات، ہزار ہا الفاظ اور بے شمار فقرات اس ہمہ گیر انشا پرداز کے کمال ترجمہ کے بھٹی میں سے کندن بن کر نکلے اور عروس اردو کی جبین ناز کا زیور بن گئے۔''

ترجمے سے نمونہ ملاحظہ ہو:

کیا یہ شرم کی بات ہے نہیں کہ ہمارے پاس ایک پادری صاحب موجود ہیں اور بیوی میاں کی نکاح خوانی میں اُن کو

کوئی حصہ نہ لینے دیا جائے۔ میرے عزیز وقت گزرتا جاتا ہے، اب چاہئے کہ ہم اپنے کام میں مصروف ہوں۔ کوئی ہے؟ اچھا (ایک شخص کی طرف اشارہ کرکے) ''تم اُس انگریز لڑکی کو لے آؤ۔''
جب پیلا بھتنا اپنی تقریر ختم کر چکا تو سب خاموش ہو کر جوانا کے آنے کے منتظر بیٹھ گئے۔

('سیر ظلمات'، ص: 144 سے اقتباس)

1598۔ ہیگرڈ، رائیڈر: شہید وفا

ترجمہ: محمود اختر، خواجہ۔ایم

لاہور: ملک دین محمد اینڈ سنز

اسراری ناول: 'میری' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 13، 14)

1599۔ ہیگرڈ، رائیڈر: عشق اور خون

ترجمہ: عابد جعفری

دہلی: خرم پبلی کیشنز، 1965ء

ص: 323

ناول: رومانی ناول کا انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 9)

1600۔ ہیگرڈ، رائیڈر: قیدِ حیات (دو جلدیں)

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: نوبہار بک ڈپو

ناول: 'بیٹرس' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 13، 16)

1601۔ ہیگرڈ، رائیڈر: گنج سلیمان

ترجمہ: مظہر الحق علوی

لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، لاٹوش روڈ، 1955ء

ص: 286

ناول: 'King Solomon's mine' کا انگریزی سے ترجمہ۔ قبائیلوں سے متعلق اس ناول کا ترجمہ چوتھی بار نسیم بک ڈپو نے 1978ء میں شائع کیا۔ اس ناول کا ایک ترجمہ محمد سلیم الرحمٰن نے ''سلیمانی خزانہ'' کے عنوان سے کیا تھا۔

(حوالہ: 9)

1602۔ ہیگرڈ، رائیڈر: مصر کی دوشیزہ

ترجمہ: ن۔ن

دہلی: نوبہار بک ڈپو

ناول: (حوالہ: 7)

1603۔ ہیمسن، نٹ: بھوک

ترجمہ: مخمور جالندھری

دہلی: مکتبہ شاہراہ، 1953ء

ص: 229

ناول: معاشرتی ناول 'Hunger' کا ترجمہ، ایک ترجمہ عشرت رحمانی نے بھی کیا تھا، جو بعد کا ہے۔ (حوالہ: 9)

1604۔ ہیمسن، نٹ: بھوک، لڑکی اور سمندر

ترجمہ: عشرت رحمانی

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن

ناول: 'Hunger' کا ترجمہ۔ اس ناول کا اوّلین ترجمہ مخمور جالندھری نے 'بھوک' کے نام سے کیا تھا۔ (حوالہ: 2، 17)

1605۔ ہیمنگوے، ارنسٹ: بوڑھا اور سمندر

ترجمہ: ابنِ سلیم

کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، س۔ن

ص: 216

ناول: اس کا ایک ترجمہ بشیر ساجد نے کیا ہے۔ نوبیل انعام یافتہ اس ناول پر جان سٹرجز کی ہدایات میں 1958ء میں ہالی وڈ امریکہ سے بننے والی فلم یادگار ہے۔ اِس فلم میں بڈھے مچھیرے کا کردار عالمی شہرت یافتہ اداکار سپنسر ٹریسی نے ادا کیا تھا۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

1606۔ ہیمنگوے، ارنسٹ: بوڑھا اور سمندر

ترجمہ: بشیر ساجد

لاہور: مکتبۂ جدید

ناول: نوبیل ادبی انعام یافتہ ناول۔ "Old Man and The Sea" پر جان سٹرجز کی ہدایات کے تحت 1958ء میں ہالی وڈ (امریکہ) سے بننے والی فلم یادگار ہے، آسکر ایوارڈ یافتہ اداکار سپنسر ٹریسی نے مرکزی کردار ادا کیا۔ اس ناول کا ایک اور ترجمہ ابن سلیم نے کیا تھا۔ تیرا ترجمہ شاہد حمید نے کیا ہے، جسے ادارہ شام کے بعد، لاہور نے شائع کیا۔

(حوالہ: 2، 10، 11)

1607۔ ہیمنگوے، ارنسٹ: بُوڑھا اور سمندر

ترجمہ: شاہد حمید

لاہور: شام کے بعد، پبلی کیشنز

ناول: "Old Man and The Sea" انگریزی سے کا ترجمہ۔ (حوالہ: 10)

1608۔ ہیمنگوے،ارنسٹ: وداع جنگ (دو جلدیں)

ترجمہ: اشفاق احمد

لاہور: یونائیٹڈ بک ڈپو لمیٹڈ، جنوری 1960ء

ناول: 'A farewell to arms' کا ترجمہ۔ (حوالہ:2، 10، 11)

یہ ناول 'اے فیئرول ٹو آرمس' کا ترجمہ ہے۔ 1920ء کے اوائل میں جب ارنسٹ ہیمنگوے نے پہلی بار اپنے افسانے پیش کئے تو امریکہ کے نوجوان ادیب اس سے شدید متاثر ہوئے۔ 1954ء میں ہیمنگوے کو نوبل انعام دیا گیا۔ اس موقع پر سویڈش اکیڈمی کے صدر نے ہیمنگوے کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

ہیمنگوے عہد حاضر کا سب سے بڑا اہلِ قلم ہے، جس کی تحریر کے آئینہ میں اس دور کی زندگی اور مسائل کا عکس دیکھا جا سکتا ہے۔

جبکہ خود ہیمنگوے کا خیال ہے کہ: 'ایک حقیقت پسند مصنف کے نزدیک اس کی ہر نئی تصنیف گویا ایک نیا آغاز ہے، جس میں وہ ان بلندیوں کو چھونے کی کوشش کرتا ہے جن تک رسائی ناممکن معلوم ہوتی ہے۔

(تعارفیہ، ص: 3 سے اقتباس)

اس ناول میں جنگ کی تباہ کاریوں کو کچھ اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ جنگ سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اس شاہکار ناول پر ہالی وڈ کے ہدایت کار فرینک بورزیج نے 1932ء میں ایک شاندار فلم بنائی تھی۔

1609۔ ہیوگو، وکٹر: انسان

ترجمہ: بشارت انور

کراچی: ایچ۔ایم سعید اینڈ کمپنی، طبع اوّل، س۔ن

ناول: 'Les Miserable' کا آزاد ترجمہ۔ دوسری بار اردو بک سٹال لاہور اور تیسری بار بساطِ ادب لاہور نے شائع کیا۔ 2012ء میں اس ناول پر ہالی ووڈ سے فلم بنی، جسے آسکر ایوارڈ کیلئے نامزد کیا گیا۔ (حوالہ:2، 10، 11، 16)

1610۔ ہیوگر، وکٹر: بدنصیب

ترجمہ: رام سروپ شرما

لاہور: دارالاشاعت پنجاب۔ 1928ء

ناول: The last days of a condemned کا ترجمہ۔

اس ناول پر صوفیہ لارین اور میکسمیلن شل کی فیچر فلم شاہکار ہے۔ جس کی نمائش پاکستان میں بھی ہوئی تھی۔ اس ناول کا ایک ترجمہ سعادت حسن منٹو نے 'سرگزشتِ اسیر' کے نام سے کیا ہے۔ (حوالہ:2، 10، 11)

1611۔ ہیوگو، وکٹر: سرگزشتِ اسیر

ترجمہ: سعادت حسن منٹو

لاہور: اردو بک سٹال بیرون لوہاری دروازہ، طبع اوّل: اگست 1933ء

ناول: 'The last days of a condemned' کا ترجمہ۔

دوسری بار 1934ء میں طبع ہوا۔ کتاب میں ہیوگو کا لکھا دیباچہ 15 مارچ 1831ء بھی گیارہ صفحات میں ترجمہ کر کے شامل کتاب کیا گیا ہے۔ کتاب کا ایک ترجمہ رام سروپ شرما کا بھی ملتا ہے۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

1612۔ ہیوگو، وکٹر: نوٹرے ڈیم کا کبڑا

ترجمہ: ستار طاہر

لاہور: مکتبہ شاہکار، 1975ء

ص: 42

ناول: فرانسیسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ ہالی وڈ امریکہ سے ناول کے اصل نام ''ہنچ بیک آف نوٹرے ڈیم'' کے نام سے دو فیچر فلمیں بن چکی ہیں۔ اب یہی ترجمہ فکشن ہاؤس لاہور نے 2007ء میں نام تبدیل کر کے شائع کر دیا ہے ''کبڑا عاشق'' کے عنوان سے۔ پاکستان کے لئے پبلشرز کے ہاں یہ افسوس ناک صورت دیکھنے کو ملتی ہے۔

(حوالہ.5)

اس ناول پر ہالی وڈ سے دو عظیم فلمیں بنیں۔ جو فلم بعد میں بنی اس میں کبڑے کا کردار انتھونی کوئین، جپسی گرل کا کردار جینالولو برجیڈا اور ولن کا کردار سٹیفن بوائڈ نے ادا کیے تھے۔ اداکار و فلم ساز رنگیلا نے پاکستان میں اِسی کہانی پر مبنی پنجابی فلم ''کبڑا عاشق'' بنائی تھی۔ کبڑے کا مرکزی کردار رنگیلا نے عمدگی سے کیا۔ تصور خانم کی آواز میں اس فلم کا ایک گانا ''وے سب توں سوہنیاں'' از حد مقبول ہوا۔

ooo

متفرق

1613۔ افلاطون: مکالماتِ افلاطون

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: پنجاب ریلیجنس بک سوسائٹی انارکلی، س۔ن

مکالمات: 'The dialogues of plato' کا اردو میں اوّلین ترجمہ۔ دوسرا ترجمہ سید عابد حسین نے کیا تھا۔

(حوالہ:2)

1614۔ افلاطون: مکالماتِ افلاطون

ترجمہ: عابد حسین، ڈاکٹر

دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، 1942ء

مکالمات: 'The dialogues of plato' کا ترجمہ۔ اس کتاب کا پہلا ترجمہ پنجاب ریلجنس بک سوسائٹی نے 1923ء سے قبل شائع کیا تھا۔

(حوالہ:2، 14)

1615۔ اینڈرسن، کینتھ و کرنل جم کاربٹ: شیر آیا، شیر آیا

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: البیان،

شکاریات: انگریزی سے ترجمہ۔ ایک ایڈیشن فکشن ہاؤس، لاہور نے شائع کیا ہے۔ (حوالہ:13، 16)

1616۔ اینڈرسن، کینتھ: جنگل نامہ

ترجمہ: جاوید شاہین

لاہور: البیان

ص: 320

شکاریات: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ:2، 10، 11)

1617۔ اینڈرسن، کینتھ: آزاد شیرنی

ترجمہ: محمود شام

لاہور: مکتبہ پاسبان: اشرف پریس، 1967ء

ص: 113

شکاریات: انگریزی سے ترجمہ۔

1618۔ اینڈریوز، چیپ نن: انجانے دیس کی مہمات

ترجمہ: عبدالسلام

کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، س۔ن

ص: 152

مہم جوئی: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11، 16)

1619۔ برکلے، جارج: مکالمات برکلے

ترجمہ: عبدالماجد دریا بادی، مولانا

اعظم گڑھ: دارالمصنفین اعظم گڑھ

مکالمات: 'ڈائلاگز' کا ترجمہ۔ (حوالہ: 12، 16)

1620۔ بلنٹ ولیڈی بلنٹ: مضامین متعلقہ ہند (چار جلدیں)

ترجمہ: اکبرالہ آبادی

میرٹھ: مطبع جماعت تجارت متفقہ اسلامیہ، 1883ء

تقاریر/ سپاسنامے۔ ولفرڈ اسکاون بلنٹ ولیڈی بلنٹ کی سیاست وسماجیات پر تقریریں اور سپاسنامے۔ (حوالہ: 2)

برطانوی رئیس زادہ اور مفکر والفرڈ اسکاون بلنٹ، جمال الدین افغانی کے قریبی دوستوں میں سے تھا اور ہندوستان میں انگریزوں کی سیاسی حکمت عملی اور عملداری کا سب سے بڑا مخالف۔ اس کتاب سے پہلے اُس نے اپنے روزنامچوں 'My Diaries' میں بھی سیاسی صورت احوال کا تجزیہ کیا تھا۔ دراصل یہی وہ نوٹس تھے جنہیں بعد میں اس نے کتابی صورت میں ڈھال دیا۔

یہ ترجمہ اب تقریباً نایاب ہے اس لئے اکبرالہ آبادی کے تحریر کردہ دیباچہ سے چند سطور دیکھتے چلئے:

> مصنف نے یہ کتاب صرف اپنے ہم ملکوں اور بالخصوص پارلیمنٹ انگلستان کو اسلام کے حالات پر توجہ دلانے کے لئے تصنیف کی تھی۔ اُن کا یہ مقصود نہ تھا کہ یہ کتاب ہندوستان میں شائع ہو یا اس کا ترجمہ کیا جائے۔ مسٹر حمید اللہ سلمہ اللہ نے ایک جلد کتاب انگلستان سے اپنے پدر عالی مرتبہ مولوی سمیع اللہ خان صاحب کے ملاحظے کو بھیج دی تھی۔ مولوی صاحب ممدوح کی اجازت سے میں نے اس کو پڑھا اور اس کے مضامین نے اِس کے ترجمے پر مجھ کو مجبور کردیا۔
>
> ہنوز ترجمہ ختم نہ ہوا تھا کہ مسٹر بلنٹ خود ہندوستان میں تشریف لائے اور بمقام کلکتہ مجھ کو اُن سے ملنے کی عزت حاصل ہوئی۔ انہوں نے ایک دوسرا دیباچہ بطور دیباچہ اوّل کے تحریر فرما کر مجھ کو دیا، جس کا ترجمہ میں اس کتاب کے ساتھ شامل کرتا ہوں۔ سلطنت ٹرکی کے قائم رہنے کی نسبت مصنف کو جو مایوسی تھی یہ دیباچہ اس مایوسی کو ضعیف کرتا ہے۔

اکبرالہ آبادی اس کتاب کے ترجمہ کی بابت مزید لکھتے ہیں:

> جہاں تک ممکن تھا میں نے لفظی ترجمہ کیا ہے اور مصنف کے سلسلۂ خیالات کو ذرا بھی برہم نہیں ہونے دیا۔ فقروں کی ترکیب کی پیچیدگی دُور کی ہے۔ معانی کو کامل اور روشن کرنے کے لئے ایک لفظ کے ترجمے میں حسب ضرورت دو دو

اور تین تین لفظ لکھ دیئے ہیں، لیکن خیالات پیچیدہ کا سہل کرنا میرا کام نہ تھا۔

(دیباچہ سے اقتباس)

بلنٹ کی کتاب "The future of Islam" لندن سے1882ء میں شائع ہوئی تھی جبکہ اس کے دو سال بعد یہ ترجمہ سامنے آ گیا۔
ترجمہ سے نمونہ ملاحظہ ہو:

These Essays, written for THE FORTNIGHTLY REVIEW in the Summer and Autumn of 1881 , were intended at first sketches only of a maturer work, which the authors hoped, before finally to the public, to complete at Leisure and developed in a form , worthy of critical acceptance and of great subject he had chosen . Events , however , have marched faster than he at all anticipated and it has become a matter of importance with him that the idea they were designed to illustrate, should be given immediate and full publicity. The French, by their invasion of Tunis, have precitated the Mohammadan Movement in North-Africa. Egypt has roused herself for a great effort of National and religious reforms, and on all sides Islam is seen to be commenced by political protests of ever growing intensity.

''مصنف کو امید تھی کہ قبل شائع کرنے ان مضامین کے، اپنے اوقات فرصت میں ایک ایسی تصنیف کرے جو بلحاظ اپنی ترتیب اور تکمیل کے نکتہ چینوں کو مقبولی کے لائق اور اس عالی شان بحث کے شایان ہو جس کو اس نے منتخب کیا تھا۔
چنانچہ یہ مضامین اخبار 'فورٹ نائٹلی رویؤ' کے لئے صرف اس تصنیف کے ابتدائی مسودات کے طور پر 1881ء کے موسم تابستان وخزاں میں لکھے گئے تھے، لیکن وقوع واقعات نے ایسی تیز رفتاری کی، جس کا اس کو پیشتر سے بھی کچھ خیال نہ تھا اور مصنف کے لئے یہ امر ضروری ہو گیا کہ جن خیال کا ان مضامین سے اظہار مقصود ہے ان خیالات کو فی الفور پوری شہرت دے۔ اہل فرانس نے ٹیونس پر حملہ کر کے شمالی افریقہ میں مسلمانوں کی حرکت وشورش پیدا کرنے میں جلدی کر دی۔ مصر نے قومی اور مذہبی اصلاح میں ایک بڑی کوشش کے لئے یہ انگیختگی پیدا کی ہے اور ہر طرف اسلام، پولیٹیکل بدفالیوں سے جن کی شدت اور سختی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے تہ و بالا اور پیچ و تاب میں نظر آتا ہے۔''

1621۔ بلنٹ، والفرڈ اسکاون ولیڈی بلنٹ: مضامین متعلقہ ہند (چار جلدیں)

ترجمہ: اکبر الہ آبادی

نام مطبع ندارد، طبع اوّل: 1883ء

تقاریر/ سپاسنامے: انگریزی سے ترجمہ۔

یہ چاروں رسائل چالیس چالیس، پچاس پچاس صفحات پر مشتمل ہیں۔ یہ ولفرڈ اسکاون بلنٹ اور لیڈی بلنٹ کی تقاریر اور اُن سپاسناموں پر مشتمل ہیں جو انہیں اہلِ ہندوستان نے مختلف شہروں میں پیش کئے۔ بلنٹ اور لیڈی بلنٹ نے اس (ہندوستانی) دورہ

کے موقع پر ردِ اعتراضات کے طور پر جو کچھ کہا وہ بھی ان کتابچوں میں موجود ہے، اور منطقی ترتیب سے جمع کر دیا گیا ہے۔

بقول طالب الہ آبادی: 'حصہ اوّل و چہارم خصوصیت سے دیکھنے کے قابل ہیں، اس سلسلے کے کتابچوں میں سے حصہ اوّل (ص:40) کے ٹائیٹل پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے۔

> سلسلۂ مضامین متعلقہ ہند مسٹر ولفرڈ بلنٹ کی اسپیچین در باب تعلیم مذہبی اور وہ ایڈریس جو مسلمانانِ ہند کی جانب سے ان کو دیئے گئے۔

1622۔ ٹوین، مارک: ٹام سائر کے کارنامے

ترجمہ: انصار ناصری

لاہور: میری لائبریری

مزاحیہ ناول/مہم جوئی۔ یہ 'Adventures of Tom Swayer' کا ترجمہ۔ (حوالہ 12، 16)

مارک ٹوئین 30 نومبر 1865ء کو امریکہ کے شہر مسوری میں پیدا ہوا۔ اس کا اصل نام سیموئل لینگ ہورن کلیمنز تھا۔ جب وہ چار سال کا تھا تو اس کا خاندان ہنی بال (Hannebal) کی بستی میں منتقل ہو گیا۔ یہ ناول انہی ایام کی داستان بیان کرتا ہے۔ مارک ٹوئین نے ہنی بال کی بستی کو اپنے اس ناول میں 'سینٹ پیٹرس برگ' کا نام دیا ہے۔ مارک ٹوئین بارہ برس کی عمر میں یتیم ہو گیا تھا اس لئے رسمی تعلیم کا سلسلہ برقرار نہ رکھ سکا۔ زندگی کے آخری پندرہ برس کو چھوڑ کر اسے تمام زندگی سخت محنت کرنا پڑی، یہاں تک کہ 1895ء اور 1896ء میں اسے قرض سے نجات حاصل کرنے کی خاطر عالمی دورے کرنے پڑے۔ ییل یونیورسٹی نے اسے 1888ء میں ایم۔اے اور 1901ء میں ایل۔ایل۔ڈی کی اعزازی ڈگریاں عطا کیں۔ یہی اعزاز اسے 1902ء میں اوکسفرڈ یونیورسٹی سے بھی ملا۔ اس نے 21 اپریل 1910ء میں وفات پائی۔

مارک ٹوئین کا جو ناول سب سے زیادہ شہرت رکھتا ہے: "The Adventure of Hucklebrry Fin" ہیمنگوے نے تو اس ناول کے بارے میں یہاں تک کہہ دیا ہے کہ تمام امریکی ناول اسی ناول سے پیدا ہوئے ہیں۔ افسوس کہ اس ناول کا اردو ترجمہ تاحال نہیں ہوا لیکن مارک ٹوئین کی عظمت صرف ایک کتاب تک محدود نہیں۔ 'ٹام سائر کے کارنامے' اس کی دوسری بڑی ناول ہے جبکہ ڈاکٹر ایف۔آر۔لیوس تو "Puddenead Wilson' کو بھی مارک ٹوئین کے شاہکاروں میں شمار کرنے پر مصر ہیں جبکہ مارک ٹوئین کی اس کتاب کو کوئی شہرت حاصل نہیں۔ پروفیسر نظیر صدیقی اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ٹام سائر کے کارنامے میں جو کردار ہیں وہ مارک ٹوئین کے بچپن کی دنیا سے لئے گئے ہیں۔ جج تھیچر اس کے باپ پر مبنی ہے اور چچی پولی اس کی ماں پر۔ خود ٹام سائر، مارک ٹوئین اور اس کے دو دوستوں کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں جو کارنامے بیان کئے گئے ہیں وہ بقول مصنف اکثر سچے واقعات ہیں۔ دو ایک تو خود مارک ٹوئین کے تجربات ہیں۔ باقی ان لڑکوں کے جو مارک ٹوئین کے ہم مکتب تھے۔
>
> مارک ٹوئین نے اس ناول کے مختصر سے دیباچے میں لکھا ہے کہ 'گو یہ کتاب خاص طور پر لڑکے لڑکیوں کو خوش کرنے کے لئے لکھی گئی ہے لیکن مجھے امید ہے کہ عورتیں اور مرد بھی محض اس بنا پر اس سے پرہیز نہیں کریں گے۔

اس کتاب میں چار خاص کہانیاں ہیں۔ پہلی کہانی ٹام اور بیکی کی ہے۔ دوسری اہم کہانی جیکسن کے ان کارناموں کی ہے جو وہ ایک جزیرے میں انجام دیتا ہے۔ تیسری کہانی 'ٹام' بک اور لف پورٹر کی ہے۔ چوتھی کہانی مدفون خزانے اور انجن جو کی ہے۔

یہ ناول دراصل بچپن کی دنیا کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ ٹام اس دنیا کی تخلیق یوں کرتا ہے کہ وہ دکھاتا ہے کہ لڑکا ہونے کے معنی کیا ہیں، لڑکا کس طرح عمل کرتا ہے، وہ کن کاموں کے خواب دیکھتا ہے اور اس کے اندیشے کیا ہوتے ہیں۔ شرارت بچپن کا لازمی جزو ہے اور اس ناول میں بچپن کی شرارت کے دلچسپ واقعات ہیں۔ اسی طرح بچے کے من بھاتے تصورات اور ڈراؤنے توہمات بھی بچپن کی دنیا کا خاص حصہ ہیں۔ اس ناول میں اس طرح کے تصورات اور توہمات کی دلچسپ عکاسی ملتی ہے۔

مارک ٹوئین کا یہ ناول اس کے پہلے اور دوسرے ناولوں کی طرح زبان و بیان کے اعتبار سے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن اس کی زبان و بیان کے بارے میں یہاں کچھ کہنا بیکار ہے کیونکہ ہم اور آپ اس کے ناول کا اردو ترجمہ پڑھ رہے ہیں نہ کہ اصل ناول جو امریکی انگریزی میں ہے اور جس کی نشوونما میں مارک ٹوئین کا بڑا حصہ ہے۔

مارک ٹوئین کا مزاح اور طنز بھی اس ناول کا ایک نہایت اہم پہلو ہے۔ اس کے مزاح میں بڑی خوش دلی پائی جاتی ہے۔ اس نے مزاح پیدا کرنے کے لئے مختلف طریقوں سے کام لیا ہے۔ مثلاً کہیں مبالغے سے کہیں اچانک انکشاف سے۔ اشخاص اور اقدار پر تنقید کرنے کے لئے ٹوئین نے طنز کا استعمال کیا ہے۔ سید انصار ناصری نے اس مزاحیہ ناول کا بہت ہی رواں دواں ترجمہ کیا ہے۔

مارک ٹوین کے ایک مُہماتی ناول کا ترجمہ ''شہزادہ اور فقیر'' کے عنوان سے دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد نے شائع کیا ہے۔

1623۔ جونز، ایون: پیارے بیٹے بیٹیوں کے نام (دو جلدیں)

ترجمہ: ہلال احمد زبیری

لاہور: شیخ غلام علی بہ اشتراک موسسہ فرینکلن نیو یارک، 1966ء

ص: 400

خطوط: نمایاں شخصیتوں کے نادر و نایاب خطوط۔ پہلی جلد ہلال احمد زبیری کی تالیف ے جو مشرق سے متعلق ہے دوسری جلد ایون جونز کی مرتب کردہ ہے جو مغربی اہم شخصیات سے متعلق ہے۔ (حوالہ: 2، 17)

1624۔ ڈفرن، لارڈ: خطوط لارڈ ڈفرن

ترجمہ: ل۔ن

خطوط: وائسرائے ہند لارڈ ڈفرن کے خطوط کا ترجمہ۔ یہ خطوط عرض البلد شالی کے ممالک میں سیاحت کے دوران لکھے گئے۔ ترجمہ 1939ء سے قبل شائع ہوا۔ (حوالہ: 4)

1625۔ کاربٹ، (کرنل) جم: چمپاوت کا آدم خور

ترجمہ: محمد معین

دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ لمیٹڈ، 1952ء

ص: 48

شکاریات: مشہور شکاری جم کاربٹ کی تصنیف "Maneater of Kuma" کا ترجمہ۔ (حوالہ: 9)

1626۔ کاربٹ، (کرنل) جم: پریاگ کا آدم خور

ترجمہ: جاوید شاہین

لاہور: البیان

شکاریات: انگریزی سے ترجمہ۔ ایک ایڈیشن فکشن ہاؤس، لاہور نے شائع کیا ہے۔ (حوالہ: 13، 16)

1627۔ کتابیں جنہوں نے دنیا بدل دی

ترجمہ و خلاصہ: غلام رسول مہر، مولانا

لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک موسسہ فرینکلن، 1960ء

ص: 202

متنوع اصناف کا مجموعہ: 61 چنیدہ کتابوں کا خلاصہ و ترجمہ۔ اصل کتاب امریکہ سے شائع ہوئی۔

(حوالہ: 2، 10، 11، 17)

1628۔ کٹلر، ہائی اسٹیرمین گلن ڈی: فتح اوقیانوس

ترجمہ: آفتاب احمد بسمل

کراچی: اردو اکیڈمی سندھ

ص: 184

مہم جوئی: انگریزی سے ترجمہ (حوالہ: 2)

1629۔ کلنگو، جوزف۔ ڈبلیو: جانباز ہوا باز

ترجمہ: عبدالسلام

کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، 1966ء

ص: 166

مہم جوئی: خلائی سفر کی سچی داستان۔ (حوالہ: 11، 16)

1630۔ کیٹس، جان: لنڈھا دیوتا

ترجمہ: میرزا ادیب، عبدالرحیم شبلی، احسان علی شاہ

لاہور: اردو اکیڈمی، 1940ء

انگریزی نظموں کا نثری ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

1631۔ گولڈ اسمتھ، اولیور: گولڈ اسمتھ کے خطوط

ترجمہ: محمد سرفراز علی نیوش

حیدر آباد دکن: اعظم اسٹیم پریس، س۔ن

انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 7)

1632۔ گولڈسمتھ، اولیور: بیلاڈ

ترجمہ: سید محمد ضامن

نام مطبع ندارد، 1899ء

بیلاڈ: "Vicar of Wakefield" کے ایک بیلاڈ کا ک ترجمہ (حوالہ 5،2)

1633۔ لنڈ برگ، چارلس۔اے: نیویارک سے پیرس

ترجمہ: فیاض محمود، سیّد

لاہور: موسسہ فرینکلن نیویارک۔ لاہور

ص: 280

مہم جوئی: نان سٹاپ ہوائی جہاز کے سفر کی سچی کہانی ہے۔ سیّد فیاض محمود اردو کے اہم افسانہ نگار تھے۔ جس زمانے میں اسلامیہ کالج، لاہور میں انگریزی کے لیکچرر تھے تو میرزا ادیب اُن کے شاگرد تھے۔ فیاض محمود نے ''تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک و ہند'' کا پراجیکٹ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے لیے مکمل کیا تھا۔ (حوالہ: 17)

1634۔ مراسلات مابین لارڈ منٹو اور والیانِ ریاست

ترجمہ: سیّد حسن بلگرامی

لکھنؤ: نام مطبع ندارد، 1912ء

مراسلات بزبان انگریزی کا ترجمہ۔ (حوالہ: 2)

1635۔ موردا، آندرے: جینے کا قرینہ

ترجمہ: مختار صدیقی

لاہور: مکتبہ جدید، پوسٹ بکس 456، طبع اوّل: 1955ء

دانش وحکمت: انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ ایک ایڈیشن البیان لاہور نے بھی شائع کیا ہے۔ (حوالہ: 3)

جینے کا قرینہ، نفسیاتی موضوعات پر مشتمل تصنیف ہے۔ جس میں فرانسیسی مفکر اور نفسیات داں آندرے موردا نے انسان کے نفسیاتی مسائل کا جائزہ لیا ہے۔ خصوصاً شادی، محبت، دوستی، گرہستی، کام، قیادت، بڑھاپا، جوانی اور مسرت جیسے موضوعات، جن سے ہر انسان کا واسطہ پڑتا ہے۔ مختار صدیقی نے مصنف کی وضاحتوں اور تشریحات کو گنجلک نہیں بننے دیا۔ سب سے پہلے 'محبت' کے باب

سے ایک مثال دیکھئے:۔

کسی دل میں آناً فاناً محبت کا طوفان جاگ اٹھنا یا پہلی نظر پر متاعِ دل نثار کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ ازل سے یونہی مقدر تھا۔ یونانی دیومالا کی ایک کہانی ہے کہ اصل میں انسان کبھی عورت اور مرد دونوں سے مل کر بنا تھا، پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ کسی دیوتا نے انسان کو دو الگ حصّوں میں بانٹ دیا۔ اسی لئے یہ نصف حصّے جگہ جگہ ایک دوسرے کی تلاش میں رہتے ہیں اور جب کبھی ایک شخصیت کے یہ الگ الگ حصّے آپس میں ملتے ہیں تو دونوں کو اپنے رشتہ اتحاد کا فوراً احساس ہو جاتا ہے۔

اردو کے اہم نظم گو شاعر مختار صدیقی کو ترجمہ کرتے وقت جہاں جہاں وضاحت کے لئے حوالوں کی ضرورت محسوس ہوئی وہاں اردو اور فارسی شاعری سے بھی استفادہ کیا ہے۔ یوں کتاب میں مغربی شاعروں، ادیبوں، فلسفیوں اور فنکاروں کی آراء اور ان پر مختار صدیقی کے تاثرات حواشی میں یکجا ہوتے گئے۔

ترجمہ شدہ کتاب میں اس وضاحتی سلسلے کی ایک صورت اور بھی سامنے آتی ہے، اور وہ یہ کہ بعض مقامات پر ترجمہ کرتے وقت گنجلک جملوں میں ایسے لفظ برتے گئے جن کے اردو مترادفات کے باوجود مطلب صاف نہ ہو سکا تو مختار صدیقی نے حواشی لکھے۔

مختار صدیقی نے ترجمہ کرتے وقت مشرقی تہذیبی اور فکری حوالوں سے بھی استفادہ کیا ہے اور تاریخی شواہد سے بھی۔ کتاب میں جن ادیبوں، مفکروں اور شعراء کا حوالہ آیا ہے مترجم نے حواشی میں ان کا مختصر تعارف بھی کروا دیا ہے۔ ایک مثال دیکھئے:

''تو ہماری زندگی کی یہ رُت کب آتی ہے؟ کولن وڈ نے تو لکھا ہے:

چالیس برس کی عمر پر پہنچ کر آدمی کو اپنے سامنے ایک لکیر' ایک معلوم حد سے نظر آتی ہے' وہ اُس حد کو ڈرتے ڈرتے عبور کیا کرتا ہے۔

('بڑھاپا' کے باب سے اقتباس)

چلتے چلتے ترجمہ نگاری کی دو ایک خوبصورت مثالیں دیکھتے چلئے۔

1۔ چڑیا اور عورت دونوں کسی سے منسوب ہوتے ہی، آشیاں کی فکر کرنے لگتے ہیں۔

('محبت' کے باب سے اقتباس)

2۔ ایک فلسفی کا قول ہے کہ: ''بزرگوں کی نصیحتیں سرما کے سورج کے طرح ہیں جو روشن تو ہے مگر گرمی سے محروم ہے۔ چنانچہ ان نصائح کے خلاف نوجوان لوگ بغاوت کرتے ہیں۔''

('دوستی' کے باب سے اقتباس)

3۔ دوستی سراسر داخلی بات ہے، ہم کسی حقیقی ہستی سے محبت نہیں کرتے، بلکہ ہماری محبت کا مرکز وہ ہستیاں ہوتی ہیں جنہیں خود ہمارے ذہن نے جنم دیا ہو۔ اسی لئے تو مشہور ہے کہ حُسن دیکھنے والوں کی نگاہوں میں ہوتا ہے۔''

('محبت' کے باب سے اقتباس)

1636۔ نہرو، پنڈت جواہر لال: کچھ بے نام خطوط

ترجمہ: عبدالمجید الحریری

دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ، 1960ء

خطوط: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 2، 10، 11)

1637۔ کارنیگی، ڈیل: پریشان ہونا چھوڑیے، جینا شروع کیجئے

ترجمہ: شاہد حمید

لاہور: مکتبہ میری لائبریری، 1964ء

انسانی نفسیات۔ انگریزی سے ترجمہ۔ عوامی سطح پر یہ کتاب بیسٹ سیلر ثابت ہوئی۔ یہ کتاب بک ہوم لاہور نے بھی شائع کردی ہے۔ (حوالہ:2، 10، 11)

1638۔ کول، جنرل۔ایم: شکست در شکست

ترجمہ: اسرار زیدی

لاہور: کلاسیک، دی مال

انکشافات: انگریزی سے ترجمہ۔ بھارتی جنرل کی یادداشتیں (حوالہ۔10، 11)

1639۔ کول، جنرل بی۔ایم: ان کہی کہانی

ترجمہ: آفتاب احمد بسمل

کراچی: ایشین بک سینٹر، 1967ء

انکشافات/ یادداشتیں۔ انگریزی سے ترجمہ۔ بھارتی جنرل کے انکشافات (حوالہ 2، 10، 11)

000

نئے تراجم:1986ء تا حال

آپ بیتی

1640۔ الجیرنن، کرنل ڈیورانڈ: سرحدوں کی تلاش

ترجمہ: کرنل (ر) غلام جیلانی خان

اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، طبع اوّل: 2011ء

آپ بیتی/ مشاہدات: کرنل الجیرنن ڈیورانڈ 1889ء تا 1894ء برٹش ایجنٹ گلگت رہے۔ بعدازاں وائسرائے ہند کے ملٹری سیکرٹری کے طور پر 1894ء تا 1899ء کام کرتے رہے۔ ''سرحدوں کی تلاش'' ایک صدی قبل کے شمالی علاقہ جات کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ کرنل ڈیورانڈ کے حیران کن مشاہدات بھی ہیں اور عہد موجود کے شمالی علاقہ جات کا تجزیہ کرنے کو کرنل ڈیورانڈ کے حاصل کردہ نتائج بھی۔ (حوالہ:10، 11)

1641۔ ایکس، میلکم: گھر ہونے تک

ترجمہ: عمران الحق چوہان

لاہور: بک ہوم

آپ بیتی: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 10، 11، 16)

1642۔ رسل، برٹرینڈ: رسل کی آپ بیتی

ترجمہ: قاضی جاوید

لاہور: فکشن ہاؤس

آپ بیتی: مشہور فلاسفر رسل کی خودنوشت کا اردو ترجمہ۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1643۔ طٰہٰ حسین، ڈاکٹر: میرے شب و روز

ترجمہ: سیّد عبدالباقی شطاری

لاہور: بک ہوم

آپ بیتی: مصر کے مشہور فلاسفر کی داستان حیات، جو نابینا تھے اور مصر کے وزیر تعلیم رہے۔ (حوالہ: 1، 12)

1644۔ گابا، کے۔ایل: اپنے اور پرائے

ترجمہ: لاہور فکشن ہاؤس

آپ بیتی: یاد رہے کہ کے۔ایل گابا کی تحریر کردہ سیرۃ النبی نے عالمگیر شہرت پائی۔ (حوالہ: 11، 12)

1645۔ مسولینی، بینٹو: داستان مسولینی

ترجمہ: لاہور فکشن ہاؤس

آپ بیتی: اٹلی کے عظیم لیڈر/ ڈکٹیٹر کی خودنوشت (حوالہ: 10، 11، 12)

1646۔ منڈیلا، نیلسن: آزادی کا طویل سفر

ترجمہ: خالد محمود خاں

لاہور: نگارشات

آپ بیتی: جنوبی افریقہ کے عظیم انقلابی لیڈر کی طویل جدوجہد کی کہانی (حوالہ: 10، 11، 12)

1647۔ وِل ڈیورانٹ/ ایریل ڈیورانٹ: آپ بیتی وِل ڈیورانٹ اور ایریل ڈیورانٹ

ترجمہ: لاہور فکشن ہاؤس

لاہور: فکشن ہاؤس

آپ بیتی: معروف تاریخ داں/ فلاسفر کی داستان حیات (حوالہ: 10، 12)

1648۔ ہٹلر، ہر اڈولف: تحریکِ ہٹلری

ترجمہ: ابراہیم علی چشتی

لاہور: فکشن ہاؤس، لاہور

آپ بیتی: جرمنی کے نازی لیڈر کی زندگی کے اہم واقعات/ روزنامچہ۔ ترجمہ پہلی بار 1950ء میں لاہور ہی سے شائع ہوا تھا۔

(حوالہ: 10، 11، 12)

1649۔ ہٹلر، ہر اڈولف: میری جدوجہد

ترجمہ: شانتی نرائن

لاہور: فکشن ہاؤس

آپ بیتی: جرمن کے نازی لیڈر کی خودنوشت انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ یہ ترجمہ پہلی بار 1938ء میں شائع ہوا تھا۔

(حوالہ 10، 11، 12)

ooo

افسانہ

1650۔ کاواباٹا و کینزابوروای: جاپانی کہانیاں

ترجمہ: شاہد حمید

لاہور: مشعل

افسانے: جاپانی نوبیل انعام یافتہ افسانہ نگاروں یسوناری کاواباٹا (پ: 14 جون 1899ء م: 16 اپریل 1972ء) اور کنزا بوروای (پ: 31 جنوری 1935ء) کے افسانوں کے انگریزی کی معرفت تراجم۔ (حوالہ: 10، 11)

ooo

تنقید

1651۔ ارسطو: رطوریقا

ترجمہ: ڈاکٹر محمود الرحمٰن

اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز

تنقید: یونان کا مشہور فلاسفر ارسطو، جو سکندر اعظم کا استاد تھا، نے فن شاعری سے متعلق تین سو سال قبل مسیح میں ایک کتاب "Poetica" یادگار چھوڑی تھی، جو عربی میں 'بوطیقا' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کے اردو میں تین تراجم، عزیز احمد، شمس الرحمٰن فاروقی اور بدر منیر ڈار نے کیئے ہیں۔ اب ڈاکٹر محمود الرحمٰن نے ارسطو کی ایک اور تنقیدی کتاب ''رطوریقا'' اردو میں متعارف کروائی ہے۔ یہ نادر و نایاب کتاب دوست پبلی کیشنز نے پہلی بار شائع کی ہے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ارسطو کے دونوں رسائل ''بوطیقا'' اور ''رطوریقا'' شاہِ یونان سکندر اعظم کے نام معنون کیئے گئے تھے۔ یونانی زبان سے اِن دونوں رسائل کے عربی تراجم ہشام بن عبدالملک (سال خلافت :723ء) نے اپنے میر منشی سالم سے کروائے تھے۔ یوں عربی میں ترجمہ ہو کر "Poetica"، 'بوطیقا' کے نام سے مشہور ہوئی۔ (حوالہ: 10، 11)

000

ڈراما

1652۔ ایلیٹ، ٹی۔ایس: اردو دنیا میں خیر مقدم

ترجمہ: عزیز احمد اور قرۃ العین حیدر وغیرہ

تالیف: مرزا حامد بیگ

اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، 1999ء

ڈراما/ تنقید/ شاعری: ایلیٹ کے منظوم و منثور ڈراموں اور نظموں کے انگریزی سے تراجم کی انتھالوجی۔ ایلیٹ کے تنقیدی افکار بالخصوص ایلیٹ کا تصورِ روایت ہمارے ہاں ادبی محافل اور جرائد میں اکثر موضوع بحث رہا۔ یہ کتاب اُن تمام مباحث کو سمیٹے ہوئے ہے۔ ایم۔اے، ایم۔فل (اردو/ انگریزی) کے طلبہ و طالبات، ریسرچ اسکالرز اور اساتذہ کیلئے ایک حد تک سودمند ہے۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1653۔ شیکسپیئر ولیم: میکبتھ

ملخص ترجمہ: ستار طاہر

اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز

ڈراما: ستار طاہر نے شیکسپیئر کے مشہور ڈراما "Macbeth" کا یہ ترجمہ مکتبہ شاہکار، لاہور سے 1975ء میں شائع ہوا تھا۔ اب دوست پبلی کیشنز نے اِس ڈرامے کی تلخیص شائع کی ہے۔ تاکہ عالمی کلاسیکی ادب سے واقفیت پیدا ہو۔

(حوالہ 10، 12)

1654۔ شیکسپیئر، ولیم: وینس کا سوداگر

ملخص ترجمہ: ستار طاہر

اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز

ڈراما: ستار طاہر نے "The Merchant of Venice" کا ترجمہ کیا تھا۔ یہ اُس کی تلخیص ہے۔

(حوالہ 10، 12)

ooo

سوانح

1655۔ آرم اسٹرانگ، کیرن: پیغمبر امن

ترجمہ: یاسر جواد

لاہور: نگارشات

سیرۃ النبی۔ حضور اکرمؐ کی حیات مبارکہ۔ انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ 10، 11، 12)

1656۔ پاسٹرنک، اینا: لیڈی ڈیانا: محبت کا المیہ

لاہور: فکشن ہاؤس

سوانح: تاجِ برطانیہ کے ولی عہد شہزادہ چارلس کی حسین بیوی کی سوانحِ حیات۔ (حوالہ 10،11،12)

1657۔ جارج، ٹی جے۔ ایس: داستانِ نرگس

لاہور: فکشن ہاؤس

سوانح: مشہور فلم ساز جدّن بائی کی بیٹی، سنیل دت کی بیوی اور سنجے دت کی والدہ، عظیم اداکارہ نرگس کی داستانِ حیات۔

(حوالہ 10،11،12)

1658۔ خدیجہ اکبر: مدھوبالا: راہ دل کی مسافر

ترجمہ: زیبا نورین

لاہور: نگارشات

سوانح: کے۔آصف کی فلم ''مغل اعظم'' کی ہیروئین جو پندرہ برس کی عمر میں بطور ہیروئین ہندوستانی فلموں میں آئی۔ دلیپ کمار سے قلبی تعلق رہا اور شادی کشور کمار سے ہوئی۔ ٹی بی کے موذی مرض کا شکار ہو کر دُنیا سے رخصت ہوئی۔ مشہور فلمیں، ترانہ، بادل، چلتی کا نام گاڑی۔ (حوالہ: 10,11,12)

1659۔ خوشونت سنگھ: مہاراجہ رنجیت سنگھ

ترجمہ: محمد احسن بٹ

لاہور: نگارشات

سوانح: پنجاب کے راجہ رنجیت سنگھ کا زندگی نامہ جسے بھارت کے مشہور صحافی اور ناول نگار نے تاریخی شواہد اور معتبر حوالہ جات کے ساتھ رقم کیا ہے۔ (حوالہ: 10,11,12)

1660۔ روبن، بنی: دلیپ کمار

ترجمہ: محمد احسن بٹ

لاہور: نگارشات

سوانح: مشہور بھارتی اداکار دلیپ کمار (اصل نام یوسف خان) جنہوں نے 1946ء میں فلم ''جوار بھاٹا'' کے ساتھ فلمی زندگی کا آغاز کیا۔ آٹھ فلم فیئر ایوارڈ حاصل کیے۔ فلم ''گنگا جمنا'' کے فلم ساز بھی ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی ناصر خاں، پاکستان کی پہلی فلم ''تیری یاد'' (1948ء) کے ہیرو تھے۔ دلیپ کمار نے نصف صدی ہندوستان کی فلم انڈسٹری پر حکمرانی کی۔ 1964ء میں بطور ہیرو اٹھارہ لاکھ روپے معاوضہ لیا کرتے تھے۔ پہلی شادی سائرہ بانو، پری چہرہ نسیم کی بیٹی سے کی۔ دوسری خفیہ شادی تھی اولاد کے لئے۔ لیکن سائرہ بانو آڑے آئیں اور طلاق دلوا دی۔ دلیپ کمار کی مشہور فلمیں: اُڑن کھٹولہ، دیدار، آن، انداز، ترانہ، مغل اعظم، لیڈر، گنگا جمنا، دل دیا درد لیا، یہودی وغیرہ۔ پالی ہل، ممبئی میں رہائش ہے۔ راج کپور، اشوک کمار، پرتھوی راج جیسے نامور ہیرو اُن کے مقابل ولن کے کردار ادا کرتے رہے۔

(حوالہ 10، 11، 12)

1661۔ رول، بابس: حرم سرا کے شب و روز

ترجمہ: محمد یحییٰ خاں

لاہور: نگارشات

سوانح: ایک امریکی عورت کے چشم کشا مکتوبات پر مبنی عرب شہزادوں کے عشرت کدوں کا احوال۔ اس عورت کی بیٹی ایک سعودی شہزادے کے حرم میں تھی۔ (حوالہ: 10، 12)

1662۔ ریڈزنسکی، ایڈورڈ گرانٹ/ جڈسن روزن: راس پوٹین

ترجمہ: محمد احسن بٹ

لاہور: نگارشات

سوانح: زار روس کے زمانے کے نامور جنس زدہ شخص کے حالات زندگی۔ راسپوٹین، زار روس کے محلات میں موجود بیگمات اور لونڈیوں کی پسندیدہ شخصیت رہا۔ راسپوٹین کو جنسی گمراہی کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔ (حوالہ 10، 11، 12)

1663۔ ژاں لاکوتیور: ہوچی منہہ

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: فکشن ہاؤس،

سوانح: ویت نام کے عظیم انقلابی لیڈر کی حیات اور انقلاب ویت نام کی تفصیل۔ (حوالہ 10، 12)

1664۔ فیلر، بروس: حضرت ابراہیمؑ

ترجمہ: یاسر جواد

لاہور: نگارشات

سوانح: یہودیت، عیسائیت اور اسلام سے پہلے کے پیغمبر، جن سے حضور اکرمؐ کا سلسلہ نسب مل جاتا ہے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں ہوئی۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1665۔ کرشن کمار: گوتھ بُدھ: راج محل سے جنگل تک

ترجمہ: خالد ارمان

لاہور: نگارشات

سوانح: بدھ مت کے بانی، گوتم کے حالات زندگی، بدھ مت کی تاریخ، تعلیمات اور اخلاقیات غرضیکہ سب کچھ۔ مشکل اصطلاحات اور قدیمی بھولے بسرے ناموں کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ گوتم کی وفات کے بعد دنیا بھر میں اُن کی سوچ سے کتنے فلسفہ ہائے زندگی نے جنم لیا۔ جن میں کچھ تو باقاعدہ مذاہب کا درجہ حاصل کر گئے، جیسے ''جین مت'' (حوالہ: 10، 11، 12)

1666۔ کلارک، جی گلینوڈ: ایڈیسن

ترجمہ: مطلوب احمد وڑائچ

لاہور: بک ہوم

سوانح: عظیم موجد ایڈیسن کے حالات زندگی اور کارناموں کی تفصیل (حوالہ 10، 12)

1667۔ لنڈسے، اے ڈی: ایمانوئیل کانٹ

ترجمہ: مُعتصد ولی الرحمٰن

لاہور: بک ہوم

سوانح: عظیم فلاسفر کانٹ کی سوانح عمری، انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1668۔ ن۔ن: لینن (سوانح عمری)

ترجمہ: ڈاکٹر ظ۔انصاری

لاہور: بک ہوم

سوانح: روس کے عظیم انقلابی لیڈر لینن کے حالات زندگی۔ یہ کتاب پہلی بار براہ راست روسی زبان سے ظ۔انصاری نے اردو میں ترجمہ کی اور دارالاشاعت، ماسکو سے شائع ہوئی۔ (حوالہ 10، 11، 12)

1669۔ ویگل، آرتھر: قلوپطرہ

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: فکشن ہاؤس

سوانح: مصر کی ملکہ قلوپطرہ، جس کے چاہنے والے برسوں آپس میں برسرِ پیکار رہے، کے حالات (حوالہ: 10، 11، 12)

ooo

ناول

1670۔ آسٹن، جین: تکبر اور تعصب

ترجمہ: شاہد حمید

کراچی: اوکسفرڈ پریس، طبع اوّل: 2000ء

ناول: جین آسٹن کے مشہور ناول ''پرائیڈ اینڈ پریجوڈس'' کا اردو میں پہلا ترجمہ۔ اس ناول پر ہالی وڈ، امریکہ سے 1996ء اور 2005ء میں دو فلمیں بن چکی ہیں اور ایک فلم بولی وڈ، بھارت سے بھی۔ یہ بھارتی فلم جنرل مشرف دور میں پاکستانی سینماؤں کی بھی زینت بن چکی ہے۔ جین آسٹن کے اہم ناول "Emma" کا تا حال اردو ترجمہ نہیں ہوا۔ جس پر ہالی وڈ کے ہدایت کار ڈگلس میکگراتھ نے 1996ء میں فلم بنائی۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1671۔ انڈرچ، آئیو: درینہ کاٹیل

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: فکشن ہاؤس

ناول: انگریزی کی معرفت اردو ترجمہ۔ (حوالہ: 11، 12)

1672۔ برٹن، سر رچرڈ: حسن زرگر

ترجمہ: ستار طاہر

اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز

ناول: لانگ فکشن۔ انگریزی سے ملخص ترجمہ۔ یہ تحریر پہلی بار اردو میں ترجمہ ہوئی ہے۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1673۔ بریخت: مُلحد کا اوور کوٹ

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: فکشن ہاؤس

ناول: بریخت، فکشن کا انتہائی محترم نام ہے۔ اُس کا ناول پہلی بار اردو میں ترجمہ ہوا۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1674۔ بول، ہائنرش: کیتھارینا بلوم کی کھوئی ہوئی عزّت

ترجمہ: ادارہ

لاہور: فکشن ہاؤس

ناول: انگریزی کی معرفت اردو ترجمہ۔ (حوالہ: 11، 12)

1675۔ پزو، مارَو: گاڈ فادر

ترجمہ: ادارہ

لاہور: فکشن ہاؤس

ناول: انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ اس ناول پر ایک فلم 'گاڈ فادر' کے عنوان سے ہالی وڈ، امریکہ سے ریلیز ہوئی۔ ناول کا موضوع 'انڈر ورلڈ' ہے۔ امریکی فلم میں 'گاڈ فادر' یا 'ڈان' کا کردار آسکر ایوارڈ یافتہ بے مثل اداکار مارلن برانڈو نے ادا کیا ہے، جو میتھڈ ایکٹنگ کا بانی ہے۔ (حوالہ۔ 10، 11، 12)

1676۔ تورگنیف، آئیوان: سرائے

ترجمہ: ستار طاہر

اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز

ناول: روسی زبان سے انگریزی کی معرفت ترجمہ و تلخیص۔ نوجوان نسل کو عالمی کلاسیک سے روشناس کروانے کی کوشش ہے۔ (حوالہ 10، 11)

1677۔ ٹالسٹائی، کاؤنٹ لیو: جنگ اور امن

ترجمہ: شاہد حمید

لاہور: پولیمر پبلی کیشنز، اردو بازار، طبع اوّل 1993ء

ناول: روسی فکشن کے گریٹ ماسٹر ٹالسٹائی کے ضخیم ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ یہ ناول کرداروں کا جنگل ہے۔ شاہد حمید کا بطور مترجم یہ ایک اہم کارنامہ ہے۔ اس سے قبل اس مشہور ناول کو ترجمہ کرنے کی کسی نے ہمت نہیں کی۔ مقام افسوس یہ ہے کہ شاہد حمید کے ترجمے کو سامنے رکھ کر ایک غیر معروف شخص فیصل اعوان نے ایک اور ترجمہ تیار کرلیا جسے فکشن ہاؤس، لاہور نے شائع کیا ہے۔ یُوں فکشن ہاؤس کی شائع کردہ کتاب ''جنگ اور امن'' میں وہ فلسفیانہ مباحث دیکھنے کو نہیں ملتے، جو اِس ناول کی عظمت کی دلیل تھے۔ لاہور کے کئی اشاعتی ادارے اس طرح کا کام کروا رہے ہیں۔ جسے افسوس ناک ہی کہا جاسکتا ہے۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1678۔ ٹوئن، مارک: شہزادہ اور فقیر

ترجمہ: ستار طاہر

اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز

ناول: بچّوں کے لئے ملخص ترجمہ ہے۔ اس سے قبل یہ کہانی اردو میں منتقل نہیں ہوئی تھی۔ مارک ٹوئن کی یہ کہانی عالمی کلاسیکی ادب میں شمار ہوتی ہے۔ بچّوں کو عالمی کلاسیک سے متعارف کروانے کی کوشش کی گئی ہے۔

(حوالہ: 10، 12)

1679۔ چارٹرس، لیسلی: سرفروش

ترجمہ: ادارہ

لاہور: فکشن ہاؤس

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1680۔ حمزاتوف، رسول: میرا داغستان

ترجمہ: ادارہ

لاہور: فکشن ہاؤس

ناول: ازبکستان کے عظیم شاعر اور ناول نگار رسول حمزا توف کے ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ یاد رہے کہ رسول حمزا توف نے اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد کی ''انٹرنیشنل کانفرنس آف رائٹرز اینڈ انٹلیکچولز، برائے لٹریچر، کلچر اینڈ ڈیموکریسی'' منعقدہ 30 نومبر 1995ء۔3 دسمبر 1995ء میں شرکت کی تھی اور اس وقت کی وزیرِاعظم پاکستان بینظیر بھٹو کی موجودگی میں ایک لازوال نظم پڑھی تھی، ازبکستان اور پاکستان کی دوستی کے حوالے سے مجھے بھی چار دن اُن سے ملاقات کا موقع ملا۔ اُنہوں نے سب کا دل جیت لیا۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1681۔ خوشونت سنگھ: پاکستان ایکسپریس

ترجمہ: محمد احسن بٹ

لاہور: نگارشات

ناول: اسے دستاویزی ناول کہنا چاہیے۔ اس لئے کہ 1947ء کے خونی فسادات کے پس منظر میں تحریر کردہ لانگ فکشن ہے۔ اس ناول کا پہلا ترجمہ عرفان احمد خان نے ''ٹرین ٹو پاکستان'' کے نام سے کیا تھا جو 2005ء میں پہلی بار شائع ہوا۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1682۔ خوشونت سنگھ: کمپنی آف وومن

ترجمہ: محمد احسن بٹ

لاہور: نگارشات

ناول: بھارت کے مشہور صحافی کی نظر سے بھارت کے نائٹ کلبوں کے شب و روز کی جھلک۔

(حوالہ: 10، 11، 12)

1683۔ خوشونت سنگھ: ٹرین ٹو پاکستان

ترجمہ: عرفان احمد خاں

لاہور: ٹی اینڈ ٹی پبلشرز، بینک کالونی، سمن آباد، لاہور، طبع اوّل: 2005ء طبع دوم: 2011ء

ناول: اس ناول کا ایک ترجمہ محمد احسن بٹ نے ''پاکستان ایکسپریس'' کے عنوان سے کیا ہے۔ (حوالہ: 10، 11)

1684۔ خوشونت سنگھ: دِلّی

ترجمہ: عرفان احمد خاں

لاہور: ٹی اینڈ ٹی پبلشرز، بینک کالونی، سمن آباد، لاہور، طبع اوّل: 1998ء

ناول: عرفان احمد خاں کی ترجمہ شدہ اس ناول کا پانچواں ایڈیشن 2005ء میں نکلا۔ چھٹا ایڈیشن 27 مئی 2012ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ ناول دلی شہر اور ایک طوائف ''بھاگ متی'' کے بسنے اور اُجڑنے کی کہانی ہے۔ اس ناول کا اردو ترجمہ تخلیقات، لاہور نے ''دِلّی'' کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ عرفان احمد خاں، ناول 'دِلّی' کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ اُن کا ترجمہ قسط وار مُدیر ''امبربیل'' لاہور، محمد یونس حسرت نے 1997ء میں شائع کرنا شروع کیا۔ تین اقساط کے معاوضے کے بعد ادائیگی روک دی۔ عرفان احمد خاں کی ترجمہ کردہ چوتھی اور پانچویں قسط ''امبربیل'' میں مترجم کے نام کے بغیر چھپی۔ چھٹی قسط پر محمد یونس حسرت کا نام آگیا اور وہی ترجمہ قدرے تبدیلی کے ساتھ محمد یونس حسرت نے تخلیقات، لاہور سے شائع کروا دیا۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1685۔ خوشونت سنگھ: سمندر میں تدفین

ترجمہ: محمد احسن بٹ

لاہور: نگارشات

ناول: دستاویزی ناول ہے۔ اس میں نہرو خاندان کی جنسی بے راہ روی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ دستاویزی حوالوں سے بات کی گئی ہے۔ (حوالہ: 10، 11)

1686۔ دوستوفسکی، فیودر: کرامازوف برادران

ترجمہ: شاہد حمید

لاہور: تخلیقات، طبع اوّل: 2002ء

ناول: روس کے عظیم ناول نگار کے مشہور زمانہ ناول کا اردو میں پہلا ترجمہ۔ (حوالہ 10، 11، 12)

1687۔ ڈکنز، چارلس: دوشہروں کی کہانی

ترجمہ: ستار طاہر

اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز

ناول: "A Tale of Two Cities" کا ملخص ترجمہ۔ اس ناول کا کامل ترجمہ فضل الرحمٰن نے کیا تھا، جسے وزارت اطلاعات، حکومت ہند نے 1941ء میں شائع کیا تھا۔ چارلس ڈکنز کے ناول: "Oliver Twist" پر ہالی وڈ کے بڑے ہدایت کار ڈیوڈ لین نے 1951ء میں فلم بنائی۔ اُس کے بعد رومان پولانسکی نے 2005ء میں اسی ناول پر دوسری فلم بنائی۔ ڈکنز کے ناول: "Nicholas Nickleby" کو 2002ء میں ہالی وڈ کے ہدایت کار سٹیفن وہیٹا کر نے فلمایا "Great Expectations" کو ڈیوڈ لین 1947ء میں فلما چکے تھے۔ مقام حیرت ہے ان ناولوں کے اردو ترجمے تاحال نہیں ہوئے۔

(حوالہ 11، 12)

1688۔ ڈوما، الیگزنڈر: مونٹی کرسٹو کا نواب

ملخص ترجمہ: ستار طاہر

اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز

ناولٹ: مقبول ترین کتاب کی تلخیص و ترجمہ۔ (حوالہ: 12)

1689۔ ڈیفو، ڈینیل: روبنسن کروسو

ترجمہ: ستار طاہر

اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز

ناول: بچوں کے لئے مہماتی کہانی۔ عالمی ادب کا مشہور و مقبول شاہکار۔ یہ کتاب کی تلخیص ہے۔ ایک تلخیص بہت

پہلے کرچیئن ادارے ریلیجینس سوسائٹی نے لاہور سے شائع کی تھی۔ (حوالہ 10، 11، 12)

1690۔ روہمر، سیکس: مقدس جوتا

ترجمہ: تیرتھ رام فیروز پوری

لاہور: فکشن ہاؤس

ناول: تیرتھ رام فیروز پوری نے قیام پاکستان سے قبل یہ ترجمہ کیا تھا۔ جو شائع بھی اُسی دور میں ہوا لیکن دستیاب نہ تھا۔ یہ جاسوسی ناول ہے، جسے انگریزی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ (حوالہ: 10، 11)

1691۔ سارتر، ژاں پال: سزائے موت میں اِلتوا

ترجمہ: ادارہ

لاہور: فکشن ہاؤس

ناول: نوبیل ادبی انعام یافتہ فرانسیسی ناول نگار اور فلاسفر کے ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔

(حوالہ 10، 11، 12)

1692۔ سباتو، ارنستو: سُرنگ

ترجمہ: ادارہ

لاہور: فکشن ہاؤس

ناول: انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ: 11، 12)

1693۔ ساسن، جین پی: پرنسس (تین جلدیں)

ترجمہ: عرفان احمد خاں

لاہور: ٹی اینڈ ٹی پبلشرز، بینک کالونی، سمن آباد، پہلی جلد 2001

ناول: یہ ناول تین جلدوں میں ہے۔ پہلا حصہ: ''پرنس''، دوسرا: ''ڈاٹر آف عریبیا'' اور تیسرا: ''ڈیزرٹ رائل''۔ عرفان احمد خان نے اس ناول کا تین جلدوں میں ترجمہ پیش کیا ہے۔ یہ ایک عرب شہزادی کے انتہائی سنگین شب و روز کا بیان ہے۔ وہ مذہبی اور سماجی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی لیکن آزادی کے لئے کوشاں رہی اور بالآخر آزادی حاصل کر کے رہی۔ عرفان احمد خاں نے ناول کی تیسری جلد کا ترجمہ: ''صحرائی شہزادے'' کے عنوان سے کیا ہے، جو 2005ء میں شائع ہوا۔

اِسی ناول کا ایک ترجمہ محمد احسن بٹ نے بھی کیا ہے جسے نگارشات، لاہور نے شائع کیا۔ (حوالہ 10، 11، 12)

1694۔ سولزے نتسن، الگزینڈر: کینسر وارڈ

ترجمہ: ن۔ن

لاہور: فکشن ہاؤس

ناول: روسی نوبیل ادبی انعام یافتہ ناول نگار کے ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1695۔ شوکشن، ویسلی: میں جینا چاہتا ہوں

ترجمہ: ادارہ

لاہور: فکشن ہاؤس

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 10، 11)

1696۔ فالیٹ، کین: رقصِ اَجل

ترجمہ: ادارہ

لاہور: فکشن ہاؤس

ناول: انگریزی سے ترجمہ۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1697۔ کوئیلیو، پاؤلو: کیمیادان

ترجمہ: خالد اقبال یاسر

لاہور: انٹرنیشنل کانگرس آف رائٹرز اینڈ انٹلیکچولز: 2001ء

ناول: پرتگیز ناول نگار کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ اس ناول کے فرانسیسی ترجمے کو بنیاد بنا کر ایک ترجمہ شفیق ناز نے بھی کیا تھا، جسے انہوں نے الحمرا، اسلام آباد سے شائع کیا۔ (حوالہ 10، 11، 12)

1698۔ کوئیلیو، پاؤلو: کیمیادان

ترجمہ: شفیق ناز

اسلام آباد: الحمرا

ناول: پرتگالی زبان کے مشہور ناول کا فرانسیسی زبان کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ 10)

1699۔ کافکا، فرانز: قلعہ

ترجمہ: طارق عزیز سندھو

لاہور: بک ہوم

ناول: فرانز کافکا کے عظیم علامتی ناول کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ پراگ میں پیدا ہونے والے اس حددرجہ منفرد فکشن رائٹر نے ساری دنیا کے ادب کو متاثر کیا۔ اس کا افسانہ "قلبِ ماہیت" اردو افسانے کو بھی علامتی اِبعاد سے ہمکنار کر گیا۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1700۔ کانریلیٹن، میری: محبت اور خون

ترجمہ: ادارہ

لاہور: فکشن ہاؤس

ناول: انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ: 10، 12)

1701۔ کنڈیرا، میلان: شناخت

ترجمہ: ادارہ

لاہور: فکشن ہاؤس

ناول: انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1702۔ گارڈر، جوسٹائن: سوفی کی دنیا

ترجمہ: شاہد حمید

لاہور: اردو سائنس بورڈ، دی مال

ناول: نارویجن ناول: "Send Kardia" کے انگریزی ترجمہ "Sophie World" کا اُردو روپ۔ یہ ناول پوری دنیا میں اپنے موضوع اور پیشکش کے سبب تادیر بیسٹ سیلر رہا ہے۔ اس ترجمے کا دوسرا ایڈیشن نگارشات، لاہور نے 2009ء میں شائع کیا۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1703۔ گورکی، میکسم: آقا

ترجمہ: امیر اختر

لاہور: بک ہوم

ناول: روس کے عظیم ناول نگار گورکی (پ: 1869ء۔ م: جون 1936ء) کے ناول ''ماں'' نے روس میں انقلابیوں کی تربیت کی۔ یہ گورکی کے ایک اور شاہکار ناول کا اردو ترجمہ ہے۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1704۔ گوگول، نکولائی: تاراس بلبا

ملخص ترجمہ: ستار طاہر

اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز

فکشن: عالمی کلاسیکی ادب میں سے انتخاب۔ ہالی وڈ امریکہ سے ''تاراس بلبا'' پر ایک شاہکار فلم بھی بنی، جس میں مرکزی کردار یُول برائینر نے ادا کیا تھا۔ اِسی فلم میں اداکاری پر یُول برائینر کو آسکر ایوارڈ ملا۔

(حوالہ: 11، 12)

1705۔ لارنس، ڈی۔ ایچ: لیڈی چیٹر لے

ترجمہ: ادارہ

لاہور: فکشن ہاؤس

ناول: مشہور ناول نگار اور نقاد ڈی۔ ایچ لارنس کا شاہکار۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1706۔ لوکی مُتسکی، پاول: پہاڑوں کی بیٹی

ترجمہ: ادارہ

لاہور: فکشن ہاؤس

ناول: انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ: 10، 12)

1707۔ مارکیز، گابریل گارشیا: تنہائی کے سو سال

ترجمہ: ادارہ

لاہور: فکشن ہاؤس

ناول: ہسپانوی زبان میں لکھنے والے کولمبیا کے ناول نگار مارکیز کو 1982ء میں نوبیل ادبی انعام مل چکا ہے۔ انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1708۔ مارکیز، گابریل گارشیا: وبا کے دنوں میں محبت

ترجمہ: ادارہ

لاہور: فکشن ہاؤس

ناول: انگریزی کی معرفت ہسپانوی زبان سے ترجمہ۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1709۔ مارکیز، گابریل گارشیا: محبتوں کے آسیب

ترجمہ: ادارہ

لاہور: فکشن ہاؤس

ناول: انگریزی کے معرفت ہسپانوی زبان سے ترجمہ۔ (حوالہ: 10)

1710۔ مرابت، محمد: بڑا آئینہ

ترجمہ: شاہد حمید

کراچی: شہرزاد پبلی کیشنز

ناول: مراکش کے ناول نگار محمد مراتب کا اصل نام: محمد بن چائبیل حاجیم ہے۔ "The Big Mirror" کا ترجمہ۔

(حوالہ 10)

1711۔ نجیب محفوظ: آبِ نیل پہ آوارگی

ترجمہ: ادارہ

لاہور: فکشن ہاؤس

ناول: مصر کے نوبیل ادبی انعام یافتہ ناول نگار کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ (حوالہ: 10، 12)

1712۔ ہلٹن، جیمز: الوداع مسٹر چپس

ترجمہ: ستار طاہر

اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز

ناول: جیمز ہلٹن کا مشہور زمانہ ناولٹ، جو برس ہا برس ہمارے ہاں بی۔اے کے نصاب میں شامل رہا۔ اس ناولٹ کا جتنا اثر مغربی معاشرے کو تہذیب یافتہ بنانے میں ہے اُتنا کسی اور ناول یا ناولٹ کا نہیں۔ تلخیص و ترجمہ ہے۔ عالمی کلاسیک سے متعارف کروانے کی ایک کوشش۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1713۔ ہیسے، ہرمن: سدھارتھ

ترجمہ: یعقوب یاور کوٹی

لاہور: نگارشات

ناولٹ: نوبیل ادبی انعام یافتہ ناول نگار کا انگریزی کی معرفت ترجمہ۔ گوتم بدھ کی تعلیمات اس ناول کے بطون میں موجود ہیں۔ بیسویں صدی میں اس ناول کے اثرات مشرقی اور مغربی دنیا پر یکساں دیکھے گئے۔ (حوالہ 10، 11، 12)

1714۔ ہیگرڈ، رائیڈر: عذرا

ترجمہ: ستار طاہر

اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز

ناول: رائیڈر ہیگرڈ کے مشہور ناول "She" کا ملخص ترجمہ ہے۔ اس سے قبل اسی ناول کا ایک ترجمہ ذوالفقار احمد تابش ''سلمیٰ'' کے عنوان سے کر چکے ہیں جسے البیان، لاہور نے بہت پہلے شائع کیا تھا۔ (حوالہ 10، 11)

1715۔ ہیگرڈ، رائیڈر: عذرا کی واپسی

ترجمہ: ستار طاہر

اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز

ناول: رائیڈر ہیگرڈ کے مشہور زمانہ ناول "She" کا دوسرا حصہ۔ "The Return of She" کا ترجمہ و تلخیص۔ اس سے قبل اسی ناول کا ایک ترجمہ ذوالفقار احمد تابش ''سلمیٰ کی واپسی'' کے عنوان سے کر چکے ہیں جسے البیان، لاہور نے بہت پہلے شائع کیا تھا۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1716۔ ہیمنگوے، ارنسٹ: بوڑھا اور سمندر

ترجمہ: شاہد حمید

لاہور: شام کے بعد، مزنگ روڈ

ناولٹ: نوبیل ادبی انعام یافتہ امریکی ناول نگار ہیمنگوے کا شاہکار ناولٹ۔ اس کہانی کو لے کر 1958ء میں ہالی وڈ،

امریکہ کے معروف ہدایت کار جان سٹرجز نے فلم "Old Man And The Sea" بنائی، جس میں بڈھے مچھیرے کا کردار دو آسکر ایوارڈ یافتہ عظیم اداکار سپنسر ٹریسی نے ادا کیا تھا۔ اس ناول کے دو اور ترجمے بھی مل جاتے ہیں، ابن سلیم اور بشیر ساجد کے۔ ہیمنگوے کے عظیم ناول: "For Whom The Bell Tolls" کا تا حال اردو ترجمہ نہیں ہوا۔ جس پر ہالی ووڈ کے ہدایت کار سیم وڈ نے 1934ء میں شاہکار فلم بنائی تھی۔ (حوالہ: 10، 11)

000

متفرق

1717۔ ڈیوراں، وِل: نشاطِ فلسفہ

ترجمہ: ڈاکٹر محمد اجمل

لاہور: مکتبہ اردو

فلسفۂ حیات: یہ کتاب موسسہ فرینکلن پروگرام کے تحت شائع کی گئی۔ کانٹ، ہیگل، شوپنہاور، نٹشے، ہائڈیگر (جرمنی)، ہیوم اور برکلے (برطانیہ) جیسے فلسفیوں کی طرح امریکہ کے وِل ڈیوراں کو ہم فلسفی کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔ یا اُن کا معاملہ برٹرنڈ رسل، سارتر اور رادھا کرشنن کی طرح کا ہے، یہ بحث طلب بات ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ وِل ڈیوراں کی تین کتب (1)The Story of Philosophy۔ (2)The Story of Civilisation۔ (3) The Pleasures of Philosophy کو دیکھ کر ایک ایسا صاحبِ طرز نثر نگار سامنے آتا ہے جس کے چھیڑے ہوئے فلسفیانہ مباحث میں غضب کی دلکشی ہے۔ اس کی تحریر حد درجہ خیال انگیز ہے۔

وِل ڈیوراں کی پہلی کتاب کا تو ''داستانِ فلسفہ'' کے عنوان سے عابد علی عابد نے ترجمہ کر دیا تھا۔ "The Story of Civilisation" کئی ضخیم جلدوں میں ہے۔ پاکستان کے سب سے بڑے نفسیات داں ڈاکٹر محمد اجمل نے "The Pleasures of Philosophy" کو ترجمے کے لئے چنا۔ ول ڈیوراں کی یہ کتاب 1929ء میں شائع ہوئی تھی، جس کا ترجمہ اجمل صاحب نے کر دیا۔

یہ کتاب انسانی تقدیر اور نسل انسانی کی طویل جدوجہد سے متعلق ہے۔ کتاب کے نو حصے ہیں، جن میں فلسفہ، مابعدالطبیعات، اخلاقیات، جمالیات، تاریخ اور مذہب غرضیکہ سبھی کچھ زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ چند ابواب میں بحث کو مکالمے کی شکل دے دی گئی ہے۔ اردو ترجمے سے نمونہ ملاحظہ ہو:

> جسمانی زندگی پہلے سے زیادہ محفوظ ہے لیکن اقتصادی زندگی ہزاروں پیچیدگیوں میں الجھ گئی ہے اور ہر روز نئے خطرات پیدا ہو رہے ہیں۔ جوان لوگ، جو پہلے زمانے سے زیادہ بہادر اور مغرور ہیں، اقتصادی طور پر بے بس اور جاہل ہیں۔ وہ محبت کرتے ہیں لیکن افلاس کی وجہ سے شادی نہیں کر پاتے۔ کئی سال کے بعد وہ پھر محبت کرتے ہیں، پھر بھی افلاس انہیں شادی کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1718۔ گرو رجنیش: زندگی ایک نغمہ، ایک رقص

ترجمہ: محمد احسن بٹ

لاہور: نگارشات

فلسفۂ حیات: گرو رجنیش کا تعلق بھارت سے تھا۔ انہوں نے وہاں ایک آشرم بنایا۔ جہاں رشی، مُنی حاضر رہتے۔ تب اُن پر الزام لگا کہ آشرم میں عورتوں اور مردوں کی قربت مقصود ہے، روحانیت محض ایک بہانہ ہے۔ گرو رجنیش وہاں روحانیت پر لیکچرز دیتے تھے جو بہ زبان انگریزی آڈیو کیسٹس کی صورت میں ساری دنیا میں مقبول ہوئے اور گرو رجنیش ''اُوشو'' کے نام سے جانے گئے۔

پاکستان میں ''اوشو'' کے آڈیو کیسٹس سب سے پہلے اشفاق احمد، بانو قدسیہ، ممتاز مفتی اور قدرت اللہ شہاب کی معرفت ہمیں سننے کو ملے تھے۔ یہ بیسویں صدی کے ستر کے دہے کا آخر تھا۔ ''اوشو'' کو بھگوان بھی سمجھا گیا اور شیطان بھی۔ بھارت سے جب انہیں دیس نکالا ملا تو پتا چلا کہ انہوں نے آشرم کے نام پر شداد جیسی جنت بنا رکھی تھی۔ بھارت چھوڑ کر وہ امریکہ چلے گئے، جہاں انہوں نے آشرم قائم کیے۔ بھارت کا مشہور فلمی اداکار ونود کھنہ شہرت کی بلندیوں پر تھا، جب وہ گرو رجنیش کے پیچھے پیچھے امریکہ چلا گیا۔ جب واپس آیا تو بمبئی کی فلم نگری نے اُسے وہ مقام نہ دیا جس پر فائز تھا۔ اس کتاب میں گرو رجنیش کے زندگی سے متعلق افکار جمع کر دیئے گئے ہیں۔ (حوالہ 10، 11، 12)

1719۔ گرو رجنیش: جیون بھید

ترجمہ: محمد احسن بٹ

لاہور: نگارشات

فلسفۂ حیات: کتاب کا موضوع زندگی کے اسرار و رموز ہیں۔ انہونی، کیسے ہو کر رہتی ہے وغیرہ۔ (حوالہ 10، 11، 12)

1720۔ گرو رجنیش: مراقبہ

ترجمہ: یاسر جواد

لاہور: نگارشات

فلسفۂ حیات: 'اوشو' کے لیکچرز کا مجموعہ۔ (حوالہ: 10، 11، 12)

1721۔ گرو رجنیش: یوگا

ترجمہ: محمد احسن بٹ

لاہور: نگارشات

فلسفہ حیات/تعمیر ذات/ ذہنی اور جسمانی بحالی کے لئے ورزشوں کا بیان۔ قدیم بھارتی طریقۂ کار کی جدید تفہیم۔

(حوالہ 10، 11، 12)

1722۔ گُرو رجنیش: اور پھولوں کی بارش ہونے لگی

ترجمہ: محمد احسن بٹ

لاہور: نگارشات

فلسفۂ حیات: اس مجموعے میں 'اوشو' کے وہ لیکچرز یکجا کر دیے گئے ہیں، جن میں خُدا، محبت، اَنا، شکست اَنا، ترکِ ذات، زیست اور موت کے موضوعات پر بات کی گئی ہے۔ (حوالہ: 10، 12)

1723۔ گُرو رجنیش: محبت

ترجمہ: محمد احسن بٹ

لاہور: نگارشات

فلسفۂ حیات: 'اوشو' کی اس کتاب میں محبت کیا ہے؟ کیوں کر ہو جاتی ہے؟ موضوع ہے۔

(حوالہ 10، 11، 12)

1724۔ میری برنارڈ: سیفو

ترجمہ: پرویز اختر/ خالد ارمان

لاہور: نگارشات

فلسفۂ حیات/ ہم جنس پرستی/ اڑھائی ہزار سال قبل کی شاعرہ 'سیفو' کے کلام کا نثری ترجمہ۔ سیفو، یونانی دیوی افرودیتی کی پجارن تھی اور ہم جنس پرست۔ سیفو کا نایاب کلام، جسے مسیحی اخلاقیات کی آگ بھی بھسم نہ کر سکی۔

(حوالہ 10، 11، 12)

1725۔ بزل الرحمٰن سروری: ولادت سے ہجرت تک

ترجمہ: زینب سروری

کراچی: کینوس B - 4 3، کمرشل ایریا ناظم آباد: 2، طبع اوّل 2012ء

سیرت: حضرت محمدؐ کی حیاتِ مبارکہ سے متعلق تازہ ترین کتاب۔ (حوالہ 13)

ترجمے کا فن: نظری مباحث
(46 قبل مسیح تا حال)

46 B.C. CICERO· Libellus de optimo genere oratorum IV: 14-
" I did not translate them as an interpreter but as an orator, not word for word (verbum pro verbo), but I preserved the general style and force of the language."

20 B.C. HORACE: Ars poetica I : 33 - Nec verbum verbo curabis reddere fidus interpres. (Nor will you as faithful translator render word for word.) - (cf. Sherburne 1701 and Huet 166 · on the interpretation of this passage.)

Fifteenth century : DANTE:
"nothing which is harmonized by the bond of the Muses can be changed from its own to another language without destroying all its sweetness" -

1530, LUTHER, Martin:-. Bin Sendbried vom Dolmet-schen. Werke. Weimar, XXX Abt.,11: 6 : 7 - 646.
The importance of writing is not a Latinized German, but a native idiom. (For English translation see Carruth 1907).

1576 . MONTAIGNE, Nichel de. "Apologie de Raimonde Sebonde Essais, Paris,1874. II: 119. - "It is easy to translate authors like this one, with hardly anything but subject matter to transfer; but it is risky to undertake those who have given their language much grace and elegance, particularly with a language of less power."

Sixteenth century : Fray Ponce de Leon: "Let the critic first find out what it is to translate elegant poems,without adding or taking away".

1611. CHAPMAN, George: Pref, to translation of Homer's Iliad, London (Cf. Bartlett. 1942).

1656. COWLEY, Abraham: Pref. to the Pindarique odes. (In his Works.) London. -

"I have , taken, left out, and added what I please; nor make it so much my aim to let the reader know precisely what he spoke, as what was his way and manner of speaking."

1656. DENHAM, John: Pref: to The destruction of Troy (i.e., translation of Aeneid, Book II), London.-

"translate Poesie into Poesie" "if Virgil must needs speak English, it were fit he should speak it not only as a man of this nation, but as a man of this age,"

1661. HUET, Pierre Daniel: Petri Damielis Hueti de interpretation Libri du quorum prior est'd' optime genere interpretandi, alter de Claris interpretibus. Paris, (Cf. Sherburne 1701).

Seventeenth century. Cervantes.

"Translation from one language into another is like gazing at a Flemish tapestry with the wrong side out."

1663. PHILIPS, Katherine F: Letters from Orinda to Poliarchus, 2nd ed. London 1729. Letter XIX (not in 1st ed.).

"I think translation ought not to be used as musicians do a ground, with all the liberty of Descant, but as Painters when they copy; and the rule that I understood of Trs. . was to write to Corneille's Sense, as it is to be supposed Corneille would have done, if he had been an Englishman not confined to his lines, nor his numbers but always to his meaning."

1680. DRYDEN, John: Preface to Ovid, Epistles. In Essays, ed. W.P. Ker Oxford 1900.-

Three types : (1) metaphrase, word for word, line for line (Ben Jonson's Ars poetica of Horace) : (2) paraphrase . . words not so strictly followed as the sense, which may be amplified but not altered (Waller's translation of Virgil, Aeneid (V); (3) imitation (which he admits may not be translation at all).

1684. ROSCOMMON, Wentworth Dillon: An essay on translated verse, London. -Gives advice to the "well-bred" translation admired by Dryden.

SHERBURNE, Edward: The tragedies of L Annaeus Seneca. . . London

"A brief discourse concerning translation" quotes Huetius as authority for disputing the idea that Horace favored a free rather than a word-for-word translation (Cf.Huet 1661).

1711. DACIER, Mme Anne: L'iliade d'Homere. Traduite en Francois. Amsterdam, -Advocates prose translation of Homer. (Cf. Mazon 1935)

1714. LAMOTTE, Antoine de: L'iliade: discours sur Homere .. Paris. (Cf. Rigault 1856)

1715. POPE, Alexander: Pref. to the translation of Homer's Iliad. London. -

"it is the first grand duty of an interpreter to give his author entire and unmaimed"."the diction and versification only are his proper province"."above all things to keep alive that spirit and fire which makes his chief character."

1760. BATTEUS, Charles: Principles of translation.Edinburgh. Translation of pt. 3, sec. 4,of Cours de belles letters.

1778. TURGOT, Anne Robert Jacques: 1727-1781.
See Alfred Neymarck, Turgot et ses doctrines. Paris 1885.
H:293.
"Condorcet etait pour une version franche et sans reticence. 'Il faut dire dans introduction ce qu'a dit Tibulle ou Catulle et non point ce qu'ils auraient du dire s' ils avaient eu des moeurs plus pures."

1778 . TURGOT, Anne Robert Jaques: 1727 -1781. See Alfred Neymarck, Turgot et ses doctrines. Paris 1885.
H : 293.
"Turgot ne transpose pas mais il amplifie volontiers. esquive parfois certaines difficultes ets' lesécarte souvent du texte," (For a contrary view see West 1932)

1 779. JOHNSON, Samuel. Lives of the poets. London 1890.1:437.-
"A translation is to be like his author. it is not his business to excel him."

Eighteenth century. JOHSON, Samuel :
"Poetry. . . cannot be translated."

1790. TYTLER, Alexander Fraser: Essay on the principles of translation. London. Also in Everyman's Libary.
"A good translation that, in which the merit of the original work is so completely transfused into another language, as to be as distinctly apprehended, and as strongly felt, by a native of the country to which that language belongs, as it is by those who speak the language of the original work."

1791. COWPER, W: Preface to Iliad. London.
"Fidelity indeed is of the very essence of translation and the term itself implies it."."The translation which partakes equally of fidelity and liberality promises fairest."

1796ء۔گلکرسٹ، (ڈاکٹر) جان۔کتاب:''ہندوستانی زبان کے قواعد''مطبوعہ: کلکتہ

''ان دونوں مکالمات (کارڈی نل ولزے اور شہزادہ ہیملٹ کی خود کلامیاں) کا بول چال کی مہذب زبان میں زیادہ سے زیادہ لغوی ترجمہ کرنے کی میں نے کوشش بھی کی ہے تاکہ سلاست کے ساتھ ساتھ ہندوستانیوں کا وہ انداز بیان بھی قائم رہے جو ایسے مسائل میں وہ اختیار کیا کرتے ہیں۔ میں نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ جہاں تک ہو سکے مشکل الفاظ استعمال نہ کروں جس سے فہم سے زیادہ منشی گری کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس ترجمے کا گھٹیا پن اور اس کی بے نمکی سے ناظرین کو اس کا اندازہ بھی ہو سکے گا کہ ترجمے میں اصل

کی روح اور اس کے حسن کو برقرار رکھنا بسا اوقات کس درجے دشوار ہو جاتا ہے اور اس سے یہ بھی کھل جائے گا کہ ہندوستانی زبان میں حد درجہ لطافت و صلاحیت ہونے کے باوجود اس زبان (ہندوستانی زبان) کے ان ترجموں میں جو جا بہ جا اس کتاب میں درج کئے گئے ہیں، کیوں بے لطفی محسوس ہوتی ہے۔"

1796. HUMBOLDT, Wilhelm v: Letter to A.W. v. Schlegel, 23 July : in Briefwechsel. Halle1908.

"All translating seems to me simply an attempt to accomplish an impossible task"

1800 NOVALIS, pseud: Fragments Dresden 1929 pp. 617-618.

"Three types of translation (1) grammatical, (2) modified (verandernd), (3) mythical (Mythisch). (1) designates the usual type, which demands much learning, few abilities. (2) demands supreme poetic power, otherwise travesty results, as in Pope's Homer, most French . translations (3) are translation in the highest sense, which give not only the actual work of art but also its ideal picture. No complete model exists, but bits are in evidence."

1811. GOLITSYN, Prince B.V: Reflexions sur les traducteurs russes., St. Petersburg.

Earliest book discussing the cardinal problems of Russian translation technique, especially in respect to poetry.

1813. GOETHE, J.W; v. Dichtung and Wabrbeit, III, 11. Jubilxans Ausgabe. Struttgart XXIV : 56-59.

Argument in favour of prose translation including Homer; Luther's Bible translation as example.

Nineteenth century. GOEIBE: "A good translation takes us a very long way."

Nineteenth century. HUGO, VICTOR :

"A translation in verse. ,. . seems to me something absurd, impossible.".

1813. SCHLEIERMACHER, Friedrich:

"Ober die verschiedenen Methoden des Ubersetzens." Werke, Berlia III. Abt. 11 : 207 - 245. - Three types : (1) paraphrase; (2) informative, like Goethe's first type; (3) emigration of foreign author, like Fulda's second type; S. rejects this.(Cf. Fulda 1904)

1816. HUMBOLDT, Wilhelm:v. Preface to Aeschylos, Agamemnon. Leipzig.

"Simplicity and faithfulness striven for. A translation can and should not be a commentary. When the original merely hints and is obscure, the translator has no right to give the text an arbitrary clarity." (Cf. Humboldt,1796).

1816. STAEL-HOLSTEIN. Anne L.G. baronne de. "De l'esprit des traduction." Oeuvres. Paris 1820 - 1821. XVII : 387 - 399.

Remarks on particular translations, little theorizing.

1819. GOETHE, J.Wt:v. "Obersetzungen," in "Noten and Abhandlungen zum West -östlichen Divan," Jubilanms-Ausgabe, Stuttgart. V : 303 - 306.
Three types (1) informative like Luther's Bible; (2) adaptation ("parbdistisch"); (3) reproduction (Voss' str. of Homer)'

1820. FRERE, J.H. Review of Mitchell's Aristophanes. Quar. R.23:474-505.
(1) Spirited Translators substitute "a modern variety or peculiarity for an ancient one." (2) Faithful Translators render into English all the conversational phrases according to their grammatical and logical form. "The language of translation ought never to attract attention to itself."

1820. SHELLEY, Percy Bysshe· "In defence of poetry. Shelley's prose in the Bodleian MSS, London 1910. p. 71. "It were as wise to cast a violet into a crucible, that you might discover the formal principle of its colour and odor, as seek to transfuse from one language into another, the creations of a poet."

1827. GOETHE, J.W:v. Letter to Carlyle,July 20, 1827. Goethe - Briefe. Berlin 1920 - 1925.
"Say what one will of the inadequacy of translation it remains one of the most important and the worthiest concerns in the totality of world affairs "

1837. ANON. (Jas. D. Knowles): "Principles of translation." Chr. R. 2 : 596.
Baptists' argument for translation of "baptize" by a native word meaning to immerse.

1851. SCHOPENHAUER. Arthur, "Ober Sprache und Worte." In Parerga and Paralipomena. Leipzig 1888. II :624-640.
"One difficulty in translation 's that a word in one language seldom has a precise equivalent in another one; S. uses overlapping circles as analogous."

1855. LEWES, George Henry: Life of Goethe, London. II: 315.
"In its happiest efforts, translation is but approximation, and its efforts are not often happy. A translation may be good as translation but it cannot be an adequate reporduction of the original."

1856. RIGAOLTH : Histoire de laquerelle des anciens et des modernes. Paris. Translations of Iliad by La Motte (12. books, rhyme) and Mme Dacier (prose). (Cf Mazon 1935).

1858. MOMMSEN, Tycho: Die Kunst des deutschen Ubersetzers aus neueren Sprachen Leipzing. (Cf. 1886).

1859. FITZGERALD, Edward: Works. New York. II: 100.
"Better a live sparrow than a stuffed eagle."

1860. PATTISON, Everett W: "Translation." Univ Q 2: 124-135.
Values of translating to the translator explored and illustrated.

1861 ARNOLD, Mathew: "On translating Homer" (two essays). London. Also in Essays literary and critical (Everyman's Library).
Insists on hexameters, tries to prove their appropriateness by examples, which are very bad. (cf. Benson 1924).

1861. CONINGTON, John: 'The English translators of Virgil." Our R. 110: 73- 114.
"A translation ought to endeavour not only to say what his author has said, but to say it as he has said it."

1861. NEWMAN, Francis W : Homeric translation in theory and practice. London.
Reply to Mathew Arnold. (Cf.Newman 1875).

1869. CALVERLEY, C.S : "On metrical translation : the Aeneid of Virgil." Complete works, London 1901. pp. 496 - 508.
Critical comments on attempts to translate classical meters into English ones. Specific criticism of Coningtion's translation of Virgil. (Cf. Conington 1861).

1874ء آزاد، مولوی محمد حسین:

''نئے انداز کے خلعت اور زیور جو آج کے مناسب حال ہیں، وہ انگریزی صندوقوں میں بند ہیں کہ ہمارے پہلو میں دھرے ہیں اور ہمیں خبر نہیں۔ ہاں صندوقوں کی کنجی ہمارے وطن کے انگریزی دانوں کے پاس ہے۔''

1874ء کے انجمنِ پنجاب کے تاریخی مشاعرے، لاہور سے خطاب۔

1874. ROSSETTI, Dante Gabriel: Pref. (1861) to Dante and his circle. London.
"a good poem shall not be turned into a bad one."

1875. NEWMAN, Francis W: "Essay on poetical translations " Fraser 92 : 88-96.
Examples from Greek and Latin, with conuhent.

1877. BROWNING, Robbert Works. London, 1889 XIII: 261-267. Pref. to translation of Agamemnon.
'There is abundant musicality elsewhere, but nowhere else than in his poem the ideas of the poet."

1878. FITZGERALD, Edward: Letters. . 1894, Letter to J.R. Lowell, Dec 22, 1878.
"I am persuaded that the translator must recast that original into his own Likeness. The live Dog better than the dead Lion.'"

یہاں فٹز جیرالڈ نے اصل تخلیق کے مقابلے میں ترجمے کو رد کیا ہے۔

1878. **SCHERER,** Edmon: Etudes sur la litterature contemporaine. Paris. V : 319-340.
"Deux choses font obstacle a la traduction en vers: Les dıfferences de grammaire et devocabulaire la nature meme de la poesie. . . notre vers n'a pas les memes qualites melodiques que le vers erange, il ne reproduit pas." "La traduction ressemble toujours a'

un casse-tête Chinois. . . on est sûr d'avance que l'adaptation laissera â desirer."

1881. CWIKLINSKI, Ludwik. Homer bomerycy (Homer and Homeridae), Lwow.
A survey of Polish Homer translations.

1881ء محمد حسین آزاد۔ کتاب: آب حیات، طبع اوّل: لاہور، 1881ء

1۔"ارباب زمانہ نے متفق اللفظ کہہ دیا کہ اردو زبان مضامینِ عاشقانہ ہی کہہ سکتی ہے۔ اُسے ہر ایک مضمون کے ادا کرنے کی طاقت اور لیاقت بالکل نہیں اور یہ ایک بڑا داغ ہے جو ہماری قومی زبان کے دامن پر لگا ہے۔ سوچتا ہوں کہ اسے کون دھوئے اور کیونکر دھوئے؟ ہاں یہ کام ہمارے نوجوانوں کا ہے جو کشورِ علم میں مشرقی اور مغربی دریاؤں کے کناروں پر قابض ہو گئے ہیں۔ ان کی ہمت آبیاری کرے گی، دونوں کناروں سے پانی لائے گی۔"

2۔"ترجمہ اور تصنیف کے تجربہ کار جانتے ہیں کہ اُن کی عبارت میں کسی زبان کا اصل لفظ جو اپنا مطلب بتا جاتا ہے، سطر سطر بھر عبارت میں ترجمہ کریں تو بھی وہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ جو مجموعہ خیالات کا اور اس کے صفات ولوازمات کا اُس ایک لفظ سے سننے والے کے سامنے آئینہ ہو جاتا ہے، وہ ہماری سطر بھر سے پورا نہیں ہوتا، مثلاً چندکوی اپنی نظم میں سلطان کی جگہ اگر راجہ بلکہ مہاراجہ لکھ دیتا تو بھی جو صفات اور اس کے لوازماتِ نیک یا بد، رحم یا عدل، زور یا ظلم، یہ لفظ اس کی نظم میں دکھا رہا ہے وہ بات راجہ مہاراجہ سے ممکن نہیں۔ اسی طرح لفظ سلام کہ اس کے مطلب کا حق خواہ ڈنڈوت، خواہ پرنام، کوئی لفظ ادا نہیں کر سکتا۔ نظیر اس کی، آج انگریزی کے سینکڑوں لفظ ہیں اگر ترجمہ کریں، تو سطروں میں بھی مطلب پورا نہیں ہوسکتا۔ مثلاً ایک ہندوستانی شخص اپنے دوست سے کہتا ہے: "لاٹ صاحب چھ بجے سٹیشن پر پہنچیں گے۔ پروگرام کے بموجب شہر کی سیر کریں گے۔ 5 بجے آنا۔ وہیں چل کر تماشا دیکھیں گے۔" اب خواہ صحیح خواہ بگڑے مگر جو اصلی لفظ آپ اپنے معنی سننے والے کو سمجھا رہے ہیں، کئی کئی سطروں میں ترجمہ کیے جائیں تو بھی حقِ طلب بجا نہ لا سکیں گے۔"

'آب حیات' مطبوعہ: آزاد بک ڈپو۔ مطبع کریمی لاہور: 1929ء، ص 16

1884ء۔ اکبر الہ آبادی: مقدمہ کتاب: "مسلمانوں کی حالتِ آئندہ"۔ (ترجمہ) مطبوعہ: میرٹھ 1883ء

"جہاں تک ممکن تھا میں نے لفظی ترجمہ کیا ہے اور مصنف کے سلسلۂ خیالات کو ذرا بھی برہم نہیں ہونے دیا۔ فقروں کی ترکیب کی پیچیدگی دور کی ہے۔ معانی کو کامل اور روشن کرنے کے لئے ایک لفظ کے ترجمے میں حسب ضرورت دو دو اور تین تین لفظ رکھ دیے ہیں لیکن خیالاتِ پیچیدہ کا سہل کرنا میرا کام نہ تھا۔"

1886. GUMMERE, E.B. "The translation of Beowulf." Amer.J.Pailol. 7 : 46 -19.
He quotes Conybeare · "Poetry can alone reflect the images of poetry." Three possible methods : (1) retelling in prose ; (2) modern meter and diction ; (3) adoption of original meter. Gummere votes for (3).

1890ء۔ آزاد، نواب مولوی سیّد محمود (انسپکٹر رجسٹریشن) دیباچہ: رباعیات شہباز، کلکتہ: 1890ء

''شعرا، عرائسِ مضامین کے سنگار کے اسباب ولایتی مشاطہ کی اونچی دکانوں سے فیاضانہ قیمت دے کر لے رہے ہیں۔ نثار مکالے، سروالٹراسکاٹ، گولڈ اسمتھ، کارلائل، ڈیکن، تھیکرے اور سوئف کی معنی خیز اور فصاحت ریز نثروں کی طرزیں اڑا اڑا کر خوب خوب داد انشا پردازی دے رہے ہیں۔ تجربہ کار اور مشاق ناظموں نے بے وفائی کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا کر نہایت سنگ دلی سے اپنی پرانی روش سخن پردازی کو ملک کے مذاق جدید کی متواتر، دل آزار اور پُراثر چغلیوں سے مجبور ہو کر چھوڑ دیا ہے اور خیالی انگلستان میں ولایتی پری وشان مضامین جادو اثر کی اداؤں سے متاثر ہو کر فرطِ جوش میں بمصداق کل جدید لذیذ بعض باکار اور منفعت بار مضمون نگاری کی طرز کو جذبِ شوق کی بے اختیاری میں اختیار کرلیا ہے۔ ہر پرانے خیال کے باجے سے نئے ساز کی آواز ایک نئے راگ میں آرہی ہے۔ قوم کے شامۂ مذاق سخن آفرینی نئی روشوں کی خوشبو بڑی تیزی سے بادِ صبا کی سبک سواریوں پر سوار ہو کر صبح و شام غیر محسوس انداز سے جاری ہے۔ نئی روشوں کے بادۂ پُرتگالی کے سرور لذت سو سے خم خانۂ خیالی کے طرب ریز ہال میں جدید انداز سے مہذب حال و قال ہے۔ نئی روش کے نئے مدرسوں، مؤلفوں، مصنفوں اور پریس کے ناتجربہ کار اور نومشق قائم مقاموں کا نئی انشا پردازی کے شوق کی پُرلذت، مضطرب ساز اور ہوش ربا گدگدی سے اکثر غلط اور صحیح ترجے کی مزے دار غیر محسوس زحمت سہتے سہتے برا حال ہے۔''

دیباچہ: ''رباعیات شہباز''، مطبوعہ: کلکتہ 1890ء

19 ویں صدی عیسوی۔ سلیمان ندوی، سیّد۔ کتاب: نقوشِ سلیمانی:

''ہمارے ہاں بدقسمتی سے یہ حالت ہے کہ ہمارے انگریزی خواں دوست اردو اخبارات اور تصنیفات کو ہاتھ تک لگانا جرم سمجھتے ہیں۔ ترجے کے لئے انگریزی کی دوسطریں دیجئے تو یہ کہہ کر مغرور انداز سے کاغذ میز پر رکھ دیں گے کہ ''بڑی مشکل ہے کہ اس کے لئے اردو میں الفاظ نہیں۔'' اردو میں الفاظ نہیں یا آپ کی نظر میں وسعت نہیں۔'' ص نمبر 199

1886. MOMMSEN, Tycho: Die Kunst des Ubersetzens fremdsprachticber' Dichtungen ins' Deutsche. Frankfurt am Main.

Three types : (1) formless ("stillos), like Goethe's "informative" type; (2) in foreign style, like Fulda's colonization; (3) formal ("stilhaft"), like Goethe's "reproduction." (cf. Goethe 1819,Fulda 1904).

1891. JOWETT, Benjamin: Pref. to The dialogues of Plato. London. 2nd ed.

'The first requisite of an English translation is that it be English. Thorough going comparison of Greek and English diction, with resulting problems for the translator."

1895. **ANON:** Essays in translation. Repr. from J. of Ed, (London).

1895. WARREN, T.H: "Art of translation." Quar. R. 182 · 324 - 353. Also in essays of poets and poetry. New York, 1909.

(1) A good translation should be rather faithful than exact. (2) "a translation must read like an original". "while preserving the differentiating character of the original."

1896. CAUER, Paul: Die Kunst des Ubersetzens. Berlin.

"Comparable effect is the desirable goal; a perfect translation would be identical with the original."

1895-96ء۔ نذیر احمد دہلوی، مولانا: مقدمہ: ''ترجمہ القرآن'': مطبوعہ: 96-1895ء

''حمالۃ الحطب کے معنی ہیں لکڑیوں کی اٹھانے والی اور عربی کے محاورے میں چغلخور کو بھی کہتے ہیں۔ تو یا تو چغلی کے اعتبار سے اس کو حمالۃ الحطب کہا، یا اس وجہ سے کہ وہ پیغمبر صاحب کے رستے میں کانٹے لا بچھاتی تھی، یا اس لحاظ سے کہ وہ واقع میں مارے خست کے جنگل سے سر پر ایندھن اٹھا کر لایا کرتی تھی۔ اس قسم کے اشارے کنائے ترجمے میں آ نہیں سکتے اور یہ ایک مشکل ہے، ترجمے کی ہزاروں مشکلات میں سے جو مترجم کو پیش آتی ہیں۔''

ترجمہ: 'سورۃ لہب'، ص 731۔ مطبوعہ باردوم: تاج کمپنی لاہور، پاکستان، 1981ء

1896. ERMATINGER, Emil, and HUNZIKER, Rudolf:

"Die Kunst des Ubersetzens. . . " In Antike Lyrik in modernem Gewand. Frauenfeld.

1897. LANIER, Sidney· The English novel. New York, pp. 290-291.

"it is words and their associations which are untranslatable , not ideas: there is no idea. . . which cannot be adequately produced as idea in English words."

1898. BUTLER, Samuel: Pref. to translation of Homer's Iliad', London

"The English must be idiomatic, it must flow and it must keep as near as it can to the original. 'The genius of the language into which a translation is being made is the first thing to be considered; if the original was readable, the translation must be so too."

1900. ANON: "Translating the Arabian Nights." Nation 71 : 167 - 168, 185 - 186.

Historic survey of the various versions in English, then one in German, one in French.

1900. BEYER, C: Deutsche Poetik. Stuttgart. Ill : 184 ff.

"Kurzer Abriss von der Geschichte der Obsersetzungskunst." He calls for fidelity and readableness, sets up along list of demands on the translator.

1900. BUTLER, Samuel: Pref. to translation of Homer's Odyssey, London.

"Liberty of translating poetry into prose involves the continual taking of more or less liberty throughout, for much that is right in poetry is wrong in prose."

1901. CHAMBERLAIN, Alexander F: "Translation : a study in the transference of folk-thought." J. Amer. Folklore 14: 165-171.
Examples from Amerindian languages; Bible stressed.

1901. TOLMAN, H.C: The art of translating. Boston.
Virtually identical with Cauer 1896.

1902. CROCE, Benedetto. Aesthetic: translation, Douglas Ainslie, London, 1922. pp 68, 73.
"Faithful ugliness and faithless beauty "proverbial, we cannot reduce what has already possessed aesthetic form to another form also aesthetic. Unaesthetic translations are simple commentaries. But there is relative possibility of translations not as reproductions, but as productions of similar expressions. The translation called good, has original value as a work of art.

1902. MURRAY, Gilbert : Euripides, translated into English rhyming verse. London.
Preface gives account of his procedure and his ideal in translating. (Cf. Eliot 1920).

1902. WILAMOWITZ-MOELLENDORFF, Ulrich v: "Was ist Ubersetren ?" In Reden und Aufsatze. Berlin.
"The new verses should produce the same effect upon their readers as the originals did upon their contemporaries."

1903. BEERBOHM, Max: "Translation of plays." Sat. R. 96 : 75-76.
"advice to those about to translation plays." A natural diction essential. Archer's translation of Ibsent not good on the stage.

1903. MERCIER, Ernest: L'Art de la traduction.

1903ء۔ شبلی نعمانی، مولانا: سالانہ رپورٹ انجمن ترقی اردو (ہند) 1903ء۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ملک میں اس مسئلے کی طرف لوگوں کو علم نے نہیں بلکہ ضرورت معاش نے متوجہ کیا ہے۔ اس لئے کام کرنے والے اس میں ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ کن چیزوں کے ترجمے اور کس قسم کی تصنیفات مذاق عام کے موافق ہیں اور جلب زر کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس علمی پیداوار کا بڑا حصہ (جو کل کے قریب ہے) ناول، ادنیٰ درجہ کی تاریخیں اور سوانح عمریاں ہیں۔

1904. ANON: 'Traduction" in Larousse, Grand dictionnaire,
Two general types : (1) a sort of photographic reproduction, cold and precise, (2) an attempt at colour and emotion at the expense of literalness.

1904. FULDA, Ludwig: "Die Kunst des Ubersetzens." InAusder Werkstatt, Stuttgart.
Two choices : (1) colonize the foreign world, (2) make the foreign poet an immigrant. To make him a native is the highest goal (Schlegel's Shakespeare).

1907. CARRUTH, W.H: "Luther on translation," Op. cit., 21 : 465 - 471. -- A translation of

Luther's Sendbrief vom' Dolmetschen (1530).

1907 HEADLAM, Walter: Book of Greek verse, Cambridge.
"Untranslatable ... is applied too readily" "Greek poets wrote native metre. . . we must write that is really verse."

1908. HASKELL, Juliana: Bayard Talor's translation of Goethe's "Faust." New York.
Taylor's failure to "meet the demands which may reasonably be made upon" his translation.

1909. BONE, Karl: Peirata Techne. Uber Lesen and Erklaren von Dichtwerken. Leipzig, pp. 58-72.
4 types : interlinear, literal , free, recreation, close analysis of Latin examples.

1909. STORR, Francis: "The art of translation."Educ R38: 359-379.
Presidential address to (British) MLA 1908. Urbane, chatty discussion, with numerous examples.

1910. CHAMBERLAIN, Alexander F: "Some difficulties in Bible translation" Harper 121 : 726-731.
Anthropologist draws on primitive languages : male and female terms, endings, and speech; taboos which rule our certain episodes; "lamb of God" translated for Eskimo as "seal of Good" See also Chamberlain 1901.

1910. FITZMAURICE-KELLY, James: "Translation." In Encyclopaedia Britannica, llth ed. (No such article in 14th ed.).
Much space devoted to the history of translation in England, i.e., the historic importance of translation.

1910. WARTENSLEBEN, Gabricle V: "Beitrage zur Psychologic des Ubersetzens." Zs f Psychu Physiol d Sinnesorgane.Abt. 1 : 57: 89-115.
Attempt to probe the reactions of the translator (using Latin to German).

1913. GROMER, E.B: 'Translation and paraphrase." Edinb. R. 218 : 102 - 114. Also in Political and literary essays, 1st ser, London.
Review of four volumes of verse, three from Greek, one into Greek. Resort to paraphrase is problematic, but on the whole it is approved for verse.

1914. BURTON, Richard: "Difficulties of translation." In Little essays in literature and life. NewYork.
"the form of the original is of its very essence "He prefers" prose to any substitute in verse."

1914. COWL, R.P: Theory of poetry in England. London.
Virtually a re-statement of Dryden's theories.

1914. FRANZEL, W: Geschichte des Ubersetzens im 18.Jahrbundert. Leipzig. His chief concern is with the theory of translation.

1914. TARNAWSKI, Wladyslaw: O poiskich przeklabach dramatow Szekspira (On Polish translations of Shakespeare's dramas). Cracow.

1915. SPAETH, Sigmund: "Translating to music." Mus. Q 1 : 291-298.
Need for translation as interpretation of words and music. Difficulties set forth and illustrated. Ways of solving problems suggested.

1915. THOMSON, J.A.K: "Some thoughts on translation." In The Greek tradition. London
His "version must produce upon the English reader the effect which the original has produced upon himself." The two dangers are overtranslation and undertranslation.

1916. LEONARD, William Ellery: Pref. to Lucretius. New York.
Defence of verse : (1) "Verse permits a wilder and more apposite choice of a syntractical constructions" (2) "Verse gives to the many repetitions... their proper relevance"; (3)"Verse, by its very cadence possesses an instrument scarcely available in prose." (Quoted-from 1935ec.)

1916. SHOWERMAN, Grant: "The way of the translation." Unpop. R. 5 : 84 ~ 100. -
Translation is sin. Many examples of translation difficulties, with citations from several languages, ancient and modern.

1918. PHILLIMORE, J.S: Some remarks on translating and translators. Eng. Assn., No. 42. London 1919.
There are right, periods for superior translations (ef. Orage 1922). "is the ancient to come in on his own terms of ours?"."A translation should be read for pleasure." Hence he rejects Browning (1877), seconds FitzGerald (1859, 1878).

1918. SCHOLZ, K.W.H: The art of translation American Germ, 33. Philadelphia.
Special reference to prose drama. He demands "a complete transcript of the thought and spirit."

1919. BATJUSKOV, F., CUKOVSKIJ, K., GUMILEV:
I. Principy xudozestvennogo perevode (Principles of artistic translation) Petersburg.
First Russion attempt toward a systematic discussion of translation problems.

1919. HUGHES, Helen S: "Notes on 18th century fictional translation " Mod Philol. 17:225-231.
Excessive liberties taken with style and content, often on moral grounds.

1919. WHIBLEY, Charles: "Tudor translators." In Literary studies. London. First printed in Cambridge, History of English Literature. 1907-1927.
. Personal and critical appraisals. "In general, the translations of the heyday were accurate neither in word nor in shape." But they aimed "to discover new worlds of thought and beauty."

1919ء عبدالحق، ڈاکٹر مولوی: مقدمہ: 'تاریخ یونان' ترجمہ: سیّد ہاشمی فرید آبادی، مطبوعہ: 1919ء

جب کسی قوم کی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے اور وہ آگے قدم بڑھانے کی سعی کرتی ہے تو ادبیات کے میدان میں پہلی منزل ترجمہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب قوم میں جدّت اور آنچ نہیں رہتی تو ظاہر ہے کہ اس کی تصانیف معمولی، ادھوری، کم مایہ اور ادنیٰ ہوں گی۔ اِس وقت قوم کی بڑی خدمت یہی ہے کہ ترجمہ کے ذریعے دنیا کی اعلیٰ درجہ کی تصانیف اپنی زبان میں لائی جائیں۔ یہی ترجمے خیالات میں تغیر اور معلومات میں اضافہ کریں گے، جمود کو توڑیں گے اور قوم میں ایک نئی حرکت پیدا کریں گے اور پھر یہی ترجمے تصنیف و تالیف کے جدید اسلوب اور آہنگ سجائیں گے۔ ایسے میں ترجمہ تصنیف سے زیادہ قابل قدر، زیادہ مفید اور زیادہ فیض رساں ہوتا ہے۔

مقدمہ: 'تاریخ یونان'، مطبوعہ: دارالطبع سرکار عالی: حیدر آباد، دکن، ص:3

1920. AMOS, Flora R: Early theories of translation, New York.
"Theory of translation cannot be reduced to a rule of thumb; it must again and again be modified to include new facts"

1920. ANDERTON, Basil· "Lure of translation." In Sketches from a library window. Cambridge,1923.
"Translation is a mode of self-expression, springs from a desire to instruct and to enrich literature"

1920. ELIOT, T.S. "Euripides and Professor Murray." In 'The sacred wood', London.
"Greek poetry will never have the slightest vitalizing effect upon English poetry if it can only appear mas-querading as a vulgar debasement of the eminently personal idiom of Swinburne."

1920. SOUTER.Alexander: Hints on translation from Latin into English, London.
"Every word should be represented somehow in the translation except where the omission of a word improves the English and takes nothing from the meaning " (Quoted by Frost1955).

1920. TOKSVIG, Signe: "The mutilation of a masterpiece." New Repub. 25 : 113 - 114. - Translation of Nexo's Ditte scrutinized.

1921. ARNS, Karl: "Ober die Kunst der Oberesetzung englischer Verse." Zsffrzu engle Unterrich :20 : 12 - 27.

1921. DENT, Edward J: "Song translations." Nation (London) 29 : 282-484, German songs : problems of the singer.

1921. DRAPER, John W: 'The theory of translation in the 18th century." Neophilol. 6: 241-254. Extensive bibliography.

1921. FOX-STRANGWAYS, Arthur H: "Essay on principles of translation In Music and letters. July, 1921.

1921. HARRISON, Frederic: 'The art of translation " Forum 65 : 635 - 647.
Review of translations from Latin, Greek, Italian, Spanish, French, German, with comment on particular works or writers. Laws : (I) exact rendering of the full meaning; (2) some echo of the original form; (3) clarity, grace, and vigour.

1921. MORITZEN, Julius: "Is the translator without a literary conscience ?" Book m, 53:133-135.
Pros and cons of retaining "offensive" watter in translation starting off with Nexo's Ditte. (cf. Toksvig 1920).
1922-1940. Index translationum. Repertoire inter-national des tradiction, Paris.
Resumed in 1948 under auspices of UNESCO. Not always accurate.
1922. NEMIAH, Royal Case: "Shall we read literature in translation?" Educ. R. 64:135-141.
He undertakes to "explain why no translation can in any sense be considered as a substitute for the original."

1922. ORAGE, Alfred R: "When shall we translate?" In Readers and writers. New York pp.18-50.
He thinks "our period for perfect translation has not yet come. He expects it about 1970.
1922. POLAK, Roman: "Goffred" Tassa- Kochanow-sklego. Poznan.
A detailed analysis of a seventeenth-century Polish translation of Gerusalemme Liberata.

1922. POSTGATE, J. B: "Translation and translations, theory and practice", London.
"The prime merit of a translation is faithfulness" 'The Faithful Translator will give the letter where possible, but in any case the spirit." 'The Transfuser in only too prone to sacrifice the letter and the spirit as well."

1922. PEYSER, Herbert F: N "Some observations on song text and libretro translation." Mus.Q. 8 : 353-371.
"Perfect translation of song text or opera libretto is impossible." Peculian difficulties of opers : literal renderings sound ludicrous when sung.

1923. MURRAY, Gilbert: 'On translating Greek." Liv.Age318 : 420-423.
Principles and examples.

1924ء نیاز فتح پوری: مضمون: 'ترجمہ کے متعلق چند اصولی باتیں' مطبوعہ ''نگار'' بھوپال، جولائی 1924ء
یہ بحث کبھی نہ کبھی ضرور دیکھنے میں آ جاتی ہے کہ غیر زبانوں کے الفاظ کا ترجمہ کس اصول سے کیا جائے۔ ..کوئی کہتا ہے کہ ٹھیٹھ ہندی کے الفاظ استعمال کئے جائیں اور کوئی عربی و فارسی سے مدد لینا ضروری سمجھتا ہے۔. اس میں شک نہیں کہ جس حد تک صرف معمولی قصے کہانی کی کتابوں کا تعلق ہے، آپ بہ آسانی ہندی بھاشا سے کام نکال سکتے ہیں لیکن جس وقت سوال علمی کتابوں کا آئے گا تو آپ مجبور ہوں گے کہ یا تو عربی فارسی سے مدد لیں یا سنسکرت سے۔
('نگار' بھوپال جولائی 1924ء، ص نمبر9)

1924. BELLOC, Hilaire: "On translation." Lond Merc. 10: 150- 156.
Need for good translations in our day. Requirements are (1) knowledge of native tongue (2) rebirth of the spirit of the original. The spirit must take precedence of the letter. Examples, hand-wringing, (Cf. Belloc, 1931).
Twentieth century. BELLOC, HILAIRE :
"One should abandon the effort to retranslate the untranslatable."

1924. BENSON, A.C. 'Verse translation." Cornbill. M. 57 : 586-598.
Verse translation preferred for the Greek anthology, but a diversified meter recommended . Arnold's Homer translation violated all his own canons.

1924. GRANVILLE-BARKER, Barley: "On translatıng plays" in Essays by divers hands. Translations of the R.S.L., New series 5: 19-42. London.
The demand for a comparable effect and its results in French versions of Shakespeare, "dramatic translation is a matter of makeshift" we must seek for each . . play the likeliest compromise,"

1924. RILKE, R.M: Letter to Lou Andreas Salome, 22 Apr,1924. BriefeausMuzot, 1921 bis 1926. Leipzig 1935.
His experience with bilıngual composition "would seem to indicate that translations are not natural."

1925. SMITH, J.M. Powis: "Some difficulties of a translator "/ Relig. 5: 163-171.
Divergence ın mental outlook, inadequacy of English vocabulary.

1926. MUNSTERBERG, Margaret: "Gift of tongues." Jogph 25: 393-406.
The peculiar genius of a language appears best in the process of translation.

1926. PETERSEN, Julius: Die Wesensbestımung der deutschen Romantık. Leipzig, p.64.
The translation as work of art can never be a true image of the original; a rebirth in the translator's tongue of products of another language, it will always impose a new form.

1926. PORTIER, L: "A propos des traduetion de Giacomo Zanella.". Litt. Comp. 5: 455-470.
Advice given by Zanella : translation freely, as if transposing music for a different instrument. "A translation demands a certain moral attitude at least as much as an effort of intelligence."

1927. ANON: "Transformation by translation." Liv. Age 333 : 1117 - 1118. Also in Bul. Pan. Am. Union, 62 (1928)375-376.
Report of experiment: J.V. Jensen (Dane) wrote 700-word sketch; this was translated into Swedish, German, English, French, Danish again. Each translator a master of both languages. Final product was unrecognisable.

1927. MAY, J. Lewis: "Concerning translation." Edinb. R.245: 108-118.
Review of seven titles. "there is no such thing as translation " as proved by the wedding of words and thought.

1928. CHAPMAN, John Jay: Two Greek plays.Boston.
Perceptive remarks on translation of Greek poetry.

1928. DUBEUX, Albert: Les traductions Françaises de Shakespeare, Paris.

1928. LEPPLA, R: "Obersctzungsliteratur" in Merker-Stammler, Reallexikon der deutschen Literaturgeschichte. Berlin. 3 : 394-402.
Five categories: (1) contemporary literature; (2) dead languages; (3) contemporary but alien culture; (4) older stages or native tongue; (5) native works in foreign speech. Bibliog. of German literature dealing with translation.

1928. WELLARD, James H:" "The art of translating".Quar.R. 250: 128-147.
Many examples, especially from Latin, some into Latin. Some critical discussion of particular problems : humour, word play, proverbs, etc.

1929. BELLOC, H. "On translation" in A conversation with an angel and other essays. London.
His formula : (1) read the original thoroughly, (2) render into your own tongue the effect on your mind, (3) recheck with the original to get closer to it without sacrificing naturalness.

1929ء۔ احمد فخری، حاجی: مضمون: دو تراجم، مطبوعہ: رسالہ 'اردو' اکتوبر 1929ء۔

ہمارے نزدیک ترجمے کی تعریف یہ ہے کہ کسی مصنف کے خیالات کو لیا جائے، ان کو اپنی زبان کا لباس پہنایا جائے، ان کو اپنے الفاظ و محاورات کے سانچے میں ڈھالا جائے اور اپنی قوم کے سامنے اس انداز سے پیش کیا جائے کہ ترجمے اور تالیف میں کچھ فرق معلوم نہ ہو۔

(رسالہ "اردو" اورنگ آباد (دکن) اکتوبر 1929ء)

1929. DICKINSON, G. Lowes: "On translation." Nation (London) 46: 282-283.
Review of translation of Tu Fu by Florence Ayscough. "What is left of poetry in translation from Chinese to English, and vice versa ?" "things," he says.

1929. FINKEL, A: Teorija i praktika perevoda (Theory and practice of translation). Khar'kov. A useful manual for translators.

1929. **FISCHER, Otokar-,** "O prekladani basnickych del" (On the translation of poetical works) in Duse a $lovo (Prague): 263-283.
The prominent translator outlines the vital and difficult tasks of poetic translation.

1929. POUND , Ezra: "Guido's relations." Dial. 86 : 559-568.
Experiments in poetic translation with shrewd and acid comment.

1929ء محمد دین تاثیر، ڈاکٹر: مضمون: 'ارنسٹ' مطبوعہ: ''مخزن'' لاہور، اگست ستمبر، 1929ء

کسی تصنیف کے اخذ نہ کرنے اور اردو ترجمہ کرنے میں ایک مصلحت یہ بھی ہوتی ہے کہ اسمائے معرفہ جو ضرب المثل ہو چکے ہوتے ہیں، جوں کے توں رہتے ہیں۔ شیکپیئر کی مخلوق ہیملٹ، میکبتھ، لیئر، اوتھیلو وغیرہ کے نام بدلنا ایسا ہی واہیات ہے جیسے لوئی، اکبر، شیر شاہ، صلاح الدین اور اشوک کے۔

(رسالہ: "مخزن" لاہور، افسانہ نمبر۔ اگست، ستمبر 1929ء)

1930. JAKOBSON, R: "O prekladu versu" (Translation of verses). Plan 11· 9-11. Prague.
The seemingly identical form may have a quite divergent function in two different languages.

1930ء احسن مارہروی۔ کتاب: تاریخ نثر اردو (نمونۂ منثورات) حصہ اول، مطبوعہ 1930ء

اردو زبان میں اسما و اعلام تو عموماً عربی و فارسی کے بکثرت ہیں مگر علوم وفنون کی اصطلاحیں اتنی کم ہیں کہ نہ ہونے کے برابر ہیں مجبوراً جب یورپی زبانوں سے علوم وفنون کے تراجم اردو میں کئے جائیں گے تو مترجم و مؤلف کو اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ انہیں زبانوں کی اصطلاحیں اردو میں شامل کرے جس سے اردو زیادہ آشنا ہے۔

'تاریخ نثر اردو' (حصہ اوّل) مطبوعہ: مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ ص نمبر 285۔

1930. JIRAT. V: Dva preklady Fausta (Two translations of Faust). Prague.
Careful formal analysis of translations made by two eminent Czech poets of different times and schools, in relation to the German original.

1931. ALEKSEEV, M: "Problema xudozestvennogo perevoda" (The problem of artistic translation), Sbornik trudov Irkutskogo Gos Universiteta, 18 : 149 - 196.
Pivotal stylistic questions of translation raised by an outstanding literary historian ; comprehensive biblio-graphy added.

1931. BELLOC, Hilaire: On tanslation. The Talorian lecture. Oxford . Also in Selected essays, Oxford. Also in Bookm. 74: 32-39, 179-185.
Two types : (1) translation for instruction calls for exactitude; (2) literary translation adds colour. Three requirements : (1) translation into native tongue ; (2) command foreign tongue; (3) translation must be free from restriction (a) of space, (b) of form.

1931. HECK, Philipp: Ubersetzungsprobleme im fruben Mittelalter. Tubingen, pp. 1-32,
Importance for the interpretation of legal documents of extempore oral, unrevised Latin-German and German-Latin translation as frequently practiced.

1931. MAGNUS, Laurie: "Hours in undress: translation." Cornhill 71: 244-254.
Discussion of Arnold "On translating Homer." also Pope's translation of Homer (defended). Argument for adaptation of translation to its age; argument for translation in a "wider sense, bringing in new ideas to fructify"

1931. MATTHIESSE1S, F.O: Translation: an Elizabethban art. Cambridge. Mass.
Study of translations made from the Italian, French, Latin, and Greek Careful comparison

with the originals.

1932. RICHARDS, I.A: Mencius on the mind experiments in multiple definition, London.
"Can we in attempting to translation a work which belongs to a very different tradition, do more than read our own conceptions into it? A pioneer work in exploring difficulties in the translation of Chinese, important for questions it raises about the nature of translation."

1932. VOSSLER, Karl: The spirit of language in civilization. Translation Oscar Loeser. London.
"the philosophic justification of translation is the maintenance of the autonomy of language taste""if one denies the concept of translation (e.g., Croce 1902) one must give up the concept of a language community,"

1932. WEST, Constance B: "La theorie de la traduction au XVIII siecle.. " R. Lift, Comp. 12:330-335.
English into French treated.

1933. PETERSEN, Julius and TRUNZ, Erich: Lyrische Weltdichtung in deutschen Ubertragungen. Berlin.
'The taste of an age is reflected in its (favourite) translations."

1933. THERIVE, Andre: "Le prix des traductions." Ann. POL. et. Litt. 100 : 79 - 80.
Mentions a proposed prize for the "best translation of a novel saying that most published translations are "scandaleuses et ridicules" and give the impression that foreigners can neither think nor speak.

1933ء برج موہن دتا تریہ کیفی دہلوی، پنڈت: مضمون: اردو کی موجودہ ضروریات، ''ہمایوں'' لاہور، اگست 1933ء
کلمات کے اختراع، مشق کرنے یا باہر سے لینے کی ضرورت اس عہد میں ہر کسی (دور) سے زیادہ اور بہت زیادہ ہے اور یہ ایک بدیہی حقیقت ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر علم اور فن اپنے ساتھ نئے لغات لاتا ہے۔ ہمیں نہ صرف اصطلاحات ہی وضع کرنی ہیں بلکہ معمولی ادبی زبان بھی اپنے لغات میں توسیع چاہتی ہے۔

(رسالہ: ''ہمایوں'' لاہور اگست 1933ء)

1934. MOROZOV, M: Texnika perevoda naucnoj literatury s anglijskogo jazyka na russkij (Technique of translating technological literature from English into Russian) Moscow.
Important methodological observations.

1934. ZALESKI. Z.L: "Le mouvement des traductions." Mercure Fr. 254 : 189-194.
Study of the Index translation affords interesting comparative figures for the countries included. British and American provincialism indicated.

1935. MAZON, Paul E: Mme Dacier et les traductions d' Homere en France. Oxford. - Zahraff lecture.
Inadquacy of many translations , translation of a poem by Rupert Brook with discussion.

1935. FUCHS, Gerhard: Studien zur Ubersetzungstbeorie und - Praxis des Gottsched. Kreses. Friburg diss.

1935. MAZON, Paul E : Mme Dacier et les traductions d' Homere en France. Oxford. - Zahraff lecture.

"renoncer renover au style formulaire pour conserver le mouvement, ou conserver le style formulaire et renoncer au mouvement n'est plus Homere, ice n'est plus rien" La veritable exactitude: Produire sur ses lecteurs la meme impression ..."Mme Dacier (who bowdlerized and "ennobled") made Homer palatable to her society.

1936. BATES, Ernest Stua t: Modern translation. London.

Chapter IV contains a good discussion of theory and practice.

1936. CUKOVSKIJ, K: Iskusstvo perevoda (The art of translation). Moscow-Leningard.

Challenging discussion of typical blunders in translations.

1936. EASTMAN, Max: "Pushkin and his English translators. "NewRepub. 89: 187-188.

Transition of Pushkin by Yarmolinsky and Deutsch "is a calamity both in literature and in our cultural relations with Russia " Other translators of his poetry equally bad.

1936. NEWALD, Richard: "Von deutscher Obersetzungskunst." pp.190-206

1936. THURSFIELD, Hugh: "Translation." Cornbill 153 : 482 - 486.

An attempt to answer the question : why do men (want to) translate ?

1937. FEDOROV, A: Teorija i praktika perevoda nemeckoj nuacnotexniceskoj Literatury na russkij jazy k (Theory and practice of translating German technological literature into Russian). Moscow.

1937. HAMILTON, Edith: Three Greek plays, New York.

"On Translating", "The best a translation can hope for is to convey something of the impression the poetry made upon him".

1937. ORTEGA Y GASSET, Jose: "Miseriay esplendor de la traduction." Obras. completas. Madrid 1947. 5 : 429 - 448.

"Only when we oblige the reader to move within the linguistic habits of the author will there be worthy translations."

1937. SZUREK-WISTI, Maria: Miriam thumacz (Miriam as translator) Cracow.

A study of a versatile translator of symbolist poets, Zenon Miriam Przesmycki (1861-1944).

1938. CRASSET, Bernard: "Traduction et traducteurs" R. d Deux Mondes 46 : 459-466.

Much about Goethe's views in connection with his translations of Diderot, Le neveu de Rameau.

1938. HERTER NORTON, M.D: Translations from the poetry of Rilke, New York.

Argues for a "Literal" and unrhymed version facing the original.

1938. HI GHAM. T.F: Pref. to Oxford book of Greek. Verse in translation. London, pp. xxxiiiff.

Two sects of translators, (i) Hellenizers, (2) Modernists.

"All translation is a kind of illusion. Those translations are always best in which the illusion is most complete and the idiom least suggestive of translation."

1938. UNDERBILL Ruth: Singing for power. Berkeley, Calif. Tanslating songs of the Papagos (Arizona). "One can hope to make the translation exact only in spirit, not in the letter".

1939ء عبدالقادر سروری: مقدمہ: 'مغربی تصانیف کے اردو تراجم' از مولوی میر حسن، مطبوعہ 1939ء

جس طرح دیے سے دیا جلتا ہے، اسی طرح علوم سے علوم پیدا ہوتے ہیں۔ اگر دنیا کی تمام ترقی یافتہ زبانوں کو ٹٹولا جائے تو اس کا پتہ چلے گا کہ ان کی نشوونما کے مختلف مرحلوں میں دوسری زبانوں کے اثر کو بھی بڑا دخل رہا ہے۔

(ص نمبر: 5 سے اقتباس)

1939ء میر حسن، مولوی: کتاب: 'مغربی تصانیف کے اردو تراجم'

مقالہ برائے ایم۔ اے (اردو) جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن۔ سال 1935ء۔

ابواب کی تقسیم	:	عہد بہ عہد
پہلا باب	:	1800ء تا 1842ء
دوسرا باب	:	1842ء تا 1877ء
تیسرا باب	:	1877ء تا 1917ء
چوتھا باب	:	1917ء کے بعد

مقدمہ: 'مغربی تصانیف کے اردو تراجم' مطبوعہ: مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس۔ حیدر آباد دکن، بار اوّل: 1939ء

1940. PEGGRAM, Reed Edwin. "First French and English translations of Utopia. M.L.R 35:330-340.

Careful examination. Robyson's translation has never been supplanted. (cf. Binder,1947).

1941ء عزیز احمد: دیباچہ: 'رومیو جولیٹ' از شیکسپیئر (ترجمہ) مطبوعہ: 1941ء

عیب جوئی میرا مقصد نہیں لیکن شیکسپیئر کا ترجمہ بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ سب سے دقیق مسئلہ تو زبان کا ہے۔ شیکسپیئر کے زمانے میں ایک لفظ کے ایک معنی تھے تو اب اُسی لفظ کے معنی بدل کر کچھ اور ہو گئے ہیں، محاورات کے معنی بدل گئے ہیں۔ زندہ زبانوں میں تغیر و ترمیم کا یہ قدرتی سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ اس باعث مترجم کو اگر صحیح ترجمہ کرنا ہے تو سب سے پہلے اُسے چاہیے کہ اس زمانے کی زبان کو اچھی طرح سمجھے۔ اس کے بعد ڈرامے کے پورے پس منظر سے، شیکسپیئر کے عہد کی تاریخ اور ادب سے واقفیت ہونا بھی ضروری ہے۔ بہت سے ٹکڑے جو یوں سمجھ میں نہیں آتے اگر ان تمام باتوں کا لحاظ رکھا جائے تو واضح ہو جاتے ہیں۔

دیباچہ 'رومیو جولیٹ' (ترجمہ) مطبوعہ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی، طبع اوّل: 1941ء

1941. FEDPRPV. A. O: xudozestvennom perevode (Artistic translation) Leningrad. Translation of belles.

Letters, discussed by the Chief Russian specialist in translation technique.

1941. CUKOVSKIJ K : Vysokoe iskusstvo (The high art). Moscow.
High light of translation art.

1941. NABOKOV, Vladimir: "The art of translation. "Newrepub. 105: 160-162,
Three grades of evil :(i) errors; (2) slips; (3) wilful reshaping. Examples from Russian in both directions. Analysis of an opening line of Rushkin (Cf. Eastman 1936).

1941. WALEY, Arthur S: One hundred seventy Chinese poems.
'Chinese poetry is rhymed and resembles traditional English verse. Thyme omitted in order to keep more of the sense"

1942. BARTLEIT, Phyllis B: "Stylistic devices in Chapman's Iliad." PMLA 57 : 661-675:
Analysis of Chapman's preface (verse) on principles of translation and examination of his translation particularly what Chapman calls "the free grace of his natural dialect" a spposed to a literal word-for-for version.

1942. BELL. Harold Idris, and BELL, David: "The problem of translation," in Fifty poems translated, with essays, London pp. 63 - 103.
"The ideal of translation is this: to make a poem whose form is as seemingly spontaneous as the poem it seeks to translate and to put into the form of the whole wealth of the original conception." Special attention paid to the translation of Welsh poetry, with analysis of its peculiarities.

1942. FUERST, Norbert· "Rilke's translation of the sonnets of Elizabeth Barrett Browning, of Louise Labe, and of Michelangelo." Stud.Philol. 39: 130-142.
In the first two cases Rilke's translations surpass the originals; he fails to equal the hugeness of Michelangelo.

1942. GREEN, Julien: 'Translation and field of scripture' Amer. Scbol. 11 : 110-121.
Discovery the various translations of the Bible (English, French, German, Latin) do not agree, and that Hebrew is in part inaccessible.

1942. HUEBSCH, B.W: "Cross-fertilization in letters" Amer. Scbol. 11 : 304-314.
Movement of ideas by means of translation.

1942. RODITI, Edouard: "Poetics of translation" Poetry 60: 32-38.
"the spirit of poetry resides entirely in its body". He favours the closest possible reproduction; the translation should meticulously reconstruct its body in another language.

1943. BATES, Ernest Staurt: 'Intertrafftc'. Studies in translation . London.
Survey of translation (of poetry) done in Italy and the Far and Near East, Special appendices with examples.

1943. BISHOP, John Peale: "On translating poets" Poetry 62: 111-115.

Review of three Spanish - American poets' translation by several hands. Why translation a poem ? Two modes: (1) produce an English poem; (2) get close to the original.

1943ء عابد حسین، (ڈاکٹر) سید: آٹو گراف برائے 'بیاضِ مبارک' ''جناب سیّد مبارک شاہ سے مل کر قلبی مسرت ہوئی۔ ان کی فرمائش ہے کہ ترجمے کے فن کے متعلق کچھ لکھو۔ عجلت میں جو کچھ خیال میں آیا ہے، لکھے دیتا ہوں۔

ترجمہ صرف اسی کا نام نہیں کہ اصل عبارت کا مفہوم دوسری زبان میں ادا کر دیا جائے۔ مفہوم تو صرف خیال کا بے کیف اور بے رنگ ست ہوتا ہے جو فلسفے کی میزان میں چاہے جو کچھ وزن رکھتا ہو، ادب میں کوئی وزن نہیں رکھتا۔ ادبی قدر و قیمت ترجمے کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب ایک زبان سے دوسری زبان میں مفہوم کے ساتھ وہ آب و رنگ، وہ چاشنی، وہ خوشبو، وہ مزہ بھی آ جائے جو اصل عبارت میں موجود تھا۔

دہلی، 19 اکتوبر 1943ء

مشمولہ ''بیاضِ مبارک'' مرتبہ. سیّد زوار حسین زیدی، لاہور مکتبہ میری لائبریری، طبع اوّل 1974ء، ص 56۔

1943. KOYRE, Alexandre: "Traduttore-traditore; a propos de copernic et de GalUlee" 1sts. 34,3:209.

The word "Orbium "(Spheres) translation as "Himmels korper" (heavenly bodies); by experiment" added to Galileo's text.

1943. VITTORINI, Elio: Americaia ; Raccolto di narratori, Milan, (Introduction by Emillio Cecchi).

1943. PELLERGRINI. A.M: "Giordano Bruno on translation". ELH to 193-207.

Bruno on translation as promoting knowledge of science.

1944. GREGORY, Horace: "On the translation of the classics into English poetry". Poetry 64:30-35.

Review of Allen Tate's vigil of Venus. He advocates a sort of paraphrase - by a first rate poet.

1945. GIDE, Andre: "Lettre-Preface "Hamlet" :Edition bilingue, New York.

1945. MICHAUD, C: "Traduction : matiere et forme" Bibliog f Roy Soc Can translations 3rd ser 39, Sect 1 : 127-141 Ottawa.

Special reference to Canada. French and English, Analysis of British, American, French, lang. "Ideal translation would be that which, reversed, would produce the original text." Quel partiprendre Celui du juste milieu".

1945. OWEN Walter: Pref. to translation of La Araucana, Buenos Aires,

"I have tried, to present a version, that reads like an original English Poem". Detailed analysis of his procedure with Ercilla's opening stanza.

1945. SCHWARZ, W: "Theory of translation in 16th century Germany" M.L.R. 40: 289-299.
Emphasis on theorizing, apart from Bible translation which offers special problems. Translations into German or Latin considered.

1945. UNWIN, Stanley: "On translations" Life Letters To Day 47 :J59-143.
Problems of a publisher with respect to translators and translations.

1945. URZIDIL, John: "Language in exile" Lfie Letters To Day 45: 22-23.
Article translation by M.M.Kallir (from Czech). Transation should approach the original as an infinite decimal number, approaches infinity. Traslation and ethical function, can mean enrichment.

1946. ASTROV, Margaret: "The word is sacred" Asia 46: 406-411.
Problems of the translation of Ajmeri. Indıan texts. Characteristics of various Indian languages to be observed by the translator.

1946ء حسن نظامی دہلوی:

"کلام الٰہی کا اصل دبدبہ ترجمے میں نہیں آ سکتا۔"

'وحی منظوم' از سیماب اکبرآبادی کا فلیپ: 17 شوال 1365ھ مطابق 1946ء

1946. ISACBNKO, A: "Marginalie k problemu basnickeho prekladu" (Marginal notes to the problem of poetic translation). Literaria bistorica slovaca 1-2 · 148-163. . General problems of poetic translation exemplified in the Slovak translation of Puskin's Eugene Onegın,

1946. LEWISOHN, Ludwig: Thirty one poems by Rainer Maria Rilke. New York.
"as in all great poetry, form is meaning".

1947. BINDER, James: "More's Utopia in English, a note on translation".M.L.N. 62: 370-376.
Robinson throws More's approach to human living off balance extravagant colouring, "gorgeous" ten times, all this false and misleading.

1947 IGLAUER, Edith: "Housekeeping for the family of nations. "Harper" 194: 295-306.
Translation problems (and solutions) in the UN Secretariat.

1947. NIDA, Eugene A: Bible translating an analysis of principles and procedures., New York.

1948. ASPINWALL, Borothy B: The art of translating French verse. Diss U. of Washington.

1948. BROWER, RA: "The Theban eagle in English plumage" Class Pbilo I43: 25-30.
"The aim, is to draw attention to what makes Pindar's poetry almost untranslatable".
Praise for Lattimore and Wade-Gerv and Bowra as translators of Pindar.

1948. COWLEY, Malcolm: "American books abroad. "Literary history of the Unıted States" New York,

1948. GRIERSON, Herbert: Verse translation. Oxford. With special reference to translation from the Latin. Wide ranging survey, with much quotation and coment; not so much critical as appreciative.

1948. POLLAK, Seweryn: "Z zagadnien przekladu poetyckiego" (Some problems of poetic translations). In Prace Polonistyozne 6 : 191-210.

1948. SZUMAN, Stefan: O Kunszcie i istocie poezji liryoznej (About the art and nature of lyrical poetry) Lodz.
The second half of the book, pp 137 - 293 deals with problems of translation of lyrical poetry.

1949. COCKING, J. M: "Mr. Day Lewis and the translation Valery" 19th Cent. 145: 311-318. Le Cimetiere Marin analyzed and Lewis translation dissected. "If they cannot have the original they want a near substitute, not a new poem". "No issue from the dilemma of the translator of poetry; prose with its obvious limitation or poetry with its obvious dangers".

1949. GRAND COMBE, Felix de: "Reflexions sur la traduction" French Studies 3 : 345 - 350 ;5 (1951) : 253-263.
(1) pedagogical translation a kind of playing with dice.
(2) absorption followed by re-creation. Remarks on precision followed by re-creation. Remarks on precision and logic of French, looseness of thought and wording in English.

1949. HIGHET, Gilbert: The Renaissance translation In the classical tradition. New York, pp 104-126.
Importance of translated works to any culture, illustrations, Translation "does not usually create great works; but it often helps great works to be created".

1949. KNOX, Ronald: Trials of a translator, New York Defence and explanation of his practice in translating the Bible and the Latin Psalms. Follows Belloc in stating that "Bible should speak to Englishmen in English idiom." Criticism of un-English character of both Authorized and Douay versions.

1949. MACNEICE , Louis: Radio Times, Nov.
The ideal demand (e.g. for Goethe's Faust) : (1) Literal faithfulness (2) connotative faithfulness : (3) line for line : (4) retain the order of words and images : (5) exact equivalents of rhythmical patterns : (6) exact equivalents of the rhyme patterns : (7) exact equivalent of the texture (sequence of consonants and vowels).

1949. MATHIEU, George J: "Words before peace, translators and interpreters, UN World 3 :58-59.
UN problems translation plus interpretation a constant requisite.

ترجمے کی نسبت کسی کا قول ہے اور بہت صحیح ہے کہ ترجمہ ایسی محنت ہے جو کسی کے شکریہ کی مستحق نہیں۔ یہ مقولہ مترجم کی ہمدردی میں کہا گیا ہے، مگر اس سے مراد، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شکریے کا مستحق دراصل مصنف ہے۔ مترجم کا کام صرف اس کی دوسری زبان میں منتقل کرنے کا ہے اور یہ کوئی بڑا کام نہیں میرا خیال ہے کہ جو لوگ ترجمے کو آسان سمجھتے ہیں ان کو یا تو ترجمے کا تجربہ نہیں یا علم کی قدر نہیں۔

مترجم شکریے کا مستحق نہ ہو لیکن اگر دنیا میں مترجم نہ ہوتا تو روئے زمین پر علم کی جھیلیں اور دریا تو بہتیرے ہوتے مگر ان کو ملا کر علم کا بحر ناپید کنار بنانے والا کوئی نہ ہوتا۔

انتخاب: 'اخبار اردو' اسلام آباد فروری 1985ء

1949. PUTNAM, Samuel: Pref to translation of Cervantes,'Ion Quixote', New York,
History of English versions and of Spanish text. Translator's detailed apologia "I have striven to avoid an antiquated style and vocabulary and any modernism that would savor of flippancy.

1949. TEELE, P.E: "Through a glass darkly : A study of English trnaslations of Chinese poetry." Ann. Arbor.
Very useful analysis of problems in translation, Chinese poetry into English.

1950ء باقر حسین سید: مضمون: 'ترجمے کے اصول'

اردو میں ابھی تک وہ الفاظ ہیں ہی نہیں جو مغرب سے آئے ہوئے خیالات کو ادا کر سکیں اور یہ بات کچھ اصطلاحات ہی تک محدود نہیں غضب تو یہ ہے کہ ترقی یافتہ زبانوں میں جو عام بول چال کے الفاظ ہیں، اُن سب کے مترادفات بھی اُردو میں موجود نہیں ہیں۔

رسالہ: ''ماہ نو'' کراچی ستمبر 1950ء

1950ء۔ عبدالقادر، سر: 'منشورات' مخزن:

اگر انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرتے ہوئے آپ کو دقتیں محسوس ہوئیں تو آپ کو اردو کے متعلق اپنا 'عقیدہ' بدلنے میں اتنی جلدی نہ کرنی چاہیے تھی۔ کیونکہ ممکن ہے ترجمے کا کام آپ ہی کے لئے موزوں نہ ہو اور اس میں اردو کا جرم نسبتاً بہت خفیف ہو۔

رسالہ: ''مخزن'' لاہور نومبر 1950ء، ص 4

1950. GANSIN, K and KARPOV,I: (editors) Voprosy teorii i metodıki ucebnogo perveda (The crıtical questions of translation as means of teaching). Moscow.
Problems of understanding text and of interlingua correspondences: role of translation in language teaching.

1950. ONEILL, Eugene, Jr: "On translating Homer" NewRepub. 123 : 18.
Review of Rieu's Iliad and that of Chase and Perry. Only prose will do : English of King James Bible supplies the right language.

1950. PICK, Robert:"Precarious profession: literature's greatest challenge". Sat. R. Lit. 33 S 30: 8 - 9.
Datedness of older translations problems of translation are those of communication.

1950. POUND, Ezra: The letters of: ed D.D. Page-. New York.
Letters to W.H.D. Rouse on the translation of Homer. Practical illustrations of Pound's aims as a translation.

1950. TUMIM' Julian: "Traduttore - traditore" Pegaz deba Warsaw pp 165-190.
An outstandıng Polish poet discusses striking errors of translators.

1950. VAN DOREN, Mark· "Uses of translation" Nation 170: 474.
The literature of the world has exerted its power by being translated.

1950. WINSTON, Richard: "The craft of translation" Amer. Schol. 19 : 179 - 186.

1951. BROWER, R.A· recent translations. (In Year book of comparative and general literature, Chapel Hill N.C.)
Review of Kinchin Smith's Antigone (compared to that of Fitts and Fitzgerald) leads to a discussion of what constitutes good translation of (great) verse drama.

1951. GALANTIERE, Lwis: "On translators and translating" Amer. Schol 20 : 435-445
"Needed (1) command of own language (2) broad general culture, (3) knowledge of for lang. (life and culture). A translation ought to make upon the reader . . . the same impact as that made by the original text upon its reader".

1951. KNIGHT, Douglas: Pope and the heroic tradition, New Haven,Conn.
A unique study of the translator's relation to poetic tradition. "For the adequate translation in Pope's terms a special kind of artist, in a double relation to the tradition by virtue of his duty to another poet as well as his debit to it".

1951. MANCHESTER, Paul T: "Verse translation as an interpretive art". Hispania 34 : 68-73
Chilean epics translation by M. and Lancaster ; explanaion and defence of their procedure.

1952. BARZUN. Jacques: "Trial by translations : plays of Corneille". New Repub. 127 (Dec 8,1952) 20 - 21 .
Lacy Lockert's translation of "Corneıllers chief plays" passed under expert scrutiny.

1952ء۔ہاشمی فرید آبادی، سیّد: مذاکرہ: ''ترجمہ کے چند پہلو''، ''ماہِ نو'' کراچی، مارچ، 1952ء

ہاشمی: اچھا مترجم ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ اچھا انشا پرداز بھی ہو۔ بعض اعلیٰ درجے کے مترجم ترجمے میں اپنا اسلوب نگارش پیدا کردیتے ہیں۔

عبدالمجید سالک، مولانا:

مترجم کے لئے دونوں زبانوں سے خاص واقفیت ضروری ہے۔ نہ صرف لفظی واقفیت بلکہ انشائی استعداد ضروری ہے۔ ورنہ اصل کی روح ترجمے میں کلی منتقل نہ ہو سکے گی۔

رفیق خاور:

یہ دونوں (مصنف و مترجم) ایک ہی شاخ پر چہچہانے والے پرندے ہیں، جن کا نغمہ ایک ہی ہے لیکن آہنگ مختلف ہے۔

پروفیسر ممتاز حسین:

بظاہر ترجمے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک ایسے افکار و خیالات کا ترجمہ جن کے اظہار میں احساسات کو التزاماً ذریعہ نہ بنایا گیا ہو بلکہ حتی الوسع احساسات سے آزاد ہو کر خیالات کی ترجمانی کی گئی اور زبان کی تمام صلاحیتیں، منطق و استدلال میں اس پر صرف کی گئی ہوں نہ کہ حسیہ تصویروں کے ذریعہ خیالات و جذبات کے مرکبات کو ابھارنے اور احساسات کے ذریعے خیالات کو پہچاننے میں۔ فلسفہ اور سائنس وغیرہ اسی زمرے میں آتے ہیں۔

مذاکرہ: مطبوعہ: ''ماہ نو'' کراچی، مارچ 1952ء، ص: 43 تا 45

1952. BOROWY. Waclaw: "Boy joko thumacz" (boys as translators) Studia resprawy 2 : 73-178 Wroclaw

A masterly short study of a great Polish translator of French classics, Tadeuz Boy Zelenski (1974-1941)

1952. ERVIN, Susan and BOWER R.T: Translation problems in international surveys "Pub. Opin. Q 16, 4, 595-604.

Translation distortion (and perhaps garbled data) caused by differences (1) in meaning : (2) in syntactical context (3) in cultural context.

1952. LEDNICKI, Walcaw: "Some notes on the translation of poetry" Am. Slavic. R. 11 :304-311.

Ruskin's lyrics in translation.Valery, Pushkin , Slowacki; analysis of work of two translations of Puskin.

1952. PIRES, Armando S: "At best an echo" Americas 4 S. 13 - 15. - Sub title : "soul-searching of translator."

1952. RUSH, F.A: "Standards of translation and the status of translators" PEN International Bulletin of Selected Books. Ill, 3 (October - December).

Brief, but includes further bibiographical references.

1952. Yearbook of comparative and general literature. Chapel Hill.

1953. BAR-HILLEL, Yehoshua: "Some linguistic problems connected with machines translations" Philos. Sci.20: 217-225.

1953ء ظ۔ انصاری، ڈاکٹر: مضمون: ''ترجمے کے بنیادی مسائل'' مطبوعہ: ''ادب لطیف'' لاہور، اگست 1953ء

ترجمہ کرنے کے لئے جس درجے کی ذہانت، سنجیدگی، علم اور مشق کی ضرورت ہے، وہ بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے

اور ترجمہ کرنے کے معاملے میں ہر شخص بے لگام ہے۔ جس کے جو جی میں آتا ہے، ترجمہ کر ڈالتا ہے۔

رسالہ: "ادب لطیف" لاہور۔ اگست 1953ء، ص 9 تا 21

1953. BAR HILLEL, Yehoshua: "The present state of research on mechanical translation" Amer Documentation 2 : 229-237.

1953. BARZUN, Jacques: "Food for the N.R.F." or. "My God, what will you have ?" Partisan R. 20 : 660-674.

Misconceptions of France fostered by ineptitudes of translation requirements : (1) clear to readers and idiomatic ; (2) must sound like the original author. (3) must not mislead in substance, or implication. The translation must have two minds with twin thoughts.

1953. FEDOROV, A: Vcedenie v teoriju peravoda (Introduction to the theory of translation). Moscow.

History of Russian views on translation problem, linguistic questions of translation . Translation of documentary texts and verbal art in prose and verse.

1953. HIGHET, Gilbertt: "The art of translation." in People, Places and Books, New York.

A radio speech sponsored by Oxford Univ. Press. Translation is difficult and neglected. Poor translations rob us of foreign masterworks. Examples from Greek and Latin.

1953. Kiiba o prekladani: (A book about translating) Prague.

Grammatical and lexical questions of translation from Russian into Czech are discussed by several Czech Philologists; brief biography.

1953. MACFARLANE, J.W: "Modes of translation" Durban Univ. 45 : 77-93.

His intent is "to underline the need for some new, provisional theory of translation, new in the sense that it should be diagnostic rather than hortatory concerned with actualities. It is not the principles of translation that need re-adjusting,but rather our ideas about them "

1953. POUND, Ezra: The translations of Ezra found. With an introduction by Hugh Kenner, New York.

"Pound has had both the boldness and the resource to make a new form, similar in effects to that of the original" Translation does not for him, differ in essence from any other poetic job.

1953. RICHARDS, I.A: "Toward a theory of translating" In studies in Chinese through ed A.F. Wright. Chicago.

Exploration of a "comprehensive view of Comprehending" as a basis for a theory of translation. Raises the important question", What is synonymy?

1954ء۔ عسکری، محمد حسن۔ مضمون: 'گر ترجمے سے فائدہ اخفائے حال ہے' مطبوعہ: ''ماہ نو'' کراچی، فروری 1954ء
مجھے اپنے آپ سے بار بار یہ سوال پوچھنا پڑتا ہے کہ جن ترجموں سے تخلیقی ادب پر کوئی اثر نہ پڑے، ان کا جواز کیا ہے؟ ترجمے کا تو مقصد ہی یہی ہونا چاہیے کہ خواہ ترجمہ ناکام ہو مگر ادیبوں اور پڑھنے والوں کے سامنے ذرائع اظہار کے نئے مسائل آئیں۔

مشمولہ: کتاب 'ستارہ یا بادبان'، طبع اوّل: 1923ء، ص۔179

1954. ALEGRIA, Fernando: "How good is a translation ?" Americas 6 May,1954, 36-38.
Translation of English , German, and Russian novels poorly paid, done hastily from French, often with unannounced pruning,

1954. BAR-HILLEL, Yehoshua: "Can translation be mechanized ?" Amer. Sci. 42: 248-60.
He thinks so for scientific texts under certain conditions.

1954. CIARDI, John: "Strictness and faithfulness" Nation 178: 525.
Review of Fitts's Lysistrata and Marianne Moore's La Fontaine. Moore follows Pound; "a superb theory but an impossible one" Fitts aims at faithfulness rather than strictness. C. remarks on translators, "a queer language of the study that counts words but misses their living force".

1954. KENNER: "Hellas without Helicon" Poetry 84: 112- 118.
Translation of Aeschylus by Lattimore, of Greek poets by Gow in prose, and in translations selected by Hadas, leads to discussion of the faults of translation from the Greek , with acute suggestions and reference to Pound's Sophocles.

1954. BAR-HILLEL, Yehoshua: "Can translation be Sewanee" R.62: 663-671.
Review of R.C's translation of Fleutrs dumal. Detailed criticism, with illuminating comments and remarks on, both languages.

1954. MT: Mechanical translation, devoted to the translating of languages with the aid of machines. Cambridge, Mass (sponsored by M.I.T.)

1954. MOORE, Marianne: Fables of La Fontaine, New York.
"practice of Ezra Pound has been for me a governing principle"

1954. POUND, Ezra: "Literary essays of Ezra Pound." Norfolk, Conn.
Includes "Translators of Greek", "Early translators of Homer" An influential expression of twentieth century taste in translation. Pound recalls to English readers the virtues of earlier translations and offers excellent practical criticism of more recent ones, especially Browning.

1954. VELLACOTT, Philip: Four plays of Euripides. Penguin.
"The highest aim of a translation is to Persuade the reader to dispense with it. If English

cannot achieve accuracy, universality, and force without loss of dignity, then English is not a language into which it is worth while to translate Greek plays. There is no doubt that it can".

1955. Babel: Revue Internationale de traduction. Publiée par la Federation Internationale des Traducteurs avec le concours de I'UNESCO, Bonn.
Each issue contains international bibliography,

1955. NOBOKOV, Vladimir: "Problems of translations Origin in English"
Partisan Rev. 22 : 496 - 512.
"The clumsiest literal translation is a thousand times more useful than the prettiest paraphrase". Analysis of Pushkin's verse novel: all four English versions are "grotesque travesties" (cf Eastman 1936, Nabokov 1941)

1955. POSIN, Jack; "Problems of literary translation from Russian into English" ATSEEL Journal, 13:9-15.
Advocate of the theory of comparable impression.

1955. RUSINEK, Michal (ed): 0 sztuce thumaczenia (On the art of translation). Wroclaw.
A collection of twenty four essays by various authors, the most general among them being. Waclaw Borowy, "Dawni teoretycy timaczen (Old theoreticians of the translation), Zenon Klemensiewics, "Przeklad Jako zagadnienie jezykoznawstaw". (Translation as a linguistic problem), Roman Ingarden, "0 thumaczeniach" (On translations). The last one, a fairly large study by the well known Polish phenomenologist philosopher, the author of Das literarische Kunstrerk (Halle, 1931) On pp. 534-549 there are short English summaries of all the papers.

1955ء ضمیر اظہر: 'اردو تراجم کا جائزہ' (غیر مطبوعہ) مقالہ برائے ایم۔اے (اردو) کراچی یونیورسٹی۔ یونیورسٹی لائبریری، اردو سیکشن۔

یہ ادب تو ضرور ہوتا ہے لیکن دوسروں کا ادب، جسے اپنا لینے کے باوجود کچھ نہ کچھ غیریت کا احساس باقی رہ جاتا ہے۔ اس لیے اس کا مطالعہ بھی مستعار، بالواسطہ ادب کی حیثیت سے کیا جاتا ہے۔تاوقتیکہ اس کو کسی زبان میں اس طرح نہ ڈھال دیا جائے کہ یہ اُس کے طبع زاد ادب میں شمار ہونے لگے۔

('پیش لفظ' سے اقتباس)

1955. BAR-HILLEL, Yejioshua: "Can translation be mechanized : Symbol Logic" 20:192-194.
Critique of Abraham Kaplan.

1955. BIEBER, Korad: "The translator-friend or foe ? "French Review 28: 493-497,
Chiefly a list of errors in the translation of Camus' The Rebel."

1955. BQDDE, D: "On translating Chinese philosophical terms" (in Fung Yu-Ian's History of Chinese Philosophy) Far East Q. 4:231-234.

1955. FROST, William: "Dryden and the art of translation". New Haven Conn.
"An attempt to describe the process of translation in terms acceptable to recent critical theory (e.g. "pillar symbols" and "local symbols") Analysis of Dryden's translations based on the theory that "a verse translation is a commentary on the original".

1599ء۔ صلاح الدین احمد، مولانا: مضمون 'میراجی کے چند منظوم تراجم' ''ادبی دنیا'' لاہور: مارچ 1955ء

ترجمہ بجائے خود ایک مشکل فن ہے۔ اس میں کامیابی کی جو دو تین شرائط ہیں اُن میں جیسا کہ آپ جانتے ہیں، سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ مترجم صاحب ذوق ہو اور دونوں زبانوں کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہو۔ یوں ترجمہ کرنے کو جیسا آپ چاہیں کر لیں، لیکن ایک زبان کے فنکار کی روح کو دوسری زبان میں اس طرح داخل کرنا کہ ترجمے پر تصنیف کا گماں ہو، بہت کم اہل قلم کو ارزانی ہوا ہے۔

رسالہ: ''ادبی دنیا'' لاہور۔ مارچ 1955ء

1955. KENNER, Hugh: "Problems of faithfulness and fashion". Poetry 85: 225-231.
Review of translations by Henry Hart, John Ciardi (Dante's..Inferno), and A.E. Watts (Ovid's Metamorphoses).

1955. LEOPOLD, W.F-: Review of translation of Ernest Cassirer, "The philosophy of symbolic forms, iri Language" 31 : 73-84.
"every act of translation is an act of interpretation".

1955. LOCKE, W.N: "Speech typewriters and translating machines" PMLA 70: 23-32.
Theoretical discussion of the problems ; possible ways to a solution.

1955. LOCKE, W.N. and BOOTH, A D: Machine translation of languages, New York.

1955. LOWE PORTER, H T: "Translating Thomas Mann" Symposium. 9: 260-272.
Personal experiences which throw light on her handling of Mann's texts.

1955. MOUNIN. Georges: Les belles infideles. Paris.
First rate defence and illustration of the art of translation of arguments against the possibility of translation: historic, theoretical, linguistic, semantic, etc.

1955. Vaprosy xudozestvennogo perevoda (Questions of artistic translation). Moscow.
Symposium dealing with realistic traditions of Russian translators, the place of translations in a national literature, attitude to the national peculiarities of the original.

1956. ANON: "Translating classical poetry." TLS Nov. Leading article. Review of six items, half of them from Greek. Approval of "modern" style in translation with examples.

1956. AUSTIN R. G:"Some English translations of Virgil."An inaugural lecture, Liverpool.
Survey, with examples of four centuries of Virgil translation. Praise for Dryden and Gavin Douglas, guarded commendation of C. Day Lewis.

1956. BURKHARD, Arthur: Review of E.H.Zeydel, Goethe the lyrist, in Yearbook of comparative and general literature.
Chapel Hill N.C. Recognizing that Zeydel "has here attempted a self defeating risk, Burkhard nevertheless finds much to command"

1956. CARY, E: La traduction dans le monde moderne, Geneve.
General survey, including machine translation. He thinks, "Il n'existe pas d'ouvrage d' ensemble consacreā la traduction".

1956. WIRL, J". "Erwagungen zum Problem des Ubersetzens", Anglo Amerikana (Festschrift)

1956. GOULD, R: "Multiple correspondence in automatic translation"
Progress report no. AF - 44,
Design and operation of digital calculating machinery Harvard Computation Laboratory, Cambridge Mass.

1956. LEISHMAN J.B: Translating Horace. Oxford.
"Business of translation of Horace's stanzas is not to recall their movement' to those who already know the original and do not require to have it recalled, but to communicate it to those who cann't read the original for themselves". "the syllable patterns of the lines, their. sequence of long and short syllables can be reproduced exactly".

1956. MAYMI, Protasion: "General concepts or laws in translation" MLJ 40: .13-21.
Three types : (1) literal, (2) idiomatic, (3) paraphrasical,
"A set of 33 principles of trestablished and tested"
Moteux and Ozell considered to have preserved Cervantes' style.

1956. MORGAN, B.Q: "On translating feminine rhymes" On Romanticism and the art of translation, studies in honour of EM. Zeydel. Princeton, J.J. A verbal problem in English.

1956. MORGAN B. Q: "What is translation for ?" Symposium 10:322-328.
Answer : for the enrichment of our literature and life.

1956. ROSENBERG, Justus: "Constant factors in translation" In Zeydel volume (see under Morgan), "the current school of thought… maintains that poetic translation is the transmigration of poetic souls from one language into another".

1956. SALTQN, G: "A method for using punctuation, patterns in the manchine translation of laugnages" Progress report no. AF-43 . Harvard Computation Laboratory. Cambridge,Mass.

1957. WOJTASIEWJCZ, Olgierd : Wstep do teorll (Chapters from a translation theory) Prague.
A linguist analyses the essence and role of translation.

1957. KNOX, R. A: On English translation.. The Romanes Lecture, Oxford.
"the first quality of a book is that people shall want to go on reading it"

1957. LEVY. J: Ceske theorie prekadu (Czech theories of translation). Prague.
History of Czech translation, art and theory from the Middle Ages ; selected essays with comments and notes on translation problems by Czech writers, translators and critics of XVI-XX centuries; detailed international bibliography.

1957. SAVORY, Theodore H: "The art of translation". London.
The best book on the subject in English now is his principle of reader analysis as affecting the kind of translation desired.

1957. WOJTASIEWICZ, Olgierd : W step do teorll thumaczenia (Intorduction to the theory of translation). Wroclaw.
A short, elementary book; there is an English summary pp. 121-128.

1958. Cumulative List No, 5 (1952 - 1957) of translations in the fields of meteorology astronomy, geophysics, oceanography and physics: American Meterological Society. Translations from German, Russian, French, Spanish, Italian, Japanese, Greek, Hungarian, Dutch, Czech, Swedish, and Bulgarian, Chiefly from Russian and German. These translations are sponsored by the United States Air Force cambridge Research Centre, Air Research and Development Command under Contract AF 19(604) - 1936 and are made at the request of scientists actively engaged in research at AFCRS, Geophysics Research Directorate.

1958. JACOBSEN, Eric: Translation ; A traditional craft, Copenhagen.
An historical study of translation as a humanistic discipline, together with a detailed analysis of Marlowe's versions from Ovid.

1958. PASTERNAK, Beris : " Translating Shakespeare" 20th Centr, 164: 213-228.
Brief interpretations of plays which Pasternak has translated.

1958. Tezisy konferencil po masinnomy perevoda (15 - 21 maja g) Papers of the conference on machine translation). Moscow.
A stimulating linguistic discussion of the cardinal problems connected with automatic translation.

1959. The best book on the subject in English (239-p), Bib. p. 271-293.

1959. BROWER, REUBEN ARTHUR: "Translating and Interpreting",Harvard Univ. Press; 1959.

1959. BROWER, REUBEN ARTHUR". "On Translation", Harvard Univ. Press, Cambridge, (270) Bib p.271.
EUGENE A. NIDA: Principles of Translation as Exemplified by Bible Translating.
DUDLEY FITTS: The Poetic Nuance.

RICHMOND LATTIMORE: Practical Notes on Translating Greek Poetry.
ROLFE HUMPHRIES:Latin and English Verse - Some Practical Considerations-
JACKSON MATHEWS'. Third Thoughts on Translating Poetry.
JUSTIN O'BRIEN: From French to English.
EDWIN MUIR AND WILLA MUIR: Translating from the German.
VLADIMIR,NABOKOV: The Servile Path,
ACHILLES FANG: Some Reflections on the Difficulty of Translation.
RENATO POGGIOLI: The Added Artificer.
WILLARD V. QUINE: Meaning and Translation.
REUBEN A. BROWER: Seven Agamemnons.
DOUGLAS KNIGHT-. Translation: The Augustan Mode.
JOHN HOLLANDER: Versions, Interpretations and Performances.
ROMAN JAKOBSON: On Linguistic Aspects of Translation. .
ANTHONY G. OETTINGER: Automatic (Transference, Translation, Remittance, Shunting).
BAYARD QUINK MORGAN: A Critical Bibliography of Works on Translation.

1960ء۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: مضمون: 'ترجمے کے مسائل'

''ترجمے کے تین طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اصل متن کا صرف لفظی ترجمہ کر دیا جائے اور بس (اسے ترجمہ کرنا نہیں کہتے، مکھی پر مکھی مارنا کہتے ہیں) دوسرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ مفہوم لے کر آزادی کے ساتھ اپنی زبان کے روایتی و مقبول انداز بیان کو سامنے رکھتے ہوئے ترجمہ کر دیا جائے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ترجمہ اس طور پر کیا جائے کہ اس میں مصنف کے لہجے کی کھنک بھی باقی رہے۔ اپنی زبان کا مزاج بھی باقی رہے اور ترجمہ اصل متن کے بالکل مطابق ہو۔ ترجمہ کی یہ شکل سب سے زیادہ مشکل ہے۔ ایسے ترجموں سے زبان و بیان کو ایک فائدہ تو یہ پہنچتا ہے کہ زبان کے ہاتھ بیان کا ایک نیا سانچہ آ جاتا ہے دوسرے، جملوں کی ساخت ایک نئی شکل اختیار کر کے اپنی زبان کے اظہار کے سانچوں کو وسیع تر کر دیتی ہے۔''

مطبوعہ: ''نیا دور'' کراچی شمارہ: 15۔18

مقدمہ: 'ایلیٹ کے مضامین' اردو اکیڈمی سندھ۔ کراچی بار اوّل: مئی 1960ء نیز مشمولہ: 'تنقید اور تجربہ' مشتاق بک ڈپو، کراچی، بار اوّل: 1967ء ص 121 تا 126

20 ویں صدی عیسوی۔ سرور، آل احمد: مضمون: 'تراجم اور اصطلاح سازی کے مسائل'

''ترجمے کے کام کو اب تک تصنیف کے مقابلے میں عام طور پر حقیر سمجھا گیا ہے۔ یہ بہت غلط میلان ہے۔ ترجمے کی اہمیت کسی طرح تخلیق سے کم نہیں۔ ترجمے میں تخلیق کو از سر نو پانا ہوتا ہے، اس لئے امریکہ میں ترجمے کے لئے دوبارہ تخلیق (Recreation) کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ ترجمے کے ذریعے سے ہم دوسری

زبانوں کے افکار و اقدار سے آشنا ہوتے ہیں۔ ایک فاضل کے الفاظ میں مترجم کا کام صرف لسانیاتی نہیں بشریاتی (Anthropological) بھی ہے۔"

مطبوعہ: 'نظر اور نظریے' مکتبہ جامعہ ملیہ، نئی دہلی، ص: 25 تا 271

1961. CIARDI, JOHN: "The Art of Failure", From DIALOGUE WITH AN AUDIENCE, Published by J.B. Lippincott Company, U.S.A.

"A Translators' explanation of his method has no choice but to be an apology for failure. Frost may have been right when he said that, "Poetry is what disappears in translation," For a translator to dream of success would be overweening what he tries for is no more than the best possible failure."

1961. ARROWSMITH, WILLIAM: "Translating and Interpretings", A symposium edited by University of Texas Press, 1961. (206 p).

1962. H.M.S.O: London 1962. "Translating and Interperting"

1963ء۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر: مضمون: 'اردو میں ترجموں کی نوعیت و اہمیت' ''نگار''، پاکستان، کراچی، جنوری 1963ء

''نوزائیدہ اور ترقی یافتہ دونوں زبانوں میں علمی و فلسفیانہ ابلاغ و اظہار میں ترجمے بڑے معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ترجموں ہی کی مدد سے کوئی زبان ابتدا میں گرد و پیش کی زبانوں کا اثر و نفوذ قبول کرتی ہے۔ نئے الفاظ کا اخذ و انتخاب کرتی ہے اور ترجموں ہی کی مدد سے اس میں بلحاظ ہیئت و معنے علمی و ادبی مباحث کے اظہار کا ذریعہ بننے کی صلاحیت و قوت پیدا ہوتی ہے۔''

رسالہ ''نگار، پاکستان'' کراچی، جنوری 1963ء (انگریزی سے ترجمہ نیاز فتح پوری)

1969. CATFORD, J.C. - 'Translating and Interpretıng'. A linguistic theory of translation O.U.P. London,1969 - (103.p)Bib.

1972ء۔ شاہدہ جمالہ ''بیسویں صدی میں انگریزی نظموں کے منظوم اردو تراجم۔''

مقالہ برائے ایم۔اے (اردو) نگران: سہیل احمد خاں، غیر مطبوعہ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری (اردو سیکشن) 1972ء

1974. MUHAMMAD SALIM-UR-RAHMAN: 'TRADUTTORE TRADITORE", Literary jotting, Daily Pakistan Times, Lahore.

"A literature which scoffs at the idea of enriching itself with the help of translations or insists that whatever comes from outside, should be made to conform resembles a family getting unhealthier through inbreeding. At the very least the growth of its prose if not of its poetry would be arrested."

20 ویں صدی عیسوی، جیلانی کامران: مضمون: 'ترجمے کی ضرورت' مشمولہ: 'تنقید کا نیا پس منظر'

''ایک ایسے علاقے میں جہاں لوگ ایک لسانی وحدت ہوں، وہاں ترجمے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا جب تک دولسانی

وحدتیں باہم سامنے نہ ہوں اور دونوں کے درمیان رابطہ نہ ہو، ترجمے کا عمل ظاہر نہیں ہو سکتا۔''

کتاب: 'تنقید کا نیا پس منظر' مکتبۂ عالیہ، لاہور، طبع دوم: 1986ء

1978ء۔ میرزا ادیب: مضمون: 'کچھ ترجمے کے بارے میں'

''ترجمے کو بالعموم تخلیقی ادب میں شامل نہیں کیا جاتا اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اصل اہمیت تو مصنف کی فکر کی ہوتی ہے۔ ترجمے کا تقاضا تو صرف یہ ہوتا ہے کہ اس فکر کو ایک زبان سے ماخوذ کر کے کسی دوسری زبان میں منتقل کر دیا جائے اور اس طرح یہ کوشش ایک ثانوی درجے سے آگے نہیں بڑھتی مگر جو لوگ ترجمے کے متعلق اس نوعیت کی رائے کا اظہار کرتے ہیں وہ اُس روح کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ایک حقیقی ترجمے کے پیچھے کارفرما ہوتی ہے۔ ترجمہ ایک ادب پارے کے مفہوم کی ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقلی نہیں ہے۔ بلکہ اس مفہوم کے ساتھ ساتھ اس ادب پارے کے مصنف کے اپنے زاویۂ نگاہ، اس کے شخصی رویے اور اس کے تہذیبی پس منظر کی بھی منتقلی ہے۔

ہر ادب پارے کی اپنی بو باس ہوتی ہے۔ یہ بُو باس اُس فضا میں رچی بسی ہوتی ہے جس میں ایک مصنف سانس لیتا ہے۔ یہ بُو باس ایک خاص خطۂ ارض میں بسنے والے لوگوں کی زندگی سے متعلق اجتماعی رویے سے پھوٹتی ہے۔ یہ رویہ معاشرتی زندگی کے خاص تجربات اور مشاہدات سے بروئے کار آتا ہے اور جب ایک مترجم کسی مصنف کی تحریر کو اُن عناصر کے ساتھ اپنی زبان میں لے آتا ہے تو اُس کی یہ کوشش ثانوی درجے سے بلند ہو کر تخلیقی ادب کی بلندیوں تک پہنچ جاتی ہے۔

یوں تو زندہ ادب کا کوئی دور بھی ترجمے سے محروم نہیں ہوتا۔ ہر دور میں ترجمے کا عمل جاری و ساری رہتا ہے۔ مگر دنیا کے ہر ترقی یافتہ ادب میں ایک ایسا دور بھی آتا ہے، جب دوسری زبانوں کی کتابیں بہ کثرت ترجمہ ہو کر اس کا حصّہ بن جاتی ہیں۔ یہ خصوصی طور پر دورِ تراجم کہلاتا ہے۔

یہ دور بہت اہم ہوتا ہے اور اس کے اثرات دور دور تک پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ سوال یہ کہ یہ 'دورِ تراجم' آتا کب ہے یعنی وہ کون سے ایسے حالات ہوتے ہیں جن میں ترجمہ خاص اہمیت حاصل کر لیتا ہے اور دنیا کی مختلف زبانوں کی تصانیف ترجمے کے توسط سے بڑی تیزی سے ایک خاص زبان میں شامل ہو جاتی ہیں۔

ترجمے کی ضرورت کا احساس اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ایک دور کے مصنف اپنی تنگنائے سے نکل کر ادبیاتِ عالم کے بحرِ بیکراں پر نظر ڈالتے ہیں یا جب وہ محسوس کرتے ہیں کہ اپنے ادب سے دور افکار و تصورات کے ایسے افق جگمگا رہے ہیں جن سے وہ روشنی مستعار لے کر اپنے ادب کو بھی تابناک اور درخشندہ کر سکتے ہیں۔

کسی ادب کا دورِ تراجم فکری وسعت اور اسالیب بیان کے نزع کا دور ہوتا ہے۔ یہ دور ذہنوں کے افق وسیع کرتا ہے، پیرایہ ہائے بیان میں رنگا رنگی پیدا کرتا ہے اور جس طرف دیکھا نہ تھا، اس کی طرف دیکھنے کی رغبت دلاتا ہے۔''

مطبوعہ: ''نوائے وقت'' (ادبی اڈیشن) راولپنڈی، 12 مئی 1978ء

20ویں صدی عیسوی: اعجاز احمد، تبصرہ ''جہاں گرد کی واپسی''، 'سویرا' لاہور

''ہمارے ہاں ترجمے کی خوبی یہ تصور کی جاتی ہے کہ بے ساختہ ہو، یوں لگے جیسے کتاب پہلی بار اردو میں ہی لکھی گئی ہے۔''

(رسالہ: ''سویرا'' لاہور، شمارہ 35)

1978ء۔ انیس ناگی۔ مضمون: ''ترجمے کی ضرورت''

''جب تخلیقی عمل سست روی کا شکار ہو اور نئے نظریات اور جذباتی پیراؤں کی تشکیل و تدوین کی اہلیت کسی قدر سلب ہو چکی ہو تو اس وقت خیالات کی ترویج اور نظریات کی تشکیل غیر ملکی ادب، فلسفہ اور دیگر شعبہ ہائے تخلیقات کے ذریعہ متواتر تراجم کی ضرورت نہ صرف ایک اجتماعی تقاضے کی سطح پر ابھرتی ہے بلکہ ادبی اور علمی سطح پر بھی ناگزیر ہو جاتی ہے۔''

مشمولہ: ''تصورات'' ص۔ن، پہلی کیشنز لاہور، بار اوّل: 1978ء

1979ء حسن الدین احمد (مقدمہ: ''سازِ مغرب اردو آہنگ میں''، جلد دوم)

''ترجمہ ایک باقاعدہ اور مستقل فن ہے۔ ترجمے کے فن میں مہارت اور قدرت پیدا کرنے کے لئے اور دوسرے ہنروں کی طرح شوق اور صلاحیت کے ساتھ تربیت اور ریاض کی ضرورت ہوتی ہے۔ ترجمہ محنت طلب کام ہے۔ ایک طرف وہ سنجیدگی کا مطالبہ کرتا ہے اور دوسری طرف اس فن کے اصولوں سے واقفیت بھی لازم ہے۔

اس فن کو برتنے اور اس میں مہارت تامہ پیدا کرنے کے لئے کم سے کم دو زبانوں کی ساخت اور اُن کی ادبیات سے واقفیت ضروری ہے۔ ایک طرف وہ زبان یا زبانیں جن سے ترجمہ کرنا مقصود ہو اور دوسری طرف وہ زبان جس میں ترجمہ کرنا ہو۔ دونوں زبانوں کے مزاج کو پہچاننا بھی لازم ہے۔ جس زبان میں ترجمہ کرنا ہو اس سے صرف واقفیت ہی کافی نہیں ہے۔ اس زبان کی لغت، اصطلاحات، محاوروں اور خاص طور پر مترادفات پر ماہرانہ عبور از بس ضروری ہے۔''

مقدمہ 'سازِ مغرب اردو آہنگ میں' حصہ دوم: ولا اکیڈمی حیدرآباد، دکن، بھارت، 1979ء، ص۔ 20

1981ء۔ احمد سجاد، ڈاکٹر، مضمون: ''اردو میں ترجمے کا سرمایہ''، ''نئی نسلیں'' علی گڑھ، جولائی، اگست: 1981ء

''اہلِ اردو نے بھی اپنے حالات اور مذاق کے اعتبار سے ترجموں پر خاصی توجہ صرف کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم اور جدید اردو ادب کا دامن نت نئے تراجم سے مالا مال ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہندوستان میں بہت سی قدیم اور جاندار زبانوں کی موجودگی میں اردو ایک جدید اور نوعمر زبان ہونے کے باوجود پورے ملک میں سب سے آگے اس لئے بھی نکل گئی کہ اس نے تاریخ کے ہر انقلابی موڑ پر ترقی پذیر عوامل اور ادب کے ترجموں کو اپنے دامن میں سب سے زیادہ سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔''

مطبوعہ: ''نئی نسلیں'' نمبر 10 علی گڑھ۔ جولائی، اکتوبر 1981ء

1982ء۔ غفران الجیلی، سید۔ مضمون: ''فن ترجمہ کے اصول و مبادیات''

''ایک اچھا ترجمہ ہمیشہ تخلیقی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ترجمہ سے متبادل اور مترادف الفاظ کی تلاش کرنا نہیں بلکہ اُن افراد کی رہنمائی مقصود ہوتی ہے جو دوسری زبان کو نہیں جانتے۔''

مطبوعہ: ''اردو نامہ''۔ لاہور مارچ 1982ء (سالنامہ)

1982ء جلیل قدوائی، مطبوعہ: ''اخبار اردو'' کراچی، دسمبر 1982ء

''اگر بعض انگریزی الفاظ استعمال میں آ کر ہماری زبان کا جزو بن چکے ہیں، جیسے ٹکٹ تو اُن کے ترجمے کی خاص طور پر کیا ضرورت ہے؟ ان الفاظ کو نکال دینا اتنا ہی غیر فطری اور قابل اعتراض ہوگا، جیسے ہندی والوں کی یہ ضد کہ اردو میں سے فارسی اور

عربی کے آئے ہوئے اور برسوں کے مستعمل الفاظ کو چن چن کر خارج کر دیا جائے۔''

'مسائل و مباحث' مطبوعہ ''اخبار اردو'' کراچی، دسمبر 1982ء، ص 24

1982ء سہیل احمد خاں، ڈاکٹر۔ مضمون: ''ترجمہ: تالیف، تلخیص اور اخذ کرنے کا فن۔''

''تخلیقی ادب کی عظمت کو تسلیم کرنا ضروری ہے مگر یہ کہنے سے تخلیقی ادب کی عظمت کی نفی نہیں ہوتی کہ تخلیقی ادب کی بہت سی اعلیٰ شکلوں کے پیچھے ترجمے یا اخذ شدہ چیزوں کی چمک بھی موجود ہے۔''

ماہنامہ ''کتاب'' لاہور جون 1982ء

1983. BROHI, A.K. " Importance and value of translation in Literature". Fourth all Pakistan writers Conference organized by Pakistan Academy of Letter's . 1983.

"The art of translation, let me put it as clearly as I can, is not based on mechanical law of causation but on the law of personal sympathy. It is a human transaction;"

رائٹرس کانفرنس۔ اکادمی ادبیات پاکستان، 16 اکتوبر 1983ء

1983ء حامد علی خاں، مولانا:

''میں ترجمہ کو تخلیق سمجھتا ہوں۔ مکھی پر مکھی مارنے کو ترجمہ نہیں سمجھتا۔ میں نے مولانا ظفر علی خاں کے پاس فیلن کی ڈکشنری دیکھی تو ان سے لے لی۔ میں مترجمانہ انداز میں کام نہیں کرتا تھا اور صرف انہی افسانوں کے ترجمے کرتا تھا جو میرے دل سے بات اٹھتی تھی اور جو اپنے دل کی داستانیں محسوس ہوتی تھیں۔''

انٹرویو: مرزا حامد بیگ، 29 جولائی 1983ء۔ ماڈل ٹاؤن، لاہور

1983ء عبداللہ جمالدینی۔ مضمون: 'ادبی تراجم کی افادیت'۔

''ادبی تراجم کی بدولت قلب و نظر کی کشادگی و وسعت کا سامان ہوتا ہے اور اعلیٰ نصب العین پر یقین بھی تازہ ہوتا ہے۔''

رائٹرز کانفرنس۔ اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد۔ 6 اکتوبر 1983ء

1983ء آگرو، غلام ربانی، مضمون: 'ادب میں ترجمے کی افادیت': ''نہ صرف زبان و ادب کی ترقی میں تراجم کا حصہ ہوتا ہے، بلکہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر دوسری لسانی برادریوں کے ساتھ مفاہمت، افہام و تفہیم، یگانگت اور اتحاد کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔''

رائٹرز کانفرنس۔ اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد۔ 6 اکتوبر 1983ء

1983ء۔ دلشاد کلانچوی۔ 'ادب میں تراجم کی افادیت'۔ (مقالہ برائے پی ایچ ڈی)

''ترجمے کا عمل ایک علمی و ادبی پیکر کو دوسرے پیکر میں دکھانا ہے اور وہ بھی اس احتیاط و خوبی سے کہ اس کا ڈیل ڈول، شکل و شباہت، ناز و انداز اور جزئیات و خیالات پورے طور پر منتقل ہو جائیں۔''

رائٹرز کانفرنس۔ اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد۔ 16 کتوبر 1983ء

1984ء۔ حامد بیگ، مرزا۔ ''اردو ادب میں انگریزی سے نثری تراجم۔'' مقالہ برائے پی ایچ ڈی

باب اوّل: ترجمے کا فن اور اس کی اہمیت (ترجمے کا فن، ترجمے کا جواز، ترجمے کی مشکلات، فن ترجمہ کے اصول و

مبادیات، آخر ترجمہ ہی کیوں؟ ترجمہ کی اقسام، ترجمہ کون کرے؟ ادبیات علم میں ترجمے کی روایت)۔

باب دوم: ہندوستان میں ترجمے کی قدیم روایت۔

باب سوم: نثری تراجم: 1857ء تا 1917ء

باب چہارم: نثری تراجم کا دور جدید 1917ء۔

باب پنجم: نثری تراجم کا دور جدید 1917ء سے تا حال۔

باب ششم: انگریزی سے نثری تراجم کا مجموعی جائزہ۔

ضمیمہ: الفہرست 127 اہم تراجم کا تجزیہ اور جاسوسی ادب۔

کتابیات: (ا) 46 قبل مسیح سے 1983ء تک۔

(ب) متفرق کتب و رسائل

مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی (اردو) پنجاب یونیورسٹی لائبریری اردو سیکشن (غیر مطبوعہ) 1984ء

1984ء۔ بدیع الزماں خاور، مضمون: 'کچھ اپنے تراجم کے بارے میں'، ''گلبن'' (احمد آباد) فروری، مارچ 1984ء

''انتخاب کے بعد میرے سامنے ترجمے کا مرحلہ آتا ہے جو میرے لئے تخلیق سے زیادہ سخت اور جاں کاہ ہوتا ہے۔ یوں بھی ایک زبان کے ادب کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کا کام کتنا نازک اور دشوار ہوا کرتا ہے، اہلِ نظر اس سے بخوبی آگاہ ہیں۔ منظوم ترجمے کا کام تو اور بھی مشکل ہوتا ہے۔ اس مرحلے پر مجھے ایک طرف ترجمے کے لئے منتخب کی ہوئی نظموں کی داخلی اور خارجی خوبیوں اور ان نظموں کے اظہار کے سانچوں کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے تو دوسری جانب اردو کے اپنے مخصوص مزاج کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ میرے منظوم تراجم کو اصل مراٹھی نظموں کے پیش نظر پڑھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ میں نے اکثر مراٹھی نظموں کے شعری سانچوں کو ترجمے میں بھی برقرار رکھنے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔ ترجمے کی تکمیل کے بعد اس کی صحت کی جانچ پڑتال بھی بے حد ضروری ہے۔''

مطبوعہ: ''گلبن'' احمد آباد (بھارت) فروری۔ مارچ 1984ء

1985ء۔ عطش درانی۔ مضمون: 'فن ترجمہ' اصول و بادی'، ''اخبار اردو' جنوری 1985ء

''جہاں تک ترجمے کی تعریف کا تعلق ہے، اسے ہم ان الفاظ میں بیان کر سکتے ہیں کہ ترجمہ کسی زبان پر کئے گئے ایسے عمل کا نام ہے جس میں کسی اور زبان کے متن کی جگہ دوسری زبان کا متبادل متن پیش کیا جائے۔ اس تعریف میں معانی، مفہوم، مطلب، انداز بیان اور اظہار بیان، اسلوب اور انداز کے تمام پہلو آ جاتے ہیں۔ چونکہ بنیادی طور پر یہ فن زبان سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اس کے نظری پہلو کو ہم ترجمے کا لسانیاتی نظریہ قرار دے سکتے ہیں۔''

مطبوعہ: ''اخبار اردو'' اسلام آباد۔ جنوری 1985ء ص 4 تا 8۔

1985ء حقی، شان الحق، مضمون: ''اپنے ترجمے کے بارے میں''

''ترجمہ ادلو، اجنبی، ناقص، بھونڈا، بے لطف وہاں ہوتا ہے، جہاں ترجمے کی زبان اصلی زبان سے اظہار کی صلاحیت میں ہیٹی ہو۔''

مطبوعہ: ''اخبار اردو'' اسلام آباد۔ اپریل 1985ء

1985ء۔ نثار احمد قریشی ''ترجمہ: روایت اور فن' مرتبہ و مطبوعہ: ستمبر 1985ء۔

مطبوعہ مضامین کا انتخاب، مع مقدمہ۔ ص: 1 تا 16، نظرِ ثانی: محمد شریف کنجاہی۔ مشمولات:

(الف) ترجمے کی ضرورت و اہمیت (3 مضامین: از جیلانی کامران و انیس ناگی)

(ب) ترجمے کے اصول (4 مضامین: از حاجی احمد فخری، سیّد باقر حسین، ڈاکٹر سہیل احمد خاں و سیّد غفران الجیلی)

(ج) مسائل و مشکلات (4 مضامین اور ایک مذاکرہ از ڈاکٹر ظ۔ انصاری، سیّد ہاشمی فرید آبادی، مولانا عبدالمجید سالک، ممتاز حسین، محمد حسن عسکری، ڈاکٹر جمیل جالبی و آلِ احمد سرور)

مطبوعہ: مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اوّل: ستمبر 1985ء، ص 183۔

1985ء۔ سجّاد باقر رضوی، ڈاکٹر۔ مضمون: ''افسانوی ادب کے تراجم: مسائل اور مشکلات''

''ترجموں کے سلسلے میں خواہ ترجمہ تخلیقی ادب کا ہو یا علوم کا، سب سے اہم مسئلہ وہ ذہنی رویہ ہے جو ترجموں کو ذہنی اختراع کے مقابلے میں ثانوی حیثیت دیتا ہے۔

اقوام کے درمیان لین دین اور افہام و تفہیم محض معاشی و سیاسی سطح پر نہیں ہوتی، فکری اور تہذیبی سطح پر بھی ہوتی ہے۔ اس سطح پر دیکھا جائے تو ترجموں کی اہمیت و وقعت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔''

ترجمے کے مسائل پر سمپوزیم بہ اہتمام مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، راولپنڈی۔ دسمبر 1985ء

1985ء مظفر علی سیّد۔ مضمون: ''فن ترجمہ کے اصولی مباحث۔''

''ترجمے کا تعلق اصل تصنیف سے تقریباً وہی ہے جو شہابِ ثاقب کا نجوم و کواکب سے ہوتا ہے۔ یہ بھی اکثر اوقات ایک نہ ایک سیارے سے جدا ہو کر تاریخ کے کسی نہ کسی ریگستان میں گم ہو جاتا ہے یا پھر اپنی اصل کے دائرہ کشش ثقل میں گردش کرتے کرتے خود بھی ایک چھوٹا موٹا سیارہ بن جاتا ہے، جیسا کہ فن ترجمہ کی تاریخ میں کئی بار ہو چکا ہے۔ پھر جس طرح ایک ہی سیارے سے مختلف وقتوں میں ایک سے زیادہ شہابِ ثاقب، نمودار ہو سکتے ہیں، اسی طرح مختلف ادوار میں ایک ہی کلاسیکی کارنامے سے بار بار نئے ترجمے نمودار ہوتے ہیں۔ بلکہ کلاسیک تو کہتے ہی اس کارنامے کو ہیں، جس کے ترجمے کی بار بار ضرورت پڑے اور جیسے کوئی بھی شہاب ثاقب حتمی اور آخری نہیں ہوتا، اسی طرح کسی بھی ترجمے کو حرف آخر نہیں کہا جا سکتا۔ ان ترجموں کو بھی نہیں، جن کو اپنے زمانے میں تخلیق تک سے بہتر کہا گیا ہو۔''

ترجمے کے مسائل پر سمپوزیم بہ اہتمام مقتدرہ قومی زبان۔ اسلام آباد۔ راولپنڈی۔ دسمبر 1985ء

1985ء شان الحق حقی۔ مضمون: ''ادبی تراجم کے مسائل۔''

''ترجمے کی غایت متعین ہو جانے کے بعد اگر علمی یا افادی ترجمہ متصور ہو تو وہ دو طرح کا ہو سکتا ہے۔ ایک کم و بیش لفظی، دوسرا وہ جس میں محاورہ بدل جائے۔ نیز ہر ترجمے میں اصل محاورے کی ترجمانی بھی اپنی جگہ ایک افادی پہلو رکھتی ہے، خصوصاً ان اہل علم کے لئے جو تقابلی لسانیات سے دلچسپی رکھتے ہوں لیکن ایک صورت یہ بھی ہے کہ عبارت کو تمام تر اپنے محاورے میں ڈھال لیا جائے۔ کون سا طریقہ موزوں ہوگا، یہ کتاب کی نوعیت پر منحصر ہے۔''

ترجمے کے مسائل پر سمپوزیم بہ اہتمام مقتدرہ قومی زبان۔ اسلام آباد، راولپنڈی۔ دسمبر 1985ء

1985ء ہلال احمد زبیری۔ مضمون: ''سماجی علوم کا ترجمہ اور مسائل۔''

''ترجمے کی عموماً دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو سلیس، رواں اور آزاد ہوتا ہے، دوسرا وہ جسے لفظی ترجمہ کہتے ہیں۔ لوگ عام طور پر پہلی قسم کو پسند کرتے ہیں اور دوسری قسم کو ثقیل کہہ کر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ داستانوں، افسانوں، کہانیوں، مزاحیہ خاکوں اور ہلکی پھلکی نگارشات کے ترجمے کے لئے تو پہلی قسم بہت موزوں ہوتی ہے مگر علوم وفنون کے ترجمہ میں دوسری قسم کو اختیار کیے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔ یہاں تو اصل کے ہر لفظ کے معنی اور اس کی اہمیت ترجمہ میں حتی الامکان پوری طرح منعکس ہونی چاہیے، ورنہ مصنف نے دلائل وشواہد پیش کر کے جو نتائج اخذ کیے ہیں اور ان کے اظہار و بیان کا جو پیرایہ اختیار کیا ہے، ترجمہ اُن کا آئینہ دار نہیں ہوگا۔ علمی کتابوں کا ترجمہ کرنے والے مترجم پر بڑی سنگین ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ وہ اپنے فکر کو اصل مصنف کے فکری قالب میں ڈھال کر ہی اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے۔ اسی وجہ سے اس پر زور دیا جاتا ہے کہ علوم کا ترجمہ ہر صورت میں لفظی ہونا چاہیے۔''

ترجمے کے مسائل پر سمپوزیم بہ اہتمام مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، راولپنڈی۔ دسمبر 1985ء

1986ء حامد بیگ، ڈاکٹر مرزا، مضمون: 'اردو زبان میں ادبی تراجم کا جائزہ' 'جواز' مالی گاؤں فروری 1986ء

''اردو میں مغربی زبانوں سے تراجم کا جائزہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اردو زبان و ادب کی وسعت اور گہرائی و گیرائی میں اخذ و ترجمے کا خاصا اہم کردار رہا ہے مثلاً یہ کہ ادبی تراجم نے نئے اسالیب بیان کو جنم دیا، نئے طرز احساس کو ابھارا، پیرائیہ بیان میں صلابت، متانت اور استدلال پیدا کیا اور پیرایۂ اظہار کے نئے نئے سانچے فراہم کیے۔ نیز یہ کہ نئی اصناف سے آشنا ہی نہیں کیا بلکہ اُن اصناف کو فنی وقار بھی بخشا۔''

مطبوعہ ''جواز'' مالی گاؤں (بھارت) ستمبر 1985ء تا فروری 1986ء

1986ء۔ نظیر صدیقی۔ مضمون: ''اردو میں عالمی ادب کے ترجمے: شاعری''، مشمولہ: ''اردو میں عالمی ادب کے تراجم''، اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، جولائی 1986ء

''میں سمجھتا ہوں کہ اگر ایک زبان کی شاعری کا ترجمہ دوسری زبان کی نثر میں کیا جائے تو شعری تاثیر یعنی Poetic Effect نسبتاً زیادہ منتقل ہوسکتی ہے۔ ورنہ ردیف، قافیے اور وزن کے اہتمام میں ایک زبان کی شاعری کا جتنا حصہ دوسری زبان میں منتقل ہوسکتا ہے، اُتنا بھی نہ ہوگا۔''

''اردو میں عالمی ادب کے تراجم'' مطبوعہ: جولائی 1986ء، ص:12

1986ء۔ حامد بیگ، ڈاکٹر مرزا: مضمون: ''ترجمے کا فن اور اُس کا جواز''، ''ماہ نو'' لاہور مئی 1986ء

''مترجم کا کام دراصل نیاز و ناز کا امتزاج ہے۔ اس کی دو صفات انتہائی قابل تحسین ہیں یعنی ایک تو وہ مصنف کا دل سے احترام کرتا ہے اور دوسرا لبطور مترجم وہ انتہائی دیانت داری کا مظاہرہ کرتا ہے۔۔ یوں مکمل آزادی اور دیانت دارانہ پابندی کا یہ مقام اتصال (ترجمہ) اسے دوسرے کی مصنوعات اپنے ٹریڈ مارک کے ساتھ بیچنے سے باز رکھتا ہے حالانکہ ترجمہ کرتے وقت وہ فن پارے کو اس طرح ڈھالتا ہے کہ کم از کم جزوی طور پر وہ اس کا خالق ضرور کہلا سکتا ہے لیکن یہ مترجم کی بڑائی ہے کہ وہ ایک عمدہ کاریگر کی طرح کام کرتا ہے۔ دل اور روح کی صفائی کے ساتھ۔ لیکن اپنا نام سامنے نہیں لاتا اور ترجمے کی حرمت کی مسلسل پاسبانی کرتا ہے۔''

(مطبوعہ: ''ماہ نو'' لاہور، مئی 1986ء، ص: 22 تا 29)

2008ء رالف رسل: مضمون: 'شادم از زندگی خویش، ''چہارسُو''، راولپنڈی، مئی جون 2008ء

''مترجم کی زبان وہ ہونی چاہیے جس میں وہ ترجمہ کر رہا ہے۔ میں نے ''عام قاعدہ'' اس لئے کہا کہ اس میں بعض مستثنیات ہوسکتی ہیں۔ مثال کے طور پر محمد عمر میمن کے انگریزی ترجمے اچھے ہیں حالانکہ میمن صاحب کی مادری زبان انگریزی نہیں ہے۔ لیکن عام طور پر عمدہ ترجمہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دو آدمی مل کر کام کریں۔ دونوں کو اردو اور انگریزی دونوں پر خاصہ عبور ہونا چاہیے اور ایک کی مادری زبان اردو ہونی چاہیے اور دوسرے کی انگریزی۔ بہت کم ہندوستانی مترجموں کو اس بات کا احساس ہے اور اُن کے ترجمے عام طور پر انگریزی داں دنیا میں یعنی برطانیہ، امریکہ وغیرہ میں قابل قبول نہیں ہوتے۔ اِس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ میں ایسے ترجموں کو حقیر سمجھتا ہوں۔ ایسے ترجمے ہندوستان اور پاکستان میں پسند کیے جاسکتے ہیں کیونکہ ان ترجموں کی انگریزی اور اُن کے قاریوں کی انگریزی یکساں ہے۔ لیکن ہم کو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ ترجمے انگریزی داں لوگوں میں نہیں چل سکتے۔ ان میں کچھ ایسی خامیاں ہوتی ہیں جن کا ذکر میں کرنا چاہتا ہوں۔

جن ترجموں کو میں نے دیکھا وہ عام طور پر غزلوں کے ترجمے ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں کیوں لیکن مترجموں کا عام خیال معلوم ہوتا ہے کہ ہر شعر کے ترجمے میں قافیہ ہونا چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ قافیے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ہر شعر کے دوسرے مصرعے میں قافیہ اور ردیف وہی ہے جو مطلع میں ہے، لیکن مطلع کو چھوڑ کے کسی شعر کے دونوں مصرعے آپس میں ہم قافیہ نہیں ہوتے اور عام طور پر جب لوگ کسی شعر کو نقل کرتے ہیں تو وہ شعر مطلع نہیں ہوتا۔ یہ قافیے کی تلاش عجیب وغریب نتیجے پیدا کرتی ہے۔ اوّل تو یہ کہ قافیے کی خاطر مترجم عام طور پر اپنے ترجمے میں کچھ الفاظ بڑھاتے ہیں جو اصل شعر میں کہیں نہیں ملتے۔ مثال کے طور پر داؤد رہبر کا ترجمہ دیکھیے۔ غالب کا شعر ہے:

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

اگر میری یادداشت دھوکہ نہیں دے رہی تو داؤد رہبر نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

How sweet your lips must be
I wish that I could taste that snack
My rival when you cursed him out
His tongue I saw him smack

دوسری اور چوتھی لائنیں صرف قافیے کی خاطر بڑھائی گئی ہیں۔ ان کا مترادف اردو میں نہیں ہے اور چوتھی لائن میں اصل اردو مطلب بڑے مبالغے کے ساتھ ادا کیا گیا ہے۔ یہی ترجمہ ایک آدھ دوسری خامی کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ مترجم کو بالکل حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے ترجمے میں ایسی بات لکھے جو اصل اردو میں موجود نہیں ہے۔ اگر آپ سمجھیں کہ شعر کی تشریح کی ضرورت ہے تو آپ اس پر نوٹ لکھیے۔ ترجمے میں تشریح کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس شعر کی انگریزی، انگریزی محاورے کے خلاف ہے۔ "smack" کا لفظ یہاں بالکل موزوں نہیں۔ اور انگریزی محاورے میں "smack the tongue" نہیں "smack the lips" کہتے ہیں۔

دوسری بڑی عام خامی یہ ہوتی ہے کہ مترجم سمجھتے ہیں کہ ترجمے میں "poetic diction" یعنی ''شاعرانہ اسلوب'' ہونا چاہیے۔ مثال کے طور پر اگر آپ لکھیں کہ "You have" تو یہ شاعرانہ ترجمہ نہیں ہوگا۔ اس کے بجائے "thou has" لکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ شعر کا اثر عام طور پر اس کے مفہوم سے پیدا ہوتا ہے، اس کے الفاظ سے نہیں۔ اور "you have" لکھنے سے اس کے اثر میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

تیسری بڑی خامی یہ ہوتی ہے کہ مترجموں کو اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ ترجمے میں صحیح ''رجسٹر'' (معلوم نہیں اردو میں اس کا کیا ترجمہ ہوگا) کا التزام ضروری ہے۔ یہ لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ زبان کا اسلوب اس پر منحصر ہوتا ہے کہ آپ کس شخص سے گفتگو کر رہے ہیں۔ جو زبان دو بے تکلف دوست اپنی گفتگو میں استعمال کرتے ہیں وہ اس سے مختلف ہوتی ہے جو کوئی شخص کسی میٹنگ میں تقریر کرتے ہوئے استعمال کرتا ہے۔ یعنی ان دونوں زبانوں کے ''رجسٹرز'' مختلف ہوں گے۔ اکثر مترجموں میں ''رجسٹر'' کا صحیح احساس نہیں پایا جاتا۔ سنہ 1967ء میں مجھے احمد علی کا ایک مسودہ بھیجا گیا جس میں انہوں نے اردو شاعری کا انتخاب اور انگریزی ترجمہ کیا تھا۔ اس میں دو ترجمے یہ ہیں:

The goods that you have loaded will divided be.
No daughter, son or even wife will care for thee

اور

How long will you mourn the brows arched gracefully?
Is not the head hung low a burden to thee?

لیکن پہلی لائن میں "You" لکھنا اور دوسری میں اس کے لئے "thee" لکھنا بڑا عجیب معلوم ہوتا ہے۔ کوئی انگریز ایسا ترجمہ قبول کر ہی نہیں سکتا۔ یہ دونوں نمونے اس بات کی مثال بھی پیش کرتے ہیں کہ ساری گڑبڑ قافیے کی تلاش نے پیدا کی ہے۔ دونوں میں "thee" صرف قافیے کی خاطر لایا گیا ہے۔

یہی خامی قرۃ العین حیدر کے ترجموں میں بہت نمایاں ہے۔ انہوں نے حسین شاہ کے ناول ''نشتر'' کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس میں جگہ جگہ ایسے انگریزی الفاظ لکھے ہیں جو بامحاورہ ضرور ہیں مگر ایسے موقعوں پر استعمال کئے گئے ہیں جہاں وہ بالکل موزوں نہیں۔ ایک نمونہ ہی کافی ہوگا۔ کسی نے ایک صاحب سے پوچھا کہ آپ نے کافی رقم ان لوگوں کو دی ہے؟ تو اس کے جواب میں ان صاحب نے کہا: "They will get it tonight, with knobs on" "Knobs on" پڑھ کر ہنسی آئی۔ میں سوچتا ہوں کہ قرۃ العین حیدر، دل میں کہتی ہوں گی کہ ''دیکھیے مجھے کتنی بامحاورہ انگریزی آتی ہے۔'' لیکن وہ یہ نہیں محسوس کرتیں کہ اس موقعے پر اس محاورے کی گنجائش بالکل نہیں۔ اس موقعے کے لئے یہ بالکل موزوں نہیں۔''

(مطبوعہ: ''چہارسُو'' راولپنڈی، مئی، جون 2008ء)

کتابیات

کتب:

آزاد، ابوالکلام: 'غبارِ خاطر' مکتبہ میری لائبریری: لاہور: طبع چہارم 1966ء

آفتاب حسین، میجر: 'اردو ذریعہ تعلیم اور اصطلاحات'، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی: طبع اوّل: 1965ء

ابن لندیم، علامہ: 'الفہرست' ادارۂ ثقافت اسلامیہ: لاہور طبع اوّل: 1965ء

ابن حنیف: 'دنیا کا قدیم ترین ادب' کاروانِ ادب: ملتان چھاؤنی: طبع اوّل: 1983ء

احمد عبداللہ المسدوسی: مملکت حیدر آباد: ایک علمی ادبی اور ثقافتی تذکرہ۔ بہادر یار جنگ اکادمی کراچی طبع اوّل: نومبر 1967ء

اشپرنگر، ڈاکٹر: 'فہرست کتب: بابتہ شاہی کتب خانوں کے نوادر' (جلد اوّل) طبع اوّل: کلکتہ 1854ء

امداد صابری، مولانا: 'عہد مغلیہ میں فرنگیوں کا جال'، صدیقی ٹرسٹ نشتر روڈ، کراچی نمبر 5، طبع اوّل: 1981ء

الطاف حسین حالی 'حیات جاوید'، لاہور اکادمی پنجاب، لاہور: 1957ء

الف الحراث: 'حدیقۂ میکالے'، مکتبہ دین و دنیا، اردو بازار، لاہور: طبع اوّل: 1959ء

امتیاز علی تاج: مجلس ترقی ادب، لاہور: 'تعارف و خدمات'، مطبع عالیہ: لاہور: طبع اوّل: 1967ء

اوکونر، ولیم وین: 'Ezra pound' یونیورسٹی آف مینی سوٹا پریس۔ امریکا: طبع اوّل: 1963ء

ایٹن، رچرڈ میکسویل: "Sufis of Bijapur" امریکا

اینا میری شمل، ڈاکٹر: 'The Influence of Sufism on Indo Muslim Poetry'

Pennsylvania State University Press U.S.A اوّل: 1971ء

برکت اللہ، پادری: 'صحتِ کتب مقدسہ'، پنجاب ریلیجس سوسائٹی، لاہور: طبع اوّل: س۔ن

برکت اللہ، پادری: 'تاریخ کلیسائے ہندوستان' ایضاً: طبع اوّل: 1962ء

جانکی پرشاد: 'عصر جدید' اعظم اسٹیم پریس: طبع اوّل: 1934ء

جمیل جالبی، ڈاکٹر 'تاریخ ادب اردو' (جلد اوّل)، مجلس ترقی ادب، لاہور: طبع اوّل: 1975ء

جینز، جے۔ایچ: "A History of India" میکمیلن اینڈ کمپنی سینٹ مارٹنز سٹریٹ لندن: طبع اوّل: 1944ء

حمید الدین شاہد، خواجہ: 'اردو میں سائنسی ادب: قدیم ترین کارنامے' ادبیات اردو حیدر آباد دکن: طبع اوّل: 1957ء

سبطِ حسن: 'نوید فکر'، مکتبہ دانیال عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی: طبع اوّل: 1983ء

سمتھ، جارج: 'The life of william cary' بپٹسٹ مشن برمنگھم، برطانیہ

سنگھ، ایس۔ایم: 'ولیم کیری' پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی، انارکلی لاہور: طبع اوّل 1960ء
سید، احمد خان، سر: 'Refoms under Muslim Rule' (ترجمہ: عبدالحق) طبع اوّل: 1910ء
سید احمد خان، سر: 'مقالاتِ سرسید' (جلد اوّل)، مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اوّل: 1962ء
شاہ عبدالقادر: 'ترجمۂ قرآن' الہ آباد مشن پریس: طبع اوّل: 1844ء
شبلی نعمانی: 'رسائل شبلی'، وکیل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ، امرت سر، طبع اوّل: 1911ء
شونرائن: 'A History of Govt; College Lahore' مطبوعہ: لاہور طبع اوّل: س۔ن
ضیاء الحق، ڈاکٹر 'Muslim religious education in Indo-Pak' مطبوعہ اسلام آباد: طبع اوّل 1975ء
ظہیر فتح پوری، ڈاکٹر: 'رسوا کی ناول نگاری' حروف 622۔P سید پور راولپنڈی: طبع اوّل: 1970ء
عبداللہ ملک 'پنجاب کی سیاسی تحریکیں' (جلد اوّل)، نگارشات، انارکلی، لاہور
عبدالحق، ڈاکٹر مولوی: 'مرحوم دہلی کالج'، انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی: طبع دوم۔ 1945ء
عبدالحق، ڈاکٹر: 'مقدمات' (جلد اوّل و دوم)، انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی
عبداللطیف، نواب: 'جہاد اور دارالحرب'، نول کشور پریس لکھنؤ: طبع اوّل: 1870ء
علی عباس جلالپوری: 'روحِ عصر' کتاب نما 52۔ جی سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی: طبع اوّل۔ 1969ء
فیض احمد فیض: 'مہر منیر' آستانہ پیر مہر علی شاہ، گولڑہ راولپنڈی، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹر جی۔ٹی روڈ طبع اوّل س۔ن
کیری، سیموئل پیئرس: 'ولیم کیری ڈی۔ڈی۔ایف۔ایل۔ایس، مطبوعہ برطانیہ طبع اوّل س۔ن
کیری، ولیم: 'انکوائری' ناٹنگھم برطانیہ: طبع اوّل: 1792ء
گارساں دتاسی: 'مقالاتِ گارساں دتاسی'، انجمن ترقی اردو (ہند) اورنگ آباد دکن: طبع اوّل 1935ء
گرے، پی: 'تحسینِ شعر' (ترجمہ: روبینہ ترین)، کاروان ادب ملتان چھاؤنی: طبع اوّل 1985ء
محمد احمد سبزواری: 'علم معاشیات پر اردو کتابیں اور ترجمے' انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی
محمد اشرف، حاجی: 'اختر شاہی' اختر پریس لکھنؤ، طبع اوّل: س۔ن
محمد حسن عسکری: 'وقت کی راگنی'، محراب، پاک ٹی۔ ہاؤس لاہور طبع اوّل: 1979ء
محمد حسن عسکری: 'ستارہ یا بادبان' مطبوعہ: لاہور
محمد صادق، ڈاکٹر: 'محمد حسین آزاد: حیات وکارنامے' مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی پنجاب یونیورسٹی لائبریری (انگریزی سیکشن) قلمی
محمد عبداللہ، (ڈاکٹر) سید: 'سرسید احمد خان اوران کے رفقاء کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ، جدید پریس، لاہور
مخدوم محی الدین: 'ٹیگور اور اس کی شاعری' ادارۂ ادبیات اردو خیریت آباد، حیدرآباد دکن: طبع اوّل 1935ء
مسکین علی حجازی: 'فنِ ادارت'، مرکزی اردو، لاہور
مناظر احسن گیلانی: 'تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ'، نفیس اکیڈمی عابد روڈ، حیدرآباد دکن طبع اوّل۔ 1946ء
میر حسن: 'مغربی تصانیف کے اردو تراجم' ادارۂ ادبیات اردو، حیدرآباد دکن: طبع اوّل: 1939ء

میرزا ادیب: 'بہترین ادب' مکتبہ اردو، لاہور طبع اوّل: 1955ء
نذیر احمد دہلوی، مولانا: 'ترجمہ قرآن مجید' تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، پاکستان: طبع دوم: س۔ن
نورالحسن نقوی، ڈاکٹر: 'سرسید اور ہندوستانی مسلمان'، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ طبع اوّل: 1979ء
نیاز احمد خان ہوش: 'تاریخ روہیل کھنڈ' روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی پریس، طبع اوّل: 1866ء
وحیدالدین سلیم: 'وضع اصطلاحات' انجمن ترقی اردو (ہند) اورنگ آباد دکن، طبع اوّل: 1921ء
وحید قریشی، ڈاکٹر: 'اردو کا بہترین انشائی ادب'، میری لائبریری لاہور، طبع اوّل: 1964ء
وقار عظیم: 'نیا افسانہ' اردو اکیڈمی سندھ، کراچی: 1957ء
ویلی، آرتھر: 'More translations from chinese' جارج ایلن اینڈ انون لمیٹڈ۔
ہاؤلز، جارج: 'The story of Serampor and its College' سیرام پور کالج پریس۔ طبع اوّل: 1927ء
ہیمنگوے، ارنسٹ: 'The snows of Kilimanjaro' پینگوئین ماڈرن کلاسک 1965ء۔

مضامین/تبصرے/مراسلات

ابوسلمان شاہجہانپوری، ڈاکٹر: 'برصغیر کے علمی، ادبی اور تعلیمی ادارے'، مطبوعہ: مجلّہ 'علم و آگہی' (خصوصی شمارہ)
گورنمنٹ نیشنل کالج، کراچی 74۔1973ء
اعجاز احمد: 'جہاں گرد کی واپسی' (تبصرہ) مطبوعہ: 'سویرا' لاہور، شمارہ 35
امتیاز علی تاج 'گورنمنٹ کالج ڈریمیٹک کلب' مطبوعہ: 'صحیفہ' لاہور (تاج نمبر) 1972ء
انور سدید، ڈاکٹر: 'سریئلی تحریک اور ادب'، مطبوعہ: 'جواز' مالی گاؤں (بھارت) اپریل 1980ء
بادشاہ حسین، ڈاکٹر: 'خودنوشت'، مطبوعہ: 'افکار' کراچی جون 1975ء۔
بروہی، اے۔کے: "Importance and value of translations" (غیر مطبوعہ)
سالانہ کانفرنس اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد اجلاس 6 اکتوبر 1983ء۔
جلیل قدوائی: 'مسائل و بحث' (مراسلہ) مطبوعہ: 'اخبار اردو' کراچی دسمبر 1982ء
جیکبسن، رومان: 'On Linguistic aspecte of trans' مشمولہ: "On Translation" مرتبہ: روبن اے۔ براور،
ہاورڈ یونیورسٹی پریس، کیمبرج امریکا: 1959ء
جیلانی کامران، 'ترجمے کی ضرورت' مشمولہ: 'تنقید کا نیا پس منظر' مطبوعہ: لاہور
حمید حسن خان: 'علمی زبان کی حیثیت سے اردو اور انگریزی کا' مقابلہ مطبوعہ: 'لیل و نہار' لاہور 17 جنوری 1960ء
رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر 'دارالترجمہ: حیدرآباد دکن' مطبوعہ: 'اخبار اردو'، اسلام آباد: مارچ 1985ء
روسیٹی، ڈی۔ایچ: 'Some reflections on the difficulty of translation' مرتبہ: روبن اے۔ براور،
ہاورڈ یونیورسٹی پریس کیمبرج امریکا: 1959ء
سلیم واحد سلیم: 'اقبال کی فارسی شاعری اور اہل ایران'، مطبوعہ: 'سویرا' لاہور شمارہ 7۔8

سہیل احمد خان، ڈاکٹر: 'ترجمہ، تالیف، تلخیص اور اخذ کرنے کا فن' مطبوعہ: 'کتاب' لاہور: جون 1982ء
سید احمد خان، سر: 'ایجوکیشن اِن انڈیا' مطبوعہ۔ اورینٹل کالج میگزین، لاہور جنوری 1896ء
سید محمد رضی: 'آپس کی باتیں' (مراسلہ) مطبوعہ: 'ادبی دنیا' لاہور، شمارہ 5 دور پنجم ص 244
صلاح الدین احمد، مولانا: 'چند لمحے سجاد حیدر کے ساتھ' مطبوعہ: پگڈنڈی (بھارت) خصوصی شمارہ: یلدرم نمبر
ضمیر اظہر: 'اردو تراجم کا جائزہ' (غیر مطبوعہ) مقالہ برائے ایم۔اے (اردو) کراچی یونیورسٹی بابت سال 55۔1954ء
ظ۔انصاری، ڈاکٹر: ترجمے کے بنیادی اصول' مطبوعہ: 'ادب لطیف' لاہور: اگست 1953ء
عالم شاہ خان، ڈاکٹر: 'کرائے کی کوکھ' (افسانہ) مطبوعہ: 'ساریکا' (بھارت) جون 1977ء
عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر 'اردو صحافت'، مطبوعہ: نقوش، لاہور خصوصی شمارہ (لاہور نمبر)
عطش درانی، ڈاکٹر: 'دفتر مترجم السنہ شرقیہ بمبئی' مطبوعہ: 'اخبار اردو' اسلام آباد جولائی 1975ء
علی عباس جلالپوری: 'علم کلام کا آغاز و ارتقاء' مطبوعہ: 'ادبی دنیا' لاہور: شمارہ نمبر 4 دور پنجم
فینگ، اکلیس: 'Some reflections on the difficulty of trans' مشمولہ: 'On Translation' مرتبہ روبن اے۔ براور ہارورڈ یونیورسٹی پریس، کیمبرج: 1959ء
کلب علی فائق رام پوری: 'تاریخ لبنان' (تبصرہ) مطبوعہ: 'صحیفہ' لاہور: جولائی 1963ء
گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، (1) اصطلاحات سازی، مطبوعہ: 'غالب' کراچی: جنوری مارچ 1976ء (2) 'ہندوستان زبان' بمبئی جنوری۔اپریل 1975ء
مجید بیدار: 'جامعہ عثمانیہ'، مطبوعہ 'اردو' کراچی خصوصی شمارہ ڈائمنڈ جوبلی یادگار مجلہ: 1979ء
محمد ایوب قادری، ڈاکٹر: 'شمالی ہند کی لٹریری سوسائٹیاں' مطبوعہ: ''علم و آگہی'' گورنمنٹ نیشنل کالج، کراچی خصوصی شمارہ: 74۔1973ء
محمد باقر، ڈاکٹر: 'مرحوم انجمن پنجاب' مطبوعہ: 'اورینٹل کالج میگزین'، لاہور
محمد حسن عسکری: 'کچھ ترجمے کے بارے میں' مطبوعہ: 'ماہ نو' لاہور (عسکری نمبر) مارچ 1978ء
محمد حسن عسکری: 'گر ترجمے سے فائدہ اخفائے حال ہے'، مطبوعہ: 'ماہ نو' کراچی: فروری 1954ء
محمد صادق، ڈاکٹر: 'نذیر احمد ایک جائزہ' مطبوعہ 'ماہ نو' کراچی: مئی 1951ء
محمد عارف منان قریشی: 'فورٹ ولیم کالج ایک نزاعی مسئلہ' مطبوعہ: 'ماہ نو' کراچی اکتوبر 1964ء
محمود ہاشمی: 'ایک خطرناک میلان' مطبوعہ اوراق' لاہور شمارہ 4 - 1966ء
مظفر علی سید: فنِ ترجمہ کے اصولی مباحث'، مشمولہ: 'روداد سیمینار اردو زبان میں ترجمہ کے مسائل'، مطبوعہ: مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اوّل: 1986ء۔
ممتاز حسین: 'اردو میں سائنسی تدریس کے امکانات' مشمولہ 'ذکر اردو'، مطبوعہ: تعلیم الاسلام کالج، ربوہ: 1964ء
میتھیوز، جیکسن: 'Third thought on translating peotry' مشمولہ 'On translation' مرتبہ: روبن اے۔ براور ہارورڈ یونیورسٹی پریس، کیمبرج: 1959ء
نیڈا، یوجین اے: 'Principles of trans As exemplified by Bible' مشمولہ: 'On Translation' مرتبہ: روبن اے۔ براور۔

رسائل/ اخبارات

'آموزگار' (ماہنامہ) بھارت: جون 1985ء

'اردو' (ماہنامہ) دہلی۔ بھارت: جنوری 1924ء

'الفضل' (ماہنامہ) قادیان۔ بھارت: شمارہ 20، مئی 1916ء

'جسارت' (روزنامہ) کراچی۔ پاکستان: مورخہ 15 نومبر 1984ء

'صحیفہ' (ماہنامہ) لاہور۔ پاکستان: شمارہ 22 ص 71

'عثمانیہ' (ماہنامہ) جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔ بھارت۔ (خصوصی شمارہ)

'کتاب' (ماہنامہ) لاہور۔ پاکستان: فروری 1967ء

'ماہِ نو' (ماہنامہ) کراچی۔ پاکستان: مارچ 1952ء

'نقوش' لاہور۔ پاکستان: خصوصی شمارہ (آپ بیتی نمبر) شمارہ: 572

'نگار' (ماہنامہ) دہلی۔ بھارت۔ اکتوبر 1979ء

'نوائے ادب' بمبئی۔ بھارت: جنوری 1958ء

'نیرنگ خیال' (ماہنامہ) لاہور۔ پاکستان: اپریل 1939ء، ص 52

'ہمایوں' لاہور۔ پاکستان: مارچ 1940ء، ص 182

'Quarterly review'، لندن۔ برطانیہ۔ شمارہ: 2

فہرست مآخذ: بابت توضیحی کتابیات

الف۔ کتب وفہارس کتب:

حوالہ نمبر:

1۔ 'الفہرست مرتبہ: سجاد مرزا بیگ دہلوی، حیدرآباد دکن: نظام پریس، طبع اوّل: 1923ء

2۔ 'الفہرست'، مشمولہ: اُردو ادب میں انگریزی سے نثری تراجم'، از مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی، اردو سیکشن پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور 1984ء

3۔ 'پاکستان میں اردو کے ترقیاتی ادارے'، مرتبہ: ایوب صابر، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد: طبع اوّل: 1985ء

4۔ 'فہرست کتب صدیق بک ڈپو۔ لکھنؤ، مرتبہ: شفیق شاہ پوری، مطبوعہ یونائیٹڈ انڈیا پریس، نیا گاؤں، لکھنؤ: 1939ء

5۔ 'فہرست کتب مشمولہ: 'مغربی تصانیف کے اردو تراجم'، از میر حسن، مولوی: حیدرآباد دکن: ادارہ ادبیات اردو، خیریت آباد، طبع اوّل:1939ء

6۔ 'کتابیات اردو مطبوعات'1984ء۔ مرتبہ خالد اقبال یاسر، مطبوعہ: مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اوّل: 1985ء

7۔ 'گشتی کتب خانہ انجمن ترقی اردو (ہند) حیدر آباد دکن۔ مرتبہ: سیّد علی شبر، حاتمی (ناظم) محمد عبدالہادی (مہتمم) مطبوعہ: حیدرآباد دکن، طبع اوّل: 1944ء

8۔ 'مملکت حیدرآباد دکن: ایک علمی، ادبی اور ثقافتی تذکرہ'، مرتبہ: احمد عبداللہ المدوسی، مطبوعہ: بہادر یار جنگ اکادمی سراج الدولہ روڈ، بہادرآباد، کراچی 5، طبع اوّل: نومبر 1967ء

ب۔ ذخائر کتب

9۔ ابوالکلام آزاد لائبریری، جامعہ علی گڑھ، علی گڑھ (بھارت)

10۔ پنجاب پبلک لائبریری، لاہور (پاکستان)

11۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور (پاکستان)

12۔ دیال سنگھ (ٹرسٹ) لائبریری، لاہور (پاکستان)

13۔ غالب لائبریری، ناظم آباد، کراچی (پاکستان)

14۔ کتب خانہ خاص و عام، انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی
15۔ لائبریری، ترقی اردو۔ بیورو، (حال: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان) نئی دہلی (بھارت)
16۔ لیاقت نیشنل لائبریری، کراچی (پاکستان)
17۔ ذخیرۂ کتب: موسسہ فرینکلن نیویارک۔ لاہور، مملوکہ: مولانا حامد علی خان، سابق ڈائریکٹر موسسہ فرینکلن لاہور، (پاکستان)
18۔ ذخیرۂ کتب: 'کتاب گھر' ڈی۔ 476 اقبال روڈ راولپنڈی، ناشر: کامران سیریز۔
19۔ ذخیرۂ کتب: ایوب لائبریری، نزد گورنمنٹ ہائی اسکول، اٹک شہر

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ ترجمے کے موضوع اور مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے کتابیات اور ترجمے کے نظری مباحث پر ان کی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں، ترجمے سے متعلق، مختلف اداروں اور اُصولوں کے جائزے کے ساتھ ساتھ ترجمے کی قدیم روایات اور زمانہ حال تک نثری تراجم کا جائزہ پیش کیا گیا ہے، تیز سو سے زائد اہم تراجم پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

ترجمے کے میدان میں کام کو مزید آگے بڑھانے سے قبل اس نوعیت کا جائزہ، جس میں اردو نثری تراجم کے نمایاں رجحانات کو موضوع بنایا گیا ہو، ایک اہم ضرورت کا درجہ رکھتا ہے تا کہ ان کی روشنی میں آئندہ کے لیے اُصول و مبادیات وضع کرنے میں سہولت رہے اور اُن کے حسن و قبح کی روشنی میں مترجمین اپنا لائحہ عمل مرتب کر سکیں۔

پیش لفظ، مغرب سے نثری تراجم، اسلام آباد۔ 1988 — ڈاکٹر جمیل جالبی

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ، ایک الگ تھلگ حیثیت سے ایسے مقام پر نظر آتے ہیں جہاں وہ فردِ واحد نہیں، ایک ادارہ بن چکے ہیں۔ انہوں نے اتنا وسیع اور اتنی تیز رفتاری سے کام کیا ہے، جس کی توقع بالعموم ایک ادارے سے ہی کی جا سکتی ہے۔

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے جب اس کام کی طرف توجہ کی تھی تو اُن کے سامنے بیک وقت کئی اہم سوالات آئے تھے۔ مثلاً ترجمہ ہوتا کیا ہے؟ اردو میں ترجمے کا آغاز کب ہوا تھا؟ مترجمین نے مختلف کتابوں کو اردو میں منتقل کرتے وقت کن مقاصد کو پیشِ نظر رکھا تھا؟ ترجمے کی عہد بہ عہد تاریخ کیا ہے؟ جو کتابیں منتقل ہوگئی تھیں، اُنہوں نے ہمارے ادب پر موضوعاتی اور اسلوبیاتی کیا اثرات مرتب کیے ہیں؟

مرزا حامد بیگ نے ان سوالات کے جواب اپنی جن کتابوں میں تفصیلاً دیئے ہیں، اُن کے نام ہیں: ''ترجمے کا فن: نظری مباحث''، ''مغرب سے نثری تراجم''، ''کتابیات تراجم: علمی کتب''، ''کتابیات تراجم: نثری ادب''۔ یہ کام اپنے دامن میں انسائیکلو پیڈیائی معلومات لئے ہوئے ہے اور میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے اس کی تحقیق، تعمیر میں عاشقانہ نیاز مندی کا ثبوت دیا ہے۔ اُن کی معروضات (Applications) انتہائی قابلِ تحسین ہیں۔ ایک تو اُنہوں نے ترجمے کے فن کا دل سے احترام کیا ہے اور دوسرا، بطور محقق، مورخ، مُفسر و مُبصر کے انتہائی دیانت داری کا مظاہرہ کیا ہے۔

اذکار و افکار، روزنامہ: نوائے وقت، لاہور (ادبی ایڈیشن)، 8 ستمبر 1988ء — میرزا ادیب

ISBN: 978-969-496-464-5